سیرتِ طیبہ

رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم

www.KitaboSunnat.com

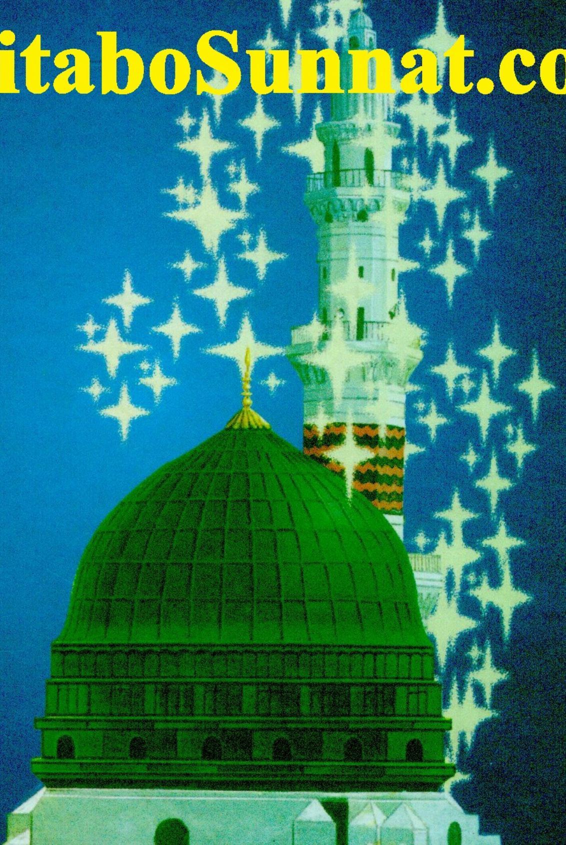

طالب الہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- **کتاب وسنت ڈاٹ کام** پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- **مجلس التحقیق الاسلامی** کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد **(Upload)** کی جاتی ہیں۔
- **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ **(Download)** کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

سیرتِ طیبہ

رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم

www.KitaboSunnat.com

طالب الہاشمی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ دانائے سُبُل ختم الرُّسُل مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

(اقبالؒ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیرتِ طیبہ
رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم

طالب الہاشمی

القمر انٹرپرائزز
غزنی سٹریٹ
اردو بازار ○ لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوبصورت، معیاری کتابیں

القمر انٹرپرائزز

اہتمام: محمد سعید اللہ صدیقی

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

طبع اوّل:	2004ء
مطبع:	ندیم یونس پرنٹرز ٥ لاہور
تعداد:	ایک ہزار
قیمت:	650 روپے

المكتبة الرحمانية

۹۹۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

نمبر ......17021......

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرستِ مضامین

تقدیم۔ جناب پروفیسر حفیظ الرحمن احسن	25
عرضِ مؤلف	39
نعت مولانا ظفر علی خان	43
بعثتِ نبویؐ سے قبل دنیا کی حالت	44
رحمتِ عالمیان ﷺ کا وطنِ مالوف (جزیرہ نمائے عرب)	48
رحمتِ عالمیان ﷺ کا مولدِ مبارک (مکّہ معظّمہ)	52
عرب کا جاہلی معاشرہ	55
اہلِ عرب کے مفاسد اور رذائلِ اخلاق (نظمِ حالیؒ)	60
تصویر کا دوسرا رُخ (اہلِ عرب کی بعض خصوصیات)	62
اہلِ عرب کے طبقات اور قسمیں	65
رسولِ اکرم ﷺ کا نسب مبارک	67
حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کا سلسلۂ نسب	67
رسولِ پاک ﷺ کے جدِّ اعلیٰ اور مورثِ اعلیٰ	69
قریش	78
رسولِ اکرم ﷺ کا خانوادہ	81
قُصَیّ بن کلاب	81
عبدالدار اور عبدِ مناف	81
جناب ہاشم بن عبدِ مناف	82
جناب عبدالمُطَّلِب	84
جناب عبداللہ بن عبدالمطلب (حضور ﷺ کے والدِ ماجد)	86
جناب عبداللہ کی شادی	87
جناب عبداللہ کی وفات	87
اصحابُ الفیل کا واقعہ	87
بشاراتِ ظہور	90
ولادتِ باسعادت	93
ظہورِ قُدسی	94
رسول اللہ ﷺ کی تاریخِ ولادت	95
ہر طرف نور ہی نور	96
عقیقہ اور اسمِ گرامی	96
کنیت	97
رَضاعت	98
بنوسعد کی خوش بخت خاتون	98
برکت والا بچہ	99

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	واقعہ شق صدر	100
	والدہ کی آغوشِ محبت میں	100
	ننھے حضور ﷺ کا سفر یثرب	101
	والدہ ماجدہ کا انتقال	102
	جناب عبدالمطلب کی کفالت میں	102
	جناب عبدالمطلب کی وفات	103
	جناب ابوطالب کی کفالت میں	104
	آنحضور ﷺ کا بکریاں چرانا	106
	پاکیزہ بچپن، مثالی لڑکپن	107
	شام کا پہلا سفر	109
	بحیرا راہب کا واقعہ	109
	حربِ فجار	113
	حِلف الفضول	114
	پاکیزہ جوانی	116
	بی بی خدیجہؓ کی پیشکش	116
	حضرت خدیجہؓ کے ساتھ تجارت میں شرکت	117
	حضرت خدیجہؓ سے عقدِ ازدواج	117
	آنحضور ﷺ حضرت علیؓ کے کفیل بن گئے	118
	قوم کو خانہ جنگی سے بچا لیا	119
	آثارِ نبوت	122
	بعثتِ مبارک	124
	غار سے مراجعت	125
	فترۃ الوحی (وحی کا رک جانا)	126
☆	نماز کی فرضیت	127
	دعوتِ حق کے ابتدائی تین سال	128
	مسلمانوں کے اجتماع اور دعوتِ اِلٰی اللہ کا پہلا مرکز	132
	برملا تبلیغ حق کا آغاز	134
	قریبی رشتہ داروں کو دعوت	134
	کوہِ صفا پر اعلانِ حق	135
	پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق سے	137
	مخالفت کا طوفان	139
	کافروں کے مخالفانہ حربے	140
	ترغیب وتحریص کا حربہ	141
	جناب ابوطالب کے پاس قریش کے وفود	145
	پہلا وفد	145
	دوسرا وفد	146
	تیسرا وفد	147
	چوتھا وفد	147
	معاندین کو جناب ابوطالب کا انتباہ	149
	ذاتِ رسالتمآب ﷺ پر تنگِ انسانیت ظلم وتشدد	150
	دورانِ تبلیغ میں ایذا رسانیاں	151
	اشرارِ قریش کا عمومی رویہ	152
	صاحبزادے کی وفات پر مشرکین کا اظہارِ مسرت	152
	صاحبزادی کو طلاق دلوانے کی کوشش	153

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	محمد ﷺ کے بجائے مذمّم کہنے کی رذالت	153
	تلاوتِ قرآن میں خلل اندازی	153
	لغو اعتراضات	154
	نامعقول مطالبات	154
	گلوئے مبارک میں پھندا	155
	پشتِ مبارک پر نجس اوجھ	155
	ابولہب کی رذالت اور چیرہ دستیاں	156
	بیٹوں سے دخترانِ رسول ﷺ کو طلاق دلوائی	157
	بدطینت پڑوسی	157
	ابولہب کے گستاخ بیٹے کا عبرت ناک انجام	158
	آنحضور ﷺ سے بغض و عناد کی انتہا	158
	ابوجہل کی دست درازیاں	160
	مشرکین کی گھٹیا اور چھچھوری حرکتیں	162
	اذان کے ساتھ تمسخر	162
	اہلِ ایمان کی تذلیل و تضحیک	163
	مشرکینِ قریش کی کٹ حجتی اور کج بحثی	163
	قرآنِ پاک کے بارے میں غلط بیانی	164
	پیغامِ حق کے مقابلے میں داستان گوئی	165
	جھوٹ کی مہم یا افتراء پردازی	166
	آلِ یاسرؓ کی بلاکشی	167
	بیکس غلاموں اور کنیزوں پر جور و ستم	170
	حضرتِ بلالؓ بن رباح	170

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	حضرت حمامہؓ	172
	حضرت ابوفکیہہ یسار ازدیؓ	172
	حضرت لُبَینہؓ	173
	حضرت اُمِ عُبیسؓ	173
	حضرت عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ	173
	حضرت نہدیہؓ اور ان کی بیٹیؓ	174
	حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا	174
	حضرت خبابؓ بن الارت کی بلاکشی	175
	ذی حیثیت مسلمانوں پر مشرکین کا قہر و عتاب	178
	حضرت ابوبکرؓ کی بلاکشی	178
	حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ کی بلاکشی	181
	حضرت زبیرؓ بن عوام کی بلاکشی	181
	حضرت خالدؓ بن سعید کی بلاکشی	181
	حضرت عثمان غنیؓ کی بلاکشی	182
	حضرت مصعبؓ بن عمیر کی بلاکشی	183
	حضرت ابوجندلؓ کی بلاکشی	183
	حضرت عبداللہؓ بن مسعود کو قرآن خوانی کی سزا	183
	مکّہ سے باہر اسلام کی اشاعت	185
	حضرت عمروؓ بن عبسہ سُلمی کا قبولِ اسلام	185
	حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی کا قبولِ اسلام	186
	ضماد ازدیؓ کا قبولِ اسلام	189

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا قبولِ اسلام	191
	حضرت ابوذر غفاریؓ کا قبولِ اسلام	192
	پہلی ہجرتِ حبشہ	195
	دوسری ہجرتِ حبشہ	199
	مہاجرین کے خلاف مشرکین کی سازش	200
	حضرت جعفرؓ کی حق گوئی شاہِ حبشہ کے دربار میں	201
	حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عزمِ حبشہ	206
	حضرت حمزہؓ کا قبولِ اسلام	208
	حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام	211
	مسجدِ حرام میں علانیہ نماز	217
	ابوجہل سٹپٹا گیا	218
	حضرت عمرؓ کافروں کے نرغے میں	218
	حضرت عمرؓ کے مکان کا گھیراؤ	219
	شعب ابی طالب میں محصوری	220
	محصوری کے مصائب	221
	محصوری کا خاتمہ	222
	شق القمر کا تحیر خیز واقعہ	
	ایک نامی پہلوان (رُکانہ) کو پچھاڑ دیا	226
	ایک اور پہلوان (ابوالاشد جمحی) کو چت کردیا	227
	مکہ کے اہلِ ایمان کے درمیان مؤاخاۃ	228
	عام الحزن (غم کا سال)	230

نمبر شمار ☆	عنوان	صفحہ نمبر
	جناب ابوطالب کی وفات	230
	حضرت خدیجہؓ کی وفات	231
	حضرت سودہؓ سے نکاح	232
	حبشہ سے مہاجرین کی واپسی	233
	طائف کا پُرصعوبت سفر	234
	طائف سے واپسی	238
	وادیٔ نخلہ میں قیام	240
	مکہ میں داخلہ	241
	اِسراء و معراج النبی ﷺ	242
	اسراء اور معراج کا زمانہ اور دن	243
	اسراء اور معراج کے مبادیات	243
	شقِ صدر	244
	مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک	244
	بیت المقدس سے عالمِ بالا تک کا سفر	245
	آسمانِ اوّل پر وُرود	246
	مجاہدین فی سبیل اللہ	246
	تارکینِ صلوٰۃ اور مانعینِ زکوٰۃ	247
	امانت میں خیانت کرنے والے	247
	حرام خور	247
	سود خور	247
	چغلخور اور عیب چین	247
	علمائے سُوء	248
	غیبت کرنے والے	248

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	دروغ گو	248
	بدکار اور حُسن کی نمائش کرنے والی عورتیں	248
	بعد کے چھ آسمانوں پر	249
	سِدرۃ المنتہیٰ	249
	تین عطیّے	249
	نمازوں کی تعداد میں تخفیف	250
	معراج جسم کے ساتھ بیداری کی حالت میں ہوئی	250
	شب اِسراء ومعراج کی صبح	251
	کُفّار کی زبانیں بند ہوگئیں (حضرت ابوبکرؓ کی شانِ تصدیق)	252
	مکّہ میں رسولِ اکرم ﷺ کے آخری تین سال	254
	بنوعبداللہ کو دعوتِ اسلام	255
	بنوحنیفہ کو دعوتِ اسلام	255
	بنوعامر بن صعصعہ کو دعوتِ اسلام	255
	بنوعامر کا مردِ دانا	255
	بنوعبس کو دعوتِ اسلام	256
	بنوشیبان کو دعوتِ اسلام	256
	یثرب کی چھ سعید روحیں	259
	یثرب اور اہلِ یثرب کی مختصر تاریخ	262
	انصار	262
	یثرب کے قدیم باشندے	264

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	اوس اور خزرج کی یثرب میں آمد	265
	یثرب کے یہودیوں کی تباہی	267
	ایّام الانصار	268
	زمانۂ جاہلیت میں انصار کا تمدن	270
	اسلام سے پہلے انصار کا مذہب	272
	نبی آخرالزماں کا انتظار	273
	سُوید الکامل	275
	ارضِ یثرب کا پہلا مسلمان	277
	چراغ سے چراغ جلنے لگا	278
	بیعتِ عقبۂ اولیٰ	279
	یثرب میں آنحضور ﷺ کے سفیر اور مبلّغ اسلام	280
	یثرب میں حضرت مصعبؓ کی تبلیغی مساعی	281
	یثرب میں جمعہ کا قیام	284
	شمعِ توحید کے پچھتر پروانے	285
	بارگاہِ نبویؐ میں حاضری	286
	مقدّس پیمانِ وفا	287
	انصار کے بارہ نقیب	288
	مشرکینِ قریش کا ردِّعمل	289
	یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کا آغاز	291
	سب سے پہلے مہاجر (اِلیٰ المدینہ)	291
	ہجرت کا اِذنِ عام	293
	کُفّارِ مکّہ کی ناپاک سازش	295

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	کاشانۂ اقدس کا ناکام گھیراؤ	297
	رسولِ اکرم ﷺ کے سفرِ ہجرت کا آغاز	298
	غارِ ثور میں وُرُود	298
	غارِ ثور میں نازک ترین لمحہ	299
	غارِ ثور سے روانگی (الوداع اے ارضِ مکّہ الوداع)	301
	حضرت علیؓ پر کیا بیتی	302
	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اہلِ خانہ پر کیا بیتی	302
	سُراقہ بن مالک (بن جُعشم) کا واقعہ	303
	حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ سے ملاقات	304
	اُمِ معبد کے خیمے پر وُرُود	305
	قُباء میں وُرُودِ مسعود	308
	اوس اور خزرج کے مابین صلح کرادی	310
	مسجدِ قباء کی تاسیس	310
	نبیؐ کا آستاں بن کر مدینہ بن گیا یثرب	312
	پہلی نمازِ جمعہ	313
	یثرب میں داخلہ اور فقید المثال استقبال	313
	یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا	317
	سیّد البشر کی والہانہ خدمت	318
	ہجرت کا پہلا سال	321
	میثاقِ مدینہ	323
	ہجرتِ مدینہ کے بعد کا ابتدائی زمانہ	327
	سریّۂ حمزہؓ	328
	سریّۂ عبیدہؓ بن حارث	329
	سریّۂ سعدؓ بن ابی وقاص	329
	حضرت عبداللہ بن سلام کا قبولِ اسلام	329
	مسجدِ نبوی کی تعمیر	333
	اذان کا حکم	336
	اخوّت کی جہانگیری محبت کی فراوانی	338
	انصار کا فقید المثال ایثار واخلاص	341
	اسلام کی پہلی درسگاہ اور اصحابِ صُفّہ	344
	ہجرت کا دوسرا سال	353
	اِذنِ جہاد	355
	غزوۂ ابواء یا ودّان	356
	غزوۂ بُواط	357
	غزوہ سفوان یا بدر اولیٰ	357
	غزوۂ ذُوالعُشَیرہ	357
	سریّۂ نخلہ	358
	تحویلِ قبلہ	362
	صِیامِ رمضان کی فرضیت	365
	غزوۂ بدرِ کبریٰ	366
	غزوۂ بدر کے اسباب وعلل	368

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	ضمضم کی اشتعال انگیزی	369
	مکہ میں ہیجان	369
	کفار کے طوفانی لشکر کی روانگی بجانبِ بدر	369
	جیشِ اسلامی کی مدینہ سے روانگی	371
	رسولِ اکرم ﷺ کا صحابہؓ سے مشورہ	374
	فریقین بدر پہنچتے ہیں	377
	رحمتِ الٰہی کا نزول	378
	مقدس عریش	379
	لڑائی سے پہلے کے چند متفرق واقعات	380
	ایفائے عہد شرکتِ جہاد سے زیادہ ضروری ہے	380
	مشرک سے مدد نہیں لی	380
	عمائدِ قریش کی قتل گاہوں کی نشاندہی	380
	ایک متکبر مشرک کا قتل	381
	حُبِ رسول ﷺ کا ایمان افروز مظاہرہ	381
	ایک عجیب نظارہ	382
	فریقین کے علم بردار	384
	لڑائی کا آغاز	384
	فتح مبین	386
	شوقِ شہادت کی انتہاء	388
	واہ والے حارثہ	389
	ابوالبختری کا قتل	390
	ابوجہل کا قتل	391
	حضرت زبیرؓ کی سرفروشی	393
☆	حضرت علیؓ کی سرفروشی	394
	حضرت ابودجانہ انصاریؓ کی جانبازی	394
	امیہؔ بن خلف اور علی بن امیہؔ کا قتل	394
	نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کا قتل	395
	راہِ حق میں سر کٹانے کی ہے کتنی آرزو	396
	شاهت الوجوه	396
	غزوۂ بدر کے شہداء	396
	کفار کے مقتولین	397
	فتح کی بشارت مدینہ منورہ میں	397
	مالِ غنیمت کی تقسیم	399
	اسیرانِ جنگ سے حسنِ سلوک	399
	ابولہب کا عبرتناک انجام	402
	جانی دشمن جاں نثار بن گیا	402
	غزوۂ بنی قینقاع	405
	سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ کی شادی	407
	پہلی عید الفطر (شوال ۲ھ ہجری)	409
	پہلی عید الاضحیٰ (ذوالحجہ ۲ھ ہجری)	409
	خوشی کے دو دن	409
	غزوۂ سویق	410
	ہجرت کا تیسرا سال	411
	غزوۂ قرقرۃ الکدر	413
	غزوۂ غطفان یا ذی امر	414
	غزوۂ بحران	414

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سریۂ قردہ	415
	غزوۂ اُحد	416
	رسولِ اکرم ﷺ کی مدینہ سے روانگی	418
	عبداللہ بن اُبی کی غداری	419
	لشکرِ اسلام دامنِ اُحد میں	420
	لڑائی کا پہلا دور	420
	حضرت حمزہؓ کی شہادت	422
	لڑائی کا دوسرا دور	423
	مشرکین کا میدانِ جنگ سے فرار	427
	شہداءِ اُحد کی تکفین وتدفین	428
	دشمنوں کا تعاقب (غزوۂ حمراء الاسد)	429
	غزوۂ اُحد کے چند ایمان افروز واقعات	431
	بہتر دُعا	432
	بہشت کی خوشبو	433
	رسول اللہ ﷺ کی سپر	433
	حضرت ثابتؓ بن دحداح کی للکار	434
	میری جان آپ کی جان پر قربان	435
	حضرت عمروؓ کا جوشِ ایمان	435
	عَمَلِ قلیل واجرِ کثیر	436
	دو مجاہد بچے	437
	غسیل الملائکہ	439
	مبارک آنکھ	439
	حضرت زید بن خطاب کا شوقِ شہادت	440
	ابودجانہؓ خوب لڑے	440
	ایں سعادت بزورِ بازو نیست	442
	سات انصاری سرفروش	443
	یہ خوش بختی اللہ اللہ	443
	میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں	444
	میں حقِ وفا کو نباہ کر رہوں گا	445
	حضرت مخیریقؓ کا جذبۂ فدویت	446
	حضرت سہلؓ بن حُنَیف کا جذبۂ فدویت	447
	حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا جذبۂ فدویت	448
	یہ حُسنِ عقیدت، یہ شوقِ شہادت اللہ اللہ	448
	دو ضعیف العمر مجاہد	448
	حضرت سعدؓ بن ربیع کی وصیّت	449
	غزوۂ اُحد میں خواتین کی شرکت	450
	حضرت اُمِّ عمارہؓ کی جانبازی	450
	حضرت ہند بنتِ عمرو انصاریہ کی حُبِّ رسول	452
	حضرت صفیہؓ بنتِ عبدالمطلب کا صبر	454
	ضربِ محمدی	455
	کعب بن اشرف کا قتل	457
	ایثار کا ایک ایمان افروز واقعہ	460
	ہجرت کا چوتھا سال	463
	سریۂ عبداللہؓ بن اُنیس	465

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سریۂ قطن یا سریۂ ابی سلمہؓ	466
	بئر معونہ کا سانحہ	466
	سانحۂ رجیع	469
	یہود بنی نضیر کی جلاوطنی	473
	غزوۂ نجد	476
	حکمِ تیمم کا نزول	477
	غزوۂ بدر ثانی (صغریٰ۔موعد)	479
	ہجرت کا پانچواں سال	481
	غزوۂ دومۃ الجندل	483
	وفدِ بنی مزینہ کی مدینہ میں آمد	483
	واقعۂ تخییر	484
	غزوۂ بنی مصطلق یا غزوۂ مریسیع	485
	حضرت جویریہؓ سے نکاح	486
	راس المنافقین عبداللہ بن ابی کی فتنہ انگیزی	487
	واقعۂ افک	491
	غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق	496
	یہودیوں کی سازش	496
	دشمنانِ حق کا متحدہ محاذ	497
	رسولِ اکرم ﷺ کا صحابہؓ سے مشورہ	497
	خندق کی کھدائی	498
	عظیم الشان فتوحات کی خبر	500
	سخت چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی	500
	حضرت جابرؓ کے ہاں دعوتِ طعام	501
	خندق کی کھدائی مکمل ہوگئی	502
	لشکرِ کفار کی آمد	502
	فریقین کے لشکروں کی تعداد	503
	اثنائے محاصرہ میں رزم و پیکار	504
	جنگ کی وجہ سے نمازیں قضا ہوگئیں	506
	بنو قریظہ کی غداری	507
	بنو غطفان سے صلح کی گفتگو	508
	حضرت صفیہؓ بنتِ عبدالمطلب کی بہادری	509
	حضرت سعدؓ بن معاذ زخمی ہوگئے	510
	نصرتِ خداوندی	511
	کفار محاصرہ اٹھا کر بھاگ گئے	514
	غزوۂ احزاب کے شہداء	515
	کفار کے مقتولین	515
	غزوۂ بنی قریظہ	516
	حضرت ابولبابہ انصاریؓ کی توبہ	517
	حضرت سعدؓ بن معاذ کی وفات	520
	بنو اشجع کے وفد کی مدینہ منورہ میں آمد	521
	ہجرت کا چھٹا سال	523
	سریۂ قرطاء یا سریۂ محمدؓ بن مسلمہ	525
	سورۃ المجادلہ کا نزول	527
	سریۂ غمر مرزوق یا سریۂ عکاشہؓ بن محصن	531
	سریۂ ذوالقصہ	531

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سریۂ ابوعبیدہؓ بن جراح	532
	دُومۃ الجندل کی مہم	532
	ابورافع سلام بن ابی الحُقیق نضری کا قتل	533
	مہم کُرزؓ بن جابر فہری	534
	سریۂ عبداللہؓ بن رواحہ	536
	سریۂ فدک	537
	سریۂ وادی القُریٰ یا سریۂ اُمِ قرفہ فزاریہ	537
	غزوہ بنی لحیان	538
	سریۂ جَموم یا جموح	538
	سریۂ عیص	539
	سریۂ طَرَف	539
	صلح حدیبیہ	540
	بُدیل بن ورقاء خزاعی کی آمد	543
	حُلَیس بن علقمہ کی آمد	544
	عروہ بن مسعود ثقفی کی آمد	545
	اشرار قریش کی فتنہ انگیزی	547
	حضرت عثمانِ غنیؓ سفیرِ رسول ﷺ بنتے ہیں	548
	ایک خطرناک افواہ	549
	بیعتِ رضوان	550
	مُصالحت کے لیے وفدِ قریش کی آمد	551
	صلحنامے کی شرائط	552
	صلحنامے کی تکمیل	555
	صحابہ کرامؓ کی آزردگی	556

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورۃ الفتح کا نزول	557
	صلح حدیبیہ کے نتائج/فوائد	557
	ہجرت کا ساتواں سال	561
	بین الاقوامی سطح پر تبلیغ اسلام	563
	مہرِ نبویؐ	564
	مکاتیب نبوی کا اسلوبِ کتابت	565
	شاہِ روم ہرقل کے نام مکتوبِ نبویؐ	566
	مُقوقِسِ مصر کے نام مکتوبِ نبویؐ	569
	شاہِ فارس (ایران) کسریٰ (خسرو) پرویز کے نام مکتوبِ نبویؐ	572
	باذان کا قبولِ اسلام	574
	نجاشی (شاہِ حبشہ) کے نام مکاتیبِ نبویؐ	574
	مُنذر بن ساوی والی بحرین کے نام مکتوبِ نبویؐ	580
	ہوذہ بن علی حاکمِ یمامہ کے نام مکتوبِ نبویؐ	581
	حارث بن ابی شمر کے نام مکتوبِ نبویؐ	582
	عُمان کے حکمرانوں کے نام مکتوبِ نبویؐ	582
	غزوۂ ذی قرد یا غزوۂ غابہ	584
	غزوۂ خیبر	
	خیبر کی طرف روانگی	590
	حضرت عامرؓ بن اکوع کی حُدی خوانی	591
	وادئ رجیع میں عارضی قیام	592
	مقامِ صہباء میں وُرودِ مسعود	592

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	خیبر کے دامن میں	593
	خیبر کے قلعوں کی تسخیر	593
	حضرت محمودؓ بن مَسلَمہ انصاری کی شہادت	594
	ایک حبشی چرواہے کی خوش بختی	595
	اخلاصِ عمل کا تحیّر خیز نمونہ	596
	حصن القَموص کی تسخیر	597
	حضرت عامرؓ بن اَکوَع کی شہادت	599
	حضرت علیؓ اور مرحب کا مقابلہ	600
	قیدی رئیسہ (صفیہؓ) کو شرفِ زوجیت بخشا	601
	حضرت جعفر اور اشعری صحابہؓ کی آمد	602
	ایک یہودیہ کی ناپاک سازش	603
	مفتوح یہودیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک	604
	حضرت ابو ہریرہؓ کی بارگاہِ رسالت میں حاضری	605
	اموالِ غنیمت کی تقسیم	606
	حبشہ سے ایک وفد کی آمد	606
	یہودِ فدک کے ساتھ معاہدۂ صلح	608
	غزوۂ وادی القُریٰ	610
	سریّۂ حِسمٰی	611
	اہلِ تیماء سے مُصالحت	613
	حضرت عبداللہؓ بن سہل کے قتل کا مقدمہ	614
	معاہدۂ صُلح (حدیبیہ) سے خواتین کا استثناء	615
	غزوۂ ذات الرِّقاع	618
	چاہ کن را چاہ درپیش	619
	تُربہ کی مہم	622
	سریّۂ بنی کلاب	623
	سریّۂ بنی مُرّہ	623
	سریّۂ مَیفعہ	623
	مہمِ حرقہ (حرقات)	624
	سریّۂ بشیر بن سعد انصاریؓ	625
	عُمرۃ القضاء	626
	ایک عجیب تنازع (تنازعہ)	627
	حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن عاص کا قبولِ اسلام	628
	سریّۂ اخرم بن ابی العوجاء	632
	ہجرت کا آٹھواں سال	633
	سریّۂ کدید	635
	سریّۂ غالبؓ بن عبداللہ لیثی	636
	سریّۂ ذات الاطلاح (اطلح) یا مہم کعب بن عمیر غفاری	636
	سریّۂ شجاع بن وہب اسدی یا مہمِ سیّ	637
	معرکۂ مُؤتہ	638
	سریّۂ ذات السلاسل	643
	سریّۂ سیف البحر یا جیش الخَبط	644
	سریّۂ خضرہ	646
	سریّۂ ابی قتادہ	646

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	کسی مسلمان کا ناحق قتل نا قابلِ معافی جرم ہے	647
	بنوبکر اور قریشِ مکہ کی عہد شکنی	648
	بنوخزاعہ کی بارگاہِ رسالت میں فریاد	648
	رسالتمآب ﷺ کا قریشِ مکہ کو پیغام	650
	تجدیدِ معاہدہ کے لیے ابوسفیان کی ناکام مساعی	650
	مکہ پر لشکر کشی کی تیاری مکمل ہوگئی	652
	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط قریش کی طرف	653
	اسلامی لشکر کی مدینہ منورہ سے روانگی	657
	لشکرِ اسلام مکہ کے راستے میں	659
	مَرُّ الظَّہران میں اسلامی لشکر کا پڑاؤ	663
	لشکرِ اسلام کی ترتیبِ نو	665
	مکہ معظمہ میں اسلامی لشکر کا داخلہ	665
	رسولِ رحمت ﷺ کا وُرُودِ مسعود	665
	جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ	666
	کعبہ تمام مطلعِ انوار ہوگیا	667
	کوئی مواخذہ ہے نہ اب کوئی انتقام	669
	کعبے کی چھت پر حضرت بلالؓ کی اذان	671
	شکرانے کی نماز	671
	بیعتِ عامہ	672
	ہندبنتِ عتبہ کا قبولِ اسلام	673
	فتح کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کا دوسرا خطبہ	675
	مباح الدم مجرمین کی روداد	676
	عبداللہ بن خطل	677
	مِقیس من صبابہ لیثی	677
	حویرث بن نقیذ	677
	عِکرمہ بن ابی جہل	678
	صفوان بن امیہ	678
	وحشی بن حرب	679
	ہبار بن اسود	679
	عبداللہ بن سعد بن ابی سرح	679
	حارث بن ہشام مخزومی و	
	زُہیر بن ابی امیہ مخزومی	680
	کعب بن زہیر مزنی	680
	ہند بنتِ عتبہ	680
	اُمِ سعد	680
	سارّہ	680
	قُرتنا	680
	قریبہ وارنب (یا ازبت)	680
	جانی دشمن جاں نثار بن گیا	681
	میرا جینا مرنا انصار کے ساتھ ہے	681
	چوری کا ایک مقدمہ	682
	ہجرت کا دَور گزر چکا	682
	حضرت ابوقحافہ کا قبولِ اسلام	683
	سریّۂ سعدؓ بن زید اشہلی	684

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سریۂ خالدؓ بن ولید	684
	سریۂ بنی جذیمہ	685
	سریۂ عمرو بن عاص یا سریۂ سُواع	686
	غزوۂ حُنین	687
	رسولِ اکرم ﷺ کی مکہ معظمہ سے روانگی	690
	جاہلی رسموں سے احتراز کی تلقین	691
	میدانِ کارزار میں	692
	سریۂ اوطاس یا سریۂ ابی عامر اشعریؓ	694
	دُرَید بن صِمّہ کا قتل	695
	ذوالکفین کی تباہی	696
	غزوۂ طائف	698
	محاصرے کا خاتمہ	699
	محاصرہ اٹھانے کے اسباب	701
	مالِ غنیمت کی تقسیم	701
	وفدِ ہوازن کی آمد	703
	انصار کے لیے ہے خدا کا رسول ﷺ بس	706
	عمرۂ جعرانہ	707
	حضرت عروہؓ بن مسعود کا واقعۂ شہادت	707
	مدینہ منوّرہ میں وُرُودِ مسعود	708
	ہجرت کا نواں سال	709
	قبائلِ عرب کے وفود بارگاہِ رسالت میں	711
	وفدِ بنی تمیم	713
	وفدِ نصاریٰ نجران	716
	وفدِ بنی سعد بن بکر (ضمامؓ بن ثعلبہ)	719
	وفدِ بنی کلاب	721
	وفدِ بنی عامر بن صعصعہ	722
	وفدِ بنی مُرہ	723
	وفدِ بنی طے	724
	وفدِ بنی حنیفہ	725
	وفدِ کلبی	727
	وفدِ بنی لیث	727
	سریۂ قطبہ بن عامر انصاری	727
	سریۂ ضحاک بن سفیان کلابی	728
	سریۂ علقمہ بن مُجَزِّز مُدلجی	728
	سریۂ علیؓ بن ابی طالب	729
	حضرت عدیؓ بن حاتم طائی کا قبولِ اسلام	730
	غزوۂ تبوک	734
	فقراء صحابہؓ کا جذبۂ انفاق فی سبیل اللہ	735
	رونے والے مخلصین	737
	عُلبہؓ بن زید کا صدقہ	738
	وہ لوگ جو پیچھے رہ گئے	739
	سازش گاہ جلا دی گئی	740
	مسجدِ ضرار کی تعمیر	741
	لشکرِ اسلام کی مدینہ سے روانگی	741
	حضرت علیؓ کی دلجوئی	742
	پُر صُعُوبت سفر	742
	ایک مغضوب قوم کا علاقہ	742

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	حضرت ابوخیثمہ انصاریؓ کا جذبۂ ایمان	743
	بارانِ رحمت	744
	اونٹنی کی گمشدگی	744
	راستے کے کچھ متفرق واقعات	744
	لشکرِ اسلام کا تبوک میں وُرود	745
	دُومۃ الجندل کی فتح	746
	یہ حسرت ہے کہ جائے جان مقتل میں	746
	تبوک سے مدینہ کی طرف کوچ	748
	ایک ناپاک سازش	748
	مسجدِ ضرار کا انہدام	749
	مدینہ منوّرہ میں وُرودِ مسعود	750
	مؤمنین جو کسی عذر کے بغیر غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے	751
	تین مخلص صحابہ کا امتحان و ابتلا	754
	وفدِ بنی ثقیف	757
	وفدِ بنی فزارہ	760
	وفدِ ہمدان	761
	رئیس المنافقین کی موت	761
	سنہ ۹ ہجری کا حج	763
	ہجرت کا دسواں سال	765
	حضرت فروہ جذامی کا واقعۂ شہادت	767
	وفدِ بنی عبس	767
	وفدِ کندہ	768

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	وفدِ بنی حارث بن کعب	769
	وفدِ بنی غامد	770
	وفدِ بنی زبید	771
	حجۃ الوداع	772
	منیٰ کو روانگی	777
	عرفات میں داخلہ اور خطبہ	777
	ایک شخص کی وفات	779
	عرفات سے روانگی	779
	مُزدَلفہ میں قیامِ یک شب	779
	جمرۂ کبریٰ کے پاس تشریف آوری	780
	حضور ﷺ نے جمرۂ کبریٰ کو کنکریاں ماریں	780
	مِنیٰ میں رسولِ پاک ﷺ کا عظیم الشان خطبہ	780
	قربانی اور حلق (سر منڈوانا)	781
	طوافِ افاضہ	781
	ایامِ تشریق کی مصروفیات	781
	طوافِ وداع	781
	محسنِ انسانیت کے تین خطبے	782
	خطبۂ حجۃ الوداع (انسانیت کا منشورِ اعظم)	784
	غدیرِ خُم کا خطبہ	788
	مدینہ منوّرہ میں وُرودِ مسعود	790

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	وفدِ بنی خثعم	790
	وفدِ بنی محارب	792
	وفدِ بنی خولان	793
	وفدِ بنی سلاماں	793
	وفدِ بنی خشین	794
	وفدِ بنی بجیلہ	794
	ہجرت کا گیارھواں سال	
	وفدِ بنی نخع	799
	جیشِ اُسامہؓ (آخری فوجی مہم)	801
	دائمی جدائی کے اشارے	802
	علالت کا آغاز	805
	رحلت سے پانچ دن پہلے	806
	اپنے حق مجھ سے مانگو	807
	انصار کے حق میں وصیت	807
	حق تعالیٰ کے بندۂ مختار نے کیا پسند کیا	808
	فتنۂ ارتداد کا ظہور	808
	رحلت سے چار دن پہلے	808
	حضور ﷺ نے پہلوئے صدیق میں نماز پڑھی	811
	وفات سے ایک دن پہلے	811
	عالَمِ فانی میں آخری دن	812
	قیامتِ صغریٰ	816
	حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ چن لیے گئے	818

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	تجہیز وتکفین	818
	نمازِ جنازہ	820
	آخری آرام گاہ	820
	تدفین	820
	تدفین کا دن	820
	اولادِ امجاد	822
	تین صاحبزادے	822
	بناتِ طاہرات	828
	حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا	825
	حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	826
	حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا	826
	حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا	826
	ازواجِ مطہرات/اُمہات المؤمنین	828
	حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	829
	حضرت سَودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	830
	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	830
	حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	831
	حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہ	831
	حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	832
	حضرت زینبؓ بنتِ جحش	833
	حضرت جویریہؓ بنتِ حارثؓ	838
	حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	838
	حضرت صفیہ بنتِ حُیَیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	حضرت میمونہؓ بنتِ حارث	839
	حریمِ نبویؐ میں داخل دو اور خواتین	840
	حضرت ریحانہؓ بنتِ شمعون	840
	حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	841
	ذاتِ رسالتمآب ﷺ سے متعلق متفرق معلومات	
	اعمام النبی ﷺ	842
	اعمات النبی ﷺ	841
	سفیرانِ نبوی ﷺ	842
	وحی، مکاتیب اور فرامین کے کاتبانِ نبوی ﷺ	843
	عہدِ رسالت کے مؤذنین	844
	خُدّامِ خاص	844
	رسولِ اکرم ﷺ کے موالی	846
	رسولِ اکرم ﷺ کا لباس	847
	نعلین مبارک	847
	بسترِ مبارک	847
	معمولاتِ روز و شب	848
	معمولاتِ وضو	849
	معمولاتِ نماز	849
	معمولاتِ خطبہ	849
	معمولاتِ سفر	850
	معمولاتِ عیادت	850
	معمولاتِ تعزیت	850
	معمولاتِ جہاد	850
	معمولاتِ ملاقات	851
	معمولاتِ طعام	851
	پانی، دودھ اور شربت	852
	معمولاتِ عامہ	852
	رسولِ اکرم ﷺ کا ترکہ	854
	جانور	855
	اسلحہ	856
	جہاد سے متعلق کچھ اور اشیاء	857
	مکانات، باغات اور اراضی	857
	آثارِ متبرکہ	860
	صاحبِ خُلقِ عظیم ﷺ	863
	کتابیات	866

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست اہم حواشی

نمبر شمار	عنوان/مضمون	صفحہ نمبر
1۔	دنیائے عرب	48
2۔	جَبَلِ نور	53
3۔	جَبَلِ ثور	53
4۔	عرب میں یہود اور نصاریٰ	57
5۔	حربِ بسوس	61
6۔	حربِ داحس	61
7۔	الاصمعیؒ	61
8۔	ابنِ عبدالبرؒ	67
9۔	قومِ لُوط کی تباہی	71
10۔	تورات اور انجیل میں بشاراتِ ظہور	90
11۔	حضرت ثُویبہ رضی اللہ عنہا	156-98
12۔	بنوسعد بن بکر	98
13۔	واقعہ شقِ صدر (بچپن میں)	100
14۔	حضرت حلیمہ سعدیہؓ	101
15۔	طالب بن ابی طالب	104
16۔	حضرت فاطمہ بنتِ اسد رضی اللہ عنہا	105
17۔	قراریط	106
18۔	اشہرِ حُرم	113
19۔	غارِ حرا میں عبادت	122
20۔	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہُ	129

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان/مضمون	صفحہ نمبر
21۔	موالی۔ مولیٰ	131
22۔	عُکاظ کا میلہ (بازار)	137
23۔	احابیش	541-207
24۔	ابن الدغنہ	208
25۔	حضرت نُعَیمؓ النَّحام رضی اللہ عنہٗ	213
26۔	ایمانِ ابی طالب	230
27۔	سیلِ عَرِم	265
28۔	قومِ سبا	266
29۔	حضرت لقمان	275
30۔	حضرت مُجذَّرؓ بن زیاد انصاری	391-277
31۔	حضرت مُصعَبؓ بن عُمَیر	280
32۔	حضرت اسعدؓ بن زُرارہ انصاری	281
33۔	حضرت سعدؓ بن معاذ صدیق انصار	281
34۔	حضرت اُسیدؓ بن حُضیر انصاری	281
35۔	حضرت سعدؓ بن عبادہ انصاری	283
36۔	حضرت عثمانؓ بن طلحہ	292
37۔	حضرت سُراقہؓ بن مالک بن جُعشُم	304
38۔	حضرت اُمِ معبدؓ	305
39۔	حضرت اُمِ معبد اور ابو معبدؓ کا قبولِ اسلام	307
40۔	ـــــ آنحضور ﷺ کے قبا پہنچنے کی تاریخ	308
41۔	بنو قیلہ	30
42۔	حضرت کلثومؓ بن ہِدَم	309
43۔	اقامتِ صلوٰۃ کے کلمات	337
44۔	حضرت عبداللہ بن زید صاحِبُ الاذان	337
45۔	حضرت انسؓ بن مالک خادمِ رسولؐ اللہ	339
46۔	حضرت عبداللہؓ بن جحش	358

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان/مضمون	صفحہ نمبر
47۔	حضرت سوادؓ بن غزیہ	382
48۔	قاتلانِ ابوجہل	391
49۔	حضرت عبداللہؓ بن سلمہ انصاری	391
50۔	حضرت صفوانؓ بن امیہ جمحی	403
51۔	حضرت عمیرؓ بن وہب جُمحی	404
52۔	حضرت وحشیؓ بن حرب	422
53۔	شہداء پر نمازِ جنازہ	429
54۔	حضرت ابوطلحہ انصاریؓ	435
55۔	حضرت رافعؓ بن خدیج انصاری	438
56۔	حضرت سَمُرہؓ بن جُندب انصاری	438
57۔	حضرت اُمِ عمارہؓ خاتونِ احد	452
58۔	حضرت عبداللہؓ بن انیس	465
59۔	حضرت حرامؓ بن ملحان انصاری	467
60۔	حضرت خزاعی بن عبدنُہم	483
61۔	حضرت نعیمؓ بن مسعود	514
62۔	حضرت ابولبابہ انصاریؓ	752-519
63۔	حضرت خولہؓ بنتِ ثعلبہ	528
64۔	حضرت اَوسؓ بن صامت	528
65۔	پانی میں برکت	542
66۔	حضرت بُدَیلؓ بن ورقا	544
67۔	حضرت اُمِ حبیبہؓ سے حضور ﷺ کا غائبانہ نکاح	578
68۔	حضرت محمودؓ بن مَسلمہ انصاری	595
69۔	حضرت عامرؓ بن اَکوع	599
70۔	حضرت بِشرؓ بن براءؓ	603
71۔	وَسق	606

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	عنوان/مضمون	صفحہ نمبر
72۔	حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سہل انصاری	614
73۔	حضرت مُحَیِّصَہؓ، حضرت حُوَیِّصہ انصاریؓ	614
74۔	حضرت ابورُہم غفاری	656
75۔	الجُحفہ	659
76۔	مَرُّ الظَّہران	659
77۔	ذی طوٰی	663
78۔	الحَجُون	663
79۔	حُنَین	689
80۔	منجنیق ودبابہ	699
81۔	الجِعرّانہ	701
82۔	حضرت شَیماءؓ	705
83۔	سریّہ عیینہ بن حصن فزاری	731
84۔	حضرت لَبِیدؓ بن ربیعہ	721
85۔	حضرت ضحاکؓ بن سفیان	722
86۔	حضرت قطبہؓ بن عامر	728
87۔	حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ	747
88۔	بنو کِندہ	768
89۔	حجۃ الوداع...... مدینہ سے مکّہ کے راستے میں	775
90۔	ربیعہ بن حارث بن عبدالمُطّلِب	785
91۔	الاسود عنسی	809
92۔	رسولِ پاک ﷺ کا یومِ وفات	815
93۔	حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی انگوٹھی	821
94۔	تعدّدِ ازواج النبی ﷺ	828
95۔	حضرت مخریقؓ	858

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

تقدیم

(ایک مختلف انداز کا پیش لفظ)

عرب کے وسیع صحرائی اور پہاڑی سلسلوں کے درمیان ایک پتھریلی اور تنگ وادی میں واقع اس خطۂ زمین کا سب سے اہم شہر مکّہ آباد ہے جو مشرق سے مغرب تک کئی میل میں پھیلا ہوا ہے۔ شہر کا عرض بھی دو میل کے لگ بھگ ہے۔ وادیٔ مکّہ دو پہاڑی سلسلوں کے درمیان گھری ہوئی ہے۔ شہر کے مشرقی جانب جبلِ ابوقبیس واقع ہے، جس کے جنوب مشرقی سرے پر واقع پہاڑی صفا کے نام سے مشہور ہے۔

مکّہ کے نشیبی علاقے میں رُوئے زمین پر توحید کا سب سے بڑا مرکز مسجدِ حرام ہے جس کے درمیان وہ عمارت واقع ہے جس کو بیت اللہ، خانۂ کعبہ اور البیت الحرام کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسی کے مشرقی جانب وہ دو پہاڑیاں ہیں جن میں سے ایک صفا ہے اور دوسری مَروہ کہلاتی ہے۔

ہم اسی شہرِ مکّہ میں تاریخ کے ایک خاص نقطہ پر کھڑے ہیں:

پوری بستی پر آخرِ شب کی مدہوشی طاری ہے، تاہم کچھ لوگ نیند سے بیدار ہو چکے ہیں۔ کچھ بڑے بوڑھے رات کے آخری حصہ سے جاگ رہے ہیں۔ عرب کا قبائلی ماحول ایسا ہے کہ مختلف قبائل وقتاً فوقتاً ایک دوسرے پر غارت گری کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ یہ خطۂ زمین زیادہ تر خشک، بے آب و گیاہ اور پیداوار سے محروم ہے اس لیے عربوں میں یہ عام رواج ہو گیا ہے کہ وہ لُوٹ مار کر کے اپنی گزر بسر کا سامان کرتے ہیں، دوسرے قبائل پر شب خون مارتے ہیں اور لوٹ مار کر کے واپس اپنے قبیلے کے علاقے میں آ جاتے ہیں۔ کوئی قبیلہ دوسرے کی غارت گری سے محفوظ نہیں، اس لیے لوگوں نے اپنے دفاع کے لیے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ ان کے کچھ نوجوان اور باہمت لوگ راتوں کو پہرہ دیتے ہیں تاکہ دشمن قبائل کی یلغار سے بروقت مُطّلع ہو کر ان کا مقابلہ کر سکیں۔ عام رواج ہو گیا ہے کہ جب کوئی اس طرح کا خطرہ درپیش ہوتا ہے تو کوئی شخص بلندی پر چڑھ کر یا صباحاہ (ہائے صبح کی آفت) کی صدا بلند کرتا ہے جس سے لوگ خبردار ہو جاتے ہیں کہ حملہ کا خطرہ ہے۔

کچھ اسی قسم کی کیفیت میں آج صبح کے جُھٹ پُٹے میں صفا کی پہاڑی سے ایک شخص باٹ دار آواز میں پکار رہا ہے:

یا صباحاہ، اے بنی عبدالمطلب، اے بنی ہاشم، اے بنی کعب بن لُوئیّ، اے بنی فہر، اے بنی مُرّۃ، اے بنی عبدِ شمس، اے بنی عبدِ مناف، اے بنی فلاں، اے بنی فلاں!

لوگ حیران ہو کر یہ پکار سن رہے ہیں اور گھبرا کر پہاڑی کی جانب بڑھنے لگے ہیں۔ پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر پکارنے والے کو دیکھتے ہیں تو کچھ لوگ بے اختیار بول پڑتے ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خدا خیر کرے- یہ تو ہمارے قابلِ احترام رفیق مُحمَّد ہیں- ہمارے صادق اور امین -کس آفت نے ان کو اس وقت لوگوں کو پکارنے پر مجبور کر دیا ہے؟

آہستہ آہستہ سب خاندانوں کے لوگ گھروں سے نکل کر صفا کے دامن میں جمع ہو چکے ہیں- جو خود نہیں آسکا اس نے اپنا نمایندہ بھیج دیا ہے-

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجمع سے مخاطب ہو کر ایک باوقار انداز میں کہتے ہیں:

اے میرے دوستو' بھائیو اور بزرگو! اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کی دوسری جانب' وادی میں' ایک بھاری لشکر جمع ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کرو گے؟

سب نے کہا: ہاں' ہم یقین کریں گے- ہم نے کبھی تمہیں جھوٹ بولتے نہیں دیکھا-

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے یہ گواہی لینے کے بعد کہتے ہیں: تو سنو میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ آگے سخت عذاب آرہا ہے- اس سے بچنے کی فکر کرو-

پیشتر اس سے کہ مجمع کے لوگ اس پر اپنے ردِ عمل کا اظہار کریں ' ایک بدبخت بول اٹھتا ہے:

ستیاناس جائے تیرا' کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا؟

یہ بولنے والا ابُولہب تھا' قریش کا ایک سردار' اور صفا پر پکارنے والے ہاشمی جوان کا چچا- یہ بدبختی اس کے حصے میں آئی کہ خدا کا رسول خدا کے بندوں کو آنے والے سنگین خطرے سے آگاہ کر رہا تھا' لیکن اس بدنصیب نے اس کی پکار کو جھٹلا کر دوسروں کے لیے بھی صداقت کا دروازہ بند کر دینا چاہا- بہت سے لوگ بُڑبُڑاتے ہوئے واپس ہوئے' لیکن ایسے لوگ بھی کم نہ تھے جو اپنے صادق اور امین کی اس انوکھی پکار پر حیران ہو رہے تھے اور اس کی تاثیر کو اپنے دلوں تک اترتا ہوا محسوس کر رہے تھے' لیکن ان کے ذہن اس بات کا شعور حاصل کرنے سے قاصر تھے کہ صدیوں سے ہم اور ہمارے آباؤ اجداد جس طریقے پر زندگی بسر کر رہے ہیں کیا وہ درست نہیں؟ اور اب محمدؐ ہمیں بتا رہے ہیں کہ زندگی کی اس منزل سے گزر کر تمہیں آگے ایک ایسی زندگی میں داخل ہونا ہے جہاں تمہارے اعمال کی باز پُرس ہونی ہے اور ایک ایسی بالاتر ہستی موجود ہے جو جزا و سزا کا فیصلہ کرے گی-

اس واقعہ سے تقریباً تین سال پہلے کا یہ منظر بھی تاریخ کے سینے پر نقش ہے:

صفا پر پکارنے والا قریش کا یہ ہاشمی جوان غارِ حرا کی تخلیہ گاہ میں بیٹھا کسی خاص کیفیت میں اپنے خالق کی عبادت اور غور و فکر میں مصروف ہے- کافی عرصہ سے اس کی عادت بن چکی ہے کہ وہ مکّہ کے ہنگاموں سے بچ کر کئی کئی روز تک جبلِ نور پر واقع اس غار میں آ کر مصروفِ عبادت اور محوِ غور و فکر رہتا ہے- اس فکر نے اس سے شب و روز کا چین چھین لیا ہے کہ میری قوم اخلاق و اعمال کی جن پستیوں میں گر گئی ہے وہ اس کو ان سے کیسے نکالے- کوئی راہِ عمل اس کے سامنے کھلتی نہیں- یہ راز بھی اس پر نہیں کھلتا کہ وہ اپنے خالق' اپنے رب سے اس روشنی کی طلب کیسے کرے جو اس کے قلب و روح کو حقیقی طمانیت سے ہمکنار اور سرشار کر دے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس روشنی سے وہ اپنی گم کردہ راہ قوم کو بھی زندگی کی سچی اور سیدھی راہ دکھا دے۔

حرا کی ایسی ہی خاموش اور تنہا راتوں میں سے ایک رات کو ایک آنے والا اس کے پاس آتا ہے اور ایک تحریر اس کے سامنے رکھ کر کہتا ہے: ''پڑھو''!

وہ کہتا ہے: ''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔''

رات کو یہ آنے والا' دراصل ربِّ کائنات کا فرستادہ ہے' اس کا فرشتہ ہے۔ وہ خاموش غار کے تنہا مکین کو پکڑ کر بھینچتا ہے اور پھر اس سے کہتا ہے: ''پڑھو''!

''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' حرا کا عُزلت گزیں دوبارہ یہی جواب دیتا ہے۔

فرشتہ اسے پکڑ کر پھر بھینچتا ہے یہاں تک کہ اس کی قوتِ برداشت جواب دینے لگتی ہے۔ تب وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے: ''پڑھو''—— اس مرتبہ بھی وہی جواب ملتا ہے۔

فرشتہ تیسری مرتبہ اسے پکڑ کر بھینچتا ہے جس سے پھر اس کی قوتِ برداشت جواب دینے لگتی ہے۔ تب وہ اسے چھوڑ کر کہتا ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ o (پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا)'

اس کا کلام جاری رہتا ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ o الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ o (اس نے جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو' اور تمہارا رب بڑا کریم ہے' جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا' انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا)۔

اب حرا کا خلوت نشیں ساتھ ساتھ ان الفاظ کو دہراتا جاتا ہے۔ اس حیرت آفریں اور انقلاب انگیز واقعے کے بعد یہ تنہائی پسند انسان اب محض حرا کا گوشہ نشیں عابد نہیں ہے۔ اب وہ عام انسان نہیں ہے۔ اب وہ ربُّ العالمین کی طرف سے انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لیے اٹھایا جانے والا اس کا محترم رسول اور اس کا معزّز پیغام بر ہے۔ اس کی رسالت ابد تک آنے والے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کا واحد سرچشمہ ہوگی۔

کائنات کی ہر چیز اُس کی بعثت پر خوشی اور مسرت کے وجد آفریں نغمے اَلاپ رہی ہے۔ ایسے ہی نغمے جو اُس نے اب سے ۴۰ سال پہلے اس کی ولادتِ مبارکہ کے یومِ مسعود پر گائے تھے۔ انسانیّت اپنے نصیب پر فخر کر رہی ہے۔ اُس کے حضور دُرود و سلام کے نذرانے پیش کر رہی ہے۔

اس ابتدائی وحی کے بعد کچھ عرصہ گزرنے پر وحیِ الٰہی کا دوبارہ نزول شروع ہوتا ہے اور آپؐ کو واشگاف الفاظ میں بتا دیا جاتا ہے کہ اب آپؐ کے ذمے بنی نوعِ انسان کو راہِ راست کی طرف دعوت دینا ہے اور اپنے رب کی بندگی کی طرف بلانا ہے۔ فرمانِ الٰہی ان الفاظ میں آ چکا ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ○ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ ○ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ ○ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ ○ (اَلْمُدَّثِّر: ۱-۷)

ترجمہ: ''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے اٹھو اور خبردار کرو- اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو- اور اپنے کپڑے پاک رکھو- اور گندگی سے دور رہو- اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے- اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو-''

محمدؐ- اللہ کی رحمتیں اور سلام ان پر ہو- اپنے رب کا یہ حکم پا کر اپنے گرد و پیش کی سعید روحوں کو اپنے ربّ کا پیغام پہنچانے میں مصروف ہو گئے ہیں- ان کی رفیقۂ حیات سب سے پہلے اپنے ربّ کی پکار پر لبیک کہتی ہیں اور اس کے رسولؐ کی صداقت اور رسالت کا اقرار کر کے ایمان لانے والوں میں اوّلیت کا شرف حاصل کرتی ہیں- کیوں نہ ہو' حرا میں وحیِ الٰہی کی اوّلین کرن طلوع ہونے پر وہ اپنے رفیقِ زندگی کی عظمتِ کردار کو ان الفاظ میں خراج پیش کر چکی ہیں:

''ہرگز گھبرایئے نہیں' خوش ہو جایئے- خدا کی قسم وہ کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا- آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں' سچ بولتے ہیں' امانتیں ادا کرتے ہیں' بے سہارا لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں' نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں-''

آپؐ پر ایمان لانے والوں میں اوّلیت کا شرف حاصل کرنے والے آپ کے رفیقِ مخلص و دیرینہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی ہیں' آپ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ اور آپ کے زیرِ کفالت عمّ زاد حضرت علیؓ بھی ہیں- اب چراغ سے چراغ جلنے لگتا ہے- سلیم الفطرت افراد ایک ایک کر کے پورے عزم و ثبات کے ساتھ قبولِ حق کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں- ان سب مخلصین کا اقرارِ رسالت اور آپؐ کی صداقت کے حق میں بے اختیار گواہی اس بات کے اثبات کے لیے کافی ہے کہ اب اللہ نے ان کے دیرینہ رفیق اور محبوب ساتھی کو پوری کائنات کا مُربّی' محسن' امین' معاون' ہمدرد و خیر خواہ' سرپرست اور نیکی اور نیکوں کا پشتیبان بنا کر ایک مقامِ بلند پر فائز کر دیا ہے- اب اِس بلند مرتبہ انسان کا فیضانِ خیر صرف اس کے قبیلے اور بستی کے لوگوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ پورے عالمِ انسانیت کو اس کا قبیلہ اور پوری دنیا کو اس کا گھر بنا دیا گیا ہے- اب وہ سیّدِ عالم ہے- محسنِ انسانیتؐ ہے- اب اس کے سرچشمۂ فیض سے صرف اس کے اپنے زمانے کے انسان ہی نہیں تا ابد آنے والے انسانوں کی آبادیاں سیراب ہوں گی- قیامت تک آنے والے انسان اس سے روشنی' رہنمائی اور ہدایت حاصل کر کے اپنی زندگیوں کو بنائیں اور سنواریں گے اور یہ تیرہ خاکدانِ حیات اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گا-

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قریبی عزیزوں اور مخلص احباب کو اپنے ربّ کی طرف بلانے میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصروف ہیں۔ ایک ایک کر کے سعید روحیں ان کے گرد کھنچی چلی آ رہی ہیں۔ اس خاموش تبلیغ میں تین سال گزر گئے ہیں۔ اہلِ ایمان کی ایک مناسب جماعت تیار ہو چکی ہے۔ اب رسول رب العالمین کے لیے اپنے رب کا یہ حکم آ گیا ہے:

''اے ہمارے نبی! جو حکم آپ کو اللہ کی طرف سے ملا ہے اسے اب ہانکے پکارے سب کو سنا دو اور اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کی ہرگز پروا نہ کرو۔''

اس کے متصل ہی یہ حکم بھی آتا ہے کہ:

''اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو (اللہ کی نافرمانی کی سزا سے) ڈراؤ۔''

علانیہ تبلیغِ حق کا حکم آنے کے بعد آپ اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ سب سے پہلا قدم یہ اٹھاتے ہیں کہ حرمِ کعبہ میں جا کر اپنے خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر نماز پڑھنے لگتے ہیں۔ جاہلیت کے پرستاروں کے لیے یہ بالکل ایک انوکھا کام ہے۔ وہ اسے ہضم نہیں کر پاتے اور غیظ و غضب میں پھنکارنا شروع کر دیتے ہیں۔

دوسرے قدم کے طور پر حضورؐ اپنے قریب ترین خاندان والوں کی دعوت کرتے ہیں اور ان میں سے ایک ایک کا نام لے کر اسے آگاہ اور متنبہ کرتے ہیں کہ ''جس طریقۂ زندگی پر تم چل رہے ہو یہ تمہارے رب کو پسند نہیں ہے۔ اسے چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کرو جو میرے رب نے مجھے بتایا ہے۔ راہِ راست پر آؤ اور آگ کے عذاب سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کر لو۔ تم اگر گمراہی پر رہو تو میں اپنے رب کی گرفت سے تم کو نہیں بچا سکتا۔ ہاں میرا مال اگر تم چاہو تو وہ حاضر ہے۔''

تیسرے قدم کے طور پر آپ کوہِ صفا کی بلندی سے وہ اعلان کرتے ہیں جس کی ایک جھلک ان سطور کے آغاز میں دکھائی جا چکی ہے۔

اب حضورؐ کے خاندان کے ابولہب اور شہر کے ابوجہل اور دوسرے سب اشرار خدائے واحد کی بندگی کی طرف دعوت دینے والے اُسی صادق و امین کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں جس کی شرافت اور نجابت کی وہ قسم کھایا کرتے تھے اور جس کی پاکبازی، دانائی، ہوشمندی اور اعلیٰ سیرت و کردار کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے، اس پر فخر کرتے تھے۔

جُوں جُوں نیک روحیں شرک سے بیزار ہو کر اللہ رب العالمین کی وحدانیت کا اقرار و اعلان کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں شامل ہوتی جا رہی ہیں کفر و ظلمت کے خداؤں کی مخالفت، غیظ و غضب، بدزبانی، ایذا رسانی اور شرانگیزی میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

اس سارے طوفانِ ظلم و ستم اور طغیانِ شر و فساد کے درمیان محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی طرف سے تفویض کردہ فریضے کی ادائیگی میں شب و روز اور ہمہ تن مصروف ہیں اور ان کے مخلص و جاں نثار ساتھی بھی اپنی بہترین صلاحیتوں اور بھرپور توانائیوں کے ساتھ عزم و حوصلہ اور صبر و استقامت کے جِلو میں اپنے ہادیؐ و قائدؐ کے ساتھ قدم ملا کر چل رہے ہیں۔ یہ قدم ایک ابدی کامیابی کی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گو سُست رفتاری کے ساتھ' مگر پورے ثبات واستقلال کے ساتھ!
کتابِ تاریخ کے ورق مسلسل الٹ رہے ہیں۔
تاریکیوں کے سینے کو چیر کر فضاؤں کو نور وتجلّی سے معمور کرنے والی ربّانی پکار مسلسل اپنے محیطِ نور کو وسیع سے وسیع تر کرتی جارہی ہے۔

اَن گنت انقلابی کروٹیں لینے کے بعد وقت کی گردش آج تاریخِ انسانی کے ایک عظیم الشان لمحے پر رُکی ہوئی ہے۔ صفا کی پہاڑی سے مکّہ کے صادق وامین کی صدائے صبح گاہی کے واقعہ کے بعد قافلۂ وقت انیس بیس سال کا فاصلہ طے کر چکا ہے۔

مکّہ سے چند میل کے فاصلہ پر حجِ بیت اللہ کے لیے آئے ہوئے لاکھوں انسان جمع ہیں۔ اب تک کی تاریخ نے انسانوں کا اتنا بڑا اجتماع کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ بلکہ اب سے چند سال پہلے تک کوئی شخص اس مجمع کو خوابِ تصوّر میں بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ حج کے لیے آنے والوں کی تعداد سوا لاکھ سے ڈیڑھ لاکھ کے درمیان ضرور ہوگی۔

یہ سب کوہِ صفا کے صادق وامین مُنادی کی پکار پر لبیک کہنے والے ہیں۔ یہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے توحید کے پرستار اور اس کے خوش نصیب اُمّتی ہیں۔ اس طرح وہ قافلۂ صدق وصفا جو اُن ایام میں چند نفوس پر مشتمل تھا' آج راہِ حق کے لاکھوں راہرووں کی صورت میں ڈھل چکا ہے۔

ایامِ حج میں یومِ عرفہ اور دسویں ذی الحجہ کے لمحات ہمارے سامنے گزر رہے ہیں۔ قافلۂ انسانیت کے سالارِ نبیِ آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اور باوقار آواز فضا میں گونج رہی ہے:

''لوگو! زمانہ گھوم پھر کر اپنی اُسی ہیئت پر پہنچ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہے جن میں سے چار مہینے حرام (حُرمت والے) ہیں......''

آپؐ رُک کر دریافت فرماتے ہیں:

''یہ کون سا مہینہ ہے؟''

اہلِ ایمان جو جواب کے آداب کو خوب سمجھتے ہیں' کہتے ہیں:

''اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔''

آپ فرماتے ہیں: ''کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟''

''کیوں نہیں؟'' مجمع تائیداً عرض کرتا ہے۔

''یہ کون سا شہر ہے؟'' آپ پوچھتے ہیں۔

''اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔'' جواباً عرض کیا جاتا ہے۔

فرمایا جاتا ہے: ''کیا یہ جگہ بلدۂ مکّہ نہیں ہے؟''

لوگ عرض کرتے ہیں: ''اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر آپ فرماتے ہیں: ''کیا یہ یومُ النحر نہیں ہے؟''
''کیوں نہیں!'' مجمع تائیداً گزارش کرتا ہے۔
اب حضورؐ پورے مجمع کو خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
''اچھا تو سنو! تمہارا خون' تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہے جیسے تمہارے اس شہر اور تمہارے اس مہینے میں تمہارے آج کے دن کی حُرمت ہے۔ سن لو' جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روندی گئی۔ جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیے گئے اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے۔ اور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا' اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ اب یہ سارا کا سارا سود ختم ہے۔ تم لوگ بہت جلد اپنے پروردگار سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا' لہٰذا دیکھو میرے بعد پلٹ کر گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''
پھر فرمایا: ''جو شخص موجود ہے وہ غیر موجود تک میری باتیں پہنچا دے۔ کیونکہ بعض وہ افراد جن تک یہ باتیں پہنچائی جاتی ہیں وہ بعض (موجود) سننے والوں سے کہیں زیادہ ان باتوں (کے دروبست) کو سمجھ سکیں گے۔''

حضورِ پُرنور کا یہ حجِ مبارک ''حجتہ الوداع'' کہلاتا ہے۔

اس میں آپؐ نے تین مختلف ایّام میں خطبات ارشاد فرمائے ہیں۔ بطنِ عُرفات میں خطاب کے وقت آپ قصواء نامی اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ کے خطاب کو مُکبّر بلند آواز میں لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔ ان ایام میں جو باتیں آپؐ نے ارشاد فرمائیں ان میں سے یہ بھی تھیں:
''لوگو! میری بات سنو کیوں کہ میں نہیں جانتا' شاید اپنے اس سال کے بعد اس مقام پر میں تم سے نہ مل سکوں۔ میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔''
''اور تم سے میرے بارے میں پوچھا جانے والا ہے' تو تم لوگ کیا کہو گے؟''
حاضرین نے عرض کیا: ''ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے پیغام پہنچایا اور خیر خواہی کا حق ادا فرما دیا۔''
یہ سن کر آپ انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین بار فرماتے ہیں:
''اے اللہ' گواہ رہ۔''
اِنہی ایام میں اللہ ربّ العالمین کی طرف سے یہ آیت نازل فرمائی جاتی ہے جو افقِ تاریخ پر ابدی قندیل کی طرح جگمگا رہی ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیتِ دین پسند کر لیا۔''

تکمیلِ دین کی اس خوش خبری کے بعد منیٰ میں یوم النحر اور ایامِ تشریق گزار کر حضورؐ ۱۳ ذی الحجہ کو منیٰ سے کوچ فرماتے ہیں۔ رات وادیِ مُحَصّب میں گزار کر پچھلے پہر مکہ معظمہ تشریف لے جاتے ہیں۔ طوافِ وداع کر کے نمازِ فجر حرم شریف میں ادا کرتے ہیں۔ بعد ازاں حُجّاج کو اپنے اپنے مقامات کی طرف جانے کی ہدایت فرما کر خود مہاجرین اور انصار کے ساتھ عازمِ مدینہ منورہ ہو جاتے ہیں۔

حجۃُ الوداع کی تکمیل کے بعد بلدۂ امین میں آئے ہوئے لاکھوں انسان حرمِ بیت اللہ سے رخصت ہو چکے ہیں۔ مکّہ اور عرفات و منیٰ کی فضائیں ایک عجیب کیفیت میں اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے تاریخ ساز کلمات کا ورد کر رہی ہیں۔ یہ ورد اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک روئے زمین ایک بھی مُتنفّس کے سانسوں کے زیر و بم سے آباد ہے۔

بلدۂ امین کی پُرسکون فضا اپنے سینے پر گزری ہوئی قریبی تاریخ کے شب و روز کی دھڑکنیں سن رہی ہے۔ ان دھڑکنوں کے ہر نشیب و فراز کے ساتھ اس کی کیفیت بھی منقلب ہو رہی ہے۔ سُرور و بہجت کے کیف آفریں لمحات کے ساتھ کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے اس کی چشمِ تصور میں کچھ ستارے سے ابھرتے ہیں اور آنسوؤں کی صورت بکھر جاتے ہیں۔ اس کا چہرہ ایک دم مغموم اور افسردہ ہو جاتا ہے۔ کیسے کیسے منظر اس کی نگاہوں کے سامنے سے گزر رہے ہیں۔ کیسی کیسی جاں گُداز یادیں اس کے درِ دل پر دستک دے رہی ہیں:

آج جس صادق و امین کو اس فضا نے بے مثال احترام و اکرام کے ساتھ رخصت کیا ہے، کل اِسی سرزمین پر کیسے کچھ ظلم و ستم اس کے ساتھ روا نہیں رکھے گئے ہیں۔ کبھی اس پر آوازے کسے جا رہے ہیں، کبھی اس کی راہ میں کانٹے بکھیرے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ظلمتِ شرک و عصیاں کے پرستار اس کے نُور کو بجھانے کے لیے اس کی جان تک لینے کی مکروہ کوششیں کر گزرتے ہیں۔ اس کے کم سن بیٹوں کی وفات پر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ اس کے گھر میں اس کے لیے سانس لینا دشوار کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت وہ آتا ہے جب اس کو اس کے ساتھیوں اور حامیوں سمیت ایک درۂ کوہ میں محصور کر دیا جاتا ہے اور تین سال اس عالم میں گزر جاتے ہیں کہ ان پر کھانے پینے کی چیزوں کا حصول بے حد مشکل بنا دیا گیا ہے۔ معصوم بچّوں کے بلک بلک کر رونے کی آواز بھی ظالموں کے پتھر دلوں کو موم نہیں کر سکتی۔ کئی کئی روز تک اس رحمتِ عالم کو اور اس کے ساتھیوں کو بھوک پیاس کے جانکاہ مصائب جھیلنے پڑتے ہیں۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود عزم و استقلال اور صبر و ثبات کا یہ پیکرِ عظیم خدائے واحد کا پیغام اس کی مخلوق تک پہنچانے کے لیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلسل سرگرمِ عمل ہے۔ کوئی ظلم' کوئی رکاوٹ اور کوئی آزمائش اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ جب تین سال کے بعد یہ محصوری ختم ہوتی ہے تو وہ مکّہ کے فرعون صفت سرداروں سے مایوس ہو کر طائف کی سرسبز و شاداب وادی کا رخ کرتا ہے اور اس کے مکینوں تک خدا کا پیغام پہنچانے کا عزم لے کر نکلتا ہے۔ وہاں اس کے ساتھ جبر و قہر کا جو سلوک ہوتا ہے اور جس کوہِ استقامت کی طرح وہ اس ظلم کا مقابلہ کرتا ہے' تاریخ انسانی ایسی عزیمت کا کوئی ادنیٰ نقش بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس حادثہ کے بعد جب وہ اس ظالم و سفاک بستی سے نکل کر ایک جگہ ٹھہرتا ہے تو رب العالمین کا بھیجا ہوا پہاڑوں کا فرشتہ آ کر گزارش کرتا ہے کہ اگر اجازت ہو تو منکرینِ حق کی بستی پر پہاڑوں کو الٹ دوں؟ تو وہ بے مثال حلم اور عظیم الشان رجائیت کے ساتھ جواب دیتا ہے: ''نہیں' بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل سے وہ لوگ پیدا کرے گا جو اللہ وَحْدَہٗ لَاشَرِیک کی بندگی کریں گے۔''

وقت گزرتا رہتا ہے۔ پھر شب و روز کی گردش کے درمیان وہ وقت بھی آتا ہے جب پرستارانِ کفر و باطل اس کی جان لے لینے کا آخری فیصلہ اور حتمی تدبیر کرتے ہیں تو وہ خدا کی نصرت و حمایت کے سائے میں انہی دشمنوں کی آنکھوں کے سامنے گھر سے نکلتا ہے' اپنے رفیقِ خاص ابوبکرؓ کو ساتھ لیتا ہے اور تاریخ کے سب سے عظیم سفر' سفرِ ہجرت پر روانہ ہو جاتا ہے۔ وہی سفرِ ہجرت جو اُس پر کامیابیوں اور عظمتوں کے وہ دروازے کھولتا ہے جن کامیابیوں اور عظمتوں کا خواب بھی حیاتِ دنیا کے متوالے نہیں دیکھ سکتے۔

اسی سفرِ ہجرت سے انسانیت پر اُس اخلاقی اور روحانی ارتقاء کی راہیں استوار ہوتی ہیں جس کا سلسلہ تا حال جاری ہے اور تا ابد جاری رہے گا!

مگر ذرا رُک کر ایک دفعہ پھر اٹھارہ بیس سال پہلے کا یہ منظر اپنی چشمِ تصور کے سامنے تازہ کر لیجیے:

ہجرتِ مدینہ سے قبل ۱۳ سال پر محیط ہزار کٹھنائیوں سے لبریز شب و روز میں تاریخِ انسانی کا یہ سب سے عظیم انسان راہِ حق سے بھٹکے ہوئے انسانوں کی تقدیر بدلنے میں جس طرح اپنی جان گھلاتا رہا ہے' انسانی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

کفر و شرک اور فسق و فجور میں ڈوبی ہوئی اس آبادی سے وہ ایسی سعید روحیں تلاش کرتا ہے جن کے سینے میں حق و صداقت اور طہارت و پاکیزگی کی کچھ کرنیں ابھی تک محفوظ ہیں۔ وہ قرآن کے آتشیں خطبوں کی آنچ سے ان کی روحوں کو پگھلاتا ہے اور انہیں توحید و بندگیٔ رب کے سانچوں میں ڈھالتا ہے۔ وہ ان کی سیرت و کردار کی جھاڑ جھنکار صاف کر کے ان کو صالح خیالات اور پاکیزہ جذبوں سے مزین کرتا ہے۔ وہ ان کے قلوب و اذہان کو جاہلیت کے تمام تصورات کی ظلمتوں سے رہائی دلا کر توحید اور عقیدۂ آخرت پر یقینِ کامل کے نور سے بھر دیتا ہے۔ وہ غلط رسوم و رواج کی گرد میں لپٹے ہوئے ان گھڑ پتھروں کو لیتا ہے اور انہیں ارفع عقائد اور اعلیٰ اخلاقیات کے نور سے جگمگانے والے ہیروں میں بدل دیتا ہے' ایسے ہیروں میں جن کی آب و تاب کفر و فسق کے پروردہ انسانوں کی آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی ہے۔ وہ خاکی انسانوں کو اپنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ربّ کے عطا کردہ شرحِ صدر اور خلقِ عظیم کی تاب دے کر انسانیت اور عظمتِ کردار کے آتشیں اور نورریں پیکروں میں ڈھال دیتا ہے۔ پھر اپنی ۱۳ سالہ اعصاب شکن اور جانکاہ محنت و ریاضت سے تیار کردہ قدسی صفت انسانوں کو لے کر جب وہ مدینہ منورہ کا رخ کرتا ہے تو وہاں پہنچ کر وہ ان مہاجرین اور مدینہ کے پاکیزہ نفس اور فطرتِ سلیم کے حامل انصار کے درمیان رشتۂ مواخات قائم کر کے انہیں ''حزب اللہ'' کے مقام پر فائز کر دیتا ہے۔ تب کفر اپنی تمام فتنہ سامانیوں اور مادّی قوتوں سے لیس لشکروں کے ساتھ بار بار آکر اس سے ٹکراتا ہے اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ کبھی وہ میدانِ بدر میں ۳۱۳ جاں نثاروں کے ساتھ کفر وشرک سے نبرد آزما ہو کر بڑے بڑے ائمۂ ضلالت کو کیفرِ کردار تک پہنچاتا ہے اور کبھی وہ سات سو کی تعداد میں اپنے مجاہدوں کے ساتھ میدانِ اُحُد میں علمبرداران کفر کے مقابلے کے لیے نکلتا ہے مگر بعض ناپختہ فکر ساتھیوں کی کمزوری کی وجہ سے شدید نقصان اور پریشانی اٹھانے کے باوجود پھر انہی زخموں سے چور سرفروشوں کو لے کر راہِ فرار اختیار کرنے والوں کے تعاقب میں نکلتا ہے اور وقتی ہزیمت کے داغ کو اپنے ساتھیوں کے دامن سے دھوڈالتا ہے۔ کبھی وہ ۱۴ سو جاں نثاروں کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے نکلتا ہے مگر طاغیانِ مکّہ کی نامعقول ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس ارادے میں بظاہر ناکام ہو کر نصرتِ خداوندی سے ''بیعتِ رضوان'' کی خلعت زیبِ تن کیے ہوئے' اپنے فرقِ مبارک پر فتحِ مبین کا تاج سجائے اپنے مرکز کو لوٹتا ہے' اور پھر صرف دو ہی سال کے وقفے کے بعد دس ہزار قدسیوں کے جلو میں کامرانی کی اس منزل پر جا پہنچتا ہے جو مکّہ اور اس کے سرکش باشندوں کو اس کے قدموں میں لا ڈالتی ہے۔ پھر کچھ ہی عرصہ بعد ایک موقع وہ بھی آتا ہے جب وہ ۳۰ ہزار جاں نثاروں کے لشکرِ جرار کے ساتھ عرب کی شمالی سرحد پر جا پہنچتا ہے' تاکہ اس وقت کی ایک ''سپر پاور'' کے غرورِ قوت کو خاک میں ملا دے۔ اس مہم کی کامیابی کے بعد کفر وشرک کی تمام قوتیں اپنے مستقبل سے مایوس ہو جاتی ہیں۔

اس سارے عرصۂ پیکار میں وہ مدینہ کی سرزمین پر ایک اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالتا ہے۔ ایک منظم اسلامی سوسائٹی کی تشکیل کرتا ہے' توحید و بندگیِ رب کی آب و تاب رکھنے والی ایک نئی تہذیب کی صورت گری کرتا ہے اور مشرکینِ عرب' یہودِ مدینہ و خیبر اور منافقینِ مدینہ کی مختلف الحیثیات قوتوں کا ایک ایک کر کے ایسا توڑ کرتا ہے کہ اسلام کے راستے کی ہر مزاحمت اور دینِ حق کے غلبے کی راہ کی ہر رکاوٹ نیستی و نامرادی کے گھاٹ اتر جاتی ہے اور پورے عرب کی جاہلیت اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیتی ہے۔ اس کے رَفعِ ذکر کی جو بشارت اس کو سرفرازیِ نبوت کے ابتدائی دنوں میں دی جاتی ہے وہ پورے عرب پر پھیلی ہوئی انسانی آبادیوں کو اپنے دامانِ سعادت میں سمیٹ لیتی ہے۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ○ کی پیش گوئی اپنے پورے حرف و معنی کے ساتھ اپنا قولِ فیصل عرب کے در و دیوار پر ہی نہیں قلوب و اذہان پر بھی ثبت کر دیتی ہے اور يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا کا منظر نگاہوں کے سامنے آراستہ کر دیتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر اس سارے تذکرۂ جمیل میں تاریخ اُس دن کو کیسے نظر انداز کر سکتی ہے جب اپنے وطن مکہ سے نکلنے والا یہ مہاجر اسی شہر میں دس ہزار قدسیوں کے جِلو میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے۔ بیتُ اللہ کے سامنے سب اس کے خون کے پیاسے بے بسی اور ندامت سے سر جھکائے کھڑے ہیں۔ وہ ان سے ایک پُرجلال آواز میں پوچھتا ہے:

''قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے' میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟''

مُتکبّرین کی گردنیں خم ہیں۔ رحم کی بھیک مانگتے ہیں' مگر اعترافِ عظمت کا یہ پہلو بھی دیدنی ہے:

اَخٌ کَرِیمٌ وَّ ابْنُ اَخٍ کَرِیم۔

''آپ کریم بھائی ہیں اور ہمارے کریم بھائی کے فرزند ہیں۔''

ان کا کریم بھائی' ان کا کل کا مظلوم وستم رسیدہ' مگر آج کا فاتحِ غالب کمال حلم ومتانت کے ساتھ اعلان کرتا ہے:

''آج میں تم سے وہی بات کہوں گا جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی:

لَا تَثْرِیبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِینَ۔ اِذْهَبُوْا وَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ۔

''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں' اللہ تمہیں معاف فرمائے۔ وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

اس رحمتِ عالم کا یہ اعلانِ عفو ودرگزر آج بھی بیتُ اللہ کے در و بام پر ثبت ہے اور پوری فضا اس کی شانِ رحمت وکرم کے ترانوں سے گونج رہی ہے۔

تاریخ کے آگے بڑھتے ہوئے قدموں کی چاپ کے درمیان وہ اعلان پھر نکھر کر اور اُبھر کر سامنے آ رہا ہے جو حجۃُ الوداع کے موقع پر مکّہ کے صادق وامین اور مدینہ کے تاجدارِ عادل وکریم اور رسولِ ربّ العالمین نے فرمایا تھا:

''آج زمانہ گھوم کر اپنی اُسی ہیئت پر پہنچ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا۔ سن لو' جاہلیّت کی ہر چیز میرے قدموں تلے روندی گئی ہے۔''

''یاد رکھو' میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی اُمّت نہیں۔ میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب......''

ہاں یہ اُسی نبیِّ رحمت کی پکار ہے جو اللہ ربّ العالمین کا آخری رسول اور رحمۃٌ لّلعالمین ہے۔ وہ ابنائے آدم کے لیے ڈیڑھ لاکھ کے مجمعِ مؤمنین کے درمیان' ابدی ہدایت کا اعلان کر کے اپنے منصب کی تکمیل کے بعد مدینہ مُنوّرہ کی جانب لوٹ چکا ہے۔ لوگ فوج در فوج اس کی امت میں' اللہ کے دین میں' داخل ہو چکے ہیں۔ آپ کی زبانِ مبارک اپنے ربّ کی حمد وتسبیح میں مصروف ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غارِ حرا کے اس عزلت گزیں کو وہ صفا کے اِس منادی اور قافلہ انسانیت کے اِس سب سے بڑے صادق وامین پر اپنے رب کی نعمت تمام ہو چکی ہے۔ اللہ نے اس کے ساتھ جو وعدے کیے تھے ایک ایک کر کے پورے ہو چکے ہیں۔ بنی نوعِ انسان کی ہدایت و رہنمائی کا جو عظیم الشان فریضہ اس کے سپرد کیا گیا تھا اس کی تکمیل ہو چکی ہے۔ عرب کی بے آب و گیاہ سرزمین رسالت کے ابرِ بہار سے گل و گلزار بن چکی ہے۔ انسانیت کی فلاح و سربلندی کا وہ سب سے بڑا انقلاب پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے جس کی نوید ہزاروں سالوں سے اللہ کے برگزیدہ رسول اور نبی دیتے آئے تھے۔

گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے اس انقلابِ ربانی کی تفسیریں اور تعبیریں لکھی جا رہی ہیں۔ انسانیت کے سب سے بڑے قائد کی سیرتِ طیبہ کی جزئیات و تفصیلات ہزاروں کتابوں کے اوراق اپنے اندر سمیٹ چکے ہیں اور یہ سلسلۂ نور حلقہ در حلقہ منزلِ ابد کی جانب رواں دواں ہے۔ اُس پر نازل ہونے والی آخری کتابِ ہدایت کے اسرار و غوامض بیان کرتے کرتے ہزاروں زبانیں سیراب ہو چکی ہیں اور لاکھوں قلم پیہم گوہر افشاں ہیں۔ مگر اس کتابِ ہدایت کو ہاتھ میں لے کر انسانیت کا نصیب چمکانے والے داعیٔ حق کے قولِ صدق کے مصداق اس کتاب کے عجائبات کی تھاہ تک کسی کی رسائی اب تک نہیں ہو سکی ہے اور انسانی فکر و تدبر کی تگ و تاز کا یہ سلسلہ کبھی ختم ہونے میں نہیں آئے گا۔

مبارک اور خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اللہ کے آخری رسول پر ایمان لانے کی لازوال سعادت نصیب ہوئی ہے، اور حد درجہ سعید ہیں وہ روحیں جن کی شبانہ روز کاوشیں رسولِ آخر الزماں کی سیرتِ طیبہ کے انوار کی ترسیل و توسیع کے لیے وقف چلی آ رہی ہیں، اور جو کتاب اللہ کے فیوض و برکات سے بنی نوعِ انسان کو بہرہ اندوز کرنے کے لیے اپنی لسانی اور قلمی مساعی کو بروئے کار لانے میں مصروف ہیں۔

آج جو انسانی نفوس روئے زمین پر سانس لے رہے ہیں وہ کیوں نہ ربّانی آبِ حیات کے ان سرچشموں سے اپنی سیرابی کا اہتمام کریں اور حیاتِ مستعار کو ابد بکنار بنانے کی مخلصانہ کوششوں کے لیے خود کو وقف کر دیں۔

یہی دعوتِ خیر اللہ کے بھیجے ہوئے سب سے بڑے پیغمبر اور قائدِ انسانیت کی ہے، اور اسی دعوت کی طرف متوجہ کرنے والی سعادت مند روحیں دراصل قلم و قرطاس کے ذریعے سے اپنی خوش بختی اور سعادت کے نقوش مرتسم کر رہی ہیں۔

بحمد اللہ کہ انہی سعید روحوں میں سے اللہ کے نیک بندوں میں سے ایک وہ بندہ ہے جو زیرِ نظر کتابِ سیرت کا مؤلف ہے ______ اللہ تعالیٰ اس کی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرما کر اس کتاب کو اپنے بندوں کے حق میں نافع بنائے اور اس نفعِ عظیم میں اس کتاب کے مؤلف کو بھی شریک فرمائے اور ہر اس شخص کو اس سرچشمۂ خیر سے سیراب کرے جو اللہ اور اس کے رسولِ آخر و اعظم پر سچا ایمان رکھتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کتاب کے مؤلف جناب طالب الہاشمی کی یہ خوش نصیبی ہے کہ وہ گزشتہ نصف صدی سے حضور ختمی مرتبت' نبیٔ رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب باصفا کے احوال وتذکار لکھ رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ربّ کریم وجلیل نے انہیں خود اُس عظیم ہستی کی سیرتِ طیبّہ کے مختلف پہلوؤں پر بھی متعدد کتب تالیف کرنے کی سعادت بخشی ہے جس ہستی کے جاں نثاروں کے نورانی تذکار سے وہ اہلِ ایمان کے قلوب واذہان کو منوّر کرنے کا سامان کرتے آئے ہیں۔ وہ خوش نصیب ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ نے انہیں صحابۂ کرامؓ کے ہالۂ نورّیں کے ماہِ تمام حضور نبیٔ اکرم ومعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبّہ کے دل نواز اور ایمان افروز موضوع پر زیرِ نظر کتاب تالیف کرنے کی سعادتِ عظمیٰ سے شادکام وسرفراز فرمایا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمد حمدًا کثیرًا۔

اس کتاب کی تالیف میں جناب طالب الہاشمی نے جو اُمور خاص طور پر ملحوظِ خاطر رکھے ہیں انہیں مختصرًا مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں بیان کا جا سکتا ہے:

☆ طوالتِ کلام سے حتی الامکان گریز کیا گیا ہے تاکہ کتاب کی ضخامت بہت زیادہ نہ ہونے پائے اور واقعات ومباحث کے بیان میں ایسا توازن قائم رہے کہ قاری سہولتِ خاطر کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کر سکے۔ مختصر یہ کہ جہاں ایجاز کی ضرورت تھی وہاں ایجاز سے اور جہاں اطناب کی ضرورت تھی وہاں اطناب سے کام لیا گیا ہے۔

☆ تحقیقی نقطۂ نگاہ سے اختلافی امور کے بیان میں طول طویل مباحث سے حتی الوسع دامن بچایا گیا ہے تاکہ قاری کا ذہن غیر ضروری طور پر نہ الجھے۔ حسبِ ضرورت ان اُمور کا ذکر مختصر اشارات کے ذریعے اس طرح کر دیا گیا ہے کہ معروف اور مقبول ومعقول نقطۂ نظر توازن اور اختصار کے ساتھ سامنے آ جائے۔

☆ مؤلف محترم نے سیرتِ طیبّہ کے بعض ایسے پہلوؤں کو بھی سلیقے کے ساتھ قلم بند کیا ہے جن کو اکثر سیرت نگار یا تو بالکل نظر انداز کر گئے ہیں یا ان کا ذکر برائے نام ہی نوکِ قلم پر آیا ہے۔ مثلاً:

۱) ہجرتِ نبوی سے قبل مکّہ میں صحابۂ کرامؓ کے درمیان عقدِ مواخاۃ'

۲) غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہونے سے پہلے مدینہ میں جذبۂ جہاد سے سرشار صحابہ کے مابین شرکتِ جہاد کے لیے مسابقت' قرعہ اندازی وغیرہ'

۳) غزوات اور سرایا کے مواقع پر شجاعت وبسالت اور شوقِ جاں نثاری کے ایمان افروز واقعات'

☆ کتاب میں زبان وبیان کا اسلوب بھی سادہ وپُرکار اختیار کیا گیا ہے۔ ادق اور بھاری بھرکم الفاظ کے استعمال سے حتی الوسع اجتناب برتا گیا ہے۔

☆ مختلف واقعات وحقائق کے بیان میں صرف معتبر اور مستند روایات سے استناد کیا گیا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ضعیف روایات سے احتیاط کے ساتھ دامن بچایا گیا ہے۔

☆ جابجا ایسے مفید حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے جن میں متعدد صحابۂ کرامؓ کے مختصر سوانح کے علاوہ سیرتِ طیبّہ سے متعلق بعض ایسی قیمتی معلومات بھی فراہم ہوگئی ہیں جو سیرت کی دوسری کتب میں شاذ ہی ملتی ہیں۔

☆ سب سے اہم بات یہ کہ مؤلّف کے پیشِ نظر کتاب کا بنیادی مقصدِ تالیف نوجوان نسل کو حضورِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبّہ سے اس انداز میں روشناس کرانا ہے کہ وہ ان کی ذہنی اور عملی زندگی کی تہذیب و تشکیل کا وسیلہ بن سکے۔ اس طرح ان کے اندر وہ جذبۂ ایمانی اور جوشِ عمل نمو پا سکے جو نہ صرف ان کی اپنی زندگیوں کو انقلاب آشنا کر دے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ اُس انقلابِ عظیم کی بازیافت کے لیے خود کو تیار کر سکیں جو انقلاب حضور نبیِّ اکرم ﷺ نے اپنی ۲۳ سالہ شبانہ روز اَن تھک سعی و جہد اور پیہم جہاد و پیکار کے ذریعے سے سرزمینِ عرب میں برپا کیا تھا' اور جس انقلاب کی لہروں نے چند برسوں کے اندر اندر روئے زمین کے ایک بڑے حصے پر پھیل کر ظلم و ستم اور فساد و ضلالت میں ڈوبی ہوئی انسانیت کی کشتِ ویراں کو گل و گلزار بنا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مؤلّفِ محترم کی اس سعی و کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے' اور قارئین کے لیے بھی اسے ہر اعتبار سے نافع بنا کر فی الجملہ تمام اہلِ ایمان کے لیے فوز و فلاح اور اُخروی بخشش و کامرانی کا وسیلہ بنا دے۔

خاتمہ کلام سے پہلے نوجوان طلبہ و طالبات کو بالخصوص اور عام قارئین کو بالعموم اس امر کی طرف توجہ دلانا برمحل ہوگا کہ اگر وہ سیرتِ مطہّرہ کے متعلق فاضل مؤلف کی دوسری تالیف ''خُشُنْتُ جَمِیعُ خِصَالِہٖ'' کا مطالعہ کرنے کا بھی اہتمام کریں تو یہ بھی ان کے لیے فہمِ سیرت کے نقطہ نظر سے بہت زیادہ سودمند ہوگا۔ ان شاءاللہ العزیز۔

الراقم العاجز

حفیظ الرحمٰن احسن

۲- ربیع الاول ۱۴۲۲ھ

۳۰- مئی ۲۰۰۱ء لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مؤلف

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاَكْرَمِ وَعَلٰى صَحْبِهِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ خَيْرِ الْاُمَمِ

فخرِ بنی آدم رسول الثقلین صاحبِ خیرِ کثیر شافعِ روزِ محشر ساقیٔ کوثر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرتِ طیبہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر دُنیا کی مختلف زبانوں میں اب تک بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور پورے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اِس پاکیزہ موضوع کے اتنے گوشے اور پہلو ہیں کہ کوئی بھی سیرت نگار یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے پوری سیرتِ طیبہ (یا اس کے کسی ایک پہلو یا گوشے) کا حق ادا کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیرۃِ طیبہ پر لکھی جانے والی تمام کتابوں میں حضور ﷺ کی حیاتِ اطہر کے بیشتر واقعات (بعض معمولی جزوی اختلافات کے سوا) ایک ہی جیسے ہیں لیکن ہر سیرت نگار نے انہیں اپنے اپنے رنگ یا اسلوب میں بیان کیا ہے گویا ہر گلے را رنگ و بُوئے دیگر است۔ راقم الحروف کا پختہ عقیدہ ہے کہ کسی مسلمان کی اس سے بڑی خوش بختی کوئی نہیں ہو سکتی کہ اس کو صدقِ دل سے آنحضور ﷺ کی مِدحت یا آپؐ کی سیرتِ طیبہ پر کچھ لکھنے کی سعادت حاصل ہو جائے۔ یہ سعادت اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے خاص کرم کے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ جس سے چاہتا ہے یہ کام لے لیتا ہے جیسا کہ کسی دانا نے کہا ہے ؎ ہر کسے را بہرِ کارے ساختند۔

رَبّ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے راقم الحروف جیسے ہیچمدان کو اپنے محبوب ﷺ کی سیرتِ پاک کے مختلف پہلوؤں پر لکھنے کی توفیق بخشی اور یوں اپنے ایک ناچیز اور ناکارہ بندے کو "بعد از خدا بزرگ تر ہستی" کے سیرت نگاروں کی صف میں شامل کر دیا۔ پیشتر ازیں سیرتِ طیبہ سے متعلق راقم الحروف کی سات تالیفات منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ **اَخلاقِ پیمبری:** اس میں اَخلاقِ حَسَنہ کے مختلف عنوانات کے تحت حضور ﷺ کے بیسیوں ارشادات جمع کیے گئے ہیں علاوہ ازیں آپؐ نے اپنے خُلُقِ عظیم کا جو عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا، اس کی تفصیل ہے۔

۲۔ **معجزاتِ سرورِ کونینؐ:** اس میں مستند روایات کی روشنی میں رسولِ اکرم ﷺ کے ہر نوع کے معجزات کی تفصیل ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ **ارشاداتِ دانائے کونینؐ:** اس کتاب میں ایک سو تریسٹھ عنوانات کے تحت حضور ﷺ کے ایسے ارشادات مع تشریح جمع کر دیے گئے ہیں جن کا انسان کی معاشرت اور جسمانی صحت سے گہرا تعلق ہے مثلاً مسواک کرنے کی عادت ڈالو، طہارت نصف ایمان ہے، سونے سے پہلے بستر کو جھاڑ لیا کرو، معدہ کی خرابی تمام امراض کی جڑ ہے، سبزیاں زیادہ کھاؤ، ہمیشہ کچھ بھوک رکھ کر کھاؤ، صبح سویرے جاگنے کی عادت ڈالو، غصے کو پی جایا کرو، ہر کام میں اعتدال بہتر ہے، نجومیوں کی باتوں پر یقین نہ کرو، راستہ سے تکلیف دِہ چیز دور کردیا کرو وغیرہ۔

۴۔ **وفودِ عرب بارگاہِ نبوی میں:** عہدِ رسالت میں مختلف عرب قبائل کے ایک سو سے زائد وفود بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے بیشتر کا مقصد اسلام قبول کرنا تھا، بعض زیارت اور بیعت کا شرف حاصل کرنا چاہتے تھے اور کچھ آپ سے معاہدۂ صلح کے خواہاں تھے اس کتاب میں ان سب وفود کی بارگاہِ رسالت میں حاضری کے دلچسپ حالات ہیں۔

۵۔ **ہمارے رسولِ پاک ﷺ:** نونہالانِ قوم کے لیے آسان زبان میں رسولِ پاک ﷺ کی سیرتِ اطہر۔ اس کتاب کی تالیف پر ۱۹۸۶ء میں مؤلف کو صدارتی ایوارڈ دیا گیا۔

۶۔ **جنت کے پھول:** یہ کتاب بھی نونہالانِ قوم کی تربیت کے لیے لکھی گئی۔ اس میں رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ اقدس کے بیسیوں سبق آموز واقعات آسان زبان میں بیان کیے گئے ہیں مثلاً وعدہ یوں پورا کرتے ہیں، میں تمہارے ساتھ مل کر کام کروں گا، انصاف میں کوئی رعایت نہیں، دشمنوں کے لیے دعا، برائی کا بدلہ بھلائی، مہمان کی خدمت، سختی سے نرمی بہتر ہے وغیرہ۔

۷۔ **حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ:** تقریباً چھ صد صفحات کی اس ضخیم کتاب میں آنحضور ﷺ کی حیاتِ اقدس کے ایسے بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا تعلق آپؐ کے اخلاقِ حسنہ، فضائل، شمائل، اوصاف، خصائل، حُسنِ تبلیغ، عدل وانصاف اور نظامِ معیشت وغیرہ سے ہے۔ چند عنوانات یہ ہیں:۔
خیرِ مجسّم رحمتِ عالمؐ، خیر البشرؐ کی شانِ جُود وسخا، محنت کشوں کے والی، زیردستوں کے مولیٰ محسنِ انسانیت، طائف ظلمت سے نور تک، طبقۂ نسواں کے محسنِ اعظم، رحمتِ عالم کی شانِ جہانبانی، شگفتہ مزاجی، علم سیکھنے اور سکھانے کی نبوی تعلیم، بچوں پر شفقت، گھریلو زندگی، اولاد سے محبت، شجاعتِ نبوی عباداتِ نبوی، طِبِّ نبوی، افصح العرب، سرورِ عالمؐ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحیثیت سیرت ساز، نفسیات میں بے مثل مہارت، عہدِ رسالت کے تفریحی مشاغل، امن واُخوّت کے داعیِ اعظم، صاحب جوامع الکلم، فقید المثال سپہ سالار وغیرہ۔

اپنے خالق و مالک کی حمد اور شکر کا حق ادا کرنے کے لیے راقم الحروف کے پاس موزوں الفاظ نہیں کہ اب اُس نے اپنے اِس ناچیز بندے کو زیرِ نظر کتاب سیرت تالیف کرنے کی توفیق عطا فرمائی جس میں اُس کے حبیب ﷺ کی حیاتِ اقدس کے تمام اہم واقعات کا احاطہ کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اِس عاجز و ناکارہ بندے کا رُواں رُواں اُس ذاتِ بے ہمتا کی حمد کرتے ہوئے یہی عرض کرسکتا ہے کہ بارِالٰہا!

مقدور کسے ہے ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تُو لوح و قلم کا

(میر دردؔ)

یہ کتاب تین سال کی محنتِ شاقہ کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس دوران میں جو مشکلات اور رکاوٹیں پیش آئیں، اُن کی داستان بہت طویل ہے۔ مختصر یہ کہ ابتدائی چند ابواب ہی معرضِ تحریر میں آئے تھے کہ احقر بعض تکلیف دِہ عوارض میں مبتلا ہوگیا اور لکھنے پڑھنے سے ایک حد تک معذور ہوگیا۔ لیکن ربِّ رحیم و کریم کو اس عاجز سے یہ کام لینا منظور تھا اس نے ایک فرشتہ سیرت معالج کو اس کے علاج پر مامور فرما دیا انہوں نے ایسی شفقت و محبت اور خُصوصی توجّہ کے ساتھ احقر کا علاج کیا کہ وہ اس کتاب کو مکمل کرنے کے قابل ہوگیا۔ یہ فرشتہ سیرت معالج شالامار ہسپتال لاہور کے ڈاکٹر فاروق حمید صاحب تھے انہوں نے جس خلوص اور دلسوزی کے ساتھ اس عاجز کا علاج کیا اس کے لیے یہ عمر بھر ان کا شکر گزار رہے گا۔ دعا ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ انہیں مع متعلقین اپنے حِفظ وامان میں رکھے اور دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مالا مال کردے۔ یہاں احقر برادرِ محترم پروفیسر حفیظ الرحمٰن احسن صاحب کا بھی صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی تقدیم لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی اللہ تعالیٰ انہیں اجرِ عظیم سے نوازے اور آخرت میں اُس شاندار کامیابی سے ہمکنار فرمائے جس کا وعدہ قرآنِ حکیم میں مؤمنین سے کیا گیا ہے۔

اب چند باتیں اس کتاب کے مندرجات سے متعلق:

یہ کتاب اس مشاہدے کے پیشِ نظر خصوصی طور پر مِلّت کے نوجوانوں کے لیے لکھی گئی ہے کہ عام طور پر ہمارے نوجوان سیرتِ طیّبہ پر لکھی گئی ایسی کتابوں کے مطالعہ سے گریز کرتے ہیں جو بہت زیادہ ضخیم ہوں یا کئی کئی جلدوں پر محیط ہوں اور اونچے درجے کی عالمانہ زبان میں لکھی گئی ہوں۔ چنانچہ اس کتاب کی ضخامت اس التزام کے ساتھ ایک حد کے اندر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حُضور ﷺ کی حیاتِ اقدس کا کوئی اہم واقعہ احاطۂ بیان میں آنے سے رہ نہ جائے (بالفاظِ دیگر کتاب نہ بے حد ضخیم ہو اور نہ بے حد مختصر)۔ جہاں اِطناب (تفصیل) کی ضرورت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محسوس کی گئی وہاں اِطناب سے کام لیا گیا لیکن اس انداز سے کہ قاری اکتاہٹ محسوس نہ کرے اور جہاں ایجاز (اختصار) کی ضرورت محسوس کی گئی وہاں ایجاز سے اس انداز میں کام لیا گیا کہ قاری انقباض یا تشنگی محسوس نہ کرے۔ بالفاظِ دیگر اختصار تو ہو مگر اس میں جامعیت ہو۔ خاکسار مؤلف نے مقدور بھر یہ کوشش بھی کی کہ کتاب کی عبارت عام فہم ہو، طول طویل مباحث اور اَدق الفاظ کے استعمال سے بچا جائے اور واقعات کے سلجھاؤ کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ کالج کی سطح کے نوجوان یا دینی مدارس میں زیرِ تعلیم نوجوانوں کے علاوہ کم تعلیم یافتہ اور بڑی عمر کے اصحاب بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ راقم الحروف کتاب کی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

"مُشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"

اگر اس میں (طرزِ نگارش، زبان، تحقیق وغیرہ کے اعتبار سے) کوئی خوبی ہے تو اس میں مؤلف کا قطعاً کوئی کمال نہیں ہے بلکہ یہ صرف اللہ جلّ شانُہٗ کی توفیق اور کرم کی بدولت ہے اور اگر اس میں کوئی خامی ہے تو وہ مؤلف کی علمی بے بضاعتی اور نالائقی کی وجہ سے ہے۔ قارئینِ کرام سے استدعا ہے کہ وہ مؤلف یا ناشر کو کتاب کی خامیوں سے مُطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

آخر میں بارگاہِ رَبُّ العِزّت میں بصد عجز و اِلحاح دعا ہے کہ وہ رحیم و کریم مالک المُلک راقم الحروف کا خاتمہ ایمان پر کرے، اس کی خطاؤں سے درگزر فرمائے اور آخرت میں اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے۔

بچوں پر ماں کی شفقت سے ستر گُنا بڑھ کر اپنے بندوں پر شفیق رَبّ ذوالجلال وَالاِکرام کے عفو و کرم سے یہ بھی امید ہے کہ وہ اپنے حبیب ﷺ کی سیرت نگاری کے ثواب میں مؤلف کے ساتھ اس کے مرحوم والدین، جوانا مرگ بہن حفیظ بیگم اور جوانا مرگ بیٹی راشدہ ناہید کو بھی شریک کر لے اور سب کو جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔

اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں مولانا محمد عالم مختارِ حق صاحب اور شیخ عبدالحمید صاحب نے جس انہماک اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے اور اپنے مفید مشوروں سے بھی مؤلف کو نوازا ہے اس کے لیے وہ اس ناچیز کے دلی شکریہ کے مستحق ہیں اسی طرح برادرِ عزیز شیخ سعید اللہ صدیق صاحب نے اس کتابِ سیرت کو اس کے شایانِ شان انداز میں شائع کرنے میں جو کاوش کی ہے وہ بھی لائق تحسین ہے احقر کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجرِ جزیل سے نوازے اور دین و دنیا میں سرخرو کرے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ.

راجی غفران و شفاعت

طالب الہاشمی

۱۹ر اکتوبر ۲۰۰۰ء — ۱۱۸۔ رضوان بلاک، اعوان ٹاؤن ملتان روڈ...... لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدم کی نسل پر ترے اِحساں ہیں بے حِساب

(ظفر علی خانؒ)

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب
صُبحِ اَزَل ہے تیری تجلّی سے فیضیاب
زِینت اَزَل کی ہے تو ہے رونق اَبَد کی تو
دونوں میں جلوہ ریز ہے تیرا ہی رنگ و آب
چُوما ہے قُدسیوں نے ترے آستانہ کو
تھامی ہے آسمان نے جُھک کر تری رکاب
شایاں ہے تُجھ کو سَروَرِ کونَین کا لَقَب
نازاں ہے تجھ پہ رحمتِ دَارَین کا خطاب
برسا ہے شرق و غَرب پہ ابرِ کرم ترا
آدم کی نسل پر ترے احساں ہیں بے حساب
پیدا ہوئی نہ تیرے مُواخات کی نظیر
لایا نہ کوئی تیری مُساوات کا جواب
خَیرُالبَشَر ہے تُو، تو ہے خَیرُالاُمَم وہ قوم
جس کو ہے تیری ذاتِ گرامیؐ سے انتساب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعثتِ نبوی سے قبل دنیا کی حالت

رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت کُرۂ ارض کے مختلف ممالک (ایران، روم، چین، ہند، یونان، مصر، حبش، عرب وغیرہ) کے معاشروں کی جو کیفیت تھی، سیرتِ طیبہ پر (متعدد زبانوں میں لکھی جانے والی) بیشتر کتابوں میں اس کو یہ ثابت کرنے کے لیے تفصیل سے قلمبند کیا گیا ہے کہ ان تمام ملکوں کے باشندے اپنے خالق و مالک کو بھلا کر کفر وشرک اور ہر نوع کی اخلاقی خرابیوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ہمارے نزدیک ان ملکوں کے معاشروں کے بگاڑ کا الگ الگ جائزہ لینے کے بجائے مناسب یہ ہے کہ ان کی گمراہی پر سلسلۂ انبیاء کے تناظر میں نظر ڈالی جائے۔

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ رُوئے زمین کے تمام انسان حضرت آدم علیہ السّلام اور حضرت حوّا علیہا السّلام کی اولاد ہیں۔ حضرت آدم علیہ السّلام کی تخلیق کا ذکر قرآنِ حکیم میں موجود ہے۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو دُنیا میں بھیجا تو اُن کو بتا دیا کہ تم میرے بندے ہو اور میں تمہارا خالق و مالک ہوں دنیا میں تمہارا کام یہ ہے کہ جس بات کا میں حکم دوں اُسے مانو اور جس بات سے منع کروں اُس سے رُک جاؤ۔ اگر تم میرے احکام پر عمل کرتے رہو گے تو میں تم سے راضی رہوں گا اور تمہیں انعامات سے نوازوں گا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں تمہیں سزا دوں گا۔ بس یہی اسلام کی ابتدا تھی۔ اسلام کے معنی ہیں اپنے کو اللہ کے سپرد کر دینا اور اس کے ہر حکم کے سامنے اپنی گردن جھکا دینا...... دنیا کے سب سے پہلے انسان حضرت آدمؑ نے اللہ کے حُکم کے سامنے اپنی گردن جُھکا دی اور اپنے آپ کو اپنے خالق و مالک کی عبادت اور اطاعت کے لیے وقف کر دیا۔ گویا وہ دنیا کے پہلے مسلم تھے۔ ان کی اہلیہ نے بھی ان کی پیروی کی، اس طرح وہ دنیا کی پہلی مسلم خاتون تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو اولاد دی تو ساتھ ہی حضرت آدمؑ کو پیغمبری یا نُبُوّت کے منصب پر بھی سرفراز فرمایا اور ان کو حُکم دیا کہ اسلام کا پیغام اپنی اولاد کو بھی پہنچاؤ کہ اسلام اور صرف اسلام ہی میرا پسندیدہ دین ہے۔ گویا اسلام یا دینِ حق قیامت تک بنی نوعِ انسان کے لیے اللہ کا پسندیدہ دین مقرر کر دیا گیا...... حضرت آدمؑ زندگی بھر تبلیغِ اسلام میں مشغول رہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُن کی تبلیغ کے نتیجے میں کچھ مدّت تک تمام انسان اسلام پر قائم رہے۔ پھر ان میں ایسے لوگ پیدا ہوگئے جنہوں نے اسلام کی تعلیم بُھلا ڈالی۔کسی نے سورج، چاند، ستاروں اور دوسرے مظاہرِ قدرت کو اپنا معبود بنا لیا، کسی نے پتھروں، درختوں، سانپوں اور دوسری مخلوق کو خدا بنا لیا، کوئی خود خدا بن بیٹھا اور کسی نے کہا کہ میں آزاد ہوں جو میری مرضی ہوگی وہی کروں گا خواہ اللہ اور اس کے پیغمبر کا حُکم کچھ بھی ہو۔ اس طرح دنیا میں کفر اور شرک کی ابتدا ہوئی۔ کفر کا مطلب ہے اللہ کی ہستی یا اس کا حکم ماننے سے انکار کرنا، اور شرک کا مطلب ہے اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا، (یعنی اللہ کی ذات، صفات اور اختیارات میں بتوں، دیویوں دیوتاؤں، انسانوں اور دوسری چیزوں کو شریک کرنا اور ان کو اپنا معبود بنا لینا) اسلام میں توحید اور رسالت پر ایمان لانے کے علاوہ اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنا بھی لازم ہے۔ ایک مسلمان کی پہچان یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو وَحدَہٗ لاشریک جانتا ہے، اسی کی عبادت اور اطاعت کرتا ہے اور اس کے احکام کو (جو انسانوں تک اس کے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کے ذریعے پہنچے) اپنا ضابطۂ حیات قرار دیتا ہے۔ وہ حق وصداقت کا علمبر دار، نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والا اور برائیوں سے بچنے والا ہوتا ہے۔ جب انسانوں میں کفر وشرک بڑھنے لگا اور اس کی وجہ سے برائیاں (جنہیں فساد سے تعبیر کیا گیا) پھیلنے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً ہر قوم اور ہر ملک میں اپنے پیغمبر (نبی اور رسول) بھیجے جنہوں نے لوگوں کو ایک ہی دین یعنی اسلام کی تعلیم دی۔ جیسا کہ سورۃ النحل میں ارشاد ہوا ہے:

> ''ہم نے ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا (اس پیغام کے ساتھ کہ) اللہ کی بندگی کرو۔ اور طاغوت کی بندگی سے پرہیز کرو۔'' (ترجمہ آیۃ ۳۶)

اسی طرح سورۂ فاطر میں فرمایا گیا ہے:

> ''کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈرانے (متنبہ کرنے) والا نہ آیا ہو۔'' (ترجمہ آیۃ ۲۴)

انبیاء اور رُسُل کے اس سلسلے کا اختتام ہمارے آقا و مولا جناب مُحَمَّد مصطفیٰ ﷺ پر ہوا۔ آپؐ سے پہلے آنے والے تمام نبی اور رسول علیہم السلام اپنی اپنی قوموں یا اپنے اپنے ملکوں یا علاقوں کے لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم روئے زمین کے تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوئے، جیسا کہ سورۂ سبا میں فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ (آیۃ: ۲۸)

اور (اے نبیؐ) ہم نے آپ کو تمام ہی انسانوں کے لیے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

آنحضور ﷺ کی رسالت تمام بنی نوعِ انسان کے لیے آخری رسالت اور نبوّت ہے (یعنی اَبدُ الآباد تک کے لیے ہے)۔ آپ کے بعد اب تک نہ کوئی دوسرا پیغمبر آیا ہے اور نہ قیامت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک آئے گا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک بات کی وضاحت کر دی جائے، وہ یہ کہ مستشرقین صرف آنحضور ﷺ ہی کو پیغمبرِ اسلام سمجھتے اور لکھتے ہیں۔ان کے دیکھا دیکھی بعض مسلمان سیرت نگار بھی آنحضور ﷺ کو اس انداز میں ''پیغمبرِ اسلام'' لکھنے لگے ہیں جیسا کہ آپ سے پہلے آنے والے پیغمبر، اسلام کے پیغمبر نہیں تھے۔ یہ اندازِ بیان صحیح نہیں حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیاء و رُسُل علیہم السّلام بلِا تفریق، پیغمبرانِ اسلام تھے۔ وہ سب اسلام ہی کی دعوت کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور اسلام ہی کی اشاعت میں انہوں نے اپنی زندگیاں صَرف کی تھیں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے جن پر صحائف (توریت، زبور، انجیل وغیرہ) نازل کیے تھے ان کو اسلامی تعلیمات کی ترجمانی ہی کے لیے یہ صحائف دیے گئے تھے۔ ان میں سے کسی پیغمبر کو پیغمبرِ یہودیت، پیغمبرِ نصرانیت یا پیغمبرِ مجوسیت نہیں کہا جاسکتا۔

بعض علماء نے خیال ظاہر کیا ہے کہ مختلف زمانوں میں اللہ تعالیٰ نے مختلف قوموں اور ملکوں کی طرف مجموعی طور پر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے مگر قرآن اور حدیث کی روشنی میں ہم اس تعداد کو قطعی اور یقینی نہیں کہہ سکتے حضرت آدم علیہ السّلام کے بعد اور رسولِ اکرم ﷺ سے پہلے آنے والے مشہور پیغمبروں کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:۔

حضرت ادریس عَلَیہِ السَّلام	حضرت نوح عَلَیہِ السَّلام
حضرت ہُود عَلَیہِ السَّلام	حضرت صالح عَلَیہِ السَّلام
حضرت ابراہیم عَلَیہِ السَّلام	حضرت اسمٰعیل عَلَیہِ السَّلام
حضرت اسحٰق عَلَیہِ السَّلام	حضرت یعقوب عَلَیہِ السَّلام
حضرت یوسف عَلَیہِ السَّلام	حضرت لُوط عَلَیہِ السَّلام
حضرت ایوب عَلَیہِ السَّلام	حضرت شعیب عَلَیہِ السَّلام
حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام	حضرت ہارون عَلَیہِ السَّلام
حضرت داؤد عَلَیہِ السَّلام	حضرت سلیمان عَلَیہِ السَّلام
حضرت الیاس عَلَیہِ السَّلام	حضرت ذوالکِفل عَلَیہِ السَّلام
حضرت یُونس عَلَیہِ السَّلام	حضرت زکریا عَلَیہِ السَّلام
حضرت یحییٰ عَلَیہِ السَّلام	حضرت عیسیٰ عَلَیہِ السَّلام

ان جلیل القدر انبیاء و رُسُل کا ذکر قرآنِ حکیم میں بھی آیا ہے اور اردو زبان میں لکھی جانے والی متعدد کتابوں میں بھی ان کے سوانح حیات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ عَلَیہِ السَّلام خاتمِ انبیاءِ بنی اسرائیل ہیں۔ ان کے بعد اور حضورِ اکرم ﷺ سے قبل ۵۷۰ سال کے درمیانی عرصے میں اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کو مبعوث نہیں فرمایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کی گمراہی اور ان کی اصلاح کے لیے پیغمبروں کی بعثت کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہا اور ان کے بعد حضور علیہ ﷺ پر ختم ہوگیا، اس کا زمانہ ہزار ہا سالوں پر محیط ہے۔ اس دوران میں دنیا اَن گنت نشیب وفراز سے گزری اور اس میں بے شمار انقلابات آئے۔ بعض قومیں اپنے کفر و تمرّد اور اللہ کے پیغمبروں کو جھٹلانے کی بنا پر عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں آ گئیں اور تباہ و برباد ہوگئیں۔ بہت سی قوموں نے اپنے انبیاء کی دعوت قبول کی اور ان پر ایمان لاکر عرصہ تک دینِ حق اسلام کو اپنائے رکھا لیکن بعد میں (مختلف وجوہ کی بناء پر) گمراہ ہوگئیں۔ چھٹی صدی عیسوی میں تو دنیا کی تمام قوموں کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ اللہ کے پیغمبروں کی تعلیم کو یا تو یکسر بھلا بیٹھیں یا اس میں تحریف کر کے کفر وشرک کی دَلدَل میں گلے گلے تک دھنس گئیں۔ اگرچہ سابقہ پیغمبروں کی تعلیم کا تھوڑا بہت اثر ان قوموں کے بعض طبقوں میں موجود تھا لیکن توحیدِ خالص یا ایک اللہ کی فرمانبرداری یا اطاعت بلاشرکت غیرے ساری دنیا سے مفقود ہوچکی تھی اور دنیا کی تمام قومیں طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہوچکی تھیں۔ مصر، روم، شام، یمن، حبش اور کئی دوسرے ملکوں میں عیسائیت کا زور تھا لیکن عیسائیوں نے انجیل میں تحریف کر کے تین خدا بنا لیے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور روح القدس کو بھی خدائی صفات کا حامل قرار دیتے تھے۔ ان کے بعض فرقے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور حضرت مریم عَلَیْہَا السَّلام کے بُت اور تصویریں بنا کر ان کو پوجتے تھے۔ اسی طرح عرب سمیت کئی ملکوں میں یہودی بھی موجود تھے۔ وہ اگرچہ ایک اللہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے پہلے آنے والے پیغمبروں کو مانتے تھے لیکن انہوں نے بھی اپنے آسمانی صحائف (توریت، زبور وغیرہ) میں اپنی مَن پسند تبدیلیاں کر دی تھیں۔ دولت کمانے کی خاطر وہ جھوٹ، دغا بازی اور سود خواری ہر چیز کو جائز سمجھتے تھے۔ ایران کے لوگ مجوسی ہوگئے تھے اور آگ کی پرستش کرتے تھے۔ وسطِ ایشیا کے ممالک اور چین وغیرہ میں بت پرستی کے علاوہ سورج، چاند، ستاروں، آگ، پانی، مگرمچھوں اور سانپوں وغیرہ کو بھی پوجا جاتا تھا۔ ہندوستان کے لوگ ہزاروں لاکھوں دیوی دیوتاؤں کو مانتے تھے، اُن کے بت بنا کر ان کی پوجا کرتے تھے اور ان سے مرادیں مانگتے تھے۔ (اب بھی بیشتر ہنود کا یہی شعار ہے لیکن الحمدللہ کہ کروڑوں کی تعداد میں مسلمان بھی اب اس خِطّۂ ارض میں موجود ہیں)۔ یورپ کے اکثر ممالک کے لوگ بالکل وحشی اور اجڈ تھے۔ ان میں سے بعض کا کوئی دین مذہب نہیں تھا اور بعض بتوں یا مظاہرِ قدرت کی پرستش کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ ہر طرف گمراہی کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ۔ (الرّوم: ۴۱)

یعنی ”خشکی اور تری میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی جہاں لوگوں کی بداعمالی کی وجہ سے فساد نہ پھیلا ہو۔“

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رحمتِ عالمیان ﷺ کا وطنِ مالوف

(جزیرہ نمائے عرب)

یہ تو دنیا کا ہر خواندہ اور ناخواندہ مسلمان جانتا ہے کہ خاتم الانبیاء و المرسلین جناب مُحمّدِ مُصطفٰی ﷺ کا وطنِ مالوف مُلکِ عرب تھا۔ برِّ اعظم ایشیا کا یہ مُلک دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نُما ہے (یعنی ایک ایسا ملک جس کے تین طرف پانی ہو اور ایک طرف خشکی)، لیکن اہلِ عرب اس کو ہمیشہ "جَزِیْرَۃُ الْعَرَبْ" کہتے ہیں۔ اس کے جنوب میں بحیرۂ عرب، مغرب میں بحرِ احمر (بحیرۂ قلزم)، مشرق میں خلیج عمان اور خلیجِ عرب (خلیجِ فارس) شمال میں عراق اور شام اور شمال مغرب میں اُردن و فلسطین ہیں۔

دورِ حاضر میں جزیرۂ عرب سیاسی طور پر مندرجہ ذیل آزاد مملکتوں پر مشتمل ہے:

سعودی عرب، یمن، مسقط، قطر، بحرین، مُتّحدہ عرب اِمارات نیز کویت، عراق، اردن، لبنان اور فلسطین (جس کے ایک حصے پر یہودی ریاست اسرائیل نے غاصبانہ قبضہ جما رکھا ہے) جزیرہ نمائے عرب کے شمال مشرقی اور شمال مغربی حصے میں واقع ہیں۔ [1]

جزیرہ نمائے عرب کا مجموعی رقبہ تقریباً تیرہ لاکھ مربع میل ہے۔ اس کا متوسط طول بارہ سَو مِیل اور متوسط عرض سات سَو مِیل ہے۔ مردم شماری نہ ہونے کے باعث اس کی آبادی کے صحیح اعداد و شمار تو نہیں بتائے جاسکتے البتہ ایک اندازے کے مطابق یہ آبادی ڈیڑھ اور دو کروڑ کے درمیان ہے۔

---

[1] بعثتِ نبویؐ سے اب تک دنیائے عرب ایشیا اور افریقہ دو برِّ اعظموں میں پھیل چکی ہے۔ اس کا ایشیائی حصہ جزیرہ نمائے عرب اور بعض دوسرے شمالی ملکوں پر مشتمل ہے جبکہ اس کا افریقی حصہ مراکش، تیونس، لیبیا، الجزائر، مصر وغیرہ پر مشتمل ہے۔ دنیائے عرب کے مجموعی رقبے کا اندازہ تقریباً ۴۵ لاکھ مربع میل کیا جاتا ہے لیکن اتنے وسیع رقبے کی آبادی صرف گیارہ سے پندرہ کروڑ کے درمیان ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دنیائے عرب میں لاکھوں مربع میل پر محیط وسیع و عریض بے آب و گیاہ صحرا ہیں جن میں کہیں کہیں برائے نام آبادی ہے۔ عرب دنیا کے اس پھیلاؤ کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ پر برقرار ہے کہ عربوں کا اصل وطن اور عربی نسلوں کا اصل منبع جزیرہ نمائے عرب ہی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرۂ ارض پر جزیرہ نمائے عرب کی کیا حیثیت اور اہمیت ہے، اس کے بارے میں قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوریؒ اپنی تالیف ''رحمۃ لِلعالمین'' میں لکھتے ہیں:

''اگر ہم عرب کو کرۂ ارض کے نقشہ پر دیکھیں تو اس کے محلِ وقوع سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اسے ایشیا اور یورپ و افریقہ کے برِّ اعظموں کے وسط میں جگہ دی ہے اور وہ خشکی و تری (دونوں راستوں) سے دنیا کو اپنے دہنے اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے۔ اس لیے ایسے ملک میں دنیا کے جملہ مذاہب کا پہنچ جانا اور جہالت کی حکومتِ اعلیٰ کے زیرِ اثر ہو کر سب ہی کا بگڑ جانا بخوبی ذہن نشین ہو سکتا ہے اور اسی طرح یہ بھی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اگر تمام دنیا کی ہدایت کے واسطے ایک واحد مرکز قائم کرنے کے لیے ہم جگہ کا انتخاب کرنا چاہیں تو عرب ہی اس کے لیے موزوں ہے۔ خصوصاً اس زمانہ پر نظر کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب افریقہ اور یورپ اور ایشیا کی تین بڑی سلطنتوں کا تعلق عرب سے تھا تو عرب کی آواز ان براعظموں میں بہت جلد پہنچ جانے کے ذرائع بخوبی موجود تھے۔ رَبُّ العالمین نے (جہاں تک میں سمجھتا ہوں) اسی لیے سیدنا مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللہ ﷺ کو عرب میں پیدا کیا اور ان کو بتدریج قوم اور ملک اور عالم کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا۔''

(رَحْمَۃٌ لِلعالمین ج ۱ ص ۳۲-۳۳)

''عرب'' کو عرب کیوں کہتے ہیں، اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں بقول علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ:

''سب سے معتبر روایت یہ ہے کہ عرب کا پہلا نام عَرَبَۃ یا عُرْبَۃ تھا جس کا مفہوم تمام سامی زبانوں میں صحرا اور بادیہ کے ہیں۔ چونکہ عرب کا ملک زیادہ تر ایک بیابان بے آب و گیاہ ہے اور خصوصاً وہ حصہ جو حجاز سے بادیۂ عرب و شام اور سینا تک پھیلا ہوا ہے اس لیے اس کا نام ''عربا'' قرار پایا جو تخفیفاً بعد کو عموماً عرب بولا جانے لگا اور پھر رفتہ رفتہ وہاں کے باشندوں کو بھی عرب کہنے لگے۔'' (تاریخ ارض القرآن ج ۱ ص ۵۷-۵۸)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے زمانے میں اس ملک کا کوئی نام نہ تھا چنانچہ اسے ''وَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ'' کہا گیا ہے (سورۂ ابراہیم: ۳۷) یعنی ''وادیِ ناقابلِ کاشت'' اس لیے خود لفظ ''غیر آباد ملک'' اس کا نام پڑ گیا۔ توراۃ میں بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مسکن مُدبار بتایا گیا ہے جس کے معنی بیابان اور غیر آباد قطعہ کے ہیں اور جو بالکل عرب کا ترجمہ اور وادیِ غیر ذی زرع کے مرادف ہے۔ (تاریخ ارض القرآن ج ۱ ص ۵۹)

قطع نظر اس کے کہ جزیرہ نمائے عرب کے حدود کیا ہیں اور اس میں کون کون سے ملک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شامل ہیں، عام مسلمانوں کے نزدیک ''ملک عرب'' وہی خطۂ زمین ہے جس میں مکہ مُعظّمہ، مدینہ مُنوّرہ، طائف اور نجد واقع ہیں کہ ان مقامات کے ساتھ ان کے آقا و مولا ﷺ کا خصوصی تعلق ہے۔ یہ خطۂ زمین آج کل ''مملکت سعودی عرب'' میں شامل ہے اس لیے مسلمان جذباتی طور پر سعودی عرب ہی کو ''ملکِ عرب'' کہتے ہیں اور یہ اس حد تک صحیح بھی ہے کہ قرآنِ حکیم میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی سکونت کے ذکر میں جس خطۂ زمین کو وادیِ غیر ذی زرع کہا گیا ہے وہ وادیِ مکہ یا سرزمینِ حجاز تھی جو سعودی عرب کا ایک حصہ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس خطۂ ارض کے طبعی حالات کی ایک جھلک پیش کر دی جائے۔

(اس کے جغرافیائی کوائف کی تفصیل جاننے کے لیے جغرافیہ کی کتابوں یا اُردو دائرہ معارف اسلامیہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے)

سعودی عرب کا رقبہ آٹھ لاکھ تہتر ہزار مربع میل ہے۔ اس کا زیادہ حصہ ریگستانی یا پتھریلا ہے جگہ جگہ روکھی سوکھی جھاڑیاں، سینکڑوں میل لمبے چوڑے صحرا (ریگستان) اور پتھریلے میدان ملتے ہیں۔ ان ریگستانوں میں کہیں کہیں اونچے ٹیلے اور وادیاں بھی ہیں جن میں چشمے بہتے ہیں اور کھجور، انجیر، انگور اور زیتون وغیرہ کے باغ پائے جاتے ہیں ان کو نخلستان کہا جاتا ہے بعض علاقوں میں کھیتی باڑی بھی ہوتی ہے۔ ملک میں کوئی دریا نہیں البتہ بہت سے چھوٹے چھوٹے ندی نالے ہیں جو سال میں کئی مہینے خشک پڑے رہتے ہیں۔ ملک میں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ آب و ہوا گرم خشک ہے۔ اونٹ گھوڑے اور بھیڑ بکریاں عرب کے خاص جانور ہیں۔ عربی گھوڑا بہت خوبصورت اور تیز رفتار ہوتا ہے۔ جن ریگستانوں میں گھوڑا دو قدم نہیں چل سکتا وہاں اونٹ میل ہا میل تک بے تکان اڑا چلا جاتا ہے۔ یہ اونٹ ایک مرتبہ پیٹ بھر کر پانی پی لیتا ہے پھر کئی دن تک اس کو پانی کی حاجت نہیں رہتی۔ کھانے کو یہ خاردار جھاڑیوں پر گزارہ کر لیتا ہے۔

ملک کے درمیان نَجد کا وسیع و عریض علاقہ ہے جسے چٹیل پہاڑوں اور ریگستانوں نے گھیر رکھا ہے۔ یہ ایک بلند سطح مرتفع ہے جس میں متعدد جگہوں پر زرخیز وادیاں اور چشمے ہیں اور ان کی بدولت خطۂ نجد میں متوسط حد تک بود و باش اور خاصی حد تک زرخیزی اور شادابی ملتی ہے۔ یہ خطہ آٹھ سَو میل طویل اور سوا دو سَو میل عریض ہے۔

اس سے ہٹ کر جو علاقہ بحرِ احمر (بحیرۂ قلزم) کے کنارے کنارے لمبائی میں اردن کی سرحد (خلیج عقبہ) سے شروع ہو کر یمن کی سرحد پر ختم ہوتا ہے، حجاز کہلاتا ہے۔ حجاز کا میدانی علاقہ غیر شاداب ہے اس میں چھوٹی بڑی بہت سی پہاڑیاں اور پہاڑی ٹیلے پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ مشرقی جانب بتدریج بلند ہوتے گئے ہیں اور بالآخر حجاز کے پہاڑی سلسلے میں تبدیل ہو گئے ہیں اور مغربی جانب بتدریج پست اور کم ہوتے گئے ہیں یہاں تک کہ ساحلِ سمندر تک پہنچتے پہنچتے زمین کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھلے اور وسیع قطعات عام ہو جاتے ہیں اس علاقے کی زمین ریگستانی ہے اور بالعموم خشک رہتی ہے البتہ جب اس کو پانی مل جاتا ہے تو یہ شاداب اور قابلِ کاشت ہو جاتی ہے۔ حجاز کے پہاڑ بھی خشک اور عموماً بنجر ہیں۔ حجاز کی ساحلی پٹی کے درمیان سے متعدد وادیاں بھی گزرتی ہیں جن میں متعدد سرسبز اور شاداب نخلستان ملتے ہیں۔ اس ساحلی پٹی کو تہامہ اور غور کہتے ہیں اور پہاڑوں کو حجاز لیکن عام اصطلاح میں پورے علاقے کا نام حجاز ہے مکّہ، مدینہ، جدّہ، طائف اور خیبر صوبۂ حجاز کے مشہور شہر ہیں۔ مکّہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ کی وجہ سے حجاز دنیا بھر کے مسلمانوں کا سب سے مقدّس خطۂ ارض ہے اس کا طول سات سَو میل اور اس کا عرض مع تہامہ اوسطاً ۲۷۵ میل ہے حجاز کے پہاڑوں میں تقریباً سَو ایسے قطعے بھی ملتے ہیں جو آتش فشانی مادّے سے بنے ہیں ان کے پتھر سیاہ کھنجر کی طرح ہیں ان کو حرے کہا جاتا ہے یہ سخت ناہموار اور کھُردرے ہوتے ہیں انسانوں اور جانوروں کے لیے ان پر چلنا سخت دشوار ہے بعض حرے بیسیوں میل تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ سطحِ سمندر سے کافی بلند ہیں بعض کی بلندی پانچ ہزار فٹ سے بھی زیادہ ہے۔ شہرِ مقدس مدینہ منوّرہ بھی منطقۂ تہامہ کے دو حروں میں گھرا ہوا ہے۔ ایک حرہ واقم جو اس کے مشرقی جانب ہے دوسرا حرۃ الوَبُرہ جو اس کے مغرب میں واقع ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رحمت عالمیان ﷺ کا مولِدِ مبارک

رحمتِ عالم ﷺ کا مولِدِ مبارک بالاتفاق وہ مقدس شہر ہے جس کا ذکر قرآنِ حکیم میں بَکّہ کے نام سے کیا گیا ہے اور جو بعد میں مَکّہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اسی مقدس شہر میں انسانوں کے لیے سب سے پہلی عبادت گاہ تعمیر ہوئی (جسے بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر کہا گیا) اس عبادت گاہ کو خیر و برکت دی گئی اور اس کو تمام جہانوں کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (آیہ ۹۶)

"بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے مقرر (تعمیر) کی گئی وہی ہے جو مکّہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور سارے جہانوں کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا۔"

قرآنِ حکیم میں اس کو اَلْبَلَدُ الْاَمِیْن، اَلْبَلَدُ الْحَرَام اور اُمُّ الْقُریٰ کے القاب سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

یہ مقدس شہر یعنی مکّہ مکرّمہ عرب کے صوبۂ حجاز میں بحرِ احمر کے ساحل سے تقریباً ۷۵ کلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔ سطحِ بحر سے اس کی بلندی تقریباً ساڑھے تین سَو فٹ ہے اس کا عرض بلد ۲۱ درجہ شمالی اور طول بلد ½-۳۹ درجہ مشرقی ہے۔ یہ شہر مشرق سے مغرب کی طرف کئی میل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا عرض بھی تقریباً دو میل کا ہے جس وادی میں یہ واقع ہے اس کو وادیٔ ابراہیم یا وادیٔ ابطح اور بطحا بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وادی دو پہاڑی سلسلوں سے گھری ہوئی ہے جو مغرب سے شروع ہو کر مشرق کی طرف چلے گئے ہیں ان میں ایک سلسلہ شمالی ہے اور ایک جنوبی۔ ان دونوں سلسلوں کو اَخْشَبان یا اَخْشَبَیْن کہا جاتا ہے۔ شمالی سلسلے میں جَبَلِ قُعَیْقِعَان بہت مشہور ہے (اس کا جنوب مشرقی حصہ جبلِ ہندی کہلاتا ہے) شہر کے جنوب مغربی سرے پر جبلِ نوبی (جَبَلِ عمرؓ) ہے پھر وادی ہے، پھر جبل ابوقُبَیْس ہے اور پھر جَبَلِ خَندمہ ہے۔ ان سب پہاڑوں کے دامن اور بعض کی بلندیاں عمارتوں سے پُر ہیں۔ شہر کو چاروں طرف سے پتھروں کے ٹیلے یا چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں گھیرے ہوئے ہیں۔ حرم شریف (مسجدِ حرام) شہر کے وسط میں ہے اور حرم شریف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بالکل وسط میں خانۂ کعبہ (بیت اللہ شریف) ہے۔ کعبۂ معظمہ کے شمالی مشرقی رُخ پر زمزم کا متبرک چشمہ ہے۔[1]

مسلمانوں کے نزدیک مکّہ معظّمہ کو جو بے مثل عظمت اور منفرد مقام حاصل ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ رحمتِ عالم ﷺ کی ولادت/بعثتِ مبارکہ کے وقت بھی مکّہ جزیرۃ العرب کا ایک بڑا شہر تھا اور عرب کے جاہلی معاشرے میں مذہبی اور سماجی اعتبار سے اس کو بلند ترین مقام حاصل تھا۔ قریش نے اس شہر میں باقاعدہ ایک شہری ریاست قائم کر رکھی تھی۔ انہوں نے جہاں کعبہ شریف کی تولیت اور عرب کے گوشے گوشے سے آنے والے زائرین اور حجاج کی میزبانی کا ذمہ لے رکھا تھا وہاں وہ اپنی ریاست کا نظم ونسق بھی نہایت منظم طریقے سے چلا رہے تھے (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اہلِ مکّہ (قریش) کو کعبہ کا متوّلی ہونے کی بناء پر سارے عرب میں نہایت عزت واحترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ ایک ایسے ملک میں جہاں لُوٹ مار اور ڈاکا زنی عام تھی، وہاں قریش کے تجارتی قافلے ملک کے ہر حصے میں بلا خوف وخطر سفر کیا کرتے تھے۔ اُن کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ مکّہ سے باہر کے لوگ ان کو ”جِیرانُ اللّٰہ“ اللہ کے پڑوسی سمجھتے تھے۔ قریش تجارت پیشہ لوگ تھے اور ان کا تجارتی کاروبار ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کے تجارتی قافلے شام، مصر، عراق، ایران، یمن اور حَبَش وغیرہ کا اکثر سفر کرتے رہتے تھے۔ وہ مکّہ سے دباغت شدہ چمڑا، چاندی کا سامان اور بعض دوسری چیزیں دوسرے ملکوں کو لے جاتے تھے اور وہاں سے اہلِ عرب کی ضروریات کا سامان (غلّہ، کپڑا، شراب، ہتھیار، ہاتھی دانت، ریشم، گرم مسالے، خوشبویات وغیرہ) اپنے ہمراہ لاتے تھے تاکہ راستے کے عرب قبائل ان سے مال خریدیں اور مکّے کی منڈی میں اندرونِ ملک کے تُجّار مختلف قسم کا مال خریدنے کے لیے تُجّارِ مکّہ کی طرف رجوع کریں۔ اس طرح مکّہ جزیرۃ العرب کا سب سے بڑا تجارتی مرکز بن گیا تھا اور مال ودولت کے اعتبار سے بھی قریش عرب کے دوسرے تمام لوگوں پر فائق ہوگئے تھے۔ قریش کے تجارتی سفروں کا ذکر سورۂ قریش میں بھی آیا ہے اس میں قریش کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ بیت اللہ کے ربّ کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا (یہ اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ مکّہ میں آنے سے پہلے

---

[1] جَبَلِ نُور جس میں غارِ حرا ہے شہر کے شمال میں جدھر سے طائف کو راستہ جاتا ہے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے بعثت سے پہلے حضور ﷺ اسی غار میں جاکر عبادت کیا کرتے تھے۔

جَبَلِ ثَور جس کے ایک غار میں حضور ﷺ نے ہجرت کے موقع پر تین راتیں گزاری تھیں، مکّہ کی مشرقی جنوبی سمت میں تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

صفا اور مروہ کی پہاڑیاں جن کو شعائرُ اللہ کہا گیا ہے، حرم شریف سے متصل تھیں۔ اب وہ صرف چند چٹانوں کی صورت میں باقی رہ گئی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب قریش عرب میں منتشر تھے تو بھوکوں مر رہے تھے یہاں آنے کے بعد ان پر رزق کے دروازے کھل گئے) نیز ان کو خوف سے بچا کر امن دیا (یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ سوائے مکّہ کے سارے عرب میں کوئی بستی اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں لوگ رات کو چین سے سو سکتے ہوں۔ ان کو ہر وقت یہی کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کوئی غارت گر گروہ نہ معلوم ان پر کس وقت حملہ کر دے لیکن قریش نہ صرف مکّہ میں بالکل محفوظ تھے بلکہ سفر میں بھی کوئی ان کو چھیڑنے یا ستانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ گرمی کے موسم میں قریش کے تجارتی سفر شمالی سمت میں (شام و فلسطین وغیرہ کی طرف) ہوتے تھے کیونکہ وہ ٹھنڈے علاقے ہیں اور سردی کے موسم میں جنوبی سمت میں (یمن وغیرہ کی طرف) ہوتے تھے کیونکہ وہ گرم علاقے ہیں۔ مذہبی اور اخلاقی اعتبار سے عمومی طور پر اہلِ مکّہ کا وہی حال تھا جو دوسرے اہلِ عرب کا تھا۔ اس کا نقشہ ۶ سنہ بعدِ بعثت میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی (شاہِ حبشہ) کے دربار میں یوں کھینچا تھا (اس کی تفصیل آگے مناسب موقع پر آئے گی)

> ''اے بادشاہ ہم جاہلیّت والی قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، ہر طرح کی بے حیائی کرتے تھے۔ رشتوں کو توڑتے تھے۔ پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے اور طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔''

(سیرۃ ابنِ ہشام ج۱ص۳۳۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرب کا جاہلی معاشرہ

چونکہ سرکارِ دو عالم فخرِ بنی آدم جناب مُحمّد مُصطفیٰ ﷺ کی بعثتِ مبارکہ سرزمینِ عرب میں ہوئی اور آپؐ کے اوّلین مخاطب اہلِ عرب ہی تھے اس لیے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ملکوں کے دورِ جاہلیّت کی تفصیل میں جانے کے بجائے بعثتِ نبویؐ کے وقت عرب کے جاہلی معاشرے کی کیفیت ذرا تفصیل سے بیان کر دی جائے۔

جاہلیّت، جہالت اور جہل کے لُغوی معنی حماقت، سفاہت، نادانی، ظلم اور بیوقوفی کے ہیں۔ بعض علماء نے حقیقت سے نا آشنائی کو جاہلیّت قرار دیا ہے۔ اہلِ عرب کے زمانہ جاہلیّت کے بارے میں مختلف روایات ہیں ان میں سے کچھ کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ بعثتِ نبویؐ سے پہلے کا وہ زمانہ جس میں اہلِ عرب بحیثیتِ مجموعی دینِ ابراہیمی (اسلام) کو یا تو بالکل فراموش کر چکے تھے یا انہوں نے اس میں اپنی مرضی کے مطابق طرح طرح کی تبدیلیاں کر کے ایک مشرکانہ مذہب کی صورت بنا دی تھی۔

۲۔ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور ﷺ کی بعثت کا درمیانی زمانہ تھا۔

۳۔ وہ زمانہ جو ولادتِ نبویؐ اور بعثتِ نبوی کے درمیان ہے۔

۴۔ فتح مکّہ (رمضان المبارک ۸ ہجری) سے پہلے کا زمانہ۔

عام طور پر حضور ﷺ کی بعثتِ مبارکہ سے پہلے کے زمانے کو عربوں کا دورِ جاہلیّت کہا جاتا ہے۔

عرب کے جاہلی معاشرے میں جو بڑے بڑے مفاسد اور رذائل گھر کر چکے تھے، وہ یہ تھے:۔

شرک، بت پرستی، کواکب پرستی (سورج، چاند، ستاروں وغیرہ کی پرستش) قتل و غارت، لوٹ مار، دُختر کشی، شراب خواری، قمار بازی، سود خواری، بے شرمی اور بے حیائی، بدکاری اور فواحش، سفّاکی اور بے رحمی، اوہام پرستی، جنگ جوئی، من مرضی سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دینا۔

دورِ جاہلیّت میں اہلِ عرب (بشمول اہلِ مکّہ) کے بعض مفاسد کی طرف قرآنِ حکیم میں اس طرح اشارے کیے گئے ہیں:

○ جب اکیلے اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو ماننے سے انکار کرتے تھے جب اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کیا جاتا تو مان لیتے تھے۔ (سورۂ مومن:۱۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- اپنی اولاد کو افلاس کے خوف سے قتل کر دیتے تھے۔ (بنی اسرائیل:۳۱)
- اللہ کے دیے ہوئے رزق کو اللہ پر افترا پردازی کر کے حرام ٹھہرا لیتے تھے۔ (الانعام:۱۴۰)
- لڑکیوں کو باعثِ عار سمجھتے تھے۔ جب کسی کو لڑکی کی پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی جاتی تھی تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا تھا، وہ دل میں سوچتا تھا کہ اسے ذِلّت کے ساتھ قبول کرے یا زندہ زمین میں دفن کر دے۔ (النحل:۵۹)
- بعض قبائل میں لڑکیوں کو زندہ زمین میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ حشر میں زندہ دفن کی گئی لڑکی سے سوال ہوگا کہ وہ کس جرم میں مار ڈالی گئی۔ (التکویر:۸۔۹)
- جنّات کو اللہ کے شریک اور قرابت دار سمجھتے تھے۔ (الانعام۱۰۰، الصّٰفّٰت:۱۵۸)
- جب سمندر میں سفر کرتے تھے تو صرف اللہ کو پکارتے اور جب اللہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا تو شرک کرنے لگتے تھے۔ (العنکبوت:۶۵)
- انکی نماز یہ تھی کہ بیت اللہ کے پاس سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے۔ (الانفال:۳۵)
- جنگ اور خونریزی کی خاطر حرمت والے مہینوں کو آگے پیچھے کر لیا کرتے تھے۔ (التوبہ:۳۷)
- یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ مساکین کو کھلانے پلانے کی ترغیب نہیں دی جاتی تھی لوگ میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے تھے اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار تھے۔ (الفجر:۱۷تا۲۰)
- شراب خواری جُوئے اور قمار بازی کے گندے شیطانی کاموں میں بری طرح مبتلا تھے اسکے علاوہ انہوں نے ایسے آستانے بنا رکھے تھے جن میں بتوں کی پرستش کی جاتی تھی اور ان پر "چڑھاوے" (قربانی نذر نیاز وغیرہ) چڑھائے جاتے تھے۔ (المائدہ:۹۰)

اسی طرح ان لوگوں کی سود خواری، فحاشی اور دوسرے اخلاقی رذائل کی طرف بھی قرآنِ حکیم میں جا بجا تفصیلاً یا اشارۃً نشاندہی کی گئی ہے۔

احادیثِ نبوی میں بھی ان کی گمراہی کی بے شمار مثالیں دی گئی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:۔

- انہوں نے کعبہ میں چاروں طرف تین سَو ساٹھ بت رکھ چھوڑے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب فتح مکہ)
- وہ پتھروں کے علاوہ درختوں کی بھی پوجا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب فرض الخمس باب الجزیہ)
- بعض قبائل حضرت نُوح علیہ السّلام کے زمانے کے بُتوں کی پوجا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر، سورۂ نوح)
- اگر کسی پتھر کی پوجا کرتے کرتے اُس سے کوئی بہتر پتھر مل جاتا تو پہلے پتھر کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھینک دیتے اور دوسرے پتھر کی پرستش شروع کر دیتے۔
(صحیح بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ)

○ مرد اور عورتیں کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے۔ صرف قریش کپڑے پہن کر طواف کرتے تھے یا جس کو وہ کپڑے دے دیں وہ ان کپڑوں میں طواف کر لیتا تھا۔
(صحیح مسلم کتاب الحج باب فی الوقوف)

عرب کے بہت سے علاقوں میں یہود اور نصاریٰ (اہلِ کتاب) بھی آباد تھے۔[1] ان کا دعویٰ تھا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ارشاد ہوا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبّٰٓؤُهٗ. (آیۃ:۱۸)

"یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں۔"

پھر وہ اس خوش خیالی میں بھی مبتلا تھے کہ جنّت میں ان کے سوا کوئی اور نہ جانے پائے گا جیسا کہ سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا ہے:

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى. (آیۃ:۱۱۱)

"یہ کہتے ہیں کہ یہودی یا نصاریٰ کے سوا کوئی شخص جنّت میں نہ جائے گا۔"

یہود اور نصاریٰ اگرچہ اہلِ کتاب تھے لیکن دینی اور اخلاقی اعتبار سے ان میں سخت بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ وہ اپنی آسمانی کتابوں (تورات، زبور، انجیل) میں کھلی تحریف کر چکے تھے قرآن مجید نے ان پر یہ جرم متعدد مقامات پر عائد کیا ہے۔ مثلاً سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ

---

[1] یہود:
یوں تو عرب کے ہر حصے میں یہودیوں کی آبادیاں موجود تھیں لیکن خصوصیت سے شمالی عرب کے تمام مرکزی مقامات پر یہودی قبائل آباد تھے۔ ان مقامات میں یثرب، خیبر، فدک، وادی القرٰی، تیماء، نجران، طائف، اذرح، جرباء، مُقنا اور بحرین وغیرہ شامل ہیں۔
یہود کے مشہور قبائل یہ تھے: بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع، بنو عریض، بنو ہدل، بنو ظفر، بنو عادیا، بنو زنباع۔
یہود کی یکجا آبادیوں کے علاوہ عرب کے متعدد قبائل کے تھوڑے یا بہت سے افراد نے بھی یہودیت قبول کر لی تھی مثلاً بنو کندہ، بنو کنانہ، بنو حارث بن کعب بنو قضاعہ، بنو جذام اور یثرب کے بنو عوف، بنو نجار، بنو ساعدہ، بنو ثعلبہ، بنو اوس، بنو جفنہ، بنو الشطیبہ، بنو حارث۔

نصاریٰ:
نصاریٰ بھی عرب کے تقریباً ہر حصے میں موجود تھے۔ نجران (یمن) میں تو ان کی ایک چھوٹی سی ریاست قائم تھی اس کے علاوہ دومۃ الجندل، بحرین، حیرہ، معان، ایلہ، اذرح، جربا، مُقنا، عمان، یثرب، مکّہ، طائف اور وادی القرٰی وغیرہ میں بھی عیسائی موجود تھے۔ متعدد عرب قبائل (بنو تغلب، بنو کلب، بنو غسان، بنو قضاعہ، بنو تمیم، بنو طے، بنو تنوخ، بنو عبد القیس، بنو لخم، بنو مذحج، بنو بہرا وغیرہ) میں بھی تھوڑے بہت افراد نے نصرانیت قبول کر لی تھی۔ وادی القرٰی، حیرہ اور نجران وغیرہ میں ان کے متعدد گرجے بھی تھے۔
(اہلِ کتاب صحابہ و تابعین ص ۱۶ تا ۲۷ و ص ۹۷ تا ۱۰۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. (آية:۷۵)

ترجمہ: (اے مسلمانو!) اب کیا تم ان لوگوں سے یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری دعوت پر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کا شیوہ یہ رہا ہے کہ اللہ کا کلام سنا اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کی۔"

یہ لوگ آسمانی کتابوں میں تحریف کرنے کے علاوہ یہ حرکت بھی کرتے تھے بلکہ اپنے اوہام و قیاسات، خیالی فلسفوں، بے سروپا قصوں اور من گھڑت فقہی قوانین کو کتابی صورت میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر لوگوں کے سامنے اس حیثیت سے پیش کرتے تھے کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس افترا پردازی کا پرچہ یوں چاک کیا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ. (البقرہ آية: ۷۹)

ترجمہ: "بڑی ہی خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو لکھتے ہیں کتاب (شرع کے نوشتے) پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے اور غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لیے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لیے موجب ہلاکت۔"

انہوں نے ایک مکروہ روش یہ اختیار کر رکھی تھی کہ کتابِ الٰہی میں سے بہت سی باتوں کو چھپا لیا کرتے تھے۔ یہ انتہا درجے کی خیانت اور بددیانتی تھی۔ ان کی اس خیانت کی نشاندہی حق تعالیٰ نے اس طرح کی ہے:

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ. (المآئدہ:۱۵)

ترجمہ "اے اہلِ کتاب ہمارا رسول تمہارے پاس آ گیا ہے جو کتابِ الٰہی کی بہت سی اُن باتوں کو تمہارے سامنے کھول رہا ہے جن پر تم پردہ ڈالا کرتے تھے (جن کو تم چھپا لیا کرتے تھے)

یہ نام نہاد اہلِ کتاب شرک میں بھی بری طرح مبتلا ہو چکے تھے ان کے شرک کا نقشہ قرآنِ حکیم میں یوں کھینچا گیا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۗ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ. (التوبہ ۳۰۔۳۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: ''یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں ان لوگوں کی دیکھا دیکھی جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے تھے۔ اللہ کی مار ان پر یہ کہاں سے دھوکا کھا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اسی طرح مسیح ابنِ مریم کو بھی حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا وہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''

عیسائیوں کا ایک طبقہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو اللہ کہتا تھا جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط (المآئدہ: ۷۲)

ترجمہ: ''یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابنِ مریم ہے۔''

بیشتر عیسائیوں میں عقیدۂ تثلیث رواج پا گیا تھا وہ ایک کے بجائے تین خدا مانتے تھے اللہ، حضرت عیسیٰ مسیحؑ اور روح القدس کو...... قرآنِ حکیم میں ان کے اس عقیدے کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط

ترجمہ: ''یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے حالانکہ ایک اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں۔'' (المائدہ: ۷۳)

اخلاقی اعتبار سے بھی اہلِ کتاب میں عرب کے دوسرے لوگوں کی طرح، قسم قسم کے مفاسد اور رذائل گھر کر چکے تھے۔ نسلی مفاخرت، ضد اور انا کی خرابیاں تو یہود اور نصاریٰ دونوں میں پائی جاتی تھیں لیکن منافقت، حرام خوری، حرص و طمع، بدعہدی، دروغگوئی، بغض و حسد، خود غرضی، قساوتِ قلبی، فحاشی اور بے حیائی جیسے معائب مثالب اور ذمائمِ اخلاق یہودیوں میں بہت زیادہ پائے جاتے تھے۔

آنحضور ﷺ کی ولادت اور بعثتِ مبارکہ کے وقت عرب معاشرے کی جو حالت تھی، مولانا الطاف حسین حالیؒ نے اپنی زندۂ جاوید مسدّس میں اس کا نقشہ بڑے موثر انداز میں کھینچا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ان کے تیس ''حقیقت نما'' اشعار یہاں نقل کر دیے جائیں:

ان کو اگلے صفحوں پر ملاحظہ فرمائیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعثتِ نبوی کے وقت اہلِ عرب کے مفاسد اور ذمائمِ اخلاق

بزبان خواجہ الطاف حسین حالیؒ

کہیں آگ پجتی تھی واں بے محابا — کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا — بتوں کا عمل سُو بسو جا بجا تھا
کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا — خلیلؑ ایک معمار تھا جس بنا کا[1]
ازل میں مشیّت نے تھا جس کو تاکا — کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہُدا کا
وہ تیرتھ تھا اک بُت پرستوں کا گویا
جہاں نامِ حق کا نہ تھا کوئی جویا

قبیلے قبیلے کا بُت اک جُدا تھا — کسی کا ہُبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عُزّیٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا — اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا[2]
نہاں ابرِ ظلمت میں تھا مہرِ انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے — سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے — تو صد ہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گرواں شرارا
تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی — صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی
قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی — تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی

---

[1] اس سے مراد خانۂ کعبہ ہے جس کو حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی ولادت سے دو ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ کی دو برگزیدہ ہستیوں یعنی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے مل کر تعمیر کیا تھا۔

[2] قبیلے قبیلے کے بت جدا جدا ہونے سے یہ مراد ہے کہ ہبل، صفا، عزّیٰ، نائلہ، لات، منات، اساف، وَدّ یا وُدّ، سُواع، یعُوق، یغوث، ذوالکفین، نسر، بعَل، ذوالخلصہ اور عمیانس یا عمِ انس وغیرہ بے شمار بت تھے جو پتھروں یا لکڑی سے تراشے گئے تھے۔ ہر بت کسی خاص قبیلے یا بعض قبیلوں سے مخصوص تھا یعنی وہ قبیلہ یا قبیلے خاص طور پر اسی بت کی پرستش کرتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک اُن کی جہالت کا تھا وہ [1]
اِسی طرح اک اور خوں ریز بیدا — عرب میں لقب حربِ داحس ہے جس کا
رہا ایک مُدت تک آپس میں برپا — بہا خون کا ہر طرف جس میں دریا [2]
سبب اس کا لکھا ہے یہ اصمعی نے [3]
کہ گھوڑ دَوڑ میں چیند کی تھی کسی نے
کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا — کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لبِ جُو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا — کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہی روز ہوتی تھی تکرار اُن میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں
جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دُختر — تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور — کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی
جُوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی — شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیّش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی — غرض ہر طرح اُن کی حالت بُری تھی
بہت اس طرح گزری تھیں اُن کو صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پہ تھیں بدیاں (مُسدّسِ حالیؒ)

---

[1] ایامِ عرب میں بنوبکر اور بنوتغلب کی باہم لڑائی جسے حربِ بسوس کہا جاتا ہے، بڑی شہرت رکھتی ہے۔ یہ طویل لڑائی ایک معمولی واقعہ سے شروع ہوئی۔ وہ یہ کہ ایک شخص کا اونٹ کسی عورت کے کھیت میں چلا گیا۔ اس عورت نے اونٹ کو مارا اس پر اونٹ کے مالک نے عورت کی چھاتی کاٹ ڈالی اس کے نتیجے میں دونوں قبیلوں کے درمیان لڑائیوں کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا جو چالیس سال تک جاری رہا (۴۹۴ء تا ۵۳۵ء) شروع میں لڑائی بنوبکر اور بنوتغلب تک محدود رہی لیکن رفتہ رفتہ عرب کے تمام قبیلے اس میں شریک ہو گئے۔ ان لڑائیوں میں ستر ہزار آدمی مارے گئے۔

[2] یہ لڑائی جو "داحس" نامی ایک گھوڑے کے نام پر حربِ داحس مشہور ہوئی، ۵۶۸ء سے ۶۳۱ء تک پورے ۶۴ سال جاری رہی۔ یہ محض اتنی بات پر شروع ہوئی کہ گھوڑ دوڑ کے ایک مقابلے میں داحس سب سے آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ کسی شخص نے آگے بڑھ کر اسکو بدکا دیا اس کے نتیجے میں مختلف قبیلوں کے درمیان خونریز جنگ شروع ہو گئی جس میں ہزار ہا آدمی مارے گئے۔ یہ لڑائی اس وقت ختم ہوئی جب بعض قبیلے اسلام لے آئے۔

[3] ابوسعید عبدالملک بن قُریب الاصمعی کا شمار دوسری صدی ہجری کے نادرۂ روزگار فُضلاء میں ہوتا ہے۔ لسانیات میں انکو خاص مہارت حاصل تھی۔ عربوں کی قدیم شاعری اور بدوی عربوں کی زبان کے وہ بڑے ماہر تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو اپنے بیٹے الامین کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ ہارون کے فُضلائے دربار میں وہ خاص امتیاز رکھتے تھے۔ وہ ۱۲۲ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور بصرہ ہی میں ۲۱۳ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی متعدد تصانیف میں کتاب الفرس، کتاب الاراجیز اور کتاب المیسر بہت مشہور ہیں۔ (دائرۃ المعارف اسلامیہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصویر کا دوسرا رُخ

اہلِ عرب کے رذائل اور مفاسد اُن کے دورِ جاہلیت کی تصویر کا ایک رُخ ہے۔ اس کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ ہزار خرابیوں کے باوجود اہلِ عرب جسدِ بے روح نہیں تھے۔ اُن میں خیر و صلاح کے چشمے مختلف نوع کی برائیوں سے اَٹ تو گئے تھے لیکن بالکل خشک نہیں ہوئے تھے ان کے معاشرے کی کیفیت ایک ایسی زمین کی تھی جو بظاہر شور اور بنجر معلوم ہوتی تھی لیکن اصلاً یہ بہت زرخیز تھی اور صرف بارانِ رحمت کی منتظر تھی۔ فی الحقیقت ان لوگوں میں کچھ ایسی خصوصیات اور صفات بھی تھیں جو دنیا کی کسی دوسری قوم میں نہیں تھیں اور اگر کسی قوم میں ایسی کچھ صفات تھیں بھی تو وہ ان میں اہلِ عرب کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی گویا ان خصوصیات میں اہلِ عرب منفرد حیثیت کے حامل تھے۔ یہی اوصاف و محاسن تھے جنہوں نے ان کو خیر البشر سید الانام نبی آخر الزّمان ﷺ کی قوم بننے کا شرف بخشا اور خیر الامم بننے کی اہلیت اور عزّت عطا کی۔ اس اِجمال کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) نہایت سادہ اور جفاکش تھے۔ بدویوں (بادیہ نشینوں یا دیہاتیوں) کو تو چھوڑیے، خاص مکّہ کی شہری ریاست کے باشندوں (قریش) نے بھی اُس پُر تکلّف اور عیاشانہ تمدّن کا اثر قبول نہیں کیا تھا جو ہمسایہ ممالک، ایران، روم، مصر وغیرہ کی قوموں کا خاصہ تھا حالانکہ ان قوموں کے ساتھ قریش کے تجارتی تعلّقات قائم تھے۔

(۲) بالعموم وہ ہمیشہ آزاد رہے بالخصوص شمالی عرب کے باشندوں کی حریّت پسندی تو اپنی مثال آپ تھی۔ اس میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا انہوں نے کبھی کسی دوسری قوم کی غلامی کا جوا اپنی گردن میں نہیں ڈالا۔

(۳) عرب کے چاروں طرف دنیا کے بڑے بڑے مذاہب نے عروج حاصل کیا (خود عرب کے بعض شہروں میں بھی ان مذاہب کے پیرو موجود تھے) لیکن اہلِ عرب نے بحیثیتِ مجموعی دین یا مذہب کے معاملے میں اپنی مخصوص آزادانہ روش برقرار رکھی اور دوسرے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی مذہب میں داخل نہ ہوئے۔ انہوں نے نہ تو مجوسیت (آتش پرستی) اختیار کی اور نہ یہودیت اور نصرانیت کے سامنے اپنا سر خم کیا۔ ان میں جو سلیم الفطرت اور خدا ترس لوگ ہوتے تھے وہ یہودی یا نصرانی یا مجوسی ہونے کے بجائے اپنے کو دینِ ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے یہی ان کے نزدیک دینِ حنیفی تھا۔

(۴) نہایت بہادر اور نڈر تھے۔ لڑنے مرنے کو وہ کھیل سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے۔ ان کی شجاعت اور جوانمردی کا اندازہ ان قِصّوں اور واقعات سے ہوتا ہے جن سے ان کے دَواوِین بھرے پڑے ہیں اگرچہ زمانۂ جاہلیّت میں ان کی یہی صِفت حدِ اعتدال سے بڑھ کر خونریزی، تفاخر اور مجنونانہ جوشِ انتقام کی مذموم صورت اختیار کر گئی تھی لیکن اسلام میں ان کی اس صِفت نے نہایت پاکیزہ شکل اختیار کر لی اور چند سال کے اندر اندر انہوں نے قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ ڈالے۔

(۵) نہایت صاف گو تھے۔ جو بات ان کے دل میں ہوتی تھی وہی ان کی زبان پر ہوتی تھی۔ جھوٹ بولنے سے احتراز کرتے تھے اور جھوٹ بولنے والے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ دوستوں کے کھُلے دوست اور دشمنوں کے کھُلے دشمن ہوتے تھے۔ عمومی طور پر منافقت ان کا وتیرہ نہ تھا مدینہ مُنَوَّرہ میں منافقین کا جو گروہ پیدا ہو گیا تھا وہ یہود کے اثر کا نتیجہ تھا۔

(۶) نہایت غیرت مند تھے۔ اپنے حسب ونسب یا جوانمردی یا اپنی کسی خصلت وغیرہ پر کسی قسم کا طعن یا طنز برداشت نہیں کرتے تھے بعض لوگوں کی غیرت مندی حدِ اعتدال سے بڑھ کر دُختر کُشی کی مذموم صورت اختیار کر گئی تھی اس لیے کہ وہ کسی کو اپنا داماد بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔

(۷) بے حد مہمان نواز تھے۔ خود بھوکے رہ لیتے تھے لیکن مہمان کو بھوکا رکھنا گوارا نہ تھا اپنے پاس پناہ لینے والوں، مہمانوں اور ہمسایوں کی امداد میں اپنی جان تک لڑا دیتے تھے۔

(۸) ایفائے عہد میں اپنی مثال آپ تھے۔ عہد شکنی ان کے نزدیک نہایت ذلیل حرکت تھی۔ ''جان جائے تو جائے پر عہد ٹوٹنے نہ پائے'' ان کا قومی شِعار تھا۔

(۹) نہایت خوددار اور مساوات پسند تھے۔ ایک معمولی حیثیت کا آدمی بڑے سے بڑے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدمی کے سامنے برابری کے ساتھ بے باکانہ بیٹھ کر گفتگو کرتا تھا۔

(۱۰) کشادہ دل اور سخی تھے۔سخاوت ان کا قومی جوہر بن چکی تھی۔بخیل اور کنجوس آدمی کو بہت ذلیل سمجھتے تھے۔مؤرخین نے بے شمار عرب اسخیا کے حالات بیان کیے ہیں ان کو پڑھ کر انسان ورطۂ حیرت میں غرق ہو جاتا ہے۔ان کی سخاوت کے ڈانڈے ایثار سے جا ملتے تھے۔(یعنی اپنی ضرورت پر دوسروں یا سائل کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے)

(۱۱) بڑے زبان آور تھے اپنی زبان عربی کے مقابلے میں دوسری زبانوں کو ہیچ سمجھتے تھے اور دوسرے ملکوں کو عَجم (گونگا) قرار دیتے تھے۔حقیقت بھی یہی ہے کہ اپنی وسعت کے اعتبار سے عربی زبان کا مقابلہ دنیا کی کوئی زبان نہیں کر سکتی۔

(۱۲) ان کا ذہن نہایت تیز اور حافظہ بے حد قوی تھا ان کے شعراء بڑے بڑے طویل قصیدوں کو زبانی پڑھا کرتے تھے۔اسلام لا کر ان کی یہی خوبی قرآن اور احادیث کو حفظ کرنے میں بہت مددگار ثابت ہوئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہلِ عرب کے طبقات اور قسمیں

علمائے انساب اور مورخینِ اسلام نے اہلِ عرب کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ اوّل عرب بائدہ دوم عرب عاربہ سوم عرب مستعربہ۔

عرب بائدہ:

عرب کے وہ قبائل تھے جنہوں نے طوفانِ نوحؑ کے بعد عرب پر حکومت کی یہ سب عذابِ الٰہی یا گردشِ زمانہ کی لپیٹ میں آکر ناپید ہوگئے۔ یہ قبائل سام بن نوحؑ کے بیٹے اِرَم کی اولاد سے تھے اس لیے ان کو بنی اِرَم بھی کہا جاتا ہے۔ عاد، ثمود، جدیس، طسم، جرہم اولیٰ وغیرہ سب عرب بائدہ ہی تھے۔ ان کا زمانہ اس قدر قدیم ہے کہ تاریخوں میں ان کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ البتہ عرب کے اشعار میں جابجا ان کا ذکر آجاتا ہے یا قرآنِ پاک اور اس سے پہلے کی الہامی کتابوں میں ان کے تھوڑے بہت حالات مل جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر قبائل اپنے کفروشرک، سرکشی، بدکرداری اور ناشکری کی وجہ سے غضبِ الٰہی کا شکار ہوئے اور تباہ و برباد ہوگئے۔

عرب عاربہ:

وہ قحطانی قبائل ہیں جنہوں نے عرب بائدہ کے بعد عرب پر حکومت کی۔ سَبا، کہلان، حِمیَر وغیرہ انہی میں داخل ہیں۔

یہ قبائل یمن اور اس کے قُرب و جوار میں آباد ہوئے۔ مشہور بند سدِّ مارب کے ٹوٹنے کے بعد ان میں سے بعض قبائل یمن سے نکل کر جزیرۃ العرب کے دوسرے حصوں میں بھی آباد ہوگئے۔

سام بن نوحؑ کے دوسرے بیٹے اَرْفَخْشَذْ تھے۔ ان کی نسل سے قحطان ہوئے۔ قحطان کے بیٹے یَعرُب، یَعرُب کے بیٹے یَشْجُب اور یَشْجُب کے بیٹے سَبا تھے۔ یہی سَبا قحطانی قبائل کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ حِمیَرُ اور کہلان سبا ہی کے بیٹے تھے۔ پھر بنو حِمیَر اور بنو کہلان سے بہت سے بطون نکلے۔ یہ سب قحطانی قبائل (عرب عاربہ) کہلاتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عربِ مستعربہ:

ارفخشذ کی نسل سے ایک شاخ تو قحطان کی ہوئی (جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) دوسری شاخ حضرت ابراہیم علَیہِ السَّلام کی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کی شاخ میں ان کے بیٹے اسحاقؑ، مَدیَن اور حضرت اسمٰعیلؑ تھے۔ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوب علَیہِ السَّلام تھے ان کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ مَدیَن اور ان کی اولاد شمالی حجاز میں خلیج عقبہ کے پاس مقیم ہوئے۔ اسی قوم میں حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے۔ اس قوم پر شرک اور لین دین میں بددیانتی کی وجہ سے عذابِ الٰہی آیا اور وہ تباہ ہوگئی۔ حضرت اسمٰعیل علَیہِ السَّلام کی نسل سے چالیسویں پشت میں عدنان ہوئے۔ ان کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت دی جس نے آہستہ آہستہ کثیر التعداد قبائل کی صورت اختیار کر لی۔ یہ عدنانی قبائل جن کو عرب مستعربہ کہا جاتا ہے، حجاز، نجد اور شمالی عرب کے علاقوں میں آباد ہوئے۔ ان میں سے قبیلۂ قریش کو خاص اہمیّت اور شہرت حاصل ہوئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسولِ اکرم ﷺ کا نسبِ مبارک

عرب کے ماہرینِ انساب اور تمام اربابِ سِیر کا اس پر اتفاق ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم (علیہما الصّلوٰۃ والسّلام) کی نسل سے ہیں اس لیے کہ آپ کا تعلق عرب کے معزز ترین قبیلہ قُریش سے تھا اور قریش بغیر کسی اختلافِ رائے کے عدنانی ہیں (یعنی عدنان کی نسل سے ہیں) اور عدنان کے اسمٰعیلی یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی نسل سے ہونے پر بھی سب کا اتفاق ہے۔

عرب کے علم الانساب کے نامور عالِم حافظ ابنِ عبد البرّ[1] رحمۃ اللہ علیہ حُضور ﷺ کے نسب مبارک کے بارے میں لکھتے ہیں:

''علماء انساب کا اس پر اتفاق ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ عدنان کی نسل سے ہیں اور عدنان اسماعیل (عَلَیہِ السَّلام) کی نسل سے ہیں اور ربیعہ اور مُضر بھی اسماعیل (عَلَیہِ السَّلام) کی اولاد ہیں۔''

(قصص القرآن ج ۴ ص ۲۵۵ بحوالہ القصد والامم ص ۲۲)

عدنان تک حُضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

مُحمّد (رسول اللہ ﷺ) بن عبد اللہ بن عبد المُطّلِب بن ہاشِم بن عبدِ مناف بن قُصَیّ بن کِلاب بن مُرّہ بن کعب بن لُؤیّ بن غالِب بن فِہر بن مالک بن نَضر بن کِنانہ بن خُزیمہ بن مدرِکہ بن اِلیاس بن مُضر بن نزار بن مَعَدّ بن عَدنان۔

والدہ ماجدہ کا سلسلۂ نسب:

حُضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کا تعلق بھی قبیلۂ قریش سے تھا ان کا شجرۂ نسب کِلاب بن مُرّہ پر جا کر آپؐ کے پِدری سلسلۂ نسب سے مل جاتا ہے۔ والدۂ ماجدہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

آمِنہ بنتِ وہب بن عبدِ مناف بن زُہرہ بن کِلاب بن مُرّہ۔

---

[1] علامہ ابوعمر محمد یوسف بن عبدالبرّ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اپنے دَور کے سرآمدِ روزگار علماء (محدّثین) میں ہوتا ہے۔ وہ ۳۶۸ھ میں اندلس (اسپین) کے شہر قرطبہ میں پیدا ہوئے اور ۴۶۳ھ میں فوت ہوئے۔ انہوں نے متعدد گرانقدر تالیفات اپنی یادگار چھوڑیں۔ ان میں التمہید (فقہ حدیث)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (سیر الصحابہؓ) اور کتاب الدور فی اختصار المغازی والسّیر خصوصیّت سے قابلِ ذکر ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضور ﷺ قریش کی شاخ (خاندان) بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے جبکہ آپ کی والدہ ماجدہ قریش کے خاندان بنی زہرہ سے تھیں۔

حضور ﷺ کا نسب نامہ عدنان تک تو بالکل یقینی ہے کیونکہ اس کی صحت پر تمام اہلِ سیَر اور ماہرینِ انساب کا اتفاق ہے البتہ عدنان سے اوپر حضرت اسمٰعیل علَیہِ السَّلام تک بعض ناموں کے بارے میں ماہرینِ انساب کی آرا مختلف ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عدنان کا حضرت اسمٰعیل علَیہِ السَّلام کی نسل سے ہونے میں کوئی شک ہے۔ ان کا حضرت اسمٰعیل علَیہِ السَّلام کی نسل سے ہونا تو ایک مُسلَّمہ حقیقت ہے۔ اس سے کسی کو قطعاً کوئی اختلاف نہیں، صرف بعض ناموں میں اختلاف ہونے کی بناء پر عدنان سے اوپر نسب نامہ بیان کرنا احتیاط کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ [1]

بعض اربابِ سیَر و تاریخ نے عدنان تک حضور ﷺ کے تمام آباؤ اجداد کے حالات تفصیل کے ساتھ قلمبند کیے ہیں۔ ان کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قُصَیّ بن کِلاب (جنہوں نے مکّہ میں ایک شہری ریاست کی بنیاد رکھی) اور ان کی اولاد (آئندہ نسلوں) کے حالات میں سیرت و تاریخ کی مختلف کتابوں میں بڑی حد تک یکسانی پائی جاتی ہے البتہ قُصَیّ بن کِلاب سے عدنان تک (اوپر کے) بزرگوں کے حالات کے بعض پہلوؤں میں اربابِ سیرو تاریخ کے بیانات میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ قارئین کو کسی الجھن میں ڈالنے کے بجائے ہم نے یہی مناسب سمجھا ہے کہ سب سے پہلے حضور ﷺ کے جدِّ اعلیٰ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علَیہِ السَّلام اور آپ ﷺ کے مورثِ اعلیٰ حضرت اسمٰعیل علَیہِ السَّلام کے حالات اختصار کے ساتھ بیان کر دیے جائیں کیونکہ عرب کی دینی تاریخ کا آغاز انہی دونوں مقدس ہستیوں سے ہوتا ہے اس کے بعد قبیلۂ قریش کے تعارفی تذکرہ کے ساتھ حضور ﷺ کے اجداد کے حالات کو قُصَیّ بن کِلاب سے لے کر جناب عبد اللہ (حضور ﷺ کے والدِ ماجد) تک محدود رکھا جائے۔ قُصَیّ بن کِلاب سے عدنان تک اوپر کے بزرگوں کے بارے میں اگر کوئی بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ اپنے خصائل اور اوصافِ حمیدہ کی بناء پر تمام قبائلِ عرب میں وہ نہایت عزت و احترام اور قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے اور سرزمینِ عرب میں ان کو صدیوں تک نسل در نسل نہایت ممتاز حیثیت حاصل رہی۔ قبیلۂ قریش جس سے رحمتِ عالم ﷺ کا تعلّق تھا، عدنان ہی کی نسل سے تھا۔

---

[1] طبقات ابنِ سعد میں رسولِ اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ آپ (معَدّ بن عدنان تک نسب بیان کرنے کے بعد) فرماتے "کَذِبَ النَّسّابُون" آگے کا نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔ اسی طرح حضرت عبد اللہؓ بن مسعود اور حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ دونوں سے منقول ہے کہ عدنان سے اوپر کا نسب نامہ جو لوگ بیان کرتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ حضرت عُمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ نسب نامہ صرف عدنان تک بیان کرنا چاہیے۔ (سیرت سرورِ عالمؐ جلد دوم ص ۷۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسولِ پاک ﷺ کے جدّ اعلیٰ اور مورثِ اعلیٰ

رسولِ پاک ﷺ کے جدِّ اعلیٰ سے ہماری مراد حضرت ابراہیم عَلَیہِ السَّلام اور مُورثِ اعلیٰ سے حضرت اسماعیل عَلَیہِ السَّلام ہیں۔ یہ ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا تعلّق حضرت ابراہیم عَلَیہِ السَّلام کی نسل کی اس شاخ سے تھا جو اُن کے بڑے فرزند حضرت اسماعیل عَلَیہِ السَّلام سے چلی اور بنی اسماعیل کہلائی۔ گویا ان دونوں مقدّس ہستیوں کا نبیٔ آخرالزّماں ﷺ سے اتنا گہرا تعلّق ہے کہ ان کے ذکر کے بغیر آنحضور ﷺ کی سیرتِ طیّبہ پرلکھی جانے والی کوئی بھی کتاب مکمل نہیں کہی جاسکتی اسی لیے اللہ کے ان جلیل القدر پیغمبروں کے حالات اختصار کے ساتھ یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

حضرت ابراہیم عَلَیہِ السَّلام، رسولِ اکرم ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کے کوئی ستائیس سَو سال (۲۷۰۰) پہلے عراق کے شہر اُر میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نبُوّت و رسالت میں ان کو خاص مقام حاصل ہے۔ ان کا لقب خلیل اللہ (اللہ کے دوست ہے)۔ وہ ہر شے سے منہ موڑ کر صرف ایک اللہ کے ہو رہے تھے اس لیے انہیں ''حنیف'' بھی کہا گیا ہے ان کو ''ابوالانبیاء'' اور ''جدّ الانبیاء'' بھی کہا گیا ہے اس لیے کہ ان کے بعد آنے والے تقریباً تمام نبی اور رسول انہی کی اولاد سے ہوئے۔

شہر اُر اس زمانے میں نمرود خاندان کا دارالحکومت تھا (عراق کے اس خاندان کے تمام بادشاہوں کا لقب ''نمرود'' ہوتا تھا)۔ اُر جنوبی عراق میں دریائے فرات کے کنارے آباد تھا۔ آجکل وہاں ''تل العبید'' نام کا شہر واقع ہے۔ اُر شہر تجارت و تمدّن کا بہت بڑا مرکز تھا اور ساتھ ہی شرک کا بہت بڑا گڑھ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی ساری قوم سورج، چاند، ستاروں اور بتوں کی پرستش کرتی تھی۔ ان کا بادشاہ خدائی کا دعوٰی کرتا تھا اور لوگ اس کو بھی دیوتا سمجھ کر پوجتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جوان ہو کر اپنی قوم کو شرک سے باز آنے اور ایک اللہ کی پرستش کرنے کی تلقین کی (یعنی قوم کو توحید یا اسلام کی دعوت دی) تو ساری قوم حتٰی کہ ان کا باپ بھی اُن کا دشمن ہوگیا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو بہت ڈرایا دھمکایا کہ وہ دعوت الی اللہ کا کام چھوڑ دیں لیکن وہ برابر تبلیغِ حق میں مشغول رہے۔ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السّلام موقع پاکر اپنی قوم کے بڑے بتکدے میں گئے اور وہاں رکھے ہوئے تمام بتوں کو توڑ ڈالا۔ اس وقت شہر کے لوگ ایک میلے میں گئے ہوئے تھے انہوں نے میلے سے واپس آکر اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا تو آگ بگولا ہوگئے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے جا کر پوچھا 'کیوں ابراہیم! ہمارے بتوں کو تم نے توڑا ہے؟ انہوں نے فرمایا، اس بڑے بُت سے پوچھ لو۔ حضرت ابراہیمؑ کا مقصد اپنی قوم کے لوگوں پر ان بتوں کی بے بسی واضح کرنا تھا۔ یہ بے بسی تو ان پر واضح ہوگئی لیکن وہ اپنی گمراہی ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ انہوں نے بادشاہ کو ساتھ ملا کر دہکتی ہوئی آگ کا ایک الاؤ تیار کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اس میں پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے لیے سلامتی بنا دیا اور وہ اس میں سے زندہ سلامت نکل آئے۔

وطن سے ہجرت:

اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السّلام اپنی اہلیہ حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لُوط علیہ السّلام کے ساتھ اُر سے شام و فلسطین کے علاقے کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس علاقے کو اس زمانے میں کنعان کہا جاتا تھا ہجرت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی کوئی اولاد نہ تھی انہوں نے چلتے وقت دعا کی:

''میرے پروردگار مجھے صالح اولاد عطا فرما'' ان کی یہ دعا طویل مدت کے بعد پوری ہوئی اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام مصر میں:

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ارضِ کنعان کے شہر حران میں قیام کیا۔ کچھ مدت کے بعد کنعان میں قحط پڑا تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام حضرت سارہ کے ساتھ مصر تشریف لے گئے۔ اس وقت فراعنہ کے پہلے خاندان کا ایک فرعون مصر کا فرمانروا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ کو حسنِ سیرت کے ساتھ حسنِ صورت سے بھی نوازا تھا۔ فرعون نے حضرت سارہ کو حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے زبردستی چھین لیا اور اپنے محل میں لے گیا۔ حضرت سارہ کے لیے یہ بڑی مصیبت اور آزمائش کا وقت تھا۔ فرعون بری نیت سے ان کی طرف بڑھا تو انہوں نے رو کر اللہ سے دعا مانگی کہ اے پروردگار! مجھے اس ظالم سے بچالے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی اور بادشاہ کو ایک ایسی بیماری میں مبتلا کر دیا جس سے وہ اپنے ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکتا تھا اور اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ اللہ کی پیاری کوئی بہت نیک خاتون ہے۔ اب اس نے بڑی لجاجت کے ساتھ ان سے معافی چاہی اور درخواست کی کہ وہ اس کی صحت کے لیے دعا کریں۔ حضرت سارہ نے دعا کی کہ الٰہی! یہ اپنے کیے پر پچھتا رہا ہے اس کو اپنی رحمت سے اچھا کر دے۔ ان کی یہ دعا بھی فوراً درِ اجابت پر پہنچ گئی اور بادشاہ اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔ ٹھیک ہو کر اس نے حضرت سارہ کی بہت تعظیم و تکریم کی اور نہ صرف انہیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو واپس دے دیا بلکہ ہاجرہ نامی اپنی بیٹی کی شادی بھی یہ کہہ کر حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے کر دی کہ میری بیٹی کا اس گھر میں (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت سارہ کے گھر میں) کنیز بن کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے۔ (رحمۃ لّلعالمین ج۲ص ۴۵۔۴۶)

اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے بہت سی کنیزیں غلام، مال، مویشی اور تحائف بھی حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت سارہ کی نذر کیے۔[1]

---

[1] ایک روایت کے مطابق حضرت ہاجرہ ان کنیزوں میں شامل تھیں جو بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو ہدیے میں دیں۔ وہ ایک قریہ کی رہنے والی تھیں جس کو ام العرب یا ام العریک کہتے ہیں یہ شرقی مصر میں فرما کے آگے بحرِ روم کے ساحل سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے آج کل اس کا نام تلّ الفرما ہے۔ بہت سے علماء نے اس روایت کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت ہاجرہ بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ (سیرت سرورِ عالم ج ۲ص ۵۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصر سے کنعان کو واپسی:

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کچھ مُدّت مصر میں مقیم رہ کر تبلیغِ حق کرتے رہے پھر وہ حضرت سارہ، حضرت ہاجرہ اور حضرت لُوطؑ کو ساتھ لے کر ملکِ کنعان واپس تشریف لائے اور فلسطین کے ایک گاؤں حَبرُوْن میں اقامت اختیار فرمائی۔ یہ گاؤں مسلمانوں کے قبلۂ اوّل بیت المقدس کے قریب واقع ہے اور آج کل ''الخلیل'' کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام سالہا سال تک شام فلسطین اور ریگستانِ عرب کے مختلف گوشوں تک گشت لگا کر لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے رہے۔ ان کے بھتیجے حضرت لُوط علیہ السّلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے منصبِ نُبوّت پر فائز فرمایا تھا حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ان کو سدوم بھیج دیا، جو وادیِ اُردن میں بحیرہ مُردار (بحرِ میّت) کے کنارے ایک بڑا شہر تھا۔ وہاں کے باشندے سخت بدکار تھے اور خلاف وضع فطری ''ہم جنسی یا لواطت'' میں مبتلا تھے۔ حضرت لُوط علیہ السلام ان لوگوں کی ہدایت پر مامور ہوئے۔ (ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے حضرت لُوط علیہ السّلام کو مصر ہی سے سدوم بھیج دیا تھا۔) [1]

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی ولادت:

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی عمر اسّی برس سے اوپر ہو چکی تھی لیکن وہ ابھی تک بے اولاد تھے حالانکہ وطن سے ہجرت کرتے وقت وہ ایک صالح بیٹے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر چکے تھے۔ آخر ان کی دعا پوری ہونے کا وقت آ گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بشارت دی کہ ہم تجھے ایک بُردبار بیٹا عطا کریں گے چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے ایک بیٹا عطا فرمایا جس کا نام انہوں نے اسمٰعیل رکھا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی عمر چھیاسی (۸۶) برس کی تھی۔

مکّہ کی بے آب و گیاہ وادی میں:

حضرت اسماعیل علیہ السّلام ابھی دودھ پیتے بچّے ہی تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اپنی بیوی (ہاجرہؓ) اور بچّے کو عرب کی فلاں ناقابلِ کاشت وادی (وادٍ غَیرِ ذِی زَرْعٍ) میں چھوڑ آؤ۔ اس وادی کو وادیِ فاران بھی کہا گیا ہے چنانچہ حضرت

---

[1] حضرت لُوط علیہ السّلام نے اہلِ سدوم کو بہت سمجھایا کہ اپنے فعلِ بد سے باز آ جاؤ لیکن انہوں نے ان کی ایک نہ سنی بلکہ ان کو شہر سے نکال دینے کی دھمکیاں دیں۔ ان کی ڈھٹائی کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا تو کہنے لگے اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ (سورۃ عنکبوت:۲۹) آخر ان پر عذاب نازل ہونے کا وقت آ پہنچا۔ ایک دن سورج نکلتے نکلتے ایک چنگھاڑ نے ان کو آ پکڑا اور ان پر کھنگروں (ایک قسم کے پتھروں) کی بارش ہوئی اور ساری بستی اپنے بدکار اور سرکش باشندوں سمیت آناً فاناً تباہ و برباد ہوگئی حضرت لوط علیہ السّلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو پہلے ہی اللہ نے بستی سے نکال لیا۔ یوں ان کو عذاب سے بچا لیا۔ (الحجر ۷۳ تا ۷۶، القمر ۳۴۔۳۷۔۳۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابراہیم علیہ السّلام، حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کو ساتھ لے کر حمرون سے نکلے اور طویل سفر طے کر کے حجاز کی اس سنسان اور بنجر وادی میں داخل ہوئے جس میں کعبۃ اللہ تعمیر ہوا اور شہر مکّہ آباد ہوا۔ انہوں نے بیوی اور بچے کو ایک درخت کے نیچے اس جگہ چھوڑ دیا جہاں بعد میں زمزم نکلا۔ اس سنسان وادی میں اس وقت نہ کوئی آبادی تھی اور نہ کہیں پانی موجود تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے چمڑے کا ایک تھیلا جس میں کھجوریں تھیں اور پانی کا ایک مشکیزہ حضرت ہاجرہ کو دیا اور ان کو اللہ کے سہارے پر چھوڑ کر وہاں سے واپس چل دیے۔ حضرت ہاجرہؓ ان کے پیچھے چلیں اور پکار کر کہا، اے ابراہیم! آپ ہمیں اس ویرانے میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہ بات انہوں نے کئی مرتبہ کہی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے کوئی جواب نہ دیا آخر حضرت ہاجرہ نے کہا، کیا آپ کو اللہ نے ایسا کرنے کا حُکم دیا ہے۔؟

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا، ہاں

یہ سن کر حضرت ہاجرہ بولیں، اگر یہ معاملہ ہے تو اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا پھر وہ لوٹ کر ننھے اسماعیل کے پاس آ بیٹھیں۔

اُدھر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہو چکا تھا کہ جس جگہ انہوں نے بیوی بچے کو چھوڑا ہے، اسی کے قریب اللہ کا گھر تعمیر ہوگا چنانچہ جب وہ پہاڑ کی اوٹ میں پہنچے جہاں سے یہ ماں بیٹے نظر نہ آتے تھے تو انہوں نے اُس جگہ کی طرف منہ کر کے دعا کی:

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ لا رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ٥ (سورۃ ابراھیم آیۃ:۳۷)

(''اے اللہ میں نے اس بے آب وگیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے تاکہ اے پروردگار یہ یہاں نماز قائم کریں لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے تاکہ یہ تیرے شکر گزار بندے بنیں۔'')

اِدھر جب حضرت ہاجرہ کے پاس مشکیزے کا پانی ختم ہوگیا تو ماں بیٹے کو پیاس نے سخت ستانا شروع کر دیا۔ ماں کا دودھ اترنا بھی بند ہوگیا حضرت ہاجرہ نے خود تو صبر کیا لیکن بچے نے بھوک پیاس سے تڑپنا شروع کر دیا۔ حضرت ہاجرہ بے قرار ہو کر پاس کی پہاڑی صفا پر چڑھ گئیں تاکہ کوئی آدمی یا قافلہ نظر آئے تو اس کو مدد کے لیے بلائیں مگر جب کوئی نظر نہ آیا تو وہ قریب کی دوسری پہاڑی مَروَہ پر چڑھ گئیں مگر وہاں سے بھی کوئی نظر نہ آیا اس طرح سخت بے قراری کی حالت میں صفا اور مروہ کے درمیان سات پھیرے کیے اور ان پر چڑھیں اتریں آخری مرتبہ جب وہ مَروَہ کی پہاڑی پر چڑھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ دوسری مرتبہ پھر یہ آواز سنی تو پکار کر کہا: ''اے اللہ کے بندے تو نے اپنی آواز تو سنا دی کیا تیرے پاس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میری مصیبت دور کرنے کے لیے کچھ ہے؟" یکایک انہوں نے حضرت جبریل علیہ السّلام کو اس مقام پر دیکھا جہاں آج کل زمزم کا کنواں ہے۔ وہ اپنی ایڑی یا بازو سے زمین کھود رہے تھے یہاں تک کہ وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ بعض روایتوں میں حضرت جبریل علیہ السّلام کا نام نہیں لیا گیا اس کے بجائے "ایک فرشتہ" کہا گیا ہے۔ اسی طرح ایک روایت یہ بھی ہے کہ جہاں ننھے اسمٰعیلؑ اپنی ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں حضرت ہاجرہؓ کو کچھ نمی نظر آئی۔ انہوں نے وہاں سے مٹی ہٹائی تو زمین سے پانی اُبل اُبل کر باہر آنے لگا۔ زیادہ تر اربابِ سِیَر نے اس سلسلے میں "حضرت جبریلؑ" یا "ایک فرشتے" کا ذکر کیا ہے صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو اللہ تعالیٰ کی مشیّت یہی تھی کہ وہ اس بے آب وگیاہ وادی میں اپنی قدرتِ کاملہ سے پانی جاری کر دے۔ حضرت ہاجرہؓ فوراً پہاڑی سے اتریں اور پانی نکلنے والی جگہ پہنچیں انہوں نے پہلے بچّے کو پانی پلایا پھر خود پیا۔ اس کے بعد وہ لپ بھر بھر کر پانی مشکیزے میں بھرنے لگیں۔ جوں جوں وہ پانی بھرتی گئیں پانی اُبل اُبل کر اوپر آتا رہا۔ حضرت ہاجرہ نے اُوپر آنے والے پانی کے چاروں طرف مٹی ڈال کر اسے گھیر لیا اور بولیں۔ "زَم زَم (یعنی رُک جا)" پانی بہنے سے تو رُک گیا لیکن وہاں موجود رہا۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ اسمٰعیل کی ماں پر رحمت فرمائے اگر وہ زمزم کو اسی حالت پر چھوڑ دیتیں تو زمزم بہتا ہوا چشمہ ہوتا" اُس وقت حضرت جبریل علیہ السّلام نے حضرت ہاجرہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> "تم اپنے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ کرو۔ یہاں یہ بچّہ اور اس کا باپ دونوں مل کر اللہ کے گھر کی تعمیر کریں گے اور اللہ اس گھر کے لوگوں کو ضائع نہیں کرے گا یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور حضرت ہاجرہ وہیں رہنے لگیں۔"

زمزم کے اِردگرد شہر مکّہ آباد ہو گیا:

کچھ عرصہ کے بعد قحطانی عربوں کے ایک قبیلے جُرہُم کا ایک قافلہ اُدھر سے گزرا اس بیابان میں پانی دیکھ کر ان لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے حضرت ہاجرہؓ سے وہاں آباد ہونے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اس شرط پر اجازت دے دی کہ چشمے کی مالک وہی رہیں گی۔ چنانچہ جرہم کا قبیلہ وہیں آباد ہو گیا آہستہ آہستہ ان کی آبادی بڑھتے بڑھتے ایک بڑی بستی کی صورت اختیار کر گئی جسے اللہ تعالیٰ نے بکّہ کا نام دیا۔ یہی بکّہ اب مکّہ کے نام سے مشہور ہے اور ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ہدایت کا مرکز ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام بنی جُرہم ہی میں پلے بڑھے اور اُنہی سے عربی زبان سیکھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام بیوی اور بچّے کو اس وادی میں چھوڑ کر واپس حبرون چلے گئے تھے۔ ان کو پورا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ ان کی حفاظت کرے گا (کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کے مطابق ان کو اس بے آب وگیاہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وادی میں چھوڑا تھا) کچھ عرصہ بعد وہ اُن کو دیکھنے یہاں آئے تو وہاں پانی کے کنارے ایک بستی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اس کے بعد وہ کبھی کبھی حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی خبر گیری کے لیے مکّہ آتے اور کچھ دن ان کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے۔

بیٹے کی قربانی:

ایک دفعہ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام مکّہ میں ٹھہرے ہوئے تھے انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے پیارے (پہلوٹے اور اکلوتے) بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ اُس وقت حضرت اسماعیل علیہ السّلام سیانے ہو چکے تھے اور والد کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ یہ خواب دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنی سب سے پیاری چیز کی قربانی چاہتا ہے اور یہ سب سے پیاری چیز اسمٰعیل علیہ السّلام ہی تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑھاپے میں عطا کیے تھے۔ اپنے ربّ کا اشارہ پاتے ہی وہ فوراً محبوب فرزند کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ قرآنِ حکیم میں دنیا کی تاریخ کے اس عدیم المثال واقعہ کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

> ”جب وہ لڑکا اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک دن) ابراہیم نے اس سے کہا، بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب تم بتاؤ، تمہارا کیا خیال ہے؟ اس (بیٹے) نے کہا، ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، اسے کر ڈالیے، ان شاء اللہ آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ جب دونوں نے حکمِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے کے لیے) پیشانی کے بَل لٹا دیا تو ہم نے پکارا، اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ (بیٹے کی جگہ مینڈھے کی قربانی ہوگئی) بلاشبہ یہ ایک کھُلی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اُس بچے کو چھڑا لیا۔“

(الصّٰفّٰت: ۱۰۲ تا ۱۰۷)

یہ واقعہ مکّہ معظّمہ میں مِنیٰ کے مقام پر پیش آیا تھا اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی عمر ۱۳ سال کی تھی اس کی مزید تفصیل کُتُبِ حدیث وسِیَر میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السّلام کی ولادت:

بیٹے کی قربانی کے واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابراہیم علیہ السّلام واپس حبرون چلے گئے اس وقت تک حضرت سارہ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک دن جب وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کے ذریعے انہیں ایک ذی علم بیٹے کی بشارت دی۔

(الذّٰریٰت ۲۸۔۲۹، الحجر ۵۳)

یہ فرشتے اللہ تعالیٰ نے حضرت لُوط علیہ السلام کی بدکار قوم کو تباہ کرنے کے لیے سدوم کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف بھیجے تھے۔ سدوم پہنچنے سے پہلے انہوں نے عارضی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ہاں قیام کیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی عمر اس وقت تقریباً سو برس کی تھی اور ان کی اہلیہ حضرت سارہؑ نوّے برس کے پیٹے میں تھیں۔ سورۂ ہود میں ہے کہ جب فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؓ کو حضرت اسحٰق اور ان کے بعد حضرت یعقوبؑ کی خوشخبری دی تو حضرت سارہؓ کہنے لگیں: "اُے ہے اب میرے بیٹا ہوگا؟ میں تو بوڑھی کھوسٹ ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔" فرشتے بولے، کیا تم اللہ کی قدرت پر تعجب کرتی ہو؟ اے گھر والو! تم پر تو اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں (ہود ۷۱ تا ۷۳) اس کے بعد فرشتے اپنی منزلِ مقصود (سدوم) کی طرف روانہ ہوگئے۔ کوئی ایک سال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہؓ سے حضرت اسحٰق علیہ السلام عطا کیے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام ہوئے ان کا نام اسرائیل بھی تھا اسی نسبت سے ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل میں بہت بڑی تعداد میں پیغمبر ہوئے۔

خانۂ کعبہ کی تعمیر:

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام جوان ہوئے تو اُن کی شادی بنو جُرہُم کی ایک لڑکی سے ہوگئی مگر حضرت ابراہیم علیہ السّلام جب ایک دفعہ حبرون سے مکّہ آئے تو اُن کو اُس بہو کے خصائل پسند نہ آئے اس لیے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نے اسے چھوڑ کر ایک دوسری خاتون سے شادی کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اس دوسری بہو کی سیرت و کردار کو پسند فرمایا۔ اس سے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے بارہ لڑکے پیدا ہوئے جن سے ان کی نسل چلی اور سارے عرب میں پھیل گئی۔

حضرت ہاجرہؓ، حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی پہلی شادی کے بعد ہی فوت ہوگئی تھیں تاہم حضرت ابراہیم علیہ السّلام وقتاً فوقتاً حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام سے ملنے کے لیے تشریف لاتے رہتے تھے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی عمر تیس برس کی ہوئی تو ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السّلام اچانک مکّہ تشریف لائے۔ اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام زمزم کے قریب ایک درخت کے نیچے اپنے تیر بنا رہے تھے۔ اپنے والدِ گرامی کو دیکھتے ہی تعظیماً کھڑے ہوگئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے انہیں گلے لگا لیا اور فرمایا:۔

"اسمٰعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حُکم دیا ہے۔"

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نے عرض کیا، ابا جان اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس کام کا حُکم دیا ہے وہ ضرور کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے پوچھا، کیا اس کام کی انجام دہی میں تم میری مدد کرو گے؟

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نے کہا، جی ہاں، میں آپ کی مدد کروں گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے قریب کی ایک زمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، اللہ نے مجھے یہاں ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔

یہ جگہ اردگرد کی زمین سے کچھ بلند تھی۔ اس کے بعد دونوں باپ بیٹوں نے خانۂ کعبہ (بیت اللہ) کی بنیادیں اٹھائیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام قریبی پہاڑوں سے پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر جوڑتے جاتے تھے۔ جب دیواریں اتنی بلند ہوگئیں کہ وہاں سے اُوپر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ہاتھ نہیں پہنچتا تھا تو انہوں نے ایک بڑا پتھر لا کر دیوار کے ساتھ رکھ دیا اور اس پر کھڑے ہو کر باقی کام پورا کیا۔ یہی وہ پتھر ہے جو مقامِ ابراہیم کے نام سے مشہور ہے خانۂ کعبہ ہی کی ایک دیوار میں ایک خاص بلندی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حجرِ اسود بھی نصب فرمایا۔ یہ بڑی برکت اور عزت والا پتھر ہے۔ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے وقت اس کو بوسہ دینا سُنّتِ نبوی ﷺ ہے۔

خانۂ کعبہ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بخوبی کیا جاسکتا ہے:

"یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا جو بکّہ میں تعمیر ہوا، برکت والا گھر اور سارے جہان والوں کے لیے (مرکزِ ہدایت)، اس میں (اللہ کی) کھُلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہو جاتا ہے اسکو امن مل جاتا ہے۔" (آلِ عمران: ۹۶۔۹۷)

جس وقت اللہ تعالیٰ کے یہ دونوں جلیل القدر پیغمبر بیت اللہ شریف کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو وہ ساتھ ساتھ یہ پُرسوز دعا بھی کرتے جاتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی دعاء

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۱۲۷) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ ص وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ج اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (۱۲۸) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیْھِمْ ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ (البقرہ ۱۲۷:۱۲۸۔۱۲۹)

ترجمہ: "اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اس گھر (خانۂ کعبہ) کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے: "اے ہمارے پروردگار! ہم سے ہماری یہ خدمت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبول فرمالے بے شک تو خوب سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنا پورا پورا فرمانبردار بنالے، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری فرمانبردار ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا، اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں خود انہیں کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھائیو جو اُنہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے، اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور اُن کی زندگیاں سنوار دے۔ بیشک تو غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں برگزیدہ ہستیوں کی دعایوں قبول فرمائی کہ تقریباً اڑھائی ہزار سال بعدان کی اولاد سے ہمارے رسولِ پاک ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور یہ رسالت ونبوت کا سلسلہ قیامت تک کے لیے ختم ہوگیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کو کعبہ کی دیکھ بھال اور عرب کے لوگوں کی ہدایت پر مامور فرمایا اور حضرت اسحٰق علیہ السّلام کو شام اور فلسطین کے لوگوں کی ہدایت پر۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے حبرون میں ۱۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کی قبر بھی وہیں ہے۔ اس مقام کو اب الخلیل کہا جاتا ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے ایک سو تین برس کی عمر میں وفات پائی ان کے بارہ بیٹوں کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں بکھر گئی۔ بالآخر قریش نے مکّہ کو اپنا مسکن بنایا اور اس کو ایک شہری ریاست کی حیثیت دی اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُریش

قبیلۂ قریش عرب کا معزز ترین قبیلہ تھا۔ اسی کی ایک شاخ بنی ہاشم میں رسولِ اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت ہوئی اس قبیلے کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ آنحضور ﷺ کے اس ارشادِ گرامی سے بخوبی کیا جاسکتا ہے:

> ''اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل (علیہ السّلام) کی نسل میں سے کِنانہ کا اور کِنانہ میں سے قریش کا اور قریش میں سے بنی ہاشم کا انتخاب کیا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا۔'' (صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضل نسب النبیؐ)

قبیلۂ قریش بِالاتِّفاق عدنانی اسمٰعیلی ہے۔ باختِلافِ روایت قریش کِنانہ کے بیٹے نَضر (النَّضر) یا نَضر کے پوتے فِہر (بن مالک بن نضر) کا لقب تھا۔ محققین اور جمہور اہلِ سیَر نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ ان کے نزدیک جو لوگ فِہر کی اولاد ہیں وہ قریش میں شامل ہیں اور جو اس کی اولاد نہیں ہیں وہ قریش میں سے نہیں ہیں۔ قریش کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کچھ اور اقوال بھی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) قریش، قرش کی تصغیر ہے۔ یہ ایک بحری جانور ہے۔ (بقولِ بعض وہیل) جو تمام سمندری جانوروں کا سردار ہے اور تمام چھوٹے موٹے جانوروں کو ہڑپ کر جاتا ہے چونکہ یہ قبیلہ اپنی قوّت و ثروت کی وجہ سے سب قبیلوں پر چھا گیا تھا اس لیے قریش کے لقب سے مشہور ہوا۔ (تفسیر بحرالحیط ج۸ ص ۵۱۳)

(۲) قریش کا لفظ تقریش یا تقرش سے ماخوذ ہے جس کے معنی کمانے کے ہیں (تجارت یا کاروبار کے ذریعے) چونکہ اس قبیلے کا کسبِ معاش تجارت تھا اور اس کے تجارتی قافلے دُور دراز ملکوں تک جاتے تھے اور اپنا سامان بیچ کر وہاں سے اپنی ضرورت کی اشیاء مکّہ مکرّمہ لاتے تھے اس لیے یہ قریش کے لقب سے مشہور ہوا۔

(رَوض الاُنُف ج ۱ ص ۱۱۶، تفسیر روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۳۹)

(۳) قریش کے معنی کمانے کے علاوہ جمع کرنے کے بھی ہیں۔ اس قبیلے کی اجتماعیت کے پیشِ نظر انہیں قریش کا لقب دیا گیا۔ (الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ ثالث ص ۱۰۴۸ بیروت)

(۴) قریش کا مادہ قرش ہے۔ جس کے معنی کمانا کے علاوہ تفتیش کرنا اور جستجو کرنا بھی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہر بن مالک ضرورت مندوں کو تلاش کر کے ان کی حاجتیں پوری کرتے اور خوف زدہ لوگوں کا خوف دور کرتے۔ اُن کے اِن اوصاف کی وجہ سے وہ قریش کے لقب سے مشہور ہوئے اور ان کی اولاد بھی قریش کہلائی۔ (تفسیر روح المعانی ج۳۰ص۲۳۹)

کعب بن لُوَیّ (بن غالب بن فہر) کی اولاد قریش کی وہ شاخ ہے جو حدودِ مکّہ کے اندر آباد ہوئی اور وہ قریش البطاح یعنی اندرونی علاقے (بطحاءِ مکّہ) کے رہنے والے کہلائے۔ کعب سے اوپر فہر کی اولاد کے خاندان، بنی عامر بن لُؤی، بنی مُحَارِب، بنی الحارث، بنی تیم الأدْرَم وغیرہ کا قیام مکّہ کے بیرونی منطقہ میں مضافاتی اور اس کے قریبی علاقوں میں ہوا اور وہ سب قریش الظواہر (یعنی بیرونی علاقہ کے رہنے والے) کہلائے۔

کعب بن لُوَیّ کے پڑپوتے قُصَیّ (بن کِلاب بن مُرّہ بن کعب) نے بیت اللہ کی تولیت کو بنو خزاعہ سے قریش میں منتقل کیا اور مکّہ میں ایک شہری ریاست کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے حَرَمِ کعبہ کے آس پاس کے علاقے اور دونوں طرف کے پہاڑوں کی گھاٹیوں اور بلندیوں میں بنی کعب بن لُوَیّ کی اولاد کی مختلف شاخوں کو آباد کیا۔ یہی لوگ قریش البطاح کہلائے۔ کعب بن لُوَیّ کے تین بیٹے تھے، عدی، ھُصَیص اور مُرّہ۔ عدی کی شاخ میں سیّدنا حضرت عُمرؓ فاروقؓ ہوئے۔ ھُصَیص کی اولاد میں بنو جُمَح اور بنو سہم ہوئے۔ مُرّہ کی اولاد میں تَیم، یَقظہ اور کِلاب ہوئے۔ تَیم، سیّدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور سیّدنا حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کے جدِّ اعلیٰ ہیں۔ یقظہ کی اولاد بنو مخزوم تھے جن سے حضرت خالدؓ بن ولید ہوئے۔ کِلاب کی اولاد سے قُصَیّ اور زُہرہ ہوئے۔ قُصَیّ آنحضور ﷺ کے اور زُہرہ حُضور ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ بنتِ وہب کے جدِّ اعلیٰ ہیں۔

آنحضور ﷺ کی بعثت کے وقت قریش البطاح کی بڑی بڑی شاخیں یہ تھیں:
بنی ہاشم، بنی عبد شمس (یا بنی امیہ) بنی عدی، بنی سہم، بنی مخزوم، بنی زہرہ، بنی اَسَدْ بن عبد العُزّٰی (یا بنی عبد العُزّٰی) بنی المُطّلِب، بنی جُمَح، بنی عبد الدّار، بنی نوفل، بنی تَیم۔

مکّہ اور بیت اللہ کے نظم و انتظام کی مختلف ذمہ داریاں قریش البطاح نے آپس میں بانٹ رکھی تھیں۔ ان کی قدرے تفصیل حسبِ ذیل ہے:

بنو ہاشم: سقایہ (حجاج کو پلانی پلانا) عمارہ (بیت اللہ کی دیکھ بھال اور نگرانی)

بنی عبدِ شمس یا بنی امیہ: عقاب یعنی نشانِ قومی کی علمداری۔

بنو عدی: سفارت

بنو سہم: باہمی جھگڑوں (مقدمات) کا فیصلہ نیز چڑھاووں کی نگرانی۔

بنو مخزوم: قبہ یعنی فوجی کیمپ کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال یا خیموں کے معاملات اور گھوڑوں کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذمہ داری۔

ایک روایت کے مطابق اعنۃ یعنی فوج کی سپہ سالاری بھی ان کے ذمہ تھی۔

بنو اَسَدُ بن عبد العُزّیٰ: مشاورتی امور کا اہتمام۔

بنو جُمَحْ: ایسار یعنی فال کے تیروں کی ذمہ داری۔

بنو عبد الدّار: سدانہ یعنی خانۂ کعبہ کی کلید برداری اور دربانی۔

بنو تَیم: اشناق یعنی خون بہا (دِیَت) وغیرہ کے معاملات کی ذمہ داری۔

بنو نُوفل: رفادہ یعنی حجاج کی ضیافت (خورونوش) اور خدمت۔

قریش چونکہ کعبہ کے متولّی تھے اس لیے سارے عرب میں ان کو خاص عزّت اور احترام کا مقام حاصل تھا۔ لیکن وہ مجاور قسم کے لوگ نہیں تھے بلکہ عسکری اعتبار سے بھی بڑے طاقتور اور جنگجو تھے۔ ان کا عمومی ذریعۂ معاش تجارت تھا اور ان کے تجارتی قافلے بلا روک ٹوک دوسرے ملکوں کو جاتے رہتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے سفیر حضرت سہیلؓ بن عمرو کا تعلق قریش الظواہر کی شاخ بنی عامر بن لوَیّ سے تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسولِ اکرم ﷺ کا خانوادہ

قریش کے مورثِ اعلیٰ تو فہر بن مالک تھے لیکن ان کی اولاد (جو ان کے لقب سے قریش مشہور ہوئی) عرب میں جگہ جگہ منتشر تھی۔ اس کو مکّہ میں جمع کرنے، بیت اللہ کی تولیّت کی ذمہ داری سنبھالنے اور مکّہ میں ایک شہری ریاست کی بنیاد رکھنے کا سہرا (فہر کی چھٹی پشت میں ہونے والی تاریخی شخصیت) قصیّ بن کِلاب کے سر ہے۔ قصیّ کے پوتے ہاشم تھے جو رسولِ اکرم ﷺ کے پردادا ہیں۔ انہی کے نام پر حضور ﷺ کے خاندان کو "بنو ہاشم" اور آپ کو "رسولِ ہاشمی" کہا جاتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قصیّ تک حُضور ﷺ کے آباؤ اجداد کے مختصر حالات یہاں بیان کر دیے جائیں:

قصیّ بن کِلاب:

ان کا اصل نام زید تھا۔ چوتھی صدی عیسوی کے آخر میں پیدا ہوئے۔ کِلاب کی وفات کے بعد ان کی والدہ نے بنو قضاعہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی۔[1] اور اس کے ساتھ شام چلی گئیں۔ قصیّ ابھی کمسن تھے اس لیے والدہ ان کو اپنے ساتھ ہی شام لے گئیں وہ وہیں پل بڑھ کر جوان ہوئے۔ جب ان کو اپنی والدہ سے اپنے حسب نسب کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ شام سے مکّہ پہنچ گئے اور اپنے حقیقی بھائی زُہرہ کے پاس مقیم ہوئے جو کِلاب کی وفات کے وقت جوان تھے۔ اس وقت کعبہ کا متولّی اور مکّہ کا صاحبِ امر بنو خُزاعہ کا سردار حُلَیل بن حُبشیہ تھا۔ بنو خُزاعہ نے چند سال پہلے بنو جرہم سے یہ منصب چھینا تھا (بنو جرہم نے مدتوں پہلے آلِ اسمٰعیلؑ سے یہ منصب حاصل کیا تھا) حُلیل نے قصیّ کی خواہش پر اپنی بیٹی حُبّٰی کی شادی ان سے کر دی۔ حُلَیل کی وفات کے بعد کعبہ کی تولیّت اور مکّہ کی سیادت قصیّ کے قبضے میں آ گئی۔ ایک روایت کے مطابق حُلیل نے مرنے سے پہلے خود ان کے حق میں وصیت کر دی تھی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے بنو خزاعہ اور ان کے حلیف بنو بکر سے لڑ کر یہ منصب حاصل کیا۔ اس معاملے میں بنو کِنانہ، بنو قضاعہ اور ان کے ماں جائے بھائی رِزاح بن ربیعہ نے ان کی بھرپور مدد کی۔ کامیابی کے بعد قُصَیّ نے بنو خزاعہ اور بنو بکر کو مکّے سے نکال دیا اور فہر کی ساری اولاد (قریش) کو عرب کے مختلف حصوں سے بلا کر مکّہ میں جمع کر لیا اور شہر کو ان کے درمیان بانٹ کر ایک ایک

---

[1] بعض روایتوں میں ربیعہ کو بنی عذرہ کا ایک فرد بتایا گیا ہے دراصل بنو عذرہ، بنو قضاعہ ہی کا ایک بطن تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصے میں ایک ایک خاندان آباد کر دیا۔ اسی بناء پر ان کو "مُجَمِّع" (جمع کرنے والا) بھی کہا جاتا ہے۔ قُصَیّ کے نام سے وہ اس لیے مشہور ہوئے کہ انہوں نے ملّہ سے بہت دُور پرورش پائی تھی۔ قریش کے تمام خاندانوں نے بِالاِتّفاق ان کو اپنا سردار مان لیا۔ چنانچہ انہوں نے ملّہ میں ایک شہری ریاست قائم کر دی۔ انتظامی امور میں باہمی مشورہ کے لیے انہوں نے قریش کے تمام سرداروں کی ایک قومی مجلس قائم کی۔ اس کے اجلاسوں کے لیے "دارالندوہ" کی عمارت تعمیر کی۔ قُصَیّ اہلِ ملّہ کے بہت ہردلعزیز سردار تھے۔ ان کے بچوں کی شادیاں کراتے، ان کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرتے، کسی قبیلے سے لڑائی چھڑ جاتی تو قریش کے لشکر کا سپہ سالار اور عَلَم بردار وہی مقرر کرتے۔ بیت اللہ کا متولّی ہونے کی بناء پر حج کا انتظام بطریقِ احسن کرتے، حاجیوں کو کھانا کھلاتے، پانی پلاتے اور درِ کعبہ ان کے لیے کھولتے اور بند کرتے تھے۔ جب وہ بہت بوڑھے ہوگئے تو انہوں نے اپنے بڑے بیٹے عبدالدّار کو اپنا جانشین مقرّر کیا اور کچھ عرصہ بعد سفرِ آخرت اختیار کیا۔

عبدالدّار اور عبدِ مناف:

قُصَیّ کی وفات کے بعد عبدالدّار تمام قُریش کے سردار اور کعبہ کے متولّی بن گئے۔ ان کے چھوٹے بھائی عبدِ مناف (جن کا اصل نام مغیرہ تھا) اپنی خوبصورتی، بہادری اور فیاضی کی بدولت سارے عرب میں مشہور تھے اور لوگ ان کو "ماہِ بطحا" کہا کرتے تھے جب تک عبدالدّار اور عبدِ مناف زندہ رہے دونوں بھائی ایک دوسرے کی عزّت کرتے رہے۔ جب دونوں فوت ہوگئے تو عبدِ مناف کے بڑے بیٹے عبدِ شمس نے عبدالدّار کی اولاد کو سردار ماننے سے انکار کر دیا۔ جب اس جھگڑے نے شِدّت اختیار کی اور خانہ جنگی کا خطرہ پیدا ہوگیا تو کچھ بڑے بوڑھوں اور دانا لوگوں نے بیچ میں پڑ کر ریاست کے عہدے اس طرح تقسیم کر دیئے کہ کعبہ کو کھولنے اور بند کرنے (حجابہ)، لڑائی کے موقع پر عَلَم برداری اور قومی مجلس کے انتظام کے عہدے عبدالدّار کی اولاد کو دیے گئے اور حُجّاج کو کھانا کھلانے (رفادہ) اور پانی پلانے (سقایہ) کے عہدے عبدِ شمس کے پاس رہے۔ اس انتظام کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک روایت کے مطابق عبدِ شمس نے اپنی خوشی سے رفادہ اور سقایہ کے عہدے اپنے چھوٹے بھائی ہاشم کے سپرد کر دیے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آلِ عبدِ مناف نے باہمی مشورہ سے یہ دونوں عہدے ہاشم کو دیے۔

ہاشم بن عبدِ مناف:

ہاشم کا اصل نام عمرو تھا۔ وہ بڑے وجیہ، بہادر، دانا اور دریا دِل آدمی تھے انہوں نے خاندان کی عِنانِ سیادت ہاتھ میں لینے کے بعد ہر قومی شعبے کو ترقی دی اور اپنے بھائیوں (عبدِ شمس، نوفل اور مُطَّلِب[1]) کو ساتھ ملا کر مختلف ملکوں کے حکمرانوں سے تجارتی مراعات حاصل کیں

---

[1] ان کا ایک اور بھائی ابو عمر عبد تھا لیکن وہ کوئی نامور آدمی نہ تھا۔ لاولد فوت ہوا باقی چاروں بھائی مُتَجَرِّین (تجارت پیشہ) کے لقب سے مشہور ہوئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور قریش کے ان ملکوں کے ساتھ مضبوط اور وسیع تجارتی تعلقات قائم کر دیے۔ اس طرح مکہ عرب کی سب سے بڑی تجارتی منڈی بن گیا اور قریش مال و دولت کے اعتبار سے عرب کے تمام قبیلوں سے بڑھ گئے۔ علامہ ابنِ کثیرؒ کا بیان ہے کہ ہاشم نے روم شام اور غستان کے حکمرانوں سے، عبدِ شمس نے نجاشی شاہِ حبشہ سے، نوفل نے کسریٰ شاہِ ایران سے اور مُطّلب نے ملوکِ حِمیر سے قریش کے تجارتی قافلوں کے لیے معافیٔ محصول کے فرامین حاصل کیے۔

(سیرتِ کبریٰ جلد ا ص ۱۶۷ بحوالہ البدایہ وَالنّہایہ)

ایک روایت کے مطابق مصر، عراق اور یمن کے ساتھ بھی قریش کے تجارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ (سیرت سرورِ عالمؐ ج ۲ ص ۸۴)

عمرو بن عبدِ مناف، ہاشم کے لقب یا نام سے اس وقت مشہور ہوئے جب مکہ میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا۔ لوگوں کی بدحالی دیکھ کر انہوں نے فلسطین سے بڑی مقدار میں گیہوں لا کر اس کو پسوایا۔ پھر اس آٹے کی روٹیاں پکوائیں۔ ساتھ ہی بیسیوں اونٹ ذبح کروا کر سالن پکوایا اور روٹیوں کا چُورہ کر کے اس میں ڈال دیا۔ اس طرح بہت بڑی مقدار میں لذیذ ثرید یا مالیدہ تیار ہو گیا اب سردار عمرو بن عبدِ مناف نے سب لوگوں کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور یہ مالیدہ کھا کر اپنے پیٹ کی آگ بجھائیں۔ توڑنے اور کچلنے کو عربی زبان میں ہَشْم کہا جاتا ہے۔ چونکہ عمرو بن عبدِ مناف نے روٹیوں کا چُورہ کر کے ان کا مالیدہ بنوایا تھا اس لیے وہ لوگوں میں ہاشم کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ہر سال حج کے موقع پر ہاشم حاجیوں کو عمدہ سے عمدہ کھانا کھلاتے اور ان کو پانی مہیا کرنے کا ایسا عمدہ انتظام کرتے کہ وہ مطلق کسی قسم کی تکلیف محسوس نہ کرتے[۱]۔ حج کا زمانہ قریب آتا تو وہ قریش کے سارے خاندانوں کو جمع کر کے حاجیوں کی زیادہ سے زیادہ خاطر مدارات میں حصہ لینے کی اس طرح تلقین کرتے:

> "اے گروہِ قریش! تم اللہ کے گھر کے پڑوسی ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا متولّی ہونے کا شرف بخشا ہے۔ اللہ کے گھر کی زیارت کرنے والے تمہارے پاس آ رہے ہیں۔ یہ اللہ کے مہمان ہوں گے۔ اور سب سے زیادہ عزت و تکریم اور ضیافت کے حقدار اللہ ہی کے مہمان ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی بدولت تمہیں عزت دی ہے اور تمہاری ایسی حفاظت کی ہے کہ کوئی پڑوسی بھی اپنے پڑوسی کی اس طرح حفاظت نہیں کرتا پس اللہ کے مہمانوں کا اِکرام کرو جو خستہ حال اور گرد سے اٹے ہوئے ہوں گے وہ دُور دراز علاقوں

www.KitaboSunnat.com

[۱] یہ انتظام اس طرح کیا جاتا کہ چمڑے کے بڑے بڑے حوض بنائے جاتے پھر مکہ کے سارے کنوؤں سے پانی لا لا کر ان میں ڈالا جاتا اس طرح پانی کا بہت بڑا ذخیرہ حوضوں میں ہو جاتا جو تمام حجاج کے لیے کافی ہوتا۔ یہ انتظام کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بنو جُرہم مکہ سے نکلتے وقت زَمزَم کو اس طرح بند کر گئے تھے کہ اس کو ڈھونڈنا محال تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے سوکھ کر کانٹا بنی ہوئی اونٹنیوں پر آئیں گے ان کے کپڑے میلے ہو گئے ہوں گے، ان میں جوئیں پڑ گئی ہوں گی اور ان کا زادِ راہ ختم ہو گیا ہو گا لہٰذا ان کو کھانا کھلاؤ اور پانی پلاؤ۔ اس گھر کے ربّ کی قسم! اگر میرے پاس اتنی استطاعت ہوتی کہ یہ سارا بوجھ خود اٹھا سکتا تو ضرور اٹھاتا، ہاں میں اپنے پاکیزہ اور حلال مال سے اس مقصد کے لیے زیادہ سے زیادہ حصہ نکالوں گا تم لوگ بھی اللہ کے مہمانوں کی خدمت کے لیے اپنے پاکیزہ مال سے حصہ نکالو۔ کوئی شخص ایسا مال ہرگز نہ دے جو کسی سے زبردستی ظلم و زیادتی کے ساتھ چھینا گیا ہو۔''

سردار ہاشم کی تلقین و ترغیب پر قریش کے ساتھ خاندان اس کارِ خیر میں حصہ لیتے اور خود ہاشم بھی اپنے پاس سے زرِ کثیر خرچ کر کے حاجیوں کی ضیافت کرتے اور یہ کام اس وقت تک جاری رکھتے جب تک حجاج مِنٰی سے رخصت نہ ہو جاتے۔ اپنی اس شاندار مہمان نوازی اور جود و سخا کی بدولت وہ عرب کے تمام قبائل میں نہایت عزت و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے اور قریش کے تجارتی قافلے عرب کے ہر حصے میں بلاخوف و خطر جا سکتے تھے۔ عرب کا کوئی قبیلہ قریش کے کسی قافلے سے ہرگز کوئی تعرّض نہ کرتا یہاں تک کہ کسی ایسے قبیلے کو بھی قریش کے کسی قافلے کو چھیڑنے کی جرأت نہ تھی جس نے لوٹ مار اور رہزنی کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہوتا۔ ہاشم تجارت کے لیے شام جاتے ہوئے اکثر یثرب (مدینہ) میں ٹھہرا کرتے تھے ایسے ہی ایک تجارتی سفر کے دوران میں انہوں نے یثرب کی ایک معزز خاتون سلمٰی بنتِ عمرو بن زید سے شادی کر لی۔ اس خاتون کا تعلق خزرج کے خاندان بنی نجّار سے تھا۔ [1] یثرب میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد ہاشم اپنے کاروبار کے سلسلے میں شام کی طرف روانہ ہوئے جب غزّہ پہنچے تو بیمار ہو گئے اور وہیں فوت ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد بی بی سلمٰی بنتِ عمرو کے بطن سے (۴۹۵ء میں) ہاشم کے فرزند عبدالمُطّلِب پیدا ہوئے یہی عبدالمُطّلِب رسولِ اکرم ﷺ کے دادا تھے۔

(سیرۃ النبی کامل ج ۱ ابنِ ہشام ص ۱۶۲-۱۶۳)

جنابِ عبدالمُطّلِب:

ایک روایت کے مطابق جنابِ عبدالمُطّلِب کا اصل نام عامر اور لقب شَیبہ تھا دوسری روایت یہ ہے کہ ان کا اصل نام ہی شَیبہ رکھا گیا کیونکہ پیدائش کے وقت ان کے سر پر کچھ سفید بال تھے۔ شَیبہ کے معنی بوڑھے کے ہیں۔ زیادہ تر اہلِ سِیَر نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ شَیبہ بیوہ

---

[1] اس سے پہلے بھی وہ یثرب کے قبیلہ خزرج کی ایک اور خاتون ہند بنتِ عمرو بن ثعلبہ سے شادی کر چکے تھے اس کے بطن سے دو بچے حیّہ (لڑکی) اور ابو صیفی (لڑکا) پیدا ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ ہاشم نے اپنی زندگی میں کئی اور شادیاں بھی کیں جن سے دو لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں لیکن تاریخ میں ان کے بہت کم حالات ملتے ہیں۔ (رحمۃٌ لِلعالمین ج ۲ ص ۷۰ سیرت سرورِ عالم ج ۲ ص ۸۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماں کے پاس یثرب ہی میں پرورش پاتے رہے یہاں تک کہ جوان ہوگئے۔ جوان بھی ایسے شاندار کہ ان کے ہم عمر جوانوں کو اُن پر رشک آتا تھا۔ وہ نہ صرف گورے چٹے، اونچے لمبے، باوقار اور وجیہ جوانِ رعنا تھے بلکہ ایسے پسندیدہ خصائل وعادات کے مالک بھی تھے کہ لوگ ان کو شَیبۃُ الحَمْد کہتے تھے۔ اُدھر ہاشم کی وصیّت کے مطابق مکّہ میں ان کے بھائی مُطّلِب رفادہ اور سقایہ کے متولّی بنے۔ وہ سالہا سال سے اپنی ذمہ داریاں نہایت حسن وخوبی سے نباہ رہے تھے۔ اسی زمانے میں مکّہ سے یثرب جانے والے ایک شخص نے سردار مُطّلِب کو بتایا کہ آپ کا بھتیجا شیبہ یثرب میں جوان ہوگیا ہے وہ ایسا خوش خصال، خوبرو اور شاندار نوجوان ہے کہ آپ اسے دیکھ کر خوش ہوجائیں گے۔ نوجوان بھتیجے کی تعریف سن کر مطّلب کی خوشی کی انتہا نہ رہی وہ بھتیجے سے ملنے کے لیے بے تاب ہوگئے۔ مارا مار یثرب پہنچے اور شیبہ کو انکی والدہ اور اپنی بیوہ بھاوج سے اجازت لے کر اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا کر مکّہ لے آئے۔ قریشِ مکّہ شیبہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ جو نوجوان مُطّلِب کے ساتھ آیا ہے وہ ان کا غلام ہے جسے وہ خرید کر لائے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک کی زبان پر یہی الفاظ تھے کہ یہ نوجوان عَبْدُ الْمُطّلِبْ (مُطّلِبْ کا غلام) ہے۔ مُطّلِب نے ان کو بہت سمجھایا کہ یہ میرا غلام نہیں بلکہ میرے مرحوم بھائی ہاشم کا بیٹا شیبہ ہے مگر ''عَبْدُ الْمُطّلِبْ'' کا نام کچھ ایسا مشہور ہوا کہ ان کا اصل نام لوگوں کو بھول گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مُطّلِب ایک تجارتی سفر کے سلسلے میں یمن گئے اور وہیں فوت ہوگئے اب عبدالمُطّلِب ان کے جانشین ہوئے اور خاندان کی سیادت کے علاوہ رفادہ اور سقایہ کے منصب بھی ان کو مل گئے۔ اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ عَبْدُ الْمُطّلِبْ قریش میں سب سے زیادہ خوب صورت، سب سے زیادہ تنومند، سب سے زیادہ دانا، سب سے زیادہ متحمل مزاج، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ اُن برائیوں سے دور تھے جن میں قریش اور عرب کے دوسرے لوگ مبتلا تھے وہ ایک اللہ کو مانتے تھے، ماہِ رمضان میں ہر سال غارِ حرا میں جا کر تحنّث (عبادت) کیا کرتے تھے اور سارا مہینہ مساکین کو کھانا کھلاتے رہتے تھے۔ اپنے دادا ہاشم کی طرح وہ بھی زائرینِ کعبہ اور حجاج کی بہت خدمت کرتے تھے اور ان کو دل کھول کر کھلاتے پلاتے تھے ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ عبد المُطّلِبْ سے ان کی قوم بہت محبت کرتی تھی، اپنی قوم میں شرف ومجد کا جو مقام انہیں حاصل ہوا اس سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ یہاں قوم سے مراد صرف قریش ہی نہیں بلکہ وہ سارے اہلِ عرب تھے جن کا مرکزِ عقیدت کعبۃ اللہ تھا۔ عرب کے گوشے گوشے سے جو حجاج مکّہ آتے تھے وہ جناب عبد المُطّلِب کی مہمان نوازی اور فیاضی کی داستانیں اپنے ساتھ اپنے علاقوں میں لے جاتے تھے اس طرح پورے عرب میں انہیں انتہائی قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے دسترخوان سے پرندوں اور حیوانوں تک کو غذا پہنچائی جاتی تھی اسی بناء پر وہ مُطْعِمُ الطَّیْر اور فیاض کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے۔ جناب عَبْدُ الْمُطّلِبْ کو اس بناء پر بھی قریش اور دوسرے اہلِ عرب میں نہایت بلند مقام حاصل ہوگیا کہ انہوں نے زَمزَم کا چشمہ (کنواں) جسے مدتوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے بنوجرہم نے (مکہ سے جاتے وقت) پاٹ کر زمین کے برابر کر دیا تھا، ڈھونڈ نکالا ابن اسحاقؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ زمزم کے مقام کا پتہ جناب عبدالمُطَّلِبْ کو خواب میں بتایا گیا تھا۔ اس وقت اُن کا صرف ایک ہی بیٹا "حارث" تھا۔ انہوں نے اسی کو ساتھ لے کر زمین کو کھودا اور زمزم کا کنواں برآمد کر لیا۔ اُس وقت سے لے کر آج تک اس کا پانی رواں دواں ہے۔ دنیا کے اربوں مسلمان اب تک اس سے فیض یاب ہو چکے ہیں، ہو رہے ہیں اور اِنْ شَاءَ اللہ قیامت تک ہوتے رہیں گے۔

جناب عبداللہ بن عبدالمُطَّلِبْ:

چاہِ زمزم کی کُھدائی کے وقت جناب عبدالمُطَّلِبْ نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو دس فرزند عطا کرے جو جوان ہو کر ان کے قُوتِ بازو بنیں تو ان میں سے ایک کو کعبہ کے پاس لے جا کر اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔ [1]

اس وقت حارث کے سوا ان کا اور کوئی فرزند نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جناب عبدالمُطَّلِبْ کی اولاد میں بڑی برکت دی اور چھ بیٹیوں کے علاوہ انہیں بارہ بیٹے عطا کیے ان میں سے جب دس بیٹے جوان ہوئے اور ان کی قُوتِ بازو بنے تو ایک روز انہوں نے ان کے سامنے اپنی نذر کا ذکر کیا ان سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ اپنی نذر ضرور پوری کیجیے۔ چنانچہ وہ ان سب کو ساتھ لے کر کعبہ شریف کے پاس گئے اور اس زمانے کے طریقے کے مطابق تیروں کے ذریعہ قرعہ ڈالا تو اس میں جناب عبداللہ کا نام نکلا جوان کے سب سے خوبصورت اور پیارے بیٹے تھے۔ [2]

جناب عبدالمُطَّلِبْ اپنے ارادے کے پکے تھے انہوں نے چُھری ہاتھ میں لی اور اپنے پیارے بیٹے عبداللہ کو ذبح کرنا چاہا۔ اتنے میں قریش کے سب لوگ جمع ہو گئے اور جناب عبدالمُطَّلِبْ کا ہاتھ پکڑ کر اس کام سے روک دیا اور ان کو مشورہ دیا کہ حجاز کی فلاں عرّافہ (سیانی) سے مشورہ کریں کہ مَنّت پوری کرنے کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے۔ یہ عرّافہ یثرب کے قریب ایک گاؤں حُجَر میں رہتی تھی اور اہلِ حجاز اس کی کہانت اور دانائی کو بہت مانتے تھے۔ اُن دنوں وہ خیبر میں مقیم تھی۔ چنانچہ قریش کا ایک وفد اس کے پاس خیبر پہنچا اور سارا قصہ بیان کر کے اس سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے کہا تم لوگ واپس جا کر اس بات پر قرعہ ڈالو کہ عبداللہ کو ذبح کیا جائے یا

---

[1] بعض لوگوں نے نذر کے واقعہ کو مشکوک بتایا ہے لیکن متعدد معتبر سیرت نگاروں نے اس واقعہ کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے ان میں ابنِ اسحاقؒ، ابنِ سعدؒ، اور ابنِ جریر طبری شامل ہیں۔ جناب عبدالمُطَّلِبْ کو یہ مَنّت ماننے کی ضرورت کیوں پیش آئی، اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں مثلاً زمین کی کھدائی کرنے میں اپنے بیٹے کے سوا کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا یا یہ کہ قریش نے اس بناء پر زمین کو کھودنے کی مخالفت کی کہ ایسا کرنا بتوں کی ناراضی کا موجب ہوگا۔

[2] بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جناب عبداللہ، جناب عبدالمُطَّلِبْ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ یہ بالکل غلط ہے حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما جناب عبداللہ سے بہت چھوٹے تھے۔ جناب عبداللہ کی وفات بعمر ۲۶ سال کے وقت حضرت حمزہؓ کی عمر تقریباً چار سال اور حضرت عباسؓ کی عمر صرف تین سال کی تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دس اونٹوں کو (اس زمانے میں ایک آدمی کی دیت یا اس کا خون بہا دس اونٹ ہوتے تھے۔) اگر قرعہ عبد اللہ کے نام پر نکلے تو دس اونٹ اور بڑھاؤ اور پھر فال نکالو اس طرح دس دس اونٹ بڑھاتے جاؤ یہاں تک کہ قرعہ اونٹوں پر نکل آئے جتنے اونٹوں پر نکل آئے وہ سب ذبح کر دو اس طرح منّت بھی پوری ہو جائے گی اور تمہارا ربّ بھی تم سے راضی ہو جائے گا۔ جناب عبدالمُطّلِبؑ نے اسی کے مطابق عمل کیا تو سَو اونٹوں پر قرعہ نکل آیا اس طرح جناب عبد اللہ کی جان بچ گئی اور جناب عبدالمُطّلِبؑ نے سَو اونٹ ذبح کر کے اِذنِ عام دے دیا کہ ہر شخص جتنا جی چاہے گوشت لے جاسکتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس واقعہ کے وقت جناب عبد اللہ کی عمر سترہ برس کی تھی۔ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۱۔۲۲ سیرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ ص ۹۹۔۸۸)

جناب عبداللہ کی شادی:

جناب عبداللہ کی عمر پچیس برس کی ہوئی تو جناب عبدالمُطّلِبؑ نے انکی شادی قریش کے خاندان بنی زُہرہ کے سردار وہب بن عبدِ مناف (بن زُہرہ بن کِلاب بن مُرّہ) کی صاحبزادی بی بی آمنہ سے کر دی وہ اپنے خاندان کی بہترین لڑکیوں میں شمار ہوتی تھیں۔ چند ماہ خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کے بعد جناب عبداللہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ فلسطین روانہ ہو گئے۔

جناب عبداللہ کی وفات:

جناب عبد اللہ کا تجارتی قافلہ فلسطین کے شہر غزّہ تک گیا۔ وہاں سے واپس آتے ہوئے جب یہ قافلہ یثرب پہنچا تو جناب عبداللہ بیمار ہو گئے یہ بیماری اس قسم کی تھی کہ ان کے لیے سفر جاری رکھنا ممکن نہ رہا چنانچہ وہ اپنی دادی سلمیٰ بنتِ عمرو کے خاندان بنی عدی بن نجّار کے ہاں ٹھہر گئے اور ساتھیوں کو مکّہ روانہ کر دیا۔ کوئی ایک مہینہ کی علالت کے بعد جناب عبداللہ یثرب ہی میں فوت ہو گئے اور دارا النّابغۃِ الجَعدی میں دفن کر دیے گئے ادھر مکّہ میں جناب عبدالمُطّلِبؑ کو جناب عبداللہ کے ساتھیوں کی زبانی ان کی علالت کا علم ہوا تو انہوں نے جناب عبداللہ کو مکّہ لانے کے لیے اپنے بڑے بیٹے حارث کو یثرب بھیجا لیکن حارث کے پہنچنے سے پہلے ہی عبد اللہ وفات پا چکے تھے۔ یہی عبد اللہ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ ماجد تھے ان کے سفرِ آخرت کے وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بطنِ مادر میں تھے۔

اصحاب الفیل کا واقعہ:

جناب عبداللہ کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اصحاب الفیل کا واقعہ پیش آیا۔ عربوں کی تاریخ میں یہ واقعہ غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ اس سے پہلے اتنا بڑا واقعہ انہیں کبھی پیش نہیں آیا تھا۔ قرآنِ حکیم کی سورۂ فیل میں بھی اس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس سال یہ واقعہ پیش آیا، عربوں نے اس کو "عام الفیل" کا نام دیا اور اس سال سے نئی تاریخ شروع کی۔ یعنی اس کو ۱ ھ عام الفیل قرار دیا۔ اس واقعہ کے نتیجے میں قریش، جو بیت اللہ (کعبہ) کے متولّی تھے،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کا یہ عقیدہ پختہ سے پختہ تر ہو گیا کہ اللہ کے ہاں اپنے اس گھر کی خاص قدر و منزلت ہے اور وہ خود اس کا محافظ اور پاسبان ہے۔ بقول علامہ سیّد ابوالحسن علی ندویؒ اس تحیر خیز واقعہ کا پیش آنا اس بات کی دلیل تھی کہ کوئی بہت بڑی بات مستقبل قریب میں ہونے والی ہے اور اللہ تعالیٰ عربوں کے ساتھ خیر کا ارادہ رکھتا ہے اور کعبہ کی شان اس طرح دو بالا ہونے والی ہے کہ وہ شان اور عظمت دنیا کی کسی عبادت گاہ اور کسی اور گھر کو حاصل نہ ہوگی۔ (نبیِ رحمت حصہ اوّل ص ۸۳)

اس اہم واقعہ کا خلاصہ یہ ہے:۔

ابرہۃ الاشرم نے جو نجاشی (حبشہ کے عیسائی بادشاہ) کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، اس نے اپنے دارالحکومت صنعاء میں ایک بہت بڑا گرجا (اَلقُلَّیس) اس مقصد کے لیے تعمیر کیا کہ اعراب حج کے لیے مکہ جانے کے بجائے صنعاء آئیں اور القلّیس کو کعبہ کا درجہ دیں۔ عربوں کو کعبۃ اللہ سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی۔ ابرہہ کی یہ حرکت ان پر سخت شاق گزری اور ایک عرب نے اپنے دل کی بھڑاس یوں نکالی کہ گرجے میں جا کر قضائے حاجت کر دی (یا اس میں غلاظت پھینک دی)۔ اپنے گرجے کو اس طرح نجس ہوتے دیکھ کر ابرہہ نے قسم کھائی کہ وہ مکہ جا کر کعبے کو منہدم کر دے گا چنانچہ وہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ جس میں جنگی ہاتھیوں کی خاصی تعداد بھی شامل تھی یلغار کرتا ہوا حجاز میں داخل ہو گیا۔ اس جرار لشکر نے مکہ سے چند میل دُور پڑاؤ ڈالا۔ مکہ شہر کے باہر قریش کے بہت سے مویشی چر رہے تھے۔ ابرہہ کی فوج نے یہ مویشی پکڑ لیے ان میں حضرت عبدالمُطَّلِبؑ کے دو سَو اونٹ بھی تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عبدالمُطَّلِب کو اپنے اونٹوں کے اس طرح پکڑے جانے کا عِلم ہوا تو وہ بے دھڑک ابرہہ کے پاس پہنچے اور اس سے اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ابرہہ نے مکہ کے نواح میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد اہلِ مکّہ کو پیغام بھیجا کہ میرا یہاں آنے کا مقصد کعبے کو منہدم کرنا ہے اگر تم میرا مقابلہ نہ کرو (میری مزاحمت نہ کرو) تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، میں اپنا مقصد پورا کر کے واپس چلا جاؤں گا تمہیں چاہیے کہ اپنے سردار کو اس معاملے کے بارے میں گفت وشنید کے لیے میرے پاس بھیجو۔ اس وقت اہلِ مکّہ (قریش) کے سب سے بڑے سردار حضرت عبدالمُطَّلِبؑ تھے وہ اس پیغام کے لانے والے کے ساتھ ابرہہ کے پاس چلے گئے۔ اس نے ان کی بہت عزت وتکریم کی اور اپنے پاس بٹھا کر پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟

ابرہہ کا خیال تھا کہ جناب عبدالمُطَّلِبؑ اس سے رحم کی التجا کریں گے اور اس سے کہیں گے کہ وہ کعبے کو نہ ڈھائے لیکن وہ جناب عبدالمُطَّلِبؑ کے منہ سے یہ سن کر حیران رہ گیا کہ ”میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے آدمیوں نے میرے دو سَو اونٹ ناحق پکڑ لیے ہیں وہ مجھے واپس کر دیے جائیں۔“ اس نے کہا، حیرت ہے کہ تم کو اپنے دو سَو اونٹوں کی فکر ہے مگر اپنے کعبے کی کوئی فکر نہیں جس کو ڈھانے کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔

جناب عبدالمُطَّلِبؑ نے پُر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اونٹوں کا مالک میں ہوں اس لیے ان کی فکر کرتا ہوں کعبے کا جو مالک ہے وہ
خود اس کی حفاظت کرے گا تم جانو اور کعبے کا مالک جانے۔"

ابرہہ نے غضبناک ہو کر کہا، میں دیکھوں گا کہ کعبہ مجھ سے کیسے بچتا ہے آپ اپنے اونٹ لے جائیں۔

جناب عبدالمُطّلِبْ اپنے اونٹ لے کر واپس آ گئے اور اہلِ شہر کو مشورہ دیا کہ سب قریبی پہاڑیوں اور وادیوں میں پناہ لیں اور کعبے کی حفاظت کو اس کے مالک (اللہ) پر چھوڑ دیں۔ پھر وہ خود قریش کے چند سرداروں کو ساتھ لے کر حرم شریف میں گئے اور بابِ کعبہ کا حلقہ پکڑ کر اللہ کے حضور آہ وزاری میں مشغول ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ اے اللہ! اپنے گھر کی حفاظت فرما اور اس پر حملہ کرنے والے کو تباہ و برباد کر دے۔ ادھر جناب عبدالمُطّلِبْ کے واپس جانے کے بعد ابرہہ نے اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ پھر وہ اپنے لاؤلشکر کے ساتھ مکّہ کی طرف بڑھا۔ اس وقت غیرتِ الٰہی جوش میں آ گئی اور اللہ کا قہر حملہ آور لشکر پر اس طرح نازل ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ لشکر مکّہ کے راستے ہی میں تباہ و برباد ہو گیا اور قرآنِ حکیم کے مطابق کھائے ہوئے بھوسے کی مانند ہو گیا۔ یہ قہر اس صورت میں تھا کہ سمندر کی طرف سے عجیب قسم کے پرندوں کے جُھنڈ کثیر تعداد میں نمودار ہوئے۔ ہر پرندہ اپنی چونچ اور پنجوں میں سنگریزے لیے ہوئے تھا۔ انہوں نے یہ سنگریزے ابرہہ کے لشکر پر برسانے شروع کر دیے۔ یہ سنگریزے جس کو لگتے وہ ہلاک ہو جاتا، ایک روایت کے مطابق اس کا جسم گلنے سڑنے لگ جاتا ایک اور روایت کے مطابق اس کو چیچک کے دانے نکل آتے اور وہ سخت کرب میں مبتلا ہو کر مر جاتا۔ ہاتھیوں کا بھی یہی حشر ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ "محمود" نامی سب سے بڑا ہاتھی (جو ہاتھیوں کا سردار تھا) مکّہ کی طرف بڑھنے کی بجائے راستے ہی میں بیٹھ گیا اور مارنے کے باوجود ہلنے کا نام نہ لیا لیکن جب اس کا رُخ یمن کی طرف کیا گیا تو وہ فوراً اٹھ بیٹھا اور تیزی سے دوڑنے لگا۔ اسی وقت اللہ کا قہر پرندوں کی صورت میں نازل ہو گیا۔ ابرہہ بھی ان سنگریزوں سے بری طرح زخمی ہو گیا۔ اس کے کچھ بچ جانے والے لشکریوں نے اس کو سواری پر بٹھایا اور اپنے ساتھ یمن کی طرف لے بھاگے لیکن راستے ہی میں ابرہہ کا ایک ایک پور گل کر گرتا گیا یہاں تک کہ وہ صنعاء پہنچ کر بُری طرح ہلاک ہو گیا۔ (سیرت ابنِ ہشام ج ۱ ص ۴۳-۵۷)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس واقعہ سے پہلے بھی قریش کو عرب میں خاص بلکہ نہایت اعلیٰ مقام حاصل تھا لیکن اس واقعہ کے بعد عربوں کے نزدیک جہاں کعبہ کی عظمت اور شان دوبالا ہوئی وہاں ان کی نظروں میں قریش کی عزت بھی دوچند ہو گئی۔

اس واقعہ کے کوئی پچاس (بروایتِ دیگر پچپن) دن کے بعد خاتم الانبیاء والمرسلین جناب مُحَمّد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ ﷺ اس دُنیا میں رونق افروز ہوئے۔

OOOOO

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بشاراتِ ظہور

قرآنِ حکیم کی تفسیروں اور سیرتِ طیبہ پر لکھی جانے والی بے شمار کتابوں میں یہ بات نہایت محکم دلائل کے ساتھ ثابت کی گئی ہے کہ خاتم الانبیاء والمرسلین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا ظہور دنیا کے لیے بالکل اچانک اور غیر متوقع نہیں تھا بلکہ اس کی پیش گویاں/بشارات صدیوں پہلے آسمانی کتابوں (صحیفوں) میں آچکی تھیں۔ [1] اگرچہ یہود اور نصارٰی نے اپنی آسمانی کتابوں سے تحریف لفظی و معنوی کے ذریعے ایسی پیش گویاں نکالنے کی بہت کوشش کی پھر بھی تورات اور انجیل میں کچھ ایسی آیات باقی رہ گئی ہیں جن میں حضور ﷺ کے ظہور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہود و نصارٰی محض تعصب کی بناء پر اِن آیات کا کچھ اور مطلب لیتے ہیں۔ ان لوگوں کا رویہ خواہ کچھ بھی ہو، سابقہ صحائف آسمانی میں آنحضور ﷺ کے ظہور کی پیش گوئیوں کی موجودگی پر یقین کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ قرآنِ حکیم اس حقیقت کی واضح الفاظ میں شہادت دیتا ہے جیسا کہ سورۂ ''الاعراف'' میں ارشاد ہوا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (۱۵۷)

ترجمہ: (پس آج یہ رحمت اُن لوگوں کا حصہ ہے) جو اس اُمّی رسول و نبی کی پیروی اختیار کریں

---

[1] ایسی پیش گوئیوں/بشارات کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:۔

''اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مردِ خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ اُن پر جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت اُن کے لیے تھی۔ (قصص القرآن ج ۴ ص ۲۳۱ بحوالہ تورات استثناء)

اربابِ سِیَر کے نزدیک فاران سے جلوہ گر ہونے والے اور (فتح مکّہ کے موقع پر) دس ہزار قدوسیوں (صحابۂ کرامؓ) کے ساتھ آنے والے رسولِ اکرم ﷺ ہی تھے۔

[2] تورات اور انجیل کے حسب ذیل مقامات پر رسولِ اکرم ﷺ کے ظہور کے بارے میں صاف اشارے موجود ہیں۔

استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵ تا ۱۹ باب ۲۱ آیت ۳۳ تا ۳۶ یوحنا باب ۱ آیت ۱۹ تا ۲۱ یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵ تا ۱۷ اور آیت ۲۵ تا ۳۰۔ یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۵۔ ۲۶ یوحنا باب ۱۶ آیت ۷ تا ۱۵۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۸۵ حاشیہ ۱۱۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ ۲۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے بدی سے روکتا ہے ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال اور گندی چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نُصرت کریں اور اُس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اُس کے ساتھ نازل کی گئی ہے وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

قرآنِ حکیم میں دوسرے مقامات پر تو عمومی طور پر اشارۃً بتایا گیا ہے کہ قدیم صحائف میں رسولِ اکرم ﷺ کے ظہور کی پیش گوئیاں موجود تھیں لیکن سورۃ الصَّف میں حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی زبان سے ایک پیش گوئی کا حوالہ صراحت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ.

(اَلصَّف آیۃ ۶)

ترجمہ: "اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد ہوگا جس کا نام احمد ہوگا مگر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو صریح دھوکا (سحر) ہے۔"

قرآنِ پاک کی اس آیت کی اس اعتبار سے بڑی اہمیت ہے کہ اس میں دی گئی پیش گوئی میں رسولِ اکرم ﷺ کا اسمِ گرامی احمد صاف صاف لیا گیا ہے اور ہر مسلمان کو علم ہے کہ مُحمّدؐ کے علاوہ حُضور ﷺ کا ایک نام احمد بھی تھا۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا انسان اور دوسرے معنی ہیں، جس انسان کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو۔ حُضور ﷺ کے ظہورِ مبارک سے پہلے مُحمّد نام کے تو متعدد اشخاص عرب میں موجود تھے لیکن احمد نام کا کوئی آدمی نہ اُس وقت عرب میں موجود تھا اور نہ اُس سے پہلے اس نام کا کوئی آدمی عرب میں گزرا تھا۔ گویا اس نام کو بھی حُضور ﷺ کے امتیازی خصائص میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس آیت میں سحر کا لفظ استعمال ہوا ہے بعض علماء نے اس کا ترجمہ دھوکا یا فریب کیا ہے اور بعض نے جادو۔ فی الحقیقت حُضور ﷺ کی دعوت کے جواب میں کُفار جو کچھ کہتے تھے اس میں ہر نوع کی بیہودہ اور لغو باتیں شامل تھیں۔ آپ کی رسالت اور صداقت کی تصدیق کرنے والی کُھلی نشانیاں دیکھنے کے باوجود یہود و نصاریٰ نے آپؐ کے دعوائے نبُوّت کو صریح فریب قرار دیا جبکہ مشرکینِ قریش نے آپ کو جادوگر کہنا شروع کر دیا۔ (نَعُوْذُ بِاللہ)

یہاں یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ بیسویں صدی کے آغاز میں (صدیوں سے گمنامی کے

17027

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پردوں میں چھپی ہوئی) انجیل برناباس منظرِ عام پر آئی تو ''دنیائے کلیسا'' میں غیظ وغضب کا طوفان آ گیا کیونکہ اس انجیل میں جگہ جگہ ایسی پیش گوئیاں ہیں جن میں رسولِ اکرم ﷺ کے ظہور کی بشارتیں دی گئی ہیں اور بعض پیش گوئیوں میں تو حضور ﷺ کا اسمِ گرامی محمدؐ بھی صراحت کے ساتھ لیا گیا ہے۔ کچھ ان پیش گوئیوں اور کچھ دوسری وجوہ کی بنیاد پر کلیسا نے اس انجیل کو غیر قانونی اور مشکوک الصحت قرار دیا ہے۔ کلیسا کا مؤقف کچھ بھی ہو، حقیقت یہ ہے کہ انجیل برناباس کے مندرجات اُن اناجیل سے کہیں زیادہ معتبر معلوم ہوتے ہیں جن کو کلیسا قانونی اور مستند تسلیم کرتا ہے (یعنی انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا) یہ موضوع جس قسم کی طویل بحث کا متقاضی ہے، ہماری اس کتاب کی ضخامت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ ایسی سیر حاصل بحث سیرتِ طیبہ پر لکھی جانے والی کسی (ایک یا کئی جلدوں پر مشتمل) ضخیم کتاب یا تفسیر کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔[1]

---

[1] اس سلسلے میں مندرجہ درج ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا:

۱۔ تفہیم القرآن جلد پنجم تفسیر سورۃ الصف از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔

۲۔ ضیاء النبی جلد اوّل ص ۵۰۴ تا ۵۱۳ از پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وِلادتِ باسعادت

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا دعائے خلیلؑ و نویدِ مسیحاؑ

(حالیؒ)

سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا خَاتَمَ النَّبِیِّین رَحْمَۃ" لِلْعَالَمِیْنَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ فخرِ موجودات صَاحِبِ قَابَ قَوْسَیْن جناب مُحَمَّد مُصْطَفٰی اَحْمَدِ مُجْتَبیٰ ﷺ کی وِلادتِ مبارکہ کا ذکرِ سعید علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکہ آرا تالیف "سیرۃ النبیؐ" کے آغاز میں "ظہورِ قدسی" کے زیرِ عنوان جس عقیدت، محبّت اور والہانہ جوش وخروش کے ساتھ کیا ہے اس کو پڑھ کر مَشامِ جان مُعطّر ہو جاتا ہے اور روح وَجد کرنے لگتی ہے حقیقت یہ ہے کہ "ظہورِ قدسی" علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مُوئے قلم کا ایک ایسا شاہکار ہے جس کا اُردو ادب میں کوئی جواب نہیں۔ ایسا خوب صورت اور پُر تاثیر شاہپارہ شاید ہی کسی دوسری کتابِ سیرت میں ملے۔ اس موضوع پر اپنی نگارش کا آغاز کرنے سے پہلے ہم علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شاہپارہ بطورِ تبرّک اس کتاب میں اس دعا کے ساتھ شامل کر رہے ہیں کہ ان ایمان افروز اور روح پرور سطور کے راقم پر اللہ جلّ شانہٗ کے سحابِ کرم کی رحمتیں ہمیشہ سایہ فگن رہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظہورِ قدسی ﷺ

از علامہ شبلی نعمانیؒ

چمنستانِ دہر میں بارہا رُوح پرور بہاریں آچکی ہیں۔ چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں۔

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیرِ کہن سالِ دہر نے کروڑوں برس صَرف کر دیے۔ سیارگانِ فلک اس دن کے انتظار میں ازل سے چشم براہ تھے۔ چرخِ کہن مدت ہائے دراز سے اِسی صبحِ جاں نواز کے لیے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابروباد کی تردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجز طرازیٔ موسیٰؑ، جاں نوازیٔ مسیحؑ سب اسی لیے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں ارزِ شہنشاہِ کونین ﷺ کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہ صبحِ جاں نواز، وہی ساعتِ ہمایوں، وہی دورِ فرخ فال ہے۔ اربابِ سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔ آتش کدۂ فارس بجھ گیا۔ دریائے ساوہ خشک ہوگیا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے، آتشِ فارس نہیں بلکہ جحیمِ شر، آتش کدۂ کفر، آذر کدۂ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اُڑنے لگی۔ بُت کدے خاک میں مل گئے۔ شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا۔ نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔

توحید کا غلغلہ اُٹھا۔ چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی۔ آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں۔ اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اُٹھا۔

یعنی یتیمِ عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرماں روائے عالم، شہنشاہِ کونین

شمسہ نُہ مسندِ ہفت اختراں ۔۔۔ ختمِ رُسل ﷺ خاتمِ پیغمبراں ﷺ
احمدِ مرسل ﷺ کہ خرد خاک اوست ۔۔۔ ہر دو جہاں بستۂ فتراک اوست
اُمّی و گویا بہ زبانِ فصیح ۔۔۔ ازالفِ آدمؑ و میمِ مسیحؑ
رسمِ ترنج است کہ در روزگار ۔۔۔ پیش دہد میوہ، پس آرد بہار

عالمِ قدس سے عالمِ امکاں میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ.[1]

---

[1] تاریخِ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے دلائلِ ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت ۹ ربیع الاوّل روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ رکھا گیا اور عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالمطلب نے یہ نام رکھا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کی تاریخِ ولادت

جمہور محدّثین اور مؤرّخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی ولادتِ شریفہ ربیع الاوّل ۵۳ قبلِ ہجرت (۱ عام الفیل) میں بروز دوشنبہ (پیر) صبح صادق کے وقت بروایتِ دیگر صبح صادق کے بعد اور طلوعِ آفتاب سے پہلے) ہوئی۔ البتہ قمری تاریخ اور شمسی سال کے بارے میں اربابِ سیَر میں اختلاف ہے۔ جمہور مسلمانوں میں بارہ ربیع الاوّل کی تاریخ مشہور اور مقبول ہے۔ یہ تاریخ محدّث ابنِ ابی شیبہؒ نے بروایت حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیان کی ہے۔ امام محمد بن اسحاقؒ، ابن جریر طبریؒ اور ابنِ خلدونؒ نے بھی یہی تاریخ (۱۲ ربیع الاوّل) لکھی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی ﷺ میں مصر کے نامور ہیئت دان محمود پاشا فلکی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت دوشنبہ کے دن نو (۹) ربیع الاوّل کو ۱ عام الفیل میں ہوئی جو ۲۰ اپریل ۵۷۱ عیسوی کے مطابق ہے۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے اپنی کتاب ''رحمۃ'' للعالمین'' (۱:۴۳) میں حضور ﷺ کی ولادتِ مبارکہ کی تاریخ ۹ ربیع الاوّل ۱ عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ عیسوی مطابق یکم جیٹھ ۶۲۸ بکرمی قرار دی ہے۔

بعض مؤرّخین نے حضور ﷺ کا سالِ ولادت ۵۷۰ عیسوی اور کچھ نے ۵۶۹ عیسوی بھی بیان کیا ہے لیکن ۵۷۱ عیسوی والی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔ چونکہ شمسی مہینوں اور سالوں کی قمری مہینوں اور سالوں کے درمیان مطابقت بڑا مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے اس لیے شمسی سال اور مہینے کا حتمی طور پر تعیّن نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہ کوئی عقیدے کا مسئلہ نہیں اس لیے ایک سال آگے یا پیچھے پر یقین کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے لیے یہی قطعی اور یقینی بات کافی ہے کہ حضور ﷺ ہجرتِ مدینہ سے ۵۳ سال پہلے ربیع الاوّل ۱ عام الفیل میں بروز دوشنبہ (پیر) رونق افروزِ عالم ہوئے۔ دایہ کی خدمت انجام دینے کی سعادت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (یکے از عشرہ مبشّرہ) کی والدہ شفاءؓ بنتِ عوف بن عبد الحارث زُہری کو نصیب ہوئی۔

(صحیح بخاری باب الہجرۃ، صحیح مسلم باب کم اقام بمکۃ عن ابنِ عباس، سیرت النبیؐ کامل ابنِ ہشام ج۱ ص۱۸۲، تاریخ ابنِ کثیر ج۲ ص۲۶۱، رحمۃ للعٰلمین ج۱ ص۴۳، سیرۃ النبیؐ ج۱ ص۱۷۱، نبیِ رحمت ج۱ ص۱۰۲، سیرت سرورِ عالمؐ ج۲ ص۹۴، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج۱۹ ص۱۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر طرف نور ہی نور

رسولِ اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنتِ وہب زُہری کا بیان ہے کہ جب مُحَمَّد (ﷺ) کی ولادت ہوئی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے اندر سے ایک ایسا نور نکلا ہے جس سے ملک شام تک کے محل روشن ہوگئے یہاں تک کہ بُصرٰی (واقع شام) کے اونٹوں کی گردنیں نظر آنے لگیں۔ (طبقات ابنِ سعد ج ا ص ٦٣ سیرت کبرٰی ج ا ص ٢٠١)

مشہور صحابی حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھ سے میری والدہ فاطمہ بنت عبداللہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے وقت میں آمنہ خاتون کے پاس موجود تھی اس وقت جدھر نظر جاتی تھی، نور ہی نور نظر آتا تھا اور آسمان کے ستارے نیچے کی طرف جھکتے اور زمین کے قریب ہوتے دکھائی دیتے تھے یہاں تک کہ مجھے خوف محسوس ہوا کہ یہ کہیں مجھ پر گر نہ پڑیں۔ (میلادِ مصطفیٰ ص ١٤ سیرتِ کبرٰی ج ا ص ٢٠٢)

بعض روایات میں حُضور ﷺ کی ولادتِ مبارکہ کے موقع پر اور بھی متعدد محیّر العقول واقعات بیان کیے گئے ہیں، مثلاً ایوانِ کِسرٰی کے چودہ کنگرے گر پڑے، بحیرہ ساوہ (طبریہ) خشک ہوگیا، حُضور ﷺ ناف بریدہ ختنہ شدہ پیدا ہوئے، ایران کا بڑا آتش کدہ جس میں ہزار سال سے آگ جل رہی تھی، اچانک بجھ گیا، وغیرہ وغیرہ۔ کچھ اربابِ سِیَر نے ان میں سے بعض روایات کو استنادی اعتبار سے مشکوک قرار دیا ہے اور کچھ ان سب کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ چونکہ جرح وتعدیل (روایات کی چھان پھٹک) کا عمل طویل بحث کا متقاضی ہے اور یہ کتاب ایسی کسی طویل بحث کی متحمل نہیں ہوسکتی اس لیے ہم اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

عقیقہ اور اسمِ گرامی:

حُضور ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے ساتویں روز جناب عبدالمُطّلِب نے پیارے پوتے کا عقیقہ کیا اور قریش کے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی۔ دعوت سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں نے ان سے پوچھا:

”اے عبدالمُطّلِب! آپ نے اپنے جس بیٹے کی پیدائش پر ہمیں یہ دعوت دی ہے، اُس کا نام کیا رکھا ہے؟“

انہوں نے کہا:۔ ”مُحَمَّد ﷺ“

لوگوں نے کہا، آپ نے خاندانی ناموں سے ہٹ کر یہ نام کیوں رکھا؟ جناب عبدالمُطّلِب نے جواب دیا، میں چاہتا ہوں کہ آسمان پر اللہ اور زمین پر اللہ کی مخلوق اس کی تعریف کرے۔

مُحَمَّدٌ کے معنی ہیں جس کی بار بار تعریف کی جائے یا وہ شخصیت جو تمام کمالات و صفاتِ حمیدہ کی جامع ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت سے پہلے بی بی آمنہ کو خواب میں غیبی اشارہ ہوا تھا کہ بچے کا نام مُحَمَّد رکھنا۔ بعض اہلِ علم نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے خصائل وصفاتِ محمودہ کے پیشِ نظر "مُحَمَّد" نام آپ کے سرپرستوں (والد اور دادا) کے دلوں میں القا کر دیا تھا۔ امام بخاریؒ نے تاریخِ صغیر میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے شفیق چچا ابوطالب کہا کرتے تھے:

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ　　فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّ هٰذا مُحَمَّدٌ [1]

ترجمہ　"آپ کے اعزاز میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے نام کو اپنے نام سے نکالا ہے چنانچہ وہ صاحبِ عرش محمود ہے اور آپ مُحَمَّد ہیں۔"

اسمِ مبارک مُحَمَّد کی صراحت قرآن مجید کی ان سورتوں میں چار جگہ آئی ہے۔

سورۃ آلِ عمران، سورۃ الاحزاب، سورۃ مُحَمَّد، سورۃ الفتح۔

حُضور ﷺ کا ایک نام "احمد" بھی ہے۔ "احمد" کا مطلب ہے۔

"حمد کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔"

علامہ محمد بن سعد کاتب الواقدی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ کی والدہ کو خواب میں آپؐ کا نام احمد رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

قرآنِ حکیم میں یہ نام صرف ایک مرتبہ (سورۃ الصّف میں) حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی زبان سے پیش گوئی کے طور پر آیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

وَاِذْقَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ م بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط (آیۃ ۶)

ترجمہ: "اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے اولادِ اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں تصدیق کرنے والا تورات کی جو مجھ سے پہلے آ چکی ہے اور بشارت سنانے والا اُس رسول کی جو میرے بعد آنے والا ہے۔ اُس کا نام احمد ہوگا۔"

رسولِ اکرم ﷺ نے خود فرمایا ہے:۔

اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ.

"میرا نام مُحَمَّد بھی ہے اور میرا نام احمد بھی ہے۔"

(صحیح بخاری ابواب المناقب　باب ماجاء فی اسماء النبیؐ و صحیح مسلم ابواب الفضائل عن جبیرؓ بن مطعم)

کُنیّت:

رسولِ اکرم ﷺ کی کُنیّت ابوالقاسم تھی۔

(صحیح بخاری ابواب المناقب باب الکنیۃ عن انسؓ)

[1] ایک روایت کے مطابق یہ شعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَضاعت

بنو سعد کی خوش بخت خاتون

شُرَفائے عرب میں دستور تھا کہ بچّوں کو ماں کے پاس نہ رکھتے تھے بلکہ اکثر پرورش کے لیے دوسری عورتوں کو دے دیتے اور قرب و جوار کے قبائلی دیہات میں بھیج دیتے۔ بچّے دیہات کی کھُلی آب و ہوا میں پرورش پاتے۔ چند سال کے بعد ان کے والدین انہیں واپس لے جاتے۔ تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد دیہات کی غریب عورتیں شہر میں آتیں اور جو بچّے اس مدّت میں پیدا ہوتے انہیں لے جاتیں۔

سرورِ کائنات ﷺ نے رونق افروزِ عَالَم ہو کر سات دن تک اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ پیا۔ اس کے بعد حضرت ثُوَیبہؓ نے چند دن دودھ پلایا۔ [1] اسی اثنا میں قبیلۂ بنی سعد بن بکر کی چند عورتیں بچّے لینے مکّہ آئیں۔ [2] ان میں حلیمہؓ نام کی ایک خاتون بھی تھیں۔ دوسری سب عورتوں نے مالدار لوگوں کے بچے لے لیے لیکن حلیمہؓ کو کوئی بچہ نہ ملا۔ واپس جانے والی تھیں کہ معلوم ہوا سردارِ قریش عبد المُطّلِب کا ایک یتیم پوتا ہے، خاوند سے مشورہ کیا کہ اس بچّے کا باپ تو دنیا میں ہے نہیں کہ ہمارے ساتھ اپنے بچّے کی پرورش کے عوض کچھ سلوک کرے، البتہ اس کے دادا کی شرافت

---

[1] حضرت ثوَیبہؓ آنحضور ﷺ کے چچا ابولہب کی لونڈی تھیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ اُنکا دودھ حضرت ابوسلمہؓ (اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ کے پہلے شوہر نے بھی پیا تھا) ابنِ ہشام اور ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ آنحضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (جو عمر میں حُضور ﷺ سے دو یا چار سال بڑے تھے) اور آپ کی پھوپھی امیمہ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے بھی (مختلف اوقات میں) حضرت ثویبہ کا دودھ پیا تھا۔ اس لیے یہ سب حضرات حُضور ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ حضرت ثویبہؓ کو قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرَف حاصل ہوا۔ آنحضور ﷺ جوان ہونے پر ان کے ساتھ ہمیشہ حسنِ سلوک فرماتے رہتے تھے۔ (ابولہب نے ان کو آزاد کر دیا تھا) ہجرت کے بعد بھی حُضور ﷺ ان کو مدینہ سے کپڑا اور خرچ بھیجا کرتے تھے۔ حضرت ثویبہؓ نے ۷ ہجری میں وفات پائی۔ حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے ان کے بیٹے مسروح کا حال دریافت کیا جس نے آپؐ کے ساتھ اُن کا دودھ پیا تھا۔ آپ کو بتایا گیا کہ وہ بھی فوت ہو چکا ہے اور اب ثویبہؓ کا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

[2] قبیلہ سعد بن بکر، بنو ہوازن کا ایک بطن تھا۔ بنو ہوازن، خصفہ بن قیس عیلان کی نسل سے ایک بڑا قبیلہ تھا۔ اس کی بیسیوں شاخیں تھیں۔ ان میں سے ایک بنو سعد بن بکر تھے بنو سعد تہامۂ حجاز کے مشرق میں آباد تھے۔ تہامۂ حجاز اس میدانی علاقے کو کہتے ہیں جو حجاز کے کوہستانی خطّے کے مغربی جانب ساحلِ سمندر تک پھیلا ہوا ہے۔ بنو سعد کے لوگ فصاحت و بلاغت میں عرب بھر میں مشہور اور ممتاز تھے۔ خود رسولِ اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے مجھ کو تمام عرب میں فصیح بنایا ہے، ایک تو میرا قبیلہ قریش فصاحت میں بے مثل ہے، دوسرے میری پرورش بنو سعد میں ہوئی جس کی زبان نہایت فصیح و بلیغ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور عالی نسبی سے توقع ہے کہ خدا اس بچّے کے طفیل ہماری بہتری کی صورت پیدا کر دے گا۔ خاوند نے کہا کچھ مضائقہ نہیں، اس بچّہ کو ضرور لے لو' خالی ہاتھ جانا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت حلیمہؓ فوراً جا کر یتیمِ مکّہ کو لے آئیں۔ انہیں کیا خبر تھی کہ یہ بچہ دین و دنیا کا سردار ہے اور اسے دودھ پلا کر وہ فلک بوس مقامِ سعادت و عظمت حاصل کر لیں گی۔

برکت والا بچّہ:

ان دنوں عرب میں قحط کا عالم تھا۔ خشک سالی کی وجہ سے جانوروں کے تھنوں میں دودھ سوکھ گیا تھا۔ فاقوں کی وجہ سے عورتوں کے پستانوں میں بھی دودھ نہیں اترتا تھا اور ان کے بچّے بھوک سے بلبلاتے تھے۔ حضرت حلیمہؓ مکّہ آئیں تو ان کے ساتھ اپنا شیر خوار بچہ بھی تھا۔ یہ بھی بھوکا پیاسا ہر وقت روتا رہتا تھا۔ حضرت حلیمہؓ کا بیان ہے کہ جس دن میں نے سرورِ کائنات کو گود میں لیا ہماری حالت یکسر بدل گئی۔ میری خشک چھاتیوں میں دودھ اتر آیا اور ہماری اونٹنی کے تھن بھی دودھ سے بھر گئے۔ دونوں بچّوں نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور ہم نے بھی خوب اونٹنی کا دودھ پیا۔ جب مکّہ سے چلنے لگے تو ہمارا مریل گدھا جو سارے قافلے کے پیچھے چلتا تھا' ایسی تیز رفتاری سے چلا کہ سارے قافلے سے آگے نکل گیا۔ میرا خاوند اور قافلے کے دوسرے لوگ بار بار یہی کہتے تھے کہ یہ بچّہ بہت برکت والا ہے اور حلیمہؓ بہت خوش قسمت ہے کہ ایسا سعادت مند بچہ اسے مل گیا۔ جب ہم اپنے گھر پہنچے تو ہماری بکریوں کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ گاؤں کے دوسرے جانوروں کا دودھ بدستور خشک تھا اور لوگ ہماری حالت پر رشک کرتے تھے۔ آخر سب گاؤں والے میرے جانوروں کے ساتھ اپنے جانور چرانے لگے۔ خدا کی قدرت ان جانوروں کے بھی دودھ اتر آیا۔

حلیمہؓ اور ان کے گھر والے اس نصیبہ ور بچّے پر سَو جان سے فدا تھے اور نہایت محبّت اور شفقت سے حضور ﷺ کی پرورش کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ دو برس کے ہوئے تو حضرت حلیمہؓ حضور ﷺ کو ساتھ لے کر مکّہ میں بی بی آمنہ کے پاس آئیں۔ وہ اپنے نونہال کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئیں اور اپنے فرزند کو خوب پیار کیا۔ جدا کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا، لیکن حضرت حلیمہؓ نے کہا۔ "مکّہ کی آب و ہوا اس وقت بہت خراب ہے۔ بہتر ہے کہ آپ فی الحال اس بچّے کو میرے پاس رہنے دیں۔" بی بی آمنہ نے انکی بات مان لی اور حضرت حلیمہؓ حضور ﷺ کو ساتھ لے کر واپس اپنے قبیلہ میں آ گئیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت حلیمہؓ ننھے حضور ﷺ کو کھلاتے وقت یہ لوری دیا کرتی تھیں۔

یارب اذا اعطیتہٗ فابقہٖ واعملہ ایے العلیٰ وارقہٖ

وادحض اباطیل العدیٰ بحقہٖ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اے خدا اگر تو نے ان کو میرے سپرد کیا ہے تو ان کی حسب طلب مدد فرما اور انہیں علم و بزرگی کی بلندی اور ارتقاء نصیب فرما۔ نیز انہیں شیطانوں اور ان کی برائیوں سے محفوظ رکھ جتنا کہ ان کا حق ہے۔"

واقعۂ شق صدر:

پانچ برس تک سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت حلیمہؓ کے پاس پرورش پائی۔ حتیٰ کہ واقعۂ شقِ صدر پیش آیا۔ اس کی کیفیت یوں ہے کہ ایک روز حضرت حلیمہؓ کے دو بچے دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے اور کہا کہ دو سفید پوش آدمی ہمارے قرشی بھائی کو پکڑ کر لے گئے اور اسے قتل کر ڈالا۔ حضرت حلیمہؓ اور ان کے شوہر حارث بے تابانہ اُس طرف دوڑے۔ دیکھا کہ حضور ﷺ صحیح سلامت ہیں لیکن چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہے۔ حضرت حلیمہؓ نے حضور ﷺ کو گلے لگا لیا اور پوچھا کیا ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دو سفید پوش آدمی میرے پاس آئے اور مجھے چت لٹا کر میرا سینہ چاک کیا اور اس میں سے میرا دل نکالا اور پھر اس میں سے کوئی چیز نکالی، پھر میرے دل کو سینہ میں رکھ کر درست کر دیا۔ [1]

والدہ کی آغوشِ محبت میں:

حضرت حلیمہؓ اور ان کے خاوند یہ واقعہ سُن کر بہت حیران اور متردّد ہوئے کہ کہیں بچہ کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ باہم مشورہ کے بعد وہ حضور ﷺ کو ساتھ لے کر مکّہ پہنچے اور عام الفیل کے چھٹے سال جبکہ حضور ﷺ کی عمر پانچ سال اور دو دن کی تھی، دنیا کی سب سے قیمتی امانت کو ان کی والدہ کے سپرد کر دیا۔ ساتھ ہی واقعۂ شقِ صدر کی تفصیل بیان کی اور ننھے حضور ﷺ کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا۔ بی بی آمنہ نے فرمایا:

"تمہیں اندیشہ ہے کہ کوئی جن یا شیطان اس بچہ کو گزند پہنچائے گا۔ ہرگز نہیں، میرا بیٹا دنیا میں ایک عظیم الشان ہستی بننے والا ہے۔ یہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ اور خدا اس کی ہر حال میں حفاظت کرے گا۔"

اس کے بعد حضرت بی بی آمنہ نے وہ تحیّر خیز معجزات بیان کیے جو انہیں ایامِ حمل میں

---

[1] صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ بچّوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبرئیل آئے انہوں نے آپ کو پکڑ کر چت لٹا دیا پھر دل کو باہر نکال کر اس کو چیرا اور اس میں سے خون کی ایک پھٹکی نکال کر کہا، یہ تمہارے جسم میں شیطان کا حصہ تھا۔ پھر سونے کے ایک طشت میں آبِ زمزم سے دل کو دھویا، پھر اسے جوڑا اور اپنے مقام پر رکھ دیا (صحیح مسلم، کتاب الایمان باب الاسراء) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھا ہے کہ "فرشتے ظاہر ہوئے آپ کے سینۂ مبارک کو شق کرکے دل کو اس میں سے نکالا اور اس کو ایمان و حکمت سے بھر دیا یہ عالمِ مثال اور عالمِ شہادت کی درمیانی حالت کا واقعہ ہے۔" (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵) فی الحقیقت شقِ صدر کا واقعہ اسرارِ الٰہی میں سے ہے جو انسان کی حدِ ادراک سے ماورا ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ ایسے تحیّر خیز واقعات پیش آتے رہے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ولادتِ نبوی کے وقت پیش آئے تھے۔

حضرت حلیمہؓ بادلِ ناخواستہ اس قیمتی متاع کو مکّہ چھوڑ کر اپنے قبیلہ میں واپس آ گئیں۔ [1]

ننھے حضور ﷺ کا سفرِ یثرب:

ننھے حضور ﷺ ۶ سال کے تھے (یا بروایتِ دیگر ابھی آپ پورے سات سال کے نہ ہوئے تھے) کہ آپؐ کی والدہ بی بی آمنہ آپ کو اور اپنی خادمہ اُمِ ایمنؓ کو ساتھ لے کر عازمِ یثرب ہوئیں۔ سواری کے لیے دو اونٹ ساتھ تھے ایک پر وہ خود سوار ہوتی تھیں اور دوسرے پر اُمِ ایمنؓ اور ننھے حضور ﷺ۔ بی بی آمنہ کے یثرب جانے کا مقصد کیا تھا؟ ایک روایت تو یہ ہے کہ وہ ننھے حضور ﷺ کو آپ کی پردادی کے خاندان بنی عدی بن نجّار سے ملانے کے لیے لے گئی تھیں اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ اپنے مرحوم شوہر جناب عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھیں جو یثرب میں دفن تھے۔

جیسا کہ پیچھے ذکر آ چکا ہے، یثرب کا قدیم شہر مکّہ سے تقریباً پونے تین سَو میل (یا ساڑھے چار سَو کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع تھا۔ ہجرتِ نبوی ﷺ کے بعد اسی شہر کو مدینۃ النّبی ﷺ بننے کا مہتم بالشان شرف حاصل ہوا۔ آنحضور ﷺ کے پردادا جناب ہاشم کی

[1] حضرت حلیمہؓ (بنتِ ابی ذویب عبداللہ بن حارث) بعض اربابِ سِیَر کے قول کے مطابق نعمتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں اور کئی مرتبہ عہدِ رسالت میں حضور ﷺ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا۔ ابنِ کثیرؒ کا بیان ہے کہ حلیمہ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے وفات پا گئی تھیں لیکن ابنِ سعد، سہیلیؒ، حافظ ابنِ عبدالبرؒ اور حافظ ابنِ حجرؒ نے ان روایات پر صاد کیا ہے جن میں حضرت حلیمہ کا عہدِ رسالت میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے علاقے میں قحط سالی کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے انہیں چالیس بکریاں اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ عنایت فرمایا (طبقات ابنِ سعد) ایک اور موقع پر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے انہیں کچھ اونٹنیاں مرحمت کیں جن کو لے کر وہ دعائیں دیتی رخصت ہوئیں۔
(روض الانف از علامہ سہیلیؒ)

☆ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ حضرت حلیمہؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ "میری ماں میری ماں" کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور اُن کے بیٹھنے کے لیے اپنی ردائے مبارک بچھا دی۔ حافظ ابویعلیٰؒ اور محدّث ابنِ حِبّانؒ نے تو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے حضرت حلیمہؓ کی ایک حدیث بھی بیان کی ہے۔ علامہ سہیلیؒ کا بیان ہے کہ حضرت حلیمہؓ کے سالِ وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ وہ غزوۂ حُنین (شوّال ۸ھ) کے بعد فوت ہوئیں اور بعض کا بیان ہے کہ وہ اس سے پہلے فوت ہو چکی تھیں۔ قیاسِ غالب یہی ہے کہ غزوۂ حُنین سے کچھ عرصہ پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

☆ حضرت حلیمہؓ کی اولاد سے رسولِ اکرم ﷺ کے چار رضائی بھائی بہن تھے۔ بھائیوں کے نام عبداللہ اور حذیفہ تھے اور بہنوں کے انیسہ اور حذافہ (شیما) ان میں سے عبداللہ اور حذافہ (شیما) کا اسلام لانا ثابت ہے دوسروں کا حال معلوم نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شادی یثرب کے ایک خاندان بنی عدی بن نجّار کی ایک خاتون سلمٰی بنتِ عمرو سے ہوئی تھی بیشتر اربابِ سِیَر اور مؤرخین کے نزدیک اوّل الذکر روایت کو ترجیح حاصل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی باتیں درست ہوں یعنی وہ اپنے مرحوم شوہر کی قبر بھی دیکھنا چاہتی ہوں اور بنو عدی بن نجّار کے لوگوں سے خود بھی ملنا چاہتی ہوں اور اپنے لختِ جگر کو بھی اُن سے روشناس کرانا چاہتی ہوں۔

بی بی آمنہ نے یثرب پہنچ کر دارُالنّابغہ میں ایک مہینہ قیام کیا۔ یہ جگہ بنو عدی بن نجّار کی مملوکہ تھی اور وہیں جناب عبداللہ کی قبر تھی۔ بی بی آمنہ نے ننھے حُضور ﷺ کو یہ قبر بھی دکھائی اور وہ مکان بھی جہاں جناب عبداللہ کا انتقال ہوا تھا۔ قیامِ مدینہ کے واقعات آنحُضور ﷺ کو ہمیشہ یاد رہے۔ ۴۴، ۴۵ سال بعد آنحُضور ﷺ اس شہر میں تشریف لے گئے اور یہ مدینۃ النّبی بن گیا تو آپ وقتاً فوقتاً اپنے اصحاب کو اپنے عہدِ طفلی میں سفرِ یثرب کے حالات سنایا کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد آپ نے بنو عدی بن نجّار کی گڑھی کو دیکھا تو اسے فوراً پہچان لیا اور فرمایا میں یہاں یثرب کی ایک لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور بنو عدی بن نجّار کے لڑکوں کے ساتھ یہاں اترنے والے پرندوں کو اڑایا کرتا تھا۔ اپنی جائے قیام دارالنّابغہ کو بھی دیکھ کر آپ نے فوراً پہچان لیا اور فرمایا، "یہی وہ جگہ ہے جہاں میں نے اپنی والدہ کے ساتھ قیام کیا تھا، اسی کے قریب بنو عدی بن نجّار کا کنواں تھا، میں نے اس میں تیراکی کی خوب مشق کی تھی" دارالنّابغہ ہی میں میرے والد کی قبر تھی۔

والدۂ ماجدہ کا انتقال:

ایک مہینے کے بعد بی بی آمنہ نے ننھے حُضور ﷺ اور اُمِ ایمنؓ کے ہمراہ یثرب سے مکّہ معظّمہ کو مراجعت کی۔ جب ابوآء کے مقام پر (جو مکّہ معظّمہ اور مدینہ منوّرہ کے درمیان واقع ہے) پہنچیں تو یک بیک علیل ہوکر وفات پاگئیں اور وہیں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ یہ مقام مستورہ سے بجانبِ مشرق تقریباً آٹھ میل (۱۱ کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع ہے (مکّہ معظّمہ سے مدینہ منوّرہ جاتے ہوئے ۲۳۰ کلومیٹر کے فاصلے پر مستورہ کا مقام آتا ہے۔)

ننھے حضور ﷺ کو اُمِ ایمنؓ اپنے ساتھ لے کر مکّہ معظّمہ پہنچیں۔ آنحضور ﷺ کو وہ جگہ بھی عمر بھر یاد رہی جہاں آپ کی والدہ مکرّمہ دفن ہوئی تھیں۔ ۶ ہجری میں سفرِ حدیبیہ میں جب آپ ابوآء پر سے گزرے تو اپنی والدہ مکرّمہ کی قبر پر تشریف لے گئے اس کا ذکر مناسب موقع پر آگے آئے گا۔

جناب عبدالمُطّلِب کی کفالت میں:

اُمِ ایمنؓ نے مکّہ آکر حُضور ﷺ کو جناب عبدالمُطّلِب کے سپرد کردیا۔ بوڑھے دادا نے اپنے یتیم پوتے کو سینے سے لگا لیا اور نہایت محبت اور شفقت سے آپؐ کی پرورش کرنے لگے۔ وہ آپ کو اپنی تمام اولاد سے بڑھ کر چاہتے تھے اور ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ آپؐ کے بغیر کبھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھانا نہ کھاتے تھے اور کبھی کبھی کھانے کے وقت آپ کو اپنی گود میں بٹھا لیتے تھے۔ جناب عبدالمُطّلِب کے لیے کعبہ کی دیوار کے سایہ میں فرش بچھایا جاتا تھا اور ان کے بیٹے اس فرش کے اردگرد بیٹھ جاتے تھے۔ جنابِ عبدالمُطّلِب کے اکرام و احترام کے پیشِ نظر کوئی دوسرا اس فرش پر قدم نہ رکھتا تھا لیکن حُضور ﷺ سیدھے اسی فرش پر دادا کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ آپؐ کے چچا اس کو سوءِ ادب خیال کر کے فرش سے ہٹانا چاہتے تو جناب عبدالمُطّلِب کہتے، میرے بیٹے کو چھوڑ دو واللہ اس کی شان ہی کچھ اور ہے، مجھے امید ہے کہ یہ اتنے اونچے مرتبے پر پہنچے گا جس پر اس سے پہلے کوئی عرب نہیں پہنچا۔ کبھی یوں کہتے کہ میرے اس بچے کا مزاج شاہانہ ہے پھر آپؐ کو فرش پر اپنے پاس بٹھا لیتے آپؐ کی پُشتِ مبارک اور سر پر ہاتھ پھیرتے، آپؐ کا منہ چومتے اور آپؐ کے افعال و حرکات کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔

ایک دفعہ جناب عبدالمُطّلِب کے کچھ اونٹ کھو گئے۔ انہوں نے پہلے تو چند ملازموں کو ان کی تلاش کے لیے بھیجا۔ جب وہ ناکام واپس آئے تو دادا نے پیارے پوتے کو ان کو تلاش کرنے کے لیے بھیج دیا (اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس سے پہلے گھر میں کوئی چیز کھو جاتی تو ننھے حضور ﷺ ہمیشہ یہ چیز ڈھونڈ دیا کرتے تھے) لیکن جب آپؐ کو واپسی میں دیر ہوگئی تو شفیق دادا سخت پریشان ہوئے اور پچھتانے لگے کہ سات آٹھ برس کے بچّے کو کس کام پر بھیج دیا۔ پہاڑوں اور وادیوں میں اسے کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔ چنانچہ کعبے کا طواف کر کے اللہ سے گڑگڑا کر پیارے پوتے کی سلامتی کی دعا مانگی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ننھے حُضور ﷺ واپس تشریف لائے اور اونٹوں کے مل جانے کی اطلاع دی تو بوڑھے دادا بے انتہا خوش ہوئے، اللہ کا شکر ادا کیا اور عہد کیا کہ آئندہ آپؐ کو کبھی ایسے کسی کام پر نہیں بھیجیں گے۔ ایک مرتبہ (جب آپ کی عمر سات برس کی تھی) آپؐ کو آشوبِ چشم کی شکایت ہوگئی جب مکّے میں کسی علاج سے یہ شکایت دُور نہ ہوئی تو جناب عبدالمُطّلِب آپؐ کو عکاظ لے گئے جہاں قریب ہی ایک مسیحی خانقاہ تھی۔ وہاں کا راہب علمِ طِب میں درک رکھتا تھا اس نے حضور ﷺ کے علاج کے لیے نسخہ تجویز کیا۔ اس کے استعمال سے آپ کی شکایت دور ہوگئی۔

جنابِ عبدالمُطّلِب کی وفات:

حُضور ﷺ کی عمر ابھی آٹھ سال دو مہینے کی ہوئی تھی کہ دادا کا سایۂ شفقت بھی سر سے اُٹھ گیا۔ آپؐ نے شفیق دادا کی دائمی جدائی کو بہت محسوس فرمایا۔ حضرت اُمِّ ایمنؓ کا بیان ہے کہ جب جناب عبدالمُطّلِب اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے سرہانے کھڑے رو رہے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ دادا کے جنازے کے پیچھے روتے ہوئے جا رہے تھے۔

حُضور ﷺ کو شفیق دادا کا واقعۂ رحلت ہمیشہ یاد رہا۔ بعد کے زمانے میں ایک دفعہ کسی نے آپؐ سے پوچھا، کیا آپ کو اپنے دادا صاحب کی رحلت یاد ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا، ہاں میری عمر اُس وقت آٹھ برس کی تھی۔ (سیرۃِ کبریٰ۔ رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی۔ طبقات ابنِ سعد، ابنِ ہشام)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب ابو طالِب کی کفالت میں

جناب عبد المُطّلِبؑ کی وفات کے بعد حُضور ﷺ کو آپؐ کے حقیقی چچا جناب ابو طالب نے اپنی کفالت میں لے لیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان کو ایسا کرنے کی جناب عبد المُطّلِبؑ نے وصیّت کی تھی۔[1] جناب ابو طالب کا اصل نام عبدِ مناف تھا۔ کُنیّت سب سے بڑے بیٹے طالب[2] کے نام کی نسبت سے تھی یہ کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ اصل نام لوگوں کو بھول گیا۔ جناب ابو طالب اور ان کی اہلیہ فاطمہ بنتِ اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں کو حضور ﷺ سے بے انتہا محبت تھی گو وہ کثیر العیال تھے مگر حُضور ﷺ کو اپنی اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے۔ جناب ابو طالب جب گھر سے باہر جاتے تو حُضور ﷺ کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے، رات کو سوتے وقت بھی حضور ﷺ سے الگ نہیں ہوتے تھے اور آپ ﷺ کو اپنے ساتھ سلاتے تھے۔ کھانے میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ خصوصیت برتتے تھے حضور ﷺ کے بغیر نہ خود کھانا کھاتے تھے اور نہ گھر کے دوسرے افراد کو کھانا شروع کرنے دیتے تھے۔ دستر خوان پر آپ ﷺ کی موجودگی ایسی بابرکت ہوتی تھی کہ گھر کے سب افراد سیر ہو جاتے تھے اور پھر بھی کھانا بچ رہتا تھا۔ اگر گھر کے لوگوں کو کبھی حضور ﷺ کے بغیر کھانے کا اتفاق ہوتا خواہ الگ الگ یا مِل کر، تو کوئی بھی شکم سیر نہ ہوتا۔ جناب ابو طالب حضور ﷺ پر اس قدر شفیق تھے کہ آپ ﷺ کو اپنے ساتھ اپنی مَسنَد پر بٹھاتے تھے۔ کوئی دوسرا ان کی مَسنَد پر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

چچی کی شفقت کا یہ عالَم تھا کہ وہ حُضور ﷺ کو اپنے بیٹوں (طالب، عقیلؓ، جعفرؓ اور علیؓ) پر بھی ترجیح دیتی تھیں۔ ابو طالب جب دعوت کرتے تو گھر کے دوسرے افراد کے ساتھ حضور ﷺ

---

1. زبیر بن عبد المُطّلِب بھی حُضور ﷺ کے حقیقی چچا تھے۔ حضور ﷺ کے والد جناب عبد اللہ، جناب ابو طالب اور زبیر تینوں ایک ہی ماں فاطمہ بنت عمرو (بن عائذ بن عبد بن عمران بن مخزوم) سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جناب عبد اللہ کو اپنے بھائی ابو طالب سے غیر معمولی محبت تھی اسی لیے جناب عبد المُطّلِب نے جناب ابو طالب کو ننھے حضور ﷺ کے حفظ وصِیانت کی وصیت کی۔ (ابنِ ہشام، ابنِ سعد۔ مدارج)

2. طالب آنحضور ﷺ کے تقریباً ہم عمر تھے کہا جاتا ہے کہ ان کو حُضور ﷺ سے دلی مُحبّت تھی۔ ۲ھ میں غزوۂ بدر کے موقع پر بادلِ ناخواستہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے کفار کے ساتھ چلے گئے تھے لیکن وہاں پہنچ کر ایسے مفقود الخبر ہوئے کہ پھر کبھی ان کا پتا نہ چلا۔ نہ وہ لڑائی میں شریک ہوئے نہ مقتولوں یا زخمیوں میں ملے اور نہ مکہ واپس پہنچے۔ (سیرتِ سرورِ عالم ﷺ جلد اوّل) مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی تالیف ''المرتضیٰ'' میں محمد بن بکر تلمسانی المعروف بالبرّی (متوفی ۶۸۱ھ) کی تالیف ''الجوہرۃ فی نسب النبی ﷺ واصحابہ العشرۃ'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''طالب بدر سے بغیر لڑے مکہ واپس آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی مدح (نعت) میں چند شعر اور ایک قصیدہ کہا۔'' لیکن دوسری کسی روایت سے طالب کے مکہ واپس آنے کی تصدیق نہیں ہوتی۔ خود مولانا ابوالحسن علی نے ''المرتضیٰ'' میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک روایت کے مطابق طالب کہیں باہر گئے تھے واپس نہیں آئے اور ان کی کوئی خبر نہیں ملی۔ وہ ان لوگوں میں تھے جو کسی سفر میں راستہ بھٹک گئے تھے۔ (واللہ اعلم بالصّواب۔ المرتضیٰ ص ۴۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی اس میں شریک ہوتے۔ بعض اوقات بچوں میں معصومانہ چھین جھپٹ ہو جاتی تو حضور ﷺ ہاتھ روک کر بیٹھ جاتے (چھین جھپٹ میں کبھی شریک نہ ہوئے) چچی کو آپ کا بھوکا رہنا گوارا نہ تھا۔ وہ آپ ﷺ کے لیے کھانے میں سے کچھ بچا کر الگ رکھ لیتیں اور بعد میں جب آپ ﷺ اکیلے ہوتے تو آپ ﷺ کو دیتیں۔ (مستدرک حاکم)

حضور ﷺ نے اپنی چچی کی محبت اور شفقت کو ہمیشہ یاد رکھا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ کی وفات کے بعد یہی (فاطمہ بنتِ اسد) میری ماں تھیں۔[1]

جناب ابو طالب کا حضور ﷺ سے بے پایاں محبت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کو آپ کے مبارک اور سعید ہونے پر یقینِ کامل تھا۔ ابنِ عساکر نے جلہمہ بن عرفطہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ کے بچپن میں ایک دفعہ مکہ میں خشک سالی کی وجہ سے سخت قحط پڑ گیا۔ قریش کے لوگ ابو طالب کے پاس آئے اور اُن سے درخواست کی کہ چلیے، حرم شریف میں جا کر بارش کے لیے دعا کریں۔ ابو طالب حضور ﷺ کو ساتھ لے کر حرم شریف میں پہنچے اور حضور ﷺ کی پشتِ مبارک کعبہ کی دیوار سے لگا کر آپؐ کے توسّل سے بارش کے لیے دعا کی حضور ﷺ نے بھی اپنی انگشتِ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی۔ اُس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا تک نہ تھا لیکن دعا مانگتے ہی ہر طرف سے بادل اُمنڈ آئے اور ایسی مُوسلا دھار بارش ہوئی کہ جل تھل ایک ہو گئے اور اس بارانِ رحمت کے نتیجے میں قحط سالی دور ہو گئی۔

اس واقعہ کے تقریباً چھتیس سال بعد جب مشرکینِ قریش دعوتِ حق کے جواب میں رحمتِ عالم ﷺ اور آپ کے صحابہ کے درپے آزار تھے، جناب ابوطالب نے آپ کی مدح میں بیاسی اشعار کا ایک قصیدہ کہا جس کے ایک شعر میں مذکورہ واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ شعر یہ تھا۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

"وہ گورے چٹے (خوبصورت) ہیں ان کے روئے انور کے توسّل سے بارانِ رحمت طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں کے کفیل اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔"

(صحیح بخاری باب سوال الناسِ الامام الاستقا۔ ابن ماجہ۔ باب ماجاء فی صلوٰۃ الاستقاء)

---

[1] حضرت فاطمہ بنتِ اسد رضی اللہ عنہا کو قبولِ اسلام اور ہجرت کا شرف حاصل ہوا انہوں نے ہجرت کے بعد وفات پائی تو حضور ﷺ نے اپنا کُرتا اتار کر ان کو اس کا کفن دیا اور ان کی قبر میں اتر کر کچھ دیر لیٹے۔ صحابہؓ نے وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابو طالب کے بعد ان سے بڑھ کر کسی نے میرے ساتھ عمدہ سلوک نہیں کیا۔ میں نے اپنا کُرتا ان کو اس لیے پہنایا کہ جنّت میں ان کو صلہ ملے اور قبر میں اس لیے لیٹا کہ شدائد قبر میں کمی واقع ہو۔ (اُسد الغابہ لابنِ اثیرؒ جلد۵ ص ۵۱۷)

☆ حافظ ابنِ حجرؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ نہایت صالحہ خاتون تھیں۔ نبی ﷺ ان کو دیکھنے کے لیے تشریف لاتے اور ان کے گھر میں آرام فرماتے تھے۔ (الاصابہ جلد ۸ ص ۱۶۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضور ﷺ کا بکریاں چرانا:

رسول اکرم ﷺ ایک مرتبہ اپنے جاں نثاروں کی ایک جماعت کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ایک جنگل سے گزر ہوا تو فاقہ کش صحابہؓ پیلو کے درختوں سے ان کا پھل توڑ کر کھانے لگے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا، جو پھل سیاہ ہو گئے ہوں وہ توڑو کیونکہ پیلو کے سیاہ پھل زیادہ لذیذ ہوتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا۔ فرمایا:

''میرا یہ اس زمانے کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔'' (طبقات ابن سعد)

اس روایت کے علاوہ کچھ اور روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے بچپن میں بکریاں چرائی ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ میں نے بھی اہلِ مکہ کی بکریاں چند قراریط پر چرائی ہیں (بروایتِ دیگر قراریط میں چرائی ہیں) [1]

حضور ﷺ نے کتنے عرصہ بکریاں چرائیں اور کس عمر میں چرائیں؟ اس سوال کا کوئی حتمی جواب تو نہیں دیا جا سکتا البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے زیادہ طویل عرصہ تک یہ کام نہیں کیا اور جتنا عرصہ کیا وہ بھی بعثت بلکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رشتۂ ازدواج قائم ہونے سے قبل کیا۔ اب رہی اُس زمانے میں آپ ﷺ کی عمر مبارک کی بات، تو اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے اُس وقت بکریاں چرائیں جب آپ ﷺ بہت کم سن تھے اور بی بی حلیمہؓ کے پاس بنو سعد میں پرورش پا رہے تھے۔ صورتِ واقعہ اس طرح تھی کہ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی (بی بی حلیمہؓ کے بیٹے جن کی عمر آپ ﷺ سے زیادہ تھی) اپنی بکریاں چرانے جنگل کی طرف جاتے تھے تو ننھے حضور ﷺ بھی ان کے ساتھ ہو لیتے تھے۔ اسے حقیقی معنوں میں ''آپ ﷺ کا بکریاں چرانا'' نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بکریاں چرانے کی ذمہ داری آپ ﷺ کے رضاعی بھائیوں کی ہوتی تھی البتہ آپ ﷺ جب مکہ میں جناب ابوطالب کے زیرِ کفالت تھے اُس وقت آپ ﷺ نے ضرور (اپنی ذمہ داری پر) بکریاں چرائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ بکریاں چرانے کے زمانے میں حضور ﷺ کا سِن مبارک بارہ سال کا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق اس وقت آپ ﷺ کا عنفوانِ شباب تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

---

[1] قراریط کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ ایک دینار کے دسویں یا بیسویں حصے کو قِراط کہا جاتا ہے جس کی جمع قراریط ہے گویا حضور ﷺ چند قراریط کے عوض کچھ عرصہ اہلِ مکہ کی بکریاں چراتے رہے ہیں۔ دوسرے معنی یہ بیان کیے جاتے ہیں کہ قراریط ایک مقام کا نام تھا جو مکہ کے نواح میں مشہور مقام اَجیاد کے قریب واقع تھا۔ (سیرتِ سرورِ عالم ﷺ ج ۲ بحوالہ ابراہیم الحربی، ابنِ جوزیؒ۔ علامہ عینیؒ)

☆ اگر قراریط کو اجرت یا محنتانہ قرار دیا جائے تو یہ بھی کوئی عیب کی بات نہیں۔ یہ تو جفاکشی کی اُس تعلیم کا ایک حصہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو دی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاکیزہ بچپن، مثالی لڑکپن:

نیک نام مشاہیرِ عالم کے سوانحِ حیات پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے بیشتر بچپن ہی میں ایسے اوصاف و خصائل کے مالک تھے جو انہیں دوسرے بچّوں سے ممتاز کرتے تھے۔ گویا وہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کا مصداق تھے۔ یہ تو ان لوگوں کا حال تھا جنہوں نے آگے چل کر قوم ملک یا نوعِ انسانی کے فائدے کے لیے کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دیا لیکن خَاتَم النَّبِیّن محبوبِ رَبُّ العالمین ﷺ کے بچپن اور لڑکپن کا معاملہ تمام مشاہیرِ عالم سے یکسر جداگانہ تھا۔ آپ ﷺ کو آگے چل کر سارے جہانوں کی رہبری اور رہنمائی کر کے ان کے لیے رحمت اور انسانیت کے محسن بننا تھا اس لیے آپ ﷺ کی ابتدائی زندگی کو غیر معمولی اوصاف و خصائل کا حامل ہونا چاہیے تھا اور فی الحقیقت وہ ایسی ہی تھی۔ حضور ﷺ اپنے بچپن اور لڑکپن میں نہایت پاکیزہ بلکہ بے مثل اوصاف و اخلاقِ حَسَنہ کے مالک تھے۔ آپ ﷺ کے اردگرد ہر طرف قِسم قِسم کی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں لیکن آپ ﷺ نے اپنے ماحول کا ذرّہ برابر اثر قبول نہیں کیا تھا۔ ہر قسم کی برائیوں سے آپ دُور رہتے تھے۔ بُت پرستی سے شدید نفرت کرتے تھے۔ بتوں پر چڑھاوے کا کھانا اور ان پر قربان کیے گئے جانوروں کا گوشت کھانے سے صاف انکار کر دیتے تھے۔ طبیعت میں شوخی اور ضد نام کو نہ تھی بلکہ نرم مزاجی، شرافت، شرم وحیا، متانت، استغناء اور مخلوقِ خدا کے ساتھ ہمدردی میں آپ ﷺ اپنی مثال آپ تھے۔ کھیل تماشوں اور میلوں ٹھیلوں سے آپ ﷺ کو مطلق کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جس زمانے میں مکّہ کے نواح میں بکریاں چَراتے تھے، ایک دفعہ رات کو دل میں مکّہ شہر کی رونق دیکھنے کی معصومانہ خواہش پیدا ہوئی۔ بکریوں کی نگرانی اپنے ساتھی لڑکے کے سپرد کی اور شہر کی طرف چلے۔ شہر میں داخل ہوتے ہی ایک گھر سے گانے بجانے کی آوازیں سنیں۔ لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہاں کسی کی شادی ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ اُس گھر کے قریب بیٹھ گئے خدا کی قدرت یکا یک آپ ﷺ پر نیند کا غلبہ ہوا اور آپ ﷺ گہری نیند سو گئے یہاں تک کہ دن نکل آیا اور دھوپ کی گرمی سے آپ ﷺ کی آنکھ کھُلی۔ بیدار ہوتے ہی آپ ﷺ بکریوں کے پاس واپس چلے گئے۔ دوسرے دن آپ ﷺ پھر یہ تماشا دیکھنے گئے مگر اُس دن بھی جب آپ ﷺ اس جگہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ پر پھر نیند کا غلبہ ہوا اور آپ ﷺ دن نکلتے تک سوتے رہے۔ بروایتِ دیگر پہلے واقعہ کے بعد پھر ایک رات آپ ﷺ مکّہ شہر کی رونق دیکھنے گئے تو پہلے جیسا واقعہ ہی پیش آیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو گانے بجانے (یا داستان گوئی) کی محفل میں شریک ہونے سے بچالیا۔ گویا خود حافظِ حقیقی نے آپ ﷺ کی عصمت وطہارت کا اہتمام کیا۔ اس کے بعد عمر بھر کبھی اس طرح کی خواہش دل میں پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس قسم کا خیال تک نہ آیا۔ (الروض الاُنُف جلد۲ ص ۱۱۲)

آنحضور ﷺ کے بچپن کے زمانہ میں ایک دفعہ مکّہ میں زبردست سیلاب آیا چونکہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیت اللہ شریف بہت نشیب میں واقع ہے اس کو سیلاب کی وجہ سے بہت نقصان پہنچا۔ قریش نے اس کی مُرمّت کا اہتمام کیا۔ اس سلسلے میں وہ پتھر ڈھوڈھو کر لا رہے تھے۔ ان میں حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے چچا عباسؓ بھی شامل تھے حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ سے کہا، اپنا تہبند اپنے کندھوں اور گردن پر رکھ لو تا کہ پتھر کندھے رگردن پر رکھنے سے تکلیف نہ ہو۔ آپ ﷺ نے ایسا کیا ہی تھا کہ آپ ﷺ بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑے اور آنکھیں آسمان کی طرف چڑھ گئیں۔ جب غشی ذرا دور ہوئی تو فرمایا: ''میرا تہبند، میرا تہبند'' پھر جونہی تہبند ہاتھ میں آیا اسے فوراً باندھ لیا۔''[1] (صحیح بخاری ابواب المناقب باب ایام الجاہلیۃ و باب بنیان الکعبہ)

بعض اربابِ سِیَر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنا تہبند برہنگی کی حد تک نہیں کھولا تھا۔ اس سے پہلے ہی آپ ﷺ پر بیہوشی طاری ہوگئی تھی۔

''سیرۃ ابنِ ہشام'' میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لڑکپن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

> ''میں نے اپنے آپ کو قریش کے لڑکوں میں پایا جو لڑکپن کے بعض کھیلوں کے لیے پتھر اٹھاتے تھے ان میں سے ہر ایک لڑکے نے اپنی اِزار اٹھا کر گلے میں باندھ رکھی تھی یوں وہ سب برہنہ ہوگئے تھے۔ میں بھی ایسا کرنے لگا تھا کہ کسی نے مجھے ایک گھونسا (مُکّا) مارا اور کہا، اپنی اِزار باندھو۔ چنانچہ میں نے اپنی ازار باندھ لی۔ پھر پتھر گردن پر اٹھانے لگا اور میرے تمام ساتھیوں میں صرف میری ہی اِزار بندھی ہوئی تھی۔''

(سیرۃ النبی ﷺ کامل ابنِ ہشام اردو حصہ اول ص ۲۰۸)

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو بچپن ہی میں عریانی سے روک دیا گیا تھا۔

اس طرح کے اور بہت سے واقعات کُتبِ حدیث وسیرت میں ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا بچپن اور لڑکپن حقیقی معنوں میں انتہائی پاکیزہ اور بے داغ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یوں بھی آپ ﷺ کو نورانی فطرت عطا فرمائی تھی اور نعوذ باللہ آپ ﷺ کے کسی غلط کام میں (جو آپ ﷺ کی شان اور رُتبہ کے مطابق نہ ہوتا) مُلوّث ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن نیرنگیٔ زمانہ سے اگر کوئی ایسا موقع آ ہی گیا جس میں آپ ﷺ کے دامنِ عصمت وطہارت پر کوئی بدنما دھبہ پڑنے کا ذرا سا خطرہ بھی پیدا ہوا تو ربِّ ذوالجلال وَالاِکرام نے خود آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی اور اس خطرے کی زد میں آنے سے صاف بچالیا۔

---

[1] بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آنحضور ﷺ کی بعثت سے پانچ سال پہلے کا ہے۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمرِ مبارک ۳۵ برس کی تھی لیکن قرائن اور بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کے بچپن کا ہے۔ بخاری ہی کی ایک اور روایت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شام کا پہلا سفر:

جناب ابو طالب قریش کے دوسرے لوگوں کی طرح تجارت پیشہ تھے۔ ایک مرتبہ وہ اسی سلسلے میں ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام جانے لگے۔ ابنِ جریر طبریؒ کے بیان کے مطابق اس وقت رسولِ اکرم ﷺ کی عمر تقریباً نو سال کی تھی لیکن ابنِ سعدؒ، ابن الجوزیؒ اور بعض دوسرے مؤرخین اور سیرت نگاروں نے بارہ سال یا اس سے کچھ اوپر عمر بتائی ہے۔ ابو طالب گھر سے چلنے لگے تو حضور ﷺ اُن سے لپٹ گئے اور اصرار کیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ چنانچہ ابو طالب نے یہ کہہ کر حضور ﷺ کو اپنے ساتھ لے لیا:

''خدا کی قسم میں نہ اسے جُدا کروں گا نہ اس سے جُدا ہوں گا۔''

تاریخی اعتبار سے اس سفر کی صرف اتنی اہمیت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ پہلی مرتبہ اپنے مُلک (وطن) سے باہر تشریف لے گئے لیکن بعض روایتوں کی بناء پر جو عام سیرت نگاروں کے یہاں بہت معروف ہیں، اس سفر کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوگئی ہے متعدد محقق علماء اور ناقدین نے ان روایتوں کو متن اور سَنَد کے اعتبار سے مشکوک قرار دیا ہے ان روایتوں میں جو قِصّہ بیان کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

بَحیرا راہب کا قِصّہ:

ابوطالب کا تجارتی قافلہ جب شام کے شہر بُصریٰ پہنچا تو وہ ایک عیسائی راہب کے صومعے (عبادت گاہ) کے قریب ٹھہرا۔ اس عیسائی راہب کا نام بَحیرا تھا (مختلف روایتوں میں اس کا نام مختلف طریقوں سے قلمبند کیا گیا ہے کسی میں بَحیریٰ کسی میں بَحیرَہ اور کسی میں بُحیرَہ ہے)۔ بحیرا کبھی اپنے صومعہ سے باہر نہیں نکلتا تھا اور نہ اس نے کبھی کسی قافلے پر توجہ دی تھی حالانکہ قریشِ مکّہ کے تجارتی قافلے پہلے بھی وہاں قیام کیا کرتے تھے۔ اس مرتبہ وہ خلافِ معمول صومعہ سے باہر نکل کر اہلِ قافلہ کے پاس آیا اور ان کو کھانے کی دعوت دی۔ دعوت کے وقت سب قافلے والے گئے مگر حضور ﷺ کو کم سِنی کے باعث اپنے سامان کی نگرانی کے لیے پڑاؤ میں چھوڑ گئے۔ بحیرا نے ان سے پوچھا، کیا سب لوگ آ گئے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ایک لڑکے کو ہم پڑاؤ میں چھوڑ آئے ہیں۔ بحیرا نے کہا کہ اسے بھی لاؤ۔ چنانچہ ایک آدمی دوڑا گیا اور حضور ﷺ کو اپنے ساتھ لے آیا۔ بحیرا آپ ﷺ کو دیر تک بغور دیکھتا رہا پھر آپ ﷺ سے کہا ''میاں لڑکے میں تم کو لات اور عُزّیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جو کچھ میں پوچھوں اس کا جواب دو۔''

حضور ﷺ نے فرمایا:

''مجھے لات وعُزّیٰ کی قسم نہ دو میں ان سے سخت نفرت کرتا ہوں۔''

بحیرا نے کہا ''اچھا تو اللہ کے واسطے تم میرے سوالوں کے جواب دو۔''

آپ ﷺ نے فرمایا، جو چاہو پوچھو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد بحیرا نے آپ ﷺ کے ذاتی اور خاندانی حالات سے متعلق متعدد سوالات آپ ﷺ سے پوچھے۔ آپ ﷺ نے سب کے جواب دیے۔ پھر جب اسے ابو طالب کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ یہ لڑکا ان کا بھتیجا ہے اور یہ ابھی بطنِ مادر ہی میں تھا کہ اس کا والد فوت ہو گیا تھا تو بحیرا نے ان سے کہا، اپنے بھتیجے کو اپنے وطن واپس لے جاؤ اور یہودیوں سے اس کی خاص طور پر حفاظت کرو کیونکہ آگے چل کر یہ بڑے رتبے اور شان کا مالک ہوگا۔ اگر یہودیوں نے اس کے عظیم رتبے اور شان کی نشانیاں پہچان لیں تو ڈر ہے کہ وہ اس کو نقصان پہنچائیں گے۔ چنانچہ ابو طالب نے جلدی جلدی بُصریٰ ہی میں اپنا تجارتی مال فروخت کیا اور حضور ﷺ کو بحفاظت مکّہ واپس لے آئے۔

اس سلسلے کی بعض روایتوں میں یہ اضافہ ہے کہ بحیرا راہب دینِ مسیحی کا بہت بڑا عالم تھا اور اس نے تورات اور انجیل میں پیغمبرِ آخر الزمان ﷺ کی نشانیاں پڑھی ہوئی تھیں۔ اس نے حضور ﷺ کی پشتِ مبارک سے کپڑا اٹھا کر ابو طالب اور ان کے ساتھیوں کو مُہرِ نبوّت دکھائی اور ان کو بتایا کہ یہ بچہ سید المرسلین اور سیّد العالمین ہے اور اللہ مستقبل قریب میں اس کو رحمۃٌ للعٰلمین بنا کر مبعوث کرنے والا ہے۔ اُس سے پوچھا گیا کہ تمہیں یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟ اس نے کہا جب تم اس گھاٹی سے اتر رہے تھے تو کوئی درخت اور پتھر ایسا نہ تھا جو سجدہ میں نہ پڑا ہو اور یہ ایک نبی کے سوا کسی کے لیے سجدہ ریز نہیں ہوتے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر شجر و حجر آپ ﷺ کو "السّلامُ علیکَ یا رسولَ اللہ کہہ رہا تھا اور جب یہ بچہ اونٹوں کو باندھ کر اس درخت کی طرف آ رہا تھا تو بادل کے ایک ٹکڑے نے اس پر سایہ کر رکھا تھا۔ اسی دوران میں سات رومی حضور ﷺ کو شہید کرنے کی نیت سے بحیرا کے صومعے پر پہنچے۔ بحیرا نے ان سے پوچھا، تمہارے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ عربی نبی ماہِ رواں کے دوران میں ادھر آنے والا ہے اس لیے تمام راستوں پر پہرے بٹھا دیے گئے ہیں اور ہمیں بھی یہ حکم دے کر اس راستے کی طرف بھیجا گیا ہے کہ عربی نبی کو جہاں بھی پائیں وہیں قتل کر ڈالیں۔ بحیرا نے انہیں سمجھایا کہ اللہ جس کام کے کرنے کا ارادہ کر لے اسے کوئی شخص نہیں روک سکتا، تم اپنے ارادے سے باز آ جاؤ رومیوں پر بحیرا کی نصیحت کا بہت اثر ہوا اور وہ نہ صرف اپنے ارادے سے باز آ گئے بلکہ ہمیشہ کے لیے بحیرا کے صومعے میں سکونت اختیار کر لی۔

(ترمذیؒ، ابنِ ہشامؒ، ابنِ کثیرؒ، طبریؒ، بیہقیؒ فی الدّلائل، حاکمؒ، ابنِ عساکرؒ، سہیلیؒ، ابو نُعیمؒ، ابنِ ابی شیبہؒ ان میں سے ہر ایک نے پورا قصہ یا اس کا کچھ حصہ بیان کیا ہے۔)

عام مسلمانوں میں یہ قصہ اس لیے معروف و مقبول ہو گیا کہ اسے بہت سے محدثین اور اہلِ سِیَر نے اپنی کتابوں میں درج (نقل) کیا ہے اور اس سے ہمارے رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت اور شان ظاہر ہوتی ہے کہ آپ ﷺ بچپن ہی سے نبیِّ آخر الزّمان کی حیثیت سے پہچانے گئے، آپ ﷺ کے لیے شجر و حجر سجدہ ریز ہو گئے اور بادل آپ ﷺ پر سایہ کرنے لگے۔ دوسری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف مستشرقین نے اس قصے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ توحید اور دوسرے حقائق و معارف آپ ﷺ نے ایک عیسائی راہب (بحیرا) سے سیکھے اور انہی پر عقائدِ اسلام کی بنیاد رکھی۔ ایک فرانسیسی مستشرق کارا ڈی واکس (Carra De Veaux) تو اس حد تک چلا گیا کہ اس نے اس موضوع پر ایک پوری کتاب لکھ دی جس کا نام "مصنّفِ قرآن" رکھا اور اس میں یہ نامعقول اور مضحکہ خیز دعویٰ کیا کہ پورا قرآن محمّد (ﷺ) کو بحیرا نے (اُس مختصر ملاقات میں) املا کرایا۔

جو مسلمان اس پورے قصے کو یا اس کے بعض اجزا یا کسی ایک حصے کو صحیح سمجھتے ہیں اسے اُن کے حُسنِ اعتقاد یا حُسنِ نیت پر محمول کیا جا سکتا ہے اور جو اسے روایتاً اور درایتاً دونوں لحاظ سے ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں اُن کے بڑے بڑے دلائل یہ ہیں۔

(۱) بحیرا راہب والی روایت جسے امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں درج کیا ہے، اس کے سلسلۂ اسناد میں ایک راوی عبد الرحمٰن بن غزوان ہیں۔ ان کو اکثر علماءِ رجال نے ثِقہ کہا ہے لیکن امام ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال" میں لکھا ہے کہ وہ منکر حدیثیں بھی بیان کر دیا کرتے تھے اور سب سے بڑی منکر وہ روایت ہے جس میں بحیرا کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح امام حجر عسقلانیؒ نے "تہذیب التہذیب" میں لکھا ہے کہ عبد الرحمٰن بن غزوان کبھی کبھی خطا کر جایا کرتے تھے۔

(۲) امام ترمذیؒ نے خود اس روایت کو حَسَنِ غریب قرار دیا ہے جبکہ حسن کا درجہ صحیح سے کم اور غریب کا کمتر ہوتا ہے۔

(۳) اس واقعہ کے راویٔ اوّل حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہیں۔ نہ یہ واقعہ ان کے سامنے پیش آیا، نہ انہوں نے کسی عینی شاہد کا حوالہ دیا ہے اور نہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ میں نے یہ واقعہ خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

(۴) اس روایت کے دوسرے تمام طُرق بھی مُرسَل ہیں۔ عینی شاہد کا کسی طریق میں نام نہیں لیا گیا۔

(۵) اس سلسلے کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ "بحیرا راہب کے اصرار پر ابوطالب نے رسولِ اکرم ﷺ کو ابوبکرؓ اور بلالؓ کے ساتھ واپس بھیج دیا حالانکہ حضرتِ ابوبکرؓ اُس وقت دس سال (بروایتِ دیگر ے سال) کے ہوں گے۔ اور بلالؓ شاید اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے یا بہت ہی چھوٹے تھے۔ ایک نَو یا بارہ سال کے لڑکے کو اس سے بھی چھوٹے لڑکوں کی حفاظت میں بھیجنا خلافِ عقل بات ہے۔

(۶) اس سلسلے کی تمام روایتوں میں اور بھی کئی تضادات پائے جاتے ہیں جو اس کو غیر معتبر بنا دیتے ہیں۔

اب رہی اس قصے کی بنیاد پر مستشرقین کی بکواس تو اس کے بارے میں مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی گرانقدر تالیف "نبیِ رحمت ﷺ" میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اگر بحیرا ی راہب سے ملاقات کا واقعہ صحیح بھی تسلیم کیا جائے تب بھی کوئی سمجھ دار اور عاقل شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہیں اور اس میں انصاف کا کوئی ذرّہ موجود ہے اس بات پر غور کرنے کا بھی روادار نہ ہوگا۔ یہ بات کس کی عقل میں آ سکتی ہے کہ ایک کم سن بچہ جس کی عمر سب سے زیادہ صحیح روایت کے مطابق نو سال اور زیادہ سے زیادہ بارہ سال بتائی گئی ہے، ایک ایسے سن رسیدہ شخص سے جس کی زبان سے بھی وہ آشنا نہیں اور جس کو صرف ایک وقت کے کھانے پر ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا ہے، ایسے دقیق واہم مسائل اور نازک تفصیلات پر تبادلۂ خیالات کرے گا اور چھٹی صدی عیسوی میں عیسائیت کے منسوخ شدہ مشرکانہ عقائد و خیالات کی اُن باریکیوں سے آگاہ ہو جائے گا جہاں تک پروٹسٹنٹ مذہب کے بڑے بڑے پادریوں اور عالموں کی رسائی نہ ہو سکی۔ پھر تیس چالیس سال کے بعد (جب بحیرا ی راہب کی ہڈیاں بھی خاک میں مل چکی ہوں گی) قرآن کی شکل میں مرتب کر کے پیش کر دے گا؟ یہ بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو تعصب نے اندھا کر دیا ہو یا خیال آرائی اور فرضی و وہمی باتوں کی اس کو عادت پڑ چکی ہو۔'' (نبیِ رحمت حاشیہ ص ۱۰۱۔۱۰۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حربِ فجار

حربِ فجار عربوں کے جاہلی دَور کی دوسری بے شمار باہمی لڑائیوں جیسی ایک لڑائی تھی جو بعثتِ نبوی ﷺ سے تقریباً بیس سال پہلے ہوئی۔ اس کے متحارب فریقوں میں ایک فریق قیس عیلان تھے (جن میں بنو ثقیف اور بنو ہوازن وغیرہ شامل تھے) دوسری طرف بنو کنانہ تھے (جن میں قریش بھی شامل تھے) قریش نے اس جنگ کو "حربِ فجار" اس لیے قرار دیا کہ یہ ذیقعدہ کے مہینے میں شروع ہوئی جو حُرمت والا مہینہ تھا اور جس میں لڑائی بھڑائی اور قتل و غارت کو "فُجور" (بدکاری، بدچلنی، گناہ) سمجھا جاتا تھا۔ [1]

سیرتِ نبویؐ کے سلسلے میں اس کا ذکر صرف اس لیے آتا ہے کہ یہ لڑائی حُضور ﷺ کے سامنے ہوئی۔ قریش کے سارے خاندانوں (بشمول بنی ہاشم) نے اس میں حصہ لیا۔ آنحضور ﷺ اسوقت بیس سال کے تھے (بقول ابنِ ہشام آپ ﷺ اس وقت ۱۴۔۱۵ سال کے تھے لیکن دوسرے مؤرخین اور سیرت نگاروں، ابنِ اسحاقؒ، ابنِ سعدؒ۔ بلاذریؒ، طَبریؒ وغیرہ نے اس جنگ کیوقت آپ ﷺ کا سن مبارک بیس سال ہی بتایا ہے۔) اس لڑائی میں قریش کی مجموعی قیادت حرب بن امیّہ کے ہاتھ میں تھی اور بنو ہاشم کے قائد آنحضور ﷺ کے بڑے چچا زبیر بن عبد المُطّلِب تھے۔ ان کے بھائی ابوطالب، حمزہؓ اور عباسؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھے لیکن آپ ﷺ نے کسی جنگی کارروائی میں حصہ نہیں لیا اور اگر حصہ لینا کہا جائے تو وہ صرف اتنا تھا کہ جو تیر دشمن کی طرف سے آتے تھے آپ ﷺ انہیں اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دے دیتے تھے۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ بعد میں حُضور فرمایا کرتے تھے کہ میں اس لڑائی میں اتنا حصہ بھی نہ لیتا تو بہتر ہوتا۔ علامہ سہیلیؒ کا بیان ہے کہ حُضور ﷺ چچاؤں کے ساتھ گئے تھے لیکن لڑائی میں آپ ﷺ نے عملاً کوئی حصہ نہیں لیا۔

یہ جنگ اس بات پر شروع ہوئی تھی کہ بنو ہوازن کے ایک سردار عُروۃُ الرَّحّال نے فرمانروائے حیرہ نعمان بن منذر کے تجارتی قافلے کو اپنی امان میں عُکاظ کے بازار (میلے) میں لے جانے کا ذمہ لیا۔ نعمان کے دربار میں بنو کنانہ کا ایک سردار بَرّاض بن قیس بھی موجود تھا۔ اس نے بھی نعمان کے تجارتی مال کو اپنی حفاظت میں عُکاظ پہنچانے کا ذمہ لیا۔ اس مسابقت میں عروہ

---

[1] عربوں میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانے سے یہ قاعدہ چلا آ رہا تھا کہ وہ سال کے چار مہینوں رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرّم کو اشہرِ حُرم یعنی حُرمت والے مہینے مانتے تھے اور ان میں ہر قسم کے جدال وقتال کو ممنوع سمجھتے تھے۔ رجب کو انہوں نے عمرے کے لیے، ذیقعدہ کو حج پر جانے کے لیے، ذوالحجہ کو مناسکِ حج ادا کرنے کے لیے اور محرّم کو حج سے واپس آنے کے لیے مختص کر رکھا تھا۔ گویا زمانۂ جاہلیت میں یہ چار مہینے امن و امان کے مہینے تھے۔ جس حربِ فجار کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اس سے پہلے بھی ایسی تین جنگیں ہو چکی تھیں اور یہ چوتھی حربِ فجار تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور برّاض میں سخت کلامی ہوگئی۔ برّاض نے عروہ کو للکار کر کہا، کیا تو بنی کنانہ کے مقابلے میں بھی تجارتی قافلے کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہے؟ عروہ بولا، او کُتّے بکواس نہ کر میں نہ صرف بنو کنانہ سے بلکہ تمام دنیا کے لوگوں سے اس مال کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ اس پر نعمان بن منذر نے اپنا تجارتی مال عروہ کی حفاظت میں دے دیا۔ اس وقت تو برّاض خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا لیکن اس نے موقع پا کر نجد کے بالائی علاقے میں عروہ کو قتل کر دیا اور سامان پر قبضہ کر لیا۔ عروہ کا قبیلہ بنو ہوازن قبیلہ قیس عیلان کا بطن تھا اور قریش کا تعلق بنو کنانہ سے تھا۔ عروہ کے قتل کی خبر پھیلی تو قریش جو عکاظ میں آئے ہوئے تھے فوراً حرم کی طرف روانہ ہوگئے لیکن قیس عیلان نے ان کو حدودِ حرم میں داخل ہونے سے پہلے جالیا اور دونوں فریقوں کے درمیان خونریز لڑائی شروع ہوگئی۔ دن بھر کی لڑائی کے بعد قریش حدودِ حرم میں پہنچ گئے اور لڑائی رک گئی۔ اس کے بعد کئی روز تک لڑائیوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ یعنی فریقین میں خونریز جھڑپیں ہوتی رہیں انہی ایام میں حضور ﷺ نے ان لڑائیوں یا جھڑپوں کو دیکھا۔ پھر یہ لڑائی اگلے سال (عکاظ کے میلے) تک ملتوی ہوگئی۔ اگلے سال عکاظ میں معرکے کا رن پڑا۔ بالآخر ایک سمجھوتے پر اس کا خاتمہ ہوا۔

حِلفُ الفُضُول:

حربِ فجار کے کچھ عرصہ بعد ۲۰ عام الفیل ہی کا ذکر ہے [1] کہ یمن کے قبیلہ زبید کا ایک شخص کچھ مالِ تجارت لے کر مکّہ آیا۔ اس سے مکّہ کے ایک سربرآوردہ سردار عاص بن وائل سہمی (حضرت عمروؓ فاتحِ مصر کے باپ) نے سارا مال خرید لیا لیکن قیمت ادا نہ کی۔ پردیسی سوداگر بنو مخزوم، بنو عبدالدار، بنو جمح، بنو عدی اور بنو سہم میں سے ایک ایک کے پاس جا کر داد خواہ ہوا لیکن عاص بن وائل کے اثر و اقتدار کی وجہ سے کسی نے اس کی مدد کرنے کی ہامی نہ بھری۔ بے چارہ ہر طرف سے مایوس ہو کر جبل ابو قبیس پر چڑھ گیا اور آلِ فہر کو مخاطب کر کے باآوازِ بلند اپنی مظلومی اور بے کسی کا رونا رویا۔ [2] اُس وقت تمام اعیانِ قریش بیت اللہ کے گرد جمع تھے۔ مظلوم تاجر کی فریاد سن کر رسولِ اکرم ﷺ کے چچا زُبیر بن عبد المُطّلب اٹھے اور کہا، اس مظلوم پردیسی کی فریاد رائیگاں نہیں جا سکتی۔ پھر انہوں نے بنو ہاشم، بنو مُطّلب، بنو اسد بن عبد العُزّٰی، بنو تیم اور بنو زُہرہ کو عبد اللہ بن جُدعان کے گھر میں جمع کیا [3] اس اجتماع میں رسولِ اکرم ﷺ بھی شریک تھے اس

---

[1] عام الفیل کے معنی ہیں ہاتھیوں کا سال یعنی وہ سال جس میں ابرہہ نے مکّہ پر چڑھائی کی تھی اس کے لشکر میں ہاتھی بھی شامل تھے چونکہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا اس کے بعد اہلِ عرب اسی سال سے تاریخوں کا حساب کرتے تھے۔

[2] قُریش کی تمام شاخیں فہر کی اولاد سے تھیں۔

[3] عبد اللہ بن جُدعان (بن عمرو بن کعب بن سعد بن تَیم) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس کی کنیت ابو زہیر تھی۔ اس کا شمار مکّہ کے مخیّر رئیسوں میں ہوتا تھا۔ وہ مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا، غلاموں کو آزادی دلاتا تھا اور مظلوموں کی مدد کرتا تھا۔ افسوس وہ دولتِ ایمان سے محروم رہا۔ ایک دفعہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ نے اس کے اعمالِ نیک کا ذکر کر کے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! اس کے یہ اعمال اس کو آخرت میں کچھ نفع دیں گے۔ آپ نے فرمایا، نہیں کیونکہ اس نے کبھی یہ دعا نہیں مانگی تھی کہ اے اللہ قیامت کے دن میرے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک بیس سال کی تھی اس اجتماع کے سب شُرکا نے کمزوروں اور مظلوموں کی حمایت اور مدد کا حلف اٹھایا اور عہد کیا کہ مکہ میں شہر کا یا باہر کا جو شخص بھی مظلوم ہوگا اس کی مدد کریں گے اور ظالم سے مظلوم کا چھینا ہوا حق اس کو واپس دلوا کر رہیں گے۔

اسکے بعد سب مل کر عاص بن وائل کے پاس گئے اور اس سے زبیدی کا مال واپس لے کر دیا۔

تاریخ میں یہ معاہدہ ''حلف الفضول'' کے نام سے مشہور ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے نزدیک یہ ایک بہت عمدہ معاہدہ تھا۔ ابنِ اسحٰقؒ نے امام زُہریؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں عبد اللہ بن جُدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک ہوا کہ اگر مجھے اس میں شریک ہونے کے معاوضہ میں سرخ رنگ کے (بیش قیمت) اونٹ بھی دیے جاتے تو میں ہرگز قبول نہ کرتا اور اس میں ضرور شریک ہوتا۔ اگر آج اسلام میں بھی مجھے اس قسم کے معاہدے میں شریک ہونے کی دعوت دی جائے تو میں اس پر لبیک کہوں گا۔'' (سیرۃ ابنِ ہشام)

حافظ ابنِ کثیرؒ کا بیان ہے کہ اس معاہدے کو ''حِلف الفضول'' کے نام سے شہرت ملنے کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ رسولِ اکرم ﷺ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

تَحَالَفُوْا اَنْ يَرُدُّوا الْفُضُوْلَ عَلٰى اَهْلِهَا وَاَلَّا يَعُدُّ الظَّالِمُ مَظْلُوْمًا۔

ترجمہ: انہوں نے اس بات پر آپس میں معاہدہ کیا کہ فضول کو اس کے حقداروں کی طرف لوٹائیں گے اور ظالم مظلوم پر زیادتی نہ کرنے پائے گا۔ (البدایہ والنہایہ جلد۲ص ۲۹۱)

''فضول کو اس کے حقداروں کی طرف لوٹانے'' کا مطلب بعض اربابِ سیر نے یہ بیان کیا ہے کہ جو فضل کسی ظالم نے زبردستی حقدار سے چھینا ہوا سے واپس دلایا جائے اور ظالم کو اسکے ظلم پر قائم نہ رہنے دیا جائے۔ (سیرۃ سرورِ عالم جلد دوم)

بظاہر ''فضل'' سے مراد کسی شخص کی جائز ملکیت ہے' مال جائداد یا کوئی اور چیز' یہ معاہدہ ذیقعدہ ۲۰ عام الفیل میں ہوا۔ (طبقات ابنِ سعد)

اس معاہدہ کے نام کی کچھ اور توجیہات بھی کی گئی ہیں [1] لیکن اس بحث سے قطع نظر سیرۃِ نبویؐ کے حوالے سے اس کی اہمیّت یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اسے بہت پسند فرمایا بلکہ آپؐ خود (بعثت سے پہلے) اس میں شریک ہوئے۔

گناہ بخشنا۔ (سیرۃ کبریٰ جلد اوّل، بحوالہ الروض الانف جلد اوّل صفحہ ۹۲)

[1] مثلاً یہ کہ سالہا سال پہلے بنو جرہم نے ایسا ہی معاہدہ کیا تھا۔ اس کے تین داعیوں کے نام میں فضل آتا تھا اور وہ فضل بن فضالہ، فضل بن وداعہ اور فضل بن حارث تھے اس لیے قریش نے اسے حِلفُ الفُضُول کا نام دیا (ابنِ قتیبہ) ایک قول یہ بھی ہے کہ اس معاہدے کے مخالفین نے اسے فُضُول (بیکار) قرار دیا اور کہا کہ ایسا معاہدہ کرنا ان کے فرائض میں داخل نہیں ہے۔ (نبیِ رحمت بحوالہ سیرت ابنِ کثیر وغیرہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاکیزہ جوانی

جس طرح آنحضور ﷺ کا بچپن اور لڑکپن نہایت پاکیزہ اور بے داغ تھا اسی طرح آپ ﷺ کی جوانی بھی انتہائی پاکیزہ اور مثالی تھی۔ مکّہ کے دُرِّ یتیم ﷺ کی شرافت، راست گفتاری، دیانت وامانت، پاکبازی، عقلمندی، حلم و وقار، خدمتِ خلق اور خوش خُلقی کا چرچا مکّہ کے گھر گھر میں پھیل چکا تھا۔ آپ ﷺ کے مکارمِ اخلاق نے چھوٹے بڑے امیر غریب ہر ایک کا دل موہ لیا تھا اور ہر شخص کی نظروں میں آپ ﷺ کو نہایت معزّز اور محبوب شخصیت بنا دیا تھا۔ سب لوگ آپ ﷺ کو صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ قریش کے بڑے بڑے جہاندیدہ سردار بھی آپ ﷺ کی دانائی اور صِدق و دیانت کے معترف اور مداح تھے۔ ''حربِ فجار'' اور ''حِلفُ الفضول'' جن کا ذکر پیچھے آیا ہے، حضور ﷺ کے عنفوانِ شباب ہی کے واقعات ہیں۔

بی بی خدیجہؓ کی پیشکش:

حُضور ﷺ عُمر کی پچیسویں منزل طے فرما رہے تھے کہ آپ ﷺ کو بی بی خدیجہؓ بنتِ خویلد (بن اَسد بن عبد العُزّٰی بن قصیؔ) کی طرف سے پیغام ملا کہ ''آپ کاروبارِ تجارت میں میرا ہاتھ بٹائیں وہ یوں کہ میرا سامانِ تجارت شام لے جایا کریں، میں دوسروں کو جو معاوضہ دیتی ہوں آپ کو اس سے زیادہ (بروایتِ دیگر دوگنا) دوں گی۔'' بی بی خدیجہ کا تعلق قریش کے خاندان بنی اَسد بن عبد العُزّٰی سے تھا۔ (قصیؔ پر ان کا سلسلۂ نسب حضور ﷺ کے سلسلۂ نسب سے مل جاتا ہے)۔ وہ ایک مالدار بیوہ خاتون تھیں اور اپنی پاکیزہ سیرت کی بناء پر طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ اپنے اعلیٰ اخلاق اور فہم و فراست کی بدولت وہ اہلِ مکّہ کے نزدیک نہایت قابلِ احترام شخصیت تھیں۔ ان کی پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی تھی۔ ان سے دو لڑکے ہوئے ہالہ اور ہند۔ ابوہالہ کی وفات کے بعد ان کا نکاحِ ثانی عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا۔ ان سے بھی ایک لڑکی ہند پیدا ہوئی۔ کچھ عرصہ کے بعد عتیق کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد خدیجہ بیوگی کی زندگی گزار رہی تھیں۔ ان کے والد خویلد بن اسد ایک کامیاب تاجر تھے۔ ضعفِ پیری کی وجہ سے وہ اپنی وسیع تجارت کے انتظام سے قاصر ہو گئے تو سارا کاروبار اپنی لائق اکلوتی بیٹی خدیجہ کے سپرد کر دیا اور خود گوشہ نشین ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد وہ فوت ہو گئے (یا بروایتِ دیگر حربِ فجار میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مارے گئے) اور ان کے بھائی عمرو بن اسَدَ بی بی خَدیجہ کے سرپرست بن گئے۔ بی بی خَدیجہ نے اپنا کاروبارِ تجارت بطریقِ احسن جاری رکھا ان کی تجارت ایک طرف شام تک اور دوسری طرف یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسے چلانے کے لیے انہوں نے بہت سے ملازم رکھے ہوئے تھے کچھ عرصہ سے وہ ایک ایسے قابل اور دیانتدار آدمی کی تلاش میں تھیں جس کی سرکردگی میں اپنے ملازمین کو تجارتی قافلوں کے ساتھ بھیجا کریں جب انہیں حضور ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کا علم ہوا تو آپ ﷺ کو وہ پیغام بھیجا جس کا اوپر ذکر آیا ہے۔

حضرت خَدیجہؓ کے ساتھ تجارت میں شرکت:

آنحضور ﷺ نے جناب ابو طالب کے مشورہ یا ایماء پر بی بی خَدیجہؓ کی پیشکش قبول فرمالی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جناب ابو طالب خود بی بی خدیجہ کے پاس گئے اور ان کو ترغیب دی کہ وہ اپنے تجارتی کاروان بھیجنے کے لیے محمدؐ (ﷺ) سے معاملہ کرلیں۔ بی بی خَدیجہ کو حضور ﷺ کے پاکیزہ اخلاق اور ستودہ صفات کا علم ہو چکا تھا۔ انہوں نے بخوشی جناب ابوطالب کی بات مان لی اور اپنا کاروانِ تجارت جو بالکل تیار تھا، شام لے جانے کے لیے حضور ﷺ کے سپرد کردیا۔ حضور ﷺ قافلہ لے کر ملّہ سے روانہ ہونے لگے تو بی بی خدیجہ نے اپنا غلام خاص میسرہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ کردیا اور اسے تاکید کی کہ اثنائے سفر میں حضور ﷺ کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ یہ سفر ۱۵ یا ۱۶ ذالحجہ ۲۵ھ عام الفیل کو شروع ہوا۔ اثنائے سفر میں آنحضور ﷺ نے میسرہ اور دوسرے ملازموں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا کہ ہر ایک آپ ﷺ کا مدّاح بلکہ جاں نثار بن گیا۔ شام پہنچ کر حضور ﷺ کی معاملہ فہمی، سلیقہ شعاری اور دانشمندی کی بدولت تمام سامانِ تجارت دوگنے منافع پر فروخت ہوگیا۔

حضرت خدیجہؓ سے عقدِ ازدواج:

جب قافلہ ملّہ واپس آیا اور بی بی خدیجہؓ کو میسرہ کی زبانی حضور ﷺ کے حُسنِ سلوک، اور منافع کی تفصیل معلوم ہوئی تو وہ بے حد متاثر ہوئیں اور آپ ﷺ کو جتنا معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا اس سے دوگنا دیا ساتھ ہی انہوں نے ارادہ کرلیا کہ اگر محمد ﷺ رضا مند ہوگئے تو میں ان سے نکاح کرلوں گی۔ (اس سے پہلے وہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے پیغام نامنظور کرچکی تھیں) چنانچہ انہوں نے اپنی خادمہ یا سہیلی نُفیسہؓ بن مُنیہ کی معرفت حُضور ﷺ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ ﷺ کا ایماء پاکر حضرت خدیجہؓ نے کہلا بھیجا کہ فلاں وقت آجایئے۔ ساتھ ہی اپنے سرپرست چچا عُمرو بن اَسَد سے درخواست کی کہ فلاں وقت آکر میری شادی کردیں۔ اس طرح اِدھر سے حضور ﷺ جناب ابو طالب، حضرت حمزہؓ اور دوسرے اکابرِ خاندان کے ساتھ وقتِ معیّن پر حضرت خدیجہؓ کے مکان پر تشریف لائے۔ جناب ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور حضور ﷺ کی اِزدِواجی زندگی کا آغاز ہوگیا۔ مہر کی مقدار کے بارے میں مختلف روایات ہیں کسی میں بیس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اونٹ لکھے ہیں کسی میں ۴۰۰ دینار اور کسی میں ۵۰۰ درہم بیان کیے گئے ہیں واللہ اعلم بالصّواب۔ یہ شادی آنحضور ﷺ کی سفرِ شام سے واپسی کے دو مہینے ۲۵ دن بعد ہوئی۔ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ اور متعدد دوسرے رُؤسَاء وسردارانِ قریش بھی موجود تھے۔ جمہور اربابِ حدیث وسِیَر کے مطابق حضور ﷺ کی عمر اس وقت پچیس سال اور حضرت خدیجہؓ کی چالیس سال کی تھی۔ [1]

(سیرۃ النبی ابنِ ہشام، طبقات ابنِ سعد، الاستیعاب ابنِ عبدالبر و دیگر کُتبِ سیرت)

آنحضور ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کفیل بن گئے:

آنحضور ﷺ کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقدِ ازدواج کے کوئی نَو دس برس کے بعد مکّہ اور اس کے اطراف میں سخت قحط پڑا۔ حُضور ﷺ کو خیال آیا کہ میرے چچا ابوطالب کوئی امیر آدمی نہیں جبکہ اُن پر عیال کا بڑا بوجھ ہے (جناب ابوطالب کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں) گرانی کے اس عالَم میں ان کی مدد کرنی چاہیے چنانچہ وہ اپنے دوسرے چچا حضرت عباسؓ کے پاس گئے جو بنو ہاشم میں سب سے زیادہ مرفہ الحال تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"آپ جانتے ہیں کہ آپ کے بھائی ابو طالب کثیر العیال ہیں۔ ان دنوں قحط نے لوگوں پر جو مصیبت ڈھا رکھی ہے وہ بھی آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس وقت ابو طالب یقیناً ہماری مدد کے مستحق ہیں۔ میری رائے ہے کہ ہم دونوں ان کے پاس چلیں اور اُن کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ان کے بچوں میں سے ایک کو میں لے لیتا ہوں اور دوسرے کو آپ لے لیں"

حضرت عباسؓ نے حضور ﷺ کی تجویز سے اتفاق کیا اور دونوں نے جناب ابوطالب کے پاس جا کر کہا کہ سختی اور تنگی کے اس زمانے میں ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے بچوں میں سے کچھ کی کفالت ہم اپنے ذِمّہ لے لیں تاکہ آپ کا بوجھ کچھ ہلکا ہو۔ جناب ابو طالب نے کہا، عقیل کو میرے پاس چھوڑ دو [2] اور باقی کے بارے میں جو تمہاری مرضی ہو فیصلہ کرو۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضور ﷺ اور حضرت جعفرؓ کو حضرت عباسؓ اپنے اپنے گھر لے گئے اور جب تک دونوں لڑکے جوان ہوکر اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوگئے، ان کے کفیل رہے۔ اُس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر چار پانچ سال کی تھی اور حضرت جعفرؓ چودہ پندرہ برس کے تھے۔

---

[1] حکیم نیاز احمد نے اپنی تصنیف "تحقیق عمر عائشۃ الصدیقۃ" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضور ﷺ سے شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی زیادہ سے زیادہ عمر ۲۸ سال کی تھی لیکن اس خیال کی تائید میں انہوں نے کوئی سند پیش نہیں کی۔

[2] ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ "عقیل ہی کو طالب کہا جاتا تھا" لیکن دوسرے اربابِ سِیَر نے طالب کو الگ شخصیت قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ ابوطالب کے سب سے بڑے بیٹے تھے جو حضرت عقیلؓ سے دس برس بڑے تھے۔ طالب کسی سفر میں راستہ بھٹک کر یا غزوۂ بدر کے موقع پر مفقود الخبر ہوگئے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوم کو خانہ جنگی سے بچالیا

رسولِ اکرم ﷺ کی عمرِ مبارک پینتیس سال کی تھی اور آپ ﷺ کی بعثت میں ابھی پانچ سال باقی تھے کہ قریش نے کعبہ کی تعمیرِ نو کا ارادہ کیا کیونکہ بار بار سیلاب آنے کی وجہ سے اس کی عمارت بہت خستہ ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی تھے ایک یہ کہ پرانی عمارت کی دیواریں نیچی تھیں اور یہ اس طرح بنائی گئی تھیں کہ پتھروں کو گارے یا کسی مسالے سے جوڑے بغیر بس ایک دوسرے کے اوپر رکھ دیا گیا تھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ کعبہ قدِ آدم سے کچھ بلند چار دیواری کی صورت میں تھا جس پر چھت نہیں تھی۔ اور دروازہ زمین کے برابر تھا۔ کعبے کا خزانہ عمارت کے اندر ایک اندھے کنوئیں میں تھا۔ بدقماش لوگ دیواریں پھاند کر خزانہ چُرا لیا کرتے تھے۔ قریش کے تمام خاندانوں نے کعبہ کی نئی عمارت بنانے پر تو اتفاق کر لیا مگر سوال یہ تھا کہ پرانی عمارت کو کون گرائے۔ سب لوگ اس عمارت کو بہت مقدّس سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ جو شخص اس پاک عمارت کو گرانے کی کوشش کرے گا وہ کسی مصیبت میں پھنس جائے گا۔ ایک اور رکاوٹ یہ تھی کہ اندھے کنوئیں کے پاس لوگوں کو کئی بار ایک بڑا سانپ نظر آیا تھا۔ اس سانپ کے خوف سے بھی لوگ کعبے کو گرانے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ خدا کا کرنا ایک دن یہ سانپ اپنے بل سے باہر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عقاب آیا اور جھپٹا مار کر اسے پکڑ لے گیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں میں جرأت پیدا ہوئی اور ایک دن قریش کے سب سے با اثر اور جہاندیدہ سردار ولید بن مغیرہ مخزومی نے یہ کہہ کر کعبہ کی پرانی عمارت کو گرانے کا آغاز کر دیا:

> ''اے اللہ! ہم نے اپنا دین نہیں چھوڑا، ہم بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے۔''

اس سے پہلے قریش نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ کعبہ کی نئی عمارت میں صرف حلال کی کمائی ہی استعمال کریں گے اور کوئی ایسا مال نہیں لگائیں گے جو بدکاری، سود، ظلم، غصب یا قطع رحمی کے ذریعے حاصل کیا گیا ہو۔ ولید کعبے کے ایک حصے پر کُدال کی ایک ضرب لگا کر رُک گیا کیونکہ کوئی دوسرا شخص اس کی مدد کے لیے آگے نہ بڑھا۔ دراصل دوسرے لوگ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ولید پر کیا آفت ٹوٹتی ہے۔ انہوں نے رات بھر انتظار کیا۔ جب صبح کو دیکھا کہ ولید کو کچھ نہیں ہوا اور وہ بھلا چنگا ہے تو وہ بھی عمارتِ کُہنہ کے گرانے میں اس کے ساتھ شریک ہو گئے اور بہت جلد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کو منہدم کر دیا۔ اس کے بعد سب لوگ زور شور سے نئی عمارت بنانے میں مشغول ہو گئے اتفاق سے چند دن پہلے قریش کو نئی عمارت کے لیے کافی مقدار میں سنگِ مرمر اور دوسرا سامان سستے داموں مل گیا تھا۔ ہوا یوں کہ رومی تاجروں کا ایک جہاز جدّہ یا شعیبہ کی بندرگاہ کے طوفان سے خشکی پر چڑھ کر ٹوٹ گیا تھا۔ اس جہاز پر سنگِ مرمر، لوہے اور لکڑی کا بہت سا سامان لدا ہوا تھا جسے رومی تاجر ایک گرجا بنانے کے لیے مصر سے حبش لے جا رہے تھے۔

قریشِ مکّہ نے یہ سارا سامان رومی تاجروں سے خرید لیا تھا تا کہ اسے کعبہ کی نئی عمارت میں لگائیں۔ اس جہاز میں ایک رومی معمار باقوم نامی بھی موجود تھا۔ قریش نے اس کو بھی اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ تعمیرِ کعبہ کا کام وہ اپنی نگرانی میں کرائے گا۔ اب باقوم کی نگرانی میں قریش کا ہر قبیلہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا کوئی پتھر ڈھوتا، کوئی گارا لاتا کوئی پتھروں کو ایک دوسرے پر رکھتا اس طرح تھوڑے ہی دنوں میں دیواریں اس مقام تک بلند ہو گئیں جہاں حجرِ اسود رکھا جانا تھا تو ایک خوفناک جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا وہ یہ کہ ہر قبیلہ حجرِ اسود کو اپنی جگہ پر نصب کرنے کا شَرَف حاصل کرنا چاہتا تھا اور کوئی بھی اس معاملہ میں دوسروں کے لیے ایثار کرنے پر تیار نہ تھا۔ یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ سب قبیلے ایک دوسرے سے جنگ پر تل گئے۔ بنو عبدالدّار اور بنو عدی نے تو پیالوں میں خون بھر کر اس میں اپنے ہاتھ ڈالے اور حلف اٹھایا کہ وہی حجرِ اسود کو کعبہ کی دیوار میں لگائیں گے۔ اگر کوئی انہیں روکے گا تو ان کا بچہ بچہ اپنے اس حق کی خاطر کٹ مرے گا۔ قبائلِ عرب کے مابین جدال و قتال اور رزم و پیکار کوئی غیر معمولی کام نہ تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر سالہا سال تک کشت و خون کا بازار گرم رہتا تھا۔ چار پانچ دن کے جھگڑے کے بعد حجرِ اسود کی تنصیب کا معاملہ بھی یہی صورت اختیار کرنے لگا تھا کہ قریش کا سب سے معمر رئیس ابو امیّہ بن مغیرہ مخزومی (ولید بن مغیرہ کا بڑا بھائی اور آنحضور ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنتِ عبدالمُطّلِب کا شوہر) اٹھا اور اس نے تجویز پیش کی کہ "اے قریش کے لوگو! اگر تم میں سے ہر قبیلہ اپنی بات پر اَڑا رہا تو اس شہر میں خون کی ندیاں بہ جائیں گی بہتر یہ ہے کہ اس جھگڑے کا فیصلہ اس شخص پر چھوڑ دو جو علَی الصّباح مسجدِ حرام میں سب سے پہلے داخل ہو۔" یہ تجویز سب نے مان لی۔ اب اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ نور کے تڑکے مسجدِ حرام میں سب سے پہلے داخل ہونے والے رسولِ اکرم ﷺ تھے۔ لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھتے ہی کہا:

هٰذَا الْاَمِيْنُ رَضِيْنَاهُ هٰذَا مُحَمَّدٌ.

یہ امین ہیں ہم ان پر راضی ہیں (یعنی ہمیں ان کا فیصلہ منظور ہے) یہ تو مُحَمَّد ﷺ ہیں۔

حُضُور ﷺ نے لوگوں سے اس جھگڑے کا حال سُنا تو آپ ﷺ نے ایک چادر منگوا کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بچھائی اور حجرِ اسود کو اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر اس پر رکھا۔ پھر فرمایا کہ ہر قبیلے کا سردار یا کوئی دوسرا آدمی جس کو وہ پسند کرے ایک ایک طرف سے اس چادر کو پکڑ لے اور سب مل کر حجرِ اسود کو اٹھائیں۔ سب نے ایسا ہی کیا۔ جب حجرِ اسود دیوار کے اس مقام تک پہنچ گیا جہاں اسکو نصب کرنا تھا تو آپ ﷺ نے اسے اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر اس کے مقام پر رکھ دیا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو ہولناک خانہ جنگی سے بچالیا۔

جھگڑے کے فیصلے کے بعد پھر سب مل کر نئی عمارت کو مکمل کرنے میں مشغول ہو گئے لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ہی ان کا جمع کیا ہوا حلال سرمایہ ختم ہو گیا اس لیے انہوں نے شمال کی جانب سے کعبہ معلّٰی کا تقریباً چھ ہاتھ حصہ بلا تعمیر چھوڑ دیا۔ اس کی دیواریں بلند کی گئیں اور نہ اس پر چھت ڈالی گئی۔ بس اس کو ایک چھوٹی دیوار سے گھیر دیا گیا۔ اسی حصے کو حِجر یا حطیم کہتے ہیں۔ یہ شرعاً بیت اللہ ہی میں داخل ہے۔ اب کعبہ کا دروازہ بھی زمین سے خاصا بلند کر دیا گیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آثارِ نبوّت

رسولِ اکرم ﷺ کی عمر مبارک جُوں جُوں بڑھتی جاتی تھی اور آپ ﷺ کی بعثت کا وقت قریب آ رہا تھا، آپ ﷺ کے مزاجِ اقدس میں غیر معمولی تغیّرات پیدا ہو رہے تھے اور وہ کئی صورتوں میں ظاہر ہونے لگے تھے۔ ان میں ایک صورت یہ تھی کہ آپ ﷺ تنہائی کو بہت پسند کرنے لگے تھے اور خلوت میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرنا آپ ﷺ کا معمول بن گیا تھا۔ اپنے اردگرد کا ماحول دیکھ کر آپ بہت آزردہ ہوتے تھے اور تنہائی میں بیٹھ کر برابر سوچا کرتے تھے کہ میری قوم کے لوگوں میں بُت پرستی، شرک، بیہودہ رسوم و اوہام کی کس قدر گرم بازاری ہے، وہ اَخلاقی اعتبار سے کتنی پستی میں گر چکے ہیں، جہالت، فساد، ڈاکا زنی اور بدامنی نے سارے ملک کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے، لڑکیوں کو زندہ زمین میں دفن کیا جا رہا ہے۔ زیردستوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، ذرا ذرا سی بات پر مختلف قبیلے ایک دوسرے کے خون کی ندیاں بہادیتے ہیں اور پھر سالہا سال تک نسل در نسل انتقامی لڑائیوں کا چکر چلتا رہتا ہے۔ آخر اس قوم کی اصلاح کیسے ہو، اس کو گمراہی اور برائیوں کی دلدل سے کیسے نکالا جائے۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات کیسے بٹھائی جائے کہ کائنات کا خالق اور مالک اللہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہی عبادت کے لائق ہے کن کاموں سے وہ راضی ہوتا ہے اور کون سے کام اس کے غضب کو دعوت دیتے ہیں۔

اس غور و فکر نے آپ ﷺ کی حسّاس طبعِ مبارک پر بڑا بوجھ ڈال رکھا تھا۔ اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے آپ کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور شب و روز عبادتِ الٰہی (مراقبہ اور ذکر و فکر) میں مشغول ہو جاتے۔[1] اس طرح متواتر کئی کئی دن گزر جاتے۔ جب بھوک محسوس ہوتی تو اشیائے خورونوش میں سے کچھ کھا پی لیتے۔ جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو گھر تشریف لے آتے۔ حضرت خدیجہؓ مزید چند روز کے لئے سامان اکل و شرب مہیّا کردیتیں اور آپؐ پھر غارِ حرا میں جا کر عبادت میں مشغول ہو جاتے۔[2] (صحیح بخاری کتاب بدء الوحی)

---

[1] غارِ حرا جَبلِ نور میں ہے جو مکہ معظمہ کی شمالی سمت، جدھر سے طائف کو راستہ جاتا ہے، تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے۔

[2] غارِ حرا میں کثرت سے جانے اور کئی کئی دن تک متواتر عبادت میں مشغول رہنے کا سلسلہ نزولِ وحی سے کچھ عرصہ پہلے شروع ہوا لیکن ابنِ ہشام اور ابنِ جریر طبریؒ کی روایت کے مطابق حضور ﷺ (بہت مدت پہلے سے) ہر سال ایک مہینہ غارِ حرا میں گزارا کرتے تھے۔ آپؐ چند روز کا سامانِ خوراک ساتھ لے جاتے۔ جب یہ ختم ہو جاتا تو آپ واپس آ کر بیت اللہ کے سات طواف کرتے پھر گھر جا کر مزید چند دن کا سامانِ خوراک لے کر غارِ حرا میں پہنچ جاتے تھے۔ اس زمانے میں آپؐ مساکین کو کثرت سے کھانا کھلایا کرتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو وحی آنے سے پہلے سچے خواب نظر آنے لگے۔ آپ ﷺ جو خواب بھی دیکھتے وہ صبحِ صادق کی طرح ظاہر ہو جاتے تھے (وہ ایسے ہوتے تھے کہ جیسے آپ ﷺ دن کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں) اللہ تعالیٰ نے تنہائی آپ کے لیے محبوب بنا دی تھی اور کوئی چیز آپ کو تنہائی سے زیادہ پسندیدہ نہ رہی تھی۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم) ایک روایت میں ہے کہ سچے خواب دیکھنے کا سلسلہ نزولِ وحی سے چھ مہینے پہلے شروع ہو گیا تھا۔ (بیہقی)

اربابِ سِیَر نے حضور ﷺ کے سچے اور اچھے خوابوں کو ابتداءِ وحی سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ان خوابوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوئی تعلیم دی، کسی بات کی خبر دی یا کوئی روحانی مشاہدہ کرایا۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خواب میں آسمانوں کی سیر کرائی اور متعدد ایسے مناظر دکھائے جن کا مشاہدہ آپ ﷺ نے کئی سال بعد بحالتِ بیداری جسمانی معراج کے موقع پر کیا۔ (اس کا ذکر آگے اپنے موقع پر آئے گا) (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق وکتاب التوحید)

جہاں تک آپ کی خلوت پسندی یا عزلت گزینی اور غارِ حرا میں جا کر عبادت کرنے کا تعلق ہے تو یہ سلسلہ سچے خواب نظر آنے سے پہلے ہی جاری تھا البتہ نیند میں آپ ﷺ نے یہ خواب بکثرت دیکھنے شروع کیے تو آپ ﷺ کی خلوت پسندی میں اور اضافہ ہو گیا ساتھ ہی غارِ حرا میں نہ صرف آپ ﷺ کی آمد ورفت پہلے سے بڑھ گئی بلکہ اس میں عرصۂ قیام بھی زیادہ ہو گیا۔ (ابنِ ہشام)

ایک روایت میں حضور ﷺ کے ایک ایسے خواب کا ذکر آتا ہے جس کی کیفیت آپ ﷺ نے خود اس طرح بیان فرمائی:

> "میں نے خواب میں دیکھا کہ جبریلؑ میرے پاس آئے اور مجھے ایک تحریر دکھائی جو ریشمی کپڑے پر لکھی ہوئی تھی۔ یہ تحریر سورۂ علق کی ابتدائی آیات پر مشتمل تھی۔ جبریلؑ نے مجھ سے کہا، پڑھو میں نے کہا، میں پڑھا ہوا نہیں۔ پھر انہوں نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ میں نے اپنا دم نکلتا ہوا محسوس کیا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھو اور اِقْرَأْ سے مَالَمْ يَعْلَمْ تک مجھ سے پڑھوایا۔ جب میں جاگا تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیات میرے سینہ میں لکھی ہوئی ہیں۔"

(ابنِ ہشام، ابنِ جریر طبری وابنِ کثیرؒ)

ایسا ہی معاملہ تھوڑے عرصہ کے بعد بِعثت کے وقت آپ ﷺ کو بحالتِ بیداری میں پیش آیا۔ گویا یہ خواب بِعثتِ نبوی ﷺ کی تمہید تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعثتِ مبارک

پہ چالیسویں سال لطفِ خدا سے * کیا چاند نے کھیت غارِ حرا سے

آنحضور ﷺ کی عمر مبارک شمسی حساب سے ۳۹ سال تین مہینے سے کچھ اوپر اور قمری حساب سے چالیس سال ۶ مہینے سے چند دن اوپر ہوئی تو ایک دن ماہِ رمضان میں یکا یک آپ ﷺ پر غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی [ا] اور جبریل علیہ السّلام نے بحکمِ الٰہی رُو در رُو آپ ﷺ کے سامنے آ کر کہا، پڑھو۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر جبریلؑ نے آپ کو انتہائی سختی کے ساتھ بھینچا پھر آپ ﷺ کو چھوڑ دیا اور دوبارہ کہا، پڑھو۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا، میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ جبریلؑ نے آپ ﷺ کو پھر بھینچا یہاں تک کہ خود حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق پہلے کی طرح آپ کی قوتِ برداشت جواب دینے لگی جبریلؑ نے پھر آپ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھو آپ ﷺ نے حسبِ سابق جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ جبریلؑ نے تیسری مرتبہ آپ ﷺ کو پہلے کی طرح بھینچا اور کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ⑤ (سورۂ علق ۱:۵)

ترجمہ: ”(اے مُحَمَّدْ) اپنے رَبّ کا نام لے کر پڑھو جس نے تمام مخلوق پیدا کی جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رَبّ بڑا ہی کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعے سے اور انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“

اب حضور ﷺ نے ان آیتوں کو زبانِ مبارک سے ادا فرمایا۔ یہ پہلی وحی تھی جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری عن عائشہ رضی اللہ عنہا)

[ا] بعض روایتوں میں پہلی وحی کے نزول کا مہینہ ربیع الاوّل اور بعض میں رجب بتایا گیا ہے لیکن ماہِ رمضان میں نزول والی روایتیں زیادہ وزنی معلوم ہوتی ہیں۔ رمضان والی روایتوں میں بھی تاریخ نزول کا اختلاف ہے۔ کسی میں سات، کسی میں سترہ کسی میں اٹھارہ اور کسی میں اکیس رمضان بیان کی گئی ہے۔ سیرتِ طیبہ کی ایک جدید معتبر کتاب ”الرّحیق المختوم“ کے فاضل مؤلف مولانا صفی الدین مبارکپوری کی تحقیق کے مطابق پہلی وحی ۲۱ رمضان المبارک ۱۳ قبل ہجرت (بروز دوشنبہ) مطابق ۱۰ اگست ۶۱۰ عیسوی کو نازل ہوئی اس دن آپ کی عمر مبارک قمری حساب سے ۴۰ سال چھ مہینے اور بارہ دن اور شمسی حساب سے ۳۹ سال تین مہینے اور بائیس دن تھی۔ (الرّحیق المختوم حاشیہ ص ۱۱۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض روایتوں میں ہے کہ جبریل علیہ السّلام نے نازل ہو کر پہلے آپ ﷺ کو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھنے کو کہا اس کے بعد بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم اور سورۂ علق کی پہلی پانچ آیات پڑھنے کو کہا۔ (سیرتِ کبریٰ بحوالہ واحدی وابنِ جریر)

غار سے مُراجعت:

اوّلین وحی سے آنحضور ﷺ کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی۔ جلالِ الٰہی سے آپ ﷺ کا قلب لبریز ہوگیا اور جسدِ اقدس پر لرزہ طاری ہوگیا۔اسی حالت میں غارِ حرا سے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے اڑھاؤ مجھے اڑھاؤ۔ حضرت خدیجہؓ نے (ایک کپڑے یا کمبل سے) آپ ﷺ کو اُڑھا دیا۔ جب طبیعت پُرسکون ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا "اے خدیجہ! یہ مجھے کیا ہوگیا ہے" پھر آپ ﷺ نے سارا ماجرا بیان کیا اور آخر میں فرمایا، مجھے اپنی جان کا خوف ہے (لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ). حضرت خدیجہؓ حُضور ﷺ کی پاکیزہ سیرت اور اعلیٰ اخلاق سے پوری طرح آگاہ تھیں انہوں نے بڑے یقین و اعتماد کے ساتھ کہا:

"ہرگز نہیں۔ آپ غم نہ کھائیں۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رنج نہیں دے گا۔ آپ تو صلۂ رَحمی (اقربا سے حسنِ سلوک) کرتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت و خاطر مدارات کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، غریبوں کو کما کر دیتے ہیں، امانتیں ادا کرتے ہیں اور تمام نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں۔"

پھر وہ حُضور ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے چچا زاد بھائی وَرَقہ بن نَوفَل (بن اَسَد بن عبد العزّٰی بن قُصَیّ) کے پاس گئیں۔ وہ زمانۂ جاہلیّت میں بُت پرستی ترک کر کے عیسائی ہوگئے تھے اور گزشتہ آسمانی کتابوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ عبرانی اور عربی میں انجیل لکھا کرتے تھے اور اُن تمام پیش گوئیوں سے آگاہ تھے جو نبیِ آخر الزّمان کے بارے میں آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں چلی آتی تھیں۔ اس وقت وہ بہت ضعیف العمر اور نابینا ہو چکے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ (بروایتِ دیگر حضرت خدیجہؓ) نے پورا واقعہ ورقہ کو سنایا۔ وہ سنتے ہی بول اٹھے۔ "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، آپ اِس اُمّت کے نبی ہیں آپ کے پاس آنے والا وہی ناموسِ اکبر (اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لانے والا فرشتہ) تھا جو موسیٰ علیہ السّلام کے پاس آیا تھا، کاش میں اس وقت توانا ہوتا کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو (وطن سے) نکال دے گی۔ حُضور ﷺ نے قدرے حیران ہو کر پوچھا، کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟

ورقہ نے کہا "ہاں، جب بھی اللہ کا کوئی بندہ وہ چیز لے کر آیا جو آپ لائے ہیں تو لوگ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی دشمنی پر کمر باندھ لیتے ہیں اگر میں اُس وقت تک زندہ رہا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔" مگر زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ وَرقہ بن نوفل فوت ہو گئے۔

فَترۃُ الوَحی (وحی کا رُک جانا):

پہلی وحی نازل ہونے کے بعد کچھ عرصہ تک حضرت جبریلؑ کی آمد رُکی رہی۔ وحی کا اس طرح رُک جانا حضور ﷺ کے لیے شدید رنج وغم کا باعث ہوا وحی کتنے عرصہ تک رُکی رہی، اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں جن میں کم از کم دس دن اور زیادہ سے زیادہ تین سال کی مدت بیان کی گئی ہے۔ ان روایتوں کے پیشِ نظر فترۃ الوحی کی مدت کا تعیّن وثوق کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا البتہ اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ یہ عرصہ نہ زیادہ طویل تھا اور نہ بہت مختصر۔ ہم اسے چند ماہ کہہ سکتے ہیں۔ اس عرصہ میں آپ ﷺ کے اندوہ کی شدت کا اندازہ اُن روایتوں سے کیا جاسکتا ہے جن میں کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ بعض اوقات موت کو زندگی پر ترجیح دینے لگتے تھے ایسے موقعوں پر جبریل علیہ السّلام نمودار ہوتے اور آپ ﷺ سے کہتے، اے مُحمّد! آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس سے آپ کے دل کو سکون ہو جاتا اور غم کی کیفیت جاتی رہتی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فَترۃُ الوَحی کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا:

> "ایک روز میں چلا جا رہا تھا کہ میں نے اچانک آسمان کی طرف سے آنے والی ایک آواز سنی۔ میں نے آگے پیچھے داہنے بائیں ہر طرف دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ پھر میں نے یہی آواز سنی لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ تیسری مرتبہ یہی آواز آئی تو میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی، میں نے دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا، زمین اور آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس سے خوف زدہ ہو کر زمین کی طرف جھکا اور پھر گھر پہنچ کر اپنے اہلِ خانہ سے کہا، مجھے اڑھاؤ، مجھے اڑھاؤ۔ انہوں نے مجھ پر لحاف (یا کمبل) اڑھا دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی۔"

يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

ترجمہ: "اے اَوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو، اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو، اور اپنے کپڑے پاک رکھو، اور گندگی سے دور رہو اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے اور اپنے ربّ کی خاطر صبر کرو۔"

اور پھر مجھ پر وحی الٰہی لگاتار شروع ہوگئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز کی فرضیت:

جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا ہے، رسولِ اکرم ﷺ بعثت سے پہلے ہی عبادتِ الٰہی میں کثیر وقت گزارتے تھے۔ یہ عبادت آپ اپنے طور پر تنہائی میں کیا کرتے تھے لیکن بعثت کے جلد ہی بعد (ایک روایت کے مطابق فوراً بعد) آپ ﷺ اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں پر نماز فرض کر دی گئی ساتھ ہی حکمِ الٰہی کے مطابق جبریلِ امینؑ نے آپ ﷺ کو وضو اور نماز کا طریقہ بھی بتا دیا۔ نمازِ پنجگانہ تو ہجرتِ نبوی ﷺ سے کچھ عرصہ پہلے شبِ معراج میں فرض ہوئی۔ اس سے پہلے نماز کی نوعیت، رکعات اور اس کے اوقات وغیرہ کے بارے میں جمہور اربابِ سیر اور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ نماز بعثت کے بالکل ابتدائی زمانے میں فرض ہوئی، معراجِ نبوی سے پہلے تمام اہلِ ایمان روزانہ دو دو رکعت کی دو نمازیں پڑھا کرتے تھے ایک صبح کو اور دوسری دن کے پچھلے حصے میں۔ یہ نمازیں کعبۂ مُعلّٰی کے بجائے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی جاتی تھیں۔

''سیرۃ ابنِ ہشام'' میں اُمُّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب پہلے پہل نماز فرض ہوئی تو ہر نماز کی دو دو رکعتیں فرض ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضر میں انہیں پورا کر کے چار مقرر کر دیں اور سفر میں ان کی ابتدائی فرضیت یعنی دو رکعت برقرار رکھی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ معراج سے پہلے دو نمازیں تھیں دو رکعت صُبح کے وقت اور دو رکعت عشی یعنی دن کے پچھلے حصہ میں جو فرضاً پڑھی جاتی تھیں۔

(سیرتِ کبریٰ جلد اوّل بحوالہ روح المعانی تفسیر آیۂ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْکَارِ و فتح الباری جلد اوّل)

مقاتل بن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ''ابتدائے اسلام'' میں[*] دو رکعت صبح اور دو رکعت شام کی نماز فرض کی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْکَارِ۔ (۴۰/۵۵)

(اور صبح و شام اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو) الرّحیق المختوم)

بعض روایتوں میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ مکّہ کے بالائی حصے میں تھے کہ جبریلؑ نازل ہوئے۔ وادی میں ایک جگہ (ایک پتھر پر) انہوں نے اپنی ایڑی ماری۔ وہاں سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہوگیا۔ جبریلؑ نے حضور ﷺ کے سامنے وضو کیا تا کہ آپ ﷺ کو معلوم ہو جائے کہ نماز کے لیے طہارت کیسے کی جاتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اسی طرح وضو کیا جیسے جبریلؑ نے کیا تھا۔ اس کے بعد جبریلؑ نے آپ کو ساتھ لے کر نماز پڑھی یوں وہ آپ کو نماز کا طریقہ بتا کر چلے گئے۔ اب حضور ﷺ گھر تشریف لائے، حضرت خدیجہؓ سے نماز کی فرضیّت کا ذکر کیا پھر ان کے سامنے اسی طرح وضو کیا جیسے جبریلؑ نے سکھایا تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو ساتھ لے کر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح جبریلؑ نے آپ کو پڑھائی تھی۔ (ابنِ ہشام و ابنِ جریر طبری)

---

[*] ''ابتدائے اسلام'' سے مراد بعثت نبوی ﷺ کا ابتدائی زمانہ ہے۔ (مؤلف)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعوتِ حق کے ابتدائی تین سال

''فَتْرَۃُ الوحیٰ'' کے تھوڑے سے وقفہ کے بعد جب وحیِ الٰہی کا نزول تسلسل کے ساتھ شروع ہوا تو ہادیِ اکرم ﷺ نے بھی دعوتِ حق کا آغاز فرما دیا۔اس دعوت یا تبلیغ کا ایک خاص انداز تھا جو تین سال تک قائم رہا۔ بیشتر سیرت نگاروں نے اس اندازِ تبلیغ یا دعوتی اور تبلیغی مساعی کو ''خُفیہ'' کہا ہے لیکن جب ہم ان تین سالوں میں پیش آنے والے واقعات کی روداد اور دعوتِ حق قبول کرنے والی سعید الفطرت ہستیوں کے اسماءِ گرامی پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ حق خُفیہ نہیں تھی بلکہ اس دعوت کے قبول کرنے والوں پر عباداتِ الٰہی یا نماز کا جو فرض عائد ہو جاتا تھا، اُسے وہ مشرکین سے پوشیدہ ہو کر ادا کرتے تھے تا کہ ان میں اشتعال پیدا نہ ہو۔ جہاں تک دعوتِ حق کا تعلق ہے تو یہ نہ صرف قریش کے ہر خاندان اور ہر شاخ تک بلکہ لونڈیوں، غلاموں، موالی اور مکّہ میں مقیم قریش کے حلیفوں تک بھی پہنچائی گئی۔ آزاد، غلام، امیر، غریب، ذکور و اِناث سبھی دعوتِ حق کے مُخاطَب تھے۔ان میں سے ایک معقول تعداد کو قبولِ اسلام کا شَرف حاصل ہوا اور وہ بارگاہِ الٰہی سے ''اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن'' کے مہتمم بالشّان لقب کے مستحق ٹھہرائے گئے فی الحقیقت قریش کا کوئی خاندان ایسا نہیں تھا جس کے کچھ نہ کچھ افراد نے دعوتِ حق پر لبیّک نہ کہا ہو اس لیے دعوتِ توحید کو حقیقی معنوں میں ''خُفیہ'' نہیں کہا جا سکتا البتہ ہم اسے 'محتاط' اندازِ تبلیغ کہہ سکتے ہیں جو اُس وقت کے حالات کا تقاضا تھا۔

جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت عرب کے ہر گوشے اور ہر حصّے میں کُفر و شرک اور عصیان و تمرّد کا طوفان برپا تھا۔ چونکہ مکّہ سارے عرب کا دینی مرکز تھا اور قریش کعبہ کے متولّی تھے اس لیے سارے عرب میں ان کا احترام اور لحاظ کیا جاتا تھا۔ اسی بناء پر قریش اپنے آبائی (جاہلی) مذہب کی حفاظت کرنے میں بڑے پُر جوش تھے۔ ان کے سامنے ایسی بات پیش کرنا جو اُن کے مزاج، پسند، عادتوں اور آبائی مذہب کے خلاف ہو، جان جوکھوں کا کام تھا۔ اس سے اُن کے نہ صرف بھڑک اُٹھنے کا خطرہ تھا بلکہ اس کے نتیجے میں ان کے اندر ضد اور چڑ پیدا ہونے کا بھی قوی اندیشہ تھا اور یہ چیز دعوتی کام میں بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہو سکتی تھی۔ ان سب باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر آنحضور ﷺ نے ایک خاص حکمتِ عملی اختیار فرمائی جو منشائے الٰہی کے عین مطابق تھی۔ آپؐ نے سب سے پہلے اُن نفوس کو دعوت اِلَی اللہ دی جن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ آپ کا بہت قریبی تعلق تھا۔ اس کے بعد ان لوگوں کو حق کی طرف بلایا جن کے بارے میں آپ کا خیال تھا کہ وہ طبعاً نیک ہونے کی بناء پر جویائے حق بھی ہیں اور اُن کو افہام و تفہیم سے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ ان کے علاوہ آپؐ نے اُن مشرکین کو بھی بڑے پُرحکمت اور نرم لہجے میں توحید کی دعوت دی جو آپؐ کی نجی مجلسوں میں آکر بیٹھتے تھے ان میں قریش کے بڑے بڑے سردار بھی ہوتے تھے۔ [1]

ان تین سالوں میں آپؐ نے تبلیغ حق کے لیے نہ تو کبھی لوگوں کو بطورِ خاص جمع کیا اور نہ اس مقصد کے لیے لوگوں کے کسی مجمع (مثلاً اجتماعِ حج، مختلف مقامات پر لگنے والے میلوں یا بازاروں وغیرہ) میں کبھی تشریف لے گئے۔ گویا دعوت کا انداز انفرادی نوعیت کا تھا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ دعوتِ حق قبول کرنے والوں میں اس دعوت کو آگے پھیلانے کا داعیہ پیدا ہو جاتا تھا۔ ان میں سے جس کسی کا بس چلتا وہ اسے آگے پھیلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا تھا۔ اس طرح چراغ سے چراغ جلنے لگتا تھا۔ سب سے پہلے جن نُفوسِ قُدسی کو دعوتِ حق یا اسلام قبول کرنے کا شَرف حاصل ہوا، ان میں تین تو آپؐ کے گھر کے افراد تھے، آپؐ کی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ کے زیرِ کفالت دس سالہ ابنِ عَم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور آپؐ کے آزاد کردہ غلام، منہ بولے بیٹے اور محبوب صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ [2] اور چوتھے آپؐ

---

[1] ان سرداروں میں عُتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عاص بن وائل، ابوجہل، اُمیّہ بن خَلَف، اُبَیّ بن خلف اور عقبہ بن ابی مُعَیط جیسے بدترین دشمنانِ اسلام بھی ہوتے تھے۔ اُس زمانے میں ان لوگوں نے حضور ﷺ کے ساتھ میل جول ترک نہیں کیا تھا۔ اصل میں اپنی خاندانی وجاہت، دیانت وامانت، پاکبازی، صداقت، دانش وحکمت اور پاکیزہ خصائل کی بناء پر آنحضور ﷺ بعثت سے پہلے ہی مکّہ کی نہایت معزز اور محترم شخصیتوں میں شمار ہونے لگے تھے۔ اسی لیے قُریش کی تمام شاخوں کے اکابر اور رؤسا کا آپؐ کے ہاں آنا جانا رہتا تھا۔ بعض اربابِ سِیَر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شروع شروع میں قریش کے عمائد نے آپ کو قُس بن ساعدہ، زید بنِ عمرو بن نُفَیل، اُمیّہ بن ابی الصَّلت وغیرہ جیسے حُنَفائے عرب سے متاثر ہونے والی شخصیّت سمجھا اس لیے انہوں نے آپ کی دعوت کو پہلے تو چنداں اہمیّت نہ دی لیکن جلد ہی ان کو معلوم ہوگیا کہ آپ اللہ کے رسول کی حیثیت سے لوگوں کو ایک مکمل دین کی دعوت دے رہے ہیں جس میں اللہ کو وحدہٗ لاشریک ماننا اور آپ کی رسالت پر ایمان لانا بنیادی شرطیں ہیں۔

[2] حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآنِ حکیم میں آتا ہے (سورۂ احزاب) ان کا تعلق ایک عرب قبیلے بنوکلب سے تھا والد کا نام حارثہ بن شُراحیل اور والدہ کا نام سُعدیٰ بنتِ ثعلبہ تھا جو قبیلہ طے کی شاخ بنومَعَن سے تھیں۔ انہوں نے عمر کی آٹھ منزلیں طے کی تھیں کہ ان کی والدہ انہیں ساتھ لے کر اپنے میکے گئیں۔ وہاں بنوقَین بن جسر کے لوگوں نے اُن کے پڑاؤ پر حملہ کیا اور لُوٹ مار کے ساتھ زیدؓ سمیت کچھ افراد کو پکڑ کر لے گئے۔ ان ظالموں نے زیدؓ کو عکاظ کے میلے میں قریش کے ایک رئیس حَکیم بن حِزام کے ہاتھ بیچ دیا۔ حَکیم حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے انہوں نے زیدؓ کو اپنی پھوپھی کی نذر کردیا۔ حضورؐ سے جب حضرت خدیجہؓ کا نکاح ہوا تو آپؐ نے ان کے ہاں زیدؓ کو دیکھا۔ آپ کو ان کی عادات اور خصائل اس قدر پسند آئے کہ آپؐ نے انہیں حضرت خدیجہؓ سے مانگ لیا۔ اس وقت حضرت زیدؓ کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بچپن کے دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہُ تھے۔ ان حضرات کا قبولِ اسلام فی الحقیقت آنحضور ﷺ کی صداقت پر ایسے لوگوں کی گواہی تھی جو آپؐ کے سب سے زیادہ قریب تھے اور آپؐ کے حُسنِ سیرت اور محاسنِ اَخلاق کے سب سے زیادہ واقف تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ بنوتَیم کے رئیس تھے اور اپنی دانش مندی دریا دلی، خوش خُلقی، مِلنساری، دیانتداری، اور دوسرے اوصاف کی بناء پر قریش میں بڑے ہردلعزیز تھے۔ قریش کے انساب اور تاریخ سے ان سے بڑھ کر کوئی واقف نہ تھا۔ وہ نہ صرف قریش کی تمام شاخوں بلکہ عرب کے بیشتر قبیلوں کے اوصاف و خصائل کا علم بھی رکھتے تھے۔ اُن کا ذریعۂ معاش تجارت تھا اور وہ اپنے حُسنِ معاملہ کی بناء پر بھی لوگوں کی نظروں میں بہت محترم تھے۔ اسی لیے ان کا حلقۂ اثر بڑا وسیع تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے دعوت و تبلیغ کے کام میں رسولِ اکرم ﷺ کا بھرپور ساتھ دیا۔ ان کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں قریش کے متعدّد سعید الفطرت اصحاب حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ ان میں حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت زبیرؓ بن العوّام، حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت عثمانؓ بن عفّان کے اسماءِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ پھر یہ اسلام قبول کرنے والے اصحاب آگے اپنے حلقۂ اثر میں تبلیغ کرکے لوگوں کو دائرۂ اسلام میں لاتے گئے۔ یوں چراغ سے چراغ جلتا گیا اور دعوتِ حق کے ابتدائی تین سالوں کے اندر نیک فطرت لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد مُشرّف بہ اسلام ہوگئی۔ ان میں قریش کے تمام خاندانوں کے لوگ شامل تھے

(پچھلے صفحے کا بقیہ)

انہوں نے ایسی تندہی سے حضور ﷺ کی خدمت کی کہ آپ کی خصوصی محبت اور شفقت کے مَورد بن گئے۔ کچھ مدت کے بعد زید کے باپ اور چچا انہیں تلاش کرتے ہوئے مکّہ پہنچے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہمارا لڑکا ہمیں دے دیں۔ حضور ﷺ نے ان کے سامنے حضرت زیدؓ کو بلایا اور ان سے فرمایا، زید تم اپنے باپ اور چچا کے ساتھ جانا چاہو تو خوشی سے جاسکتے ہو، میں ان سے کوئی فدیہ نہ لوں گا اور اگر میرے پاس رہنا چاہو تو میں زبردستی تمہیں نہیں بھیجوں گا۔ حضرت زیدؓ نے عرض کیا، میں آپ کو چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ میں اپنے شفیق آقا پر دنیا کے کسی فرد کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر زید کے باپ اور چچا انہیں حضور ﷺ کے پاس چھوڑنے پر راضی ہوگئے۔ اُدھر حضور ﷺ نے اسی وقت حضرت زیدؓ کو آزاد کر دیا اور حرم شریف میں جا کر اعلان کر دیا کہ زید آج سے میرا بیٹا ہے، یہ میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث ہوں۔ اسی بناء پر لوگ ان کو "زید بن محمدؐ" کہنے لگے (بعد میں جب اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ یعنی منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، کا حکم نازل ہوا تو لوگوں نے حضرت زیدؓ کو زید بن حارثہ کہنا شروع کردیا)۔ قبولِ اسلام کے وقت ان کو حضور ﷺ کی خدمت میں رہتے ہوئے پندرہ برس گزر چکے تھے اور ان کی عمر تیس سال کی تھی۔ اپنے اخلاص فی الدّین اور عشقِ رسول کی بدولت ان کو بارگاہِ رسالت میں درجۂ محبوبیت حاصل ہوگیا تھا اور وہ عوام الناس میں حِبُّ النّبی ﷺ کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے ان کی زندگی کا ایک اور نمایاں پہلو ان کا شوقِ جہاد تھا۔ غزوۂ بدر سے لے کر سریّۂ مُوتہ تک عہدِ رسالت کی متعدد لڑائیوں میں دادِ شجاعت دی۔ سات آٹھ فوجی مہموں کی قیادت بھی کی سنہ ۸ ہجری میں مُوتہ کی لڑائی میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن میں بعض بڑی عزت اور مرتبے کے مالک تھے۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

(ذکور) حضرت جعفرؓ بن ابی طالب، حضرت عبیدہؓ بن حارث، حضرت ابو حُذَیفہؓ بن عُتبہ، حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت خالدؓ بن سعید، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ، حضرت مُصعَبؓ بن عُمیر، حضرت سعیدؓ بن زید، حضرت سعدؓ بن ابی وَقّاص، حضرت زبیر بن عوّام، حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف، حضرت ابو عبیدہؓ بن جرّاح، حضرت سکرانؓ بن عمرو، حضرت ارقم بن ابی ارقم، حضرت ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد، حضرت ہشامؓ بن عاص، حضرت عثمانؓ بن مظعون۔

(اِناث) حضرت فاطمہؓ بنتِ خطّاب، حضرت صفیّہؓ بنتِ عبد المُطّلِب، حضرت اسمٰا بنتِ ابی بکرؓ، حضرت اُمِ سَلَمہؓ، حضرت اُمِ کلثومؓ بنت سہیل، حضرت اسمٰاء بنتِ عُمَیس، حضرت اُمِ حبیبہؓ، حضرت شفاءؓ بنتِ عوف، حضرت لیلیٰؓ بنتِ ابی حثمہ، حضرت سَودہؓ بنتِ زَمعہ، حضرت اروٰیؓ بنتِ کریز، حضرت اُمِ رومان، حضرت اُمُ الفضلؓ

خاص قریش کے علاوہ متعدد ایسے غریب الدّیار غیر قریش افراد کو بھی ابتدائی تین سالوں میں قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی جو قریش کے کسی خاندان کے حلیف بن کر مکّہ میں مقیم تھے یا کسی خاندان میں موالی، [1] غلاموں اور لونڈیوں کی حیثیت سے رہتے تھے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

(ذکور) حضرت عبد اللہؓ بن مسعود، حضرت خبّاب بن اُلارتؓ، حضرت صُہیب بن سنان رومی، حضرت یاسرؓ، حضرت عمّارؓ بن یاسرؓ، حضرت عامرؓ بن فُہیرہ، حضرت ابوفُکیہہ، حضرت بلالؓ بن رباح، حضرت مقدادؓ بن عمرو، حضرت واقد بن عبداللہ، حضرت خالد بن بُکیر لیثی، حضرت عبداللہ بن جَحش، حضرت عُمیرؓ بن رباب۔

(اِناث) حضرت اُمِ ایمنؓ، حضرت زنّیرہؓ، حضرت حمامہؓ، حضرت اُمِ عُبَیسؓ، حضرت نہدیہؓ، حضرت لُبَینہؓ، حضرت سُمیّہؓ بنتِ خُباط۔

اس تین سالہ ابتدائی دَور میں کل کتنے لوگ مسلمان ہوئے، اُن کی صحیح تعداد بتانا تو بہت مشکل ہے البتہ مختلف کُتبِ سِیَر سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈیڑھ سَو کے لگ بھگ مرد اور خواتین شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔

ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ اُس زمانے میں نبی ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ مکّہ کی سنسان گھاٹیوں میں چلے جاتے تھے اور اپنی قوم سے در پردہ نماز پڑھتے تھے۔

---

[1] موالی، مولیٰ کی جمع ہے۔ مولیٰ سے مراد وہ غلام ہوتا تھا جس کو اس کے مالک نے آزاد کر دیا ہو مگر پھر بھی وہ اپنے سابق مالک/ آقا کے پاس رہتا ہو یعنی اس نے آزاد کرنے والے کی خدمت میں رہنے کو آزادی پر ترجیح دی ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کے اجتماع اور دعوتِ اِلیٰ اللہ کا پہلا مرکز

بعثتِ نبوی ﷺ کے ابتدائی زمانے میں ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے ایک جاں نثار حضرت ارقمؓ بن ابی ارقم کے وسیع مکان کو مسلمانوں کے اجتماع اور تبلیغ و دعوت اِلیٰ اللہ کا مرکز بنا دیا۔ یہ مرکز کب اور کن حالات میں قائم ہوا اُس کے بارے میں بعض معتبر کُتبِ سِیَر بالکل خاموش ہیں، بعض میں یہ واقعہ بڑے اختصار کے ساتھ اور بعض میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے لیکن وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس مرکز کا قیام ٹھیک کس وقت عمل میں آیا کیونکہ اس کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں:۔

- ایک روایت یہ ہے کہ بیت الارقم یا دارِ ارقم تیسرے سالِ بعثت کے اواخر میں اہلِ حق کی اجتماع گاہ اور مرکزِ تبلیغ و دعوت بنا۔ (سیرت سرورِ عالم)
- دوسری روایت یہ ہے کہ یہ مرکز پانچویں سال بعثت میں قائم ہوا۔ (الرحیق المختوم)
- تیسری روایت یہ ہے کہ اہلِ حق چھٹے سالِ بعثت میں دارِ ارقم میں فروکش ہوئے۔

(بذل القوۃ)

بلند دیواروں سے گھرے ہوئے دارِ ارقم کے مالک حضرت ارقمؓ کا تعلق بنو مخزوم سے تھا اور وہ سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن کی مقدس جماعت کے ایک معزز رُکن تھے۔ ان کا یہ مکان حرمِ کعبہ کے قریب کوہِ صفا کے دامن میں واقع تھا اور ہر اعتبار سے ایک محفوظ مقام تھا۔ اس کو مرکزِ دعوت و تبلیغ بنانے کا پس منظر یہ تھا کہ دعوتِ توحید کے ردِ عمل میں مشرکینِ قریش مسلمانوں کے درپئے آزار ہو گئے تھے اور وہ اس بات کے بھی روادار نہیں تھے کہ کوئی مسلمان ان کے سامنے فریضۂ صلوٰۃ ادا کرے [1]۔ چنانچہ آنحضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہ مکّہ کی ویران گھاٹیوں میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

---

[1] ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ ایک دن چند صحابہؓ مکّہ کے قریب ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ کُفارِ قریش کا ایک گروہ انہیں دیکھ کر مشتعل ہو گیا اور انہیں برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ صحابہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے انہیں غصہ آ گیا اور انہوں نے ایک کافر کو اونٹ کے جبڑے کی ہڈی کھینچ ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ ایک روایت کے مطابق اس شخص کا نام عبد اللہ بن خطل تیمی تھا۔ وہ مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا۔ اس کے زخمی ہونے کے بعد مشرکین وہاں سے رفو چکر ہو گئے لیکن اس واقعہ کے بعد مکّہ میں مسلمانوں کے لیے حالات سخت ناسازگار ہو گئے اور حضور ﷺ نے دارِ ارقم کو مسلمانوں کے اجتماع اور تبلیغ کا مرکز بنا دیا لیکن اس دور کے حالات پر غور کیا جائے تو یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ صرف یہی ایک واقعہ مسلمانوں کے دارِ ارقم میں فروکش ہونے کا باعث بنا۔ یقیناً اس میں کچھ اور عوامل بھی کارفرما ہوں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دارِ ارقم کو مرکزِ دعوت و تبلیغ بنانے کے بعد مسلمان وہیں جمع ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ آنحضور ﷺ اپنے وقت کا کافی حصہ اسی مکان میں گزارتے تھے۔ نماز کے وقت تمام مسلمان وہیں آجاتے اور مکان کا دروازہ بند کر کے آپ کی اقتداء میں فریضۂ صلوٰۃ ادا کرتے تھے۔ نئے لوگ بھی اسی مکان میں حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے تھے۔ یہ صورتِ حال شعبِ ابی طالب کی محصوری (۷ھ بعدِ بعثت کے آغاز) تک جاری رہی۔ (اس محصوری کی تفصیل آگے آرہی ہے) دارِ ارقم کو مرکزِ تبلیغ و دعوت بنانے کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو اس میں مقیّد یا محبوس کر لیا تھا اور وہ دن رات میں کسی وقت بھی اس سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ فی الحقیقت مسلمانوں نے اپنے گھروں یا مستقل ٹھکانوں کو نہیں چھوڑا تھا۔ وہ صرف مذکورہ بالا محدود مقاصد کے لیے دارِ ارقم کو استعمال کرتے تھے۔ چوتھے سالِ بعثت کے آغاز میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے علانیہ تبلیغِ حق کا حکم نازل ہوا تو حضور ﷺ لوگوں کو برملا اسلام کی دعوت دینے لگے (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے) عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ علانیہ تبلیغِ حق کے ردِ عمل میں مشرکین نے اہلِ حق پر سخت ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔ لیکن جب ہم سابقین اوّلین (اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن) صحابۂ کرامؓ کے حالاتِ زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد مشرکین کے جور و ستم کا نشانہ بن گئے۔[1] گویا علانیہ تبلیغِ حق سے پہلے ہی مسلمانوں پر سختیوں کا آغاز ہو چکا تھا البتہ علانیہ تبلیغ کے بعد ان سختیوں میں بے انتہا شِدّت آگئی۔

دارِ ارقم کو زیادہ سے زیادہ دو یا تین سال تک اہلِ حق کا مرکزِ اجتماع و دعوت بننے کا شرف حاصل ہوا لیکن تاریخی نقطۂ نگاہ سے (اور سیرۃِ نبوی کے حوالے سے) اس کو جو اہمیّت حاصل ہوئی وہ صدیوں تک برقرار رہی۔ اس کے بعد جب حرم شریف میں توسیع کی گئی تو اس تاریخی مکان کو (جس کی ہیئت پہلے ہی تبدیل ہو چکی تھی) حرمِ پاک میں شامل کر لیا گیا۔

---

[1] ہماری مراد بالخصوص اُن صحابۂ کرامؓ سے ہے جو بعثتِ نبوی ﷺ کے ابتدائی تین سالوں کے اندر اسلام لائے۔ یہ بات قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ مشرکین کو تین سال تک ان کے اسلام کا علم نہ ہوا اور انہوں نے ان مسلمانوں کو اُسی وقت اذیتیں دینا شروع کیں جب حضور ﷺ نے علانیہ تبلیغِ حق کا آغاز فرمایا (یعنی ۴ھ بعدِ بعثت میں) لیکن جمہور اربابِ سِیَر کا یہی موقف ہے۔ اُن کے اس موقف کو تسلیم کرنے کی صورت میں ان روایات کی تاویل کرنی پڑے گی جن میں کہا گیا ہے کہ سابقین اوّلین صحابہؓ میں سے اکثر کو شروع ہی سے مشرکین کا ہدفِ ستم بننا پڑا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برملا تبلیغ حق کا آغاز

بعثت کے چوتھے سال کے آغاز میں بارگاہِ الٰہی سے یہ حکم نازل ہوا:۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ. (سورۂ حِجر: ۹۴)

''پس اے نبی! جو حکم تم کو اللہ کی طرف سے ملا ہے اسے ہانکے پکارے سنا دو اور شرک کرنے والوں کی ذرا پروا نہ کرو۔''

پھر حکم آیا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ (۲۶: ۲۱۴)

''اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈراؤ۔''

علانیہ تبلیغِ حق کا حکم نازل ہونے کے بعد سب سے پہلا قدم رسولِ اکرم ﷺ نے یہ اٹھایا کہ حرم شریف میں جا کر سب کے سامنے اپنے طریقے پر نماز پڑھنی شروع کر دی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس پر ابوجہل کو بہت تاؤ آیا اور اس نے قریش کے لوگوں سے کہا کہ اگر میں نے مُحمّد (ﷺ) کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو اُس کی گردن اپنے پاؤں تلے دبا دوں گا۔ رسولِ اکرم ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر اس نے یہ حرکت کی تو ملائکہ علانیہ اسے آ پکڑیں گے۔ (بخاری، ترمذی، نسائی)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حُضور ﷺ نے پہلے پہل حرمِ کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان فرمایا اور اپنے طریقے پر نماز پڑھی تو مشرکین نے ہنگامہ برپا کر دیا اور آپؐ پر حملہ کر دیا۔ حارثؓ بن ابی ہالہ (حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کے فرزند) آپ کو بچانے کے لیے مشرکین کے مقابل ہوئے لیکن ان پر چاروں طرف سے اتنی تلواریں پڑیں کہ وہ شہید ہو گئے۔ اس کے بعد مشرکین تتر بتر ہو گئے۔ اور حضور ﷺ محفوظ رہے۔ (الِاصابہ فی تمیز الصحابہ، ابنِ حجرؒ)

قریبی رشتہ داروں کو دعوت:

تبلیغِ عام کے سلسلے میں دوسرا قدم آپؐ نے یہ اٹھایا کہ آپؐ نے اپنے قریب ترین خاندان والوں کو کھانے کی دعوت دی۔ اس دعوت میں جُملہ ۴۵ (بروایتِ دیگر ۴۰) آدمی شریک ہوئے۔ ان میں بیشتر کا تعلق بنو ہاشم سے تھا اور کچھ بنو مُطّلِب اور بنو عبدِ مناف کے افراد تھے۔ دستر خوان پر بکرے کے پائے اور دودھ تھا۔ جب سب کھانا کھا چکے تو ایک روایت کے مطابق آنحضور ﷺ نے اسلام کے محاسن بیان کیے اور پھر ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں میں سے کون

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میرا ساتھ دے گا اور لوگ تو چپ رہے لیکن تیرہ سالہ حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا:

"اگرچہ میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں، میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میری آنکھیں دکھتی ہیں مگر میں آپ کا ساتھ دوں گا۔"

حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا، تم بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے دو مرتبہ اپنی بات دہرائی اور دونوں مرتبہ حضرت علیؓ ہی نے آپ کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔

دوسری روایت کے مطابق ابولہب نے یہ کہہ کر اس مجلس کو خراب کر دیا کہ ہم تمہاری ہر بات سننے کے لیے تیار ہیں مگر دین سے پھرنے کی بات نہ کرو۔

علامہ بلاذریؒ اور ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم علیہ السلام نے دوسرے روز پھر قریبی رشتے داروں کو بلایا اور ان کو اللہ کے دین کی طرف بلایا۔ آپؐ کی دعوت کے جواب میں جناب ابوطالب نے کہا، میں دینِ عبدالمُطَّلِب ہی پر رہنا چاہتا ہوں مگر تمہیں جس کام کا حکم دیا گیا ہے تم یہ کرتے رہو میں تمہاری حمایت اور حفاظت کروں گا۔ اس پر ابولہب نے برافروختہ ہو کر کہا، خدا کی قسم یہ غلط بات ہے اس سے پہلے کہ اس کو دوسرے روکیں، تم اس کو (اپنے دین کی تبلیغ کرنے سے) روکو۔

جناب ابو طالب نے اس کے جواب میں بڑے پُرعزم لہجے میں کہا، خدا کی قسم جب تک ہمارے دَم میں دَم ہے ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ آیت أَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ کا حکم نازل ہونے کے بعد رسولِ اکرم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے دادا کی اولاد کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا:

"اے بنی عبدالمُطَّلِب، اے عباسؓ، اے صفیہؓ رسول اللہ کی پھوپھی، اے فاطمہ مُحَمَّد کی بیٹی! تم لوگ آگ کے عذاب سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرلو، میں اللہ کی پکڑ سے تم کو نہیں بچا سکتا البتہ میرے مال سے جو چاہو مجھ سے مانگ سکتے ہو۔"

یہ صرف رشتہ داروں کو محض دین کی دعوت ہی نہیں تھی بلکہ اس بات کا بھی اظہار اور اعلان تھا کہ اللہ کے دین کو قبول کیے بغیر رسول اللہ علیہ السلام کے قریب ترین عزیزوں کی بھی نجات ممکن نہیں۔ چونکہ مقصود و منشاء ایک اصول کو واضح کرنا تھا اس لیے اپنے خطاب میں اپنی دو اڑھائی سالہ صاحبزادی فاطمہؓ تک کا نام بھی لیا حالانکہ اس وقت ان کو آخرت میں اللہ کی پکڑ سے ڈرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

کوہِ صفا پر اعلانِ حق:

علانیہ تبلیغِ حق کے سلسلے میں تیسرا قدم آپؐ نے یہ اٹھایا کہ ایک دن عَلَی الصَّبَاح کوہِ صفا کی چوٹی پر چڑھے اور بلند آواز میں یہ صدا لگائی یَا صَبَاحَاہ (ہائے صبح کا خطرہ) عرب میں یہ صدا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُس وقت لگائی جاتی تھی جب کسی دشمن یا غنیم کے حملے کا فوری خطرہ ہوتا۔ اہلِ مکّہ کے لیے بھی یہ صدا جانی پہچانی تھی۔ یہ صدا لگانے کے بعد حضور علیہ ﷺ نے قریش کے ایک ایک خاندان کو نام بنام آواز دے کر بلانا شروع کیا۔ اے بنی عبدالمُطّلب، اے بنی ہاشم، اے بنی کعب بن لُوَیّ، اے بنی فہر، اے بنی مُرّہ، اے بنی عبدِ شمس، اے بنی عبدِ مناف، اے بنی فلاں، اے بنی فلاں۔ حُضُور علیہ ﷺ کی اس آواز پر سب خاندانوں کے لوگ گھروں سے نکل کر کوہِ صفا کے پاس جمع ہو گئے اور جو خود نہ آسکا اس نے اپنا نمایندہ بھیج دیا۔ ان جمع ہونے والوں میں ابولہب بھی تھا۔ حُضُور علیہ ﷺ نے اس مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> ''لوگو! اگر میں تمھیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کی دوسری جانب (یا اس وادی میں) ایک بھاری لشکر تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کرو گے؟''

سب نے کہا، ہاں ہم یقین کریں گے کیونکہ ہم نے کبھی تمھیں جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا، ''تو میں تمھیں خبردار کرتا ہوں کہ آگے سخت عذاب آ رہا ہے اپنی جانوں کو اس سے بچانے کی فکر کرو۔'' اس سے پہلے کہ کوئی اور بولتا ابولہب نے چلا کر کہا:

''ستیاناس جائے تیرا، کیا تو نے اس لیے ہمیں جمع کیا تھا؟'' پھر سب لوگ بڑ بڑاتے ہوئے چلے گئے۔

مولانا الطاف حسین حالیؒ نے اپنی ''مُسدّس'' میں کوہِ صفا کے اس وعظ کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

وہ فخرِ عرب زیبِ محراب و منبر تمام اہلِ مکّہ کو ہمراہ لے کر
گیا ایک دن حسبِ فرمانِ داور سوئے دشت اور چڑھ کے کوہِ صفا پر
یہ فرمایا سب سے کہ اے آلِ غالب [1]
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب

کہا سب نے قول آج تک کوئی تیرا کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا
کہا، گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا تو باور کرو گے اگر میں کہوں گا
کہ فوجِ گراں پشتِ کوہِ صفا پر
پڑی ہے کہ ٹوٹے تمھیں گھات پا کر

کہا، تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے کہ بچپن سے صادق ہے تُو اور امیں ہے
کہا، گر مری بات یہ دلنشیں ہے تو سُن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے
کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا

---

[1] قریش کے بیشتر خاندان غالب کی اولاد سے ہیں۔ وہ عدنان سے گیارہ پشت نیچے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑا ہر طرف غُل یہ پیغامِ حق سے:

رسولِ اکرم ﷺ صرف اہلِ مکّہ کے لیے نہیں بلکہ روئے زمین کے سب انسانوں کے لیے مبعوث ہوئے تھے اس لیے دعوتِ توحید کو صرف مکّہ کے لوگوں تک محدود نہیں کیا جاسکتا تھا اور مکّہ سے باہر کے لوگوں تک بھی پیغامِ حق پہنچانا ضروری تھا۔ ظاہر ہے کہ باہر کے لوگوں میں سرِفہرست اپنے وطن کے باشندے یعنی اہلِ عرب ہی ہو سکتے تھے۔ عرب لاکھوں مربع میل پر محیط ایک وسیع و عریض ملک ہے۔ اس میں بیسیوں عرب قبائل دور دور تک آباد تھے۔ اُس زمانے میں جب آجکل کے سریع الحرکت ذرائع سفر کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، طویل پرصُعُوبت سفر کے بعد ان کی بستیوں یا آبادیوں تک پہنچ کر ان کو پیغامِ حق سنانا امرِ محال تھا۔ لیکن عربوں کے ایک رواج سے اس مشکل کا حل بھی نکل آیا۔ بھارت کے ہندوؤں کی طرح اُس جاہلی دَور کے عربوں میں بھی میلوں کا بڑا رواج تھا۔ ان میں عُکاظ، مَجَنّہ اور ذُوالمجاز کے میلے یا بازار بہت مشہور تھے۔ ان کے علاوہ مکّہ میں حج کا بہت بڑا اجتماع بھی ہوتا تھا جس میں عرب کے گوشے گوشے سے کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوتے تھے۔ عربوں میں دستور تھا کہ وہ ہر سال شوّال کے مہینے میں عُکاظ کے میلے میں شریک ہوتے تھے اور ایک ماہ تک وہیں قیام کرتے تھے [1] پھر مَجَنّہ (یا ذوالحجہ) کے میلے یا بازار میں آتے اور بیس دن تک قیام کرتے اس کے بعد مکّہ کے قریب ذوالمجاز کے میلے یا بازار میں آتے اور وہاں یکم ذی الحجہ سے آٹھ ذی الحجہ یعنی یوم الترویہ تک ٹھہرتے تھے۔ ساتھ ہی مِنیٰ میں خیموں کا شہر آباد کرتے تھے اور حج سے فارغ ہونے کے بعد بھی وہاں چند دن قیام کرتے تھے۔ آنحضور ﷺ نے یہ معمول بنالیا کہ مقامی لوگوں کو مسلسل دعوتِ حق دینے کے علاوہ ہر سال ان میلوں، بازاروں اور حج کے اجتماعات میں ہر قبیلے کے پڑاؤ پر تشریف لے جاتے اور ان لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتے۔ آپ کی دعوت کا محور یہ الفاظ ہوتے تھے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَعْبُدُوْهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا

"اے لوگو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم صرف اُسی کی عبادت کیا کرو اور کسی دوسرے کو اُس کا شریک نہ بنایا کرو۔"

---

[1] عُکاظ جاہلی دَور کے عرب کا سب سے اہم اور مشہور میلہ تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ ذیقعدہ کے مہینے میں لگا کرتا تھا۔ قیاس یہ ہے کہ یہ شوّال کے مہینے میں شروع ہو کر ذیقعدہ میں ختم ہوتا تھا۔ اس میلے میں ایک بہت بڑا بازار لگتا تھا جس میں جُملہ قبائلِ عرب میں سے مختلف طبقوں کے لوگ آکر شریک ہوتے تھے۔ اس میلے میں تجارت اور کاروبار کے علاوہ اَدَبی اور علمی محفلیں بھی منعقد ہوتی تھیں جن میں بڑے بڑے شعراء اپنا کلام سناتے تھے۔ حَکَم اس کلام کی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں رائے دیتے۔ ان محفلوں کا ایک مشہور حَکَم دورِ جاہلیّت کا ایک نامور شاعر نابغہ ذبیانی تھا۔ قبائلِ قریش، ہَوازن، غطفان، عُقَیل اور مُصطلِق اس میلے میں بطورِ خاص شریک ہوا کرتے تھے۔ بازارِ عُکاظ، مکّہ معظمہ سے شمال کی طرف جانے والے راستہ پر اس مقام پر لگا کرتا تھا جو آج کل "سَیلِ کبیر" کے نام سے مشہور ہے۔ اسلام آنے کے بعد یہ سب میلے مِٹ گئے۔ (جزیرۃ العرب)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعوتِ عام کا یہ سلسلہ ۴ بعدِ بعثت کے موسمِ حج سے شروع ہو کر ۱۳ بعدِ بعثت کے موسمِ حج تک برابر جاری رہا یہاں تک کہ شعبِ ابی طالب میں محصوری کے تین سالوں کے دوران میں بھی آپؐ ہر سال موسمِ حج میں درّے سے نکل کر لوگوں کو دعوت اِلی اللہ دیتے رہے۔ ان دس سالوں میں بیرونِ مکّہ کے بعض سعید الفطرت لوگوں کو قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہوگئی (ان میں سے کچھ کا ذکر آگے آ رہا ہے) ان کی تعداد تو کچھ زیادہ نہیں تھی البتہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کثیر تھی جو حضور ﷺ کے اسمِ گرامی اور آپؐ کی دعوت سے متعارف ہوگئے۔ ان میں نہ صرف نزدیکی بلکہ عرب کے دور دراز علاقوں کے لوگ بھی شامل تھے۔ حضور ﷺ کی تبلیغ کا جو اثر ہوا سو ہوا، آپؐ کو متعارف کرانے میں مشرکینِ قریش کا منفی پروپیگنڈا بھی بڑا کارگر ثابت ہوا۔ وہ باہر سے مکّہ آنے والے لوگوں کو حضور ﷺ کے بارے میں جھوٹی اور لغو باتیں بتا کر اُن سے کہتے کہ وہ حضور ﷺ سے نہ ملیں اور نہ آپؐ کے ارشادات سنیں ورنہ ''گمراہ'' ہو جائیں گے۔ جو بدقسمت ان کی باتوں پر یقین کر لیتے تھے۔ وہ تو دولتِ ایمان سے محروم رہ جاتے تھے لیکن زیادہ تر لوگوں کے دلوں میں حضور ﷺ کی شخصیت آپؐ کی دعوت اور آپؐ پر نازل ہونے والے کلام سے واقفیت حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہو جاتا تھا۔

رحمتِ عالم ﷺ کی شانِ تبلیغ کیا تھی اور اس کے نتیجے میں کیا ہوا، مولانا حالیؒ نے اس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی — عَرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن سب کے دل میں لگا دی — اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غُل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُخالَفت کا طُوفان

متعدد روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دینِ حق اور اہلِ حق کی مُخالَفت بعثتِ نبوی کے ابتدائی تین سالوں کے دوران ہی میں شروع ہو چکی تھی۔ کچھ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس ابتدائی زمانے میں مشرکین نے آنحضور ﷺ کی ذاتِ گرامی پر تو ہاتھ نہیں اٹھایا لیکن اُن سعید الفطرت ہستیوں (بالخصوص کمزور طبقے کے افراد) کو ہدفِ ستم بنانے سے گریز نہ کیا جنہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ یہ ''ستم'' زبانی طعن و تشنیع سے گزر کر مار پیٹ تک کی صورت بھی اختیار کر جاتا تھا لیکن مخالفت اور جور و تعدی کا شدید طوفان اُس وقت برپا ہوا جب نُبوّت کے چوتھے سال ہادیٔ اکرم ﷺ نے علانیہ تبلیغِ حق کا آغاز فرمایا۔ یہ طوفان برپا کرنے والوں کو عام طور پر ''قُریش'' کہا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں ''قریش'' کے تمام لوگ شامل نہیں تھے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ صرف بعثت کے ابتدائی تین سالوں میں بلکہ ۴ھ بعدِ بعثت سے لے کر ہجرتِ مدینہ (۱۳ھ بعدِ بعثت) تک قریش کا کوئی گھرانا ایسا نہیں تھا جس کے کچھ نہ کچھ افراد حلقہ بگوشِ اسلام نہ ہو گئے ہوں۔ ان میں قریش کے متعدد معزز سرداروں کے علاوہ ان کے حامیوں اور لواحقین کی ایک معقول تعداد بھی شامل تھی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ قریش کی اکثریت فتحِ مکہ (رمضان ۸ھ ہجری) تک اپنے آبائی دین پر قائم رہی۔ اس کا ایک بڑا سبب ان لوگوں کا اپنے چند مشرک سرداروں کے زیرِ اثر ہونا تھا۔ ان سرداروں میں کچھ تو حُضور ﷺ اور دینِ حق کے بدترین مخالف تھے مثلاً ابولہب، ابوجہل، عُقبہ بن ابی مُعَیط، اَسْوَد بن عبدِ یَغُوث، اُمَیّہ بن خَلَف، اُبَیّ بن خَلَف، نَضر بن حارث، عاص بن وائل، ابن الاصداء، حارث بن قیس بن عدی وغیرہم۔ یہ اشرار اور اُن کے زیرِ اثر مشرکین رحمتِ عالم اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کو ستانے اور ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھانے میں بہت دلیر تھے ان شیطان صِفَت سرداروں کے علاوہ قریش کے دوسرے مشرک سردار دینِ حق کے مخالف تو ضرور تھے لیکن وہ ہر وقت حُضور ﷺ کے درپئے آزار نہیں رہتے تھے۔ ہاں اپنے زیرِ اثر لوگوں کو وہ بھی اسلام قبول کرنے سے روکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اتنی ہمّت اور استقامت عطا کی تھی کہ انہوں نے راہِ حق میں ہر قسم کے مصائب اور مظالم نہایت صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کیے اور کسی ایک کے بھی پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ البتہ مشرکین کی اپنی صفوں میں توڑ پھوڑ شروع ہو گئی۔ ان میں سے بعض نے ہر قسم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی مخالفت کے علی الرغم علانیہ اسلام قبول کر لیا بعض کے دل میں اسلام کے لیے نرم گوشہ پیدا ہوگیا اور وہ حق و باطل کی آویزش میں غیر جانبدار ہو گئے۔

آنحضور ﷺ اور دینِ حق سے مشرکینِ قریش کی مخالفت کے بڑے بڑے اسباب یہ تھے:

۱۔ وہ اپنے باپ دادا کے مذہب (بت پرستی) سے اندھی عقیدت رکھتے تھے اور اس کے مقابلے میں کسی معقول بات کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔

۲۔ وہ یومِ آخرت اور محاسبۂ آخرت کے قائل نہ تھے۔

۳۔ اُن کو اپنے معبود بتوں (دیوی، دیوتاؤں) کی مذمّت تو کیا، ان کے خلاف ذرا سی بات سننا بھی گوارا نہ تھا۔

۴۔ وہ اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے کہ اللہ کسی انسان (بشر) کو بھی انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیج سکتا ہے۔

۵۔ وہ اپنے حَسَب نَسَب پر بہت مغرور تھے اور ان کو اسلام کا نظریۂ مساوات قبول کرنے میں اپنی ذِلّت محسوس ہوتی تھی۔

۶۔ بعض مشرک سرداروں کو یہ گوارا نہ تھا کہ بنو ہاشم کو اس لیے ان کے خاندان پر تفوّق حاصل ہو جائے کہ ان میں ایک نبی پیدا ہوا ہے۔

۷۔ اسلام کی تعلیمات اُن تمام برائیوں کو ترک کرنے پر زور دیتی تھیں جن میں اہلِ عرب (بشمول قریشِ مکّہ) مبتلا تھے مثلاً شراب خواری، قمار بازی، سود خواری، حرام خوری، بدکاری، بے حیائی، قتل و غارت (خونریزی) لوٹ مار، ڈاکا زنی، محرمات اور لامحدود عورتوں سے نکاح وغیرہ۔

کافروں کے مخالفانہ حربے:

مشرکینِ مکّہ نے اسلام کو پھیلنے سے روکنے کے لیے قِسم قِسم کے حربے استعمال کیے۔ ان کو دینِ حق کے داعیِ اعظم ﷺ اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کے خلاف محاذ آرائی کی مختلف صورتیں سمجھنا چاہیے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

- ترغیب و تحریص کے ذریعے حضور ﷺ سے سمجھوتے کی کوششیں۔
- جناب ابو طالب پر حضور ﷺ کی حمایت سے دستکش ہونے کے لیے دباؤ۔
- گھٹیا اور چھچھوری حرکتیں، جھوٹ کی مہم۔
- بیکس غلاموں اور کنیزوں پر جور و ستم
- ذی حیثیت اور عام مسلمانوں پر قہر و عتاب
- ذاتِ رسالتمآب ﷺ پر ننگِ انسانیت ظلم و تشدّد۔

اگلے صفحات میں ان حربوں کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کو پڑھ کر معلوم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگا کہ حق کی مخالفت میں مشرکین انسانیت اور شرافت کی تمام حدود پھلانگ گئے تھے۔

ترغیب وتحریص کا حربہ:

مشرکینِ مکّہ نے دعوتِ اسلامی یا دینِ حق کو پھیلنے سے روکنے کے لیے جہاں جبر وستم اور ظلم وتشدّد کے مختلف حربے بے تحاشا استعمال کیے وہاں ترغیب وتحریص کا حربہ بھی کئی بار استعمال کیا۔ کُتُب حدیث و سِیَر میں ایسی متعدد روایتیں ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے مختلف اوقات میں مختلف مواقع پر رسولِ اکرم ﷺ سے ''کچھ لو اور کچھ دو'' کی بنیاد پر سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی۔ ''کچھ لو'' سے مراد تو ''ترغیب وتحریص'' تھی یعنی مشرکین نے حُضور ﷺ کو مختلف لذائذِ دُنیوی اور جاہ وحَشم کی پیشکش کی اور اس کے بدلے میں ''کچھ دو'' سے ان کا مُدّعا یہ تھا کہ آپ حق کی تبلیغ اور مشرکین کے معبودوں (بتوں اور دیوی دیوتاؤں) کی برائی کرنا چھوڑ دیں۔[1] لیکن ہادیٔ اکرم ﷺ نے دین کے معاملے میں مصلحت سے کام لینے اور کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے سے صاف انکار فرما دیا اور مشرکین کی ہر پیشکش یا ترغیب وتحریص کو پائے اِستحقار سے ٹھکرا دیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس قسم کے کچھ واقعات کا اختصار کے ساتھ ذکر کر دیا جائے۔ یہ واقعات ۴ بعدِ بعثت سے ۷ بعدِ بعثت تک کے درمیانی عرصے میں مختلف اوقات میں پیش آئے۔

ایک دن مشرکینِ قریش کے بہت سے سردار حرم شریف میں محفل جمائے بیٹھے تھے۔ اُن سے کچھ دُور حرم شریف کے ایک گوشے میں رسولِ اکرم ﷺ بھی یادِ الٰہی میں مشغول تھے۔ اس موقع پر مکّہ کے سربرآوردہ رئیس اور بنو عبدِ شمس کے سردار ابو الولید عُتبہ بن ربیعہ (بن عبد شمس بن عبد مناف) نے جو شریکِ محفل تھا، اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ مُحمّدؐ (ﷺ) سے گفتگو کر کے مصالحت کی کوئی صورت پیدا کی جائے شاید اس طرح ہماری پریشانی کا خاتمہ ہو جائے۔ سب نے اس تجویز کو پسند کیا اور عتبہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور ﷺ کے پاس بھیجا۔ وہ آپؐ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ جب حضور ﷺ اس کی طرف متوجّہ ہوئے تو اس نے کہا:

> ''بھتیجے! ہمارے درمیان تمہارا جو مقام ومرتبہ ہے اور جس معزّز ترین خاندان کے تم فرد ہو، اس کا تمہیں علم ہے۔ یہ تم نے اپنی قوم کو کس مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ تم نے ان کی جماعت کا شیرازہ بکھیر دیا، ان کو احمق قرار دیا، ان کے آباؤ اجداد کو گمراہ ٹھہرایا، اُن کے معبودوں کی برائی کی اور اُن کے دین کو عیب لگایا۔ اب میری بات غور سے سُنو، میں کچھ تجویزیں پیش کرتا ہوں، ممکن ہے ان میں سے کسی تجویز کو تم قبول کر لو۔''

---

[1] رسولِ اکرم ﷺ لوگوں کو بتاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں وہ اکیلا ہی عبادت کے لائق ہے۔ جن بُتوں اور دیوی دیوتاؤں کو مشرکین نے اپنا معبود اور اللہ کا شریک بنا رکھا ہے وہ بالکل بے اختیار ہیں، نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ حُضور ﷺ کے یہ ارشادات مشرکین کے نزدیک ان کے معبودوں کی برائی کے مترادف تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ نے فرمایا، ابوالولید! کہو میں سن رہا ہوں۔

عتبہ نے کہا، میرے بھتیجے! یہ معاملہ جو تم لے کر آئے ہو اگر اس سے تمہارا مقصد مال و دولت حاصل کرنا ہے تو ہم تمہارے لیے اتنا مال و دولت جمع کیے دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے بڑے امیر بن جاؤ۔ اگر اس سے اپنی بڑائی چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار تسلیم کر لیں گے اور کسی معاملے کا فیصلہ تمہاری مرضی کے بغیر نہیں کریں گے۔ اگر بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنا لیں گے۔ اگر تم پر کوئی جن آتا ہے جس کا دفعیہ تمہارے بس میں نہیں ہے تو ہم اپنے خرچ پر تمہارا علاج کرانے کے لیے تیار ہیں۔"

جب عتبہ اپنی بات پوری کر چکا تو حضور ﷺ نے فرمایا: ابوالولید! تمہیں جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکے یا ابھی کچھ باقی ہے؟

عُتبہ نے کہا، مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ میں نے کہہ دیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا، اب میرا جواب سُنو۔

یہ فرما کر آپؐ نے سورۂ حٰمٓ السجدہ کی تلاوت شروع کر دی۔

عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پشت کی جانب زمین پر ٹیکے بڑے غور سے کلامِ ربانی سنتا رہا۔ آیتِ سجدہ (آیت ۳۸) پر پہنچ کر حضور ﷺ نے سجدہ کیا پھر سر اٹھا کر فرمایا، ابوالولید، جو کچھ تمہیں سننا تھا تم نے سن لیا اب تم جانو اور تمہارا کام۔

عُتبہ اٹھ کر اپنے ساتھیوں کی طرف گیا تو کلامِ الٰہی کے اثر سے اس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ اس کے ساتھی اُسے دُور ہی سے دیکھ کر چلا اُٹھے، واللہ ابوالولید جس چہرے کے ساتھ گیا تھا، یہ چہرہ اس سے بدلا ہوا ہے۔

جب وہ بیٹھا تو اُنہوں نے پوچھا، ابوالولید! کیا سن آئے؟

عتبہ نے کہا، میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے جو اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں سنا تھا، واللہ اے برادرانِ قریش نہ وہ شعر ہے، نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے، میری رائے میں تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ اس شخص کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اگر عرب کے دوسرے قبائل اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اس کو مغلوب کر لیا تو تم اپنے بھائی کے خلاف ہتھیار اٹھانے سے بچ جاؤ گے اور اگر وہ اہلِ عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہی اور عزّت تمہاری بادشاہی اور عزّت ہوگی۔

عتبہ کی باتیں سن کر سردارانِ قریش بھڑک اٹھے اور غضبناک لہجے میں بولے، ابوالولید! آخر تم پر بھی اس کے کلام کا جادو چل گیا۔ تم سے تو ایسی امید نہ تھی۔

عتبہ نے کہا، میں نے اپنی رائے تمہیں بتا دی ہے اب جو تمہاری مرضی ہو وہ کرو۔

(سیرت ابنِ ہشام)

ایک اور موقع پر ابوجہل، ابوسفیان بن حرب، ولید بن مغیرہ، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عاص بن وائل، نضر بن حارث اور مشرکینِ قریش کے کئی دوسرے عمائد شام کے وقت کعبہ کی دیوار کے پاس جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ محمد (ﷺ) کو یہاں بلا کر ان سے دوٹوک بات کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ کو پیغام بھیجا کہ قوم کے معزّزین جمع ہوئے ہیں تا کہ آپ سے بات کریں۔ وہ آپ کے یہاں آنے کے منتظر ہیں۔

حضور ﷺ خود چاہتے تھے کہ کسی طرح ان لوگوں تک پیغامِ ہدایت پہنچ جائے چنانچہ آپؐ فوراً ان لوگوں کے پاس پہنچ گئے اور ان سے فرمایا، آپ لوگ جو کہنا چاہتے ہیں بلا تکلف کہیں۔ انہوں نے وہی باتیں کہیں جو عتبہ نے آپؐ کے سامنے کہی تھیں۔ جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا:

> ''مجھ پر نہ کوئی جن آتا ہے اور نہ میں اپنی بڑائی چاہتا ہوں مجھے بادشاہ یا امیر کبیر بننے کی آرزو بھی نہیں ہے۔ میں نے جو چیز تمہارے سامنے پیش کی ہے اس کا مقصد کوئی ذاتی مفاد حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر ایک کتاب نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ ایمان لانے پر تمہیں اللہ کی رحمت اور خوشنودی کی بشارت دوں اور ایمان نہ لانے پر تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈراؤں (بروقت خبردار کروں)۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر دی۔ اگر تم دینِ حق کو قبول کرلو تو دنیا اور آخرت میں فلاح پاؤ گے اور اگر تم اسے ردّ کرتے ہو تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔''

حضور ﷺ کے ارشادات کے جواب میں سردارانِ قریش سے اور تو کچھ بن نہ پڑا وہ آپؐ سے اوٹ پٹانگ مطالبے کرنے لگے جن میں آپؐ سے مختلف نوع کے معجزات دکھانے کے لیے کہا گیا تھا۔ قرآنِ حکیم کی کئی سورتوں میں مشرکین کے اس قسم کے نامعقول مطالبات کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ایسے تمام مطالبات کو یکجا بیان کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

> وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا (۹۰) اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا (۹۱) اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا (۹۲) اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (۹۳) ع (بنی اسرآئیل آیات ۹۰ تا ۹۳)

ترجمہ: اور انہوں (کفار) نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تم پر جب تک تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے لیے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری نہ کر دے یا تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تُو اس میں نہریں رواں کر دے یا تُو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے یا اللہ اور فرشتوں کو رُو در رُو (بے حجاب) ہمارے سامنے لے آئے یا تیرے لیے سونے کا ایک گھر بن جائے یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور تیرے چڑھنے کا بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک کہ تُو ہمارے اوپر ایک ایسی کتاب (تحریر) نہ اتار لائے جسے ہم پڑھیں۔ (اے نبی) ان کی خرافات کے جواب میں) ان سے کہو، پاک ہے میرا پروردگار اور میں کون ہوں مگر ایک انسان اللہ کا پیغام لانے والا۔"

حضور علیہ السلام نے حکمِ الٰہی کے مطابق معجزات کے مطالبوں کے جواب میں ان لوگوں سے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے معجزے دکھانے کے لیے تمہارے پاس نہیں بھیجا اس نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا وہ میں نے تمہیں سنا دیا ہے۔ مطلب یہ کہ میں نے کب خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ تم مجھ سے ایسے مطالبے کر رہے ہو میں تو اللہ کا بندہ اور رسول ہوں، قادرِ مطلق نہیں۔ [1]

حضور علیہ السلام کا جواب سن کر ان لوگوں نے برافروختہ ہو کر آپ کو دھمکی دی کہ تم جو کچھ کر رہے ہو ہم اسے زیادہ عرصہ برداشت نہیں کریں گے۔ اس معاملے کا فیصلہ ایک دن اسی طرح ہو گا کہ تم ہمیں ختم کر دو گے یا ہم تمہیں ختم کر دیں گے۔ (سیرۃ ابن ہشام)

ایک اور موقع پر مشرکین نے اس مضحکہ خیز بات پر حضور علیہ السلام سے سمجھوتہ کرنا چاہا کہ مشرکین اور مسلمان باری باری ایک دوسرے کا دین اختیار کر لیا کریں وہ اس طرح کہ ایک سال تمام مسلمان قریش کا آبائی دین (بُت پرستی) اختیار کر لیا کریں اور ایک سال قریش کے تمام لوگ حلقۂ بگوشِ اسلام ہو جایا کریں (ظاہر ہے کہ یہ ایک لغو تجویز تھی۔ اس کو ماننے کا سوال ہی پیدا نہ

---

[1] کتبِ سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار نے صرف اسی موقع پر رسولِ اکرم علیہ السلام سے معجزوں کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ کئی اور موقعوں پر بھی اس قسم کے مطالبے کیے۔ بارگاہِ خداوندی سے ایسے مطالبوں کے جواب میں فرمایا گیا کہ ہم نے دلیلِ نبوّت کے طور پر پیش کرنے کے لیے نشانیاں اس لیے نہیں بھیجیں کہ اس سے پہلے دوسری اُمتوں کے مطالبے پر ہم نے یہ نشانیاں بھیجیں تو اُن لوگوں نے ان کو جھٹلایا اور پھر اس سرکشی اور ظلم کی سزا عذابِ الٰہی کی صورت میں بھگتی۔ سورۂ بنی اسرائیل ہی میں اس کی ایک مثال اس طرح دی گئی ہے:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا. (آیہ ۵۹)

ترجمہ: "اور ہم کو نشانیاں بھیجنے سے نہیں روکا مگر اس بات نے کہ ان سے پہلے کے لوگ ان کو جھٹلا چکے ہیں (چنانچہ دیکھ لو) ثمود کو کہ ہم نے علانیہ اونٹنی لا کر دی اور انہوں نے اس پر ظلم کیا۔ ہم نشانیاں اسی لیے تو بھیجتے ہیں کہ لوگ انہیں دیکھ کر ڈریں۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا تھا) (ابنِ ابی حاتم)

ایک اور روایت میں ہے کہ مشرکین نے مال و دولت کے علاوہ حضور ﷺ کو یہ پیشکش بھی کی کہ آپ جس عورت کو پسند کریں اس سے آپ کی شادی کر دیں گے مگر شرط یہ ہے کہ آپ ایک سال ہمارے معبودوں لات اور عزّیٰ کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود (اللہ) کی عبادت کریں۔ اس موقع پر سورۂ کافرون نازل ہوئی اور اس قسم کی بیہودہ تجویزیں قطعی طور پر رَدّ کر دی گئیں۔ (طَبری، ابنِ ابی حاتم، طبرانی)

اس سلسلے میں کچھ اور روایات بھی ملتی ہیں ان کے درمیان لفظی اختلافات کے باوجود خلاصہ سب کا یہی ہے کہ مشرکینِ قریش نے ترغیب وتحریص کا حربہ بھرپور انداز میں استعمال کیا۔ یہ بیوقوف حضور ﷺ کے مقام ومرتبہ کا صحیح اندازہ نہیں کر سکے تھے اسی لیے ان کا یہ حربہ بُری طرح ناکام ہوگیا۔

جنابِ ابوطالب کے پاس قریش کے وُفُود:

دعوتِ حق کو روکنے کے لیے مشرکینِ قریش کا دوسرا منصوبہ یہ تھا کہ حضور ﷺ کے شفیق چچا جناب ابوطالب پر دباؤ ڈالیں کہ وہ اپنے بھتیجے مُحَمَّدٌ (ﷺ) کو اپنے کام سے باز آجانے پر مجبور کریں اور اگر وہ باز نہیں آتے تو پھر ابوطالب ان کی حمایت سے دستکش ہو جائیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے انہوں نے جناب ابوطالب کے پاس مختلف اوقات میں تین چار وفود بھیجے۔ جناب ابوطالب کوئی متموّل آدمی نہیں تھے لیکن اپنی ذاتی شرافت اور خاندانی وجاہت کی بناء پر اُن کا شمار قریش کے چوٹی کے معزّزین میں ہوتا تھا۔ پھر ابولہب اور اس کے دوچار ساتھیوں کے سوا بنوہاشم اور بنومُطّلِب کے سب لوگ ان کی پشت پر تھے۔ اسی لیے قریش کے دوسرے خاندانوں میں سے کسی کو ان کے ساتھ دشمنی مول لینے کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ ان کے پاس وفود بھیجنے کا پس منظر مشرکین کی یہی ہچکچاہٹ تھی اور وہ چاہتے تھے کہ یہ معاملہ بات چیت ہی سے سلجھ جائے۔ مشرکین کے وفود اور جناب ابوطالب کے درمیان جو کچھ پیش آیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

پہلا وفد:

اس وفد میں ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عُتبہ بن ربیعہ، شَیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، عاص بن وائل، ابو البختری، عاص بن ہشام اور قریش کے کئی دوسرے بڑے بڑے سردار شامل تھے۔ ان لوگوں نے ابوطالب کے پاس جا کر کہا کہ اے ابوطالب! تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی برائی کرتا ہے۔ ہمارے دین کی مَذمّت کرتا ہے، ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ اور ہمیں احمق قرار دیتا ہے۔ اب یا تو آپ اسے ان باتوں سے روک دیں یا ہمارے اور ان کے بیچ میں سے ہٹ جائیں ہم خود اس سے نمٹ لیں گے۔

ابوطالب نے انہیں بہت نرم جواب دیا اور اپنی خوش گفتاری سے ان کا غم وغصہ فرو کر دیا۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔ (سیرۃ ابنِ ہشام، البِدَایہ وَالنِّہایہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا وفد:

قریش نے جب دیکھا کہ ان کی پہلی سفارت کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور رسولِ اکرم ﷺ بدستور تبلیغ حق میں مشغول ہیں تو انہوں نے ایک اور وفد ابو طالب کے پاس بھیجا۔ اس وفد نے قدرے تلخ لہجے میں جناب ابو طالب سے کہا کہ اے ابو طالب! آپ عمر کے اعتبار سے ہمارے بزرگ ہیں اور ویسے بھی شَرَف اور قدر و منزلت میں آپ ممتاز مقام کے مالک ہیں۔ ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ اپنے بھتیجے کو فلاں اور فلاں بات سے روکیں یا اس کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیں لیکن نہ آپ کے بھتیجے نے اپنا طرزِ عمل بدلا ہے اور نہ آپ نے اس کی حمایت ترک کی ہے اب آپ یا تو اسے روکیں یا پھر اس کے ساتھ آپ بھی ہمارے مقابل ہوں یہاں تک کہ فریقین میں سے کسی ایک کا خاتمہ ہو جائے۔

اس کے بعد جو کچھ پیش آیا اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ جناب ابو طالب نے رسولِ اکرم ﷺ کو بلا بھیجا۔ جب آپ تشریف لائے تو ابو طالب نے آپؐ سے مخاطِب ہو کر فرمایا:

> ”اے برادر زادے، یہ تمہاری قوم کے سردار تم سے یہ چاہتے ہیں کہ تم ان کے معبودوں کی مَذَمّت کرنا بند کر دو اس سے ان کی دلآزاری ہوتی ہے۔“

اس پر حُضور ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر وفد کے ارکان سے فرمایا، آپ لوگ یہ سورج دیکھ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا، ہاں آپؐ نے فرمایا، جس طرح یہ سورج آپ لوگوں سے اپنے شعلے روک دینے کی طاقت نہیں رکھتا اسی طرح میں بھی حق کی تبلیغ سے نہیں رُک سکتا۔

یہ فرما کر آپؐ اٹھ گئے۔ آپ کے جانے کے بعد ابو طالب نے اہلِ وفد سے کہا ”میرے بھتیجے نے کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کہی لہٰذا آپ لوگ تشریف لے جائیں۔“

(بخاری فی التاریخ، طبرانی، ابویعلیٰ)

دوسری روایت یہ ہے کہ قریش کا وفد چلا گیا تو جناب ابو طالب نے حضور ﷺ کو بلا کر کہا، بیٹا تمہاری قوم کے اکابر نے آ کر مجھ سے یہ شکایت کی ہے اور ہمارے ساتھ سخت دشمنی کا اظہار کیا ہے۔ میری رائے میں مناسب یہ ہے کہ تم میرے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کو نہ میں اٹھا سکوں اور نہ تم اس کے متحمل ہو سکو۔ لہٰذا تم ایسی باتیں کہنا چھوڑ دو جو ان لوگوں کی دلآزاری کا باعث ہوتی ہیں۔

چچا کی باتیں سن کر حضور ﷺ نے محسوس کیا کہ چچا معاندینِ حق کی باتوں سے متاثر ہو گئے ہیں اور ان کو میری مدافعت کرنے میں خطرہ نظر آ رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

> ”چچا جان! اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند ہی لا کر کیوں نہ رکھ دیا جائے، میں تبلیغِ حق کا فرض ادا کرنے سے پیچھے نہیں ہٹوں گا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے کامیاب فرما دے یا میں اس راہ میں ختم ہو جاؤں۔"

پھر حضور ﷺ رنجیدہ ہو کر چشم پُر آب ہو گئے اور اٹھ کر جانے لگے۔ یہ دیکھ کر جناب ابو طالب نے آپؐ کو آواز دے کر اپنے قریب بلایا اور کہا، اے میرے بھائی کے فرزند! اپنا کام جاری رکھو اور جو جی میں آئے کرو واللہ جب تک میں زندہ ہوں میں تمہیں دشمنوں کے حوالے ہرگز نہیں کروں گا۔ (ابنِ ہشام، طبری)

تیسرا وفد:

مشرکینِ قریش نے جب دیکھا کہ ابو طالب کسی صورت میں بھی حُضور ﷺ کی حمایت سے دستکش ہونے پر تیار نہیں تو انہوں نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ایک عجیب تجویز سوچی اور ایک تیسرا وفد مرتّب کر کے اُسے ولید بن مغیرہ کے بیٹے عُمارہ بن ولید کے ساتھ جناب ابو طالب کے پاس بھیجا۔ اس وفد نے ابو طالب سے کہا، اے ابو طالب! یہ عُمارہ بن ولید قریش میں نہایت توانا، حسین و جمیل اور دانشمند نوجوان ہے، آپ اسے اپنا بیٹا بنالیں اور اس کے بدلے اپنا بھتیجا جو تمہارے آباؤ اجداد کے دین کا دشمن ہے اور جس نے تمہاری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ہمیں ہمارے بزرگوں سمیت بے وقوف ٹھہرایا ہے، ہمارے حوالے کر دو تا کہ اس کا کام تمام کر دیں۔ آدمی کے بدلے آدمی دینے میں تمہیں کوئی عذر نہیں ہونا چاہئے۔ ابو طالب نے جواب دیا، واللہ یہ تو بہت ہی بُرا سودا ہے جو تم مجھ سے کرنا چاہتے ہو۔ اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اس کی پرورش کروں اور میرا بیٹا مجھ سے مانگتے ہو کہ تم اس کو قتل کر ڈالو، یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ جاؤ جو تمہارا جی چاہے کرو، میں مُحَمَّد کی حمایت سے ہرگز پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ (ابنِ ہشام، ابنِ سعد، طبری، بلاذری)

چوتھا وفد:

اس وفد کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ کسی نے اسے زمانے کے تعیّن کے بغیر بیان کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ وفد ۶ ؁ بعدِ بعثت میں حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے قبولِ اسلام کے بعد جناب ابو طالب کے پاس گیا اور بعض کا بیان ہے کہ یہ وفد ابو طالب کے پاس اُس وقت گیا جب وہ مرضِ وفات میں مبتلا تھے۔ بہر حال صورتِ واقعہ میں کوئی اختلاف نہیں اس وفد میں بھی قریش کے بڑے بڑے سردار شامل تھے۔ انہوں نے جناب ابو طالب کے پاس جا کر کہا کہ "آپ ہمارے بزرگ اور سردار ہیں آپ اپنے بھتیجے اور ہمارے درمیان انصاف کی ایک بات پر سمجھوتہ کرا دیں۔" ابو طالب نے حُضور ﷺ کو بلایا اور کہا، برادر زادے! یہ تمہاری قوم کے اشراف اور شیوخ آئے ہیں اور تم سے انصاف کی ایک بات پر سمجھوتہ کرنا چاہتے ہیں۔

حضور ﷺ نے ارکانِ وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا، آپ لوگ کونسی انصاف کی بات کرنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا، تم ہمیں ہمارے دین پر چھوڑ دو اور ہمارے معبودوں کی مَذَمّت کرنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھوڑ دو۔ ہم تمہیں تمہارے دین پر چھوڑ دیں گے، جس معبود کی عبادت کرنا چاہو ہم اس پر اعتراض نہیں کریں گے۔

ابو طالب نے حضور ﷺ سے فرمایا، بھتیجے یہ بات (جو بظاہر انصاف کی معلوم ہوتی ہے) اگر تم مان لو تو تمہارا اوران کا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”چچا جان! میں ان کے سامنے ایک ایسا کلمہ پیش کرتا ہوں جس کو مان کر یہ عرب وعجم کے فرمانروا بن سکتے ہیں“۔

اہلِ وفد نے کہا، اگر واقعی ایسا ہو سکتا ہے تو ہم ایسے دس کلمے کہنے کے لیے تیار ہیں لیکن وہ کلمہ تو بتاؤ۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ”وہ کلمہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه یہ سنتے ہی ارکانِ وفد غضبناک ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور پاؤں پٹکتے اور بڑبڑ کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔ قرآنِ حکیم میں اس واقعہ کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ④ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ⑤ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ⑥ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ⑦ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ⑧ (صٓ آیات ۴ تا ۸)

ترجمہ: ان لوگوں کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا کہ ایک ڈرانے والا خود انہی میں سے آ گیا۔ کفّار کہنے لگے کہ یہ جادوگر ہے، سخت جھوٹا ہے۔ کیا اس نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی خدا بنا ڈالا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اور سردارانِ قوم یہ کہتے ہوئے نکل گئے چلو اور اپنے معبودوں کی عبادت پر ڈٹے رہو۔ یہ بات (دعوتِ توحید) ایک ایسی چیز ہے جو ہم نے اپنے بزرگوں سے بھی نہ سنی تھی۔ پس یہ محض ایک من گھڑت بات ہے۔ کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص رہ گیا تھا جس پر اللہ کا ذکر نازل کر دیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ میرے ذکر پر شک کر رہے ہیں اور یہ ساری باتیں اس لیے کر رہے ہیں کہ انہوں نے میرے عذاب کا مزا چکھا نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاندین کو ابو طالب کا انتباہ:

جس زمانے میں مشرکینِ قریش رسولِ اکرم ﷺ کی زور شور سے مُخالفت کر رہے تھے، جناب ابو طالب اپنے محبوب بھتیجے (حضور ﷺ) کی سلامتی کے بارے میں سخت فکر مند ہو گئے۔ انہوں نے بنی ہاشم اور بنی المُطلّب کو جمع کیا اور اِن کو اپنی تشویش سے آگاہ کرتے ہوئے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ سب مُتّحِد ہو کر رسولِ اکرم ﷺ کی حفاظت کریں گے۔ ابنِ ہشامؒ کا بیان ہے کہ ابولہب کے سوا ان دونوں خاندانوں کے سبھی لوگوں نے جناب ابو طالب کا ساتھ دینے کا عہد کیا۔ (سیرۃ ابنِ ہشام ج ۱ ص ۲۸۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دن جناب ابو طالب اور دوسرے اہلِ خاندان حُضور ﷺ کے خانۂ اقدس پر آئے تو آپ کو وہاں موجود نہ پایا۔ جناب ابو طالب کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ حضور ﷺ کے معاندین نے آپ کو شہید کر ڈالا ہے۔ یہ بات ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ ان کے سینے میں جوشِ انتقام کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اسی وقت بنی ہاشم اور بنی المُطّلِب کے نوجوانوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ ایک ایک خنجر یا کوئی اور ہتھیار لے کر اپنی چادروں کے اندر چھپا لو اور میرے ساتھ چلو۔ حرمِ کعبہ کے اندر داخل ہو کر قریش کی جگہ جگہ بیٹھی ہوئی مجلسوں پر نظر ڈالو، جس مجلس میں ابو جہل بیٹھا ہو، اس مجلس کے تمام افراد (بشمول ابو جہل) کو موت کے گھاٹ اتار دو کیونکہ اسی گروہ نے محمد (ﷺ) کو شہید کیا ہو گا۔

ان مسلّح نوجوانوں کو ساتھ لے کر ابو طالب حرم شریف کی طرف چلے تو راستے میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مل گئے۔ انہوں نے ان لوگوں کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ بخیریت ہیں۔ یہ سن کر جناب ابوطالب کو گونہ تسلّی ہوگئی۔ انہوں نے نوجوانوں سے کہا کہ اس وقت اپنے اپنے گھروں کو واپس جاؤ اور کل صبح کو مسلّح ہو کر میرے پاس آ جاؤ۔ چنانچہ دوسرے دن مسلّح نوجوان ابو طالب کے پاس آئے تو انہوں نے حُضور ﷺ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا اور سب سردارانِ قریش کی مجلس میں پہنچے۔ ابو طالب نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے قریش کے لوگو! جانتے ہو کل میں نے کیا ارادہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا "نہیں"

ابوطالب نے سارا واقعہ بیان کیا اور اپنے نوجوانوں سے کہا، ذرا اپنی چادریں اٹھاؤ۔ انہوں نے چادریں اٹھائیں شرکاءِ مجلس نے دیکھا کہ ہر نوجوان کے ہاتھ میں خنجر یا کوئی اور ہتھیار ہے۔ پھر ابوطالب نے بڑے جچے تُلے انداز میں کہا: وَاللہ اگر تم نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا تو میں تم سب کو قتل کر ڈالوں گا کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا یا ہم تمہارے ساتھ لڑتے لڑتے ختم ہو جائیں گے۔

جناب ابو طالب کے اس انتباہ کا مقصد معاندین کو یہ احساس دلانا تھا کہ وہ مُحَمَّد ﷺ کو بے یار و مددگار نہ سمجھیں۔ بنی ہاشم اور بنی المُطّلِب یہ ہرگز برداشت نہیں کریں گے کہ معاندین ان کو شہید کر دیں۔ (سیرت سرورِ عالمؒ ج ۲ ص ۵۲۶ بحوالہ ابنِ سعد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذاتِ رسالتمآب ﷺ پر ننگِ انسانیت ظلم وتشدّد

پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ علانیہ تبلیغ کا حکم نازل ہونے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے حرم شریف میں جا کر اپنے طریقے پر نماز پڑھی تو مشرکین نے ہنگامہ برپا کر دیا یہ اُن کی طرف سے ذاتِ رسالتمآب ﷺ کے خلاف جارحیت کا آغاز تھا۔ اس کے بعد جب وہ اپنی شرائط پر حضور ﷺ سے سمجھوتہ کرنے میں ناکام ہوگئے اور جناب ابو طالب نے بھی حضور ﷺ کی حمایت سے دستکش ہونے سے انکار کر دیا تو انہوں نے ذاتِ رسالتمآب ﷺ کو ستانے پر کمر باندھ لی اور آپ پر طرح طرح کے انسانیت سوز مظالم ڈھانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ آپؐ کی ''ہجرتِ مدینہ'' تک جاری رہا۔ ان مظالم میں جسمانی ایذائیں بھی شامل تھیں اور روحانی بھی۔ آپؐ پر ایمان لانے کی پاداش میں آپؐ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر مشرکین نے جو لرزہ خیز مظالم ڈھائے، ان کا ذکر الگ کیا گیا ہے۔ یہ مظالم بھی حُضور ﷺ کے لیے (روحانی) تکلیف کا باعث ہوتے تھے۔ یہاں ہم اُن مظالم کا ذکر اختصار کے ساتھ کریں گے جو مشرکین نے ذاتِ رسالتمآب ﷺ پر براہِ راست ڈھائے۔ ان مظالم میں اشرارِ قریش کی وہ تمام زیادتیاں، سختیاں اور بیہودگیاں بھی شامل ہیں جن سے آپ کو جسمانی طور پر تو کوئی تکلیف نہ پہنچی لیکن یہ آپؐ کے لیے سخت روحانی اور ذہنی اذیّت کا باعث ہوئیں۔ ابولہب اور ابو جہل کی چیرہ دستیوں اور زیادتیوں کا ذکر بطورِ خاص (الگ) کیا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں اشرارِ قریش کے سرغنہ تھے اور آپ کو ایذائیں پہنچانے میں پیش پیش رہتے تھے۔

یہاں یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ کفّار کی اذیّت رسانیوں کے کچھ واقعات کے زمانۂ وقوع کے بارے میں اربابِ سِیَر کے بیانات میں خاصا اختلاف ہے مثلاً کفّار کا آپؐ کے سرِ اقدس پر مٹی ڈالنا، آپؐ کے گلوئے (گردن) مبارک میں پھندا ڈالنا' حالتِ سجدہ میں آپؐ کی پشتِ مبارک پر اونٹنی کا اوجھ رکھنا وغیرہ۔ بعض اہلِ سِیَر اور مؤرخین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس قسم کے واقعات اُمّ المؤمنین حضرت خَدِیْجَۃُ الْکُبریٰؓ اور جناب ابو طالب کی وفات کے بعد پیش آئے جبکہ بعض نے ان کے وقوع کا جو زمانہ بیان کیا ہے اس وقت یہ دونوں حیات تھے۔

بہرصورت اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ تمام تکلیف دہ واقعات حُضور ﷺ کو ضرور پیش آئے۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ کب پیش آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جناب ابوطالب کی حیات میں حضور ﷺ کو جو ایذائیں دی گئیں وہ بھی کچھ کم اذیت ناک نہیں تھیں۔ (مثلاً ابولہب اور ابوجہل کی دست درازیاں، شعب ابی طالب میں تین سال کی محصوری وغیرہ) یہاں ہم نے ذاتِ رسالتمآب ﷺ پر کفار کے ظلم اور زیادتیوں کے واقعات ان کے زمانۂ وقوع کے تعین کے بغیر بیان کیے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک اس موضوع پر بحث کرنا کارِ لاطائل ہے۔ بس یہی سمجھ لینا کافی ہے کہ یہ تمام واقعات ۴ھ نبوت سے ۱۴ھ نبوت تک کے درمیانی زمانے میں پیش آئے۔

خادمِ رسول اللہ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا دھمکایا گیا اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا اور ایک دفعہ تیس دن رات مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال کے لیے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس کے جو بلال نے اپنی بغل کے نیچے چھپا رکھا تھا۔ (جامع ترمذی)

دورانِ تبلیغ میں ایذا رسانیاں:

حارث بن حارث غامدی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے [1] کہ میں اور میرے والد زمانۂ جاہلیت میں حج کرنے مکہ گئے۔ ہم نے ایک جگہ کثیر مجمع دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ لوگوں نے ایک صابی (بے دین) کے گرد ہجوم کر رکھا ہے۔ ہم نے قریب جا کر دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ لوگوں کو توحید کی دعوت دے رہے تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ لوگو! لا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کہو، فلاح پاؤ گے۔ اس پر لوگ آپ کو ستا رہے تھے، کوئی تھوک رہا تھا، کوئی آپ کو گالیاں دے رہا تھا اور کوئی آپؐ پر خاک دھول پھینک رہا تھا۔ یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی اور لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ پھر ایک لڑکی ایک بڑے پیالے میں پانی اور رومال لے کر وہاں آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے پیالہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ پانی پیا اور وضو کیا۔ پھر لڑکی سے جو رو رہی تھی اور جس کا گلا سامنے سے کھلا ہوا تھا، فرمایا، بیٹی! اپنا گلا ڈھانکو (چادر اوڑھو) تم اپنے باپ کے ستائے جانے کا کچھ خیال نہ کرو اور صبر کرو یہ وقت ہمیشہ اسی طرح نہیں رہے گا۔ میں نے پوچھا، یہ لڑکی کون ہے؟ لوگوں نے کہا، یہ ان کی بیٹی زینب ہیں۔ (بخاری فی تاریخہ وطبرانی فی الکبیر)

طبرانی، ابن عبد البرؒ اور ابنِ عساکر نے قریب قریب اسی مضمون کی روایتیں بعض دوسرے صحابہ سے بھی نقل کی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اشرارِ قریش کے علاوہ حج یا عمرہ کے لیے مکہ آنے والے بعض دوسرے قبائل کے لوگ بھی دعوتِ توحید کے جواب میں جارحانہ اور متشددانہ رویہ اختیار کرتے تھے۔

---

[1] باپ اور بیٹے کا ایک ہی نام تھا۔ ان دونوں کو بعد میں قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ (اُسدُ الغابہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشرارِ قریش کا عمومی رویہ:

بَرملا دعوتِ توحید کے ردِّعمل میں اشرارِ قریش کا عمومی رویہ یا معمول یہ تھا کہ انہیں جہاں کہیں موقع ملتا وہ ہادیِ اکرم علیہ السلام کے راستے میں کانٹے بکھیر دیتے، آپ نماز پڑھ رہے ہوتے یا مشرکین کو پند و نصیحت کر رہے ہوتے تو وہ تالیاں بجاتے، آوازے کستے، سرگوشیاں کرتے اور مذاق اڑاتے۔ (ابنِ ہشام، ابنِ جریر طبری)

ایک دن حضور علیہ السلام گھر سے نکلے تو دن بھر آپ کو طرح طرح کی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس دن صبح سے شام تک جو شخص بھی آپ کو مِلا وہ اللہ اور اللہ کے رسول کا دشمن نکلا اس نے آپ کی تکذیب کی یا آپ کو کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور پہنچائی۔ جب آپ واپس گھر تشریف لائے تو تکلیف کے اثر سے چادر اوڑھ کر لیٹ گئے اس وقت سورہ مُدَّثِّر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور آپ کو یَآیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کہہ کر مُخاطب فرمایا گیا۔ (ابنِ ہشام، بخاری)

ایک دن ایک بدبخت مشرک نے سرِ راہ حضور علیہ السلام کے سرِ اقدس پر بہت سی کیچڑ ڈال دی۔ آپ اسی حالت میں گھر تشریف لے گئے۔ آپ کی ایک صاحبزادی آپ کو اس حالت میں دیکھ کر رونے لگیں۔ پھر پانی لاکر آپ کا سرِ مبارک دھونے لگیں۔ کیچڑ دھوتی جاتی تھیں اور فرطِ الم سے روتی جاتی تھیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا، جانِ پدر! روؤ نہیں، صبر کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کے ساتھ ہے وہ اس کو مشرکینِ قریش کی چیرہ دستیوں سے مامون کردے گا۔ (ابنِ ہشام۔ طبری)

ایک دن قریش کے چند اشرار نے آپ کے ساتھ شقاوت اور درندگی کا ایسا سلوک کیا کہ آپ مجروح ہوگئے اور بعض اعضا سے خون بہ نکلا آپ خون آلود کپڑوں کے ساتھ ملول و محزون بیٹھے تھے کہ جبریل علیہ السّلام نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی دکھا کر آپ کا ملال دور کردیا۔ (ابنِ ماجہ باب الصبر علی البلاء)

صاحبزادے کی وفات پر مشرکین کا اظہارِ مَسرّت:

اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے حضور علیہ السلام کو دو بیٹے عطا کیے تھے قاسمؓ اور عبد اللہؓ (ان کے دو لقب تھے طیّب اور طاہر) قضائے الٰہی سے دونوں ہی کمسنی میں فوت ہوگئے، پہلے قاسمؓ اور پھر کچھ عرصہ بعد عبد اللہؓ۔ اس پر مشرکین نے آپ سے تعزیت اور ہمدردی کرنے کے بجائے خوشی منا کر آپ کی دلآزاری کی اور آپ کو ''ابتر'' کہنا شروع کردیا۔ (خود آپ کے چچا ابولہب نے خُبثِ باطن کا اظہار یوں کیا کہ عبد اللہؓ کے انتقال کی خبر اپنے مشرک ساتھیوں کو ''خوشخبری'' کے طور پر جا کر سنائی) یہ ایک نہایت کمینہ اور ننگِ انسانیت حرکت تھی۔ اسی زمانے میں حق تعالیٰ نے سورۂ کوثر نازل فرما کر حضور علیہ السلام کی دلجوئی کی۔ اس میں واضح طور پر آپ کو بتایا گیا کہ اے نبی! آپ کا دشمن ہی ابتر (جڑ کٹا) ہے اور پھر تاریخ نے شہادت دی کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ کے تمام دشمن ابولہب، ابوجہل اور عُقبہ بن ابی مُعَیط وغیرہ سب بے نام ونشان ہو کر رہ گئے اور کسی کو معلوم نہیں کہ ان کی نسل آگے چلی یا نہیں۔ لیکن حضور ﷺ کی آل پر کروڑوں مسلمان صدیوں سے درود بھیج رہے ہیں اور قیامت تک بھیجتے رہیں گے۔

صاجبزادی کو طلاق دلوانے کی کوشش:

مشرکین نے ایک کمینہ حرکت یہ کی کہ حُضور ﷺ کی صاجبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابوالعاصؓ بن الرّبیع سے طلاق دلوانے کی کوشش کی اس وقت وہ اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے جبکہ حضرت زینبؓ نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ مشرکین نے ترغیب وتخویف دونوں حربوں سے کام لیا۔ پہلے انہوں نے ابوالعاص سے کہا کہ تم زینب کو طلاق دے دو تو قریش کی جس عورت سے تم چاہو گے ہم تمہاری شادی کردیں گے۔ ابوالعاص نے ان کی بات ماننے سے صاف انکار کردیا۔ پھر مشرکین نے ان کو طرح طرح کی دھمکیاں دے کر حضرت زینبؓ کو طلاق دلوانے کی کاجتن کیا لیکن ابوالعاص اس دباؤ کے سامنے بھی نہ جھکے۔ دراصل وہ ایک شریف اور باوفا آدمی تھے بعد میں انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ حُضور ﷺ نے ان کی شرافت کو ہمیشہ یاد رکھا۔

مُحَمَّد ﷺ کے بجائے مُذَمَّم کہنے کی رذالت:

مشرکینِ قریش اپنی اسلام دشمنی اور حُضور ﷺ سے اپنے بُغض اور کینہ کے اظہار کے لیے آپ کو مُحَمَّد (بہت تعریف کیا گیا) کے بجائے مُذَمَّم (مَذَمَّت کیا گیا) جیسے بُرے نام سے یاد کرنے لگے وہ یہی نام لے کر آپ کو گالیاں اور کوسنے دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے صحابۂ کرام سے فرمایا، کیا تم اس پر تعجب نہیں کرتے کہ اللہ نے مجھ کو کیونکر قریش کی گالیوں اور لعنتوں سے بچایا۔ وہ مُذَمَّم کو گالیاں دیتے ہیں اور اُسی پر لعنت بھیجتے ہیں۔ جبکہ میں مُحَمَّد ہوں (یعنی میرا نام مُحَمَّد ہے۔) (مشکوٰۃ شریف جلد دوم بحوالہ صحیح بخاری باب الفضائل عن ابو ہریرہؓ)

تِلاوتِ قرآن میں خلل اندازی:

رسولِ اکرم ﷺ دورانِ نماز میں یا کسی اور موقع پر قرآنِ حکیم کی تِلاوت فرماتے تو مشرکین چاروں طرف سے آپؐ کی جانب دَوڑ پڑتے، شوروغل مچاتے، تالیاں پیٹتے، آوازے کستے، لغو اعتراضات کرتے اور گالیاں بکتے تھے۔ قرآنِ پاک میں ان کی ایسی حرکتوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَاتَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ. (حٰمٓ السَّجْدَه: ۲۶)

ترجمہ: یہ کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ پڑھ کر سنایا جائے تو اس میں خلل ڈالو شاید کہ تم (اس طرح) غالب آجاؤ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لغو اعتراضات:

- مشرکین حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی پر عجیب قسم کے بیہودہ اور لغو اعتراضات کرتے رہتے تھے مثلاً وہ کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہتا لوگوں کو ڈرانے کے لیے۔ اور کچھ نہیں تو اس کے لیے کوئی خزانہ ہی اتار دیا جاتا یا اُس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس سے یہ اطمینان کی روزی حاصل کرتا۔ (الفرقان:۷۔۸)
- کبھی کہتے کہ اللہ ہم سے خود کیوں بات نہیں کرتا، ہمارے پاس کوئی معجزہ کیوں نہیں آتا۔ (البقرہ:۱۱۸)
- کبھی دعوتِ توحید کے جواب میں کہتے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں سے تو کبھی ایسی باتیں نہیں سنیں۔ (المؤمنون۔۲۴)

نامعقول مطالبات:

حضور ﷺ کی دعوتِ حق کے جواب میں جب مشرکین سے اور کچھ بن نہ پڑتا تھا تو آپؐ سے نامعقول مطالبات کرنے لگتے تھے۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ ''ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک تو زمین سے ہمارے لیے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ نہ جاری کردے یا تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تو اس کے درمیان نہریں جاری کردے یا تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہمارے اوپر گرادے جیسا کہ تیرا دعوی ہے یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے رُو در رُو ہمارے سامنے لے آئے یا تیرے لیے سونے کا ایک گھر بن جائے یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور تیرے چڑھنے کا بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک کہ تو ہمارے اوپر ایک ایسی تحریر نہ اتار لائے جسے ہم پڑھیں۔''

ان مطالبوں کے جواب میں رسولِ اکرم ﷺ ان سے فرماتے کہ میں نے قادرِ مطلق ہونے کا دعوی کب کیا ہے جو تم مجھ سے ایسے مطالبے کرتے ہو۔ میں تو ایک ایسا بشر ہوں جسے اللہ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل ۹۰ تا ۹۳)

مشرکینِ قریش حضور ﷺ سے بار بار ایسے محسوس معجزات کا مطالبہ کرتے تھے جو دلیلِ نبوّت کے طور پر پیش کیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر واضح کردیا کہ پچھلی قوموں کی طرف ہم نے ایسے معجزے بھیجے اور انہوں نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو تباہ کردیا۔ اب اگر ہم تمہاری طرف کوئی معجزہ نہیں بھیج رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں سوچنے اور سنبھلنے کی مہلت دے رہے ہیں۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ تم کوئی معجزہ دیکھنے کے بعد بھی اپنی روش پر قائم رہے تو لامحالہ تم پر عذابِ الٰہی نازل ہو کر رہے گا۔ (اس مہلت کو اللہ کی رحمت سمجھ کر غنیمت جانو)

(بنی اسرائیل رکوع ۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گلوئے مبارک میں پھندا:

ایک دن آنحضور ﷺ مسجدِ حرام میں نماز پڑھ رہے تھے کہ یکا یک عُقبہ بن ابی مُعَیط پیچھے سے آیا اور آپ ﷺ کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر اسے بَل دینے لگا یہاں تک کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ (ایک روایت میں ہے کہ اس وقت آپ حالتِ سجدہ میں تھے) اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ آ پہنچے انہوں نے دھکا دے کر عُقبہ کو پیچھے ہٹایا اور مشرکین سے (جو حضور ﷺ کو تکلیف میں دیکھ کر خوش ہو رہے تھے) مخاطب ہو کر قرآنِ حکیم کے یہ الفاظ پڑھے:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ (۴۰:۲۸)

ترجمہ: ''کیا تم ایک آدمی کو محض اس بناء پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رَبّ اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس اپنے اس دعویٰ پر تمہارے رَبّ کی طرف سے واضح دلیلیں لے کر آیا ہے۔'' (صحیح بخاری)

ابنِ ہشام نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر مشرکین اُن پر پل پڑے اور ان کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔

پشتِ مبارک پر نجس اوجھ:

ایک دن حُضور ﷺ کعبۂ مُعَلّٰی کے نزدیک مصروفِ نماز تھے کہ عُقبہ بن ابی مُعَیط، ابوجہل کے ایماء پر کہیں سے ایک دن پہلے ذبح کی ہوئی اونٹنی کا اوجھ (اوجھڑی) اور پیٹ کی دوسری آلائش اٹھا لایا اور جب حضور ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے خون اور گوبر سے بھرا ہوا یہ وزنی اوجھ آپ ﷺ کی پشتِ مبارک پر رکھ دیا۔ اس کے بوجھ کی وجہ سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی لیکن آپ صبر وسکون کے ساتھ سجدے میں پڑے رہے (بعض اربابِ سِیَر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شاید بوجھ کی وجہ سے آپ سجدے سے سر نہ اٹھا سکے)۔ مشرکین یہ منظر دیکھ کر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اور ایک دوسرے کے اوپر گرے پڑتے تھے۔ اتنے میں کسی نے یہ خبر آپ ؐ کے گھر پہنچا دی۔ اسے سنتے ہی آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمۃُ الزَّہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوڑی آئیں۔ وہ ابھی کمسِن تھیں بڑی مشکل سے اوجھ کو اپنے پدرِ گرامی کی پشتِ مبارک سے اتارا اور بادیدۂ پُرنم اشرارِ قریش کو بددعائیں دیں۔ نماز سے فارغ ہو کر حضور ﷺ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا الٰہی قریش سے نمٹ لے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس موقع پر عُقبہ بن ابی مُعَیط، ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شَیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہّ بن خَلَف اور عمارہ بن ولید کے نام لے کر ان کو بددعا دی۔ حضرت عبد اللہ ؓ بن مسعود کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے ان سب کو میدانِ بدر میں ذِلّت کے ساتھ قتل ہوتے دیکھا، ان کی لاشیں گھسیٹ کر ایک گڑھے میں ڈالی گئیں۔ (بخاری، مسلم، احمد، نسائی، بزّار، طبرانی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَبُولَہَب کی رذالت اور چیرہ دستیاں:

ابولہب جس کا اصل نام عبد العُزّٰی تھا، رسولِ اکرم ﷺ کے والد جناب عبد اللہ کا علاتی بھائی تھا یعنی دونوں ایک ہی باپ (جناب عَبْدُ المُطَّلِب) کے بیٹے تھے البتہ مائیں دونوں کی الگ الگ تھیں۔ جناب عبد اللہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنتِ عمرو تھا جبکہ ابولہب لُبنیٰ بنتِ ہاجر خزاعیہ کے بطن سے تھا۔ وہ بڑا گورا چِٹّا اور وجیہ شخص تھا اور اُس کے رخسار آگ کے شعلے کی طرح چمکتے تھے اسی لیے وہ ابولہب (شُعلہ رُو یا شعلہ رخسار) کے نام یا کنیت سے مشہور ہوگیا تھا۔ علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ جناب عبد المُطَّلِب اپنے اس بیٹے کی سرخ وسفید رنگت کی وجہ سے اس کو ابولہب کہہ کر پکارتے تھے اس لیے دوسرے سب لوگ بھی اس کو اسی نام سے پکارنے لگے یہاں تک کہ اس کا اصل نام لوگوں کی نظروں سے بالکل اوجھل ہوگیا۔ آنحضور ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ آپؐ کے مکارمِ اخلاق اور ستودہ صفات کا معترف تھا اور آپؐ کے ساتھ اس کا برتاؤ خاندان کے بڑوں کی طرح مشفقانہ ہی رہا۔ [1] حضور ﷺ کو بھی اُس کا اس قدر لحاظ تھا کہ آپؐ نے اس کی خواہش پر اپنی دو منجھلی صاحبزادیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت اُمِ کلثومؓ کا نکاح اس کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ کر دیا (ابھی رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ حالات نے دوسری صورت اختیار کر لی جس کا ذکر آگے آرہا ہے) ابولہب کی بدبختی اور حرماں نصیبی کا آغاز اس وقت ہوا جب حضور ﷺ نے بعثت کے بعد لوگوں کو دینِ حق کی طرف بلانا شروع کیا۔ نسب اور سمدھیانے کی دوگونہ قرابت کے باوجود اس نے اوّل روز ہی سے ہادیٔ اکرم ﷺ کی مُخالفت پر کمر باندھ لی اور اس مخالفت میں اتنی شدت پیدا کی کہ وہ آپؐ (اور دینِ حق) کے بدترین دشمنوں کی صف میں آگیا بلکہ اُن سب سے بڑھ گیا۔ اسلام دشمنی میں اس کا ذلیل اور شرمناک کردار ہی تھا کہ قرآن مجید میں اس کا نام لے کر اُس کی مَذَمّت کی گئی ہے۔ عہدِ رسالت کے اعدائے اسلام میں ابولہب واحد شخص ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃُ اللَّھَب میں اس کا نام لے کر اپنے غضب کا اظہار فرمایا ہے اور ساتھ ہی اس کی دشمنِ اسلام بیوی پر بھی پھٹکار کی ہے۔

یہاں ابولہب کے ننگِ انسانیت طرزِ عمل کا مختصر سا خاکہ پیش کیا جاتا ہے، اس سے اندازہ

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ جب رحمتِ عالم ﷺ کی ولادتِ باسعادت ہوئی اور ابولہب کی لونڈی ثُوَیبَہؓ نے اس کو یہ خبر سنائی تو وہ اس قدر خوش ہوا کہ اسی وقت ثُوَیبَہؓ کو آزاد کر دیا۔ ثُوَیبَہؓ کو یہ عظیم شرف حاصل ہوا کہ ولادت کے بعد چند دن تک ننھے حضور ﷺ نے ان کا دودھ پیا۔ بعثتِ نبویؐ کے بعد حضرت ثُوَیبَہؓ کو قبولِ اسلام اور صحابیت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ حضور ﷺ ان کو خرچ اور کپڑا عطا کیا کرتے تھے انہوں نے ۷ھ میں وفات پائی۔ ایک روایت میں ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد حضرت عباسؓ نے اس کو خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ جہنم میں تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا، میں نے مُحمّد (ﷺ) کی ولادت کا مژدہ سن کر ثُوَیبہ کو آزاد کر دیا تھا اس کے عوض دوشنبہ کے دن میرے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا جا سکے گا کہ ارباب سیر نے اسلام کے بدترین دشمنوں میں اس کو کیوں سرِ فہرست رکھا ہے۔

بیٹوں سے دختران رسول ﷺ کو طلاق دلوائی:

پیچھے ذکر آچکا ہے کہ بعثت سے پہلے حضور ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیوں، حضرت رقیہؓ اور حضرت اُمِ کلثومؓ کا نکاح ابولہب کے دو بیٹوں عُتبہ اور عُتَیبہ سے کر دیا تھا۔بعثت کے بعد حضور ﷺ نے تبلیغِ حق کا آغاز فرمایا تو ابولہب نے شروع ہی سے گستاخانہ اور مخالفانہ رویہ اختیار کیا۔کوہِ صفا پر آپؐ کے اعلانِ حق (یعنی علانیہ دعوت اِلی اللہ) کے بعد تو اس کی مخالفت شدید دشمنی کی صورت اختیار کر گئی اور اس نے اپنے بیٹوں سے حضور ﷺ کی صاحبزادیوں کو طلاق دلوادی (ابھی حضور ﷺ نے انہیں اپنے گھر سے رخصت نہیں کیا تھا) اس طرح اس نے حضور ﷺ کے قلبِ مبارک کو ٹھیس پہنچانے کی سفیہانہ حرکت کی۔

بدطینت پڑوسی:

آنحضور ﷺ کا خانہ اقدس ابولہب اور عُقبہ بن ابی مُعَیط کے گھروں کے درمیان واقع تھا۔اسلام کے ان دونوں بدترین دشمنوں کے گھروں سے متصل جن لوگوں کے مکان تھے وہ بھی ان دونوں کی طرح حضور ﷺ سے خار کھاتے تھے۔ان لوگوں نے یہ ننگِ انسانیت وتیرہ اختیار کر رکھا تھا کہ حضور ﷺ اور آپؐ کے اہلِ خانہ کو جس قدر بھی ہو سکے ستایا جائے۔خانۂ نبویؐ کے صحن میں کبھی ہنڈیا چولھے پر ہوتی تو یہ اس پر غلاظت پھینک کر سالن یا جو چیز بھی ہنڈیا میں پک رہی ہوتی اُس کو خراب کر دیتے۔آپؐ کبھی گھر میں نماز پڑھ رہے ہوتے تو یہ اوپر سے بکری کا اوجھ آپؐ پر پھینک دیتے۔ابولہب کی بیوی اُمِ جمیل تو حضور ﷺ اور آپؐ کے اہلِ خانہ کو ایذا پہنچانے پر اس قدر دلیر تھی کہ ایک رئیس کی اہلیہ ہونے کے باوجود خود جنگل میں جاتی اور وہاں سے خاردار درختوں کی ٹہنیوں کا گٹھا بنا کر اپنے سر پر اٹھا کر لاتی۔پھر یہ خاردار ٹہنیاں رات کے اندھیرے میں آپؐ کے گھر کے دروازے پر ڈال دیتی تاکہ صبح کو جب آپؐ یا آپؐ کے اہلِ خانہ باہر نکلیں تو اُن کو کانٹے چُبھ جائیں۔حضور ﷺ ان بدطینت ہمسایوں کی زیادتیاں نہایت صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہتے اگر کبھی ردِ عمل کا اظہار فرماتے تو وہ صرف اتنا ہوتا کہ خانۂ اقدس سے باہر نکل کر ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرماتے، اے بنی عبدِ مناف! یہ کیسی ہمسایگی ہے؟ (یعنی اس قسم کی گھٹیا حرکتیں کر کے تم ہمسایگی کا حق خوب ادا کر رہے ہو۔) (ابنِ ہشام۔طبری۔بلاذری)

جب سورۃ اللّٰھب نازل ہوئی اور اُمِ جمیل نے اس کو سُنا تو وہ اس قدر سیخ پا ہوئی کہ تیز دھار کا ایک پتھر ہاتھ میں لے کر حضور ﷺ کی تلاش میں نکلی تاکہ یہ پتھر آپؐ کو مار کر اپنے دل کی بھڑاس نکالے۔اس وقت حضور ﷺ، حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حرم شریف میں تشریف فرما تھے۔حضرت ابوبکرؓ نے اُمِ جمیل کو آپؐ کی ہجو میں مغلّظات بکتے حرم شریف کی طرف آتے دیکھا تو انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ! اُمِ جمیل بکتی جھکتی ہماری طرف آ رہی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجھے ڈر ہے کہ یہ آپ کو دیکھ کر کوئی بیہودہ حرکت کرے گی۔ آپؐ نے اطمینان کے ساتھ فرمایا، اسے آنے دو، یہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی:

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا. (بنی اسرائیل آیۃ:۴۵)

ترجمہ: اور (اے نبی) جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور اُن لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پردہ، نظر نہ آنے والا، حائل کر دیتے ہیں۔"

چنانچہ جب اُمّ جمیل حرم میں پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں کے آگے ایسا پردہ حائل کر دیا کہ وہ اور سب کو دیکھ سکتی تھی لیکن حضور ﷺ کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا، میں نے سنا ہے کہ تمہارے نبی نے میری ہجو کی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، ربّ کعبہ کی قسم! انہوں نے تیری کوئی ہجو نہیں کی۔ (ان کا مطلب یہ تھا کہ ہجو اللہ تعالیٰ نے کی ہے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کی) یہ سن کر وہ یہ کہتی ہوئی واپس چلی گئی کہ تمام قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔[1] (ابنِ کثیر بحوالہ تفسیر ستاری ص ۳۷۱ حاشیہ ۴)

ابولہب کے گستاخ بیٹے کا عبرتناک انجام:

عُتَیبہ جس نے باپ کے کہنے پر اُمِ کلثومؓ بنتِ رسول اللہ ﷺ کو طلاق دی تھی، اس نے بارگاہِ رسالت میں گستاخی اور بدتمیزی کی انتہا کر دی۔ ایک دن وہ حضور ﷺ کے پاس آیا اور گستاخانہ لہجے میں قرآنِ حکیم کی بعض آیتوں کا انکار کیا اور پھر آپؐ کی طرف تھوکا جو آپؐ پر پڑا نہیں۔ اس کی یہ حرکت حضور ﷺ کے لیے سخت رنج کا باعث ہوئی اور آپ نے دعا کی، الٰہی اس پر اپنے کُتوں میں سے ایک کُتے کو مسلّط کر دے۔ اس واقعہ کے چند دن بعد عُتَیبہ اپنے باپ کے ساتھ ایک تجارتی قافلے میں شام کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں قافلے نے شب گزاری کے لیے ایک ایسی جگہ قیام کیا جہاں اس علاقے کے باشندوں نے بتایا کہ راتوں کو اکثر جنگلی درندے آتے ہیں۔ اس پر قافلے والوں نے عمومی طور پر بھی قافلے کی حفاظت کا اچھی طرح انتظام کیا اور ابولہب کی خواہش پر عُتَیبہ کی حفاظت کا خاص اہتمام اس طرح کیا کہ اس کے اردگرد اپنے اونٹ بٹھا دیے اور پھر سب اطمینان سے سو گئے۔ خدا کا کرنا، رات کو ایک شیر آیا اور اونٹوں کے درمیان سے گزر کر عُتَیبہ کو چیر پھاڑ کر کھا گیا۔ (الاستیعاب۔ الاصابہ۔ روض الاُنف)

آنحضور ﷺ سے بُغض وعناد کی انتہا:

ایامِ حج میں مختلف قبائلِ عرب کے پڑاؤ یا عُکاظ، مَجَنّہ وغیرہ کے میلوں میں جہاں

---

[1] اُمّ جمیل کا اصل نام اَرْوٰی تھا۔ وہ قریش کی شاخ بنو امیّہ یا بنو عبدِ شمس کے سردار حرب بن امیّہ کی بیٹی اور حضرت ابوسفیانؓ کی بہن تھی۔ سورۂ لہب میں اس کو "حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" کا لقب دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے لکڑیاں ڈھونے والی یا لگائی بجھائی کرنے والی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہیں بھی آپ تبلیغ حق کے لیے تشریف لے جاتے، ابولہب آپؐ کے پیچھے پیچھے جاتا اور جب آپ تقریر شروع کرتے تو وہ برابر سے کہتا رہتا کہ یہ شخص اپنے آبائی دین سے پھر گیا ہے، جھوٹا ہے اس کا دماغ چل گیا ہے۔ (مُسنَدِ احمد، طبقات ابنِ سعد)

ایک صحابی حضرت ربیعہ بن عِبَادالدِّیلی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں لڑکپن میں اپنے والد کے ساتھ ذوالمجاز کے بازار میں گیا تو ایک دراز گیسو، نہایت گورے اور حسین وجمیل شخص کو دیکھا جو لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ اے لوگو! ایک اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ کرو، فلاح پاؤ گے۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک شخص جس نے عدنی حُلّہ زیبِ تن کر رکھا تھا، لوگوں سے کہہ رہا تھا، یہ شخص (معاذ اللہ) جھوٹا ہے اپنے باپ دادا کے دین سے پھر گیا ہے تم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ کر گمراہ نہ ہو جانا۔ اس کے ساتھ ہی وہ پہلے شخص پر پتھر بھی پھینک رہا تھا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا، یہ (گیسو دراز گورے چٹے صاحب) کون ہیں؟ انہوں نے کہا محمدؐ بن عبداللہ۔ میں نے کہا، وہ شخص کون ہے جو ان کو پتھر مار رہا ہے۔ انہوں نے کہا یہ انکا چچا ابولہب ہے۔

(مُسْنَدِ احمد۔ تاریخِ طبری، طبرانی۔ اُسدُالغابہ)

طارق بن عبداللہ محاربی کہتے ہیں کہ میں نے ذُوالمجاز کے بازار میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ بآوازِ بلند پکارتے جا رہے تھے، لوگو! لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہو، فلاح پاؤ گے۔ آپؐ کے پیچھے ایک شخص چل رہا تھا وہ آپ کو پتھر مار رہا تھا اور ساتھ ہی یہ کہتا تھا۔ لوگو! یہ شخص (معاذ اللہ) کذّاب ہے اس کی بات نہ سننا۔ اس کی سنگباری سے آپؐ کی ایڑیاں زخمی ہو گئی تھیں اور ان سے خون رِس رہا تھا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا، یہ پتھر مارنے والا کون ہے؟ انہوں نے کہا، یہ ان کا چچا ابولہب ہے۔ (کنز العمال بحوالہ ابنِ ابی شیبہ)

ابولہب کی اَخلاقی پستی اور کمینگی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ آنحضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے وفات پائی تو بجائے اس کے کہ حضور ﷺ سے تعزیت کرتا، خوشی کے مارے پھُولے نہ سمایا اور شہر کے دوسرے مشرک سرداروں کے پاس جا کر ان کو یہ ''خوشخبری'' سنائی کہ آج مُحمّد (ﷺ) بے نام ونشان ہو گئے۔ (یعنی حضور ﷺ کی اولادِ ذکور باقی نہیں رہی۔ اس سے پہلے حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت قاسمؓ فوت ہو چکے تھے)

اسی طرح نُبوّت کے ساتویں سال مشرکینِ مکّہ کے تمام خاندانوں نے بنو ہاشم اور بنو مُطّلِب کا مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) کیا اور یہ دونوں خاندان شِعبِ ابی طالب میں محصور ہو گئے (اس کا ذکر آگے آئے گا) تو ابولہب نے اپنے خاندان کا ساتھ دینے کے بجائے مُعانِد مشرکین کا ساتھ دیا (حالانکہ بنو ہاشم اور بنو مُطّلِب کے دوسرے اُن افراد نے بھی اپنے خاندانوں کا ساتھ دیا جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے)۔ تین سال کے پُرصُعُوبت محاصرے میں مُعانِد مشرکین نے ہر وہ گھٹیا سے گھٹیا حرکت کی جو محصورین تک غلہ پہنچنے میں رکاوٹ بن سکتی تھی۔ ابولہب ایسی تمام حرکتوں میں برابر شریک رہا۔ ۱۳؁ بعدِ بعثت میں مُعانِد مشرکین نے حُضُور ﷺ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تو ابولہب بھی یہ منصوبہ تیار کرنے والوں میں شامل تھا۔ غزوۂ بدر (رمضان ۲ ہجری) کے بعد یہ بدبخت ایک خوفناک بیماری میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اس کی موت کو نشانِ عبرت بنا دیا۔(اس کی تفصیل آگے آئے گی)

ابوجہل کی دست درازیاں:

جس طرح ابولہب حضور ﷺ کو ستانے میں پیش پیش رہتا تھا اسی طرح ابوجہل نے بھی آپ کو اذیتیں پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یہ شخص حضور ﷺ کو حرم شریف میں نماز پڑھنے سے روکا کرتا تھا اور اس سلسلے میں آپ کو طرح طرح دھمکیاں دیتا رہتا تھا لیکن آپ نے اس کی دھمکیوں کی کبھی پروانہ کی اور اپنے رب کے بھروسے پر حرم شریف میں جا کر سب کے سامنے نماز پڑھتے رہے۔ ابوجہل کے اس معاندانہ طرزِ عمل کے بارے میں قرآنِ پاک میں ارشاد ہوا ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى (۹) عَبْدًا اِذَا صَلّٰى (۱۰) اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى (۱۱) اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى (۱۲) اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (۱۳) اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى (۱۴) كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا ۢ بِالنَّاصِيَةِ (۱۵) نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (۱۶) فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ (۱۷) سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (۱۸) كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (۱۹) السجدة (العلق آیۃ ۹-۱۹)

ترجمہ: ”تم نے دیکھا اُس شخص کو جو ایک بندہ (خاص) کو روکتا ہے جبکہ وہ نماز پڑھتا ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ بندہ حق پر ہو اور پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے اگر (یہ منع کرنے والا شخص حق کو) جھٹلاتا اور روگردانی کرتا ہو؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ ہاں یہ شخص (ابوجہل) اگر باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر اسے گھسیٹیں گے، پیشانی بھی کیسی؟ جھوٹ اور خطا میں آلودہ وہ بلالے اپنے حامیوں کی ٹولی کو، ہم بھی عذاب (دوزخ) کے فرشتوں کو بلالیں گے۔ ہرگز نہیں اس کی بات نہ مانو اور سجدہ کرو (یعنی نماز پڑھتے رہو) اور (اپنے رب کا) قرب حاصل کرتے رہو۔“

ایک دن حضور ﷺ مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل اُدھر سے گزرا۔ اس نے (خشم آلود لہجے میں) حضور ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا:

”اے محمد! کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟ پھر اس نے حضور ﷺ کو دھمکانا شروع کر دیا۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے اس کو سخت ڈانٹ پلائی۔ اس پر ابوجہل نے کھسیانا ہو کر کہا ”اے محمد“! تم کس برتے پر مجھے ڈراتے ہو، واللہ اس وادی میں میرے حامی سب سے زیادہ ہیں۔ ایک روایت میں اس سے یہ الفاظ منسوب کیے گئے ہیں کہ ”میں اس وادی کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں میں سب سے زیادہ معزز ہوں تم اور تمہارا رَبّ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" (سید قطب فی ظلال القرآن)

حضور علیہ السلام عُکاظ، مجنّہ اور ذوالمجاز کے میلوں میں اور حج کے موقع پر منٰی میں جمع ہونے والے مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت دینے جاتے تو ابولہب اور دوسرے اشرارِ قریش کی طرح ابوجہل بھی بسا اوقات آپؐ کے پیچھے جاتا تھا اور آپؐ کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کر کے لوگوں کو آپؐ کی باتیں سننے سے منع کیا کرتا تھا اور دوسرے شریروں کے ساتھ آپؐ پر پتھر اور خاک پھینکنے میں بھی شریک رہتا تھا۔

آنحضور علیہ السلام کی پشتِ مبارک پر اونٹنی کا نجس اوجھ رکھے جانے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ یہ شرمناک گھٹیا حرکت عُقبہ بن ابی مُعَیط نے کی تھی لیکن اس ذلیل کام پر بدبخت ابوجہل ہی نے اُس کو اُکسایا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

ایک دفعہ ابوجہل نے حضور علیہ السلام کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا اور ایک پتھر لے کر حرم شریف میں ایک طرف ہو کر اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ جس وقت حضور علیہ السلام نماز کے لیے آئیں اور سجدے میں جائیں تو آپؐ کے سرِ اقدس پر پتھر مار کر آپؐ کو شہید کر دے چنانچہ جب آپ تشریف لائے اور نماز پڑھتے ہوئے سجدے میں گئے تو وہ پتھر لے کر آگے بڑھا مگر یکا یک وہ سخت خوفزدہ ہو کر پیچھے کی طرف مُڑا۔ اس وقت پتھر بھی اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ لوگوں نے پوچھا، یہ تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا، میں آگے بڑھا تو مجھے اپنے اور محمد (علیہ السلام) کے درمیان ایک خندق آگ کی بھری ہوئی نظر آئی۔ اس آگ کے شعلے میری طرف لپک رہے تھے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر یہ میرے قریب آجاتا تو فرشتے اسکی بوٹی بوٹی کر دیتے۔ (مشکوٰۃ ص۵۱۶ بحوالہ تفسیر ستاری ص۷۸۱ حاشیہ ۱)

ایک اور روایت میں ابوجہل سے یہ الفاظ منسوب کیے گئے ہیں کہ جب میں آگے بڑھا تو میرے سامنے ایک خوفناک اونٹ آ گیا میں نے اتنے بڑے سر اور ایسی گردن اور کچلیوں والا اونٹ پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، وہ مجھے چبانے لگا تھا کہ میں (جان بچانے کے لیے) فوراً پلٹ آیا۔ بعد میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ جبریلؑ تھے۔ (سیرت سرورِ عالم ج ۱ بحوالہ محمد بن اسحاق)

۶ـــــــ بعدِ بعثت کا ذکر ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام صفا (بروایتِ دیگر حجون) کے پاس گزر رہے تھے کہ ابوجہل نے آپ کو بے تحاشا گالیاں دیں اور آپؐ اور دینِ اسلام کے بارے میں نہایت برے الفاظ استعمال کیے۔ ایک اور روایت کے مطابق اس نے آپؐ پر گوبر یا پتھر بھی پھینکا۔ حضور علیہ السلام اُس وقت خاموشی سے گھر آ گئے لیکن یہی واقعہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا باعث بن گیا۔ اسکی تفصیل آگے آئے گی۔

مشرکین، حضور علیہ السلام کو ایذا پہنچانے کے لیے کوئی منصوبہ بناتے یا کوئی سازش تیار کرتے تو ایسا شاذ ہی ہوتا کہ ابوجہل اس میں شریک نہ ہو۔ مختصر یہ کہ وہ مرتے دم تک ہادیِ برحق علیہ السلام اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعوتِ توحید پر لبیک کہنے والوں کے خلاف سرگرمِ عمل رہا۔ اسی لیے اس بدبخت کا نام اسلام کے بدترین دشمنوں کی فہرست میں ابولہب کے نام کے ساتھ سب سے اوپر لکھا جاتا ہے۔

ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ ابوجہل نے آنحضور ﷺ کی دعوت اِلی اللہ کے جواب میں عمومی وتیرہ یہ اختیار کر رکھا تھا کہ وہ نہ صرف خود آپ کو ایذائیں پہنچاتا رہتا تھا بلکہ قریش کے دوسرے مشرکین کو بھی آپؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کے خلاف شرانگیزی پر ابھارا کرتا تھا۔ اگر اس کو کسی شخص کے بارے میں خبر ملتی کہ اُس نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ اسے راہِ حق سے بھٹکانے کے لیے ترغیب یا تخویف ہر حربے سے کام لیتا تھا۔ اگر اسلام قبول کرنے والا کوئی خاندانی اور صاحبِ حیثیت آدمی ہوتا جس کی پُشت پر اس کے تھوڑے بہت حامی بھی ہوتے تو وہ اس پر الٹی سیدھی دلیلوں اور مکارانہ گفتگو سے اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا۔ اگر وہ اسلام سے منحرف ہونے پر تیار نہ ہوتا تو ابوجہل اس سے کہتا کہ:

> ”تو نے اپنے باپ کا دین چھوڑ دیا حالانکہ وہ تجھ سے بہتر تھا اگر تو اپنے آبائی دین کی طرف نہ لوٹا تو ہم سمجھیں گے کہ تمہاری عقل میں فتور آ گیا ہے اور تو نے نہایت احمقانہ فیصلہ کیا ہے اس طرح تیری عزّت اور وجاہت خاک میں مل جائے گی۔“

اگر اسلام قبول کرنے والا کوئی تاجر ہوتا تو اس سے کہتا کہ واللہ تو اس نئے دین سے چمٹا رہا تو ہم تمہارا کاروبار نہیں چلنے دیں گے اور تمہارے مال کو تباہ کر دیں گے۔

اگر کوئی کمزور اور بے سہارا شخص اسلام قبول کرتا تو اس کو خود بھی زدوکوب کرتا اور دوسرے مشرکین کو بھی ترغیب دیتا کہ وہ اس کو خوب ماریں پیٹیں یہاں تک کہ وہ مُحمّدٌ (ﷺ) کی پیروی کرنا چھوڑ دے۔

مشرکین کی گھٹیا اور چھچھوری حرکتیں:

مشرکین نے اہلِ ایمان کے خلاف جو محاذ کھولے، ان میں ایک محاذ یہ تھا کہ طرح طرح کی ذلیل اور چھچھوری حرکتیں کر کے ان کی دلآزاری کی جائے۔ مُشتے نمونہ از خروارے ذیل کی چند مثالوں سے ایسی حرکتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

اذان کے ساتھ تمسخر:

مسلمان نماز کے لیے اذان دیتے تو مشرکین اس کی نقلیں اتارتے۔ تمسخر کے لیے اس کے الفاظ بدلتے اور مسخ کرتے تھے قرآنِ حکیم میں ان کی اس ذلیل حرکت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

وَاِذَانَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًاط (المآئدہ:۵۸)

ترجمہ: ”اور (اے مسلمانو! جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تم یہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے اور اس سے کھیل کرتے ہیں۔“)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہلِ ایمان کی تذلیل وتضحیک:

جن مسلمانوں پر مشرکین کا بس چلتا اُن کو وہ جسمانی ایذائیں تو دیتے ہی تھے عام حالات میں بھی وہ اہلِ ایمان کو ذلیل کرنے اور ان کا مضحکہ اڑانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔قرآنِ حکیم میں ان کے اس رَوِیّے کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا کَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَکُوْنَ (۲۹) وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ (۳۰) وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓی اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَکِهِیْنَ (۳۱) وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ (۳۲) وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَیْهِمْ حٰفِظِیْنَ (۳۳) (المُطَفِّفِیْن ۲۹ تا ۳۳)

ترجمہ: ''بیشک جُرم کرنے والے لوگ ایمان لانے والوں پر ہنسا کرتے تھے اور جب اُن کے پاس سے گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کیا کرتے تھے اور جب اپنے اہلِ خانہ کی طرف لَوٹا کرتے تھے تو (اہلِ ایمان پر پھبتیاں کَس کَس کر) لُطف اندوز ہوتے ہوئے لَوٹا کرتے تھے اور جب ان کو دیکھتے تھے تو کہا کرتے تھے بے شک یہی گمراہ (بھٹکے ہوئے) لوگ ہیں۔حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔''

مشرکینِ قریش کی کٹ حجتی اور کج بحثی:

مشرکینِ قریش نے دعوتِ حق کے جواب میں کٹ حجتی اور کج بحثی کو بھی اپنا وتیرہ بنا رکھا تھا۔کبھی قرآنِ حکیم کی آیات کو اُلٹے معنی پہنا کر دل کی بھڑاس نکالتے تھے (حٰم السجدہ۔آیۃ ۴۰) اور کبھی مسلمانوں کو فضول بحثوں میں الجھا کر دینِ حق سے منحرف کرنے کی کوشش کرتے تھے (الشورٰی ۱۶) ان کے اس رَوِیّے کی صرف ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے اسی سے ان کی کٹ بحثی اور کج بحثی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ایک دن حضور ﷺ کی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں مشرکین سے گفتگو ہورہی تھی کہ اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پوجنے والے اپنے معبودوں سمیت جہنم میں جائیں گے۔ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ط اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ o (الانبیاء:۹۸) اثنائے گفتگو میں مشرکین کے ایک سرکردہ آدمی عبد اللہ بن زبعرٰی نے کہا، اے محمدؐ! عیسائی ابنِ مریم کو ابن اللہ کہہ کر اس کی عبادت کرتے ہیں تو کیا اپنی عبادت کرنے والوں کے ساتھ وہ بھی جہنم میں جائیں گے حالانکہ تم نے ہمیشہ ابنِ مریم کی تعریف کی ہے پھر ہمارے معبود کیوں بُرے ہیں؟ اس پر کفار قہقہے لگانے لگے اور تالیاں پیٹنے لگے کہ ابنِ زبعرٰی نے کیا لاجواب دلیل دی ہے۔ فی الحقیقت ابنِ زِبَعرٰی کا استدلال کٹ حجتی کے مترادف تھا کیونکہ آیت میں ''مَا'' کا اِطلاق صرف بُتوں پر ہوتا تھا اور پھر حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہنے کو سراسر گمراہی اور شرک قرار دیا جا چکا تھا۔

قرآن حکیم میں اس کٹ حُجّتی کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ (۵۷) وَقَالُوٓا ءَأَلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ (۵۸) إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ (۵۹) (الزُّخرُف ۵۷ تا ۵۹)

ترجمہ: ''اور جونہی کہ ابنِ مریمؑ کی مثال دی گئی، تمہاری قوم کے لوگوں نے اس پر غل مچا دیا اور کہنے لگے، کیا ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ (جو ابنِ مریم ہے) انہوں نے یہ مثال تمہارے سامنے محض کٹ حُجّتی کے طور پر دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ نہیں تھا ابنِ مریم مگر ایک بندہ ہم نے اس پر احسان کیا تھا اور اسے بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کا ایک نمونہ بنا دیا تھا۔

(اس واقعہ کو بعض مفسّرین نے اور طریقوں سے بھی بیان کیا ہے تاہم اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ مشرکین نے کٹ حُجّتی کو اپنا معمول بنا لیا تھا)

قرآنِ پاک کے بارے میں غلط بیانی:

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے، حضور ﷺ کی بعثت کے بعد چند ہی سالوں میں آپؐ اور آپؐ پر نازل ہونے والے کلامِ الٰہی کا چرچا عرب کے گوشے گوشے میں پھیل گیا تھا۔ اُس زمانے میں جو لوگ باہر سے مکّہ آتے وہ مشرکینِ قریش سے پوچھتے یا مشرکین مکّہ سے باہر کہیں جاتے تو وہاں کے لوگ ان سے پوچھتے کہ تمہارے ہاں جن صاحب نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ ان پر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے، یہ کیسا کلام ہے اور اس میں کیا کہا گیا ہے؟ اس کے جواب میں وہ ناواقف لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کہتے کہ یہ اگلے وقتوں کی گھسی پٹی کہانیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ان لوگوں کے اس طرزِ عمل کی طرف قرآنِ حکیم میں یوں اشارہ کیا گیا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَآ أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوٓا أَسَٰطِيرُ الْأَوَّلِينَ. (النّحل: آیۃ ۲۴)

ترجمہ: ''اور جب کوئی ان سے پوچھتا ہے کہ تمہارے رب نے یہ کیا چیز نازل کی ہے تو کہتے ہیں، اجی وہ تو اگلے وقتوں کی فرسودہ کہانیاں ہیں۔''

مشرکین قرآنِ حکیم کو صرف فرسودہ کہانیاں کہنے پر ہی اکتفانہ کرتے بلکہ یہاں تک جھوٹ بولتے کہ یہ ایک من گھڑت شے ہے جس کو اس شخص (رسولِ اکرم ﷺ) نے خود ہی کچھ دوسرے لوگوں کی مدد سے گھڑ لیا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ان لوگوں کی اس دروغ گوئی کا ذکر اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح کیا گیا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ نِ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ج فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا (۴) وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (۵) (الفرقان: ۴۔۵)

ترجمہ: ''اور کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں۔ کہتے ہیں یہ تو اگلے لوگوں کے (بے سند) قصے ہیں جنہیں یہ شخص نقل کرا لیتا ہے پھر وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہیں۔''

پیغامِ حق کے مقابلے میں داستان گوئی:

مشرکین نے دعوتِ توحید کو روکنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا لیکن ان کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی۔ اس پر بنو عبد الدار کے ایک شریر النفس رئیس نضر بن حارث نے قریش کے لوگوں سے کہا، قریش کے لوگو! جن طریقوں سے تم محمدؐ (ﷺ) کا مقابلہ کر رہے ہو وہ تمہاری کامیابی کے ضامن نہیں ہیں، یہ شخص بچپن سے اس عمر تک تمہارے سامنے پہنچا ہے، تم میں سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانت دار تھا، آج جب وہ تمہارے پاس اپنی کچھ باتیں لے کر آیا ہے تو تم کہتے ہو کہ وہ جادوگر ہے، کاہن ہے، دیوانہ ہے، شاعر ہے۔ بخدا نہ وہ جادوگر ہے، نہ کاہن ہے، نہ دیوانہ ہے اور نہ شاعر ہے۔ جادوگروں، کاہنوں، دیوانوں اور شاعروں ہر قبیل کے آدمیوں کو لوگوں نے بارہا دیکھا ہے۔ ان جیسی کوئی کیفیت بھی اس شخص میں نہیں پائی جاتی۔ آخر تم کب تک اپنے آپ کو اور دوسرے لوگوں کو دھوکا دیتے رہو گے۔ لوگو! تم ایک بڑی مصیبت میں گرفتار ہو چکے ہو۔ اب میں ہی اس سے نجات پانے کی کوئی تدبیر کروں گا۔

اس کے بعد وہ مکہ سے حیرہ گیا اور وہاں سے ایران کے بادشاہوں کے قصے اور سام زال، رستم سہراب اور اسفندیار وغیرہ وہاں کے پہلوانوں کی داستانیں لا کر داستان گوئی کی مجلسیں آراستہ کرنی شروع کر دیں تاکہ لوگوں کی توجہ قرآنِ حکیم سے ہٹ جائے اور یہ عجیب وغریب قصے اور کہانیاں ان کی توجہ اور دلچسپی کا محور بن جائیں۔ رسولِ اکرم ﷺ جب کسی مجلس میں پیغامِ حق سنا کر واپس تشریف لے جاتے تو نضر وہاں پہنچ جاتا اور یہ کہہ کر حضور ﷺ کے ارشادات کا اثر زائل کرنے کی کوشش کرتا کہ واللہ! محمدؐ کی باتیں میری باتوں سے بہتر نہیں ہیں۔ پھر وہ ایرانی بادشاہوں اور پہلوانوں کی داستانیں مزے لے لے کر سناتا اور آخر میں کہتا، بھلا کسی اور کی باتیں بھی ان سے بہتر ہو سکتی ہیں؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نضر بن حارث نے گانے والی چند لونڈیاں بھی خرید رکھی تھیں۔ جب وہ کسی شخص کے بارے میں سنتا کہ اس پر نبی ﷺ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارشادات کا اثر ہو رہا ہے تو وہ اپنی ایک لونڈی اس پر مسلط کر دیتا تاکہ وہ اسے خوب کھلائے پلائے اور گانے سنائے یہاں تک کہ وہ اس کے ساتھ مشغول ہو کر اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنے کا خیال دل سے نکال دے۔ (ابنِ ہشام)

نضر بن حارث کی ان قبیح حرکتوں کے بارے میں قرآنِ حکیم میں یوں اشارہ کیا گیا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۔

(سورۃ لقمان آیۃ ۶)

ترجمہ: اور انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو خرید کر لاتا ہے غافل کرنے والی باتیں تاکہ گمراہ کردے اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے اور اُڑائے اس (راہ کی دعوت) کا مذاق۔ ایسے لوگوں کے لیے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ (فتح القدیر۔ تفہیم القرآن)

جھوٹ کی مہم یا افترا پردازی:

مشرکینِ قریش نے دعوتِ عام کے جواب میں حضور ﷺ کے خلاف جو محاذ کھول رکھے تھے ان میں ایک محاذ جھوٹے پروپیگنڈے یا افترا پردازی کا تھا۔ آپؐ کی عظمتِ کردار، صداقت اور دیانت سے واقف ہونے کے باوجود وہ آپؐ کو کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی مجنون (دیوانہ) کبھی سحر زدہ اور کبھی جادوگر کہتے تھے بس جو جس کے جی میں آئے، بکتا چلا جاتا تھا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ سفید جھوٹ ہے لیکن ان کے نزدیک یہ جھوٹ بولنا اس لیے ضروری تھا کہ باہر سے مکّہ میں نو وارد لوگوں کو اسی قسم کی افترا پردازی حضور ﷺ سے بدگمان اور متنفر کر سکتی تھی۔ جھوٹ کی یہ مہم ۴ نبوّت کے موسمِ حج سے شروع ہوئی اور تسلسل کے ساتھ کئی سال تک جاری رہی۔ [1] قرآنِ حکیم کی متعدد سورتوں میں مشرکین کی اس افترا پردازی کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کی تردید کی گئی ہے [2] اللہ کی شان جھوٹ کی اس مہم کے نتیجے میں عرب کے کونے کونے تک آپؐ کا اسمِ گرامی پہنچ گیا اور بیرونِ مکّہ کے متعدد سعید الفطرت انسانوں کو قبولِ اسلام کی سعادت بھی نصیب ہوگئی۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

---

[1] ۴ نبوّت کے موسمِ حج سے پہلے مشرکینِ مکّہ نے یہ فیصلہ کرنے کے لیے ایک بڑی مجلسِ مشاورت منعقد کی کہ عرب کے گوشے گوشے سے حج کے لیے آنے والے لوگوں کے سامنے حضور ﷺ کو کس حیثیت سے مشہور کیا جائے، کاہن، شاعر، مجنون، مسحور یا ساحر کی حیثیت سے۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد کہن سال مشرک سردار ولید بن مغیرہ کے مشورے پر یہ طے پایا کہ حضور ﷺ کو ایک ایسے ساحر (جادوگر) کی حیثیت سے مشہور کیا جائے جس کا کلام آدمی کو اس کے ماں باپ بھائی بہنوں اور بیوی بچّوں سے جدا کر دیتا ہے۔ (ابنِ اسحاق، بیہقی)

[2] السّباء، الانبیا، الطور، الفرقان، الحاقّۃ، القلم اور کئی دوسری سورتوں میں مشرکین کی افترا پردازی کا ذکر آتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آلِ یاسرؓ کی بلا کشی

یاسرؓ بن عامر یمن کے ایک شریف خاندان کے فرد تھے۔ ایک دفعہ ان کا ایک بہت پیارا بھائی گھر سے نکل کر کہیں غائب ہو گیا۔ وہ اپنے مفقود الخبر بھائی کی تلاش کرتے ہوئے مکّہ میں وارد ہوئے۔ان کے دو بھائی مالک اور حارث بھی ساتھ تھے۔ جب ان کا گمشدہ بھائی مکّہ میں نہ ملا تو مالک اور حارث تو واپس چلے گئے لیکن یاسرؓ بن عامر نے ابوحُذَیفہ بن المغیرہ مخزومی سے حلیفانہ تعلقات قائم کر کے مکّہ ہی میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ یہ بعثتِ نبوی سے تقریباً پینتالیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ ابوحذیفہ بن المغیرہ نے اپنی ایک لونڈی سُمیّہؓ بنتِ خباط کی شادی حضرت یاسرؓ بن عامر سے کر دی۔ ان کی صُلب سے حضرت سُمیّہ کے دو بیٹے عمارؓ اور عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ ابوحُذَیفہ نے اس سارے خاندان کو بڑے لُطف ومحبّت سے رکھا۔اس کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد حضور ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپؐ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو اس سعید الفطرت خاندان کے تمام افراد نے بعثت کے ابتدائی زمانے ہی میں حضور ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔

مؤرخ ابنِ سعدؒ کہتے ہیں کہ ابوحذیفہ نے حضرت عمارؓ کو ان کے بچپن ہی میں آزاد کر دیا تھا لیکن حضرت سُمیّہؓ کو اپنی غلامی ہی میں رکھا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد وہ اس کے وُرثا (ابوجہل وغیرہ) کی غلامی میں آ گئی تھیں۔ حضرت عمارؓ کے بھائی عبداللہؓ کے بارے میں کسی نے وضاحت نہیں کی کہ وہ بھی آزاد کر دیے گئے تھے یا غلام ہی رہے۔ بہرصورت یہ خاندان بنومخزوم ہی سے وابستہ رہا۔

اہلِ حق کے لیے یہ بڑا پُر آشوب زمانہ تھا۔مکّہ کا جو شخص اسلام قبول کرتا، مشرکینِ قریش کے غیظ وغضب اور جور وتعدّی کا نشانہ بن جاتا تھا۔مشرکین اس معاملہ میں اپنے قریب ترین عزیزوں کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ ان غریب الوطن اور بے یار ومددگار باپ بیٹوں اور حضرت سُمیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر مشرکین نے قبولِ اسلام کے جُرم میں ایسے ایسے لرزہ خیز مظالم ڈھائے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ حضرت یاسرؓ اور حضرت سُمیّہؓ دونوں بہت ضعیف اور کبیر السن تھے۔ لیکن کفار کی تمام سختیوں کے باوجود ان کے قدم جادۂ حق سے لمحہ بھر کے لیے بھی نہ ڈگمگائے۔ یہی حال ان کے بیٹوں کا تھا۔ان مظلوموں کو لوہے کی زرہیں پہنا کر مکّہ کی جلتی تپتی ریت پر لٹانا اور ان کی پشت کو انگاروں سے داغنا کفار کا روز کا معمول بن گیا تھا لیکن وہ نشۂ توحید میں ایسے مخمور تھے کہ راہِ حق سے ہٹنے کا نام بھی نہ لیتے تھے۔ بلاذُریؒ نے حضرت اُمِّ ہانیؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن جب یہ چاروں نفوسِ قدسی کفار کے ہاتھوں لرزہ خیز اذیتیں جھیل رہے تھے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کا اُدھر سے گزر ہوا ان کو مبتلائے اذیّت دیکھ کر آپ ؐ کو سخت رنج ہوا اور آپ ؐ نے فرمایا:

''صبر کرو اے آلِ یاسر تمہارے لیے جنّت کا وعدہ ہے۔''

ابنِ سعدؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت عثمانؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اُس مقام سے گزرا جہاں اِس خاندان کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''صبر کرو...... یا اللہ آلِ یاسر کی مغفرت فرما دے اور تو نے ان کی مغفرت کر ہی دی۔''

بوڑھے یاسرؓ یہ ظلم سہتے سہتے ایک دن جاں بحق ہو گئے۔ مشرکین کو اب بھی اس خاندان پر رحم نہ آیا اور انہوں نے حضرت سمیّہؓ اور ان کے بیٹوں پر ظلم وجور کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ ایک دن حضرت سمیّہؓ دن بھر سختیاں سہنے کے بعد شام کو اپنی قیام گاہ پر آئیں تو ابوجہل پہلے تو انہیں گالیاں دیتا رہا پھر اپنا برچھا ان کو کھینچ مارا جو ان کے پوشیدہ نازک مقام پر لگا اور وہ اسی وقت زمین پر گر کر جاں بحق ہو گئیں۔ وہ پہلی خاتون تھیں جو راہِ حق میں رتبۂ شہادت پر فائز ہوئیں (ایک روایت میں ہے کہ ظالم ابوجہل نے تیر مار کر حضرت عبداللہؓ کو بھی شہید کر دیا۔) اس خاندان میں اب صرف حضرت عمارؓ باقی رہ گئے تھے۔ ان کو اپنی والدہ کی مرگِ بیکسی پر سخت صدمہ ہوا۔ روتے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ سنا کر عرض کیا، یا رسولَ اللہ ﷺ! اب تو ظلم کی انتہا ہو گئی۔ آپ ؐ نے ان کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا! اے اللہ! آلِ یاسر کو دوزخ سے بچا۔

والدین اور بھائی کی شہادت کے بعد بھی حضرت عمارؓ بدستور کفار کی مشقِ ستم کا نشانہ بنے رہے۔

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عمارؓ کو کرتا اتارے ہوئے دیکھا تو ان کی پیٹھ پر داغ ہی داغ نظر آئے، پوچھا، یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ اس عذاب کے نشانات ہیں جو مکّہ کی تپتی ہوئی ریت پر مجھے دیے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا رکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اُدھر سے گزرے آپ ؐ نے اُن کے سر پر دستِ مبارک پھیرا اور فرمایا:۔

''اے آگ عمار پر اسی طرح ٹھنڈی ہو جا جس طرح تو ابراہیم علیہ السّلام پر ٹھنڈی ہوئی تھی۔''

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو پانی میں اس قدر غوطے دیے کہ وہ بالکل بدحواس ہو گئے یہاں تک کہ ان ظالموں نے ان کی زبان سے ایسے نازیبا کلمے کہلوا لیے جن میں حضور ﷺ کا انکار اور بُتوں (مشرکین کے معبودوں) کی تعریف تھی۔ جب ان بدبختوں سے جان چھوٹی تو روتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے حضور ﷺ نے پوچھا، کیا بات ہے تمہارے پیچھے کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیز لگی ہوئی ہے کہ رو رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا "بہت بڑی بُرائی یا رسولَ اللہ ﷺ! مجھے ان ظالموں نے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ میں نے آپ ﷺ کی شان میں نازیبا الفاظ نہیں کہے اور اُن کے معبودوں کے حق میں ذکرِ خیر نہیں کیا۔

حضور ﷺ نے پوچھا، تم اپنے دل کی کیا کیفیت پاتے ہو؟

عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ! میرا دل تو بفضلہٖ تعالیٰ ایمان باللہ و ایمان بالرّسول کے ساتھ مطمئن ہے۔

حضور ﷺ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھے اور فرمایا:

"کچھ مضائقہ نہیں، اگر آئندہ بھی وہ تمہاری اذیّت کے درپے ہوں اور اس قسم کا مطالبہ کریں تو جان بچانے کے لیے ایسا کرلینا۔"

متعدد مفسرّین نے لکھا ہے کہ سورۂ النحل کی یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ. (آیۃ ۱۰۶)

ترجمہ: "جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے (اس سے مواخذہ نہ ہوگا)

مختصر یہ کہ حضرت عمّار رضی اللہ عنہ کئی سال تک راہِ حق میں طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتے رہے یہاں تک کہ ۱۳ ؁ نبوت کے اواخر میں دوسرے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ مکّہ سے ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیکس غلاموں اور کنیزوں پر جَور وستم

دعوتِ توحید کے اوائل میں جن سعید الفطرت انسانوں نے اس دعوت پر لبیک کہا، اللہ کی شان، کہ اُن میں ایک اچھی خاصی تعداد کمزور طبقوں سے تعلق رکھتی تھی۔ ہماری مراد ان غلاموں لونڈیوں اور موالی سے ہے جن کا مکّہ میں کوئی پشت پناہ اور یارومددگار نہیں تھا۔ مشرکین نے اسلام لانے کے "جُرم" میں ان بیکس لوگوں پر بے پناہ ظلم ڈھائے لیکن آفرین ہے حق کے ان پرستاروں پر کہ تمام مصائب و آلام خندہ پیشانی سے برداشت کیے اور ایک لحہ کے لیے بھی دینِ حق سے انحراف کا خیال تک دل میں نہ لائے۔ ان میں سے چند بلاکشانِ اسلام کا حال درج ذیل ہے:۔

حضرت بلالؓ بن رباح:

حضرت ابوعبداللہ بلالؓ بن رباح کا شمار دربارِ رسالت کے اُن عظیم المرتبت اراکین میں ہوتا ہے کہ جن کا اسمِ گرامی سن کر ہر مسلمان کی گردن فرطِ احترام وعقیدت سے جھک جاتی ہے۔ طبرانیؒ اور بعض دوسرے اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ رباح اصل کے اعتبار سے حبشی تھے۔ وہ اپنی اہلیہ حمامہ کے ہمراہ مستقلاً مکّہ میں آبسے تھے اور قریش کے خاندان بنو جُمَح کی غلامی اختیار کی تھی۔ (یا انہیں غلام بنالیا گیا تھا) اسی غلامی کی حالت میں بعثتِ نبویؐ سے تقریباً اٹھائیس برس پہلے رباح اور حمامہ کے فرزند بلالؓ پیدا ہوئے۔ وہ کفر وشرک کے ماحول میں پَل کر جوان ہوئے تو والد کا سایہ سر سے اُٹھ چکا تھا البتہ والدہ حیات تھیں۔ دونوں ماں بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید عطا کی تھی۔ بعثتِ نبویؐ کے جلد ہی بعد جونہی دعوتِ توحید ان کے کانوں میں پڑی، دونوں ماں بیٹے حَلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے یوں ان کو السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن کی مقدّس جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوگیا۔ ان کا آقا اُمیّہ بن خَلَف جُمحی اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ اس پر حضرت بلالؓ کے اسلام لانے کا حال کُھلا تو وہ آگ بگولا ہوگیا۔ اس نے اُن کو بُلا کر پوچھا، میں نے سنا ہے کہ تم نے کوئی اور معبود ڈھونڈ لیا ہے۔ سچ سچ بتاؤ تم کس معبود کی پرستش کرتے ہو؟

حضرت بلالؓ نے بے دھڑک جواب دیا "محمد ﷺ کے خدا کی" اُمیّہ نے آنکھیں لال پیلی کرکے کہا "مُحمد کے خدا کی پرستش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ تو مقدس لات وعُزیٰ کا دشمن ہوگیا ہے۔ سیدھی طرح سے راہِ راست پر آجاؤ ورنہ ذلت کے ساتھ مارے جاؤ گے۔ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ تم لات وہُبل کے ایک نام لیوا کے غلام ہو کر محمد ﷺ کے خدا کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرستش کرو۔"

حضرت بلالؓ صہبائے توحید کے نشہ میں مست ہو چکے تھے نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر جواب دیا۔ "میرے جسم پر تو تمہارا زور چل سکتا ہے لیکن میں اپنا دل اور اپنی جان محمدؐ اور محمدؐ کے خدا کے پاس رہن رکھ چکا ہوں۔ اب ذاتِ واحد کی عبادت ہی میری زندگی کا منتہائے مقصود ہے تمہارے خود ساختہ معبودوں کو پوجنا میرے بس کی بات نہیں" یہ سن کر امیّہ بن خلف غیظ و غضب سے دیوانہ ہو گیا۔ ایک بے کس غلام اور یوں اس کے منہ آئے؟ اس نے کڑک کر کہا "اچھا تو پھر اپنی بے دینی کا مزہ چکھ۔ دیکھوں گا کہ محمدؐ اور محمدؐ کا خدا تمہیں کیسے چھڑاتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس ظالم نے حضرت بلالؓ پر جور وستم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ مکّہ میں حرہ کی زمین گرمی کے سبب سے مشہور ہے۔ یہ دھوپ میں تانبے کی طرح گرم ہو جاتی ہے۔ اُمیّہ دوپہر کے وقت حضرت بلالؓ کو گھر سے نکال کر لے جاتا اور حرہ کی جلتی ہوئی بالو پر لٹا کر ایک بھاری گرم پتھر ان کے سینے پر رکھ دیتا تاکہ جنبش نہ کر سکیں پھر کہتا کہ محمدؐ کی پیروی سے باز آ جا۔ اور لات و عُزّٰی کے معبودِ برحق ہونے کا اقرار کر لے ورنہ اسی طرح پڑا رہے گا۔ اس کے جواب میں شیدائے حق حضرت بلالؓ کی زبان سے اَحَدٌ اَحَدٌ کی آواز نکلتی تھی۔ امیّہ غضبناک ہو کر ان کو زدوکوب کرنا شروع کر دیتا لیکن وہ اَحَدٌ اَحَدٌ ہی کہے چلے جاتے۔ ایک دن تو اس ظالم نے شقاوت کی انتہا کر دی اس نے پوری ایک رات اور ایک دن حضرت بلالؓ کو بھوکا پیاسا رکھا اور تپتی ہوئی ریت پر ان کے رقصِ بسمل کا تماشا دیکھتا رہا۔

مشہور صحابی حضرت عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ میں نے بلالؓ کو اس حالت میں دیکھا کہ اُمیّہ نے ان کو ایسی سخت تپتی ہوئی زمین پر لٹا رکھا تھا کہ جس پر گوشت رکھ دیا جاتا تو وہ گل جاتا مگر وہ اس حالت میں بھی کہہ رہے تھے کہ میں لات و عُزّٰی کا انکار کرتا ہوں۔ اُمیّہ نے دیکھا کہ اتنی سختیوں کے باوجود اس عاشقِ توحید کی جبینِ ہمّت پر شکن تک نہیں پڑی تو اس کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی اور اس نے اپنے دوسرے غلاموں اور بنو جُمح کے لونڈوں کو ہشکار دیا کہ لات و ہُبَل کے اس باغی کو اتنی اذیّتیں دو کہ وہ محمد ﷺ اور محمد ﷺ کے خدا کا نام لینا چھوڑ دے۔

یہ بدبخت امیّہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے حضرت بلالؓ کو بری طرح مارتے پیٹتے دن کے وقت ان کے کپڑے اُتروا کر لوہے کی زرہ پہناتے اور دھوپ میں ڈال دیتے، شام کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک کوٹھری میں پھینک دیتے اور رات کو انہیں تازیانے رسید کرتے رہتے لیکن حضرت بلالؓ کی زبان سے اَحَدٌ اَحَدٌ کے سوا کچھ نہ نکلتا۔

علّامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ اُمیّہ حضرت بلالؓ کے گلے میں رسّی باندھ کر انہیں لونڈوں کے حوالے کر دیتا اور وہ انہیں مکّے کی گھاٹیوں میں گھسیٹتے پھرتے پھر جلتی ہوئی ریت پر لا کر اوندھے منہ لٹا دیتے اور ان پر پتھروں کا ڈھیر لگا دیتے لیکن حضرت بلالؓ اَحَدٌ اَحَدٌ ہی کہے جاتے۔

شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسّانؓ بن ثابت سے روایت ہے کہ میں زمانۂ جاہلیّت میں حج (یا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمرے) کے لیے مکے گیا تو دیکھا کہ لڑکوں نے بلالؓ کو ایک رسّی سے باندھ رکھا ہے اور اِدھر اُدھر گھسیٹ رہے ہیں لیکن وہ کہے جا رہے ہیں کہ میں لات وعزّیٰ اور ہُبَل اور اِساف اور نائلہ اور بوانہ سب کا انکار کرتا ہوں۔

غرض حضرت بلالؓ مدت مدید تک ایسے ایسے زہرہ گداز مظالم کی چکی میں پستے رہے کہ ان کا حال پڑھ کر جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے لیکن ان کی قوتِ ایمان کا یہ عالم تھا کہ:

بڑھتا تھا اور شوقِ "گنہ" ہر سزا کے بعد

ان کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو شدید زخمی نہ ہو چکا ہو لیکن کوئی بھی مصیبت، سختی اور اذّیت اُن کے قصرِ ایمان کے کنگوروں کو ذرّہ برابر جنبش نہ دے سکی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گھر بنو جُمَح کے محلے ہی میں تھا۔ وہ آتے جاتے حضرت بلالؓ کو نت نئے مظالم اور شدائد کا نشانہ بنتے دیکھتے تو بے تاب ہو جاتے اور سوچنے لگتے کہ اس مظلوم کو مشرکین کے پنجۂ ستم سے کیسے چھڑایا جائے۔ ایک دن ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور انہوں نے امیّہ بن خَلَف پر زور ڈالا کہ وہ بلالؓ کو اُن کے ہاتھ فروخت کر دے۔ امیّہ بڑی ردوقدح کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے ایک تنومند حبشی غلام فسطاس اور چالیس اوقیہ چاندی کے بدلے میں حضرت بلالؓ کو فروخت کرنے پر تیّار ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خرید کر فوراً آزاد کر دیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھاری رقم امیّہ کو دے کر حضرت بلالؓ کو خریدا اور آزاد کیا۔ آزاد ہونے کے بعد حضرت بلالؓ نے اپنے آپ کو ہمہ تن آنحضور ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔

حضرت حمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

حضرت حمامہ رضی اللہ عنہا حضرت بلالؓ کی والدہ تھیں اور ان کے ساتھ ہی شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئی تھیں۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ ان کو بھی قبولِ اسلام کے "جُرم" میں جور و تعدّی کا نشانہ بنایا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں بھی ان کے مشرک مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت ابو فُکَیہہ یسار اَزدیؓ:

حضرت ابو فُکَیہہ یسار اَزدیؓ قریش کے خاندان بنی عبدالدّار کے غلام تھے۔ بے کس اور بے یارومددگار ہونے کے باوجود ان کے سینے میں شیر کا دل تھا۔ آنحضور ﷺ نے جب ظلمت کدۂ عرب میں شمعِ توحید روشن کی تو ابو فُکَیہہ بے خوف وخطر آگے بڑھے اور اس شمع کے پروانے بن گئے۔ ان کا آقا امیّہ بن خَلَف اپنے غلام کی اس جراَتِ رندانہ پر شعلۂ جوالہ بن گیا اور اس نے بے کس ابو فُکَیہہ پر بے پناہ ظلم وستم ڈھانا شروع کر دیا۔ ظالم خود بھی ان کو نت نئی سزا کا ہدف بناتا تھا اور اپنے اہلِ خاندان کو بھی کھلی چھٹی دے دی تھی کہ جب جی چاہے اس مظلوم کو اپنی مشقِ ستم کا نشانہ بنائیں۔ یہ ظالم تپتی ہوئی ریت پر دوپہر کے وقت حضرت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابُو فُکَیہَہؓ کو منہ کے بَل لٹا دیتے اور پیٹھ پر ایک وزنی پتھر رکھ دیتے۔ وہ مردانہ وار اس سزا کا مقابلہ کرتے حتیٰ کہ ہولناک گرمی اور ناقابلِ برداشت اذیّت سے بے ہوش ہو جاتے۔ اتنی تکلیف کے باوجود کیا مجال کہ ان کی زبان شرک سے آلودہ ہو۔

ایک دن شقی القلب امیہّ نے حضرت ابُو فُکَیہَہؓ کے دونوں پاؤں میں رسی باندھی اور انہیں بُری طرح گھسیٹتا ہوا باہر لے گیا۔ اس وقت دوپہر کا وقت تھا اور سورج آگ برسا رہا تھا۔ امیہّ نے ابُو فُکَیہَہؓ کو تپتی ہوئی ریت پر ڈال دیا۔ امیہّ کا بیٹا صفوان بھی باپ کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچا اور حضرت ابُو فُکَیہَہؓ سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگا، کیا میرا باپ تیرا رَبّ نہیں ہے؟

حضرت ابُو فُکَیہَہؓ نے فوراً جواب دیا۔ ''ہرگز نہیں، میرا رَبّ اللہ تعالیٰ ہے جو سب کو روزی دیتا ہے۔''

صفوان نے اس جواب پر غضبناک ہو کر ابُو فُکَیہَہؓ کا گلا اس زور سے دبایا کہ ان کی زبان باہر نکل پڑی اور وہ زمین پر گر کر بالکل بے حس و حرکت ہو گئے۔ صفوان اور امیہّ نے سمجھا کہ ختم ہو گئے لیکن ابھی ان میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ اتفاق سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اِدھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے حضرت ابُو فُکَیہَہؓ کی دردناک بَلاکشی کا منظر دیکھا تو ان کو امیہّ بن خلَف سے خرید کر آزاد کر دیا۔ لیکن آزاد ہونے کے بعد بھی وہ مشرکین کے ظلم و جور سے محفوظ نہ رہے یہاں تک کہ ۶ھ بعدِ بعثت میں حضور ﷺ کے ایماء پر مکّہ سے ہجرت کر کے حَبَش چلے گئے۔ (اُسدُ الغابہ)

حضرت لُبَینہ رضی اللہ عنہا:

بعض روایتوں میں ان کا نام لُبَیبہ آیا ہے۔ یہ بنو عدی کی ایک شاخ بنی مؤمّل کی لونڈی تھیں۔ حضرت عُمَر بن الخَطّاب اپنے زمانۂ کفر میں ان کو اسلام لانے کے جُرم میں بہت مارا کرتے تھے۔ جب مارتے مارتے تھک جاتے تو یہ کہہ کر ہاتھ روکتے کہ میں نے تھک جانے کی وجہ سے تجھے چھوڑا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ (ابنِ ہشام۔ بلاذری)

حضرت اُمِّ عُبَیس

کچھ روایتوں میں ان کا نام عُمَیس اور کچھ میں عُنَیس آیا ہے۔ یہ بنو زُہرہ کی لونڈی تھیں۔ دعوت کے ابتدائی زمانے میں ایمان لائیں۔ اس جرم میں اسود بن عبدِ یغوث زُہری ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتا رہتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کی حالتِ زار دیکھی تو ایک معقول رقم کے عوض انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ (بلاذری)

حضرت عامر بن فُہَیرَہ رضی اللہ عنہ:

وہ ایک غریب الوطن حبشی تھے اور اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخیافی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ماں جائے) بھائی طفیل بن عبداللہ بن حارث کے غلام تھے دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے میں دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوگئے۔ اس "جُرم" کی پاداش میں بیکس عامرؓ مشرکین کے ظلم وستم کا نشانہ بن گئے۔ یہ ظالم نہ صرف بڑی بیدردی سے اُن کو زدوکوب کرتے رہتے تھے بلکہ کبھی کبھی ان کو گرم ریت اور کانٹوں پر بھی گھسیٹتے تھے لیکن کیا مجال کہ بیکس عامرؓ کے پائے استقلال میں لغزش آ جائے۔ ایک دن حضرت ابوبکرؓ نے انہیں اس حال میں دیکھا کہ کُفّار انہیں کانٹے چبھو رہے تھے اور ان کی ڈاڑھی پکڑ کر طمانچے مار رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ سے ان کی حالتِ زار دیکھی نہ گئی اور انہوں نے اسی وقت انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ (ابنِ سعدؒ طبریؒ)

حضرت نہدیہؓ اور ان کی بیٹیؓ:

یہ دونوں سعادت مند خواتین بنوعبدالدّار کی ایک عورت کی کنیزیں تھیں۔ بعثت کے ابتدائی زمانے میں دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوگئیں۔ اس پر ان کی مالکہ نے اُن پر سخت ظلم ڈھائے۔ بالآخر حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ (سیرتِ سرورِ عالم ﷺ)

حضرت زِنّیرہ رُومیہ رضی اللہ عنہا:

بعض روایتوں میں ان کا نام زَنّیرہ اور بعض میں زُنَیرہ آیا ہے۔ ان کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں ایک یہ کہ وہ بنومخزوم کی لونڈی تھیں دوسری یہ کہ بنوعدی کی لونڈی تھیں اور تیسری یہ کہ بنوعبدالدّار کی کنیز تھیں۔ مشہور روایت یہ ہے کہ بنومخزوم کے سردار ابوجہل کی کنیز تھیں۔ ابتدائے بعثت میں اسلام لائیں تو ابوجہل ان پر سخت ظلم ڈھانے لگا۔ یہاں تک کہ ان کی نظر جاتی رہی اس پر ابوجہل نے کہا کہ تجھے لات اور عُزّیٰ نے اندھا کر دیا (کیونکہ تو نے ان کی پرستش چھوڑ کر مُحمّد کا دین اختیار کرلیا ہے)۔ اس پر زِنّیرہؓ نے کہا لات اور عزّیٰ پتھر کے بت ہیں انہیں کیا خبر کہ کون ان کو پوجتا ہے اور کون نہیں پوجتا، یہ امتحان تو میرے اللہ کی طرف سے ہے وہ چاہے تو میری بینائی واپس کر دے۔ اللہ کی شان کہ دوسرے دن وہ سو کر اٹھیں تو ان کی بینائی بحال ہو چکی تھی۔ علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مشرکین کے ہاتھوں انہیں بے تحاشا پٹتے دیکھا تو انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کیا تو ان کی بینائی جاتی رہی اس پر مشرکین نے کہنا شروع کر دیا کہ لات اور عزّیٰ کی نافرمانی نے اسے اندھا کر دیا ہے۔ انہوں نے یہ سن کر کہا، بیت اللہ کی قسم یہ لوگ جھوٹے ہیں لات اور عزّیٰ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ اللہ کی قدرت دوسرے دن ان کی بینائی بحال ہو گئی۔ اس پر مشرکین کہنے لگے کہ یہ مُحمّد کے جادو کا کرشمہ ہے۔ (نعوذ باللہ) (الاستیعاب۔ اُسدُ الغابہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوپر ہم نے دعوتِ حق پر لبیک کہنے والے اُن چند غلاموں اور لونڈیوں کا ذکر کیا ہے جن کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے پنجۂ ستم سے چھڑایا۔ یہاں یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ اس وقت اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے۔[1] اُن کو جب معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ غریب لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے بے تحاشا روپیہ خرچ کر رہے ہیں تو انہوں نے اپنے فرزندِ گرامی سے کہا:

"بیٹا! ایسے کمزور لوگوں کو آزاد کرانے کا کیا فائدہ؟ اگر تم چست اور تنومند غلاموں کو آزاد کراتے تو وہ تمہارے احسان مند رہتے اور مشکل کے وقت تمہارے کام آتے۔"

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ابا جان! میں کسی دنیاوی فائدے کے لیے ان لوگوں کو آزاد نہیں کراتا، میں تو اس کا وہ اجر چاہتا ہوں جو اللہ کے پاس ہے۔" (ابنِ جریر طبریؒ و ابنِ عساکرؒ)

یہ جواب سن کر ابوقحافہ خاموش ہو گئے۔

حضرت خبّاب بن الأرتّ رضی اللہ عنہ کی بلاکشی:

ان کا خاندانی تعلق بنوتمیم سے تھا (بروایتِ دیگر وہ عراقی تھے) زمانۂ جاہلیّت میں قبیلہ ربیعہ کے ایک گروہ نے انہیں پکڑ کر غلام بنا لیا اور مکّہ لا کر بنو زہرہ کے حلیف ایک خزاعی خاندان کے پاس فروخت کر دیا۔ مکّہ میں وہ تلواریں بنا کر فرخت کیا کرتے تھے۔ اس طرح ان کو معقول آمدنی ہو جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ دعوتِ توحید کے اوائل ہی میں اس پر لبیک کہا اور مخفی طور پر آنحضور ﷺ سے قرآنِ پاک کی چند سورتیں بھی پڑھ لیں مگر جونہی انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا کفّار کی برقِ عتاب اُن کے آستانۂ عافیت پر کوندنے لگی۔ انہوں نے بیکس خبابؓ پر ایسے ایسے بہیمانہ مظالم ڈھائے کہ انسانیت اور شرافت سر پیٹ کر رہ گئی۔ وہ انؓ کے کپڑے اتروا کر دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے اور سینہ پر بھاری سِل رکھ دیتے۔ کبھی انگاروں پر لٹا کر ایک قوی ہیکل آدمی ان کے سینہ پر بیٹھ جاتا تاکہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ خبابؓ صبر و استقامت کے ساتھ ان انگاروں پر کباب ہوتے رہتے حتیٰ کہ زخموں سے خون اور پیپ رِس رِس کر ان انگاروں کو ٹھنڈا کر دیتی۔ ایسے لرزہ خیز مظالم کے باوجود کیا مجال کہ ان کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش آئی ہو۔ اسی طرح ظلم سہتے سہتے کچھ عرصہ گزر گیا تو ایک دن فریاد لے کر

---

[1] حضرت ابوقحافہ تقریباً سترہ اٹھارہ سال بعد فتح مکّہ (رمضان ۸ ہجری) کے موقع پر شرف ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ انہوں نے بہت طویل زندگی پائی اور حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرورِ کونین ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ اس وقت کعبہ کی دیوار کے سائے میں ردائے مبارک سر کے نیچے رکھے ہوئے لیٹے تھے۔ خبابؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! اب تو ظلم کی انتہا ہوگئی۔ آپ اللہ پاک سے ہمارے لیے دُعا کیوں نہیں کرتے؟" یہ سُن کر حضور ﷺ سنبھل کر بیٹھ گئے، آپ کا چہرۂ اقدس سُرخ ہوگیا اور آپؐ نے فرمایا، تم سے پہلے گزشتہ زمانہ میں ایسے لوگ ہوئے ہیں کہ لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت نوچ ڈالا گیا سوائے ہڈیوں اور پٹھوں کے کچھ نہ چھوڑا گیا۔ ایسی سختیوں نے بھی ان کا دین پر اعتقاد متزلزل نہ کیا۔ ان کے سروں پر آرے چلائے گئے چیر کر بیچ میں سے دو کر دیے گئے تاہم دین کو نہ چھوڑا۔ اللہ اِس دین کو ضرور کامیاب کرے گا اور تم دیکھو گے کہ اکیلا سوار صنعاء (یمن) سے حضرموت تک جائے گا اور سوائے اللہ عزّ وجلّ کے کسی سے نہیں ڈرے گا۔ حضور ﷺ کے ارشادات سُن کر حضرت خبابؓ کا حوصلہ دو چند ہوگیا اور وہ خاموشی سے اپنے گھر چلے گئے۔

حضرت خبابؓ کی آقا اُمِ انمار بھی نہایت قسیُّ القلب عورت تھی۔ علامہ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ وہ حضرت خبابؓ کو قبولِ اسلام کی سزا میں کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں لٹاتی اور کبھی تپے ہوئے لوہے سے ان کا سر داغا کرتی تھی۔ رحمتِ عالمؐ اُمِ انمار کے مظالم کا حال سنتے تو حددرجہ ملول ہوتے اور خبابؓ کی دلجوئی فرماتے۔ اس بدبخت عورت کو جب حضور ﷺ کی دلجوئی کا علم ہوتا تو وہ خبابؓ پر اور شدّت سے ظلم ڈھانا شروع کر دیتی۔ جب اس کی ستم رانیوں کی کوئی حدونہایت ہی نہ رہی تو حضرت خبابؓ نے سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی "یارسول اللہ ﷺ! دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس عذاب سے نجات دے۔" حضور ﷺ نے دعا فرمائی "الٰہی خباب کی مدد کر۔"

علامہ ابنِ اثیر نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی دعا کے بعد اُمِ انمار کے سر میں ایسا شدید درد شروع ہوگیا جو کسی طریقے سے کم ہونے میں نہ آتا تھا اور وہ کُتوں کی طرح بھونکتی تھی۔ لوگوں نے بتایا کہ جب تک لوہے سے تمہارا سر نہیں داغا جائے گا اس درد میں کمی نہ ہوگی۔ اُمِ انمار شِدّتِ کرب سے تڑپ رہی تھی۔ اس نے حضرت خبابؓ ہی کو یہ کام تفویض کیا کہ وہ گرم لوہے سے اس کا سر داغیں۔ چنانچہ جو گرم لوہا حضرت خبابؓ پر استعمال ہوتا تھا وہی اس پر استعمال ہوا لیکن اس علاج کے باوجود اسے کوئی فائدہ نہ ہوا اور چند دنوں کے بعد وہ تڑپ تڑپ کر نہنگِ اجل کا لقمہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن گئی۔

مشرکین نے حضرت خبابؓ کو جسمانی ایذائیں دینے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ انہیں مالی نقصان پہنچانے کے لیے عہد شکنی سے بھی دریغ نہ کیا۔ مشہور مشرک عاص بن وائل کو حضرت خبابؓ کا کچھ قرض دینا تھا۔ یہ جب تقاضا کرتے تو وہ کہتا "جب تک محمدؐ کا دین ترک نہ کرو گے ایک کوڑی بھی نہ دوں گا۔" خبابؓ فرماتے "جب تک تم دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں نہ آؤ گے میں محمدؐ کا دامن نہیں چھوڑ سکتا۔"

عاص کہتا۔ "تو پھر انتظار کرو جب میں مر کر دوبارہ زندہ ہوں گا اور اپنے مال اور اولاد پر متصرّف ہوں گا تو تمہارا قرضہ چکا دوں گا۔"

اس طرح اُس نے حضرت خبابؓ کی رقم ہضم کر لی۔ انہوں نے یہ نقصان برداشت کر لیا لیکن اپنے دین سے پھرنے کا خیال تک دل میں نہ لائے۔ وہ اسی طرح سالہا سال تک مشرکین کے ظلم وجور کا نشانہ بنے رہے یہاں تک کہ ہجرت کا حُکم نازل ہوا اور وہ آنحضور ﷺ کے ایماء پر مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذی حیثیّت مسلمانوں پر مشرکین کا قہر و عتاب

مشرکینِ مکّہ نے قبولِ حق کے ''جرم'' میں نہ صرف کمزور اور بے سہارا لوگوں کو اپنے قہر و عتاب کا نشانہ بنایا بلکہ نہایت معزّز اور ذی حیثیت گھرانوں کے اُن اصحاب پر بھی دستِ تعدّی دراز کرنے سے گریز نہ کیا جنھوں نے بعثتِ نبوی کے اوائل میں دعوتِ توحید پر لبیّک کہا۔ علامہ ابنِ جریر طبریؒ نے حضرت عروہؒ بن زبیرؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ایک دن قریش کے (مشرک) سردار ایک جگہ جمع ہوئے اور انہوں نے باہم مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ ان کے نزدیک یا دور کے جن رشتے داروں نے مُحمَّدْ (ﷺ) کا دین قبول کیا ہے، ان پر ہر طرح کا ظلم و جبر کر کے اپنے آبائی مذہب پر واپس لایا جائے اس قسم کے اصحاب میں حضرت ابوبکر، حضرت طلحہ، حضرت عثمان، حضرت خالد بن سعید، حضرت زبیر، حضرت مُصعَب بن عُمَیر، حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان جیسے متعدد دوسرے افراد شامل تھے ان سب کا تعلق قریش کے نہایت معزّز اور ذی اثر گھرانوں سے تھا لیکن رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ؐ کی حمایت کرنے کے ''جرم'' میں مشرکین نے اُن نفوسِ قُدسی پر بھی طرح طرح کے ظلم توڑے ان سب نے ہر ظلم اور ہر سختی کا مقابلہ نہایت صبر اور حوصلے کے ساتھ کیا اور آبائی مذہب کی طرف لوٹنا کسی صورت میں گوارا نہ کیا۔ ذیل کی چند مثالوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان اصحاب کو قبولِ حق کے نتیجے میں کیسی مصیبتیں جھیلنی پڑیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہُ کی بلاکشی:

ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ قریش کی شاخ ''بنوتَیم'' کے رئیس تھے اور ان کا شمار مکّہ کی نہایت معزّز اور ہر دلعزیز شخصیتوں میں ہوتا تھا۔ بعثتِ نبوی کے وقت اُشناق (یعنی دِیت یا خون بہا اور تاوان کی رقم معیّن کرنے) کا منصب خاندانی استحقاق کی بناء پر حضرت ابوبکرؓ کے سپرد تھا۔ کُفّار نے جب دیکھا کہ حضرت ابو بکرؓ اسلام قبول کرنے کے بعد نہ صرف آنحضور ﷺ کے دست و بازو بن گئے ہیں بلکہ دعوتِ توحید پر لبیّک کہنے والے غلاموں اور لونڈیوں کو ان کے ظالم مالکوں سے چھڑانے کے لیے اپنا مال بے دریغ صرف کر رہے ہیں تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنے غیظ و غضب اور ظلم و ستم کا نشانہ بنالیا۔ پہلے تو انہوں نے اُن سے اشناق کا اہم منصب چھین لیا پھر انہیں اور حضرت طلحہؓ (حضرت ابوبکرؓ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابنِ عم) کو ایک رسی سے باندھ کر زدوکوب کیا لیکن جہاں وہ برابر جادۂ حق پر گامزن رہے وہاں کفار بھی ایذارسانی سے باز نہ آئے اور جب بھی موقع ملا ان کو جسمانی ایذائیں پہنچانے سے گریز نہ کیا۔ ان کی داستانِ بلاکشی بہت طویل ہے۔ کتاب کی ضخامت اس کا احاطہ کرنے کی اجازت نہیں دیتی اس لیے ہم یہاں صرف ایک واقعہ بیان کریں گے جس سے ان کی بلاکشی کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے اور عشقِ رسول ﷺ کا بھی۔ ایک دن رسولِ اکرم ﷺ طوافِ کعبہ کے لیے حرم شریف کے اندر تشریف لے گئے۔ [1] مشرکینِ قریش نے آپ کو دیکھا تو بھڑک اٹھے۔ ان شریروں نے آپ کو گھیر لیا اور آپ پر دستِ تعدّی دراز کیا۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ اپنے گھر میں تھے کسی نے ان سے جا کر کہا، اپنے رفیق کی خبر لو، اسے حرم میں قریش کے بعض لوگوں نے گھیر رکھا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ یہ سنتے ہی بیتابانہ دوڑتے ہوئے حرم شریف پہنچے اور مجمعِ کفار میں گھس گئے۔ کسی ظالم کو مارتے کسی کو دھکا دے کر ہٹاتے اور افسوس سے کہتے جاتے کہ:

(وَيْلَكُمْ) اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ. (۲۸:۴۰)

(تم پر افسوس ہے کہ) "ایک شخص کو تم اس کہنے پر مارے ڈالتے ہو کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے روشن دلیلیں تمہارے پاس لایا ہے۔")

حضرت ابوبکرؓ کی مداخلت مشرکین کو سخت ناگوار گزری۔ انہوں نے حضور ﷺ کو تو چھوڑ دیا اور سب اُن پر پل پڑے اتنا مارا کہ لہولہان ہوگئے۔ پٹتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ.

"اے عزت وجلال والے تیری ذات بہت بابرکت ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر بنی عبدِ شمس کے رئیس عتبہ بن ربیعہ نے اپنے سخت تلے والے جوتے سے حضرت ابوبکرؓ کے چہرے پر اتنی ضربیں لگائیں کہ ان کا سارا چہرہ سوج گیا اور ناک اس میں چھپ گئی دوسرے مشرکوں نے ان کو زمین پر گرا کر پاؤں سے روندا۔

حضرت ابوبکرؓ کے اہلِ قبیلہ (بنوتیم) کو پتا چلا تو وہ بھاگم بھاگ حرم پہنچے اور انہیں مشرکین کے پنجۂ ستم سے چھڑا کر گھر لے گئے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سانحہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ گھر پہنچے تو ان کا یہ حال تھا کہ سر پر جس جگہ ہاتھ لگتا وہیں سے بال جھڑ جاتے۔ گھر پہنچ کر بے ہوش ہوگئے۔ بڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو سب سے پہلے جو الفاظ

---

[1] ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ دارارقم سے نکل کر مسجدِ حرام تشریف لے گئے۔ وہاں یکایک حضرت ابوبکرؓ نے اٹھ کر تقریر شروع کر دی جس میں لوگوں کو اللہ وحدہٗ لاشریک اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ ان کی تقریر سن کر مشرکین مشتعل ہوگئے اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ پر حملہ کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ، الاصابہ فی تمییز الصحابہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبان سے نکلے وہ یہ تھے: ''رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟''

اُن کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بنوتیم کے جو لوگ ابھی ایمان نہیں لائے تھے، برافروختہ ہو کر طعنے دینے لگے کہ تم اس حالت میں بھی مُحَمَّدْ (ﷺ) کا خیال نہیں چھوڑتے۔ پھر وہ حضرت ابوبکرؓ کی والدہ اُمّ الخیر سے یہ کہہ کر چل دیے کہ تم خود ہی ان کی تیمارداری کرو اگر یہ کچھ کھانا پینا چاہیں تو کھلا پلا دینا جب یہ لوگ چلے گئے تو اُمّ الخیر نے بڑا اصرار کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کچھ کھائیں پئیں لیکن انہوں نے نہ کچھ کھایا نہ پیا اور برابر یہی پوچھتے رہے کہ رسول اللہ کس حال میں ہیں۔ اُمّ الخیر (جو اس وقت تک ایمان نہ لائی تھیں) ہر بار یہی جواب دیتیں کہ خدا کی قسم مجھے تمہارے ساتھی کی کچھ خبر نہیں ہے۔ آخر حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا کہ آپ فاطمہؓ بنتِ خطاب کے پاس جایئے اور ان سے رسول اللہ ﷺ کا حال پوچھیے۔ حضرت اُمّ الخیر حضرت فاطمہؓ کے گھر گئیں اور ان کو بتایا کہ ابوبکر سخت مجروح و نزار ہے اور اس نے تم سے مُحَمَّدْ بن عبداللہ کا حال پوچھا ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے ان سے کہا کہ مجھے ابوبکرؓ کے پاس لے چلو وہ ان کو ساتھ لے کر گھر پہنچیں۔ حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی حالت دیکھی تو ان کو بہت دُکھ ہوا اور بے اختیار اُن کی زبان پر یہ الفاظ آ گئے:

''خدا کی قسم جن لوگوں نے آپ کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ بے شک کافر اور فاسق ہیں' مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان سے آپ کا بدلہ لے گا۔''

پھر ان سے کچھ کھانے پینے کے لیے اصرار کیا حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا

''پہلے رسول اللہ ﷺ کا حال بتاؤ اور یہ بھی کہ آپ اِس وقت کہاں ہیں۔''

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا ''الحمدللہ رسول اللہ ﷺ بالکل بخیریت ہیں اور اس وقت دارِارقم میں ہیں۔''

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ''خدا کی قسم جب تک میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ نہ لوں گا نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ کچھ پیوں گا۔''

رات کو حضرت ابوبکرؓ کے اصرار پر حضرت اُمّ الخیر اور حضرت فاطمہؓ ان کو سہارا دے کر دارِ ارقم میں لے گئیں۔ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو اس حال میں دیکھا تو آپؐ آبدیدہ ہو گئے اور جھک کر حضرت ابوبکرؓ کی پیشانی چوم لی۔ یہ دیکھ کر دوسرے مسلمانوں پر بھی رِقّت طاری ہو گئی۔ حضرت فاطمہؓ تو پہلے ہی مشرّف بہ اسلام ہو چکی تھیں لیکن اُمّ الخیر ابھی تک اپنے آبائی مذہب پر قائم تھیں اِس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میری مادرِ مُحسِنہ کی ہدایت کے لیے دعا فرمایئے۔

حضور ﷺ نے اسی وقت ان کے لیے دعا کی اور وہ بھی شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئیں۔ (ابویعلیٰؒ، ہیثمیؒ، ابنِ عبدالبرؒ، ابنِ کثیرؒ، ابنِ حجرؒ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی بلا کشی:

حضرت طلحہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما دونوں کا تعلق قریش کی شاخ بنو تیم سے تھا اور وہ آپس میں قریبی رشتے دار تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے چچا اور بڑے بھائی عثمان بن عبید اللہ کو جب معلوم ہوا کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو ان کو سخت غصہ آیا انہوں نے حضرت طلحہؓ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں کو ایک رسی سے باندھ کر بہت پیٹا تاکہ وہ اسلام کو چھوڑ دیں اور اپنے باپ دادا کے مذہب کی طرف لوٹ آئیں لیکن دونوں نے یہ مار پیٹ بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کی اور اسلام کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے۔

مکّہ میں قریش کا ایک سردار نوفل بن خویلد تھا یہ شخص ''قریش کا شیر'' کہلاتا تھا۔ وہ مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ اس نے بھی حضرت طلحہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر بہت سختی کی کہ وہ اسلام کو چھوڑ دیں لیکن دونوں چٹان کی طرح اپنے دین پر قائم رہے۔ آخر اس نے تھک ہار کر ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ صعبہ بھی شروع میں اسلام کے خلاف تھیں۔ ان کو حضرت طلحہؓ کے اسلام قبول کرنے کی خبر ہوئی تو وہ سخت ناراض ہوئیں۔ اسی زمانے میں مسعود بن خراش نامی ایک صاحب کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ باہر سے مکّہ آئے وہ بیان کرتے ہیں کہ ''ہم صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگا رہے تھے، ہم نے دیکھا کہ بہت سے آدمی ایک نوجوان کو کھینچتے ہوئے لے جا رہے ہیں اور ایک عورت نوجوان کے پیچھے پیچھے غرّاتی ہوئی اور گالیاں دیتے ہوئے جا رہی ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس نوجوان کو کیوں گھسیٹا جا رہا ہے اور یہ عورت کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ نوجوان طلحہ بن عبید اللہ ہے جو بے دین ہو گیا ہے (یعنی انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے) اور یہ عورت اس کی ماں صعبہ بنتِ عبد اللہ حضرمی ہے۔''

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت طلحہؓ کی والدہ نے بھی اسلام سے پھیرنے کے لیے اُن پر بہت سختی کی لیکن انہوں نے اسلام سے منہ موڑنا کسی صورت میں گوارا نہ کیا اللہ کی شان بعد میں ان کی والدہ خود بھی ایمان لے آئیں اور حضور ﷺ کی صحابیہ ہونے کا شرف حاصل کیا جب کہ ان کے فرزند سعید نے اصحابِ عشرۂ مُبَشَّرہ میں سے ایک ہونے کی سعادت حاصل کی۔

(ابنِ سعد، بیہقی، اُسد الغابہ)

حضرت زُبیر بن العوّام رضی اللہ عنہ کی بلا کشی:

رسولِ اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور جلیل القدر صحابی (یکے از عشرۂ مُبَشَّرہ) حضرت زبیر بن عوّام بن خویلد سولہ سال کی عمر ہی میں دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔ یہ دعوتِ توحید کا ابتدائی زمانہ تھا اور سایۂ پدری سے محروم حضرت زبیرؓ کی سرپرستی کا فریضہ اُن کی والدہ (حضرت صفیہؓ بنتِ عبد المُطّلب) اور ان کا چچا انجام دے رہے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب تک نوجوان زبیرؓ اسلام نہیں لائے تھے، اُن کا چچا نُوفل بن خُویلد ان پر بہت مہربان رہا لیکن جونہی انہوں نے اسلام قبول کیا، اس نے ان پر بہت ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔ وہ اُن کو چٹائی میں لپیٹ دیتا پھر آگ سُلگا کر دھواں ان کو دیتا اور ان سے کہتا، اپنے باپ دادا کے مذہب کی طرف پلٹ آ اور نیا دین چھوڑ دے۔ اگرچہ حضرت زبیرؓ کا دم گھٹنے لگتا لیکن وہ ہمیشہ یہی جواب دیتے، ہرگز نہیں ہرگز نہیں اب میں کبھی کافر نہ بنوں گا۔ چچا کے علاوہ مکّہ کے دوسرے کافر بھی حضرت زبیرؓ سے اچھا سلوک نہیں کرتے تھے لیکن وہ کئی سال تک ہر قسم کی سختیاں بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ جھیلتے رہے۔ (ابنِ سعد)

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہُ کی بَلا کشی:

حضرت خالدؓ بن سعید بنو امیّہ کے معزز ترین رئیس ابواحیحہ سعید بن العاص کے فرزندِ ارجمند تھے۔ ان کے باپ کو ان کے اسلام لانے کا علم ہوا تو اس نے ان کو بہت برا بھلا کہا اور ایک لکڑی کے ساتھ اس قدر زدوکوب کیا کہ وہ لکڑی ٹوٹ گئی لیکن حضرت خالدؓ نے دوبارہ آبائی دین اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر ابواحیحہ نے انہیں پھر مارا اور بہت گالیاں دیں مگر جب دیکھا کہ وہ اسلام کو کسی صورت میں چھوڑنے پر تیار نہیں تو انہیں اپنے گھر سے نکال دیا۔ حضرت خالدؓ گھر سے نکل کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ہی کے ساتھ رہنے لگے۔ ایک دن مکّہ کے قریب ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ باپ کو خبر پہنچ گئی۔ اس نے بلا کر پھر دباؤ ڈالا کہ مُحمّدٌ (ﷺ) کا دین چھوڑ دے لیکن انہوں نے جواب دیا کہ خواہ میری جان چلی جائے میں یہ دین نہیں چھوڑوں گا۔ اس پر باپ نے ان کو لکڑی سے مارنا شروع کر دیا یہاں تک کہ لکڑی ٹوٹ گئی پھر انہیں ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا اور تین دن تک انہیں کھانے پینے کے لیے کچھ نہ دیا۔ مکّہ کی شدید گرمی میں حضرت خالدؓ نے قیدوبند اور بھوک پیاس کی مصیبت بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کی اور دینِ حق سے منہ موڑنا گوارا نہ کیا۔ آخر موقع پا کر وہ زندانِ بَلا سے بھاگ نکلے اور مکّہ کے نواح میں چھپ چھپا کر وقت گزارتے رہے یہاں تک کہ ۵ بعدِ بعثت میں حضور ﷺ کے ایماء پر اپنی اہلیہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بَلا کشی:

حضرت عثمانِ غنیؓ بن عفان (بن ابوالعاص) نے اسلام قبول کیا تو ان کے چچا حَکَم بن ابوالعاص کو اس قدر غصہ آیا کہ اس نے ان کو رسی سے باندھ کر مارا اور ان سے کہا کہ جب تک تم نئے دین کو ترک نہیں کرو گے میں تجھے نہیں کھولوں گا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کا کہا ماننے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ خواہ کچھ ہو جائے میں دینِ حق سے منہ نہیں موڑوں گا۔ ناچار حَکَم نے انہیں کھول دیا لیکن ان کے مشرک اعزّہ و اقارب کی مخالفت اور سخت گیری اس قدر بڑھی کہ حدِ برداشت سے باہر ہوگئی آخر وہ حضور ﷺ کے ایماء پر اپنی اہلیہ حضرت رقیہؓ بنتِ رسول اللہؐ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ مکّہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ (ابنِ سعدؒ)

حضرت مُصعَب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بَلا کَشی:

حضرت مُصعبؓ بن عمیر بنو عبدالدّار کے ایک متموّل گھرانے کے نوجوان تھے جن کو والدین نے بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور ان کے اسلام کی خبر گھر والوں کو معلوم ہوئی تو انہوں نے حضرت مُصعبؓ پر اس قدر سختیاں کیں کہ عیش و تنعّم کی زندگی ان کے لیے قصّۂ پارینہ بن گئی۔ انہوں نے خوشدلی سے درویشانہ اور زاہدانہ زندگی اختیار کر لی مگر دنیوی لذائذ کی خاطر دینِ حق کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ آخر گھر والوں نے انہیں زنجیروں میں جکڑ کر قیدِ تنہائی میں ڈال دیا۔ وہ عرصہ تک قید و بند کی سختیاں صبر و استقامت کے ساتھ جھیلتے رہے۔ پھر ایک روز موقع پا کر اس زندانِ بلا سے نکل بھاگے اور حضور ﷺ کے ایماء پر دوسرے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ مکّہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ (اُسدُ الغابہ لِابنِ اثیر)

حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بَلا کَشی:

حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کے والد سہیل بن عمرو (جو اس وقت اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے اور سالہا سال بعد اسلام لائے) اس قدر برافروختہ ہوئے کہ بیٹے کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر ایک کوٹھڑی میں ڈال دیا۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کئی سال تک اس اذیّت ناک قید میں پڑے رہے لیکن ترکِ دین پر تیار نہ ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قرآن خوانی کی سزا:

جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تعلق عرب کے ایک قبیلے بنوہذیل سے تھا لیکن وہ مکّہ ہی میں پلے بڑھے تھے کیونکہ ان کے والد ایّامِ جاہلیّت میں اپنے وطن سے مکّہ آئے تھے اور قریش کے ایک معزّز خاندان سے حلیفانہ تعلّق قائم کر کے یہیں بس گئے تھے۔ حضرت عبداللہؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ ان کو عنفوانِ شباب ہی میں قبولِ اسلام کا شَرف حاصل ہوگیا تھا۔ یہ بِعثَتِ نبوی کا ابتدائی زمانہ تھا اور مشرکین نے حُضور ﷺ پر ایمان لانے والوں کو اپنے ظلم و تعدّی کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ ایک روز حضرت عبداللہؓ بن مسعود سمیت چند صحابۂ کرامؓ ایک جگہ جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ قریش نے ہم میں سے کسی کو آج تک بآوازِ بلند قرآن پڑھتے نہیں سنا، ہم میں سے کون ہے جو ان کے سامنے علانیہ بلند آہنگی سے قرآنِ حکیم پڑھے؟

نوجوان عبداللہؓ نے فوراً کہا "اس کام کو میں انجام دوں گا۔"

صحابہؓ نے کہا۔ "یہ کام بڑا پُر خطر ہے ایسا نہ ہو کہ تم کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ، تمہارا قبیلہ اتنا طاقتور نہیں ہے کہ تمہیں مشرکین کے پنجۂ ستم سے نجات دلا سکے۔"

عبداللہؓ بن مسعود نے جوشِ ایمان سے بے قرار ہو کر کہا۔ "مجھے یہ کام کرنے دو۔ میرا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آسرا اللہ پر ہے اور وہی میری حفاظت کرے گا۔'' صحابہؓ ان کا جوشِ ایمانی دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

دوسرے دن طلوعِ آفتاب کے بعد جب تمام مشرکینِ قریش ایک جگہ جمع تھے، حضرت عبد اللہؓ بن مسعود نے وہاں پہنچ کر نہایت بلند آہنگی سے ان کے سامنے قرآنِ کریم کی تلاوت شروع کر دی۔

مشرکین یہ نامانوس کلام سُن کر بہت حیران ہوئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا، ''یہ تو وہ کتاب پڑھ رہا ہے جو محمدؐ پر اتری ہے۔'' یہ سن کر تمام مشرکین مشتعل ہو گئے اور عبد اللہؓ بن مسعود پر ٹوٹ پڑے۔ نوجوان عاشقِ قرآن کو اس قدر مارا کہ ان کا چہرہ متورم ہو گیا۔ اور جسم کے کئی حصّوں سے خون بہہ نکلا لیکن جوشِ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ پٹتے جاتے تھے اور قرآن خوانی جاری تھی حتّٰی کہ مشرکین مارتے مارتے تھک گئے۔ عبد اللہؓ اس وقت خاموش ہوئے جب قرآن کی وہ سورۃ جو انہوں نے شروع کی تھی، ختم ہو گئی۔ جب راہِ حق میں مضروب و مجروح ہو کر وہ واپس صحابۂ کرامؓ کے پاس گئے تو انہوں نے کہا۔ ''ہم کو اسی بات کا خدشہ تھا اور اسی لیے ہم تمہیں جانے سے روکتے تھے۔''

حضرت عبد اللہؓ بن مسعود نے فرمایا:

> ''خدا کی قسم مشرکین میری نظر میں آج سے زیادہ کبھی ذلیل نہیں ہوئے۔ میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ کل پھر ان کو کلامِ الٰہی سناؤں گا۔''

صحابۂ کرامؓ نے فرمایا:

> ''جو کچھ تم نے کیا ہے وہ بہت کافی ہے اب پھر تمہارے جانے کی ضرورت نہیں جس کلام کو سننا مشرکین کو سخت ناگوار تھا اس کو تم نے ان کے کانوں تک پہنچا دیا۔'' اس پر حضرت عبد اللہؓ خاموش ہو گئے لیکن مشرکین ان کو برابر ایذائیں پہنچاتے رہے یہاں تک کہ آنحضورﷺ کے ایماء پر وہ مکّہ سے ہجرت کر کے حَبَش چلے گئے۔ چند سال کے بعد وہاں سے واپس مکّہ آ کر ہمیشہ کے لیے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ (اُسدُ الغابہ۔ ابنِ ہشام)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکّہ سے باہر اسلام کی اشاعت

مشرکینِ قریش نے اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جھوٹ کی جو مہم چلائی اور اہلِ عرب کو اسلام سے دور رکھنے کی جو بھی کوشش کی، ان سب باتوں کا اُلٹا اثر ہوا اور آنحضور ﷺ کا اسمِ گرامی اور اسلام کا پیغام عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا۔ مشرکین کے پروپیگنڈے نے مکّہ سے باہر کے لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آخر وہ کونسی ایسی شخصیّت ہے جس کے خلاف قریش نے اس زور شور سے محاذ قائم کر رکھا ہے۔ اربابِ سِیَر نے مکّہ سے باہر کے ایسے متعدد سعید الفطرت انسانوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس زمانے میں دعوتِ حق پر لبیّک کہا۔ یہاں اُن میں سے کچھ اصحاب کے قبولِ اسلام کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

حضرت عَمرو ؓ بن عبَسہ سُلَمی کا قبولِ اسلام:

دعوتِ عام شروع کرنے کے بعد آنحضور ﷺ ایک دن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلال بن رباح کی معیّت میں عُکاظ کے بازار میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو دعوتِ توحید دینی شروع کی اس پر مشرکین کا ایک جمِ غفیر آپؐ کے گرد جمع ہو گیا اور آپؐ کا مضحکہ اڑانا شروع کر دیا۔ میلے میں قبیلہ بنو سُلیم کا ایک نیک فطرت بدوی بھی موجود تھا اس نے کفّار کی بدتمیزی کے جواب میں حُضور ﷺ کا صبر و تحمل دیکھا تو بے حد متاثر ہوا۔ جب کفار پرے چلے گئے تو وہ آپؐ کے قریب گیا اور پوچھا، آپ کون ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا میں اللہ کا نبی ہوں۔ بدوی نے پوچھا، نبی کس کو کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اللہ کی طرف سے پیغام لانے والے کو۔ بدوی نے استفسار کیا، کیا اللہ نے آپ کو بھیجا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں اس کے بعد بدوی اور حضور ﷺ کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔

بدوی: آپؐ کی دعوت کیا ہے؟

رسولِ اکرم ﷺ: اللہ کو ایک مانا جائے، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ بتوں کی پرستش نہ کی جائے قرابت داروں سے محبت کی جائے اور ان سے اچھا سلوک اور برتاؤ کیا جائے۔

بدوی: کوئی شخص آپ پر ایمان بھی لایا ہے؟

رسولِ اکرم ﷺ: (حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت بلالؓ کی طرف اشارہ کرکے) یہ دونوں ایک آزاد اور ایک غلام، مجھ پر ایمان لا چکے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدوی: اسلام کیا ہے؟

رسولِ اکرم ﷺ: ہر شخص کے ساتھ خوش خُلقی سے پیش آنا اور مساکین کو کھانا کھلانا اسلام ہے۔

بدوی: اور ایمان؟

رسولِ اکرم ﷺ: اللہ کی راہ میں صبر و رضا کا نام ایمان ہے۔

بدوی: اسلام کا اعلیٰ درجہ کیا ہے؟

رسولِ اکرم ﷺ: دُوسروں کو نہ زبان سے بُرا بھلا کہے اور نہ کسی کو بدنی تکلیف پہنچائے۔

بدوی: ایمان کا اعلیٰ درجہ کیا ہے؟

رسولِ اکرم ﷺ: حسنِ کردار سے ایمان میں رفعت پیدا ہوتی ہے۔

بدوی: اے اللہ کے نبی! میں بھی آپؐ پر ایمان لاتا ہوں، خدا کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہوں، بتوں کی پرستش سے انکار کرتا ہوں اور قرابت داروں سے حسنِ سلوک میری زندگی کا لائحہ عمل ہوگا۔

رسولِ اکرم ﷺ: اے بھائی آج کل ہم لوگ جن مظالم کا ہدف بنے ہوئے ہیں، ان کا برداشت کرنا تمہاری طاقت سے باہر ہے۔ فی الحال تم اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ جب سنو کہ مجھے غلبہ ہوگیا تو اُس وقت جہاں میرا قیام ہو وہاں آ جانا۔

بدوی حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے وطن کو لوٹ گیا۔ وہ خالی ہاتھ آیا تھا مگر دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر واپس گیا۔ بنوسُلیم کے یہ خوش بخت بدوی حضرت عمروؓ بن عبَسہ تھے۔

طفیل بن عَمرو دَوسی رضی اللہ عنہُ کا قبولِ اسلام:

طُفیل بن عمرو دوسی قبیلۂ دَوس کے رئیس تھے جو یمن کے ایک گوشے میں آباد تھا۔ اس قبیلے کے لوگ بڑے جنگجو اور آسودہ حال تھے۔ انہوں نے ایک قلعہ بھی تعمیر کر رکھا تھا جس کی وجہ سے نواحی علاقوں میں ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ طفیل کا شمار عرب کے فحول شعراء میں ہوتا تھا وہ نہ صرف ایک صاحبِ حیثیت آدمی تھے بلکہ حسنِ بصیرت اور اصابتِ رائے کے اوصاف سے بھی بہرہ ور تھے اسی لیے قبیلۂ دوس میں ان کی بڑی عزت و توقیر تھی۔ دعوتِ توحید کے اوائل میں جب مشرکینِ قریش نے رسولِ اکرم ﷺ کے خلاف بہتان طرازی کی مہم چلا رکھی تھی، ایک دن مکہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ طفیل بن عمرو دَوسی مکہ آ رہے ہیں۔ عمائدِ قریش نے جب یہ خبر سنی تو انہیں خدشہ پیدا ہوا کہ یہ شخص، جو اپنے قبیلے میں بڑے اثر و اختیار کا مالک ہے کہیں ہادیٔ برحق ﷺ کی دعوت سے متاثر نہ ہو جائے۔ اس کا تدارک سوچنے کے لیے وہ سر جوڑ کر بیٹھے اور یہ طے کیا کہ طفیل کا پُرتپاک خیر مقدم کیا جائے اور ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے اس کے ساتھ ساتھ ان کو سرورِ عالم ﷺ کے خلاف اتنا بہکایا جائے کہ وہ آپؐ سے سخت متنفر ہو جائیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آپؐ کی کسی بات پر کان نہ دھریں۔

طفیل جونہی مکّہ میں وارد ہوئے، مشرکین نے اپنے منصوبے کے مطابق انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور پھر سرورِ عالم ﷺ کے خلاف ان کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ خود طفیلؓ کا بیان ہے کہ قریش کا جو آدمی مجھے ملتا تھا وہ مجھے یہی باور کرانے کی کوشش کرتا کہ "تم ہمارے معزّز مہمان ہو اور یہاں کے مقامی حالات سے ناواقف ہو، ہم از راہِ خیر خواہی تمہیں بتائے دیتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ کے ایک شخص محمدؐ بن عبداللہ نے کچھ عرصے سے ہمیں ضغطے میں ڈال رکھا ہے۔ اس نے ہماری جمعیت پراگندہ کر دی ہے اور ہمارے سب کام ابتر کر دیئے ہیں۔ اس کی باتیں جادو کا حکم رکھتی ہیں، وہ اپنی طلاقتِ لسانی سے میاں بیوی، باپ بیٹے اور بھائی بھائی میں تفرقہ ڈال دیتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں تم اس کے دام میں نہ پھنس جاؤ۔ پس ہمارا یہ دوستانہ مشورہ ہے کہ نہ اس سے بات کرو اور نہ اس سے کچھ سنو۔" قریش کی باتوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایسا نافر اور وحشت زدہ کیا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ اگر اتفاقاً کہیں آپؐ سے ملاقات ہو جائے تو دہانِ نبوّت سے نکلی ہوئی کوئی بات میرے کانوں میں نہ پڑ جائے مگر

تدبیر کُنَد بندہ تقدیر زند خندہ

ایک دن طفیل عَلَی الصَّبَاح حرمِ کعبہ میں گئے تو دیکھا کہ رحمتِ عالم ﷺ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے ہیں۔ معلوم نہیں کہ وہ اس دن کانوں میں پنبہ رکھنا بھول گئے تھے یا پنبہ کانوں سے نکل گیا تھا کہ جو آیات حضور ﷺ تلاوت فرما رہے تھے وہ انہوں نے سن لیں کلام ہو خالقِ ارض و سما کا اور جاری ہو زبانِ رسالت ﷺ پر...... طفیل جیسے سلیم الطبع شخص اس سے متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے تھے، انہیں یوں محسوس ہوا کہ قلب و جگر میں ٹھنڈک پڑ گئی ہے۔ دل میں سوچا کہ "اے طفیل تو کیسا احمق ہے کہ قریش کے جھانسے میں آ گیا۔ کیا تو خود صاحبِ عقل و شعور نہیں ہے، خدا نے تجھے شعر و شاعری کی صلاحیت بخشی ہے اور تو خود کسی کلام کے محاسن و عیوب کو بخوبی پرکھ سکتا ہے، پھر کونسی ایسی الجھن ہے جس کا فیصلہ تو نہ کر سکے، ان صاحب سے مل کر معلوم تو کر کہ وہ کیا کہتے ہیں، اگر ان کی بات قابلِ قبول ہو تو تمہیں مان لینی چاہیئے ورنہ کوئی زبردستی تو ہے نہیں۔"

سرورِ عالم ﷺ جب نماز سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے چلے تو طفیل بھی پیچھے پیچھے ہو لیے۔ جب آپ کا شانۂ اقدس پر پہنچے تو طفیل معاً سامنے آ گئے اور یوں عرض پیرا ہوئے:

"اے صاحب! آپ کی قوم نے مجھ سے آپ کی ذات اور آپ کی دعوت کے بارے میں یہ یہ باتیں کیں۔ ان سے متاثر ہو کر میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ آپ کی آواز نہ سن سکوں، لیکن ابھی حرم میں خدا نے مجھے آپ کی آواز سنا دی۔ آپ جو کچھ پڑھ رہے تھے وہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ ذرا تفصیل سے مجھے بتائیں کہ آپ کیا کہتے ہیں۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرورِ عالم ﷺ نے اُن کے سامنے اسلام کے محاسن بیان فرمائے اور پھر قرآنِ حکیم کا کچھ حصّہ سنایا۔ ابوالفرج اصفہانی نے ابنِ کلبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ "اس موقع پر حضور ﷺ نے سورۂ اخلاص اور مُعوّذتَین کی تلاوت فرمائی۔"

اصنافِ سخن سے بالاتر یہ شیریں کلام سن کر طفیل پر وجد طاری ہوگیا اور ان کے دل نے گواہی دی کہ یہ انسانی کلام نہیں۔ بے اختیار پکار اٹھے:

"خدا کی قسم میں نے آج تک نہ اس سے بہتر کلام سنا اور نہ آپ کی باتوں سے بڑھ کر کوئی پُر حکمت اور مبنی بر انصاف بات کبھی سنی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ کی دعوت مجھے دل و جان سے قبول ہے۔"

یوں حضرت طفیلؓ آناً فاناً نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہوگئے اور وہ ساری تدبیریں جو مشرکینِ قریش نے ان کو سعادتِ ایمان سے محروم رکھنے کے لیے کی تھیں، دھری کی دھری رہ گئیں۔

طفیلؓ قبولِ اسلام کے بعد وطن واپس گئے تو ان کے بوڑھے والد ملنے آئے۔ طفیلؓ نے ان سے کہا، ابا جان مجھ سے پرے رہیے میرا اب آپ سے کوئی تعلّق نہیں۔ والد نے حیران ہوکر پوچھا، کیوں جانِ پدر کیا ہوا؟ طفیلؓ نے کہا، میں نے اسلام قبول کرلیا ہے اور محمد ﷺ کے دین کی پیروی اختیار کرلی ہے۔ والد بھی سعید الفطرت تھے۔ انہوں نے فوراً کہا، بیٹا جو تیرا دین سو میرا دین۔ یہ سن کر حضرت طفیلؓ کا چہرہ فرطِ مسرّت سے گلنار ہوگیا اور بولے، ابا جان پہلے جا کر غسل کیجیے، پاک کپڑے پہنیے اور پھر میرے پاس آئیے۔

جب وہ غسل کر کے اور کپڑے بدل کر دوبارہ بیٹے کے پاس آئے تو طفیلؓ نے ان کو اسلام کی تلقین کی اور مکّہ میں اپنے قیام اور حضور ﷺ سے اپنی ملاقات کی رُوداد بیان کی۔ وہ پہلے ہی بیٹے کا ساتھ دینے کا اقرار کر چکے تھے اب بلا تامّل کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور دینِ حق کے علمبرداروں میں شامل ہوگئے۔ اس کے بعد بیوی کی باری آئی۔ طفیلؓ نے ان سے بھی وہی بات کہی جو اپنے والد سے کہی تھی۔ انہوں نے کہا۔ "قربان جاؤں آخر مجھ سے کونسا قصور سرزد ہوا ہے کہ تم مجھ سے منہ موڑ رہے ہو۔"

انہوں نے کہا۔ "اسلام نے میرے اور تمہارے درمیان افتراق کی خلیج حائل کر دی ہے۔ میں مسلمان اور تم مشرک، میرا تمہارا نباہ کیسے ہوسکتا ہے۔"

بیوی بھی سعادت مند تھیں۔ فوراً کہا "میں بھی تمہارا دین اختیار کرتی ہوں، لیکن ذرا مجھے یہ تو بتاؤ کہ یہ ہے کیا۔"

طفیلؓ بولے: "پہلے معبد ذوالشّرٰی (قبیلہ دَوس کے بت کا نام) میں جاؤ اس کے چشمے میں غسل کرو اور پاک کپڑے پہن کر میرے پاس آؤ۔" قبیلے کی روایت کے مطابق اس معبد میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داخل ہونا اپنی تباہی کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ خاوند کی انوکھی بات سن کر بیوی ڈر گئیں اور کہنے لگیں۔ ''میں نے تمہارے کہنے پر عمل کیا تو کہیں ذوالشریٰ ہمیں اور ہمارے بچوں کو اپنے قہر و غضب کا نشانہ نہ بنا لے۔''

طفیلؓ نے خشم آلود لہجے میں کہا۔ ''بھلا بُت بھی کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ انہیں تو اپنی ہستی تک کا کوئی علم نہیں، جاؤ تم بے کھٹکے غسل کرو۔ نتیجے کا ذمہ دار میں ہوں۔''

وہ گئیں اور غسل کر کے آ گئیں۔ اب طفیلؓ نے ان کو تفصیل کے ساتھ اسلام کی تلقین کی اور وہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئیں۔ ایک روایت کے مطابق طفیلؓ کی والدہ نے بھی اسی طرح دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی۔

اب حضرت طفیلؓ نے اپنے قبیلے کو حق کی طرف بلانا شروع کیا۔ لیکن ان کی مسلسل کوششوں کے باوجود صرف ایک آدمی کے سوا کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔ وہ دلبرداشتہ ہو کر مکہ گئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی قوم کی غفلت شعاری کا ذکر کیا۔ حُضور ﷺ نے قبیلہ دوس کے حق میں دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا (الٰہی دَوس کو ہدایت دے) اور حضرت طفیلؓ سے فرمایا، جاؤ اور اپنے قبیلے کو نرمی اور محبت کے ساتھ حق کی طرف بلاؤ۔

اب جو طفیل اپنے قبیلے میں واپس گئے اور تبلیغ شروع کی تو لوگ بتدریج حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔ یہاں تک کہ وہ غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ) کے موقع پر دَوس کے ۷۰۔۸۰ گھرانوں کو ساتھ لے کر حُضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد وہ فتح مکہ تک حضور ﷺ کے ساتھ رہے پھر اپنے وطن واپس چلے گئے۔ غزوۂ طائف کے موقع پر اپنے قبیلے کے چار سَو مسلمانوں کو ساتھ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مستقلاً مدینہ مُنوّرہ میں اقامت اختیار کر لی۔

انہوں نے عہدِ صدّیقی میں جنگِ یمامہ میں مرتدین کے خلاف مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

ضِمادُ الاُزدیؓ کا قبولِ اسلام:

قبیلہ اَزْدِ شَنُوْءَہ میں ایک بااثر آدمی ضِماد بن ثعلبہ تھے جو مکہ کے کسی نواحی گاؤں کے رہنے والے تھے حافظ ابنِ عبد البرؒ، علامہ ابنِ اثیرؒ اور بعض دوسرے اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ وہ زمانۂ جاہلیّت میں رسولِ اکرم ﷺ کے دوست تھے اُن کا پیشہ طبابت اور جھاڑ پھونک تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ بعثت کے ابتدائی زمانے میں ضماد مکہ آئے تو یہاں کے چند احمقوں (مشرکوں) کو یہ کہتے سنا کہ مُحَمّد (ﷺ) پر (نعوذ باللہ) جنون کا اثر ہے (یعنی وہ مجنون ہو گئے ہیں۔)

ضِمادؓ نے ان سے کہا، مجھے بتاؤ وہ کہاں ہیں، شاید اللہ میرے ہاتھ سے اُن کو شفا دے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے بتایا تو وہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا، میں جھاڑ پھونک کا کام کرتا ہوں اور اللہ میرے ہاتھ سے جسے چاہے شفا دے دیتا ہے۔ آیئے میں آپ کا علاج کروں۔

ان کی بات کے جواب میں حضور ﷺ نے خطبہ ماثورہ پڑھا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، ہم اسی کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کردے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ مُحمّدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

ضِمادؓ کو یہ کلمات بہت پسند آئے اور انہوں نے کہا، پھر فرمایئے آپؐ نے تین مرتبہ ان کا اعادہ کیا۔ ضمادؓ نے کہا، خدا کی قسم میں نے کاہنوں کی باتیں سُنی ہیں، جادوگروں کی باتیں بھی سنی ہیں اور شاعروں کا کلام بھی سنا ہے مگر ایسے کلمات کبھی نہیں سنے۔ انہوں نے تو مجھے حقیقت کے سمندر کی گہرائی میں اتار دیا (یا یہ تو سمندر کی تہ تک پہنچتا ہے) لایئے ہاتھ بڑھایئے میں اس پر اسلام کی بیعت کرتا ہوں۔ آپؐ نے ان سے بیعتِ اسلام لی اور فرمایا، یہ بیعت تیری قوم کے لیے بھی ہے انہوں نے عرض کیا، بہت اچھا یہ میری قوم کے لیے بھی ہے (یعنی میں اپنے قبیلے کو دائرہ اسلام میں لانے کا ذمہ لیتا ہوں۔)

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ رسولِ اکرم ﷺ نے ایک سَرِیّہ کسی سمت روانہ فرمایا، وہ قبیلہ ازدِ شنُوءَہ کی طرف سے گزرا تو کسی مسلمان نے ان سے ایک لوٹا (مطہرہ) لے لیا۔ امیرِ لشکر کو معلوم ہوا تو انہوں نے حُکم دیا کہ یہ لوٹا واپس کردیا جائے کیونکہ یہ ضِماد کا قبیلہ ہے۔ (صحیح مسلم)

حافظ ابن حجرؒ نے ''اَلْاِصَابہ'' میں حضرت ضِمادؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے ''میں عمرہ کے لیے مکّہ آیا، ایک مجلس میں ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ اور اُمیّہ بن خَلَف بیٹھے تھے، میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا۔ ابوجہل بولا، اس شخص (رسولِ اکرم ﷺ) نے ہماری قوم میں تفرقہ ڈال دیا، ہم سب کو احمق ٹھہرایا ہمارے مرے ہوؤں کو گمراہ بتایا اور ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہا۔ امیہ نے کہا، اس کے مجنون ہونے میں کوئی شک نہیں (نعوذ باللہ)۔ امیہ کی بات سن کر میرے دل میں خیال آیا کہ میں بھی تو آسیب (جنون) وغیرہ کا علاج کرتا ہوں چنانچہ میں اس مجلس سے رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہوا۔ باوجود سارا دن تلاش کرنے کے آپ مجھے نہ ملے۔ اگلے دن میں نے انہیں مقامِ ابراہیم میں نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ میں بیٹھ گیا جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو میں آپ کے پاس بیٹھ گیا اور کہا، اے عبدالمُطّلِب کے پوتے! میں ان ہواؤں (بھوت پریت) کا علاج کرتا ہوں اگر آپ چاہیں تو آپ کا بھی علاج کروں، آپ اپنی اس بیماری کو شدید نہ سمجھیے آپ سے زیادہ سخت بیماروں کا میں نے علاج کیا ہے اور وہ اچھے ہوگئے۔ میں نے آپ کی قوم سے سنا ہے کہ آپ ان سب کو بیوقوف کہتے ہیں اور آپ نے ان میں تفرقہ ڈال دیا ہے، ان کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُردوں کو گمراہ بتایا ہے اور ان کے معبودوں میں عیب نکالے ہیں، ایسی باتیں تو وہی کرسکتا ہے جس پر جنّ بھوت وغیرہ کا اثر ہو۔

میری باتیں سن کر آپؐ نے خطبۂ ماثورہ پڑھا (جو اوپر والی روایت میں نقل ہوا ہے) میں نے اس سے پہلے ایسا کلام کبھی نہیں سنا تھا، میں نے آپ سے دوبارہ یہ خطبہ پڑھنے کی درخواست کی آپؐ نے دوبارہ پڑھ دیا۔ پھر میں نے پوچھا، آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا، ایک اللہ پر جس کا کوئی شریک نہیں، ایمان لا، بت پرستی کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینک اور اس بات کی شہادت دے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

میں نے عرض کیا کہ اگر میں یہ سب باتیں مان لوں تو مجھے کیا ملے گا۔

آپؐ نے فرمایا، جنّت۔

میں نے کہا، میں گواہی دیتا ہوں سوائے اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور میں نے بت پرستی کا جوا گردن سے اتار دیا اور میں گواہی دیتا ہوں بلاشبہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کے بعد میں آپؐ کے ساتھ رہنے لگا اور میں نے قرآن مجید کی بہت سی سورتیں حفظ کرلیں پھر اپنی قوم کی طرف چلا آیا۔"

عبد اللہ بن عبد الرحمٰن العدوی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کی سرکردگی میں ایک لشکر کسی طرف بھیجا۔ راستے میں ایک جگہ لشکر کے لوگوں نے بیس اونٹ پکڑ لیے۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ یہ اونٹ حضرت ضِمادؓ کی قوم کے ہیں تو انہوں نے لشکریوں کو حُکم دیا کہ اونٹ واپس کردو چنانچہ تمام اونٹ واپس کردیے گئے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا قبولِ اسلام:

حضرت ابوموسیٰ (عبد اللہ بن قیس) یمن کے رہنے والے تھے اور وہاں کے قبیلہ اشعر سے تعلّق رکھتے تھے۔ ان کے کانوں میں کسی ذریعے سے دعوتِ توحید کی آواز پڑی تو یمن سے مکّہ آئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر مُشرّف بہ اسلام ہوگئے۔ پھر وطن واپس گئے اور اپنے بھائیوں سمیت قبیلے کے بہت سے آدمیوں کو دائرۂ اسلام میں لے آئے۔ ۷ ہجری میں اپنے قبیلے کے مسلمانوں کے ساتھ یمن سے ہجرت کرکے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔[۱] حضور ﷺ اس وقت خیبر میں تھے۔ آپؐ نے ان لوگوں کو بھی خیبر کے مالِ غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔

---

۱ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ایک کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ طوفان اور بادِ مخالف نے اس کشتی کو حجاز کے ساحل کے بجائے حبش کے ساحل پر پہنچا دیا۔ حبش میں وہ حضرت جعفرؓ اور دوسرے مہاجرین سے مل گئے اور پھر ان کے ساتھ حبش سے خیبر جاکر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حافظ ابنِ حجرؒ کہتے ہیں کہ وہ حبش نہیں گئے بلکہ ان کی کشتی اتفاق سے ان مہاجرینِ حبشہ کی کشتی کے ساتھ مل گئی جو حبش سے مدینہ جارہے تھے پھر یہ سب اصحاب ایک ساتھ حضور ﷺ کے پاس خیبر پہنچے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبولِ اسلام:

جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ (بنو غِفار) مکّہ سے تقریباً دو سَو میل دور بدر کے نواح میں آباد تھا۔ حُضور ﷺ کی بعثت کے وقت اس قبیلے نے مدت سے رہزنی اور قزاقی کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ یہ لوگ نہ صرف مکّہ سے شام یا شام سے مکّہ جانے والے تجارتی قافلوں کو لوٹ لیتے تھے بلکہ نواحی قبائل کو بھی وقتاً فوقتاً اپنی ترکتازیوں کا نشانہ بناتے رہتے تھے۔ حضرت ابوذرؓ نے اسی ماحول میں ہوش کی آنکھیں کھولیں۔ جب دیکھا کہ قبیلے کے نوجوان رات نئی مہموں پر جاتے ہیں اور انواع واقسام کے مال واسباب سے لدے پھندے واپس آتے ہیں تو وہ بھی ان کے ساتھ شریک ہوگئے لیکن قدرت کو ان سے کوئی اور ہی کام لینا منظور تھا۔ معلوم نہیں کیا سبب ہوا کہ یکایک ان کی زندگی میں انقلاب پیدا ہوگیا اور طبیعت لوٹ مار، قتل و غارت اور رہزنی سے سخت متنفر ہوگئی اس کے ساتھ ہی وہ قبیلہ کے دیوتاؤں، دیویوں اور بتوں سے بھی بیزار ہوگئے۔ ربِ اکبر نے انہیں توحید کا راستہ سُجھا دیا اور وہ شب و روز خدائے واحد کی عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ خود ہی نماز کی کوئی صورت معیّن کر لی اور جدھر اللہ تعالیٰ جھکا دیتا اسی طرف منہ کر کے پڑھ لیتے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ پر قبولِ اسلام سے پہلے ہی خشیتِ الٰہی مسلّط ہوچکی تھی۔ خود ان سے روایت ہے کہ "میں رات کی نماز کے لیے کھڑا ہوتا اور کھڑا رہتا یہاں تک کہ صبح کا ذب ہوجاتی اس وقت میں اپنے آپ کو زمین پر ڈال دیتا اور اس طرح پڑا رہتا جیسے کوئی کپڑا پڑا ہے۔ جب مجھ پر دھوپ پڑنے لگتی تو اٹھتا۔"

غِفار کے لوگ ان کی زبان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا وِرد سنتے تھے اور حیران ہوتے تھے کہ یہ کس جنون میں مبتلا ہوگیا ہے۔ اِس وقت مکّہ سے خورشید اسلام کا طلوع ہوچکا تھا اور ہادیٔ برحق ﷺ نے علانیہ دعوتِ توحید کا آغاز فرما دیا تھا ایک دن قبیلۂ غِفار کا ایک شخص مکّہ گیا۔ وہاں اس کے کانوں میں دعوتِ حق کی بھنک پڑ گئی۔ واپس آ کر حضرت ابوذرؓ سے ملا اور کہنے لگا "ابوذرؓ تمہاری طرح مکّہ میں بھی ایک شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہتا ہے اور لوگوں کو بُت پرستی سے منع کرتا ہے۔" ابوذرؓ تو پہلے ہی کسی ہادی و رہنما کی تلاش میں تھے یہ خبر سُن کر بے تاب ہوگئے۔ اسی وقت اپنے بھائی اُنیس کو یہ کہہ کر مکّہ روانہ کیا کہ جا کر اس شخص سے ملو جو لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلاتا ہے اور پھر آ کر اس کے حالات بتاؤ۔ انیسؓ ایک بلند پایہ شاعر اور نہایت زیرک آدمی تھے۔ مکّہ پہنچ کر انہوں نے سرورِ عالم ﷺ کے ارشاداتِ گرامی سُنے تو بے حد متاثر ہوئے۔ واپس آئے تو ابوذرؓ نے پوچھا "تم نے مکّہ کے داعیٔ توحید کو کیسا پایا؟"

انیسؓ نے جواب دیا "لوگ اسے شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہیں لیکن خدا کی قسم میں نے اسے ایسا نہیں پایا وہ نہ شاعر ہے نہ کاہن اور نہ جادوگر، وہ تو لوگوں کو محض بھلائی کی طرف بلاتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔" اس مختصر جواب سے حضرت ابوذرؓ کی تسلّی نہ ہوئی اور وہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود تحقیقِ احوال کے لیے عازمِ مکہ ہو گئے۔

مکہ پہنچ کر حضرت ابوذرؓ نے کعبہ میں قیام کیا۔ سرورِ عالم ﷺ کو پہچانتے نہ تھے، کسی سے پوچھنا خلافِ مصلحت سمجھا، اللہ کی طرف دھیان تھا کہ وہی داعیِ حق سے ملا دے گا۔ کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ ایک دن حضرت علی مرتضیٰؓ انہیں ایک طرف لے گئے اور پوچھا ''بھائی میں تمہیں کئی دن سے یہاں دیکھ رہا ہوں تم کس چیز کی تلاش میں ہو؟'' حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا۔ ''اگر تم وعدہ کرو کہ مجھے میری منزلِ مقصود تک پہنچا دو گے اور زبان بند رکھو گے تو بتائے دیتا ہوں۔''

حضرت علیؓ نے فرمایا ''تم مطمئن رہو تمہارا راز افشا نہ ہوگا۔''

اب حضرت ابوذرؓ نے اپنا مقصد بتایا۔ حضرت علیؓ نے ان کی بات سُن کر فرمایا:۔

''تم نے ہدایت کا راستہ پالیا جن کی تلاش میں تم آئے ہو بے شک وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔''

حضرت ابوذرؓ پر رقت طاری ہوگئی۔ حضرت علیؓ سے درخواست کی ''لِلّٰہِ مجھے اس ذاتِ اقدس تک پہنچا دیجیے۔''[1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ انہیں ساتھ لے کر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ کا جلالِ نبوّت سے منوّر چہرۂ مبارک دیکھ کر ابوذرؓ کے دل نے گواہی دی کہ یہ واقعی خدا کے سچے رسول ہیں۔ بے تابانہ عرض کی ''اے اللہ کے رسول! مجھے اپنی دعوت کی تفصیل بتائیے۔''

حضور ﷺ نے ایسے بلیغ انداز سے ابو ذرؓ کے سامنے اسلام پیش کیا کہ ان کا دل جوشِ ایمان سے لبریز ہوگیا۔ اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ اب حضور ﷺ نے ابوذرؓ سے پوچھا:۔

''غِفاری بھائی اتنے دن تمہارے خورد ونوش کا کیا انتظام رہا؟''

عرض کیا ''یارسول اللہ! کھانے کو تو کچھ ملا نہیں، چاہِ زمزم کا پانی پی کر پیٹ بھر لیتا ہوں۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ پاس ہی تھے انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں ابوذرؓ کو کچھ کھلاؤں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''ہاں ہاں ضرور' حضرت ابوبکرؓ حضرت ابوذرؓ کو اپنے ہمراہ گھر لے گئے۔ رسولِ اکرم ﷺ بھی ساتھ گئے۔ وہاں حضرت ابوبکرؓ نے طائف کے خشک انگور جنابِ رسالت مآب ﷺ اور ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں پیش کیے یہ پہلی غذا تھی جو مکہ پہنچ کر ابوذرؓ کو نصیب ہوئی۔ اب رسولِ کریم ﷺ نے ابوذرؓ سے فرمایا ''ابوذرؓ! اب تم اپنے قبیلہ میں واپس جاؤ اور اسے دعوتِ توحید دو، جب دعوتِ حق کے آشکار ہونے کی خبر ملے اُس وقت پھر یہاں

---

[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ پہلے دن بغیر کچھ پوچھے حضرت ابوذرؓ کو اپنے گھر لے گئے۔ رات گزار کر ابوذرؓ پھر کعبہ جا پہنچے۔ دوسرے دن حضرت علیؓ پھر انہیں اپنے گھر لے گئے اور کعبہ میں قیام کا مقصد پوچھا۔ حضرت ابوذرؓ نے ان سے راز داری کا وعدہ لیا اور پھر اپنے حالات بلاکم و کاست بیان کر دیے اور کہا کہ میں یہاں محض مکہ کے داعیِ حق کی تلاش کے لیے مقیم ہوں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آ جانا۔ فی الحال تم مکہ میں اپنا اسلام پوشیدہ رکھو۔"

ابوذرؓ کا دل جوشِ توحید سے معمور تھا عرض کی "یارسول اللہ! خدا کی قسم آپ اجازت دیجیے، مَیں مکہ میں اپنے اسلام کا اعلان کر کے جاؤں گا۔" حضور ﷺ ان کا جوش اور ولولہ دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

اب ابوذرؓ سیدھے حرم کعبہ میں تشریف لے گئے وہاں مشرکین کا مجمع تھا۔ ابوذرؓ نے مشرکین سے مخاطب ہو کر بآوازِ بلند کہا "لوگو! خدائے واحد کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اور محمد ﷺ خدا کے سچے رسول ہیں۔"

ابوذرؓ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ مشرکین چاروں طرف سے اُن پر ٹوٹ پڑے اور مار مار کر لہولہان کر دیا۔ اتنے میں عباسؓ بن عبد المُطّلِب آ پہنچے۔ ایک غریب الوطن کو اس حال میں دیکھ کر اُن کا دل بھر آیا۔ ابوذرؓ کے اوپر گر پڑے اور مشرکین سے کہا، اپنا ہاتھ روکو، کیوں اس غریب کی جان لیتے ہو۔

عباسؓ ابھی ایمان نہیں لائے تھے اس لیے مشرکین کو ان کی بات کا بڑا پاس تھا۔ انہوں نے ابوذرؓ کو چھوڑ دیا لیکن توحید کے متوالے ابوذرؓ دوسرے دن پھر حرم شریف جا پہنچے اور مشرکین کو دعوتِ توحید دینے لگے۔ مشرکین نے انہیں پھر زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت بھی عباسؓ ان کے آڑے آئے اور مشرکین کو سمجھایا کہ یہ شخص غِفار کے جنگجو اور خون آشام قبیلے سے تعلق رکھتا ہے اگر تم نے اسے مار ڈالا تو تمہارا کوئی کاروانِ تجارت ان سے بچ کر منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکے گا۔

مشرکین کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور انہوں نے ابوذرؓ کو چھوڑ دیا۔ حضرت ابوذرؓ نے بھی اب سوچا کہ ان لوگوں کے دلوں پر مُہر لگ چکی ہے ان پر میری بات کا اثر نہ ہوگا، بہتر یہی ہے کہ میں اپنے قبیلے میں جا کر اسلام کی تبلیغ کروں۔ چنانچہ وہ واپس اپنے وطن چلے گئے اور دعوت و تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔

بعض روایتوں میں حضرت ابوذرؓ کے قبولِ اسلام کا حال قدرے مختلف طریقے سے بیان کیا گیا ہے ہم نے صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی ہجرتِ حبشہ

عربی زبان میں ہجرت کے دو معنی زیادہ معروف ہیں، ایک یہ کہ اس چیز کو یا اس کام کو ترک کر دینا، چھوڑ دینا جس سے اللہ نے روکا ہے یا جو اللہ کو ناپسند ہے۔ دوسرے معنی ہیں ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جانا۔ عام طور پر اسلامی اصطلاح میں ایک مسلمان کا اللہ کی راہ میں اپنا وطن اور گھر بار وغیرہ چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہونا ہجرت کہلاتا ہے۔ اللہ کی راہ سے مراد ہے، اپنے دین (اسلام) کی خاطر یا بالفاظِ دیگر اسلام کے دشمنوں کے ظلم سے بچنے اور اپنے دین کو بچانے کی خاطر۔

عہدِ رسالت میں جن اہلِ حق نے محض رضائے الٰہی کی خاطر اپنا وطن، گھر بار مال جائداد چھوڑ کر غریب الوطنی اختیار کی قرآنِ حکیم میں اُن کے اس عمل کو ہجرت اور انہیں مہاجرین کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین سے کھلے لفظوں میں جنّت کا وعدہ کیا ہے اور آخرت میں کامیابی کی نوید سنائی ہے۔ متعدد احادیثِ نبویؐ میں بھی ان کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ مہاجرین کے بارے میں قرآنِ حکیم کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (۲۰) يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ (۲۱) خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (۲۲) (آیت ۲۰۔۲۲)

”جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جان و مال سے جہاد کیا اللہ کے ہاں تو انہی کا بڑا درجہ ہے اور وہی کامیاب ہیں۔ اُن کا رب انہیں اپنی رحمت اور خوشنودی اور ایسی جنتوں کی بشارت دیتا ہے جہاں ان کے لیے پائیدار عیش کے سامان ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ کے پاس خدمات کا صلہ دینے کو بہت کچھ ہے۔“

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۃ النحل میں فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ (آیت ۴۱-۴۲)

"جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے ہیں ان کو ہم دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کاش جان لیں وہ مظلوم جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب کے بھروسے پر کام کر رہے ہیں (کہ کیسا اچھا انجام ان کا منتظر ہے)"

جیسا کہ پیچھے بیان ہوا ہے، مکہ کے اہلِ ایمان (قبولِ حق کے "جرم" میں) سترہ اٹھارہ ماہ تک نہایت صبر و استقامت کے ساتھ مشرکینِ قریش کے انسانیت سوز مظالم سہتے رہے لیکن جب رسولِ اکرم ﷺ نے دیکھا کہ یہ مظالم ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئے ہیں تو آپ نے رجب ۴۵ عام الفیل (۵ نبوت) میں مظلوم مسلمانوں سے فرمایا:

"اچھا ہو کہ تم لوگ یہاں سے ہجرت کر کے حبش (ایتھوپیا) چلے جاؤ، وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کی مملکت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا وہ ایک اچھا ملک ہے۔ تم وہیں قیام کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اس مصیبت سے نجات اور کشادگی کی کوئی صورت پیدا کر دے۔"

حضور ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق گیارہ مردوں اور چار خواتین نے ارضِ مکہ کو الوداع کہا اور حبش کی طرف روانہ ہو گئے۔ مشرکینِ مکہ کو ان مظلوم مسلمانوں کے مکہ چھوڑنے کا علم ہوا تو ان کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے مہاجرین کو واپس لانے کے لیے اُن کا بحرِ احمر کے ساحل تک تعاقب کیا مگر ان کے ساحل تک پہنچنے سے پہلے ہی مہاجرین شُعَیْبَہ کی بندرگاہ سے ایک کشتی (بروایتِ دیگر دو تجارتی کشتیوں) کے ذریعے حبش کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔[1] چنانچہ مشرکین کو بے نیلِ مرام واپس آنا پڑا۔

یہ عہدِ رسالت کے اوّلین اہلِ ایمان تھے جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے وطن سے ہجرت کی۔ ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

۱۔ ذاتِ رسالتمآب ﷺ کے خویش حضرت عثمانؓ بن عفّان

۲۔ آنحضور ﷺ کی لختِ جگر اور حضرت عثمانؓ کی اہلیہ حضرت رُقیّہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

۳۔ حضرت زبیرؓ بن العوّام (حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی)

[1] آج کل مکہ معظمہ کی بندرگاہ جدہ ہے۔ عہدِ نبوی میں یہ ایک معمولی بستی تھی جسے بندرگاہ کی حیثیت حاصل نہ تھی اس لیے تمام کشتیاں یا جہاز شعیبہ میں لنگر انداز ہوتے تھے اور وہیں سے چلتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب مہاجرین شعیبہ پہنچے تو حسنِ اتفاق سے ایک یا دو تجارتی کشتیاں کوچ کے لیے تیار کھڑی تھیں جونہی مہاجرین ان پر سوار ہوئے وہ حبشہ کے ساحل کی طرف روانہ ہو گئیں۔ مشرکین شعیبہ پہنچے تو بندرگاہ کو خالی پایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہُ۔

۵۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہُ۔

۶۔ حضرت مُصعَب بن عمیر رضی اللہ عنہُ۔

۷۔ حضرت ابوسبرہ بن ابی رُہم رضی اللہ عنہُ۔

۸۔ حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہُ۔

۹۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہُ۔

۱۰۔ ان کی اہلیہ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ان کو بعد میں اُمُّ المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا)

۱۱۔ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہُ۔

۱۲۔ ان کی اہلیہ حضرت سہلہؓ بنتِ سہیل۔

www.KitaboSunnat.com

۱۳۔ حضرت عامر بن ربیعۃ العنزی رضی اللہ عنہُ۔

۱۴۔ ان کی اہلیہ حضرت لیلیٰؓ بنت ابی حثمہ۔

۱۵۔ (باختلافِ روایت) حضرت حاطبؓ بن عمرو بن عبدِ شمس یا حضرت عبداللہؓ بن مسعود۔

بعض اہلِ سِیَر نے ان پر دو اور ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ حضرت اُمِ ایمنؓ (حضرت رُقَیّہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گئیں بقول حافظ ابنِ عبدالبرؒ۔ حضرت اُمِ کلثومؓ بنتِ سہیل اپنے شوہر ابوسبرہؓ بن ابو رُہم کے ساتھ گئیں بقول زُرقانی) باقی سب نام سیرۃ ابنِ ہشام میں ملتے ہیں۔ ان مہاجرین میں سب سے پہلے نکلنے والے حضرت عثمانؓ بن عفان تھے ان کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کی۔

مہاجرین کے اس قافلے کے امیر باختلافِ روایت حضرت عثمانؓ بن عفّان یا حضرت عثمانؓ بن مظعون تھے۔ مہاجرین کو حبشہ گئے ہوئے تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انہیں ایک عجیب خبر ملی وہ یہ کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اہلِ حق کی مخالفت چھوڑ دی ہے۔ مہاجرین کو حبشہ پہنچ کر امن وسکون مل گیا تھا لیکن یہ اطلاع ملتے ہی وہ اپنے آقا و مولا ﷺ کی خدمت میں پہنچنے کے لیے بے تاب ہوگئے۔ چنانچہ ماہِ شوّال میں سبھی (یا بیشتر) مہاجرین نے حبش سے مکّہ کی طرف مراجعت کی لیکن مکّہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان کو جو خبر ملی وہ غلط تھی لیکن اب انہوں نے اُلٹے پاؤں واپس جانا مناسب نہ سمجھا اور قریش کے کسی نہ کسی شخص کی حمایت اور پناہ حاصل کرکے شہر میں داخل ہوگئے۔ اس غلط خبر کا پس منظر یہ تھا کہ ایک دن حُضور ﷺ سورۂ نجم کی تلاوت کر رہے تھے اور اسے بہت سے مسلمان اور مشرکین سن رہے تھے۔ اختتام سورۃ پر آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہ نے سجدہ کیا تو مشرکین بھی (جو کلامِ الٰہی کی تاثیر سے بیخود ہوگئے تھے) سجدے میں گر گئے۔ انہیں سجدہ کرتے دیکھ کر بعض لوگوں نے سمجھا کہ وہ مسلمان ہوگئے ہیں لیکن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فی الحقیقت اُن کے دل کی سیاہی قطعاً دُور نہیں ہوئی تھی۔ قرآنِ پاک کی شِدّت تاثیر سے متاثر ہو کر انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ سجدہ تو کر لیا لیکن بعد میں سخت پچھتائے کہ یہ ہم کیا کر بیٹھے ہیں۔ شہر کے جن مشرکین نے سجدہ نہیں کیا تھا، جب انہوں نے سجدہ کرنے والوں کو مطعون کرنا شروع کیا تو انہوں نے اپنی طرف سے یہ جھوٹ گھڑ کر اپنا پیچھا چھڑایا کہ ہم نے مُحَمَّدؐ کی زبان سے یہ الفاظ سنے تھے:

تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى، وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى.

''یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت کی توقع کی جاتی ہے۔''

اس سلسلے میں بعض کُتُبِ تفسیر میں ایک لمبا چوڑا قصہ بیان کیا گیا ہے جو 'قصہ غرانیق' کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصے میں بعض لایعنی اور بے بنیاد باتیں بیان کی گئی ہیں اور علماء کی ایک کثیر تعداد نے اس قصے کو بالکل غلط قرار دیا ہے۔ ان میں حافظ ابنِ کثیرؒ، قاضی ابوبکر ابن العربیؒ، امام رازیؒ، قاضی عیاضؒ، قُرطبیؒ، بیہقیؒ، بدرالدین عینیؒ اور شوکانیؒ جیسے عظیم المرتبت علماء شامل ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری ہجرتِ حَبَشہ

پہلی ہجرتِ حبشہ تو بڑے محدود پیمانے پر ہوئی تھی اور ایک غلط خبر سن کر تقریباً سبھی مہاجرین واپس آگئے تھے لیکن اس ہجرت کے نتیجے میں مشرکینِ قریش کا رَوِیّہ پہلے سے بہت سخت ہو گیا اور مسلمانوں پر ان کے مظالم شدید سے شدید تر ہوتے چلے گئے۔ اس پر رسولِ اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو پھر ہدایت فرمائی کہ حَبَش کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ اب کی بار اسّی (۸۰) سے زیادہ مردوں اور ۱۸۔۱۹ خواتین نے مکّہ سے ہجرت کی اور مشرکین کے رکاوٹیں ڈالنے کے باوجود بخیریت حبش پہنچ گئے۔ یہ واقعہ ۶ ؁ بعدِ بعثت کے آغاز کا ہے۔ ان مہاجرین میں قریش کی سبھی شاخوں کے کچھ نہ کچھ اہلِ ایمان (بلکہ بعض شاخوں کے مسلمان حُلفاء بھی) شامل تھے۔ یہ لوگ حَبَش میں امن وسکون کی زندگی گزارنے لگے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہاجرینِ حبشہ کے خلاف مشرکین کی سازش

مشرکینِ مکّہ جب یہ سنتے کہ مسلمان حَبَش میں اَمن کی زندگی گزار رہے ہیں تو وہ انگاروں پر لَوٹ جاتے۔ بالآخر انہوں نے باہمی مشورے کے بعد طے کیا کہ نجاشی (شاہِ حبشہ [1]) کے پاس ایک وَفد بھیجا جائے جو اس کو ترغیب دے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دے۔ چنانچہ اس قرارداد کے مطابق انہوں نے عَمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ (ابوجہل کے اخیافی بھائی) کو بہت سے قیمتی تحائف (جن میں مکّہ کا دباغت کیا ہوا نفیس چمڑا کثیر مقدار میں تھا) دے کر حبش روانہ کردیا۔

قریش کے وفد نے حَبَش پہنچ کر سب سے پہلے یہ کام کیا کہ نجاشی کے عمائدِ سلطنت میں دل کھول کر تحائف تقسیم کیے اور چکنی چپڑی باتیں کرکے ان کو اپنا مؤید بنالیا۔ ان لوگوں نے وفدِ قریش سے پختہ وعدہ کیا کہ وہ بادشاہ کے سامنے ان کے مطالبے کی تائید کریں گے اور اُس پر زور دیں گے کہ وہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکال دے۔ اس کے بعد عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ دونوں نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے اور بہت سے قیمتی تحائف اس کی خدمت میں پیش کرکے یوں عرض پیرا ہوئے:

> اے شاہِ ذی جاہ! ہماری قوم قریش کے بعض سر پھروں نے اپنا آبائی دین ترک کردیا اور پھر وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر یہاں چلے آئے۔ انہوں نے جہاں پناہ کا دین بھی اختیار نہیں کیا بلکہ ایک نرالا دین ایجاد کیا ہے۔ اس لیے ہماری قوم کے اشراف نے ہمیں حضور کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ بھیجا ہے کہ جہاں پناہ ان لوگوں کو اپنے وطن واپس جانے کا حکم دیں۔"

ابھی بادشاہ ان کی بات کا جواب نہ دینے پایا تھا کہ اہلِ دربار ہر طرف سے ان کی تائید میں بولنے لگے اور بادشاہ کو ترغیب دینے لگے کہ عالی جاہ! ان پناہ گزینوں کے بارے میں ان کی قوم اور وطن کے لوگ ہم سے زیادہ واقف ہیں اور ان کے عیوب کو وہی اچھی طرح جانتے ہیں، اس لیے ان کو ضرور واپس کردینا چاہیے۔

---

[1] ''نجاشی'' حبشہ کے ہر بادشاہ کا لقب ہوتا تھا۔ اس بادشاہ کا نام اَصحَمَہ تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نجاشی ایک سلیم الطبع اور منصف مزاج حکمران تھا۔ اس پر ان لوگوں کی باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا اس نے کہا "اس طرح تو میں ان لوگوں کو اپنے وطن سے نہیں نکالوں گا، آخر انہوں نے مجھ پر اعتماد کیا ہے اور میری پناہ میں آئے ہیں۔ جب تک میں ان سے بھی نہ پوچھ لوں کہ اس وفد کے بیان میں کہاں تک صداقت ہے، میں اُن کی طرف سے کیسے آنکھیں پھیر سکتا ہوں؟"

اس کے بعد اس نے مہاجرینِ حَبَشہ کو اپنے دربار میں بُلا بھیجا۔ وفدِ قریش اور مہاجرین بیک وقت دربار میں حاضر ہوئے۔ قریش کے نمائندے تو بادشاہ کو دیکھتے ہی سجدے میں گر گئے، لیکن مہاجرین میں سے کسی نے سجدہ نہ کیا۔ بادشاہ نے ان سے چھُوٹتے ہی سوال کیا:

"یہ تم لوگوں نے کیا کیا کہ اپنی قوم کا دین بھی چھوڑ بیٹھے، میرا دین بھی اختیار نہیں کیا اور دنیا کے کسی دوسرے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ آخر تم نے یہ کون سا نیا دین ایجاد کیا ہے؟"

مہاجرین نے بادشاہ کو جواب دینے کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب [1] کو اپنا ترجمان بنایا۔ حضرت جعفرؓ کا چہرہ جوشِ ایمان سے تمتما اٹھا اور انہوں نے آگے بڑھ کر بڑے گھمبیر انداز میں کجکلاہِ حبشہ سے یوں خطاب کیا:

"اے بادشاہ! ہم لوگ جاہلیّت میں پڑی ہوئی ایک قوم تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ مُردار کھاتے تھے بے حیائی کے کام کرتے تھے: قطعِ رحمی کرتے تھے، اپنے ہمسایوں سے بُرا سلوک کرتے تھے، جو شخص ہم میں مضبوط اور طاقتور ہوتا وہ کمزور کو کھا جاتا تھا، ہم اسی تاریکی میں زندگی گزار رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف خود ہم میں سے ایک رسول بھیجا جس کے نَسَب، جس کی راست گوئی، جس کی امانت داری اور جس کی پاک دامنی کو ہم

---

[1] حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ دعوتِ توحید کے اوائل میں مُشرّف بہ اسلام ہو گئے تھے اور اس کے نتیجے میں مشرکینِ مکّہ کے غیظ و غضب کا نشانہ بن گئے تھے۔ ۵ بعدِ بعثت میں مہاجرینِ حبشہ کے پہلے قافلے کی روانگی کے کچھ عرصہ بعد وہ ایک دن سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یارسولؐ اللہ! آپ اجازت دیجیے کہ میں کسی ایسی سرزمین میں چلا جاؤں جہاں اللہ تعالیٰ کی بلاخوف و خطر عبادت کر سکوں" چنانچہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق ۶ بعدِ بعثت میں حضرت جعفرؓ اپنی اہلیہ حضرت اسماءؓ بنتِ عُمیس کے ہمراہ مہاجرین حبشہ کے دوسرے قافلے میں شامل ہو کر حبش پہنچ گئے۔ علامہ طبریؒ، قسطلانیؒ اور بعض دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت جعفرؓ عازمِ حبشہ ہونے سے پہلے حضور ﷺ سے رخصت ہونے آئے تو آپؐ نے انہیں نجاشی شاہِ حبشہ کے نام ایک خط دیا جس میں اس کو دعوتِ اسلام دینے کے بعد یہ بھی لکھا کہ "میں اپنے ابنِ عم جعفر کو چند دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تیرے پاس بھیج رہا ہوں، جب وہ تیرے پاس آئیں تو ان کی مہمانداری کر" اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو حضرت جعفرؓ سے کس قدر تعلّق خاطر تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اس کو ایک جانیں اور اُسی کی عبادت کریں اور اُن بتوں اور پتھروں کو یکسر چھوڑ دیں جن کی ہم اور ہمارے باپ دادا عبادت کیا کرتے تھے۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ سچ بولیں، امانت کو ادا کریں، رشتہ داروں کا خیال رکھیں، پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کریں، حرام کاموں اور خون ریزی سے اجتناب کریں۔ ہم کو بے حیائی کے کاموں سے، جھوٹ بات منہ سے نکالنے سے، یتیم کا مال کھانے سے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے روکا۔ اس نے ہم کو تلقین کی کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس نے ہم کو نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا...... ہم لوگ اس یگانۂ دہر ہستی پر خلوصِ دل سے ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی اور جو دین وہ اللہ کی طرف سے لایا تھا، اس کی پیروی کی۔ ہم نے صرف اللہ کی عبادت کی اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کیا، جو چیزیں اس نے ہمارے لیے حرام کر دیں ہم ان کو حرام سمجھتے ہیں اور جو چیزیں اس نے ہمارے لیے حلال قرار دیں ان کو حلال جانتے ہیں۔ بس اسی بات پر ہماری قوم ہم سے بگڑ بیٹھی۔ اس نے ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور جہاں تک ہوسکا ہم کو ستایا تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بجائے پھر بتوں کی پوجا کرنے لگیں اور وہ ناپاک چیزیں جنہیں ہم نے پہلے حلال بنا رکھا تھا، ان کو پھر حلال سمجھنے لگیں۔ آخرِ کار جب انہوں نے ہم پر سختی کی، ظلم ڈھایا اور ہم کو اپنے دین پر عمل کرنے سے روکنے کے لیے ہم پر وطن میں عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو ہم نے (بصد مجبوری) آپ کے مُلک کا رخ کیا اور سب کو چھوڑ کر آپ کو اور آپ کے پڑوس کو پسند کیا اور آپ کی پناہ میں آ گئے۔ اے بادشاہ ہم کو آپ سے امید ہے کہ اب یہاں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔"

حضرت جعفرؓ کی پُرتاثیر تقریر ختم ہوئی تو دربار میں سناٹا چھا گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس تقریر کا ایک ایک لفظ اہلِ دربار کے سینوں میں ترازو ہو گیا ہے۔ نجاشی نے حضرت جعفرؓ پر شفقت بھری نظر ڈالی اور پوچھا، کیا اس کلام کا کوئی حصہ تمہیں یاد ہے جو تم کہتے ہو کہ تمہارے نبی پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے؟

حضرت جعفرؓ نے جواب دیا "جی ہاں"

بادشاہ نے کہا، اچھا اس کو ذرا میرے سامنے بھی پڑھو۔

حضرت جعفرؓ نے بڑے اثر انگیز پیرائے میں سورۂ مریم پڑھنی شروع کی، ابھی انہوں نے ابتدائی چند آیات ہی پڑھی تھیں کہ بادشاہ پر رقت طاری ہو گئی اور وہ اس قدر رویا کہ اس کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاڑھی تر ہوگئی، اس کے پادری بھی اتنا روئے کہ ان کے سامنے جو صحیفے تھے، وہ بھی تر ہو گئے۔
اس وقت بادشاہ کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے:۔

"خدا کی قسم یہ کلام اور جو کلام حضرت عیسیٰ عَلَیہِ السّلام لے کر آئے تھے، دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں، میں تمہیں ان لوگوں کے حوالے ہرگز نہ کروں گا۔"

اس کے بعد اس نے قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا:

"تم لوگ واپس جاؤ، خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے کر دوں۔"

سفرائے قریش کو نجاشی کے دربار میں پہلے دن جو ناکامی ہوئی اس سے ان کے زعم اور پندار کو سخت دھچکا لگا تاہم وہ مایوس نہ ہوئے اور مہاجرین پر ایک اور وار کرنے کی ٹھانی۔ عمرو بن العاص نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "خدا کی قسم کل میں ایک ایسی بات نجاشی کو بتاؤں گا جو ان لوگوں کو برباد کر ڈالے گی۔" ان کی بات سن کر عبداللہ بن ابی ربیعہ کے دل میں مہاجرین کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو گیا اور اس نے کہا "عمرو جانے دو، یہ لوگ ہمارے مخالف ہی سہی لیکن پھر بھی ہمارا ان سے خون برادری کا تعلق ہے اور وہ ہم پر کچھ حق رکھتے ہیں۔" خدا کی شان وہی عمرو بن عاص جو بعد میں اسلام کے ایک جانباز سپاہی بنے، اس وقت اپنے ہم وطن مسلمانوں کی مخالفت میں اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ کی بات فوراً رَدّ کر دی اور کہا

"واللہ میں تو کل نجاشی کو ضرور بتاؤں گا کہ یہ لوگ عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ کو محض بندہ قرار دیتے ہیں۔"

چنانچہ دوسرے دن وہ صبح ہی صبح نجاشی کے پاس پہنچے اور اس سے کہا، "جہاں پناہ یہ لوگ آپ کے پیغمبر عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ کے بارے میں ایک بہت ہی بڑی بات کہتے ہیں، آپ ذرا ان کو بُلا کر یہ تو پوچھیے کہ وہ عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ کو کیا سمجھتے ہیں۔"

عمرو بن العاص کی بات سن کر نجاشی نے مہاجرین کو دوبارہ بُلا بھیجا۔ حضرت اُمِ سَلَمہؓ جو اس وقت حبش میں مقیم تھیں، فرماتی ہیں کہ یہ وقت مہاجرین پر بڑا کٹھن تھا، لیکن انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہی فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ ہو جائے ہم نجاشی کے جواب میں حق بات کے سوا کچھ نہ کہیں گے۔

چنانچہ جب وہ نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے اور اس نے سوال کیا کہ تم لوگ عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو حضرت جعفرؓ نے آگے بڑھ کر بلا تامّل کہا "اے بادشاہ! ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری پاک دامن مریمؑ پر القا کیا تھا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سن کر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین کی طرف بڑھایا اور ایک تنکا اٹھا کر کہا "خدا کی قسم تم نے عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ کے بارے میں جو کچھ کہا وہ اس سے اِس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔"

نجاشی کی بات سن کر دربار میں موجود پادری بڑبڑانے لگے مگر نجاشی نے کہا، "تم کتنے ہی بڑبڑاؤ خدا کی قسم سچی بات، تو وہی ہے جو کہی گئی۔"

پھر اس نے مسلمانوں سے کہا "جاؤ تمہیں میرے ملکؓ میں ہر طرح کا امن ہے، جو تمہیں بُرا کہے گا اس سے جرمانہ لیا جائے گا، اگر مجھے پہاڑ کے برابر سونا بھی ملے، تو میں اس کے عوض تم پر ادنیٰ سی زیادتی بھی گوارا نہیں کرسکتا۔"

پھر اس نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ قریش کے سفیروں کے تحائف انہیں واپس کر دو۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا کی قسم اللہ نے جب میرا ملک مجھے واپس دلوایا تھا، تو اس نے مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی۔ اب میں اللہ کے معاملے میں رشوت کیوں قبول کروں؟ اس طرح قریش کے سفیروں کو ناکام و نامراد حبش سے واپس جانا پڑا۔

ہجرتِ حبشہ سے متعلق بعض دوسری روایات میں حضرت جعفرؓ کی حق گوئی و بے باکی کے کچھ اور واقعات بھی ملتے ہیں۔ ایک روایت میں حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کہتے ہیں کہ جب مہاجرین کو نجاشی نے اپنے دربار میں طلب کیا تو حضرت جعفرؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا، آج تم لوگوں کی طرف سے میں بات کروں گا چنانچہ سب ان کے پیچھے چل پڑے۔ حضرت جعفرؓ نے دربار میں داخل ہو کر سلام کیا اور دستور کے مطابق سجدہ نہ کیا اس پر درباری چیں بجبیں ہوئے اور اُنہوں نے کہا، تم نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟

حضرت جعفرؓ نے بے دھڑک جواب دیا "ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔"

اس کے بعد حضرت جعفرؓ نے نہایت بلیغ پیرائے میں نجاشی کے سوالوں کے جواب دیے۔ نجاشی اُن کے حسنِ تقریر سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے بھرے دربار میں کہا "مرحبا اس ذاتِ گرامی پر جس کی طرف سے تم آئے ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک وہ اللہ کے رسول ہیں اور یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر انجیل میں آیا ہے اور جن کی عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ نے بشارت دی تھی جہاں تم لوگوں کا جی چاہے، بلا کھٹکے وہاں ٹھہرو خدا کی قسم اگر میں اس حکومت کے جنجال میں نہ پھنسا ہوتا تو میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کی جوتیاں اٹھانے کی سعادت حاصل کرتا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور روایت میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ [1] کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں کہ خود نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے پوچھا کہ تم کو کس چیز نے میرے سامنے سربسجود ہونے سے منع کیا؟

انہوں نے بلا جھجک جواب دیا "ہم اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔"

طبرانی نے خود حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ جب نجاشی اور ہمارے درمیان سوال و جواب ہو چکے تو بادشاہ نے ہم سے پوچھا کہ کیا تم کو یہاں کوئی ستاتا ہے؟ ہم نے کہا "ہاں" اس پر بادشاہ نے یہ منادی کرانے کا حکم دیا کہ جو کوئی ان مسلمانوں میں سے کسی کو ستائے گا اس سے چار درہم تاوان لے کر مظلوم کو دلایا جائے گا پھر اس نے پوچھا "کیا اتنا تاوان کافی ہے" ہم نے کہا، نہیں۔

تب اس نے اس تاوان کو دوگنا کر دیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ نجاشی نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر بیعتِ اسلام بھی کی۔ اس واقعہ کے بعد مسلمان نہایت امن و سکون کے ساتھ حبش میں زندگی گزارنے لگے۔

---

[1] حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ یمن کے رہنے والے تھے۔ دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں یمن سے مکہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پھر وطن واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کی۔ ان کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں خاصی تعداد میں لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ اس کے بعد اپنی قوم (اشعر) کے ۵۲۔۵۳ آدمیوں کے ساتھ ایک کشتی میں یمن سے مکہ جانے کا عزم کر کے روانہ ہوئے مگر ہواؤں نے ان کی کشتی کو حبش کے ساحل پر لا ڈالا۔ اس طرح وہ مہاجرینِ حبشہ سے جا ملے۔ ۷ ہجری کے آغاز میں غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور دوسرے متعدد مہاجرین کے ساتھ حبشہ سے خیبر پہنچے۔ (طبقات ابنِ سعد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کا عزمِ حبشہ

دوسری ہجرتِ حبشہ کے نتیجے میں مشرکینِ مکہ کی عجیب کیفیت ہوئی۔ شاید ہی اُن کا کوئی ایسا گھر باقی رہا ہو جس کا کوئی نہ کوئی فرد قبولِ حق کے بعد حبشہ نہ چلا گیا ہو۔ کسی کا بھائی گیا تو کسی کا بیٹا، کسی کی بہن گئی تو کسی کی بیٹی، کسی کا داماد گیا اور کسی کا بھتیجا یا بھانجا۔ اپنے عزیزوں کی جُدائی کا صدمہ سہنے والوں میں مشرکین کے وہ اکابر بھی شامل تھے جو اپنی اسلام دشمنی میں مشہور تھے۔ ابوجہل کے بھائی سلمہؓ بن ہشام، عیاشؓ بن ابی ربیعہ، اس کی چچازاد بہن حضرت اُمِ سلمہؓ، سہیل بن عمرو کے بیٹے عبداللہؓ، داماد ابوسبرہؓ بن ابی رُہم، بھائی سلیطؓ بن عمرو، سکرانؓ بن عمرو، بیٹی اُمِ کلثومؓ بنتِ سہیل بن عمرو، ابوسفیان کی بیٹی اُمِ حبیبہؓ، عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے ابوحذیفہؓ اور بھانجے شماسؓ بن عثمان۔ اسی طرح دوسرے سردارانِ قریش کے قریبی عزیزوں اور پیاروں نے دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر غریب الوطنی اختیار کر لی تھی۔ مشرکین کے لیے اپنے جگر گوشوں اور دوسرے قرابت داروں کا اپنے آبائی مذہب سے انحراف ہی کچھ کم سوہانِ رُوح نہ تھا۔ ان کی جدائی نے مشرکین کے غم اور غصے میں اضافہ کر دیا اور انہوں نے جھلّا کر مکہ میں موجود مسلمانوں پر پہلے سے بڑھ کر ظلم ڈھانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق جیسے بلند مرتبہ شخص بھی رسولِ اکرم ﷺ سے یہ درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے کہ یا رسول اللہ! اہلِ حق پر مشرکین کے جور و تعدّی نے آخری حدوں کو چھو لیا ہے، اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی ہجرت کر کے حبشہ چلا جاؤں اور وہاں پر مقیم اپنے مہاجر بھائیوں سے جا ملوں۔

حضرت ابوبکرؓ آنحضور ﷺ کے عزیز ترین دوست اور تبلیغِ حق میں دست و بازو تھے لیکن کفّار کی جفا کاریوں کے پیشِ نظر آپؐ نے ان کو حبشہ جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ اللہ کا نام لے کر حبشہ جانے کا عزم کر کے مکہ معظمہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب وہ بَرک الغماد [1] کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے بجانب یمن پانچ دن کی راہ پر ہے، تو رئیسِ قارہ ابن الدَّغِنہ سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ ایک اور روایت میں (جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے منقول ہوئی ہے) بیان کیا گیا ہے کہ

---

[1] حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری میں اس کا یہی نام لکھا ہے البتہ بعض دوسری کتابوں میں اس کا نام بِرک الغماد اور بُرک الغُماد بھی منقول ہوا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ سے ایک یا دو دن کی راہ گئے تھے کہ ابن الدَّغِنہ ان کو ملے جو اس زمانے میں احابیش کے سردار تھے۔ [1] ابن الدَّغِنہ نے اُن سے پوچھا:

"ابوبکر کدھر کا ارادہ ہے؟"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، سخت اذیتیں دی ہیں، مکہ کی سرزمین اپنی فراخی کے باوجود مجھ پر تنگ کر دی ہے، چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر یادِ الٰہی میں مشغول رہوں۔"

ابن الدَّغِنہ نے کہا:

"کیوں؟ ابوبکر! تم جیسا آدمی نہ نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے۔ خدا کی قسم تم تو معاشرے کی زینت ہو۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہو، صلۂ رَحمی کرتے ہو، یتیموں اور بیواؤں کی دستگیری اور کفالت کرتے ہو، مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہو، غریبوں کو کما کر دیتے ہو، نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہو۔ واپس چلو، میں تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ اپنے شہر ہی میں اپنے ربّ کی عبادت کرو۔"

پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مکہ آئے اور اشرافِ قریش سے فرداً فرداً مل کر کہا کہ تم پر افسوس ہے کہ ایک ایسے شریف اور نیک دل انسان کو شہر سے نکالتے ہو جو انتہا درجے کا مہمان نواز اور بیکسوں اور کمزوروں کا ملجا و ماویٰ ہے مصیبت میں لوگوں کے کام آتا ہے اور رشتہ داروں کی مدد کرتا ہے ایسا آدمی یہاں سے نہیں نکل سکتا اور نہیں نکالا جا سکتا۔

ابنِ اسحاقؒ کی روایت میں ہے کہ ابن الدَّغِنہ نے مکہ پہنچ کر اعلان کیا کہ میں نے ابوقحافہ کے بیٹے کو پناہ دی ہے اب کوئی ان کے ساتھ بھلائی کے سوا کوئی اور سلوک نہ کرے۔

عمائد قریش نے ابن الدَّغِنہ سے کہا کہ ہم تمہاری امان کو تسلیم کرتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکر اپنے گھر کے اندر جس طرح جی چاہے اپنے ربّ کی عبادت کریں اور جو چاہیں، پڑھیں لیکن بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں اور نہ گھر کے باہر پڑھیں کیونکہ اس طرح ہماری عورتیں اور بچے فتنے میں پڑ جائیں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن الدَّغِنہ کے اصرار پر گھر کے اندر ہی عبادت کرنے لگے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے گھر کے احاطے میں ایک چھوٹی سی مسجد بنا لی اور اسی میں نماز پڑھنے لگے۔ دل بڑا رقیق اور گداز پایا تھا۔ نماز پڑھتے یا قرآن کی قراءت کرتے تو ان کی پُرسوز

[1] احابیش میں تین قبیلے بنو الحارث عبد مناۃ بن کنانہ، بنی الھون بن خزیمہ بن مدرکہ (یعنی قبائل قارہ اور دِیش) اور بنو المصطلق شامل تھے۔ ان لوگوں نے اَحْبَش نامی ایک وادی میں باہم دوستی اور تعاون کا معاہدہ کیا تھا اس لیے احابیش کہلاتے تھے گویا احابیش کا لفظ مذکورہ تین قبائل کے "اتحاد" کا مظہر اور نشان تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آواز قریش کی عورتوں، بچّوں اور نوجوانوں پر بہت اثر کرتی اور وہ قرآن سُننے کے لیے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قرآن پڑھتے پڑھتے رونے لگتے۔ اتنا روتے کہ ہچکیاں بندھ جاتیں اور سُننے والوں پر اس کا اور زیادہ اثر ہوتا۔

مشرکینِ قریش کو یہ صورتِ حال دیکھ کر سخت تشویش پیدا ہوئی۔ انہوں نے ابن الدَّغِنہ کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ ہم نے تمہاری خاطر ابوبکر کو اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر کے اندر اپنے رَبّ کی عبادت کرلیں لیکن وہ گھر کے احاطے میں مسجد بنا کر علانیہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور قرآن بھی۔ اس سے ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ ہماری عورتوں اور بچّوں کو فتنے میں ڈال دیں گے۔ ان کو ایسا کرنے سے منع کرو۔ یا تو وہ خاموشی سے اپنے گھر میں اپنے رَبّ کی عبادت کریں یا اگر وہ یہ کام علانیہ کرنا چاہتے ہیں تو اُن سے کہو کہ تمہارا ذِمّہ واپس کردیں کیونکہ ہم تمہارے ذِمّہ کو توڑنا نہیں چاہتے۔ ابن الدَّغِنہ اب حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اُن سے کہا:

"ابوبکر! تم جانتے ہو کہ میں نے کس شرط پر تمہاری حمایت اور حفاظت کا ذِمّہ لیا ہے اس لیے یا تو تم اس شرط کی پابندی کرو یا مجھے ذِمّہ داری سے بَری سمجھو۔ میں نہیں چاہتا کہ عرب میں یہ بات مشہور ہوجائے کہ میں نے ایک شخص کو پناہ دی اور میری پناہ کو توڑ ڈالا گیا۔

حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہ نے کمال اِستغنا سے جواب دیا:

اَرُدُّ اِلَیْکَ جِوَارَکَ وَاَرْضٰی بِجِوَارِ اللّٰہِ۔

"یعنی میں تمہاری پناہ تم کو لوٹاتا ہوں۔ اور میں اپنے اللہ کی پناہ پر راضی ہوں۔"

ابن الدَّغِنہ نے مشرکینِ قریش کے عمائد کے پاس جا کر کہہ دیا کہ ابوبکر نے میرا ذِمّہ واپس کردیا۔ اب تم جانو اور تمہارا آدمی۔[1]

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کا قبولِ اسلام (۶ بعد بعثت):

عَین اُس زمانے میں جب مشرکین نے مکّہ میں اہلِ حق پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا اور مظلوم مسلمان آہستہ آہستہ حبش کی طرف ہجرت کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے قریش کے ایک نامی بہادر کو قبولِ اسلام کی توفیق دی جس سے اہلِ حق کو بڑی تقویت ملی۔ یہ نامی بہادر تھے آنحضور ﷺ کے محبوب چچا حمزہؓ بن عبد المُطّلب۔ ان سے حُضور ﷺ کو دو نسبتیں اور بھی تھیں ایک

---

[1] ابن الدَّغِنہ (جن کو ابن الدَّغُنّہ بھی کہا جاتا ہے) ان کا اصل نام ربیعہ بن رفیع تھا اور وہ بنو سُلَیم سے تعلق رکھتے تھے۔ دَغِنہ یا دَغُنّہ ان کی والدہ کا نام تھا اسی کی نسبت سے انہوں نے شہرت پائی۔ زمانۂ جاہلیت میں بنی الھُون بن خزیمہ بن مدرکہ کی ایک شاخ قارہ کے رئیس تھے۔ اربابِ سِیَر نے یہ تصریح نہیں کی کہ انہوں نے اسلام کب قبول کیا البتہ یہ بات ثابت ہے کہ وہ غزوۂ حنین (شوال ۸ ھ) سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور اُن کو شرفِ صحابیت بھی حاصل ہو چکا تھا۔ غزوۂ حنین میں رسولِ اکرم ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ بنو ہوازن کا نامی شہسوار دُرَید بن صمہ انہی کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ ان کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔ (اُسدُ الغابہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ کہ وہ آپؐ کے رضاعی بھائی بھی تھے اور خالہ زاد بھائی بھی۔ رضاعی بھائی یوں کہ چچا بھتیجے دونوں نے دو یا چار سال کے وقفے سے بی بی ثویبہؓ کا دودھ پیا تھا اور خالہ زاد بھائی یوں کہ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ حضرت حمزہ کی والدہ بی بی ہالہ کی چچازاد بہن تھیں۔

بعثت کے بعد رحمتِ عالم ﷺ کو دعوتِ توحید دیتے چھ سال ہونے کو آئے تھے لیکن حضرت حمزہؓ نے حضور ﷺ سے بے انتہا محبت رکھنے کے باوجود بھی دعوتِ اسلامی کی طرف توجہ نہ کی تھی شاید اس زمانے میں اُن کے نزدیک زندگی کا مقصد ہی تازہ شکار مارنا اور کھانا تھا، اسی مذاقِ طبیعت نے انہیں دعوتِ حق پر غور کرنے کی کبھی مہلت ہی نہ دی۔ ان کے یہی لیل ونہار تھے کہ ایک دن ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا جس نے ان کے قلب ونظر کی دنیا بدل دی اور وہ دینِ حق کے ایک جانباز سپاہی بن گئے۔ ہوا یوں کہ (۶ھ بعدِ بعثت میں) ایک روز رحمتِ عالم ﷺ دارِ ارقم سے نکل کر صفا (یا بروایتِ دیگر حجون) کے پاس سے گزر رہے تھے (یا بعض روایتوں کے مطابق اسی جگہ کے قریب لوگوں کو دعوتِ توحید دے رہے تھے) کہ ابوجہل کا گزر اس طرف ہوا، اس کے ساتھ عدی بن حمراء اور ابن الاصداء بھی تھے۔ ابوجہل نے حضور ﷺ کو دیکھا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ آپؐ کو بے تحاشا گالیاں دینے لگا اور ساتھ ہی دینِ حق کے بارے میں بھی نہایت رکیک الفاظ استعمال کیے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے حضور ﷺ پر مٹی اور گوبر پھینکا اور آپؐ پر ہاتھ بھی اٹھایا۔ رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے خُلقِ عظیم کے اقتضا سے نہایت صبر وتحمل سے کام لیا اور ابوجہل کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ وہ تھک ہار کر بکتا جھکتا چلا گیا اور حضور ﷺ بھی تشریف لے گئے۔ اتفاق سے بنوتیم کے رئیس عبد اللہ بن جدعان کی (آزاد کردہ) لونڈی کوہِ صفا پر اپنے گھر میں بیٹھی یہ سارا واقعہ دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آتے ہوئے اس کے گھر کی طرف سے گزرے تو اس نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"ابو عمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم یہاں موجود ہوتے تو دیکھتے کہ عمرو بن ہشام (ابوجہل) نے تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیسا ناروا سلوک کیا۔ وہ اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہا تھا کہ عمرو بن ہشام (ابوجہل) نے اس پر سب وشتم کی بوچھاڑ کر دی، مٹی اور گوبر پھینکا اور جسمانی ایذا بھی پہنچائی افسوس کہ بنو ہاشم کے یتیم کی حمایت میں کوئی ہاتھ بلند نہیں ہوا۔"

حضرت حمزہؓ سرورِ عالم ﷺ کے چچا بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی، خون اور دُودھ کے جوش نے انہیں بے قرار کر دیا۔ سخت غیظ وغضب کے عالم میں اپنی کمان کھینچ کر خانۂ کعبہ کی طرف دوڑے۔ ابوجہل ابھی تک وہیں تھا اور قریش کے ایک مجمع میں بیٹھا لاف زنی کر رہا تھا۔ حضرت حمزہؓ جوش اور غصہ میں بھرے ہوئے اس پر لپکے اور اپنی کمان اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ لہولہان ہو گیا، اس کے ساتھ ہی اسے للکار کر کہا:

"تو محمد ﷺ کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ میرا دین بھی محمد ﷺ کا دین ہے اور جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ وہ کہتے ہیں میں بھی وہی کہتا ہوں، تجھ میں ہمت ہے تو مجھے اس سے روک کر دیکھ۔''

اس پر بنو مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی حمایت کے لیے کھڑے ہو گئے لیکن اس نے کہا:

''ابو عمارہ کو چھوڑ دو میں نے واقعی آج اس کے بھتیجے کو بہت گالیاں دی تھیں اس لیے اُس کو غصہ آ گیا ہے۔''

ابوجہل نے مخزومیوں کو حضرت حمزہ پر ہاتھ اٹھانے سے اس خدشہ کے پیشِ نظر روکا کہ اس طرح بنو مخزوم اور بنو ہاشم کے درمیان رزم و پیکار کی ایسی آگ بھڑک اٹھے گی جو کسی کے بجھائے سے نہ بجھے گی۔

حضرت حمزہؓ نے جوشِ حمیت میں اپنے اسلام کا اعلان تو کر دیا لیکن جب گھر پہنچے تو دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ ''میں نے قریش کا سردار ہوتے ہوئے محمد ﷺ کا نیا دین قبول کر لیا اور اپنے آبائی دین سے پھر گیا۔ یہ بڑی شرم کی بات ہے اس سے تو مر جانا اچھا ہے۔'' اسی وسوسہ اور تردّد کے عالم میں انہوں نے اللہ سے دعا کی:

''اے اللہ! یہ راستہ جو میں نے اختیار کیا ہے اگر اس میں کوئی بھلائی ہے تو میرے دل کو اس کی تصدیق سے سکون و تسلی بخش ورنہ جس چیز کے اندر میں مبتلا ہوں میرے لیے اس سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا کر دے۔''

ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل کو زخمی کرنے کے بعد حضرت حمزہؓ سرورِ عالم ﷺ کے پاس گئے اور کہنے لگے: ''برادر زادے! تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا ''چچا جان! میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوتا، میری خوشی تو اس میں ہے کہ آپ غیر اللہ سے منقطع ہو کر دینِ حق کی پیروی کریں۔''

حضور ﷺ کی اس دعوتِ حق کے بعد وہ سخت ذہنی الجھن میں مبتلا ہو گئے اور اسی حالت میں انہوں نے اس الجھن سے نجات پانے کی دُعا کی۔ رات اسی شش و پنج میں گزر گئی، صبح ہوئی تو وہ رحمتِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی ذہنی الجھن کا حال بیان کیا۔ حضور ﷺ نے ان کو نہایت بلیغ پیرائے میں اسلام کی حقانیت سمجھائی، اللہ کا خوف دلایا اور قبولِ حق کے صلے میں جنت کی بشارت دی۔ حضور ﷺ کے ارشادات سُن کر حضرت حمزہؓ کا دل یقین اور ایمان کے نور سے معمور ہو گیا اور وہ پکار اٹھے۔

''میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق ہیں آپ اپنے دین کا خوب اظہار کیجیے۔ واللہ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں کہ میرے اوپر آسمان سایہ فگن ہو اور میں اپنے پہلے دین پر قائم رہوں۔''

ایک روایت کے مطابق یہ واقعہ ذی الحجہ ۶ ؁ بعدِ بعثت کا ہے قبولِ اسلام کے بعد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بیشتر وقت دارِ ارقم میں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں گزرنے لگا۔
(تاریخ طبری۔ مستدرک حاکم۔ اُسد الغابہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبولِ اسلام:

اسلام کی تاریخ میں سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو عظیم مقام اور مرتبہ ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اسی کی مناسبت سے ان کے قبولِ اسلام کے واقعہ کو بھی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس واقعہ کے نتیجے میں جہاں اہلِ حق کو بڑی تقویت اور مسرت حاصل ہوئی وہاں مشرکین کو بڑی ذِلت اور رسوائی سے دوچار ہونا پڑا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کے مشرّف بایمان ہونے کے بارے میں مختلف روایات ہیں جن میں سے ہر ایک میں اس واقعہ کا پس منظر اور سبب مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے لیکن ان تمام روایات کو اگر ملا کر پڑھا جائے اور ان کا بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعثتِ نبویؐ کے آغاز سے لے کر چھ سال تک حضرت عمرؓ کے مشاہدے میں ایسے واقعات آتے رہے جو ان کو بتدریج اسلام کی طرف مائل کرتے رہے اور بالآخر ایک خاص واقعہ نے ان کے دل کی دنیا بالکل بدل ڈالی اور وہ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوگئے۔ اس سلسلے کی مختلف روایات میں سے ہم یہاں تین مشہور روایات درج کرتے ہیں۔

ا۔ اسلام لانے سے پہلے ایک دن حضرت عمرؓ نے رسولِ اکرم ﷺ کو حرم شریف میں داخل ہوتے دیکھا وہ بھی آپؐ کے پیچھے حرم شریف میں داخل ہوگئے۔ اُس وقت حضور ﷺ نماز میں مشغول ہوگئے تھے اور سورۃ الحاقۃ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ حضور کے پیچھے کھڑے ہوگئے اور سننے لگے۔ وہ قرآنِ حکیم کی شانِ کلام سے بہت حیران ہوئے اور خیال کیا کہ واللہ یہ شخص تو شاعر ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں اسی وقت حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّ مَاهُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ط قَلِيْلاً مَّا تُؤْمِنُوْنَ. (۴۰۔۴۱)

(''یہ ایک رسولِ کریم کا قول ہے کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔'')

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے دل میں کہا، یہ شاعر نہیں تو پھر کاہن ہے۔ اُسی وقت حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلاً مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ (۴۲۔۴۳)

''اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے مگر تم لوگ بہت کم غور کرتے ہو۔ یہ ربّ العلمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔''

یہاں تک کہ آپؐ نے سورۃ الحاقۃ آخر تک پڑھی۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ اس کو سن کر اسلام میرے دل میں جاگزین ہوگیا۔ (مُسندِ احمد۔ طبرانی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ حضرت عمرؓ کی ایک قریبی رشتہ دار حضرت لیلیٰؓ بنتِ ابی حثمہ اور اُن کے شوہر حضرت عامرؓ بن رَبِیْعَۃُ الْعَنْزِی مشرّف بہ اسلام ہوگئے تھے اور مشرکین کے مظالم سے تنگ آ کر حبش جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت لیلیٰؓ کو اپنا سامان باندھتے دیکھا تو بولے ''عبداللہ کی ماں کیا بس اب روانگی ہے؟''

انہوں نے کہا، ہاں جب تم لوگوں نے یہاں ہمارا جینا محال کر دیا تو اب ہم اللہ کی زمین میں کہیں نکل جائیں گے جہاں اللہ ہمارے لیے اس مصیبت سے بچنے کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے بڑے درد بھرے لہجے میں کہا، اللہ تمہارے ساتھ ہو۔ (صَحِبَکُمُ اللّٰہُ) جس وقت یہ گفتگو ہو رہی تھی، حضرت لیلیٰؓ کے شوہر کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ حضرت لیلیٰؓ کا بیان ہے کہ اس وقت میں نے حضرت عمرؓ کو اتنا غم زدہ دیکھا کہ پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ جب میرے شوہر واپس آئے تو میں نے حضرت عمرؓ کے رنج وغم کی کیفیت بیان کی اور امید ظاہر کی کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے اس پر میرے شوہر نے کہا، یہ شخص اس وقت تک مسلمان نہ ہوگا جب تک خطاب کا گدھا مسلمان نہ ہو جائے۔ (یعنی مجھے ان کے مسلمان ہونے کی قطعاً کوئی امید نہیں)۔

۳۔ یہ سب سے مشہور روایت ہے اسے ابن اسحاقؒ، ابویعلیٰؒ، بزّارؒ، طبرانیؒ، بیہقیؒ، دار قطنیؒ اور کئی دوسرے اہلِ سِیَر نے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے اگرچہ تفصیلات میں تھوڑا بہت اختلاف ہے لیکن واقعہ کی صورت قریب قریب یکساں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۶ ؁ بعدِ بعثت میں ایک دن حضرت عمرؓ علی الصّباح شمشیر بدست گھر سے یہ ارادہ کر کے نکلے کہ آج شمعِ رسالت ﷺ کو بجھا کر دَم لیں گے۔ ان کے اس ارادہ کی مُحرِّک کیا چیز تھی؟ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ پانچ سال تک اہلِ حق پر ہر قسم کی سختیاں کرنے کے باوجود جب ان میں سے کسی ایک کو بھی اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے تو انہوں نے مجبور ہو کر اس شمع ہی کو بُجھانے کا ارادہ کر لیا جس کے پروانے اہلِ حق تھے۔ بعض نے یہ قیاس آرائی کی ہے کہ اسلام کو روز بروز ترقی کرتے دیکھ کر حضرت عمرؓ سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوگئے تھے۔ جب انہوں نے اپنے کچھ رشتہ داروں کو اسلام کی خاطر اپنے گھر بار چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرتے دیکھا تو ان کی ذہنی کشمکش میں اور اضافہ ہوگیا اور انہوں نے اسلام کے داعیِ اعظم ﷺ کو شہید کرنے کا عزم کر لیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب سرورِ عالم ﷺ کے شجاع چچا حضرت حمزہؓ بن عبد المُطّلب دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے تو مشرکینِ قریش کے پندار پر سخت ضرب لگی، انہوں نے مشتعل ہو کر ایک اجتماعِ عام کیا جس میں ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کو قتل کرے گا میں اسے سَو سرخ اونٹ (جو بہت گراں بہا ہوتے تھے) اور چالیس ہزار درہم نقد بطور انعام دوں گا۔

حضرت عمرؓ بھی اس اجتماع میں موجود تھے۔ انہیں انعام کا لالچ تو نہیں تھا لیکن اپنی زور آوری اور طاقت پر بڑا ناز تھا۔ ابوجہل کی اشتعال انگیز تقریر سُن کر جوش میں آ گئے اور بآوازِ بلند کہا:

''اے ابا حکم! لات وعُزّیٰ کی قسم جب تک میں مُحَمَّد (ﷺ) کو قتل نہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرلوں گا، زمین پر نہ بیٹھوں گا۔"

جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت حمزہؓ کے قبولِ اسلام کے بعد سرورِ عالم ﷺ کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ قریش کے دو ستونوں عمرو بن ہشام (ابو جہل) اور عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کو دولتِ اسلام سے بہرہ یاب کر دے چنانچہ آپؐ نے دُعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اَيِّدِ الْاِسْلَامَ بِاَبِي الْحَكَمِ بْنِ هِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ.

"یا اللہ! ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن خطاب سے اسلام کی تائید فرما۔"

یہ دعا فوراً درِ اجابت پر پہنچی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کو اسلام کا دست و بازو بنانے کے لیے چُن لیا۔ اس واقعہ (یعنی حُضور ﷺ کے دعا مانگنے) کے دوسرے ہی دن حضرت عمرؓ حضور ﷺ کو شہید کرنے کا عزم کرکے گھر سے نکلے۔ راستے میں اتفاق سے ان کے قبیلہ بنو عدی کے ایک صاحب حضرت نُعیمؓ بن عبداللہ النّحام [1] مل گئے۔ وہ خفیہ طور پر دولتِ اسلام سے بہرہ مند ہو چکے تھے۔ انہوں نے پوچھا:

"عمر یہ آج شمشیر بکف کدھر چلے ہو۔"

حضرت عمرؓ: "آج اپنے دین سے منحرف ہو جانے والے اس شخص کو قتل کرنے جاتا ہوں جس نے قریش کی جمعیت کو پارہ پارہ کر ڈالا ہے، ہم سب کو احمق قرار دیا ہے۔ ہمارے معبودوں کی مَذمّت کی ہے اور ہمارے دین میں کیڑے ڈالے ہیں۔"

حضرت نُعیمؓ: عمر! یہ بڑا خطرناک کام ہے، خدا کی قسم تم سخت غلط فہمی میں مبتلا ہو، اگر تم محمدؐ کو قتل کرنے میں کامیاب ہوگئے تو کیا بنو عبدِ مناف تمہیں زمین پر چلنے پھرنے کے لیے زندہ چھوڑ دیں گے؟

حضرت عمرؓ: مجھے کسی کا خوف نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی صابی ہو گئے ہو۔ کیوں نہ پہلے تمہارا ہی سر اڑا دوں؟

حضرت نُعیمؓ: تم مجھ کو بعد میں قتل کرنا پہلے اپنے گھر والوں کی تو خبر لو۔

---

[1] حضرت نُعیمؓ بن عبداللہ النّحام کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے وہ دعوتِ توحید کے اوائل میں مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ ان کا تعلق بھی حضرت عمرؓ کے خاندان "بنو عدی" سے تھا۔ وہ اپنے خاندان کے متموّل مگر نہایت مخیّر اور شریف النّفس اشخاص میں سے تھے انہوں نے بنو عدی کے یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کی کفالت اپنے ذِمّے لے رکھی تھی اور بیسیوں حاجت منداُن کے دسترخوان پر پلتے تھے۔ وہ صحابہ میں واحد شخص ہیں جن کے اسلام کو مشرکین نے برداشت کرلیا اور التجائیں کر کرکے کئی سال تک انکو مکّہ سے ہجرت نہ کرنے دی۔ یہ سعادت انہوں نے ۶ھ میں حاصل کی۔ اس کے بعد وہ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں حُضور ﷺ کے ہم رکاب رہے۔ عہدِ صدیقی میں شام کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے اور باختلافِ روایت اجنادین یا یرموک کی لڑائی میں شہادت پائی۔ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرؓ: میرے کون سے گھر والے؟

حضرت نعیمؓ: تمہاری بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ بن زید جو دونوں مسلمان ہو چکے ہیں، میری نسبت تم پر ان کا زیادہ حق ہے۔

حضرت عمرؓ یہ سن کر جوشِ غضب سے بیقرار ہو گئے۔ پلٹ کر حضرت فاطمہؓ کے گھر پہنچے۔ وہاں اس وقت سادس الاسلام حضرت خبابؓ بن الارتؓ بھی موجود تھے۔ ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ وہ دروازہ اندر سے بند کر کے حضرت فاطمہؓ اور اُن کے شوہر حضرت سعیدؓ کو اس کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی آواز سُن لی اور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت فاطمہؓ سمجھ گئیں کہ یہ عمر ہیں۔ انہوں نے حضرت خبابؓ کو گھر کے پچھلے حصے میں دھکیل دیا اور قرآنِ پاک کے اجزا کو جلدی سے کہیں چھپا کر دروازہ کھول دیا۔

حضرت عمرؓ نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا "یہ کیسی گنگناہٹ تھی جو ابھی میں نے سُنی ہے؟

حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ نے کہا "تم نے کچھ نہیں سُنا۔"

حضرت عمرؓ سخت غضبناک ہو کر بولے "نہیں میں نے سُنا ہے، خدا کی قسم مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں بے دین ہو گئے ہو، میں تمہیں اس حرکت کا مزہ چکھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ حضرت سعیدؓ سے لپٹ گئے، ان کے لمبے بال پکڑ کر زمین پر دے مارا۔ اور پھر بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ شوہر کو پٹتے دیکھ کر بے تاب ہو گئیں۔ بھائی کے ہاتھ سے انہیں چھڑوانے کے لیے آگے بڑھیں تو حضرت عمرؓ نے انہیں بھی مارا۔ پھر حضرت سعیدؓ پر ایک لکڑی سے وار کیا چاہتے تھے کہ حضرت فاطمہؓ آگے آ گئیں، وار ان کے سر پر پڑا اور اس سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ اسی حالت میں شوہر کے ساتھ ہم زبان ہو کر بولیں:

> "ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لے آئے ہیں تم جو کر سکتے ہو کر لو، دینِ حق کو ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔"

ایک اور روایت میں حضرت فاطمہؓ سے یہ الفاظ منسوب ہیں:

> "بھائی! بہن کو بیوہ کیوں کرتے ہو۔ بیشک پہلے مجھے ہلاک کر ڈالو لیکن اب دینِ حق دل سے نہیں نکل سکتا، نہیں نکل سکتا، نہیں نکل سکتا ہمارا خاتمہ دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ہوگا۔"

خون میں نہائی ہوئی بہن کے منہ سے یہ الفاظ سن کر حضرت عمرؓ مبہوت ہو گئے اور اُن کا غُصّہ ندامت میں تبدیل ہو گیا۔ عرب کے اس نامور فرزند کو جسے آگے چل کر فاروقِ اعظم بننا تھا فاطمہؓ بنتِ خطاب نے اپنا خون بہا کر کسی اور ہی راستے پر ڈال دیا۔ تھوڑی دیر خاموشی سے بیٹھے رہے پھر بولے:

> "اچھا تو جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی دکھاؤ۔"

حضرت فاطمہؓ نے کہا۔ "ہمیں ڈر ہے کہ تم اس کو ضائع کر دو گے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرؓ نے اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ تم کوئی اندیشہ نہ کرو میں اسے پڑھ کر واپس کر دوں گا۔

حضرت فاطمہؓ کے دل میں اب خیال آیا کہ شاید بھائی کے دل پر کلامِ الٰہی کا اثر ہو جائے۔ انہوں نے کہا:

"ہم خدا کا کلام پڑھ رہے تھے، یہ صحیفہ جس میں کلام الٰہی درج ہے اس کو صرف پاک آدمی ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ جب تک تم غسل کر کے بدن پاک نہ کر لو اس صحیفے کو نہیں چھو سکتے۔"

حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا اور حضرت فاطمہؓ نے صحیفہ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ انہوں نے سورۂ طٰہٰ کا ابتدائی حصہ ہی پڑھا تھا کہ جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، دل سے کفر و شرک کا زنگ دور ہونے لگا۔ جوں جوں تلاوت کرتے جاتے تھے قرآنِ کریم کی شوکتِ الفاظ، نُدرتِ بیان اور فصاحتِ زبان انہیں مسحور کرتی جاتی تھی۔ جب اس آیت پر پہنچے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى.

"اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے۔ اس کے لیے بڑے خوبصورت نام ہیں۔"

تو ان پر رِقّت طاری ہو گئی اور بے اختیار پکار اٹھے "مَااَحْسَنَ الْكَلَام" یہ کتنا پیارا کلام ہے۔ جونہی حضرت عمرؓ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے حضرت خبابؓ مکان کے پچھلے حصے سے نکل کر باہر آ گئے اور جوشِ مسرّت میں حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے عمرؓ! مبارک ہو رسول اللہ ﷺ کی دعا تیرے حق میں قبول ہو گئی۔ حضور ﷺ نے کل ہی دعا مانگی تھی کہ الٰہی عمرو بن ہشام اور عمرؓ بن خطاب میں سے جس کو تو چاہتا ہے اسلام میں داخل کر۔"

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے زخمی ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے کہا جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی پڑھ کر سناؤ۔

حضرت فاطمہؓ نے اپنے جسم سے خون صاف کیا، وضو کر کے کلام اللہ کے اوراق نکالے اور پھر بڑے جوش سے سورۂ طٰہٰ کی تلاوت شروع کر دی۔

طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝

"طاھا۔ نہیں اتارا ہم نے آپ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت میں پڑیں بلکہ یہ نصیحت ہے اس کے واسطے جو اپنے ربّ سے ڈرتا ہے۔ یہ اتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ بیحد مہربان (کائنات کی فرمانروائی کے) تخت پر متمکن ہوا۔''

حضرت فاطمہؓ جوں جوں پڑھتی جاتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل پانی ہوتا جاتا تھا۔ جب انہوں نے پڑھا لَهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ (اسی کی مِلک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے۔)

تو حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے اور بولے:

''اے فاطمہؓ! جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے کیا وہ سب تمہارے خدا کا ہے؟''

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا: ''بیشک بھائی۔ ہمارا اللہ بڑی شان اور قدرت والا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: ''ذرا یہ اوراق مجھے بھی دو۔''

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا:

''بھائی ہمارے اللہ کا حکم ہے لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ جب تک کوئی پاک و صاف نہ ہو کلامِ الٰہی کو ہاتھ نہ لگائے۔ آپ پہلے غسل کریں اس کے بعد شوق سے ان اوراقِ مقدّس کو دیکھیں۔''

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا اور پھر نہایت ذوق وشوق سے کلام الٰہی کو دیکھنا شروع کیا، اس کی تاثیر نے انہیں مغلوب کر لیا لیکن جب اس آیت پر پہنچے۔ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ. ''یقیناً میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو میری ہی عبادت کیا کر اور میری ہی یاد کے لیے نماز پڑھا کر۔''

تو بے اختیار ہو گئے اور زار زار رونے لگے حتی کہ ڈاڑھی کے سب بال تر ہو گئے۔ پھر اپنے بہنوئی اور بہن سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''خدا کے لیے میری زیادتی معاف کردو اور گواہ رہو کہ میں سچے دل سے محمد ﷺ پر ایمان لاتا ہوں۔''

اس کے بعد انہوں نے حضرت خبابؓ سے درخواست کی کہ مجھے محمد ﷺ کے پاس لے چلو تاکہ میں ان کے ہاتھ پر قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کروں۔

حضرت خبابؓ نے انہیں بتایا کہ حضور ﷺ اس وقت دارِ ارقم میں اپنے چند اصحاب کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ تلوار کمر سے باندھے ہوئے دارِ ارقم کی جانب روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر دروازے پر دستک دی تو صحابۂ کرامؓ کو دروازہ کھولنے میں تامّل ہوا، اس موقع پر حضرت حمزہؓ کو جوش آ گیا انہوں نے کڑک کر کہا، دروازہ کھول دو، اگر عمر نیک ارادے سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے میں اس کا سر اڑا دوں گا۔

دروازہ کھلنے پر حضرت عمرؓ بے تابانہ اندر داخل ہوئے۔حضور ﷺ نے ان کی چادر کو اپنی مٹھی میں دبا کر زور سے کھینچا اور فرمایا:

''ابنِ خطاب کس نیّت سے یہاں آئے ہو؟''

حضرت عمرؓ کو جلالِ نبوت نے لرزا دیا۔سر جھکا کر نہایت ادب سے عرض کی:

''یا رسول اللہ ﷺ! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔''

اس پر حضور ﷺ نے زور سے اللہ اکبر فرمایا، تمام صحابہؓ سمجھ گئے کہ عمرؓ مسلمان ہو گئے ہیں۔انہوں نے جوشِ مسرّت میں اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکّہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ یہ واقعہ ذی الحجہ ۶ھ بعدِ بعثت کا ہے (طبقات ابنِ سعد) امام نوویؒ نے تہذیب الاسماء واللّغات میں اور ملا علی قاریؒ نے اربعین نووی کی شرح میں لکھا ہے۔''بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ حضرت حمزہؓ کے تین دن بعد ایمان لائے'' اور بعض تین ماہ بعد کہتے ہیں۔حافظ ابو نعیمؒ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ''میرے استفسار پر خود حضرت عمرؓ نے مجھے بتایا کہ میں حضرت حمزہؓ کے ایمان لانے کے تین دن بعد اسلام لایا۔'' (سیرت سرورِ عالمؐ جلد۲ ص ۶۱۲)

مسجدِ حرام میں علانیہ نماز:

حضرت عُمَر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے قبولِ اسلام کے فوراً بعد جو واقعات پیش آئے، ان کے بارے میں حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ان میں سے چار مشہور روایات کا خلاصہ ہم یہاں درج کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے بیان کیا ''جب میں مسلمان ہوا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں خواہ زندہ رہیں یا مریں؟ آپؐ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم حق پر ہو خواہ جیو یا مرو۔میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! پھر ہمیں اپنا دین چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپؐ نے فرمایا، اے عمر! ہماری تعداد تھوڑی ہے اور تم دیکھ رہے ہو کہ ہمیں کس قسم کے حالات کا سامنا ہے۔میں نے عرض کیا، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ہم ضرور باہر نکلیں گے۔پھر ہم دو صفوں میں رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لے کر باہر نکلے۔ایک صف میں حمزہ تھے اور دوسری میں مَیں۔یہاں تک کہ ہم مسجدِ حرام میں نماز کے لیے داخل ہو گئے۔(مشرکین) قریش نے ہم کو دیکھا تو وہ دَھک سے رہ گئے ایسا دھچکا ان کو پہلے کبھی نہ لگا تھا۔اُسی دن رسول اللہ ﷺ نے میرا لقب فارُوق رکھ دیا۔''

(ابنِ عساکرؒ، ابنِ جوزیؒ، ابو نعیمؒ، ابنِ حجرؒ، سیوطیؒ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوجہل سٹپٹا گیا:

ابنِ اسحاقؒ نے اپنی سَنَد سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ جب میں نے اُس رات اسلام اختیار کیا تو دل میں سوچا کہ مکّہ میں جو شخص رسول اللہ ﷺ سے سب سے بڑھ کر عداوت رکھتا ہے، مجھے اپنے اسلام کی اطلاع اس کو دینی چاہیئے۔ میرے خیال میں یہ شخص ابوجہل تھا۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی میں ابوجہل کے ہاں پہنچا اور اس کے دروازے پر دستک دی۔ وہ باہر آیا اور کہا، خوش آمدید، میرے بھانجے، کیسے آنا ہوا؟ (حضرت عمرؓ کی والدہ حنتمہ، ابوجہل کی چچا زاد بہن تھی اس نسبت سے ابوجہل ان کا ماموں ہوتا تھا) میں نے کہا، میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لاچکا ہوں اور میں نے ان باتوں کی تصدیق کی ہے جو وہ لائے ہیں۔ یہ سن کر اس نے کہا، اللہ تجھے اور اس چیز کو جو تو لایا ہے برباد کرے، اور دروازہ بند کرلیا۔ (سیرۃ ابنِ ہشام)

حضرت عمرؓ کافروں کے نرغے میں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب میرے والد نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ قریش میں باتوں کو اِدھر اُدھر زیادہ پہنچانے والا کون ہے؟ انہیں بتایا گیا، کہ یہ شخص بنو جُمَح کا جمیل بن معمر ہے۔ صبح کو وہ اس کی تلاش میں نکلے۔ میں بھی ان کے پیچھے چلا کہ دیکھوں کیا کرتے ہیں۔ میں تھا تو کم عمرؔ لیکن جو کچھ دیکھتا اسے سمجھتا تھا۔[1] حضرت عمرؓ جمیل بن معمر کے پاس پہنچے تو اُس سے مخاطب ہوکر کہا:

> "اے جمیل! کیا تجھے معلوم ہے کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں اور میں مُحَمَّد ﷺ کے دین میں داخل ہوگیا ہوں۔"

یہ سنتے ہی جمیل اپنی چادر گھسیٹتا ہوا نکل کھڑا ہوا۔ حضرت عمرؓ اس کے پیچھے چلے اور میں بھی اپنے والد کے پیچھے ہولیا۔ جب جمیل مسجدِ حرام کے دروازے پر پہنچا تو انتہائی بلند آواز سے چیخا:

> "اے گروہِ قریش اور کعبۃ اللہ کے گرد اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے قریش کے سردارو! خطّاب کا بیٹا بے دین ہوگیا ہے۔" (یعنی اپنے آبائی دین سے پھر گیا ہے۔)

حضرت عمرؓ اس کے پیچھے ہی تھے انہوں نے پکار کر کہا:

> "یہ جھوٹ کہتا ہے، میں نے اسلام اختیار کیا ہے اور اس بات کی شہادت دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مُحَمَّد اس کے بندے اور

---

[1] ابنِ سعدؒ نے حضرت ابنِ عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میری عمر اس وقت ۶ برس کی تھی لیکن حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابنِ عمرؓ اس وقت ۵ برس کے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول ہیں۔"

اس پر لوگوں نے حضرت عمرؓ پر حملہ کر دیا۔مشرکین انہیں مار رہے تھے اور حضرت عمرؓ مشرکوں کو مار رہے تھے یہاں تک کہ سورج سر پر آ گیا۔حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے اور لوگ بھی ان کے سر پر کھڑے رہے۔حضرت عمرؓ نے ان سے کہا،تم جو چاہو کرو، خدا کی قسم اگر ہم تین سو مسلمان (مرد) ہو جائیں تو پھر مکہ میں ہم رہیں گے یا تم رہو گے۔

اتنے میں قریش کا ایک بوڑھا آگے بڑھا۔وہ یمنی کپڑے کا نیا لباس اور نقش ونگار والی قمیص پہنے ہوئے تھا اس نے مجمع سے پوچھا، کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا، عمر بے دین ہوگیا ہے اس نے کہا، تو پھر کیا ہوا؟ ایک شخص نے اپنی ذات کے لیے ایک بات اختیار کر لی ہے اب تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بنی عدی بن کعب اس طرح اپنے آدمی کو تمہارے حوالے کر دیں گے۔ہٹ جاؤ اس کے پاس سے۔واللہ پھر تو وہ اس طرح حضرت عمرؓ سے الگ ہوئے جیسے کسی پر سے کپڑا کھینچ لیا جائے۔ہجرتِ مدینہ کے بعد میں نے والد سے پوچھا، وہ شخص کون تھا تو انہوں نے فرمایا وہ عاص بن وائل سہمی تھا۔ (سیرۃ ابنِ ہشام)

حضرت عمرؓ کے مکان کا گھیراؤ:

صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کے بعد تمام لوگوں یعنی سارے مشرکین نے مل کر حضرت عمرؓ کے مکان کو گھیر لیا۔وہ خوف کی حالت میں گھر کے اندر بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ باہر چلا رہے تھے، عمر بے دین ہوگیا۔ اتنے میں عاص بن وائل آیا۔یہ زمانۂ جاہلیت میں ہمارا حلیف تھا۔عاص نے کہا، اے عمر! تمہارا کیا حال ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا، تمہاری قوم کہتی ہے کہ وہ مجھے قتل کر دے گی کیونکہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔عاص نے کہا، کوئی تمہیں ہاتھ نہیں لگا سکتا کیونکہ میں تمہیں امان دے چکا ہوں۔پھر عاص باہر نکلا تو دیکھا کہ تمام وادی لوگوں سے بھری ہوئی ہے عاص نے پوچھا، کیا قصہ ہے؟ لوگوں نے کہا، عمر بے دین ہوگیا ہے۔عاص نے کہا، ہوگیا تو کیا ہوا تم اب کیا چاہتے ہو؟ لوگوں نے کہا، ہم اس کے پاس جارہے ہیں (تاکہ اسے قتل کریں) عاص نے کہا، میں نے اس کو پناہ دی ہے اب کوئی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔یہ سنتے ہی سب لوگ منتشر ہوگئے۔

(صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب اسلامِ عمرؓ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شِعبِ ابی طالب میں محصُوری

اسے نیرنگئ زمانہ کہیے یا مشرکینِ مکّہ کی بدنصیبی کہ وہ ذاتِ گرامی جس کی دیانت، امانت، راستبازی اور پاکبازی کا ہر کہ و مہ معترف اور مدّاح تھا جب اس نے راہِ حق کی طرف بلایا اور نجاتِ اُخروی کا راستہ دکھایا تو بدبختوں نے دعوتِ توحید کو نہ صرف رَدّ کر دیا بلکہ داعیٔ حق اور دعوتِ حق کے قبول کرنے والوں کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مگر اللہ کی شان کہ اُن کی تمام کوششوں کے باوجود دینِ حق پھیلتا ہی چلا گیا اور اس نے مکّہ سے باہر کے قبائل کو بھی متاثر کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ حَبَش میں بھی اس کے اثرات جا پہنچے اور وہاں کا بادشاہ کھُلم کھُلا مسلمانوں کا حامی بن گیا۔

اس صورتِ حال کو دیکھ کر مشرکینِ قریش سخت پیچ و تاب کھا رہے تھے ۶ ؁ بعدِ بعثت میں قریش کے شیر حضرت حمزہؓ اور مردِ آہن حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو مشرکین فرطِ غضب سے دیوانے ہو گئے انہوں نے محرّم ۷ ؁ بعدِ بعثت میں ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی جس میں تمام اکابرِ قریش شریک ہوئے۔ سب نے بِالاِتِّفاق یہ فیصلہ کیا کہ جب تک بنو ہاشم اور بنو مُطّلِب مُحَمَّدْ (ﷺ) کو ان کے حوالے نہیں کریں گے، کوئی شخص اُن سے کسی قسم کا تعلّق نہیں رکھے گا، نہ ان سے کوئی خرید و فروخت کی جائے گی، نہ اُن سے رشتہ ناتا کیا جائے گا اور نہ ان سے کسی قسم کا میل جول رکھا جائے گا۔ اس ظالمانہ فیصلے کو معرضِ تحریر میں لا کر ہر قبیلے کے نمائندے نے اس پر دستخط کیے یا انگوٹھا لگایا اور پھر اسے بابِ کعبہ پر (یا بروایتِ دیگر کعبہ کے وسط میں) آویزاں کر دیا۔ [1]

جب بنو ہاشم کو اِس خوفناک معاہدے کا علم ہوا تو سرورِ عالم ﷺ اور آپؐ کے جاں نثار رفقاء کو ذرّہ برابر پروانہ ہوئی۔ وہ جانتے تھے کہ جس دعوت کو لے کر وہ اٹھے ہیں اس کی پُر صعُوبت راہ کی یہ بھی ایک منزل ہے۔ لیکن بنو ہاشم کے جو لوگ ابھی مشرّف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے، ان کی قومی حمیّت نے بھی یہ گوارا نہ کیا کہ اس نازک مرحلہ پر محمد (ﷺ) کا ساتھ چھوڑ دیں۔ سب اس زہرہ گداز مقاطعہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ خاندان کے بزرگ ابو طالب نے خطرہ کو بھانپ لیا۔ چنانچہ وہ ہاشم اور اُن کے بھائی مُطّلِب کی تمام اولاد و احفاد کو ساتھ لے کر

---

[1] منصور بن عکرمہ (یا بغیض بن عامر) ایک مشرک نے جو لکھنا پڑھنا جانتا تھا، یہ معاہدہ تحریر کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شِعبِ ابی طالب میں پناہ گزین ہو گئے۔ صرف ابولہب نے مشرکین کا ساتھ دیا۔

محصوری کے مصائب:

شِعبِ ابی طالب کوہ ابوقُبیس کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی تھی جو بنو ہاشم (یا جناب ابوطالب) کی موروثی تھی [۱] جب بنو ہاشم اور بنو مُطّلِب وہاں سمٹ آئے تو مشرکینِ مکّہ نے شِعبِ ابی طالب کا فوراً محاصرہ کر لیا اور اس میں اتنی سختی برتی کہ کھانے پینے کی کوئی چیز محصورین کو نہ پہنچنے دیتے تھے۔ باہر سے اگر کوئی سوداگر غلّہ فروخت کرنے کے لیے لاتا تو اس سے ایک ایک دانہ خرید کر قابو میں کر لیتے تاکہ اسے محصورین نہ خرید سکیں۔ ہاشمیوں کے بچّے جب بھوک سے بیتاب ہو کر روتے تھے تو مشرکین ان کی آوازیں سُن سُن کر خوش ہوتے تھے۔ عورتوں کی چھاتیوں میں دودھ خشک ہو گیا تھا۔ محصورین کے منہ میں کئی کئی دن تک ایک کِھیل بھی اُڑ کر نہ جاتی تھی۔ اگر کبھی حضرت ابوبکر صدیقؓ یا دوسرے غیر ہاشمی جاں نثار چوری چھپے جان جوکھوں میں ڈال کر کوئی چیز شِعبِ ابی طالب میں پہنچاتے تو اس کی مقدار اتنی قلیل ہوتی کہ چند دن بھی ساتھ نہ دیتی۔ چنانچہ بے کس محصورین درختوں اور جھاڑیوں کی پتیاں اُبال اُبال کر اپنا پیٹ بھرتے تھے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو انہیں سُوکھے ہوئے چمڑے کا ایک ٹکڑا کہیں سے مِل گیا۔ انہوں نے اسے پانی سے دھویا، پھر آگ پر بھونا اور کُوٹ کر پانی میں گھولا اور ستّو کی طرح پیا۔ [۲]

غرض بنو ہاشم اور بنو مُطّلِب مسلسل تین برس تک زہرہ گداز اور حوصلہ فرسا مصائب و آلام کا شکار رہے لیکن آفرین ہے ان پر کہ ایک لمحہ کے لیے بھی انہوں نے محمد ﷺ کا ساتھ چھوڑنے کا ارادہ نہ کیا۔ ان تین سالوں کے دوران میں حضور ﷺ شِعب سے باہر نکل کر تبلیغِ حق میں برابر مشغول رہے۔ جب حج کا موسم آتا تو حضور ﷺ شِعبِ ابی طالب سے نکل کر باہر سے آئے ہوئے قبائل کو اللہ کی طرف بلاتے تو بدبخت ابولہب حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے پھرتا اور لوگوں سے کہتا "لوگو! میرا یہ بھتیجا دیوانہ ہو گیا ہے، اس کی باتوں پر مت دھیان دو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔"

حج کے زمانے میں بنو ہاشم اور بنو مُطّلِب کے دوسرے محصورین کو بھی شِعب سے باہر آنے کا موقع مل جاتا تھا مگر حج کے بعد دوسرا حج آنے تک وہ شِعب میں بند رہتے تھے۔

---

[۱] گھاٹی دو پہاڑوں کے بیچ کے راستے یا درّۂ کوہ کو کہتے ہیں۔ آج کل شِعبِ ابی طالب کو شِعبِ علی یا سوق اللّیل کہا جاتا ہے۔

[۲] سیرۃ النبی جلد اوّل (شبلی نعمانی) بحوالہ روض الانف سہیلی۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا تعلق قریش کی شاخ "بنو زُہرہ" سے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شِعبِ ابی طالب میں ان کی محصوری رضاکارانہ تھی۔ مشرکین نے بنو زُہرہ سے قطعِ تعلق نہیں کیا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محصوری کا خاتمہ:

مشرکین میں بعض رحم دل آدمی بھی تھے اور پھر ان کی بنو ہاشم اور بنو مُطّلِب کے ساتھ قریبی رشتے داریاں بھی تھیں ان کا دل بنو ہاشم اور بنی مُطّلِب کی مصیبت پر بہت کُڑھتا تھا مگر ان کو محصورین سے علانیہ ہمدردی کا اظہار کر کے عامۃ المشرکین سے دشمنی مول لینے کا حوصلہ نہ پڑتا تھا۔ اسی طرح تین سال گزر گئے۔ اُسی زمانے میں ایک دن ایک عجیب واقعہ ہوا۔ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بھی حضور ﷺ کے ہمراہ شِعب ابی طالب میں محصور تھیں۔ ایک دن ان کے بھتیجے حکیم بن حزام نے (جو ابھی مشرّف باسلام نہیں ہوئے تھے) اپنے غلام کے ہاتھ کچھ گندم اپنی پھوپھی کو دینے کے لیے روانہ کی۔ راستے میں اسے ابوجہل مل گیا۔ پوچھا "گندم کہاں لیے جا رہے ہو؟"

اس نے کہا۔ "شِعب ابی طالب میں خدیجہؓ کے پاس۔"

ابوجہل نے اُس کا راستہ روک لیا اور کہا۔ "یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بنی ہاشم کو ہم گندم کا ایک دانہ بھی نہ پہنچنے دیں گے۔"

اتفاق سے ابوالبختری بن ہشام اسدی ایک غیر مسلم رحمدل رئیس کا وہاں سے گزر ہوا۔ (یہ شخص حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قریبی رشتہ دار تھا) اس نے پوچھا۔ "تم آپس میں کیوں جھگڑ رہے ہو؟"

ابوجہل نے واقعہ بتایا اور کہا کہ "معاہدہ کے مطابق ہم کوئی چیز شِعب ابی طالب میں نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن یہ شخص ہم سے بالا ہی بالا بنی ہاشم کو غلہ پہنچانا چاہتا ہے۔"

ابوالبختری نے کہا "خدیجہؓ نے کچھ گندم اپنے بھتیجے کے پاس امانت رکھی تھی، اگر وہ اسے واپس کرنا چاہتا ہے تو ہمارا اس میں کیا حرج ہے۔"

ابوجہل نے کہا۔ "تم بھی بنی ہاشم کے خیر خواہ معلوم ہوتے ہو۔ ہوا کرو۔ ہمیں اس کی پروا نہیں۔ لیکن میں یہ گندم ہرگز شِعب ابی طالب میں نہ پہنچنے دوں گا۔"

ابوالبختری کو بھی اب جوش آ گیا۔ اس نے کہا۔ "اچھا تو پھر میں دیکھوں گا کہ تم یہ گندم کیسے بنی ہاشم کو نہیں پہنچنے دیتے۔" یہ کہہ کر اُس نے ابوجہل کو پکڑ کر زمین پر دے مارا اور خوب پیٹا، حتیٰ کہ وہ لہولہان ہوگیا۔ ابوالبختری کی شہ زوری کے سامنے ابوجہل کی کچھ پیش نہ چلی اور وہ کان دبا کر بھاگ گیا۔ حکیم بن حزام کے غلام نے اطمینان سے گندم شِعب ابی طالب میں پہنچا دی۔

ابوجہل کی رسوائی کا قصہ جب عام لوگوں میں پھیلا تو طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ کچھ لوگوں نے برملا بنی ہاشم سے ہمدردی کا اظہار شروع کر دیا۔ مکے کا ایک غیر مسلم رئیس ہشام بن عمرو العامری (جس کی بنو ہاشم کے ساتھ رشتہ داری تھی) عبدالمطّلِب کے نواسے زُہیر کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ "اے زُہیر! تم یہ کیسے گوارا کرتے ہو کہ تم تو دونوں وقت شکم سیر ہو کر کھانا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھاؤ اور تمہاری ماں کا بھائی [1] روٹی کے ایک لقمے کو بھی ترسے۔"

زہیر نے کہا "برادرِ عم! میرے بس میں ہوتا تو میں اس ناپاک معاہدے کا قصّہ کبھی کا پاک کر چکا ہوتا لیکن افسوس کہ میں اکیلا ہوں۔"

ہشام نے کہا۔ "میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کمرِ ہمّت باندھو ہمیں بہتیرے ساتھی مل جائیں گے۔"

دونوں مطعم بن عدی کے ہاں پہنچے۔ وہاں زمعہ بن الاسودؓ اور ابوالبختری بن ہشام کو بھی اپنا ہم خیال پایا۔ دوسرے دن بنو ہاشم کے سب خیر خواہ کعبہ میں پہنچے، قریش کو جمع کیا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"یا معشرِ قریش! کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ ہم شکم سیر ہو کر کھاتے ہیں لیکن بنی ہاشم جو ہمارے ہی بھائی بند ہیں اناج کے ایک ایک دانے کو ترس رہے ہیں۔ ان کے بچے اور عورتیں بھوک سے ہلکان ہو گئے ہیں۔ خدا کی قسم جب تک اس معاہدے کو چاک نہ کیا جائے گا ہم آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔"

ابوجہل نے کہا۔ "کسی کی مجال نہیں جو اس معاہدے کو ہاتھ لگائے۔ یہ معاہدہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک بنو ہاشم محمد ﷺ کو ہمارے حوالے نہ کر دیں۔"

زمعہ للکارا۔ "تُو جھوٹ بکتا ہے ہم تو پہلے دن ہی اس معاہدے پر راضی نہ تھے۔"

مطعم بن عدی اور ابوالبختری نے ہاتھ بڑھا کر دیمک خوردہ معاہدے کو درِ کعبہ سے اُتار لیا اور اسے پرزہ پرزہ کر کے ہوا میں اُڑا دیا۔ مشرکین مُنہ دیکھتے رہ گئے۔

اس کے بعد زمعہ، ابوالبختری، زہیر، مطعم وغیرہ مسلّح ہو کر شعبِ ابی طالب پہنچے اور بیکس محصورین کو وہاں سے نکال لائے۔ اس طرح تین برس کی ہولناک قید و محن کے بعد ان مظلوموں کو شہر میں رہنا نصیب ہوا۔

ابنِ سعدؒ، ابنِ ہشامؒ، اور بلاذریؒ نے لکھا ہے کہ اس واقعہ سے پہلے ہی حضور ﷺ کو وحی کے ذریعہ خبر مل گئی کہ معاہدے کو دیمک چاٹ گئی ہے اور اس میں اللہ کے نام کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ آپؐ نے یہ بات جناب ابوطالب کو بتائی تو وہ فوراً حرمِ کعبہ میں پہنچے جہاں ابوجہل اور زہیر وغیرہ کے درمیان اسی معاہدے کے بارے میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ جناب ابوطالب نے سب لوگوں کو بتایا کہ میرے بھتیجے نے مجھے یہ خبر دی ہے اور وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ چنانچہ معاہدے کو دیکھا گیا تو فی الواقع اللہ کے نام کے سوا باقی سب الفاظ کو دیمک نے چاٹ لیا تھا۔ اب محصورین کے حامیوں کے ہاتھ مضبوط ہو گئے اور انہوں نے اس معاہدے کو پُرزے پُرزے کر دیا۔

اہلِ حق نے چند دن نہیں، چند ہفتے نہیں، چند مہینے نہیں، بلکہ مسلسل تین برس تک جس

[1] ماں کے بھائی سے مراد جناب ابوطالب تھے جو زہیر کے ماموں تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استقامت اور عزیمت کے ساتھ محصوری کے ہولناک مصائب برداشت کیے اور جبینِ ہمت پر شکن تک نہ آنے دی، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اہلِ ایمان محصورین کا استقلال اور حوصلہ تو بعد کے مسلمانوں کے لیے قیامت تک چراغِ راہ بنا رہے گا لیکن آفرین ہے ان غیر مسلم محصورین پر بھی جنھوں نے نہایت ثابت قدمی سے اہلِ ایمان کا ساتھ دیا، ہر قسم کے مصائب برداشت کیے لیکن رسولِ اکرم ﷺ کی حمایت سے دستکش ہونے کا خیال تک دل میں نہ لائے۔

شق القمر کا تحیّر خیز واقعہ:

شق القمر یعنی چاند کے پھٹ جانے کا تحیّر خیز واقعہ جمہور علماءِ اسلام کے نزدیک رسولِ اکرم ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے لیکن بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ قرآن مجید نے اس واقعہ کو قربِ قیامت کی نشانی کے طور پر پیش کیا ہے اور یہ اس اعتبار سے آنحضور ﷺ کی صداقت کا نمایاں ثبوت تھا کہ آپؐ نے قیامت کی آمد اور اس کی کیفیت کے بارے میں جو خبریں لوگوں کو دی تھیں، اس واقعہ نے ان کی تصدیق کر دی تھی۔ بہرصورت اس کے وقوع پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ یہ قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ قرآنِ حکیم میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (۱) وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (۲) (القمر آیۃ ۱:۲)

''قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا لیکن ان لوگوں کا یہ حال ہے۔ کہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔''

اس واقعہ کا ذکر بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ، احمدؒ، ابوعوانہؒ، ابوداؤد طیالسیؒ، ابنِ جریرؒ، طبرانی، بیہقیؒ، عبدالرزاقؒ، ابنِ مردویہؒ اور ابونعیمؒ سبھی نے معتبر سندوں کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے راویوں میں حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت جُبیر بن مطعِم اور حضرت انس بن مالک رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے عظیم المرتبت صحابہ شامل ہیں۔

یہ واقعہ ہجرتِ نبویؐ سے تقریباً پانچ سال پہلے ۸ بعد بعثت کے اواخر یا ۹ بعدِ بعثت کے آغاز میں پیش آیا اس وقت کفار کی طرف سے شِعبِ ابی طالب کے محاصرے کو دو برس گزر چکے تھے۔ قمری مہینے کی چودھویں رات تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ شِعبِ ابی طالب سے نکل کر منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت کفار کا ایک مجمع آپؐ کے پاس موجود تھا۔ کچھ صحابہ بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر تھے (ان میں سے حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت حذیفہؓ بن یمانؓ کے اسماءِ گرامی یقینی طور پر معلوم ہیں)۔ چاند ابھی ابھی طلوع ہوا تھا۔ یکا یک وہ پھٹا اور اس کے دو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا سامنے کی پہاڑی کے ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف نظر آیا۔ یہ کیفیت لحہ بھر کے لیے رہی۔ آپؐ نے لوگوں سے فرمایا، دیکھو اور گواہ رہو۔ اس کے ساتھ ہی دونوں ٹکڑے باہم جُڑ گئے۔ مشرکین نے یہ تحیّر خیز واقعہ دیکھ کر کہا، مُحَمَّد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا تھا اس لیے ہماری آنکھوں نے دھوکا کھایا۔ ان میں سے کچھ آدمیوں نے کہا کہ وہ ہم پر تو جادو کر سکتے تھے، جو لوگ یہاں موجود نہیں ہیں اُن پر تو نہیں کر سکتے تھے، ہمیں باہر کے لوگوں سے بھی پوچھنا چاہیے کہ انہوں نے یہ واقعہ دیکھا یا نہیں۔

چنانچہ جب باہر سے لوگ آئے اور اُن سے اس واقعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو ان میں سے بعض نے شہادت دی کہ وہ بھی چودھویں کے چاند کو دو ٹکڑے ہوتا دیکھ چکے ہیں۔ یہ شہادت ملنے پر بھی مشرکینِ قریش دولتِ ایمان سے محروم رہے۔

حضرت اَنسؓ بن مالک اور حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اہلِ مکہ (کفار) نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ سچّے ہیں تو ہمیں کوئی بڑا نشان دکھائیں (حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ کفار نے مطالبہ کیا کہ ہمیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں، ایک ٹکڑا جبلِ بوقبیس پر رہے اور دوسرا جبلِ قُعَیْقِعَان پر۔ رسول اللہ ﷺ نے اس معجزہ کے لیے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی۔ فوراً ہی چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے نصف حصہ جبلِ بُوقُبیس پر اور نصف حصہ جبلِ قُعَیْقِعَان پر چلا گیا) حضرت اَنسؓ کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے کُفّار کو چاند کا دو حصوں میں پھٹنا دکھایا۔ ایک حِرا کے ایک طرف تھا اور دوسرا دوسری طرف۔

(صحیحین۔ دلائل النُّبُوَّۃ ابونُعیمؒ)

دوسرے تمام صحابہؓ سے جو روایات اس واقعہ کے بارے میں ملتی ہیں ان میں کسی میں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ معجزہ کفار کے مطالبے پر دکھایا گیا تھا۔ اس بات کے ایک راوی حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ اس واقعہ کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ دوسرے راوی پونے تین سو میل دُور یثرب (مدینہ) کے رہنے والے تھے اور اس واقعہ کے وقت ان کی عمر تقریباً پانچ برس کی تھی گویا یہ حدیث انہوں نے دوسروں سے سن کر بیان کی۔ ہمارے خیال میں یہ واقعہ خواہ کُفار کے مطالبہ پر وقوع پزیر ہوا ہو یا اللہ تعالیٰ نے اسے قُربِ قیامت کی نشانی اور آنحضور ﷺ کی صداقت کی تصدیق کے طور پر دکھایا ہو، بہرصورت یہ آنحضور ﷺ ہی کے ذریعے وقوع میں آیا بالفاظِ دیگر اس واقعہ کا حُضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے گہرا تعلق ہے۔ اس لیے اسے آپ کا معجزہ ہی کہا جائے گا۔ اب رہے اس واقعہ پر بعض لوگوں کے اعتراضات، تو مفسّرین اور اربابِ سِیَر ان اعتراضات کا جواب بڑی تفصیل سے دے چکے ہیں ہم اسے یہاں دہرانا غیر ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ دوسرا کونسا معجزہ یا مافوق الفطرت واقعہ ہے جس پر مستشرقین، غیر مسلم لوگ اور تجدّد زدہ "مسلمان" اعتراض نہیں کرتے۔ یہ ایمان اور عقیدے کی بات ہے۔ جو بات قرآنِ پاک اور مستند احادیث کی رُو سے ثابت ہو، کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس سے انکار کرے۔ ہم اپنے موقف کے حق میں لاکھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناقابلِ تردید دلائل پیش کریں، نہ ماننے والے انہیں کبھی نہیں مانیں گے۔

ایک نامی پہلوان کو پچھاڑ دیا:

اہلِ ایمان کے دورِ ابتلا میں ایک دفعہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا وہ یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ کو دین کی خاطر مکّہ کے ایک نامی پہلوان سے کشتی لڑنی پڑی۔ یہ پہلوان رُکانہ بن عبد یزید مطلبی تھے۔ رکانہ بڑے شہ زور پہلوان تھے اور سارے عرب میں ان کی شہ زوری کی شہرت تھی۔ ایک دفعہ وہ مکّے کی کسی گھاٹی میں رسولِ اکرم ﷺ کو اکیلے (بکریاں چراتے ہوئے) مل گئے۔ اس زمانے میں وہ اپنے آبائی مذہب (بت پرستی) پر سختی سے قائم تھے۔

آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا، اے رکانہ! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے اور میں جس امر کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہوں تم اس کو قبول نہیں کرتے؟

رُکانہ نے جواب دیا، اے مُحمّد! تم جو کچھ کہتے ہو اگر میں اس کو سچ جانتا اور حق سمجھتا تو ضرور تمہاری پیروی کرتا۔

آپؐ نے فرمایا، اچھا تو اگر میں تمہیں پچھاڑ دوں تو تم میری دعوتِ حق کو قبول کرلو گے؟

انہوں نے کہا، ہاں۔

چنانچہ حضور ﷺ نے رُکانہ سے کشتی لڑی اور انہیں پچھاڑ دیا۔ انہوں نے کہا، دوبارہ لڑو۔ آپؐ نے دوبارہ انہیں چت کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں تین مرتبہ پچھاڑا۔ رُکانہ کو اپنی قوت پر اس قدر ناز تھا کہ وہ اپنی ہار کا تصوّر بھی نہ کرسکتے تھے اب جو اس بُری طرح ہارے تو گمان کیا کہ حضور ﷺ نے انہیں جادو کے زور سے ہرایا ہے (نعوذ باللہ) چنانچہ انہوں نے اپنے ہارنے پر سخت تعجب کا اظہار کیا اور وعدہ کے مطابق اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر وہ بنی عبدِ مناف کے پاس گئے اور ان کو مُخاطب کرکے کہا:

> ”اے بنی عبدِ مناف! تم اپنے ساتھی کا مقابلہ روئے زمین کے ساحروں (جادوگروں) سے کراؤ میں نے تو آج تک اس سے بڑا ساحر (جادوگر) نہیں دیکھا۔“ (نعوذ باللہ)

یہ بیان ابنِ اسحاقؒ کا ہے (سیرۃ ابنِ ہشام) جامع ترمذی اور سننِ ابی داؤد میں بھی یہ واقعہ اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

رُکانہ اس وقت تو قبولِ حق سے محروم رہے لیکن چند سال بعد فتح مکّہ کے موقع پر وہ شرفِ اسلام اور صحابیت سے بہرہ ور ہوگئے یہ رکانہ قریش کی شاخ بنومُطّلِب سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے دادا ہاشم بن مُطّلِب (بن عبدِ مناف بن قُصَیّ) حُضور ﷺ کے دادا جناب عبدالمُطّلِب کے چچازاد بھائی تھے اور ان کی والدہ شفاء بنتِ ہاشم (بن عبدِمناف بن قُصَیّ) جناب عبدالمُطّلِب کی علاّتی بہن تھیں اس طرح جناب عبدالمُطّلِب رُکانہ کے ماموں تھے اور حُضور ﷺ کے والد جناب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ رُکانہ کے ماموں زاد بھائی تھے۔

حضرت رُکانہؓ باختلافِ روایت حضرت عثمانِ غنیؓ کے عہدِ خلافت یا امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت کے اوائل میں فوت ہوئے۔ انہوں نے کچھ احادیث بھی روایت کی ہیں۔

ایک اور پہلوان کو چت کر دیا:

علامہ سہیلیؒ نے "روض الأنف" میں آنحضورﷺ کی مُصارَعت (کُشتی) کا ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ یہ کُشتی آپؐ نے مکّہ کے ایک مشرک پہلوان ابوالاشد کَلَدَہ جُمَحی سے لڑی۔ اس شخص کی قوّتِ جسمانی کی یہ کیفیت تھی کہ وہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس دس آدمی اُس چمڑے کو پکڑ کر کھینچتے تاکہ اس کو وہاں سے ہٹا دیں لیکن چمڑا پھٹ جاتا اور ابوالاشدّ اپنی جگہ سے ہلتا تک نہ تھا۔ آنحضورﷺ نے اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو اس نے کہا، اگر تم مجھے کُشتی میں پچھاڑ دو تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔ حُضورﷺ نے اللہ کے دین کی خاطر اس کا چیلنج قبول کر لیا اور اس کو کُشتی میں کئی بار پچھاڑا مگر اس بدبخت کے مقدر میں قبولِ حق کی سعادت نہیں تھی۔ وہ اپنے وعدے سے پھر گیا اور مسلمان نہ ہوا۔

(روض الأنف)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکّہ کے اہلِ ایمان کے درمیان مواخاۃ

بعثت کے چند سال بعد اور ہجرتِ مدینہ سے چند سال پہلے رسولِ اکرم ﷺ نے مکّہ کے اہلِ ایمان (صحابہؓ) کے درمیان عقدِ مواخاۃ یا بھائی چارا قائم فرمایا۔ وہ اس طرح کہ اپنے کسی ایک صحابی کو اپنے کسی دوسرے صحابی کا دینی بھائی بنا دیا اور ان دونوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ ایک دوسرے کو اپنے خاندان کا رکن تصوّر کریں اور اجتماعی طور پر تمام اہلِ ایمان کو ہدایت فرمائی کہ وہ سب اپنے آپ کو ایک بڑے خاندان کے ارکان سمجھیں جن کو دین کے رشتے نے ایک دوسرے سے وابستہ کر رکھا ہے۔ اس مکّی مؤاخاۃ کا پس منظر یہ تھا:

بعثت کے بعد آنحضور ﷺ نے دعوتِ توحید کا آغاز فرمایا تو مکّہ میں اسلام پھیلنے کے ساتھ عجیب صورتِ حال پیدا ہوگئی۔ جن لوگوں کو قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی وہ اپنے خاندانوں سے کٹ کر رہ گئے۔ وہ اس طرح کہ باپ اپنے آبائی مذہب پر قائم ہے تو بیٹا مسلم ہے۔ بیٹا کافر ہے تو باپ مسلم ہے۔ ایک بھائی کافر ہے تو دوسرا بھائی مسلمان ہے، شوہر مسلمان ہے تو بیوی کافر ہے، بہن مسلمان ہے تو بھائی کافر ہے وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ جو خاندان پورے کے پورے مسلمان ہوگئے، ان میں تو کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا لیکن ایسے خاندان بہت کم تھے۔ البتہ جن خاندانوں کے کچھ افراد مسلمان ہوگئے اور کچھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے، وہ توڑ پھوڑ کا شکار ہوگئے یا یوں کہیے کہ دو حصوں میں منقسم ہوگئے۔ مسلمان ہو جانے والے افراد نہ صرف خاندانی روابط بلکہ اپنے (کافر) عزیزوں کی محبّت اور شفقت سے بھی محروم ہوگئے۔ محبت اور شفقت تو رہی ایک طرف وہ تو مشرک رشتہ داروں کے عتاب اور مظالم کا نشانہ بن گئے۔ ان کے مظالم سے بچنے کے لیے بہت سے مسلمان آنحضور ﷺ کے ایماء پر ۵ھ اور ۶ھ نبوّت میں مکّہ سے ہجرت کرکے حبش چلے گئے۔ جو مسلمان مکّہ ہی میں موجود رہے، وہ معاشرتی خلا سے دوچار ہوگئے تھے۔ اس خلا کو پُر کرنے اور مسلمانوں کو معاشرتی دینی و سیاسی طور پر منظم کرنے کے لیے حضور ﷺ نے مکّی مسلمانوں کے درمیان مؤاخاۃ یعنی بھائی چارا قائم کرا دیا (اس میں قریشی اور غیر قریشی سبھی مسلمان شامل تھے) اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کا احساسِ محرومی دور کیا جائے اور اس کی جگہ ان میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ سب سے بڑا اور اعلیٰ رشتہ دین کا رشتہ ہے۔ اس کے مقابلے میں باقی سب رشتے (خونی، نسلی، قبائلی، وطنی) ہیچ ہیں۔ تاریخ اور سیرت کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مختلف کتابوں میں اس مکّی مؤاخاۃ کی جو تفصیل ملتی ہے وہ اس طرح ہے:

- رسول اکرم ﷺ نے اپنا دینی (مؤاخاتی) بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا۔
- حضرت حمزہؓ ہاشمی کو حضرت زیدؓ بن حارثہ کلبی کا بھائی بنایا۔
- حضرت عثمانِ غنی (اُموی) کو حضرت عبد الرّحمٰنؓ بن عوف زُہری کا بھائی بنایا۔
- حضرت سعید بن زید عدویؓ کو حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔
- حضرت زبیرؓ بن عوّام اَسَدی کو حضرت عبد اللہؓ بن مسعود ہذلی کا بھائی بنایا۔
- حضرت عبیدہؓ بن حارث ہاشمی کو حضرت بلالؓ بن رباح حبشی کا بھائی بنایا۔
- حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح فہری کو حضرت سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہؓ اُموی کا بھائی بنایا۔
- حضرت سعدؓ بن ابی وقاص زُہری کو حضرت مُصعبؓ بن عمیر عبدری کا بھائی بنایا۔
- حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کو حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔

(کتاب المحبر از محمد بن حبیب بغدادیؒ، الدرر فی اختصار المغازی والسیر از ابنِ عبد البرؒ۔ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر از امام ابنِ سید الناس)

جن صحابۂ کرامؓ کی مؤاخاۃ کا ذکر ہم نے کیا ہے، ان کے علاوہ اور بھی صحابہ مکّہ میں موجود تھے، یقیناً ان کے درمیان بھی بھائی چارا ہوا ہوگا لیکن اس کی تفصیل کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ جو تفصیل ہم نے دی ہے اس کا ذکر بھی بہت کم اربابِ سیر نے کیا ہے البتہ ہجرتِ مدینہ کے بعد حضور ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان جو مؤاخاۃ قائم کرائی اس کا ذکر سبھی اربابِ سیر نے تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مکّی مؤاخاۃ کی بھی اپنی جگہ کچھ کم اہمیّت نہیں اور تاریخ وسیرت کی تمام کتابوں میں اس کو ضرور جگہ ملنی چاہیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عامُ الحُزن (غم کا سال)

۱۰ بعد بعثت کے آغاز میں شِعبِ ابی طالب کی اذیّت ناک محصوری کا خاتمہ ہوگیا اور اس سے حضور ﷺ کو قدرے اطمینان نصیب ہوا لیکن جلد ہی یہ اطمینان شدید رنج وغم میں تبدیل ہوگیا کیونکہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپؐ کے زبردست حامی و ناصر چچا ابو طالب اور آپؐ کی انتہائی غمگسار اور مددگار اہلیہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تھوڑے سے وقفہ کے ساتھ آگے پیچھے وفات پائی۔ ان دونوں کی رحلت سے حضور ﷺ کو سخت صدمہ پہنچا۔ اس صدمے کی شدت میں اور اضافہ ہوگیا جب مشرکین نے یہ دیکھ کر کہ اب آپؐ کا کوئی پشتیبان نہیں رہا، آپؐ کو سخت اذیّتیں پہنچانی شروع کر دیں۔ ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں انہیں اس قسم کی اذیّتیں پہنچانے کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی تھی۔

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ آنحضور ﷺ اس سال کو عامُ الحُزن (غم کا سال) سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔

جنابِ ابوطالب کی وفات:

جنابِ ابوطالب کے سالِ وفات پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن وفات کے مہینے کے بارے میں مؤرّخین میں اختلاف ہے۔ مختلف روایتوں کے پیشِ نظر یہی کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے رجب، شعبان، رمضان، شوّال اور ذیقعدہ (۱۰ بعدِ بعثت) میں سے کسی ایک مہینے میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ وفات سے پہلے انہوں نے اپنی اولاد کو وصیّت کی کہ جب تک تم مُحمّد (ﷺ) کی بات سنتے رہو گے اور اس کے مطابق عمل کرتے رہو گے ہمیشہ بخیر رہو گے۔ اسی طرح ان کے آخری وقت میں قریش کے جو سردار اُن سے ملنے کے لیے آئے، ان کے سامنے حضور ﷺ کی خوبیاں بیان کر کے ان کو وصیت کی کہ مُحمّد (ﷺ) کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔ [۱] (طبقات ابنِ سعد۔ مواہب اللدّنیہ قسطلانی وشرح کتاب ہٰذا زرقانی)

---

[۱] سیرت کی بعض کتابوں میں اس بات پر لمبی چوڑی بحث کی گئی ہے کہ ابوطالب نے وفات سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا یا نہیں۔ ہماری رائے میں اس قسم کی بحثوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ اپنی تحقیق کے مطابق کوئی بھی رائے قائم کرسکتا ہے ابوطالب اپنے دین اور اعمال کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہیں کوئی دوسرا نہیں۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات:

جناب ابوطالب کی تاریخِ وفات کی طرح اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی تاریخِ وفات کے بارے میں بھی مورّخین میں سخت اختلاف ہے واقدی کا بیان ہے کہ انہوں نے جناب ابوطالب کی وفات سے ۳۵ دن پہلے وفات پائی لیکن جمہور مورّخین کے نزدیک وہ

(پچھلے صفحے کا بقیہ)

مسلمانوں کا ایک طبقہ اس بات کا قائل ہے کہ آنحضور ﷺ کے آباؤ اجداد میں عدنان، معد، ربیعہ، مضر، الیاس، خذیمہ، نضر.....کعب، قُصَیّ، عبدِ مناف، ہاشم، عبدالمطّلب سب مُوَحِد اور دینِ ابراہیمی کے پیرو تھے۔ ایک روایت کے مطابق ابو طالب نے دمِ واپسیں آنحضور ﷺ کی تلقینِ کلمۂ توحید کے جواب میں یہ الفاظ کہے کہ میں عبدالمطّلب کے دین پر ہوں۔ اسی روایت کی بناء پر جناب عبدالمطّلب کو مُوَحِد اور دینِ ابراہیمی کا پیرو سمجھنے والا طبقہ ابوطالب کے ایمان کا بھی قائل ہے۔ (سیرۃ کبریٰ جلد دوم بحوالہ مسالک الحنفاء للسیوطیؒ وبلوغ الارب فی احوال العرب از علامہ محمود شکری بغدادی)

ایمانِ ابی طالب کے قائل حضرات اپنے مسلک کے حق میں امام ابنِ اسحاقؒ کی اس روایت کا حوالہ بھی دیتے ہیں کہ دم نکلنے سے پہلے ابوطالب نے کلمۂ توحید پڑھ لیا تھا اور حضور ﷺ کے دوسرے چچا حضرت عباسؓ نے اس کی شہادت دی تھی۔ (حالانکہ وہ خود اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) (سیرۃ ابنِ ہشام)

جو اصحاب ایمانِ ابی طالب کے قائل نہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آخری وقت تک اپنے آبائی دین پر قائم رہے، وہ ایمانِ عبدالمطّلب کے بھی قائل نہیں۔ ان کے مسلک اور موقف کی بنیاد حضرت مسیّب رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے۔

''ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اُس وقت اُن کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہّ بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوطالب کو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه پڑھنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ اس کلمہ کی بنیاد پر میں اللہ کے ہاں آپ کے لیے حجت پیش کرسکوں گا۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہّ بولے، اے ابوطالب! دنیا سے رخصت ہوتے وقت عبدالمطّلب کی مِلّت سے رخ موڑ لوگے؟ پھر یہ دونوں برابر انہیں روکتے رہے اور رسول اللہ ﷺ ان پر کلمہ پیش کرتے رہے یہاں تک کہ آخری بات جو ابوطالب نے کہی، یہ تھی کہ میں عبدالمطّلب کے دین پر ہوں۔''

صحیح مسلم کی روایت میں اس فقرے کا بھی اضافہ ہے جو ابوطالب نے آخری وقت میں کہا، ''اگر مجھے قریش کے اس طعنے کا ڈر نہ ہوتا کہ موت کے خوف سے کلمہ پڑھ لیا تو میں ضرور تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا''۔
(صحیح مسلم کتاب الایمان باب اوّل)

صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کی شفاعت پر ابوطالب کے عذاب میں بہت تخفیف ہو جائے گی۔
مذکورہ بالا اختلاف سے قطع نظر مسلمانوں کے سبھی مکاتبِ فکر اس بناء پر جناب ابوطالب کا احترام کرتے ہیں کہ وہ شروع سے اخیر تک رسولِ اکرم ﷺ کی حمایت میں سینہ سپر رہے اور حضور ﷺ نے خود ان کے احسانات کا اعتراف فرمایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوطالب کی وفات کے بعد فوت ہوئیں۔ کتنے عرصہ بعد؟ اس کے بارے میں ایک قول ہے تین دن کے بعد، دوسرا قول ہے پانچ دن کے بعد، تیسرا قول ہے ایک ماہ پانچ دن کے بعد اور چوتھا قول ہے دو ماہ کے بعد۔ (ابنِ ہشامؒ، بیہقیؒ، ابنِ عبدالبرؒ، ابنِ قتیبہؒ، ابنِ جوزی)

بعض مؤرّخین نے اُمُّ المؤمنینؓ کی تاریخ وفات تخصیص کے ساتھ ۱۰ رمضان ۱۰ھ بعدِ بعثت لکھی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (بلاذریؒ۔ قسطلانیؒ)

بیشتر مؤرّخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہؓ اور جناب ابوطالب دونوں نے ہجرتِ نبویؐ سے تین سال پہلے وفات پائی۔

حضرت سَودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح:

اُمُّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے جلد ہی بعد رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت سَودہ بنتِ زَمعہ سے نکاح کر لیا۔ وہ قریش کے خاندان بنی عامر بن لُوَیّ کی ایک معمر بیوہ خاتون تھیں۔ وہ خود بھی قدیم الاسلام تھیں اور ان کا پہلا نکاح بھی ایک قدیم الاسلام صحابی حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ ۶ھ بعدِ بعثت میں دونوں میاں بیوی مکّہ سے ہجرت کر کے حَبَش چلے گئے تھے۔ تین چار سال کے بعد حضرت سکرانؓ کا حبش ہی میں یا حبش سے مکّہ واپس آ کر انتقال ہو گیا اور حضرت سودہؓ بیوہ ہو گئیں۔ آنحضور ﷺ سے ان کے نکاح کا پس منظر یہ تھا کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت گھر میں صرف دو کم سِن صاحبزادیاں حضرت اُمِ کلثومؓ اور حضرت فاطمہ زہراؓ رہ گئی تھیں اور ان کی خبر گیری کے لیے کسی سمجھ دار خاتون کی سخت ضرورت تھی۔ ان بچیوں کو بے سہارا دیکھ کر حضور ﷺ کی طبیعت بہت افسردہ رہنے لگی تھی۔ جلیل القدر صحابی حضرت عثمان بنِ مظعون رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت خولہ بنتِ حکیم رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ سے بے پناہ عقیدت تھی ان سے آپؐ کی افسردگی دیکھی نہ گئی اور انہوں نے ایک دن بارگاہِ نبوی میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! خدیجہؓ کی وفات کے بعد میں ہمیشہ آپ کو ملول دیکھتی ہوں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا، "ہاں، گھر کا انتظام اور بچّوں کی تربیت خدیجہؓ ہی کے سپرد تھی۔"

خولہؓ نے عرض کیا: "تو پھر آپ کو ایک رفیق و غمگسار کی ضرورت ہے۔ اگر اجازت ہو تو آپؐ کے نکاحِ ثانی کے لیے سلسلہ جنبانی کروں۔"

حضور ﷺ نے اسے منظور فرمالیا۔ حضرت خولہؓ اب حضرت سَودہؓ کے پاس تشریف لے گئیں اور ان سے رسولِ کریم ﷺ کی خواہش بیان کی۔ حضرت سودہؓ نے بخوشی حرمِ نبوی بننے پر اظہارِ رضا مندی کیا۔ ان کے والد زَمعہ نے بھی حضور ﷺ کا پیغام قبول کر لیا اور اپنی لختِ جگر کا نکاح رسولِ اکرم ﷺ سے چار سو درہم پر خود پڑھا دیا۔ (سِیَرُ الصّحابیات)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض روایات کے مطابق یہ نکاح شوّال ۱۰ھ بعدِ بعثت میں ہوا اور بعض کے مطابق رمضان ۱۰ھ بعدِ بعثت میں۔

حبشہ سے مہاجرین کی واپسی:

۶ھ بعدِ بعثت کی دوسری ہجرتِ حبشہ میں بڑے قافلے کے بعد بھی اِکاد ُکا مظلوم مسلمان مکّہ سے ہجرت کر کے حبشہ جاتے رہے۔ ان مہاجرین کی ایک بڑی جماعت تو ۶ھ ہجری کے اواخر تک حبشہ ہی میں مقیم رہی اور غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ ہجری) کے موقع پر حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ واپس آئی البتہ پینتیس چالیس مہاجرین حضور ﷺ کی ہجرت اِلی المدینہ سے پہلے مختلف اوقات میں مکّہ واپس آ گئے۔ ان میں حضرت عثمانِ غنیؓ اور ان کی اہلیہ حضرت رقیہؓ بنتِ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوسلمہؓ اور ان کی اہلیہ حضرت اُمِ سلمہؓ (ان کو بعد میں اُمّ المومنین بننے کا شَرَف حاصل ہوا) حضرت سودہؓ بنتِ زَمعہ (ان کو بھی بعد میں اُمّ المومنین بننے کا شَرَف حاصل ہوا) حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح، حضرت زبیرؓ بن العوّام، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت عبداللہؓ بن جحش، حضرت مصعبؓ بن عُمیر، حضرت عبداللہؓ بن مسعود حضرت ابوحُذیفہؓ بن عُتبہ اور ان کی اہلیہ حضرت سہلہؓ بنتِ سہیل بن عمرو، حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت مِقدادؓ بن عمرو، حضرت عتبہؓ بن غزوان، حضرت ابوسبرہؓ بن ابی رُہم اور ان کی اہلیہ حضرت اُمِ کلثوم بنتِ سہیل بن عمرو جیسے جلیل القدر صحابہ وصحابیاتؓ شامل تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طائف کا پُر صُعُوبت سفر

بہت سے اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ جناب ابو طالب اور اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ عنہا کی زندگی میں مشرکینِ قریش کو رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر کھلم کھلاّ ہاتھ اٹھانے کی کبھی جراَت نہ ہوئی۔ اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہ ہوگا کہ آنحضور ﷺ اس زمانے میں مشرکین کی ایذارسانیوں سے بالکل محفوظ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرکین نے حُضور ﷺ کو طرح طرح سے ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی البتہ ان کا عناد اس حد تک نہ پہنچا کہ وہ حضور ﷺ کی جانِ پاک لینے پر تُل جائیں۔ اگرچہ ایک دو مرتبہ انہوں نے اس طرح سوچا بھی لیکن جلد ہی ان کو حضرت خدیجہؓ اور جناب ابوطالب کے اثر ورسوخ اور بنو ہاشم، بنومُطّلب اور بنواسد (حضرت خدیجہؓ کے خاندان) کے ممکنہ ردِ عمل کا خیال کر کے تنبّہُ ہوگیا اور ان کو ایسا قدم اٹھانے کی ہمت نہ پڑی۔ مگر جونہی ان دونوں بزرگ ہستیوں نے اس دنیائے فانی سے رخت سفر باندھا، مشرکین حضور ﷺ کو اذیتیں پہنچانے پر بہت جری ہوگئے، اور آپؐ کو ستانے کے لیے کسی اوچھی سے اوچھی اور ذلیل سے ذلیل حرکت سے بھی دریغ نہ کیا۔ آپؐ کے فرقِ اقدس پر مٹی پھینکنے، سجدے کی حالت میں آپؐ کے دوشِ مبارک (یا پشتِ مبارک) پر اونٹنی کا اوجھ رکھنے، آپؐ کو غلیظ گالیاں دینے اور اسی قبیل کی اور بے ہودگیوں کے واقعات اسی زمانے کے ہیں۔ قریش کی شدید مخالفت، شرارتوں اور ایذارسانیوں کے باوجود ہادیٔ برحق ﷺ نے دعوت اِلی اللہ کا کام بدستور جاری رکھا لیکن جب آپؐ نے دیکھا کہ ان لوگوں کی ضد اور شقاوت انتہا کو پہنچ چکی ہے تو آپؐ نے یہی مناسب سمجھا کہ کچھ عرصہ کے لیے ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور طائف جا کر وہاں کے صاحبِ اثر اشراف ورؤسا کو حق کی دعوت دی جائے۔ طائف مکّہ کے بعد حجاز کا سب سے اہم شہر تھا۔ اس شہر کی اہمیّت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ یہ صدیوں سے مکّہ معظّمہ کا توأم شہر رہا ہے۔ خود قرآنِ حکیم میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ سورۃ الزُخرف میں ارشاد ہوا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ. (آیت: ۳۱)

''اور کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن ان دو بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اترا۔''

مفسّرین کے نزدیک ''قَرْیَتَیْن'' سے مراد مکّہ معظّمہ اور طائف ہی کے شہر ہیں۔ طائف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکہ معظمہ سے جنوب مشرق کی جانب تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر سلسلۂ کوہِ سراۃ کی سطح مرتفع میں واقع ہے۔ [1] اس کو "وج" سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ شہر اپنی سرسبزی، شادابی، پانی کی فراوانی اور خوشگوار آب وہوا کی بدولت حجاز کی جنّت کہلاتا ہے۔ یہاں سرسبز پہاڑوں کے دامن میں انگور، انجیر، بہی اور انار وغیرہ کے حدِ نظر تک پھیلے ہوئے باغات عجیب روح پرور منظر پیش کرتے ہیں۔

سمندر کی سطح سے طائف کی بلندی تقریباً پانچ ہزار فٹ ہے اور یہاں کا موسمِ سرما خاصا شدید ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات درجۂ حرارت نقطۂ انجماد تک پہنچ جاتا ہے۔ البتہ گرمی کا موسم نہایت خوشگوار ہوتا ہے اور مکّہ کے ذی حیثیت لوگ گرمیاں گزارنے یہاں آجاتے ہیں۔

طائف بہت قدیم تاریخی شہر ہے۔ بعثتِ نبوی سے کوئی تین سو سال پہلے اس شہر پر بنوثقیف کا تسلّط ہوگیا تھا (کہا جاتا ہے کہ یہ قبیلہ مشہور عدنانی النسل قبیلے بنوہوازن کا ایک بطن ہے) آج بھی یہاں ثقفی قبیلہ کے لوگ کثرت سے آباد ہیں۔ اسلام کا دامن تھامنے سے پہلے اہلِ طائف بت پرستی اور شرک کے علاوہ دوسرے اخلاقی رذائل میں بھی بری طرح مبتلا تھے۔ شراب خواری، سودخواری اور زنا جیسے عیوب انکی گھٹی میں پڑے تھے اور کثرتِ ازدواج کی یہ کیفیت تھی کہ ایک ایک آدمی نے دس دس عورتیں گھر میں ڈال رکھی تھیں۔ ان لوگوں کے اہلِ مکّہ سے نہ صرف تجارتی تعلّقات تھے بلکہ رشتہ داریوں کے بندھن بھی تھے اہلِ طائف کا ایک بڑا بت بھی تھا جس کا نام لات تھا اس کا انہوں نے شاندار معبد بنا رکھا تھا۔

شوّال سنہ ۱۰ بعدِ بعثت کے آخر میں رسول اکرم ﷺ مکّہ سے طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ امام ابنِ اسحاقؒ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ تنہا تشریف لے گئے تھے لیکن ابنِ سعدؒ، ابنِ قتیبہؒ، بلاذریؒ اور بعض دوسرے اہلِ سیَر نے لکھا ہے کہ سفرِ طائف میں محبوبِ رسول حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ مکّہ سے طائف تک حضور ﷺ نے تمام سفر پیادہ پا طے کیا۔ حضور ﷺ کے ورودِ طائف کے وقت بنوثقیف کی زمامِ قیادت عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی کے تین بیٹوں عبدِ یالیل، مسعود اور حبیب کے ہاتھوں میں تھی۔ سرسبز باغات اور زرخیز زمینوں کی کثیر آمدنی نے ان تینوں بھائیوں کا دماغ آسمان پر چڑھا رکھا تھا اور وہ کسی دوسرے کو خاطر ہی میں نہ لاتے تھے۔ حضور ﷺ ان تینوں سے ملے، توحید کی دعوت دی اور اپنی آمد کی غرض بیان کی لیکن یہ تینوں دعوتِ حق پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بجائے برہم ہوگئے اور سخت

---

[1] مکّہ معظمہ سے طائف کا اصل فاصلہ ۴۰۔۴۵ میل ہے لیکن کوئی سیدھا راستہ دونوں شہروں کے درمیان نہیں ہے بلکہ دو تین پیچ دار راستے پہاڑوں میں سے گزر کر طائف پہنچتے ہیں ان راستوں کی طوالت یکساں نہیں ہے۔ آنحضور ﷺ جس راستے سے طائف تشریف لے گئے تھے وہ بڑا دشوار گزار تھا اور اسے طے کرنے کے لیے آپؐ کو کم وبیش پچاس میل کا پاپیادہ سفر کرنا پڑا تھا۔ اب اس راستے کو معمولی تبدیلیوں کے ساتھ پختہ سڑک میں تبدیل کیا جاچکا ہے۔ پہاڑوں پر سے گزرنے والی اس پیچدار سڑک کی لمبائی ۵۵ میل یا ۸۹ کلومیٹر ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بداخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

عبدِ یالیل نے تنک کر کہا "اگر خدا نے تمہیں رسول بنایا ہے تو گویا اس نے کعبہ کا غلاف پُرزے پُرزے کر ڈالا ہے۔" (یا بروایتِ دیگر "تو میں کعبے کے پردے نوچ ڈالوں گا۔") مطلب یہ کہ جس طرح کعبے کے غلاف یا پردے کو پھاڑنا ناممکن ہے اسی طرح تمہارا پیغمبر ہونا ناممکن ہے۔

دوسرے بھائی مسعود نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "کیا خدا کو تمہارے سوا اور کوئی نہ ملتا تھا کہ اسے رسول بناتا۔ تمہارے پاس تو چڑھنے کے لیے سواری تک نہیں۔"

تیسرا بھائی حبیب منطقیانہ انداز میں یوں گویا ہوا۔ "میں تم سے مُطلق کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ اگر تم واقعی خدا کے سچّے رسول ہو تو تمہاری بات کو جھٹلانا سخت خطرناک اور خلافِ ادب ہے اور اگر تم جھوٹے ہو تو ایک دروغگو سے بات کرنا میری شان کے خلاف ہے۔"

حُضور ﷺ نے اُن کے مایوس کُن جواب سُن کر فرمایا کہ خیر میرے ساتھ جو سلوک تم نے کیا سو کیا اب کم از کم اتنا تو کرو کہ جو باتیں ہمارے درمیان ہوئیں اُن کو اپنے تک رہی رکھو۔

حضور ﷺ کی یہ خواہش اس خیال کے پیشِ نظر تھی کہ اگر قریشِ مکہ کو ان باتوں کا علم ہو گیا تو وہ اہلِ حق پر ظلم ڈھانے میں اور دلیر ہو جائیں گے لیکن بنو ثقیف کے ان تینوں سرداروں نے حضور ﷺ کی اس خواہش کا جواب خندۂ استہزا سے دیا اور عربوں کی روایتی مہمان نوازی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے غلاموں، شہر کے لفنگوں، شُہدوں اور شریر لونڈوں کو اشارہ کر دیا کہ وہ انسانیت کے محسنِ اعظمؐ کو خوب ستائیں یہاں تک کہ آپؐ طائف سے نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔ ان بدبختوں کو ضیافتِ طبع کا ایک سامان ہاتھ آ گیا۔ حضور ﷺ ان کو نیکی اور بھلائی کی طرف بلاتے اور وہ اس کے جواب میں آپ کو گندی گالیاں دیتے، مذاق اڑاتے، تالیاں بجاتے اور پتھر مارتے تھے۔ آپؐ جدھر کا رُخ کرتے، یہ شیطان آپؐ کا تعاقب کرتے۔ انہوں نے شقاوت، خباثت اور غنڈہ پن کی انتہا کر دی اور مسلسل دس دن تک وہ طوفانِ بدتمیزی بپا کیے رکھا کہ زمین و آسمان تھرّا اٹھے۔ حِبُّ النبیؐ حضرت زیدؓ بن حارثہ حضور ﷺ کے دائیں بائیں آگے پیچھے دوڑتے پھرتے اور بدمعاشوں کے پتھروں کو اپنے ہاتھوں اور جسم پر روکتے تھے لیکن جب ہر طرف سے پتھروں کی بوچھاڑ ہو رہی ہو تو حضور ﷺ کا جسدِ اقدس ضرر سے کیسے محفوظ رہ سکتا تھا۔ آپؐ لہولہان ہو جاتے تھے اور ٹخنوں، پنڈلیوں اور گھٹنوں سے خون کے دھارے بہ نکلتے تھے۔ ایک دن شریروں نے اتنے پتھر برسائے کہ حضرت زیدؓ بھی زخموں سے چُور چُور ہو گئے (بقول ابنِ سعدؒ ان کا سر پھٹ گیا) اور رحمتِ عالم ﷺ بھی مجروح و نزار ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اس وقت جسمِ پاک کے ہر حصے سے خون رِس رہا تھا۔ کمینہ صفت طائفیوں نے اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ بغلوں میں ہاتھ دے کر حضور ﷺ کو کھڑا کر دیا اور پھر پتھر برسانے شروع کر دیئے آخر رحمتِ عالم ﷺ اپنے جاں نثار ساتھی کے ہمراہ زخموں سے چُور اور خون میں غلطیدہ طائف سے نکلے اور کچھ دور جا کر ایک باغ کے اندر انگور کی ٹٹیوں میں پناہ لی۔ طائفی شیاطین بھی اب تھک ہار کر واپس چلے گئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باغ میں ذرا اطمینان کی سانس لینی نصیب ہوئی تو حضرت زیدؓ نے اپنی چادر سے حضور ﷺ کے جسمِ اطہر سے خون صاف کیا۔ جوتوں میں خون اس طرح جم گیا تھا کہ حضور ﷺ بمشکل اپنے پاؤں باہر نکال سکے۔ قریب ہی پانی موجود تھا۔ حضور ﷺ لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے، وضو کیا اور بارگاہِ ربّ العزّت میں وہ پُرسوز دعا کی جو تاریخ میں ''دعائے طائف'' کے نام سے مشہور ہے۔ طبریؒ، ابنِ ہشامؒ، ابنِ قیمؒ اور حافظ ابنِ کثیرؒ نے معمولی لفظی تغیّر کے ساتھ غربت اور مظلومیت کی فضا میں کی گئی اس دعا کے جو الفاظ نقل کیے ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے:

> ''الٰہی میں اپنے ضعف، بے سروسامانی اور لوگوں کے ہاتھوں اپنی تحقیر کی فریاد تجھ ہی سے کرتا ہوں۔ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ، ناتوانوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا ربّ بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے کیا بیگانہ ترش رُو کے یا اس دشمن کے جو میرے نیک وبد کا مالک ہوگا۔ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دین و دنیا کے کام اس سے درست ہو جاتے ہیں۔ تجھ سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو یا تیری ناراضامندی مجھ پر اترے۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی مطلوب ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔''

جس باغ میں رحمتِ عالم ﷺ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ نے پناہ لی تھی اس کے مالک مکّہ کے رئیس عُتبہ و شیبہ فرزندانِ ربیعہ بن عبدِ شمس بن عبدِ مناف بن قصیّ تھے۔ وہ اتفاق سے اپنے غلام عدّاس کے ہمراہ طائف آئے ہوئے تھے اور اس وقت باغ میں موجود تھے انہوں نے دور سے ان زخمی اور خستہ حال مسافروں کو غور سے دیکھا تو فوراً پہچان گئے کیونکہ حضور ﷺ ان کے ہموطن بھی تھے اور قرشی و مکّی بھی۔ اسی طرح حضرت زیدؓ بن حارثہ بھی سالہا سال سے مکّہ میں مقیم تھے اور لوگ ان کو حضور ﷺ کے منہ بولے بیٹے کی حیثیت سے جانتے تھے شاید ان کے جذبۂ قرابت میں حرکت پیدا ہوئی یا عربوں کے روایتی جذبۂ مہمان نوازی میں کہ انہوں نے اپنے نصرانی غلام عدّاس کو حُکم دیا کہ جاؤ انگوروں کا ایک خوشہ طباق میں رکھ کر ان مسافروں کو دے آؤ۔ انہوں نے جلدی جلدی کچھ پکے ہوئے انگور چُنے اور ایک طباق میں رکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ حضور نے ''بسم اللہ'' (بروایتِ دیگر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم) کہہ کر انگوروں کی طرف دستِ مبارک بڑھایا تو عداس حیران رہ گئے انہوں نے کہا۔

> ''خدا کی قسم اس سرزمین کے باشندوں سے تو میں نے کبھی ایسا کلمہ نہیں سنا۔''

حضور ﷺ نے پوچھا: ''بھائی تمہارا آبائی وطن کونسا ہے اور تم کس دین کے پیرو ہو؟''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عداس نے جواب دیا: "میں ارضِ نینوا کا رہنے والا ہوں اور دینِ مسیحی کا پیرو ہوں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "اچھا تو تم مردِ صالح یونسؑ بن متّی کے ہم وطن ہو"

فرطِ تحیّر سے عداس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں بے اختیار ہو کر پوچھا: "یونسؑ بن متّی، یونسؑ بن متّی کو آپ کیسے جانتے ہیں؟"

حضور ﷺ نے فرمایا: "یونسؑ میرے بھائی ہیں وہ بھی خدا کے نبی تھے اور میں بھی خدا کا نبی ہوں۔"

عداس کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سلیم عطا کی تھی اور پھر وہ توریت و انجیل پر بھی عبور رکھتے تھے۔ لسانِ رسالت سے اعلانِ نبوت سن کر ان کو یقین ہو گیا کہ مقدس مسافر فی الحقیقت نویدِ مسیحا اور یوحنا کا "وہ نبی" ہے۔ اسی وقت سرورِ عالم ﷺ کے قدموں پر گر پڑے۔ اشک ہائے عقیدت سے انہیں تر کیا اور پھر والہانہ آپؐ کے سرِ اقدس اور ہاتھوں کو چومتے ہوئے عرض پیرا ہوئے

اَشْهَدُ اَنَّکَ عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلَهٗ

"میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں"

عتبہ اور شیبہ دور سے عداسؓ کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے۔ جب وہ ان کے پاس لوٹ کر گئے تو انہوں نے کہا۔ "تجھے کیا ہو گیا تھا کہ تو اُس مسافر کے ہاتھ پاؤں اور سر چومنے لگا تھا؟"

عداسؓ نے جواب دیا: "صاحبو! یہ مسافر ایک عالی مرتبہ ہستی ہے۔ آج روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی انسان نہیں ہے۔ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جو ایک نبی کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔"

دونوں بھائیوں نے عداسؓ کو ڈانٹ پلائی کہ خبردار اپنا دین ترک نہ کرنا، تیرا دین اس مسافر کے دین سے بہتر ہے۔ لیکن عتبہ و شیبہ کی یہ ڈانٹ بالکل بیکار تھی۔ عداسؓ شرفِ ایمان سے سرفراز ہو چکے تھے، اب ان کا جسم تو عتبہ و شیبہ کا غلام تھا لیکن روح بادۂ توحید سے سرشار ہو کر مکّہ کے دُرِ یتیم ﷺ کی غلامی قبول کر چکی تھی۔

طائف سے واپسی:

باغ میں کچھ دیر ستانے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ طائف سے چل پڑے۔ طائف میں حضور ﷺ کے عرصۂ قیام کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ابن قُتیبہؒ اور حافظ سخاویؒ نے طائف میں حضور ﷺ کے قیام کی مدت ایک ماہ بتائی ہے جبکہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ وہاں آپ دس دن ٹھہرے۔ (سیرت سرورِ عالمؐ ج۲ ص ۶۳۳)

طائف سے چلتے وقت حضور ﷺ سخت اندوہ گین تھے۔ صحیحین میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یارسول اللہ! کیا آپ پر کوئی ایسا دن بھی آیا ہے جو یومِ (معرکۂ) اُحد سے بھی زیادہ سخت ہو؟''

حُضور ﷺ نے جواب میں جو کچھ طائف میں آپ کو پیش آیا تھا اس کا ذکر کیا اور آخر میں فرمایا کہ میں غم والم سے نڈھال باغ سے نکل کر اپنے رُخ پر (کسی منزل کا تعیّن کیے بغیر) چل پڑا۔ ابھی میں اس حالت سے پوری طرح سنبھلا نہیں تھا کہ چلتے چلتے میں نے اپنے آپ کو قَرْنُ الثَّعَالِب کے مقام پر پایا۔ (اس جگہ کو قرن المنازل بھی کہا جاتا ہے مکّہ سے اس کا فاصلہ ۴۵ کلومیٹر ہے) وہاں میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل کے ایک ٹکڑے نے مجھ پر سایہ کر لیا ہے اور اس میں جبریلؑ ہیں۔ انہوں نے پکار کر مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ سُن لیا ہے جو آپ کی قوم نے آپ سے کہا اور اس سلوک کو بھی دیکھ لیا جو دعوتِ توحید کے جواب میں آپ سے روا رکھا گیا، یہ پہاڑوں کا فرشتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ جو چاہیں اسے حکم دیں۔ اتنے میں فرشتۂ جبال نے پکار کر مجھے سلام کیا اور کہا، ''اے محمد ﷺ! مجھے آپ کے رَبّ نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ کے ہر ارشاد کی تعمیل کروں، اگر آپ کی مرضی مبارک ہو تو اس وادی کے دوطرفہ پہاڑوں کو باہم ملا کر اُن پر ڈھانک دوں'' (یعنی دونوں کو ایک ساتھ ملا کر یہاں کی آبادی کو تہس نہس کر دوں۔)

میں نے جواب دیا، نہیں میں ایسا نہیں چاہتا بلکہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ [1]

اس واقعہ کے بعد حضور ﷺ کا دل مطمئن ہو گیا غم اور ملال کے بادل چھٹ گئے اور آپؐ نے مکّہ واپس جانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکہ وصحیح مسلم کتاب الجہاد مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین۔ اس سلسلے میں صحیح بخاری کی روایت میں دوطرفہ پہاڑوں کے لیے لفظ اخشبین استعمال ہوا ہے جو مکّہ کے دوطرفہ پہاڑوں جَبَلِ ابو قُبَیس اور جَبَلِ قُعَیقِعَان پر بولا جاتا ہے بعض اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ قریشِ مکّہ پر پہاڑوں کو ڈھانک دینے کے لیے فرشتۂ جبال نے اس لیے اجازت طلب کی کہ طائف میں جو اذیّت آپ کو پہنچی وہ مشرکینِ قریش کے رویّہ ہی کی وجہ سے پہنچی اگر وہ اپنے ظلم وجور میں حد سے نہ بڑھ جاتے تو آپؐ کو طائف جانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

کچھ اہلِ سِیَر نے یہ قیاس آرائی بھی کی ہے کہ فرشتۂ جبال نے حضور ﷺ سے اہلِ طائف کو تباہ کرنے کی اجازت طلب کی تھی کیونکہ وہ سب آپؐ سے بدسلوکی کرنے کے مجرم تھے جبکہ مکّہ میں مسلمانوں کی خاصی تعداد بھی موجود تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وادیٔ نخلہ میں قیام:

قرن الثعالب سے چل کر حضور ﷺ نے وادیٔ نخلہ میں چند دن قیام فرمایا۔ اس وادی میں صرف دو ہی مقام قیام کے لائق تھے ایک کا نام الزَّیْمَہ تھا اور دوسرے کا السَّیْلُ الکبیر۔ انہی دو جگہوں پر پانی اور شادابی موجود ہے ان میں سے کسی ایک جگہ حضور ﷺ نے قیام فرمایا (اہلِ سِیَر نے اس کی تصریح نہیں کی) اثنائے قیام میں ایک دن حضور ﷺ فجر، عشاء یا تہجد کی نماز میں قرآنِ پاک (ایک روایت کے مطابق سورۂ رحمٰن کی) تلاوت فرما رہے تھے۔ کہ جنوں کی ایک جماعت کا ادھر سے گزر ہوا یہ جنات آپؐ کی قراءت سننے کے لیے ٹھہر گئے۔ بیشتر اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ اس موقع پر جن حضور ﷺ کے سامنے نہیں آئے اور نہ آپؐ نے اُن کی آمد کو محسوس فرمایا بلکہ کچھ عرصہ بعد جب سورۃ الاحقاف نازل ہوئی تو اس کی اِن آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان جنوں کے آنے اور قرآن سننے کی خبر دی۔ (سیرت سرورِ عالم ج۲ ص ۶۳۷)

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ (۲۹) قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۳۰) يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (الاحقاف ۲۹ تا ۳۱)

ترجمہ: "(اور وہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے) جب ہم جنوں کے ایک گروہ کو آپ کی طرف لائے تھے تاکہ قرآن سنیں جب وہ اس جگہ پہنچے (جہاں آپ قرآن پڑھ رہے تھے) تو انہوں نے آپس میں کہا، خاموش ہو جاؤ۔ پھر جب وہ پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کی طرف عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے بن کر پلٹے۔ انہوں نے جا کر کہا، اے ہماری قوم کے لوگو! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی، رہنمائی کرتی ہے حق اور راہِ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرلو اور اس پر ایمان لے آؤ، اللہ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچائے گا۔"

ایک روایت میں ہے کہ سورۂ رحمٰن کی تلاوت کرتے ہوئے حضور ﷺ آیت فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے) پڑھتے تو جن جواب میں کہتے:

لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ۔

"اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کو بھی نہیں جھٹلاتے پس تعریف تیرے ہی لیے ہے۔" (سیرتِ سرورِ عالم ج۲ ص ۶۳۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور روایت میں ہے کہ یہ جنّ دیارِ بکر کے مقام نصیبین کے رہنے والے تھے اور اُن کی تعداد سات تھی۔ وہ قرآن سن کر رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور واپس جا کر انہوں نے اپنی قوم میں اسلام پھیلایا۔ (اصح السیر ص ۵۷)

مکّہ میں داخلہ:

نخلہ سے رسولِ اکرم ﷺ نے مکّہ واپس جانے کا قصد فرمایا تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! آپ مکّہ میں کیسے داخل ہوں گے جبکہ مشرکینِ قریش آپ کو نکال چکے ہیں؟''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''اے زید! جو حالت (دَورِ ابتلا) تم دیکھ رہے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے نکلنے کی کوئی راہ ضرور پیدا کرے گا۔ وہ اپنے دین کا حامی و ناصر ہے اور اپنے نبی کو غالب فرمائے گا۔''

پھر آپ نخلہ سے چل کر کوہِ حرا کے دامن میں ٹھہر گئے اور وہاں سے ایک قابلِ اعتماد شخص (بقول ابنِ اسحاق ...... عبداللہ بن اُرَیقِط) کے ذریعے اَخنَس بن شریق کو پیغام بھیجا کہ وہ آپ کو اپنی پناہ اور حمایت میں لے لے لیکن اس نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ میں بنوزُہرہ کا حلیف ہوں اور حلیف قریش کے اصل قبیلوں کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے سکتا۔

پھر آپؐ نے سہیل بن عمرو کے پاس ایسا ہی پیغام بھیجا۔ سہیل ابھی ایمان نہیں لائے تھے، انہوں نے بھی ہامی نہ بھری۔ اسکے بعد آپؐ نے مُطعِم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا۔ یہ شخص بنوعبدِ مناف کی شاخ بنی نوفل میں سے تھا اور مشرک ہونے کے باوجود برا رحم دل، بہادر اور شریف آدمی تھا۔ اس نے آپ کو اپنی پناہ میں لینا قبول کر لیا اور آپ کو کہلا بھیجا کہ آپ مکّہ میں آ جائیں۔

مُطعِم کو علم تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ کو پناہ دینے کا مطلب سارے قریش کو مخالفت کی دعوت دینا ہے لیکن اس شخص نے کچھ پروانہ کی اور اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم میں پہنچ جائیں۔ سرورِ عالم ﷺ شہر میں داخل ہونے کے بعد طواف کے لیے مسجد الحرام میں تشریف لائے تو مُطعِم بن عدی نے اونٹ پر کھڑے ہو کر کہا:

''اے گروہِ قریش! سن لو کہ میں نے محمد (ﷺ) کو اپنی حمایت میں لے لیا ہے کوئی شخص ان پر ہاتھ اٹھانے کا قصد نہ کرے۔''

حضور ﷺ نے اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی اور پھر کاشانہ اقدس کو تشریف لے گئے۔ اس دوران میں مُطعِم اور اس کے بیٹے اور بھتیجے آپ پر تلواروں کا سایہ کیے ہوئے تھے۔ آلِ مُطعِم کے تیور دیکھ کر تمام جبابرہٗ قریش خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِسْرَاء و مِعْرَاجُ النَّبِی صلی اللہ علیہ وسلم

واقعۂ اِسراء و معراج رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ اطہر کا اہم ترین واقعہ اور ایک عظیم الشان معجزہ ہے جو انسانی عقل، قیاس اور استنباط کی حدود سے بالاتر ہے۔ اس واقعہ کو آنحضور ﷺ کے خصائص میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ تمام جماعتِ انبیاء و رُسُل میں سے صرف حضور ﷺ ہی کو اِسراء و معراج کا مہتم بالشان شرف بخشا گیا۔ [1] اِسراء سے مراد ہے رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ (بَیْتُ الْمَقْدِسْ۔یروشلم) تک لے جانا جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں بیان ہوا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ.

"پاک ہے وہ اللہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجدِ حرام دُور کی اس مسجد (مسجدِ اقصیٰ) تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی اللہ سب کچھ دیکھنے اور سننے والا ہے۔"

معراج سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کا مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) سے سات آسمانوں سے گزر کر سِدْرَۃُ الْمُنْتَہٰی تک پہنچنا۔ اس واقعہ کو معراج اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ عُروج سے نکلا ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں۔ چونکہ اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا، عُرِجَ بِیْ (مجھ کو اوپر چڑھایا گیا۔) اس لیے اس کا نام مِعْراج پڑ گیا۔

قرآنِ حکیم میں تو معراج کا ذکر محض اشارۃً کیا گیا ہے لیکن احادیث میں اس کی پوری تفصیلات بیان ہوئی ہیں اور کثیر التعداد صحابۂ کرامؓ و صحابیات نے اسے روایت کیا ہے یا اس کے مختلف پہلوؤں پر اپنی رائے ظاہر کی ہے ان میں حضرت ابوذر غِفاریؓ، حضرت اَنسؓ بن مالک،

---

[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے کسی پیغمبر کو عجائباتِ قدرت کا مشاہدہ نہیں کرایا گیا۔ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی اور رسول کو ان کے منصب کی مناسبت سے مَلَکُوتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض کا مشاہدہ کرایا ہے اور مادّی حجابات بیچ میں سے ہٹا کر ان کو وہ حقیقتیں دکھائی ہیں جن پر ایمان بالغیب کی دعوت دینے کے لیے انہیں مامور کیا گیا تھا البتہ خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کا سفرِ معراج اپنی نوعیت کے اعتبار سے امتیازی بلکہ منفرد حیثیت کا حامل تھا۔ اسی سفر میں حضور ﷺ سے پہلے دنیا میں آنے والے تمام پیغمبروں نے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی یوں آپؐ عملاً امام الانبیاء والرُّسُل کے منصب عظیم پر فائز کیے گئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ، حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ، حضرت عبد اللہؓ بن مسعود، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت اُبیؓ بن کعب، حضرت عمرؓ فاروقؓ، حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ، حضرت ابو اُمامہ باہلیؓ، حضرت ابو سعید خُدریؓ، حضرت ابو ایوب انصاریؓ، حضرت بریدہ اسلمیؓ، حضرت شدّادؓ بن اوس، حضرت حُذیفہؓ حضرت صہیبؓ، حضرت سَمُرہؓ بن جُندب، حضرت علی المرتضیٰؓ، اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ، اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سَلَمہؓ اور حضرت اسماءؓ بنتِ ابی بکرؓ جیسے اکابر صحابہ و صحابیات شامل ہیں۔

واقعہ معراج کی جزئیات میں بعض راویوں کے بیانات میں کچھ اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن یہ اتنے اہم نہیں کہ اصل واقعہ پر اثر انداز ہوسکیں۔

اِسراء و معراج سے متعلق تمام مستند روایتوں کا خلاصہ یہ ہے:

اسراء اور معراج کا زمانہ اور دن:

اِسراء اور معراج النّبی کے زمانہ اور تاریخ کے بارے میں مختلف روایات ہیں البتہ اس بات پر تمام اربابِ سِیَر کا اتفاق ہے کہ یہ حضور ﷺ کی ہجرتِ مدینہ سے کچھ عرصہ پہلے کا واقعہ ہے جو ملّہ معظّمہ میں پیش آیا۔ زمانہ اور تاریخ الوقوع کے بارے میں مشہور اقوال یہ ہیں:

۱۷ رمضان المبارک ۱۲ھ بعدِ بعثت

۲۷ رجب ۱۲ھ بعدِ بعثت

ہجرتِ نبوی سے تین یا ایک سال قبل

ہجرتِ نبوی سے ۲۰ یا ۱۸ یا ۱۷ یا ۱۶ یا ۱۵ یا ۱۴ یا ۱۳ یا ۱۱ یا ۸ مہینے قبل

عامۃ النّاس میں سب سے مشہور اور مقبول قول ۲۷ رجب ۱۲ھ بعدِ بعثت کا ہے۔ اُس وقت آنحضور ﷺ کی عمر مبارک ۵۲ برس کی تھی۔

اِسراء اور معراج کے مبادیات:

اسراء کا آغاز کہاں سے ہوا؟ اس کے بارے میں چار روایتیں ہیں:

۱۔ شبِ اسراء و معراج کو رسولِ اکرم ﷺ اپنے کاشانہ اقدس میں استراحت فرماتے۔

۲۔ آپؐ شِعبِ ابی طالب میں اپنی چچازاد بہن اُمِّ ہانیؓ بنتِ ابی طالب کے گھر عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے ہوئے تھے۔

۳۔ آپؐ حطیم یا حجر میں آرام فرما رہے تھے۔ حطیم یا حجر کعبہ شریف سے متّصل شمال میں ایک کُھلی جگہ کا نام ہے پہلے یہ جگہ کعبہ میں شامل تھی لیکن حضور ﷺ کی بعثت سے چند سال پہلے قریش نے کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کیا تو سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اتنی جگہ کُھلی چھوڑ دی گئی۔

۴۔ آپؐ جس مکان میں سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت میں لیٹے ہوئے تھے اُس مکان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی چھت شق ہوئی اور حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے۔ وہ آپ کو اپنے ساتھ مسجدِ حرام میں لے گئے۔ ایک روایت کے مطابق اس وقت حطیم میں حضرت حمزہؓ اور حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سو رہے تھے۔ حضور ﷺ ان کے درمیان لیٹ گئے اور آپؐ کی آنکھ لگ گئی لیکن آپؐ کا دل جاگتا تھا۔ (نسائی، فتح الباری)

شقِ صدر:

حضرت جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کو جگا کر نیم خفتہ اور نیم بیداری کی حالت میں چاہِ زمزم کے پاس لے گئے۔ آپؐ کا سینۂ مبارک چاک کیا، اس میں سے قلبِ اطہر نکالا اور اس کو آبِ زمزم سے دھویا۔ پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان و یقین، علم و حکمت اور بردباری سے معمور تھا۔ حضرت جبریل علیہ السّلام نے یہ تمام چیزیں طشت سے اٹھا کر آپؐ کے قلبِ اطہر میں بھر دیں اور پھر اسے اس کے اصلی مقام پر رکھ کر سینہ برابر کر دیا۔ (صحیح بخاری)

مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک:

اس کے بعد جبریل علیہ السّلام نے حضور ﷺ کی سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا یہ سفید رنگ کا ایک چوپایہ تھا جس کا قد خچر سے چھوٹا اور گدھے سے کچھ بڑا تھا۔ اس کی پیٹھ خوب لمبی تھی اور کان بھی بہت لمبے تھے۔ یہ زین اور لگام سے آراستہ تھا۔ علامہ ابنِ سعدؒ کی روایت کے مطابق اس کی دونوں رانوں پر دو پر تھے (بروایتِ دیگر اس کے پاؤں دونوں پہلوؤں پر تھے) اس کی برق رفتاری کا یہ عالَم تھا کہ اس کا ہر قدم حدِ نظر پر پڑتا تھا۔ اسی سرعتِ رفتار کی بناء پر اس کو بُراق کہا جاتا ہے۔ جب حضور ﷺ اس پر سوار ہونے لگے تو وہ چمکا۔ جبریل علیہ السّلام نے اُسے تھپکی دے کر کہا:

"خبردار! آج تک محمد ﷺ سے بڑے مرتبے کا کوئی انسان تجھ پر سوار نہیں ہوا ہے (بالفاظِ دیگر دیکھ کیا کرتا ہے آج تک کوئی ایسی ہستی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے زیادہ برگزیدہ اور مقبول ہو، تجھ پر سوار نہیں ہوئی۔)"

اس پر بُراق شرم کے مارے پانی پانی ہوگیا۔ (مُسندِ احمد، ترمذی، ابنِ جریر)

پھر رسولِ اکرم ﷺ بُراق پر سوار ہوئے۔ جبریل علیہ السّلام آپؐ کو ساتھ لے کر مسجدِ اقصیٰ (بیت المَقدِس) کی جانب روانہ ہوئے۔[1] اور چشم زدن میں بیت المقدس پہنچ گئے۔ (بعض روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ مدینہ، طورِ سینا یا مَدین اور بیت اللحم سے ہوتے ہوئے

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریلؑ بھی براق پر سوار تھے اور انہوں نے حضور ﷺ کو اپنے آگے بٹھا رکھا تھا (طبرانی) ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا (ابویعلیٰ، حاکم، ابنِ حبّان) بعض روایتوں میں سواری میں ترادف کا ذکر ہی نہیں ہے بہر صورت اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت جبریلؑ برابر آپؐ کے ساتھ ساتھ رہے۔ (ابنِ سعد، ابنِ جریر، بیہقی، بزّار)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیت المقدس پہنچے...... (نسائی، بیہقی)۔ اب حضورﷺ براق سے اتر گئے اور اسے اُس حلقہ سے باندھ دیا جس سے پہلے انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔

پھر آپؐ اس مقام پر تشریف لائے جہاں آج کل مسجدِ اقصیٰ ہے (وہاں پہلے ہیکلِ سلیمانی تھا، اُس زمانے میں یہ منہدم تھا اور اس کی جگہ قیصر جسٹینین نے ایک عبادت گاہ بنا رکھی تھی) اس مقام پر وہ تمام پیغمبر موجود تھے جو حضورﷺ سے پہلے اس دنیا میں آئے تھے۔ آپؐ کے وہاں پہنچتے ہی نماز کے لیے صفیں بندھ گئیں۔ جبریل علیہ السلام نے حضورﷺ کا دستِ مبارک پکڑ کر ان صفوں کے آگے کھڑا کر دیا اور آپؐ نے سب کو نماز پڑھائی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپؐ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں انبیاء کے علاوہ ملائکہ بھی تھے۔

حضورﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ کے سامنے دو پیالے پیش کیے گئے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب۔ حضورﷺ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا، اللہ ہی کے لیے سب تعریف ہے جس نے آپ کو فطرت کی راہ دکھائی اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی اُمّت گمراہ ہو جاتی۔

بعض روایتوں میں تین پیالوں کا ذکر آیا ہے، تیسرے پیالے میں پانی تھا تاہم اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضورﷺ نے دودھ ہی کا انتخاب فرمایا تھا۔

بیت المقدس سے عالمِ بالا تک کا سفر:

اس کے بعد رسولِ اکرمﷺ نے جبریل علیہ السلام کے ساتھ بیت المقدس سے عالمِ بالا کے سفر کا آغاز فرمایا۔ یہ سفر کیسے طے ہوا؟ اس کے بارے میں دو روایتیں مشہور ہیں پہلی یہ آپؐ کے سامنے ایک مرصّع سیڑھی لگائی گئی۔ جو جنت الفردوس سے لائی گئی تھی۔ اس کے ذریعے آپ جبریلؑ کے ساتھ آسمان پر تشریف لے گئے۔ براق کو آپ نے بیت المقدس ہی میں چھوڑ دیا۔ بیہقیؒ اور ابنِ اسحاقؒ کی روایتوں میں ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ جب میں بیت المقدس کی مصروفیت سے فارغ ہوا تو میرے سامنے ایک زینہ لایا گیا جس کے ذریعے بنی آدم کی روحیں بعداز مرگ چڑھتی ہیں اور اس زینہ سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز مخلوق کی نظر سے نہ گزری ہوگی اور میرے رفیقِ سفر جبریلؑ نے مجھ کو اس پر چڑھایا یہاں تک کہ دروازۂ آسمان پر پہنچے۔ (ابنِ اسحاقؒ، ابنِ جریرؒ، بیہقیؒ)

دوسری روایت میں سیڑھی کا مطلق ذکر نہیں ہے بلکہ صرف اتنا ہے کہ جبریلؑ آپ کو ساتھ لے کر آسمان پر پہنچے۔ چنانچہ صحیحین کی ایک روایت میں حضورﷺ سے یہ الفاظ منسوب ہیں:

فَانْطَلَقَ بِیْ جِبْرَئِیْلُ حَتّٰی اَتَی السَّمَآءَ الدُّنْیَا.

"پھر جبریلؑ مجھ کو لے گئے یہاں تک کہ آسمانِ دنیا پر پہنچے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابنِ ابی حاتم نے بھی حضرت انسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جبریلؑ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف چڑھ گئے۔

جو علماء پہلی روایت کے قائل ہیں ان کے خیال میں سیڑھی کی مناسبت سے یہ واقعہ معراج کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ عربی زبان میں سیڑھی کو معراج کہتے ہیں۔ (سیرت سرورِ عالمؐ جلد دوم)

آسمانِ اوّل پر وُرود:

جب آنحضور ﷺ اپنے ساتھی جبریلؑ کی معیّت میں آسمانِ دنیا (یعنی پہلے آسمان) کے قریب پہنچے تو جبریلؑ نے اس آسمان کے دربان فرشتے سے کہا کہ دروازہ کھولو۔ اس نے پوچھا کون ہے؟ جبریلؑ نے اپنا نام بتایا۔ پھر اس نے پوچھا "تمہارے ساتھ کون ہے؟" کہا "میرے ساتھ مُحَمّد (ﷺ) ہیں۔" پوچھا "کیا وہ بلائے گئے ہیں؟" کہا "ہاں"۔ دربان نے دروازہ کھول دیا اور کہا مرحبا تشریف لائیے۔ اس خبر کو سن کر اہلِ آسمان مسرور ہوگئے۔ آسمان کا کوئی فرشتہ نہیں جانتا کہ خدائے قدوس اہلِ زمین کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کا علم نہ بخشے۔

اب حضور ﷺ آسمان کے اندر داخل ہوئے یہاں آپ کو ایک صاحب نظر آئے جن کے دائیں اور بائیں طرف بہت سی دھندلی صورتیں تھیں۔ جب وہ داہنی طرف دیکھتے تو ہنسنے لگتے جب بائیں طرف دیکھتے تو رونے لگتے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھ کر فرمایا "مرحبا اے فرزندِ صالح! اے نبیِ صالح" حضور نے جبریلؑ سے پوچھا "یہ کون ہیں؟" جبریلؑ نے کہا "یہ آپ کے باپ آدمؑ ہیں۔ ان کے دائیں بائیں جو پرچھائیاں ہیں یہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ داہنی جانب والے جنّتی ہیں اور بائیں جانب والے دوزخی ہیں۔ اسی لیے آپ داہنی طرف دیکھ کر ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔ پھر آپ کو عالمِ بالا کے بہت سے اسرار و عجائب کا تفصیلی مشاہدہ کرایا گیا ان سب کا تعلق عالمِ برزخ سے تھا۔ ان میں سے چند مشاہدات کا ذکر ہم یہاں اختصار کے ساتھ کرتے ہیں:

مجاہدین فی سبیل اللہ:

رسولِ اکرم ﷺ کا ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کی فصل ایک ہی دن میں پک کر تیار ہو جاتی تھی، اور وہ اسے ہر روز کاٹ لیتے تھے۔ کٹ جانے کے بعد فصل پھر ویسی ہی تیار ہو جاتی تھی۔ آپ نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔ ان کی ہر ایک نیکی کا سات سَو گُنا اجر ملتا ہے یہ لوگ جس قدر خرچ کریں اللہ تعالیٰ ان کو اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے اور وہ بہترین رزّاق ہے۔ (دلائل بیہقی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تارکینِ صلوٰۃ اور مانعینِ زکوٰۃ:

پھر آپؐ ایسے لوگوں پر گزرے جن کے سر پتھروں سے کُچلے جا رہے تھے۔ آپؐ کے استفسار پر آپ کو بتایا گیا کہ یہ آپ کی اُمّت کے بے نماز لوگ ہیں یہ فریضۂ صلوٰۃ کی طرف سے غافل تھے۔ پھر آپؐ نے کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لٹک رہے تھے اور وہ مویشیوں کی طرح گھاس چر رہے تھے (بروایت دیگر تھوہر اور جہنم کے پتھر کھا رہے تھے) آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔

امانت میں خیانت کرنے والے:

حضور ﷺ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جس نے لکڑی کا ایک بڑا گٹھا جمع کر رکھا تھا، لیکن اس کو اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اس پر بھی اس کو قرار نہیں تھا اور وہ اس گٹھے میں اور اضافہ کر رہا تھا۔ حضور ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جو لوگوں کی امانتیں رکھ کر واپس نہیں کرتا تھا بلکہ یہ چاہتا تھا کہ اس کو اور امانتیں مل جائیں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق آپ کو بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے ذمے لوگوں کی امانتیں، قرض اور دوسرے حقوق ہیں، لیکن یہ ان کو ادا نہیں کرتا اس لیے روز بروز زیادہ گراں بار ہوتا جا رہا ہے۔ (طبرانی۔ ابویعلیٰ)

حرام خور:

حضور ﷺ نے ایک جگہ دیکھا کہ بہت سے خوان پڑے تھے جن میں پکا ہوا پاکیزہ گوشت رکھا تھا لیکن اس کو کھانے والا کوئی نہ تھا۔ اس کے آگے کچھ خوانوں میں سڑا ہوا گوشت رکھا تھا جس سے سخت بدبو آ رہی تھی بہت سے لوگ اسے کھانے کے لیے ٹوٹے پڑتے تھے۔ حضورِ اکرم ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حلال پر حرام کو ترجیح دیتے تھے۔ (طبرانی۔ بزّار)

سُود خوار:

رسولِ اکرم ﷺ کا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ اتنے بڑے تھے جتنا کوئی مکان ہو۔ ان شکموں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے دکھائی دے رہے تھے۔ آنے جانے والے ان کو روندتے ہوئے گزرتے تھے مگر وہ اپنی جگہ سے ہِل نہیں سکتے تھے۔ حضور ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ سود کھاتے تھے۔ (مسندِ احمد)

چغل خور اور عیب چین:

رسولِ اکرم ﷺ کا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پہلوؤں کا گوشت کاٹ کاٹ کر انہیں کھلایا جا رہا تھا۔ حضور ﷺ کے دریافت کرنے پر جبریلؑ نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو چغل خوری اور عیب چینی کے عادی تھے۔ (بیہقی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علمائے سُوء:

حضور ﷺ کا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی مقراضوں سے کاٹے جا رہے تھے جب ان کی زبانیں اور ہونٹ کٹ چکتے تھے تو پھر ویسے ہی ہو جاتے تھے جیسے کاٹنے سے پہلے تھے۔ حضور ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ آپ کی اُمّت کے خطیب اور مقرر ہیں۔ جو دوسروں کو تو نصیحت کرتے تھے لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق آپ کو بتایا گیا کہ یہ آپ کی اُمّت کے وہ ہادیانِ بے عمل اور علمائے سُوء ہیں جو لوگوں کو صحیح راستہ (آپ کی سنّت) سے ہٹا کر گمراہی میں ڈالتے تھے۔ (ترمذی۔ کنز العمال)

غیبت کرنے والے:

حضور ﷺ کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ وہ اپنے سینوں اور چہروں کو بار باران ناخنوں سے چھیلتے تھے۔ حضور ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کا گوشت کھاتے تھے یعنی لوگوں کی غیبت اور بے آبروئی کرتے تھے۔ (مُسندِ احمد)

دروغ گو:

رسولِ اکرم ﷺ کا گزر ایک جماعت پر ہوا۔ آپؐ نے دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہے اور دوسرا اپنے ہاتھ میں لوہے کا گرز لیے کھڑا ہے۔ وہ بیٹھے ہوئے کی باچھ میں گرز ڈال کر اتنا چیرتا ہے کہ باچھ کٹ کر کندھے تک لٹک آتی ہے۔ پھر دوسری باچھ میں گرز ڈال کر ایسا ہی کرتا ہے۔ اس دوران میں پہلی باچھ اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہے حضور ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ بیٹھا ہوا شخص دروغ گو تھا اسے جھوٹ بولنے میں باک نہیں تھا۔ (بخاری)

بدکار اور حُسن کی نمائش کرنے والی عورتیں:

آنحضور ﷺ کا گزر چند ایسی عورتوں پر ہوا جو اپنے پستانوں سے بندھی ہوئی لٹک رہی تھیں (بروایتِ دیگر بالکل اُلٹی......سر نیچے پاؤں اوپر لٹکی ہوئی تھیں) آپ کو بتایا گیا کہ یہ عورتیں بن ٹھن کر گھروں سے باہر نکلتی تھیں اور غیر مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی تھیں ایک اور روایت میں ہے کہ ان کو ایسی بدکار عورتیں بتایا گیا جنھوں نے اپنے شوہروں کے سر ایسے بچے منڈھ دیے جو ان کے نہ تھے۔ (بیہقی)

اسی طرح کے اور بہت سے مشاہدات کا ذکر متفرق طور پر مختلف احادیث میں آیا ہے ان کو یکجا کسی حدیث میں بیان نہیں کیا گیا۔ بیشتر روایات میں ہے کہ یہ تمام مناظر حضور ﷺ کو آسمانِ اوّل پر دکھائے گئے۔ یہیں آپ کی داروغۂ دوزخ (فرشتہ) سے ملاقات ہوئی اور آپؐ کو دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد کے چھ آسمانوں پر:

پہلے آسمان کے بعد آنحضور ﷺ کو دوسرے آسمان تک لے جایا گیا۔ پہلے آسمان کی طرح سوال و جواب کے بعد دروازہ کھلا اور آپؐ اندر گئے وہاں آپؐ کی ملاقات حضرت یحیٰ علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے ہوئی۔ اس کے بعد آپؐ تیسرے، چوتھے، پانچویں اور چھٹے آسمان سے ہوتے ہوئے ساتویں آسمان پر جا پہنچے۔ ہر آسمان میں داخل ہونے سے پہلے وہاں کے محافظ فرشتوں نے پہلے آسمان کی طرح جبریل علیہ السّلام سے پوچھ گچھ کی۔ تیسرے آسمان پر آپؐ کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السّلام سے، چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السّلام سے پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السّلام سے چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے ہوئی۔ آپؐ نے ہر ایک پیغمبر کو سلام کیا۔ ہر ایک نے سلام کا جواب دیا، آپ کو مبارکباد دی اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔

سِدْرَةُ الْمُنْتَهیٰ:

اس کے بعد مزید عروج کا آغاز ہوا اور آپ کو سِدْرَةُ الْمُنْتَهیٰ تک لے جایا گیا جو ربُّ العزت کی پیش گاہ اور عالمِ خلق کے درمیان حدِ فاصل کا درجہ رکھتا ہے۔ اس پر تمام خلائق کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے ماوراء جو کچھ ہے وہ غیب ہے جس کا عِلم صرف ربِّ ذوالجلال وَالِاکرام کو ہے یا اس ہستی کو جسے اللہ تعالیٰ اپنے علم میں سے کوئی حصہ عطا فرمائے۔ جو چیز نیچے سے اوپر جاتی ہے وہ یہاں لے لی جاتی ہے اور جو چیز اوپر سے آتی ہے اسے یہاں وصول کرلیا جاتا ہے۔ اسی مقام کے قریب آپ کو جنّت کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اس مقام پر پہنچ کر حضرت جبریل علیہ السّلام رُک گئے اور اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوکر حُضور ﷺ سے کہا کہ اس مقام سے آگے جانا میری طاقت سے باہر ہے۔

اگر یک سرِ مُوئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

اس کے بعد حضور ﷺ حجابات طے کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچے جہاں آج تک نہ کوئی گیا ہے اور نہ جا سکے گا۔ وہاں خالقِ ارض وسما نے اپنے حبیب ﷺ سے کیا باتیں کیں اس کا علم رَبِّ قدوس اور اس کے پیارے حبیب ﷺ ہی کو ہے۔

تین عطیّے:

اس وقت حضور ﷺ کو بارگاہِ ربّ العزّت سے تین عطیّے مرحمت ہوئے:

۱۔ سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقائد، ایمان کی تکمیل اور مصیبت کا دَور جلد ختم ہوجانے کی خوشخبری تھی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ آپ کی اُمّت کے وہ لوگ بخشے جائیں گے جو میرے ساتھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

۳۔ اُمتِ محمدیہ ﷺ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

نمازوں کی تعداد میں تخفیف:

اس کے بعد حضور ﷺ نے واپسی سفر کا آغاز فرمایا۔ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا۔ ”خدا نے آپ کو کیا حکم دیا ہے۔“ حضور نے فرمایا۔ ”میری اُمّت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی ہے۔“ حضرت موسیٰ نے کہا کہ آپ کی امّت اتنی نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں۔ آپ واپس جا کر رَبِّ قدوس سے درخواست کریں کہ ان کی تعداد میں کمی کر دے۔ حضور ﷺ واپس تشریف لے گئے اور بارگاہِ خداوندی میں التماس کی کہ ”الٰہی میری اُمّت نہایت کمزور اور ضعیف القوٰی ہے اس سے پچاس نمازوں کا بوجھ نہ اٹھایا جا سکے گا۔“

حق تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ حضور ﷺ پھر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ چالیس نمازیں بھی بہت زیادہ ہیں، بارگاہِ خداوندی میں مزید کمی کی درخواست کیجیے۔ اس طرح دس اور معاف ہوگئیں۔ غرض اسی طرح چند بار آنے جانے سے نمازوں کی تعداد پانچ رہ گئی۔ حضرت موسیٰؑ نے اتنی تعداد پر بھی حضور ﷺ کو مشورہ دیا کہ مزید تخفیف کے لیے درخواست کیجیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب مجھے تخفیف کے لیے بار بار عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اسی وقت ندا آئی کہ اے محمّدؐ! اب میرے حکم میں تبدیلی نہیں ہوگی۔ یہ نمازیں صورتاً پانچ وقت کی ہوں گی مگر ان کا ثواب دس گُنا یعنی پچاس نمازوں کا دُوں گا۔

اس کے بعد حضور ﷺ اسی سیڑھی کے ذریعے یا جبریلؑ کے ساتھ آسمان سے اُتر کر بیت المقدس تشریف لائے۔ یہاں پھر تمام پیغمبر موجود تھے۔ آپؐ نے ان کو نماز پڑھائی جو غالباً فجر کی نماز تھی۔ پھر آپؐ بُراق پر سوار ہوئے اور مکّہ معظمہ واپس اپنے مقام پر تشریف لے آئے اور صبح کو اسی مقام سے بیدار ہوئے۔

معراج جسم کے ساتھ بیداری کی حالت میں ہوئی:

اسراء و معراج کے بارے میں بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ واقعہ حُضور ﷺ کو حالتِ خواب میں پیش آیا۔ کچھ دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ حُضور ﷺ کی روحِ اطہر کو معراج ہوئی اور آپؐ کا جسم مبارک اپنی جگہ پر رہا۔ لیکن جمہور صحابہؓ، تابعینؒ، محدّثین، فقہاء، متکلمین و صوفیۂ کرام کا عقیدہ اور مذہب یہی ہے کہ اِسراء و معراج دونوں ہی جسدِ مبارک کے ساتھ حالتِ بیداری میں ایک ہی رات میں وقوع پذیر ہوئے۔ اس مسلک کے حق میں نہایت قوی دلائل موجود ہیں ان میں سب سے بڑی دلیل قرآنِ پاک کی یہ شہادت ہے کہ آیۂ کریمہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ میں عَبْد کا لفظ آیا ہے اور عَبْد جسم اور روح کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں کہیں بھی ''عَبد'' لفظ آیا ہے وہاں روح اور جسم دونوں مراد ہیں۔ فی الحقیقت خواب کی حالت میں یا روحانی طور پر تو حضور ﷺ کو اس سے پہلے کئی بار متعدد عجائبِ ملکوت و ربوبیت کا مشاہدہ کرا دیا گیا تھا لیکن اِسراء و معراج کا یہ خاص واقعہ حالتِ بیداری میں جسم اور روح کے مجموعے (عَبد) کو پیش آیا۔ اگر فی الواقع یہ واقعہ محض ایک خواب ہوتا تو کُفار شدّ و مدّ سے اس کا انکار کیوں کرتے اور بعض کمزور ایمان کے مسلمان گمراہ کیوں ہو جاتے (جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے)۔ احادیث میں اس واقعہ کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں بعض حلقوں (بالخصوص منکرینِ حدیث) کی طرف سے ان پر دو بڑے اعتراض یہ کیے جاتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ حاضر ناظر ہے کسی خاص جگہ پر مقیم نہیں، اُس کی پیشی کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کو سفر کرانے کی کیا ضرورت تھی؟

۲۔ رسولِ اکرم ﷺ کو بعض لوگ مبتلائے عذاب دکھائے گئے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میدانِ حشر میں سزا و جزا کا فیصلہ ہونے سے پہلے ہی کسی کو سزا دے دی جائے؟

پہلا اعتراض قصورِ فہم کا نتیجہ ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود کسی خاص مقام پر مُتمکِن نہیں ہے لیکن بندۂ محدود کو اس کے حضور حاضری یا پیشی کے لیے ایک جگہ کی ضرورت ہے جہاں اس کے لیے تجلّیات کو مرکوز کیا جائے۔ اللہ جلّ شانہٗ کی شان اطلاقی ہے اس کو کسی شے کے مشاہدے کے لیے کہیں جانے کی ضرورت نہیں مگر بندے کو ہے کیونکہ وہ اپنے خالق کی طرح ساری کائنات کو بیک وقت نہیں دیکھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ اسے جو چیز دکھانا چاہتا ہے اُسی جگہ دکھاتا ہے جہاں دکھانی ہوتی ہے۔

دوسرا اعتراض بھی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ درحقیقت حضور ﷺ کو شبِ معراج میں اعمال کی جو سزائیں دکھائی گئیں، وہ تمثیلی پیرائے میں حشر کے روز سنائی جانے والی سزاؤں کا پیشگی مشاہدہ تھیں یعنی بعض حقیقتوں کو مُمثّل کر کے دکھایا گیا تھا۔

شبِ اِسراء و معراج کی صبح:

شبِ اسراء و معراج کی صبح کو آنحضور ﷺ نے رات کو جو کچھ پیش آیا تھا اپنی بنتِ عم حضرت اُمِ ہانیؓ بنتِ ابی طالب کو بتایا۔ پھر باہر جانے لگے تو انہوں نے آپؐ کی ردائے مبارک پکڑ لی اور کہا، جو کچھ آپ نے مجھے بتایا ہے خدا کے لیے یہ دوسرے لوگوں کو نہ سنایئے گا مجھے خدشہ ہے کہ وہ اسے سن کر آپ کا مذاق اڑائیں گے۔ مگر آپؐ نے کوئی خلافِ حقیقت بات اُمِ ہانیؓ کو نہیں بتائی تھی اس لیے آپؐ نے فرمایا کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے اسے سب کے سامنے ضرور بیان کروں گا۔ (ابنِ اسحاق، طبرانی ابنِ سعد) یہ فرما کر آپ مسجدِ حرام میں تشریف لے گئے۔ وہاں ابوجہل سے آمنا سامنا ہوگیا۔ اثنائے گفتگو میں آپؐ نے اسے بتایا کہ میں آج رات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیت المقدس گیا تھا۔ اس نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا: رات کو بیت المقدس گئے اور واپس بھی آگئے۔ بھلا یہ کوئی ماننے والی بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں یہ سچ ہے۔ اس نے کہا، میں قوم کو جمع کرتا ہوں کیا یہی بات سب کے سامنے کہو گے؟ آپؐ نے فرمایا، کیوں نہیں ضرور کہوں گا۔

ابوجہل نے حرم کے ارد گرد موجود سب لوگوں کو آوازیں دے کر جمع کر لیا اور پھر حضور ﷺ سے کہا، جو دعویٰ تم نے میرے سامنے کیا ہے ان کے سامنے بھی کرو۔ حضور ﷺ نے بلا تامل سارا واقعہ سب کے سامنے بیان کر دیا۔ اسے سن کر تمام مشرکین آپؐ کا مذاق اڑانے لگے۔ وہ اس بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ کئی ہفتوں کا سفر ایک رات میں طے ہوسکتا ہے۔ ان میں سے بعض نے آپؐ پر اختلالِ دماغ (دیوانگی) کی تہمت لگا دی۔ (نعوذ باللہ)
(مُسندِ احمد، بیہقی)

کفار کی زبانیں بند ہو گئیں:

آناً فاناً یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ بعض کمزور ایمان کے مسلمان تو اسے سُن کر اسلام ہی سے پھر گئے۔ (صحیح بخاری، ترمذی، مُسندِ احمد، بیہقی)

مشرکین کی ایک جماعت اس امید پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی کہ وہ بھی یہ خبر سن کر اسے جھٹلائیں گے اور یوں جس دین کی تبلیغ مُحمّد (ﷺ) کر رہے ہیں اس کی بنیاد ہی ڈھے جائے گی۔ ان لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا، اے ابوبکر! تمہیں کچھ خبر ہے کہ تمہارے دوست مُحمّد (ﷺ) نے کیا شگوفہ چھوڑا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا، انہوں نے کیا کہا ہے۔ بولے، وہ یہ اور یہ باتیں کہتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے سارا قصہ سن کر فرمایا، اگر مُحمّد (ﷺ) ایسا کہتے ہیں تو ٹھیک کہتے ہیں اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ میں تو ہر روز صبح شام سنتا ہوں کہ ان کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں (یا پیغام آتے ہیں) اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں [1] مشرکین حضرت ابوبکرؓ کا جواب سن کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ اب حضرت ابوبکرؓ مسجدِ حرام میں آئے۔ رسولِ اکرم ﷺ وہیں تشریف فرما تھے اور تمسخر اڑانے والے بہت سے مشرکین بھی موجود تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا، یا رسولُ اللہ! کیا آپ نے واقعی یہ اور یہ باتیں فرمائی ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا، ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ کی قوتِ ایمانی انتہائی مضبوط تھی اور دہنِ نبوت سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کی صداقت پر ان کو یقینِ کامل تھا۔ ان

[1] ''مستدرکِ حاکم'' میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ کے جواب کا علم ہوا تو آپؐ نے انہیں ''صِدّیق'' کا مُہتمّ بالشّان لقب عطا فرمایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو خیال آیا کہ مشرکین کو علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس سے پہلے کبھی بیت المقدس نہیں گئے اگر اس وقت حضور ﷺ ان لوگوں کے سامنے بیت المقدس کا نقشہ بیان کر دیں تو ان کے منہ بند ہو جائیں گے چنانچہ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! بیت المقدس میرا دیکھا ہوا ہے (اور یہاں پر موجود کئی اور لوگوں کا بھی دیکھا ہوا ہے) آپ بیت المقدس کا نقشہ بیان کریں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ بیت المقدس کی کیفیت پوچھنے والا مطعم بن عدی یا کوئی اور مشرک تھا جس کو یقین تھا کہ آپ یہ کیفیت نہیں بتا سکیں گے۔ بہر صورت حضور ﷺ نے فوراً بیت المقدس کا صحیح صحیح نقشہ جزئیات سمیت بیان کر دیا [1] اس کے بعد آپ ؐ نے اپنے سفر کے کچھ اور ناقابلِ تردید شواہد بیان کیے۔ [2] اب تمام مشرکین کی زبانیں بند ہو گئیں اور وہ شرمندہ ہو کر اپنے گھروں کو چل دیے۔ (مُسندِ احمد، ترمذی، نسائی، بیہقی، البدایہ والنہایہ)

---

[1] آنحضور ﷺ نے بیت المقدس کو رات کے وقت دیکھا تھا اور وہ بھی بنظرِ تعمق نہیں اس لیے شہر اور مسجدِ اقصیٰ کا تفصیلی نقشہ بیان کرنا آپ ؐ کے لیے بہت مشکل تھا لیکن اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو بالکل آپ ؐ کی آنکھوں کے سامنے کر دیا آپ ؐ اس کی طرف دیکھتے جاتے تھے اور ہر سوال کا جواب دیتے جاتے تھے۔
(صحیح مسلم)

[2] دورانِ سفر میں حضور ﷺ کا گزر دو قافلوں پر سے ہوا تھا۔ آپ ؐ نے لوگوں کو بتایا کہ جاتے وقت میں فلاں مقام پر فلاں قافلہ پر سے گزرا اس کے ساتھ یہ سامان تھا۔ قافلے کے اونٹ براق کو دیکھ کر بھڑک کے ایک اونٹ فلاں وادی کی طرف بھاگ گیا میں نے قافلے والوں کو اس کا پتا دیا۔ واپس آتے وقت فلاں قبیلے کے قافلے پر سے میرا گزر ہوا اہلِ قافلہ سو رہے تھے میں نے ان کے برتن سے پانی پیا اور پھر اسے ڈھانک دیا۔ ایسی ہی کچھ اور باتیں حضور ﷺ نے بتائیں اور ان سب کی تصدیق ہو گئی۔ (بیہقی ؒ۔ بزار ؒ۔ طبرانی ؒ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکّہ میں رسولِ اکرم ﷺ کے آخری تین سال

ذیقعدہ ۱۰ نبوت میں طائف سے مکّہ واپس تشریف لانے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے پھر دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنی ہجرتِ مدینہ ربیع الاوّل ۱۴ نبوت تک اسے برابر جاری رکھا۔ چونکہ مکّے اور طائف کے لوگوں سے بھلائی کی کوئی امید نہیں رہی تھی اس لیے آپؐ نے اب عرب کے دوسرے قبائل کی طرف زیادہ توجّہ دی اگرچہ آپؐ اس سے پہلے بھی مختلف قبائل کے پاس تشریف لے جاچکے تھے لیکن اس وقت آپؐ اُن کو صرف اسلام کی دعوت دینے پر اکتفا کرتے تھے اور اپنی ذات کے بارے میں کچھ نہیں کہتے تھے۔ لیکن اب آپؐ جس قبیلے کے پاس تشریف لے جاتے اس کو اسلام کی دعوت دینے کے ساتھ اس کے عمائد سے یہ بھی کہتے کہ تم مجھے اپنی حمایت میں لے لو اور دعوتِ اِلَی اللہ میں میری مدد کرو کیونکہ قریش نہیں چاہتے کہ میں خلقِ خدا کو اللہ کا پیغام پہنچاؤں۔ ان دَوروں میں، جیسا کہ پیچھے بیان کیا جاچکا ہے، ابولہب، ابوجہل، عُقبہ بن ابی مُعَیط اور دوسرے اشرارِ قریش برابر حُضور ﷺ کے پیچھے لگے رہتے اور نہ صرف آپؐ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے بلکہ لوگوں کو بھی آپؐ کی باتیں سننے سے منع کرتے۔ قبائل کو دعوتِ اِلَی اللہ دینے کے علاوہ آپؐ باہر سے عمرہ زیارت یا کاروبار وغیرہ کے سلسلے میں مکّہ آنے والے بااثر افراد سے بھی انفرادی طور پر ملاقات فرماتے اور ان کو دین کی دعوت دینے کے ساتھ یہ بھی فرماتے کہ خلقِ خدا کو پیغامِ حق پہنچانے میں میری مدد کرو اور مجھے اپنے علاقے میں لے چلو۔

قریش اور بنوثقیف کے علاوہ جن قبائل کو آپؐ نے ۴ نبوت سے لے کر ۱۳ نبوت کے اواخر تک اسلام کی دعوت دی، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

بنوکِندہ، بنوسُلیم، بنوحَنیفہ، بنوکَلب، بنوعامر بن صَعصعہ، بنوفَزارہ، بنوعُذرہ، بنوحارث بن کعب، بنوشیبان بن ثعلبہ، بنوعَبس، بنوثعلبہ بن عکابہ، بنومحارب بن خصفہ، بنوعبداللہ، بنوغسّان، بنونضر، بنوحضارمہ، بنوبکر بن وائل بنومُرّہ، بنی البَکّا، بنواَوس اور بنوخزرج۔

ان میں سے کچھ قبائل تک آپؐ نے پیغامِ حق سفرِ طائف سے پہلے پہنچایا اور کچھ تک سفرِ طائف کے بعد۔ ان میں سے اَوس اور خزرج کے سوا کسی کا ردِّعمل مثبت نہیں تھا۔

یثرب کے اَوس وخَزرج وہ خوش نصیب قبیلے تھے جنہوں نے دعوتِ حق پر نہ صرف لبیک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا بلکہ رحمت عالم ﷺ کے میزبان اور جاں نثار بن کر بارگاہِ الٰہی سے انصار کا مُہتم بالشان لقب پایا۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ باقی سب قبائل نے کسی نہ کسی عذر کی بناء پر آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا یا اس کے جواب میں بہت بُرا رویہ اختیار کیا اور بعض نے گول مول جواب دے کر اپنا دامن چھڑا لیا۔

متعدد محدثین اور مؤرخین نے کچھ قبائل کی حضور ﷺ سے ملاقات کی روداد بیان کی ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

بنو عبداللہ:

یہ قبیلہ شمالی عرب میں آباد بنو کلب کی ایک شاخ تھا۔ حضور ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا، اے بنو عبداللہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے جدِ اعلیٰ کو بہت اچھا نام (عبداللہ) دیا ہے، تم میرا ساتھ دو۔ مگر اس قبیلے نے آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

بنو حنیفہ:

اس کا شمار عرب کے بڑے جنگجو قبائل میں ہوتا تھا۔ اس کا مسکن نجد کا علاقہ یمامہ تھا۔ مسیلمہ کذاب کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔ حضور ﷺ ان لوگوں کے ڈیرے پر تشریف لے گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو جواب میں انہوں نے نہایت گستاخانہ لب ولہجہ اختیار کیا۔ اپنے بُرے رویے کی وجہ سے وہ طائف کے بنو ثقیف کے مثیل ٹھہرائے گئے اور یہیں سے اس دور کے مسلمانوں میں یہ مثل مشہور ہو گئی:

شَرُّ قَبَائِلِ الْعَرَبِ بَنُوْحَنِيفَةَ وَثَقِيفٌ.

"عرب قبیلوں میں سب سے بدتر بنو حنیفہ اور ثقیف ہیں۔"

بنو عامر بن صعصعہ:

یہ قبیلہ نجدی قبیلے بنو ہوازن کا ایک بطن تھا۔ حج کے موقع پر حضور ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو ان میں سے ایک شخص بحیرہ بن فراس نے آپؐ سے کہا، اگر ہم آپ کی دعوت قبول کر کے آپ کا ساتھ دیں اور اللہ آپ کو مخالفوں پر غلبہ عطا کر دے تو کیا آپ کے بعد حکومت ہماری ہوگی؟

آپؐ نے جواب دیا، حکومت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے گا بخش دے گا۔

اس پر وہ بولا "تو کیا ہم آپ کی خاطر سارے عرب سے لڑائی مول لیں اور جب اللہ آپ کو کامیابی دے تو حکومت دوسروں کو مل جائے۔ جایئے ہم آپ کی دعوت قبول نہیں کر سکتے۔"

بنو عامر کا مردِ دانا:

جب بنو عامر بن صعصعہ حج سے فارغ ہو کر اپنے وطن واپس گئے تو اپنے ایک ضعیف العمر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ سے ملے جو کبرسنی کی وجہ سے ان کے ساتھ حج کے لیے نہ جاسکا تھا۔ شیخ کبیر نے ان سے حج کے حالات دریافت کیے تو انہوں نے کہا، اس مرتبہ نئی بات یہ ہوئی کہ قریش کے بنی عَبْدُالْمُطَّلِب کا ایک جوان ہمارے پاس آیا تھا جو نبی ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ اس نے ہم سے کہا کہ ہم اس کا ساتھ دیں اور اُسے اپنے علاقے میں لے جائیں۔ مگر ہم نے اُسے ایسا اور ایسا جواب دے کر واپس کر دیا۔ یہ سن کر شیخ کبیر نے اپنے ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور کہا:

''اے بنی عامر! کیا اس کی کوئی تلافی ہوسکتی ہے؟ کیا یہ ہاتھ سے نکلا ہوا موقع پھر مل سکتا ہے۔ اُس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کسی اسمٰعیلی نے کبھی اس قسم کا جھوٹ نہیں گھڑا ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے یقیناً حق ہے آخر تمہاری عقل اُس وقت کیوں جواب دے گئی تھی۔''

بنو عبس:

نجد میں آباد یہ قبیلہ بنوغطفان کی ایک ذیلی شاخ تھا اور عرب کے بڑے لڑاکا قبائل میں شمار ہوتا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ حضرت زیدؓ بن حارثہ کی معیت میں ان کے پڑاؤ پر تشریف لے گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ اس سے پہلے بھی ہر حج کے زمانے میں آپ ان لوگوں کو دعوتِ حق دے چکے تھے لیکن انہوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔ اس مرتبہ میسرہ بن مسروق نامی ایک دانا شخص بھی بنو عبس کے قافلۂ حجاج میں شامل تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی دعوت کے جواب میں خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اگر ہم ان کی تصدیق کریں اور ان کو اپنے علاقے میں لے جائیں تو یہ مناسب رائے ہوگی واللہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کی دعوت غالب ہو کر رہے گی اور ان کا کام کامیاب ہو کر رہے گا۔

مگر قبیلے کے دوسرے لوگوں نے میسرہ کی تائید نہ کی اور ان سے کہا کہ ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جس کا اٹھانا ہماری طاقت سے باہر ہے۔

اب میسرہ نے حضور ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ کا کلام بہت اچھا اور روشن ہے مگر میری قوم میری مخالفت کر رہی ہے اس لیے میں بھی آپ کا ساتھ دینے سے قاصر ہوں۔

یہ میسرہؓ حجۃ الوداع (۱۰ ہجری) کے موقع پر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مُشرّف بہ اسلام ہوگئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو بتایا کہ بارہ تیرہ سال پہلے جب پہلی مرتبہ حضور ﷺ سے میری ملاقات ہوئی تھی اُسی دن سے میں آپ کی پیروی کا آرزومند رہا مگر جو کچھ ہونا تھا سو ہوگیا۔ افسوس کہ مجھے اتنی تاخیر سے دینِ حق قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

بنو شَیبان بن ثعلبہ:

یہ قبیلہ بنی بکر بن وائل کے بطن ثعلبہ بن عُکابہ کی ایک شاخ تھا اور ایران (فارس) کے مقبوضہ علاقے عراقِ عرب سے مُتّصِل آزاد عرب علاقے میں آباد تھا۔ یہ لوگ بڑے شجاع اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنگجو تھے لیکن ایران کی طاقتور سلطنت سے ٹکر لینے کے قابل نہیں تھے اس لیے اس سے اچھے تعلقات رکھنے پر مجبور تھے۔ ۱۰ نبوت کے موسمِ حج میں رسولِ اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ہمراہ مختلف قبائل کو دعوتِ توحید دیتے ہوئے حج کے لیے آئے ہوئے لوگوں کی ایک ایسی مجلس میں پہنچے جو بڑی باعظمت اور باوقار تھی اور اس میں چند ذی وجاہت اشخاص مصروفِ گفتگو تھے حضرت ابوبکرؓ نے آگے بڑھ کر اُن کو سلام کیا اور پھر پوچھا:

"اے بیت اللہ کے مہمانو! تم کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟"

جواب ملا "ہم بنی شیبان بن ثعلبہ میں سے ہیں"

جواب دینے والا ایک قد آور اور وجیہ آدمی تھا اس کے سر پر سیاہ زلفیں تھیں جو دو حصوں میں منقسم اس کے سینے پر لہرا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو معاً کچھ یاد آ گیا۔ انہوں نے اس شخص سے پوچھا:

"اگر میں غلطی نہیں کرتا تو تم مفروق بن عمرو ہو۔"

اس نے کہا "تم نے خوب پہچانا بھائی، میں مفروق بن عمرو ہی ہوں اور یہ میرے ساتھ ہانی بن قبیصہ، نعمان بن شریک اور مُثنّیٰ بن حارثہ ہیں۔"

حضرت ابوبکرؓ تمام قبیلوں کے انساب سے واقف تھے۔ مفروق کا جواب سن کر انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ لوگ اپنے قبیلے کا خلاصہ ہیں اور ان سے بڑھ کر معزز ان کی قوم میں کوئی نہیں اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے مفصّل گفتگو کروں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا "ضرور"

اب حضرت ابوبکرؓ پھر مفروق کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ نہایت فصیح البیان شخص تھا جواب دینے کے لیے سنبھل کر بیٹھ گیا۔

حضرت ابوبکرؓ: تمہارے قبیلے میں کتنے لوگ ہوں گے؟"

مفروق: ہم لوگ ایک ہزار سے کچھ زیادہ ہیں اور ظاہر ہے یہ کوئی کم تعداد نہیں۔"

حضرت ابوبکرؓ: "تم لوگ اپنی حفاظت کیسے کرتے ہو؟"

مفروق: "ہم اپنی حفاظت کے لیے ہمیشہ جدوجہد کرتے رہتے ہیں لیکن ہر قوم کا مقدر بہرحال اس کے ساتھ ہوتا ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ: "تم اپنے دشمنوں سے کیسے لڑتے ہو۔"

مفروق: "جب ہم جنگ پر آ جاتے ہیں تو کچھ نہ پوچھو کہ ہمارے غیظ و غضب کا کیا عالَم ہوتا ہے۔ اس وقت ہم جس طرح دشمن سے نبرد آزما ہوتے ہیں یہ بھی بس ہم ہی جانتے ہیں۔ ہم اپنے گھوڑوں کو اولاد سے بڑھ کر سمجھتے ہیں اور اپنے ہتھیاروں کو دودھ دینے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والی دشمنیوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ تاہم فتح و شکست تو بہر حال اللہ کے ہاتھ میں ہے کبھی ہم فتح پاتے ہیں اور کبھی ہار بھی جاتے ہیں۔"

اس کے بعد مفروق نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا "شاید آپ لوگ قریش میں سے ہیں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "ہاں بھائی تمہارا قیافہ درست ہے تم نے سنا ہوگا کہ ہم میں اللہ کے رسول مبعوث ہوئے ہیں وہ (حضور ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آپ ہی ہیں۔"

مفروق نے کہا "ہاں ہم نے ان کے بارے میں سنا ہے۔" پھر وہ حضور ﷺ سے مخاطب ہوکر بولا "اے قریشی بھائی! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟

حضور ﷺ آگے بڑھ کر بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکرؓ آپ پر اپنے کپڑے کا سایہ کرکے قریب کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے مددگار بنو اور میری حفاظت کرو تاکہ میں لوگوں تک اللہ کے احکام بلا روک ٹوک پہنچا سکوں۔ قریش نے اللہ کے کام کو روکنے کے لیے ایکا کر لیا ہے اللہ کے رسول کو جھٹلایا ہے باطل پر اتر گئے ہیں اور اللہ بیشک تمام باتوں سے بے نیاز اور تعریف کے لائق ہے۔"

مفروق نے پوچھا، آپ اور کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟

اس کے جواب میں حضور ﷺ نے قرآنِ حکیم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی۔ (ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے سورۃ الانعام کی آیات ۱۵۱ تا ۱۵۳ اور سورۃ النحل کی آیت ۹۰ کی تلاوت فرمائی)۔ ان کو سن کر مفروق بے اختیار پکار اٹھا، واللہ یہ اہلِ زمین کا کلام نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو ہم فوراً پہچان لیتے، اے قریشی بھائی! آپ کی دعوت سراسر بھلائی ہے وہ قوم بڑی بیوقوف ہے جس نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کے خلاف ایکا کیا۔

ہانی بن قبیصہ اور مُثنّٰی بن حارثہ نے بھی مفروق کی تائید کی لیکن دعوتِ اسلام کو مکمل طور پر قبول کرنے سے اس بناء پر معذرت کی کہ ہم ایران کے پڑوس میں آباد ہیں۔ کسریٰ (شاہِ ایران) نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ ہم معمول سے ہٹ کر کوئی نیا کام کریں گے اور نہ کسی نئی بات پیدا کرنے والے کو اپنے ہاں جگہ (پناہ) دیں گے۔ آپ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں، اسے ہم قبول کر لیں تو ہوسکتا ہے کہ کسریٰ کو یہ بات ناگوار گزرے اور وہ ہمیں پیس ڈالے۔ اس کا مقابلہ کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ ہاں آپ کے عرب مخالفین کے مقابلے میں ہم آپ کی حمایت اور اعانت کر سکتے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا، شیبانی بھائیو! تمہارے جواب میں کوئی برائی نہیں تم نے سچی بات کہہ کر اچھا کیا لیکن جزوی اعانت اسلام کی روح سے مطابقت نہیں رکھتی۔ کسریٰ اور اسلام کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اطاعت بیک وقت ممکن نہیں۔ اللہ کے دین کو [illegible] پوری طرف سے اس کی محافظت پر کمربستہ ہو۔ یہ فرما کر آپؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور [illegible] روانہ ہوگئے۔

(اس واقعہ کے دس گیارہ سال بعد بنو شیبان کے یہ تمام بڑے بڑے سردار حلقہ بگوش اسلام ہوگئے اور اپنے قبیلے کو بھی دائرۂ اسلام میں لے آئے۔ ان میں سے حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاریخ میں بڑا نام پایا)

ان تین سالوں میں مشرکین نے ذاتِ رسالتمآب ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچانے کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ فی الحقیقت ان کی زیادتیوں اور ظلم میں پہلے سے بشدت آ گئی۔ ان کی کچھ جھلکیاں ہم پیچھے دکھا چکے ہیں۔ مشرکین کی خباثت جب اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی جب انہوں نے اتفاقِ رائے سے رحمتِ عالم ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن حضور ﷺ کی ہجرت الی المدینہ نے اس منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

یثرب کی چھ سعید رُوحیں:

سنہ ۱۱ بعد بعثت کے موسمِ حج کا ذکر ہے کہ سرورِ عالم ﷺ معمول کے مطابق تبلیغ حق کے لیے منیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں حدِ نظر تک خیموں کا ایک شہر آباد تھا جس میں عرب کے گوشے گوشے سے حج کے لیے آنے والے مختلف قبائل کے لوگ ٹھہرے ہوئے تھے۔ عقبہ [1] کے قریب ایک خیمے میں چھ گورے چٹے وجیہ آدمی مقیم تھے یہ لوگ تقریباً پونے تین سَو میل (۴۵۰ کلومیٹر) دُور شہر یثرب سے آئے تھے اور وہاں کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔

سرورِ عالم ﷺ ان لوگوں کے خیمے کے سامنے پہنچے تو آپؐ نے ان کی باہمی گفتگو میں معقولیّت کی جھلک پائی۔ آپؐ وہیں رُک گئے ان لوگوں کو سلام کیا اور ان سے پوچھا، آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا، ہم یثرب کے قبیلہ خزرج کے آدمی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، یہود کے حلیف؟ انہوں نے کہا، ہاں۔

حضور ﷺ نے فرمایا ''میں آپ لوگوں سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں کیا آپ میری بات سُنیں گے؟''

انہوں نے بیک زبان جواب دیا۔ ''ضرور ضرور کہیے آپ کیا کہتے ہیں۔''

حُضور ﷺ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر ان لوگوں کو خدائے واحد پر ایمان لانے کی ترغیب دی، ساتھ ہی ان کو بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور خلقِ خدا کی ہدایت کے لیے

---

[1] عقبہ سے مراد گھاٹی ہے۔ گھاٹی پہاڑ کے دَرّے یا دو پہاڑوں کے بیچ کے راستے کو کہتے ہیں۔ یہاں جس گھاٹی کا ذکر ہے وہ منیٰ کے علاقے میں مکّہ معظمہ کے راستے پر واقع ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مبعوث ہوا ہوں۔

ان لوگوں نے بڑے انہماک کے ساتھ آپؐ کے ارشادات سُنے اور کہا۔

”آپ پر اللہ کا جو کلام نازل ہوا ہے وہ ہمیں سنایئے۔“

حضور ﷺ نے سورۂ ابراہیم کی تلاوت شروع کر دی۔ابھی آپؐ نے چند ہی آیتیں پڑھی تھیں کہ وہ لوگ کلامِ الٰہی کی اثر آفرینی سے دم بخود ہو گئے انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بولے:۔

”خدا کی قسم یہ تو وہی نبی ہیں جن کا ذِکر ہم آئے دن یہودِ یثرب سے سُنتے رہتے ہیں۔ دیکھنا کہیں یہودی ان پر ایمان لانے میں ہم سے بازی نہ لے جائیں۔“

پھر انہوں نے بڑے اَدب کے ساتھ کہا:۔

”اے مُحَمّد! ہم آپ کی دعوت کو سچّے دل سے قبول کرتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اور آپؐ اُس کے رسول برحق ہیں۔ آپ فرمایئے کہ اس کے علاوہ آپؐ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔“

سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا:”قریش نے میری دعوت کو جھٹلایا ہے وہ میرے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ مجھے اپنے ہاں لے جاؤ، میرے دست و بازو بنو اور میری حفاظت کرو تا کہ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک توحید کی دعوت پہنچا سکوں۔“

ان لوگوں نے کچھ دیر آپس میں مشورہ کیا اور پھر عرض پیرا ہوئے:

”اے اللہ کے رسول! یہ تو ہماری خوش بختی ہوگی کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لے آئیں۔ ہم آپ کی تائید وحمایت میں یقیناً اپنی جانوں کی بازی لگا دیں گے لیکن یثرب کے حالات ابھی آپ کی تشریف آوری کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ ہمارے باہمی جھگڑوں اور عداوتوں نے فضا کو سخت مکدّر کر رکھا ہے۔ ایسی فضا میں وہاں دینِ حق کے پھیلنے کا امکان بہت کم ہے۔ ہم آپس کے جھگڑے طے کر لیں اور زمین کچھ ہموار کر لیں تو پھر آپ کو یثرب تشریف لانے کی دعوت دیں گے۔ اگر اللہ نے چاہا تو ہم اگلے سال پھر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔“

حضور ﷺ کو ان کی صاف گوئی پسند آئی اور آپؐ نے فرمایا”بہت بہتر“ پھر ان اصحاب میں سے ایک صاحب آگے بڑھے اور عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول ﷺ! اپنا دستِ مبارک آگے لایئے میں اس پر اسلام کی بیعت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہوں۔"

حضور ﷺ نے اپنا دستِ مبارک آگے بڑھایا تو انہوں نے نہایت اَدَب اور محبّت کے ساتھ آپ ؐ کی بیعت کی۔ اُن کے پانچوں ساتھیوں نے بھی اُن کی تقلید کی۔ یثرِب کے ان خوش بخت سابقینِ اسلام کے اسمائے گرامی یہ تھے:

(۱) حضرت اسعدؓ بن زُرارہ

(۲) حضرت عقبہؓ بن عامر بن نابی

(۳) عوفؓ بن حارثؓ ان کو اپنی والدہ عفراء کی نسبت سے عوف بن عفراء بھی کہا جاتا تھا۔

(۴) رافعؓ بن مالک بن عجلان۔ یہ "کامل" کے لقب سے مشہور تھے۔ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور بڑے ماہر تیر انداز اور تیراک تھے۔

(۵) حضرت قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ۔

(۶) حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بن ریَاب

ان سب کا تعلق قبیلہ خزرج کی مختلف شاخوں سے تھا۔ بعض اربابِ سِیَر نے اس بیعت کو بیعتِ عَقَبۂ اولیٰ کا نام دیا ہے لیکن بیشتر اہلِ سِیَر نے ۱۲ نبوت میں ہونے والی بیعت کو بیعت عَقبۂ اولیٰ کہا ہے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان چھ میں سے بیعت کرنے میں کس کو اوّلیت حاصل ہے۔ بعض نے اسعدؓ بن زرارہ کا نام لیا ہے بعض نے رافعؓ بن مالک کا اور بعض نے جابرؓ بن عبداللہؓ کا۔ اس بحث میں پڑنے کے بجائے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب اصحاب انصار کے سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن میں شامل ہیں اور قبولِ اسلام کے معاملے میں ان کو اہلِ مدینہ میں امتیازی مقام حاصل ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یثرِب اور اہلِ یثرِب کی مختصر تاریخ

پچھلے صفحات میں ہم نے شہر یثرب کے چھ افراد کے قبولِ اسلام کا جو واقعہ بیان کیا ہے، بادی النظر میں تو یہ ایک معمولی واقعہ معلوم ہوتا ہے جسے حسنِ اتفاق بھی کہا جا سکتا ہے لیکن فی الحقیقت سیرت نبوی ﷺ کے حوالے سے یہ ایک نہایت اہم واقعہ ہے جسے اُس عظیم الشان انقلاب کی خشت اوّل یا بنیاد کی حیثیت حاصل ہے جس نے یثرب کو مدینۃ النبی ﷺ بنا دیا اور وہاں کے مسلمان باشندوں کو انصار کا خطاب دلا کر جنت کا حقدار بنا دیا۔ اس سے پہلے کہ یثرب کے اوّلین قدح خوارانِ بادۂ توحید کے ذکر کو آگے بڑھایا جائے مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یثرب اور اس کے باشندوں کی تاریخ اور تہذیب و تمدن کے مختلف پہلوؤں پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈال دی جائے۔

ہجرتِ نبوی سے قبل کا "یثرب" اور بعد کا مدینہ منوّرہ، مکہ معظمہ کے شمال میں تقریباً دوسو اسّی میل یا ساڑھے چار سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ سطحِ بحر سے اس کی بلندی ۶۱۹ میٹر ہے۔ آب و ہوا خوشگوار ہے۔ یہ ایک سرسبز اور شاداب زراعتی شہر ہے۔ مغربی جانب کو چھوڑ کر اس کے باقی اطراف میں باغات ملتے ہیں جن میں کھجور، انگور، سیب اور انار وغیرہ مختلف اقسام کے پھل کافی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی زمینوں میں وسیع پیمانے پر کھیتی باڑی کی جاتی ہے۔ اس کے قریب سَلع، اُحد اور عیر کے پہاڑ ہیں۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری مرحوم مصنف "رحمۃ لِّلعَالَمِیْن" کی تحقیق کے مطابق اس کا نام انبیاءِ سابق کی کتابوں میں سَلع تھا لیکن جمہور اہلِ سِیَر اور مؤرّخین کے نزدیک مدینہ منوّرہ کا سب سے قدیم مشہور نام یثرب ہی ہے قرآنِ کریم کی سورۂ احزاب میں بھی یہ نام آیا ہے:

یٰٓاَھْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ فَارْجِعُوْا۔ (آیۃ ۱۳)

"اے یثرب کے لوگو! تمہارے لیے اب ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، پلٹ چلو۔"

بعض علماء نے لکھا ہے کہ مدینہ منوّرہ کو یثرب کہنا مکروہ ہے کیونکہ یثرب وہاں کے ایک بُت یا ایک کافر کا نام تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ثرب سے مشتق ہے جس کے معنی فساد کے ہیں۔ بعض اسے تعریب کا مشتق بتاتے ہیں جس کے معنی ملامت کرنے کے ہیں۔ یثرب نام جیسا بھی تھا، بعض قدیم اور جدید شعراء اور دوسرے اہلِ علم نے اپنے کلام یا اپنی تحریروں میں اسے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے تکلّف استعمال کیا ہے (ان میں جامیؒ، اقبالؒ اور ظفر علی خانؒ جیسے اصحاب شامل ہیں) ان کے پاس اس کا جواز ہوگا۔ ہمارے خیال میں کم از کم زمانہ قبلِ ہجرت میں اس شہر کا ذکر ''یثرب'' ہی کے نام سے کرنا چاہیے کہ یہی حقیقت پسندی کا تقاضا ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ اسے حضرت نوح علیہ السّلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ایک شخص یثرب بن قانیہ نے آباد کیا تھا اسی کے نام پر یہ یثرب مشہور ہو گیا۔ تازہ ترین تحقیق یہ ہے کہ لفظ یثرب ایک مصری لفظ تربیس (یا اتھربیس) کی تعریب ہے نیز یہ کہ زمانہ قدیم میں اہلِ یونان یثرب کو اترپا (iathreppa) کہتے تھے۔

یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے اور ایک محتاط اندازے کے مطابق اس کی تعمیر کا زمانہ ۲۶۰۰ قبلِ مسیح اور ۲۲۰۰ قبلِ مسیح کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو یہ مہتم بالشان شرف بخشا کہ اس کو اپنے حبیب خاتم الانبیاء و المرسلین ﷺ اور آپؐ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جائے ہجرت بنایا اور اس کو ''مدینۃ النّبی ﷺ'' کے نام سے شہرت دی۔ اسی طرح اس کے باشندوں کو انصار کا عظیم الشان لقب عطا فرمایا۔

انصار:

لفظ ''انصار'' ناصر یا نصیر کی جمع ہے اور مدینہ منورّہ کے ان مقدّس باشندوں کا لقب ہے جنہوں نے اسلام کی دعوت قبول کرنے کی سعادت حاصل کی اور ہجرت کے بعد فخرِ کون و مکاں جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اور دوسرے مہاجرینِ اسلام کو نہ صرف اپنے گھروں میں اتارا بلکہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ ہر طرح عون ونصرت کا حق ادا کیا۔ اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے انہیں انصار کے نام سے حیاتِ جاوید عطا کی۔ ان کے شہر کو اپنے محبوب افضل البشر، سید الانبیاء، ہادیٔ دو جہاں ﷺ کی پسندیدہ اور مستقل اقامت گاہ بنا دیا۔ اور اسے دنیا بھر کے فرزندانِ توحید کے لیے رگِ جاں سے عزیز تر بنا دیا۔ قرآنِ کریم میں انصار کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔ (انفال، رکوع:۱۰)

''اور جن لوگوں نے اسلام کو پناہ دی اور نصرت کی وہی سچے مومن ہیں ان کے لیے مغفرت اور اچھا رزق ہے۔''

انصار دو قبیلوں سے تعلّق رکھتے تھے۔ ایک کا نام ''خَزرَج'' اور دوسرے کا نام ''اَوس'' تھا۔ اوس وخزرج یثرب میں کب آباد ہوئے، طلوعِ اسلام سے قبل ان کا مذہب اور تمدّن کیسا تھا یثرب میں یہودیوں کے کتنے قبائل آباد تھے اور اوس وخزرج کے ساتھ ان کے تعلّقات کی نوعیت کیا تھی؟ ان سارے سوالوں کے مختصر جواب آپ کو اگلے صفحات میں مل جائیں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یثرب کے قدیم باشندے:

یثرب کو عمالیق (یا عمالقہ) نے ۱۶۰۰ ق م اور ۲۲۰۰ ق م کے درمیان آباد کیا تھا۔ عمالیق کا سلسلۂ نسب عملاق بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام سے ملتا ہے۔[1] یہ لوگ تمام ملکِ عرب میں پھیل گئے تھے۔ بحرین، عمان اور حجاز سے لے کر شام اور مصر تک ان کے قبضے میں آ گئے تھے۔ یثرب میں ان کے جو قبائل آباد ہوئے ان کا نام بنو ہفان۔ سعد بن ہفان اور بنو مطرویل تھا۔ ایک اور قول کے مطابق یثرب کو یثرب بن قانیہ بن مہلائیل بن ارم بن عبیل بن عوص بن ارم بن سام بن نوحؑ نے آباد کیا۔

عمالیق کے بعد یہود یثرب میں آ کر آباد ہوئے۔ وہ کن حالات میں یثرب پہنچے اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک فوج حجاز کی طرف روانہ کی اور اسے ہدایت کی کہ جو لوگ دینِ ابراہیمی قبول کر لیں سوائے ان کے اور کسی کو زندہ نہ چھوڑنا۔ چنانچہ اس فوج نے عمالیق کو شکست دے کر ارضِ حجاز پر قبضہ کر لیا اور ان کی ایک کثیر تعداد یثرب اور اس کے گرد و نواح میں آباد ہو گئی۔ ایک مدت کے بعد رومیوں نے شام پر فاتحانہ یلغار کی اور یہودیوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ مشہور یہودی قبائل بنو قریظہ اور بنو نضیر اس وقت شام میں آباد تھے وہ اس قتلِ عام سے بچنے کے لیے شام سے بھاگ کر حجاز چلے آئے اور اپنے یہودی بھائیوں کے ساتھ آباد ہو گئے۔

ایک اور مشہور روایت یہ ہے کہ علمائے یہود نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد پر یقین رکھتے تھے اور توراۃ کے ذریعہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ نبی آخر الزماں ﷺ کا دار الہجرت ایک ایسا شہر ہوگا جو دو پتھریلی زمینوں کے درمیان نخلستان سے گھرا ہوا ہوگا۔ چنانچہ ایسے شہر کی تلاش میں وہ اپنے آبائی وطن شام سے نکلے۔ اپنی سمجھ کے مطابق جس قبیلہ نے کسی شہر یا آبادی کو ان خصوصیات کا حامل پایا وہیں آباد ہو گیا۔ بعض تیماء کے نخلستانوں میں آباد ہو گئے۔ بعض نے خیبر کو اپنا مسکن بنایا اور ایک کثیر تعداد یثرب میں اقامت گزین ہو گئی۔ طبری کے بیان کے مطابق یہودی بُخت نصّر کے حملہ کے وقت شام سے حجاز آئے۔ بہرصورت عمالیق کے بعد یہود نے یثرب اور اس کے نواحی علاقوں پر دُور دُور تک شاہانہ اقتدار قائم کر لیا تھا۔ انہوں نے جگہ جگہ قلعے بنا لیے تھے اور ان میں سکونت رکھتے تھے۔ آل واولاد اور دولت کی کثرت میں کسی دوسرے قبیلے کو ان سے ہمسری کا یارانہ تھا۔ قطع نظر اس کے کہ یہ لوگ اصلاً بنی اسرائیل تھے یا یہودی المذہب عرب تھے ان کے اقتدار اور تمول میں کسی کو کلام نہیں۔

---

[1] قبائل بائدہ کے سلسلۂ نسب کے متعلق علمائے انساب کی رائیں اس قدر متعارض ہیں کہ کسی ایک رائے کو دوسری پر ترجیح دینا بے حد مشکل ہے۔ ہم نے جو سلسلۂ نسب نقل کیا ہے یہ معجم البلدان (یاقوت حموی) سے لیا گیا ہے۔ دو دوسرے مؤرخین نے یہ سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔ (۱) عمالیق بن لاوذ بن سام بن نوحؑ (معارف ابنِ قتیبہ) عملیق بن لاوذ بن سام بن نوحؑ (قلقشندی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوس اور خزرج کی یثرب میں آمد:

عین اس وقت جب مدینہ سے لے کر حدودِ شام تک یہود کے اقتدار کا آفتاب نصف النہار پر تھا، اوس وخزرج نام کے دو قبائل کا ورود یثرب میں ہوا۔ عرب مؤرخین نے عام طور پر اوس وخزرج کو قحطانی النسل یعنی عرب عاربہ لکھا ہے۔ لیکن تازہ ترین تحقیق کے مطابق اوس وخزرج قحطانی نہیں بلکہ اسمٰعیلی یعنی عرب مستعربہ تھے۔[1] اور نابت بن اسمٰعیلؑ کی اولاد سے تھے۔ مولانا سیّد سلیمان ندویؒ نے ارض القرآن جلد دوم میں اور مولانا سعید انصاری نے سیَرِ انصار جلد اوّل میں نہایت ٹھوس دلائل سے اوس وخزرج کو اسماعیلی (آلِ اسماعیل) ثابت کیا ہے۔ نابت (نابط) بن اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئی۔ آلِ اسماعیل کی متعدد شاخوں میں ایک شاخ ''ازد'' یا اسد کے نام سے موسوم ہوئی۔ قبیلہ ازد کسی نامعلوم زمانہ میں یمن جا کر آباد ہوگیا تھا۔ یمن میں جب وہ مشہور سیلاب آیا جسے قرآن میں ''سیلِ عَرِم'' [2] کا نام دیا گیا ہے۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے یا کچھ عرصہ بعد قبیلہ ازد نے یمن سے

---

[1] اہلِ عرب تین بڑے قبیلوں کی اولاد ہیں: (۱) بائدہ (۲) عاربہ (۳) مستعربہ۔

بائدہ ان قبیلوں کا نام تھا جنھوں نے طوفانِ نوح کے بعد عرب پر حکومت کی۔ یہ سب عذابِ الٰہی یا گردشِ زمانہ کی لپیٹ میں آ کر ناپید ہوگئے۔ عاد۔ ثمود۔ عمالیق۔ جدیس۔ طسم وغیرہ عرب بائدہ ہی تھے۔

عاربہ وہ قبائل ہیں جو بائدہ کے ہمعصر تھے اور جنہوں نے ان کے بعد عرب پر حکومت کی۔ قحطان، سبا، حمیر وغیرہ انہی میں داخل ہیں۔

مستعربہ سے وہ قبائل مراد ہیں جو حضرت اسماعیلؑ بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور شمالی عرب میں بود وباش رکھتے تھے۔

[2] سورۂ سبا میں سیلِ عرم کا ذکر اس طرح آیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ○ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ○ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ○ (آیات ۱۵۔۱۶۔۱۷)

ترجمہ: بلاشبہ سبا کے لیے خود اپنے گھر میں ایک نشانی موجود تھی، دو باغ دائیں اور بائیں، اپنے پروردگار کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ عمدہ و پاکیزہ شہر (ملک) ہے اور بخشش کرنے والا پروردگار۔ مگر انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر بند توڑ سیلاب بھیجا اور ان کے پہلے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ انہیں دیے جن میں بدمزہ پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور بیری کے کچھ جھاڑ۔ یہ تھی ان کی ناشکر گزاری کی جزا جو ہم نے ان کو دی اور ہم تو صرف ناشکرے انسانوں ہی کو ایسا بدلہ دیتے ہیں۔"

سبا جنوبی عرب (یمن) کی ایک بڑی قوم کا نام تھا۔ اس کا دَورِ عروج گیارہ سَو برس (بقیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوچ کیا۔ اس وقت اس قبیلہ کا رئیس عمرو بن عامر تھا (جو مزیقیاء کے لقب سے مشہور ہے)۔ اسی مزیقیاء کے پڑپوتے دو بھائی اوس اور خزرج تھے۔ انصار کے تمام خاندان انہی اوس وخزرج پر جا کر مل جاتے ہیں۔ (بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اوس وخزرج کا ایک تیسرا بھائی عدی بھی تھا۔ لیکن اس کی اولاد اوس وخزرج میں ضم ہوگئی) ازدی قبائل یمن سے نکل کر شام، عراق، نجد، عمان،

(پچھلے صفحے کا بقیہ)

قبل مسیح میں شروع ہوا اور وہ ایک تجارت پیشہ، متمدن اور خوشحال قوم کی حیثیت سے چار دانگ عالم میں مشہور ہوگئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام (۹۵۰ ق م) کو اسی قوم کی ملکہ سے سابقہ پڑا تھا۔ اس کا قصہ سورۂ نمل میں مذکور ہے۔ قوم سبا کی تاریخ کے اہم ادوار یہ ہیں:

۵۵۰ ق م سے پہلے کا دور: اس دور میں سبا کے حکمرانوں کا لقب مکرِب تھا۔ وہ اپنی قوم کے مذہبی پیشوا بھی تھے۔ اس لیے انہیں کاہن بادشاہ (مکارب سبا) کہا جاتا تھا۔ ان کا دارالحکومت صرواح تھا۔

۵۵۰ ق م سے ۱۱۵ ق م تک کا دور: اس دور میں سبا کے حکمرانوں نے اپنا لقب ملک (بادشاہ) اختیار کر لیا اور اپنا پایۂ تخت صرواح کی جگہ مارب کو بنایا جو یمن کے موجودہ دارالحکومت صنعا سے ۶۰ میل مشرق کی جانب واقع ہے۔

۱۱۵ ق م سے ۵۲۵ء کا دور: اس زمانے میں سبا کی مملکت پر حِمیَر کا قبیلہ غالب ہوگیا جو قوم سبا ہی کا ایک قبیلہ تھا۔ انہوں نے ریدان (ظفار) کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ حمیریوں نے اپنی سلطنت کو بڑی وسعت دی اور اس میں یمن کے علاوہ حضرموت، نجد اور تہامہ وغیرہ کو شامل کر لیا۔ پڑوسی ملک حبش سے اکثر ان کی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک یمن پر اہل حبش کا استیلا ہوگیا۔ اس کے بعد حمیریوں نے اپنا کھویا ہوا اقتدار پھر حاصل کر لیا۔ ۵۲۵ء میں حمیری بادشاہ ذونو اس کو حبش کے عیسائی حکمران نے شکست دے کر سبائے حمیر کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ قوم سبا نے شہر مارب کے پاس دو پہاڑوں کے درمیان ۱۵۰ فٹ لمبا اور ۵۰ فٹ چوڑا ایک عظیم الشان بند تعمیر کیا تھا۔ اس سے ایک عمدہ نظامِ آب رسانی قائم ہوگیا تھا اور دائیں بائیں دونوں جانب کا تین سَو مربع میل کا علاقہ گل وگلزار بن گیا تھا جس میں انواع واقسام کے خوشبودار پودے اور پھلدار درخت تھے۔ یہ بند سدِ مارب کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی بنیاد یثع امر نامی بادشاہ نے آٹھویں صدی قبل مسیح میں رکھی اور اس کے بعد مختلف بادشاہوں کے عہد میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ قرآنِ حکیم کے مطابق سدِ مارب کو سیلِ عَرِم نے توڑ دیا اس کے نتیجہ میں قوم سبا کی زراعت تباہ ہوگئی اور ان کے باغ اجڑ کر بدمزہ پھلوں پیلو اور بیری کے درختوں کے سوا کچھ پیدا کرنے کے قابل نہ رہے اس کے ساتھ ہی ان کی تجارت کے راستے بھی اجڑ گئے اور ان کے قبائل مختلف ممالک (یمن، نجد، حجاز، تہامہ، عمان، شام، عراق) میں منتشر ہوگئے۔

سیلِ عَرِم جس کا ذکر قرآن میں ہے کس زمانے میں آیا؟ اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں بعض نے لکھا ہے کہ یہ سیلاب ۱۱۵ ق م میں آیا اور بعض نے اس کا زمانہ ۴۴۷ء یا ۴۵۰ء لکھا ہے۔ سدِ مارب ٹوٹنے کے بعد کئی بار اس کی مرمت بھی ہوئی۔ آخری بار یہ بند ۵۴۳ء میں ٹوٹا اور اسی سال یمن کے حبشی حاکم ابرہہ نے اس کی مرمت کرا دی۔ اب بھی یہ بند شکستہ حالت میں موجود ہے اور اس کا ایک تہائی حصہ بدستور قائم ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یمامہ، بحرین اور عرب کے دوسرے مختلف مقامات پر آباد ہوگئے۔ ان قبائل کی ایک شاخ ثعلبیہ میں مقیم ہوئی۔ جب اس کی تعداد میں اضافہ ہوا تو وہ ثعلبیہ کی سکونت ترک کر کے یثرب میں آ کر آباد ہوگئی۔ یہی قبائل اوس وخزرج تھے جو بعد میں انصار کہلائے۔ شروع شروع میں ان لوگوں نے نہایت عسرت کے ساتھ محکومانہ زندگی بسر کی۔ یہود سے حلیفانہ تعلقات قائم کر کے انہوں نے بھی اپنے قلعے اور مکانات بنا لیے۔ ایک عرصہ تک وہ یہودِ بنو قریظہ و بنو نضیر کو خراج دیتے رہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

نووی الخرج بعد خراج کسریٰ * د خرج بنی قریظہ و النضیر

مولانا سیّد سلیمان ندوی نے اپنی کتاب ''ارض القرآن'' میں اس دَور کے اوس وخزرج اور یہود کا موازنہ ان الفاظ میں کیا ہے۔''

''اوس وخزرج گو بدویانہ زور وقوت میں ان (یہود) سے زیادہ تھے لیکن سامان دولت، ہنر اور دیگر قوائے معنوی میں ان سے فروتر تھے۔ اس بنا پر وہ یہودیوں سے نہایت متاثر ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اس سے مذہبی اثر بھی پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ اوس وخزرج نذر مانتے تھے کہ بچّہ جیتا رہا تو یہودی بنا دوں گا۔'' (ارض القرآن ج۲ ص۹۰)

غرض ایک مدّت تک یہی حالت رہی۔ لیکن رفتہ رفتہ اوس وخزرج کی اولاد اور مال و دولت میں ترقی ہونے لگی اور ان میں آزادی اور خودسری کے جذبات ابھرنے لگے۔ دوسری طرف یہود بھی چوکنے ہوگئے اور دونوں قوموں میں ایک دوسرے کے متعلق بداعتمادی پیدا ہوگئی۔ یہ اس کشمکش کا نقطۂ آغاز تھا جو آگے چل کر یہود کے شاہانہ زور وقوت کی تباہی پر منتج ہوئی۔ اس کا موقع خود یہود نے فراہم کر دیا۔ موّرخین نے اس کے متعلق ایک دلچسپ روایت بیان کی ہے۔ جس کا خلاصہ نیچے درج کیا جاتا ہے:

یثرب کے یہودیوں کی تباہی:

جس زمانے کے حالات ہم بیان کر رہے ہیں اس زمانے میں اوس وخزرج کا سردار مالک بن عجلان تھا اور یہود کا سردار فیطوان یا فیطون [1] تھا۔ فی الحقیقت وہ اوس وخزرج اور یہود دونوں کا حاکم تھا۔ کیونکہ معاہدہ کے مطابق اوس وخزرج اس کی بالادستی تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔ یہ شخص نہایت جابر اور بدکار تھا۔ اس نے حکم دیا کہ یثرب کی جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے وہ اپنے شوہر کے پاس جانے سے پہلے ایک رات اس کے عشرت کدہ میں بسر کرے۔ یہود نے تو اس حکم کو گوارا کر لیا لیکن اوس وخزرج کی ایک غیور لڑکی نے اپنے خاندان کی غیرت اور حمیت کے خوابیدہ جذبے کو بُری طرح جھنجھوڑا۔ یہ لڑکی مالک بن عجلان رئیس اوس وخزرج کی حقیقی بہن تھی۔

---

[1] بعض روایتوں میں اس کا نام فطیون اور قیطون بھی لکھا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اتفاق سے انہی ایام میں اس لڑکی کی شادی ہوئی۔ رخصتی کا وقت آیا تو وہ اپنی پنڈلیوں کو عریاں کر کے بھری مجلس میں آ گئی۔ مالک بن عجلان اسے اس حالت میں دیکھ کر سخت غضبناک ہوا اور بہن کو ملامت کی۔ اس غیور لڑکی نے بھائی کو جواب دیا:

"آج رات جو کچھ پیش آنے والا ہے کیا تمہیں اس پر غیرت نہیں آتی۔ تم میری عریاں پنڈلیاں تو نہیں دیکھ سکتے لیکن تمہیں یہ گوارا ہے کہ تمہاری بہن اپنے شوہر کے پاس جانے سے پہلے ایک غیر شخص کے پاس رات گزارے۔"

بہن کے منہ سے یہ الفاظ سُن کر مالک بن عجلان سکتے میں آ گیا۔ اس کا قومی جذبۂ غیرت بیدار ہو گیا اور اس نے اپنی ناموس کے لیے جان پر کھیلنے کا تہیہ کر لیا۔ باہم یہ رائے قرار پائی کہ بنتِ عجلان رات کو جب سہیلیوں کے ہمراہ فطیون کی خلوت گاہ میں جائے تو مالک بھی زنانہ لباس میں اس کی سہیلیوں میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ رات کو مالک بھی زنانہ لباس میں بہن کے ہمراہ فطیون کے محل میں داخل ہو گیا اور موقع پا کر فطیون کو تلوار کے ایک ہی وار سے جہنم واصل کر دیا۔ اس کے بعد لوگوں کی نظر بچا کر محل سے باہر نکلا اور مخفی طور پر شام کے غسّانی بادشاہ ابوجبیلہ کے پاس بھاگ گیا۔ بنو غسّان اور اوس و خزرج ہم نسب تھے۔ مالک نے جب یثربی یہودیوں کے ظلم و ستم کی داستان ابوجبیلہ کو سنائی تو اس کی نسبی اور قبائلی غیرت حرکت میں آ گئی اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک یثرب کے یہودیوں کو کیفرِ کردار تک نہ پہنچا لے گا ہر قسم کے عیش و آرام سے مجتنب رہے گا۔ چنانچہ غسّانیوں کا ایک جرار لشکر ابوجبیلہ کی سرکردگی میں یثرب کے قریب ذی حرض کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ یہودی ابوجبیلہ کے عزائم سے آگاہ نہیں تھے اور عام حملہ کی صورت میں ان کے قلعہ بند ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے ابوجبیلہ نے حیلہ سے کام لیا پہلے دن اوس و خزرج کے رُؤسا کی دعوت کی اور انہیں گرانقدر انعامات سے نوازا۔ دوسرے دن اس نے صلہ و انعام کی توقع دلا کر رُؤسائے یہود کی دعوت کی۔ جب وہ سب آ گئے تو ان کو ایک خیمہ کے اندر لے جا کر قتل کر دیا۔ یہ پہلا دن تھا کہ یہود کا زور ٹوٹا اور اوس و خزرج نے مدینہ میں اقتدار حاصل کیا۔

ایامُ الانصار:

اوس اور خزرج (یعنی انصار) کے زمانۂ جاہلیت اور خانہ جنگیوں کو "ایامُ الانصار" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مدینہ میں برسرِ اقتدار آنے کے بعد اوس و خزرج کثیر مال و جائداد کے مالک ہوئے اور انہوں نے نہایت کثرت سے قلعے بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں بڑی برکت دی۔ یہود کے اقتدار کے زمانہ میں وہ ایک ہی جگہ آباد تھے ان کا زور ٹوٹ جانے پر یثرب کے مختلف حصّوں میں دُور دُور تک پھیل گئے اور ان کی مختلف شاخوں نے اپنے محلّے آباد کر لیے۔ ہر قبیلہ نے متعدد قلعے تعمیر کیے۔ ان کی مجموعی تعداد اسّی (۸۰) اور سَو (۱۰۰) کے درمیان تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوس وخزرج کی مختلف شاخوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اَوس:

اوس کا صرف ایک بیٹا تھا۔ مالک۔ اس کی اولاد ان شاخوں میں تقسیم ہوگئی:

(۱) عمرو بن مالک...... بنیت...... عبدالاشہل...... بنوظفر۔

(۲) عوف بن مالک...... بنوعمرو بن عوف (اہلِ قبا) حججبی

(۳) جشم (یا عبداللہ) بن مالک...... بنوخطمہ

(۴) اِمراء القیس بن مالک...... بنوواقف۔

(۵) مرّہ بن مالک...... بنوسعد...... بنوعامر...... امیہ...... وائل اور عطیہ

خَزرَج:

خزرج کے پانچ بیٹے جشم...... عوف...... حارث...... عمرو اور کعب تھے۔ ان کی اولاد حسب ذیل ہے:

(۱) جشم بن خزرج: بنوتزید...... بنوسلمہ...... بنوبیاضہ۔

(۲) عوف بن خزرج: بنوالحبلی (قبیلہ عبداللہ بن اُبَیّ راس المنافقین) بنوقوافل...... بنوسالم

(۳) حارث بن خزرج: جشم...... زید...... عوف...... عوف سے حذرہ اور...... حذارہ۔

(۴) عمرو بن خزرج: بنونجار۔ (حضرت عبدالمطلب کے ننھیالی لوگ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کا قبیلہ)

(۵) کعب بن خزرج: بنوساعدہ (ان کا سقیفہ مشہور ہے۔ رئیس الانصار حضرت سعدؓ بن عبادہ اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔)

مدینہ میں عروج و اقتدار حاصل کرنے کے بعد اوس وخزرج کی تمام شاخیں عرصہ تک باہم متحد رہیں اور اپنی متحدہ طاقت کے بل بوتے پر نہایت دم خم سے زندگی بسر کی۔ اس کے بعد قبلِ اسلام کے عرب کی بدویانہ فطرت کے مطابق ان کے درمیان خانہ جنگیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا جو ایک سو بیس برس تک جاری رہا۔ اس کی ابتداء جنگِ سمیر سے ہوئی اور اختتام جنگِ بُعاث پر ہوا۔ دوسری مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں:۔

جنگِ کعب بن عمرو، جنگِ سرارۃ، جنگِ حصین بن اسلت، جنگِ ربیع، جنگِ بقیع، حربِ فارع، حربِ حاطب، جنگِ فجار اوّل، جنگِ فجار ثانی، جنگِ معبس، جنگِ مضرس۔

ان کے علاوہ چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا تو شمار ہی نہیں۔ اوس وخزرج کی اس طویل باہمی آویزش میں ان کی متحدہ طاقت بالکل پاش پاش ہوگئی اور دونوں خاندانوں کے اکثر نامور لڑ لڑ کر مرگئے۔ ''ایام الانصار'' کی آخری لڑائی ''جنگِ بُعاث'' ہجرتِ نبوی سے صرف پانچ سال قبل واقع ہوئی۔ ''بُعاث'' مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک مقام تھا۔ اس مقام پر اوس وخزرج کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درمیان ایک خونریز جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں یہودیانِ بنوقُریظہ اور بنو نَضِیرُ نے "اوس" کا ساتھ دیا اور قبائلِ اشجع اور جُہینہ نے خزرج کی مدد کی۔ جانبین نہایت ثابت قدمی سے لڑے لیکن آخر میں اوس اور ان کے حلیفوں پر ہزیمت کے آثار طاری ہوگئے۔ یہ دیکھ کر سپہ سالار حُضَیرُ الکتائب بن سماک (جو مشہور صحابی حضرت اُسَیدؓ کا باپ تھا) میدانِ جنگ میں گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہوگیا اور ازسرِنو اپنے قبیلے میں ایسی جنگی روح پھونکی کہ بھاگتے ہوئے اوسیوں کے قدم جم گئے اور انہوں نے پلٹ کر اس زور کا حملہ کیا کہ خزرجیوں کو بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ خزرج کا سردار عمرو بن نعمان بیاضی میدانِ جنگ میں کام آیا۔ حضیر بھی شدید مجروح ہوگیا اور بعد میں اسی جنگ کے زخموں کی وجہ سے مرگیا۔ اس لڑائی نے اوس وخزرج کو اس قدر ضعیف اور درماندہ کردیا کہ ان میں کسی اور جنگ کی سکت باقی نہ رہی۔ تھک ہار کر وہ قبیلہ عوف بن خزرج کے سردار عبداللہ بن اُبیّ بن سلول کو مُتفقاً اپنا بادشاہ اور "یثرب کا تاجدار" بنانے پر آمادہ ہوگئے۔ اسی اثناء میں اسلام کے خورشیدِ جہاں تاب کا طلوع ہوا جس نے اوس وخزرج کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور وہ "انصار" کے نام سے مُتّحد اور یک جان ہوکر اسلام کے پُرزور دست بازو بنے۔

اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ "جنگِ بُعاث" مدینہ منورہ میں شجرِ اسلام کی بارآوری کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ صحیح بخاری میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ:

> "جنگِ بُعاث کو خدا نے اپنے رسول ﷺ کے لیے کرایا تھا۔ چنانچہ جب رسولِ اکرم ﷺ تشریف لائے تو انصار کے عمائد افتراق و انتشار میں مبتلا تھے۔ ان کے رُؤسا قتل ہوچکے تھے اور انصار نہایت ضعیف اور درماندہ ہوچکے تھے۔ اس لیے یہ دن خدا نے اپنے رسول ﷺ پر انصار کے ایمان لانے کے لیے بھیجا تھا۔"

زمانۂ جاہلیّت میں انصار کا تمدّن:

بنو اسماعیل میں نبطیوں کو سب سے زیادہ متمدّن سمجھا جاتا ہے۔ اوس وخزرج بھی چونکہ نبطی الاصل تھے۔ اس لیے تہذیب وتمدن کے معاملہ میں وہ قبل از اسلام عرب کے اکثر دوسرے قبائل سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ وہ عہدِ قدیم سے جمہوری اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی قیادت ایک سردار اور ایک سپہ سالار کے سپرد ہوتی تھی جنہیں وہ باہم مشورے اور اتفاق سے منتخب کرتے تھے۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ ان دونوں عہدوں کی ذمہ داریاں ایک ہی شخص کو تفویض کردی جاتیں۔ جب تک اوس وخزرج میں باہم اتحاد رہا، ان کا سردار بالعموم قبیلہ خزرج سے ہوتا تھا۔ لیکن جب ان میں تشتت وافتراق کا دور دورہ ہوا تو دونوں قبائل اپنا سردار الگ الگ منتخب کرنے لگے۔ خزرج کی قیادت بنو ساعدہ کے حصے میں آئی اور اوس کی سیادت خاندان عبدالاشہل کے حصے میں۔ سپہ سالاری کے عہدے کا بھی یہی حشر ہوا۔ لیکن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات یہیں تک ختم نہ ہوئی۔ ان بڑے قبائل کے اپنے اندر بھی تفریق پیدا ہوگئی اور ان کی تمام شاخوں نے اپنے الگ الگ رئیس چُن لیے۔ جنگِ بعاث کے بعد جب دونوں قبائل کا ضعف انتہا کو پہنچ گیا تو انہوں نے اپنے قدیم نظام کی طرف لوٹنا چاہا اور سب نے باہمی رضا مندی سے قبیلہ خزرج کے ایک صلح کل اور غیر جانبدار شخص عبداللہ بن اُبیؔ کو اپنا بادشاہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن طلوعِ اسلام نے حالات کا رُخ بالکل دوسری طرف پھیر دیا۔

اوس وخزرج نے باہمی تنازعات کے باوجود یثرب کو ایک چھوٹی سی ریاست کی حیثیت دے رکھی تھی۔ انہوں نے بکثرت قلعے تعمیر کر رکھے تھے اور اپنے اپنے محلوں کے گرد چار دیواریاں بنا رکھی تھیں ان کے علاوہ ایک بڑی چار دیواری سے سارا شہر گھرا ہوا تھا جسے ''سورِ مدینہ'' کہا جاتا تھا۔ شہر کی آبادی نہایت گنجان تھی اور اپنی گنجان آبادی، قلعوں اور فصیلوں کی وجہ سے وہ ایک مضبوط قلعہ بن گیا تھا۔ اسی وجہ سے رسولِ اکرم ﷺ نے مدینہ کو ''درعِ حصینہ'' یعنی مضبوط زرہ کا خطاب عطا فرمایا۔

اوس وخزرج کے عسکری نظام کی تاریخ میں کسی باقاعدہ فوج کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت دونوں قبائل کا ہر شخص سپاہی بن جاتا تھا۔ لڑائیاں کسی خاص نظام کے ماتحت نہیں لڑی جاتی تھیں بلکہ متحارب فریق میدانِ جنگ سے بھاگ کر اپنے محلے میں چلا جاتا تو عام طور پر اس کا تعاقب نہ کیا جاتا۔ لڑائی کا تماشا دیکھنے والے لوگوں سے کوئی فریق تعرض نہ کرتا تھا۔ لڑائیوں میں استعمال ہونے والے ہتھیار انصار خود بناتے تھے یا یہود سے خریدتے تھے جو ہتھیار سازی کے ماہر تھے۔ انصار اپنے مُردوں کو دفناتے تھے اور اس مقصد کے لیے مدینہ کے مختلف حصّوں میں انہوں نے کئی قبرستان بنا رکھے تھے۔

انصار کے معاش کا انحصار کلیۃً زراعت پر تھا۔ وہ زمینیں کاشت کرتے تھے اور باغات لگاتے تھے۔ مدینہ کی زمین زرخیز تھی اس لیے معاشی لحاظ سے انصار عام طور پر خوشحال تھے۔ بعض لوگوں نے تجارت کو بھی ذریعۂ معاش بنایا تھا۔ لیکن تجارت کا میدان عام طور پر یہودیوں کے ہاتھ میں تھا۔ مدینہ میں ان کے متعدد بازار تھے۔ انصار نے بھی ان سے علیحدہ چند بازار قائم کر لیے تھے۔ تجارت عام طور پر اشیاء کے تبادلہ کے ذریعہ ہوتی تھی کیونکہ مدینہ میں سکّہ کا رواج نہیں تھا۔

انصار میں صنعت وحرفت کا رواج شاذ ونادر ہی تھا۔ البتہ بعض لوگوں نے بافندگی، نجاری، حجام اور قصاب وغیرہ کے پیشوں کو اختیار کر رکھا تھا۔

انصار میں تعلیم کا رواج بہت کم تھا اور وہ عام طور پر جاہل تھے۔ البتہ کچھ لوگ عربی اور عبرانی زبانوں میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ انصار رفاہِ عامہ کے کاموں میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ انہوں نے مدینہ اور اس کے قرب وجوار میں کئی پُل بنائے تھے۔ پانی کی سبیلیں قائم کرنا ان کے نزدیک نہایت ثواب کا کام تھا۔ عام اہلِ عرب کی طرح انصار بھی بیحد مہمان نواز تھے۔ ایفائے عہد کو جان سے بڑھ کر عزیز جانتے تھے۔ طہارت کے معاملہ میں وہ دوسرے تمام اہلِ عرب سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممتاز تھے اور نجاست دور کرنے کے لیے ڈھیلوں کے ساتھ پانی بھی استعمال کرتے تھے۔ نکاح اور وراثت کے معاملات میں ان کا اخلاق بہت پست تھا۔ سوتیلی ماؤں سے شادی جائز سمجھتے تھے اور آبائی جائدادوں سے بیٹیوں کو کوئی حصہ نہیں دیتے تھے۔

اسلام سے پہلے انصار کا مذہب:

برکاتِ اسلام سے سعادت اندوز ہونے سے قبل انصار کی مذہبی حالت عام اہلِ عرب سے چنداں مختلف نہ تھی وہ پرلے درجے کے جاہل اور بت پرست تھے۔ ''السیرۃ النبویہ'' میں ابن ہشام لکھتے ہیں:

''اوس وخزرج مشرک تھے۔ بتوں کے پرستار تھے۔ جنت ودوزخ، بعث و نشر، قیامت، کتاب، حلال وحرام سے ناواقف تھے۔''

زمانۂ قدیم میں اوس وخزرج ''لات'' کی پوجا کرتے تھے۔ اس کے بعد ان کا مخصوص بت ''مناۃ'' ہوگیا۔ مناۃ کی ایک سنگی مورت ساحلِ بحرِ احمر کے قریب ایک پہاڑ ''مشلل'' پر نصب تھی۔ اور تمام اوس وخزرج، آلِ غسان اور کئی دوسرے عرب قبائل اس کو پوجتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت کے حج میں اوس وخزرج تو احرام اتارنے کی رسم بھی یہیں ادا کرتے تھے۔ لات، عُزّیٰ اور اہلِ عرب کے دوسرے بتوں کی طرح اوس وخزرج کے نزدیک ''مناۃ'' بھی ایک دیبی (دیوی) تھی۔۔ وہ فرشتوں کو بھی دیبیاں سمجھتے تھے اور تمام نظامِ قدرت کو عورتوں کے ہاتھ میں دے رکھا تھا۔ قرآنِ کریم میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ (۴:۱۱۷)

''خدا کو چھوڑ کر یہ عورتوں کو پکارتے ہیں۔''

صاحبِ معجم البلدان کا بیان ہے کہ ''مناۃ'' پتھر کی ایک چٹان تھی اور تمام ازدی قبائل (جن میں اوس وخزرج بھی شامل تھے) اور آلِ غسان اس کو پوجتے تھے اور اس پر چڑھاوے چڑھاتے تھے۔''

اوس وخزرج مناۃ کے لکڑی کے بُت بنا کر اپنے گھروں میں رکھتے تھے۔ یثرب کے بہت کم گھر ایسے تھے جن میں مناۃ کا چوبی بُت موجود نہ ہو۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے گھر البتہ اس سے مستثنیٰ تھے۔ مناۃ کے علاوہ اوس وخزرج کچھ دوسرے بتوں قیس، عُزّیٰ، وَدّ وغیرہ کی بھی پوجا یا تعظیم کرتے تھے۔ انہوں نے ایک بت خانہ بھی قائم کر رکھا تھا۔ ایک شخص اس بُت خانہ کے انتظام اور نگرانی پر مقرر رہتا تھا۔ طلوعِ اسلام کے وقت مدینہ کے بڑے بت خانہ کا متولّی عمرو بن قیس نامی ایک شخص تھا۔ (بعض روایات میں ہے کہ یثرب میں ایک نہیں بلکہ متعدد بُت خانے تھے) اوس وخزرج کے نزدیک ''مناۃ'' قضا وقدر کی دیبی تھی اور ہر قسم کا نفع ونقصان اس کے اختیار میں تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبل از اسلام انصار کا عمومی مذہب اگرچہ بت پرستی تھا۔ تاہم ان میں سے کچھ لوگوں نے یہودیت اور عیسائیت کے دامن میں پناہ لی تھی۔ یہودیوں سے تو وہ خاص طور پر متاثر تھے کیونکہ وہ تعلیم یافتہ اور منظم لوگ تھے اور انہوں نے یثرب میں کئی علمی مدارس قائم کر رکھے تھے جہاں توریت کی تعلیم ہوتی تھی۔ انصار میں سے اگر کسی شخص کی اولاد زندہ نہ بچتی تھی تو وہ منّت مانتا تھا کہ اگر بچہ زندہ رہا تو اس کو یہودی بنا دوں گا۔

بعض لوگ دینِ حنیفی کے بھی قائل تھے اس کا ذکر آگے آئے گا۔ انصار حجِ بیت اللہ اور قربانی کے قائل تھے۔ یثرب سے ہر سال بیسیوں لوگ حج کے لیے مکّہ جاتے۔ حج کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ''جبلِ مشلّل'' پر جاتے اور وہاں ''مناۃ'' کے سامنے نماز پڑھتے پھر عازمِ مکّہ ہوتے۔ منیٰ کی گھاٹی کے قریب قیام کرتے۔ صفا اور مروہ کا طواف کرتے اور حج کی دوسری رسُوم ادا کر کے پھر جبلِ مشلل پر جا کر مناۃ کے سامنے سر منڈواتے اور قربانی کرتے۔

حج کے ایّام میں ہتھیار نہیں اٹھاتے تھے۔ اشہرِ حُرم کی دل سے عزّت کرتے تھے۔ ان میں نماز کی بھی ایک بگڑی ہوئی صورت موجود تھی۔ جھاڑ پھونک پر یقین رکھتے تھے۔ اور کئی لوگ سانپ بچھو وغیرہ کے کاٹے کا علاج جھاڑ پھونک کے ذریعے کرتے تھے۔ ان کی اخلاقی حالت قریشِ مکّہ اور عرب کے دوسرے قبائل کی نسبت قدرے بہتر تھی۔ فواحش کو برا جانتے تھے اور اخلاقی جرائم کا کسی نہ کسی صورت میں محاسبہ کرتے تھے۔

نبیِ آخر الزّماں ﷺ کا انتظار:

پیچھے ذکر آچکا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت اگرچہ اوس وخزرج یکسر جاہل اور بُت پرست تھے تاہم وہ یہود کے علمی تفوّق سے ضرور متاثر تھے۔ یہود میں بلاشبہ بیسیوں خرابیاں پیدا ہوچکی تھیں اور وہ بعض مشرکانہ افعال میں مبتلا ہوچکے تھے مگر اس کے باوجود وہ تمدنی اور علمی لحاظ سے بڑے منظّم تھے۔ مال و دولت کی ان کے پاس فراوانی تھی اور یثرب سے شام تک بڑے سرسبز اور شاداب مقامات ان کے قبضے میں تھے۔

یثرب میں یہودیوں کے تین طاقتور قبیلے بنو نَضِیْر، بنو قریظہ اور بنو قَیْنُقَاع تین الگ الگ محلوں میں آباد تھے وہاں انہوں نے اپنے مضبوط چھوٹے چھوٹے قلعے بنا رکھے تھے۔ ان کے علاوہ یہودیوں کے کچھ اور قبائل بھی یثرب میں آباد تھے لیکن ان کو کوئی ممتاز حیثیت حاصل نہ تھی۔ ان میں سے بعض تو مذکورہ بڑے یہود قبائل کی ذیلی شاخوں کی حیثیت رکھتے تھے مثلاً بنو بدل (بہدل) بنو زنباع وغیرہ۔ اوس اور خزرج کی ذیلی شاخوں کے بعض افراد نے بھی یہودیت اختیار کر لی تھی وہ اپنے خاندان کی نسبت ہی سے پکارے جاتے تھے مثلاً یہودِ بنی حارثہ، یہودِ بنی ساعدہ، یہودِ بنی ثعلبہ وغیرہ۔ یثرب کے یہودی اوس وخزرج میں افتراق کے باوجود ان سے ہمسری کا دعویٰ تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کر سکتے تھے البتہ ان کی جہالت اور بت پرستی کی وجہ سے انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہودی بہرصورت اہلِ کتاب ہونے کے مدعی تھے اور بت پرستی سے اجتناب کرتے تھے۔ انہوں نے یثرب میں ایک ''بیت المدارس'' قائم کر رکھا تھا۔ جہاں یہودی علماء توراۃ اور اپنی دوسری مذہبی کتابیں عربی میں ترجمہ کر کے اہلِ یثرب کو سنایا کرتے تھے۔ یہودیوں کے مذہبی صحیفوں میں ایک اور پیغمبر (نبی آخرالزّماں) کی آمد کی پیشینگوئی واضح طور پر موجود تھی [1] یہود نہ صرف خود اس پیشینگوئی میں یقین رکھتے تھے بلکہ انہوں نے اس سے اوس وخزرج کے کانوں کو بھی آشنا کر دیا تھا۔ چنانچہ ظہورِ اسلام سے قبل نہ صرف یہود بلکہ اوس وخزرج بھی ایک پیغمبر موعود کے منتظر تھے۔ لیکن فلکِ شعبدہ باز کی نیرنگیوں کو دیکھئے کہ جب وہ پیغمبر موعود رونق افروزِ عالم ہوئے تو وہی یہود جو اُن کی آمد کی پیشینگوئی کو عام کرنے والے تھے، ان کو قبول کرنے کی سعادت سے محروم رہے۔ یہ سعادت تو قسامِ ازل نے ''بت پرست اور جاہل'' اوس وخزرج کے مقدر میں لکھ رکھی تھی۔ [2]

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

قرآنِ حکیم میں یہودیوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. (بقرہ۔رکوع ۱۱)

''وہ (رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے) کفار کے مقابلے میں فتح کی تمنا کیا کرتے تھے۔''

یہاں ''فتح کی تمنا کرنے'' سے یہ مراد ہے کہ وہ ایک نبی کے آنے کی تمنا اور دعا کر رہے تھے کیونکہ ان کے مذہبی صحیفوں میں لکھا ہوا تھا کہ جب نبیؐ آخرالزّماں مبعوث ہوگا تو اس کی برکت سے (اگر تم نے اس کا ساتھ دیا) کفار ومشرکین پر فتح حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ اوس و خزرج سے اکثر کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے وہ ہمارا نجات دہندہ ہوگا اور ہم اس کی پیروی کر کے تم پر غالب آئیں گے۔ یہود کی انہی باتوں کی وجہ سے اوس و خزرج میں بھی نبی آخرالزّماں کی آمد کا چرچا عام ہوگیا تھا۔ لیکن یہود کی تیرہ بختی اور نامرادی دیکھیے کہ جب وہ پیغمبرِ موعود رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے تو یہود نے ان کو ماننے سے یکسر انکار کر دیا۔ سورۂ فاطر میں یہود کی اسی بدبختی کی طرف اشارہ ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّازَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا. (رکوع:۵)

''جب ان کے پاس ایک ڈرانے والا (پیغمبر پہنچا (جس کے وہ خواہشمند اور منتظر تھے) تو

---

[1] (۱) خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے ان پر جلوہ گر ہوا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لیے ایک آتشیں شریعت تھی۔ (استثنا ۲۳۔۲ توراۃ)

(۲) میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں تجھ (موسیٰ) سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ اس سے کہوں گا وہ سب ان سے کہے گا۔ (استثنا ۱۸۔۱۹ توراۃ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ الٹے اس سے بدک کھڑے ہوئے۔"

اسی طرح سورۂ بقرہ میں ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ. (رکوع: ١١)

"جب ان کے پاس وہ چیز آ گئی جس کو انہوں نے خوب جانا پہچانا بھی تو اس کے ماننے سے انکار کر دیا۔"

یہود کی طرح (عرب کے بعض حصوں میں آباد) عیسائی بھی ایک پیغمبرِ موعود (وہ نبی) ۱ کے منتظر تھے جو یہود سے ان کے مظالم کا بدلہ لینے والا اور عیسائیوں کو تمام اقوام پر غالب کرنے والا ہوگا۔ لیکن پیغمبرِ موعود کی آمد پر وہ بھی اس کو قبول کرنے کی سعادت سے محروم رہے۔

سوید الکامل:

انصار کے زمانۂ جاہلیت میں قبیلہ اوس کا ایک شخص "سوید بن صامت" یثرب میں بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ وہ نہایت وجیہ اور شجاع آدمی تھا اور نہ صرف فنونِ حرب کا ماہر تھا بلکہ پڑھنا لکھنا بھی جانتا تھا اور ایک فصیح البیان شاعر تھا۔ ان خوبیوں کی بدولت وہ یثرب میں "کامل" کے لقب سے مشہور تھا۔ سوید کو کہیں سے "امثالِ لقمان ۲" کا ایک نسخہ ہاتھ لگ گیا تھا۔ اسے پڑھ کر اس نے بہت سے اسرارِ حکمت سیکھے اور توحید سے آشنا ہو گیا۔ سوید اس نسخے کو آسمانی کتاب سمجھتا تھا اور اس میں مندرج ہدایات پر عمل کرنے کو باعثِ سعادت و نجات جانتا تھا۔ سوید

---

۱ انجیل یوحنا باب اوّل درس ۱۹ تا ۲۸ میں ہے

"یوحنا (یحییٰ) نے اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے پوچھا کیا تو الیاس ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس آیا تو "وہ نبی" ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں۔" قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اس سے مطلب نکلا کہ علمائے یہود اس زمانے میں تین انبیاء کی آمد و ظہور کے منتظر تھے (۱) الیاسؑ (۲) مسیحؑ (۳) "وہ نبی"۔ انجیل سے ثابت ہے کہ یوحنا نے یسوع کو مسیح بتایا اور مسیحؑ نے یوحنا کو الیاس کہا۔ اب تیسرے کا ظہور باقی تھا جو کتُبِ سابقہ میں "وہ نبی" اور مسلمانوں کی زبان پر "آنحضرت" کے خطاب سے یاد کیے گئے ہیں۔ اگر آنحضرت ﷺ وہ نبی نہیں تو پادری بتائیں کہ مسیحؑ کے بعد وہ نبی کہلانے والا کون ہوا۔" (رحمۃ للعالمین جلد اوّل)

۲ حضرت لقمان عرب میں ایک حکیم و دانا کی حیثیت سے بہت مشہور تھے۔ بعض لوگوں کے نزدیک وہ پیغمبر تھے لیکن جمہور مسلمین کے نزدیک وہ خدا کے ایک نیک اور برگزیدہ بندے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ارض القرآن (جلد اوّل) میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ لقمان یمن کے بادشاہ تھے اور حضرت ہود علیہ السلام کی شریعت کے متبع تھے۔ وہ قوم عاد کے ان اہلِ ایمان کی نسل سے تھے جو اس قوم پر عذابِ الٰہی آنے کے بعد حضرت ہودؑ کے ساتھ بچ رہے تھے۔ لیکن مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے کہ بعض اکابر صحابہؓ و تابعینؒ (حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابوہریرہؓ، جابر بن عبداللہ انصاریؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ اور خالد الربعیؒ) (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی شخصیت اور عقائد کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی حتیٰ کہ اہلِ مکہ میں بھی وہ ایک جانی پہچانی شخصیت بن گیا تھا۔ ایک دفعہ وہ حج کے لیے مکہ گیا۔ اس وقت ہادیٔ اکرم ﷺ مبعوث ہو چکے تھے۔ آپ نے سوید کی آمد کا حال سنا تو خود اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے دعوتِ حق دی۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

کی روایت کے مطابق لقمان ایک سیاہ فام غلام تھے اور ان کا وطن حبش یا مصر یا نوبہ (سوڈان) تھا۔ علامہ سہیلیؒ صاحب روض الاُنف اور علامہ مسعودیؒ صاحبِ مُرُوج الذہب کا بیان ہے کہ لقمان اصلاً تو نوبی تھے لیکن مدین اور ایلہ (موجودہ عقبہ) کے علاقے کے باشندے تھے۔ ان کی زبان عربی تھی اس لیے ان کی حکمت عرب میں شائع ہوئی مزید برآں سہیلیؒ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ لقمان حکیم اور لقمان بن عاد (شاہِ یمن) دو الگ الگ اشخاص ہیں اور ان کو ایک شخصیت قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن جلد چہارم تفسیر سورۂ لقمان)

قرآنِ حکیم میں حضرت لقمان کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ (بیشک ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی) گو حضرت لقمان اہلِ عرب میں نزولِ قرآن سے پہلے بھی مشہور تھے لیکن قرآنِ حکیم کی سورۂ لقمان نے انہیں حیاتِ جاوید بخش دی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت لقمان، حضرت داؤد علیہ السّلام کے ہمعصر تھے۔ وہ بچپن ہی سے سوچ بچار کے عادی اور نہایت ذہین تھے ان کی یہ صفات دیکھ کر ان کے آقا نے انہیں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی زندگی تحصیلِ علم کے لیے وقف کر دی اور قرآن کریم کی شہادت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت سے بہرہ ور کیا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چار ہزار نصائح کا ایک مجموعہ مرتب کیا۔ یہی مجموعہ "صحیفۂ لقمان" یا "امثالِ لقمان" کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت لقمان سے منسوب سبق آموز حکایتوں کا ایک مجموعہ مدت ہوئی، پیرس سے شائع ہوا تھا لیکن اس کے بیشتر مندرجات غیر مستند ہیں۔

قرآنِ حکیم کے مطابق حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) اے میرے فرزند! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اگر ماں باپ بھی تجھے شرک کی ترغیب دیں تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔

(۲) اے میرے بیٹے نماز پابندی سے پڑھا کر۔

(۳) نیکی کی تلقین کر اور بدی سے لوگوں کو بچا۔

(۴) مصیبت آئے تو اس پر صبر کر۔

(۵) غرور سے منہ لوگوں سے نہ پھیرا کر اور نہ زمین میں اترا کر چل۔ بیشک اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

(۶) اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر۔

(۷) اپنی آواز دھیمی رکھ کہ بدترین آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت لقمان نے بڑی طویل عمر پائی۔ آخری عمر میں وہ رملہ اور بیت المقدس کے درمیان ایک مقام پر گوشہ نشین ہو گئے تھے یہیں انہوں نے وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوید نے کہا۔ ''جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ میرے پاس بھی ہے۔'' حضور ﷺ نے پوچھا۔ ''تمہارے پاس کیا ہے؟''

سوید نے جواب دیا۔ ''صحیفۂ لقمان''

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''مجھے پڑھ کر سناؤ۔'' سوید نے اس کا کچھ حصہ سنایا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس اس سے بہتر چیز ہے۔اس کے بعد آپ نے قرآنِ کریم کی چند آیات پڑھیں۔ سوید ان سے بڑا متاثر ہوا اور اسلام کے بہت قریب ہوگیا۔ جب وہ مدینہ واپس گیا تو وقتاً فوقتاً اہلِ یثرب کے سامنے اسلام کا چرچا کرنے لگا۔ اس کے میلانِ خاطر کا ان پر کافی اثر پڑا۔ بدقسمتی سے تھوڑے ہی عرصہ بعد (جنگِ بعاث سے قبل) وہ خزرج کے ایک نوجوان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ [1] بعض روایتوں میں ہے کہ سوید جنگِ بعاث میں مقتول ہوا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو شاید اسلام کا قوی دست و بازو ثابت ہوتا۔

ایک روایت کے مطابق سوید مسلمان مرا۔ سوید حالتِ اسلام میں مرا یا نہیں بہرحال اس کے ذریعہ انصار کے کانوں میں اسلام کی بھنک ضرور پڑ گئی۔

ارضِ یثرب کا پہلا مسلمان:

''ایام الانصار'' میں اوس نے معبس اور مضرس کی جنگوں میں خزرج سے پے در پے شکستیں کھائیں تو وہ گھبرا گئے اور ایک وفد مرتب کر کے خزرج کے خلاف قریش کو اپنا حلیف بنانے کے لیے مکہ پہنچے۔ اس وفد میں ایک سعید الفطرت شخص ایاس بن معاذ بھی تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو مکہ میں ان لوگوں کی آمد کا حال معلوم ہوا تو آپ تبلیغِ حق کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ نے ان کے سامنے قرآنِ حکیم کی چند آیات پڑھیں تو ایاس کا دل پگھل گیا اور وہ بے اختیار پکار اٹھے:

''میرے بھائیو! جس کام کے لیے ہم یہاں آئے ہیں یہ کام (یعنی قبولِ اسلام) اس سے یقیناً بہتر ہے۔''

---

[1] سوید بن صامت کے قاتل کا نام مُجَذَّر ؓ بن زیاد انصاری ہے۔ وہ خزرج کے حلیف قبیلہ بلی سے تھے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حالتِ اسلام میں مکہ کا نیک دل رئیس ابوالبختری بھی اتفاقیہ ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ان کے مارنے کی ممانعت فرمائی تھی کیونکہ بنی ہاشم سے مقاطعہ کا معاہدہ درِ کعبہ سے اتروانے میں اس نے بڑا کام کیا تھا۔ مُجَذَّر ؓ نے رسولِ کریم ﷺ کو قسم کھا کر بتایا کہ ابوالبختری اپنے ایک ساتھی کو بچانے کے لیے خود مجھ سے لڑا ورنہ میں اسے ہرگز نہیں مارنا چاہتا تھا۔

حضرت مُجَذَّر ؓ بدر اور احد میں شریک ہوئے اور اتفاق دیکھیے کہ وہ ایک نام نہاد مسلمان کی تیغِ ستم کا شکار ہوگئے۔ یہ شخص سوید بن صامت کا بیٹا حارث تھا۔ اس نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے انہیں شہید کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ فتح مکہ کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے اسے حضرت مُجَذَّر ؓ کے قصاص میں قتل کرا دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفد کا امیر ایاس کی بات پر بہت برافروختہ ہوا۔ اس نے زمین سے چند کنکریاں اٹھا کر ایاس کے منہ پر ماریں اور کہنے لگا "تیرا بُرا ہو ہم اس کام کے لیے یہاں نہیں آئے۔" ایاس اس وقت خاموش ہو گئے لیکن یثرب پہنچ کر وہ علانیہ رَبِّ واحد کی بڑائی اور پاکیزگی بیان کرنے لگے اور لوگوں کو توحید کی طرف بلانے لگے۔ ان کا قبیلہ سمجھ گیا کہ ایاس مسلمان ہو چکے ہیں۔ افسوس کہ سعید الفطرت ایاس نے ہجرتِ نبوی سے پہلے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ رحلت کے وقت ان کی زبان پر تحمید و تکبیر جاری تھی۔ ایاس خود تو خالقِ حقیقی کے پاس جا پہنچے لیکن اپنی پاک باطنی اور اسلام کا گہرا نقش اپنے قبیلے پر چھوڑ گئے۔

یثرب اور اہلِ یثرب کی تاریخ اور تہذیب و تمدن کا اجمالی ذکر ہو چکا اب ہم یثرب کی اُن چھ سعید روحوں کا ذکر آگے بڑھاتے ہیں جنہوں نے ۱۱ ؁ نبوّت (بعدِ بعثت) میں عَقَبہ کے قریب پہلے پہل دعوتِ توحید پر لبیک کہا اور ہادیٔ اکرم ﷺ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔

چراغ سے چراغ جلنے لگا:

خزرج کی چھ مقدس ہستیوں کا قبولِ اسلام گویا انصار میں صُبحِ سعادت کا طلوع تھا۔ اللہ کے یہ مقدس بندے جب دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر مدینہ منورہ واپس گئے تو انہوں نے وہاں نہایت تندہی سے دینِ حق کی تبلیغ شروع کر دی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ ان بزرگوں کی تبلیغی مساعی سے یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا اور کچھ اور لوگوں نے کُھلم کُھلا اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ اگلے سال (۱۲ ؁ نبوت کے موسمِ حج میں) مدینہ منورہ سے بارہ (۱۲) مسلمان سرورِ کونین ﷺ کی زیارت کے لیے مکّہ پہنچے۔ ان میں دس قبیلہ خزرج اور دو قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

خزرجی:

(۱) اسعدؓ بن زرارہ (۲) عوفؓ بن حارث والد/عفراء والدہؓ
(۳) رافعؓ بن مالک (۴) قطبہؓ بن عامر
(۵) عقبہؓ بن عامر (یہ پانچوں حضرات پچھلے سال بھی رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے۔)
(۶) معاذؓ بن حارث (۷) ذکوانؓ بن عبدِ قیس
(۸) عُبادہؓ بن صامت (۹) ابوعبدالرحمٰن یزیدؓ بن ثعلبہ
(۱۰) عباسؓ بن عبادہ

اوسی:

(۱۱) ابوالہیثمؓ بن تیہان
(۱۲) عُویمؓ بن ساعدہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیعت عَقَبۂ اُولیٰ

اس مُقدّس قافلے کے آنے کا حال رسولِ اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ رات کو منیٰ میں (عقبہ کی گھاٹی میں جہاں اب ایک مسجد بنا دی گئی ہے) تشریف لے گئے۔ یثربی مسلمان وہاں ہی قیام پذیر تھے۔ انہوں نے بڑھ کر حضور ﷺ کے قدم لیے اور آپؐ سے بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے اُن سے اِن باتوں پر بیعت لی:۔

"ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، چوری نہ کریں گے، زنا نہ کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، کسی پر جھوٹا الزام نہ لگائیں گے، کسی امرِ معروف میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہ کریں گے آپؐ کا حکم سُنیں گے اور مانیں گے خواہ ہم خوش حال ہوں یا تنگدست اور خواہ وہ حکم ہمیں گوارا ہو یا ناگوار اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے اور ہم حکومت کے معاملے میں اربابِ حکومت سے جھگڑا نہ کریں گے اِلّا یہ کہ کُھلّم کُھلّا کفر دیکھیں اور ہر حال میں حق بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔"

یہ بیعت لیتے وقت حضور ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ اگر تم نے ان باتوں کو پورا کیا تو تمہارے لیے جنّت ہے اور اگر کسی نے ممنوع کاموں میں سے کوئی کام کیا اور وہ پکڑا گیا اور اس کو دنیا میں سزا دے دی گئی تو وہ اس کا کفارہ ہوگی اور اگر قیامت تک اس کے فعل پر پردہ پڑا رہ گیا تو اُس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے چاہے سزا دے چاہے معاف کر دے۔

اربابِ سِیَر نے اس بیعت کو ''بیعتِ نِساء'' کا نام دیا ہے کیونکہ اِس بیعت کے الفاظ اُس بیعت کے الفاظ سے بہت ملتے جُلتے ہیں جو اس واقعہ کے کئی سال بعد سورۂ ممتحنہ (آیۃ ۱۲) میں مسلمان عورتوں سے بیعت لینے کے لیے تجویز فرمائے گئے۔ (جو اہلِ سِیَر سنہ ۱۱ نبوت کی بیعت کو بیعتِ عَقَبۂ اُولیٰ کہتے ہیں وہ اس بیعت کو بیعتِ عَقَبۂ ثانیہ کہتے ہیں۔)

(صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ مُسندِ احمد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یثرب میں آنحضور ﷺ کے سفیر اور مُبلّغِ اسلام

بیعت عَقَبہَ اولیٰ کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے محبوب صحابی حضرت مُصعبؓ بن عُمَیر کو اپنا سفیر (نمائندہ) اور مبلّغِ اسلام بنا کر یثرب روانہ کیا۔[1] ابنِ اسحاقؒ کا بیان ہے کہ بیعت عَقَبہَ اولیٰ کے شُرَکاء نے مکّہ سے چلتے وقت رسولِ اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ ہمیں قرآن پڑھانے، دین کی باتیں سکھانے اور ہمارے اندر دین کی سمجھ پیدا کرنے کے لیے ایک مُعلّم عطا فرمائیں اس پر حُضور ﷺ نے حضرت مصعبؓ بن عُمَیر کو یہ خدمت تفویض فرمائی۔

موسیٰ بن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ ان اصحاب نے یثرب واپس جا کر حضرت رافعؓ بن مالک اور حضرت معاذؓ بن عفراءؓ کو آنحضور ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست کرنے کے لیے بھیجا کہ کوئی ایسے صاحب ہمارے پاس بھیجیں جو ہمیں دین سکھائیں۔ بیہقیؒ اور ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ ان اصحاب نے اس مقصد کے لیے حضور ﷺ کو ایک خط بھیجا تھا۔ واقعہ کی صورت کچھ بھی ہو اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ آنحضور ﷺ نے ۱۲ بعدِ بعثت میں حضرت مُصعَب بن عُمَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مُعلّم اور مُبلّغ بنا کر یثرب بھیجا۔

---

[1] حضرت ابو محمد مُصعبؓ بن عُمَیر کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ قریش کی شاخ بنو عبدالدار کے نہایت بہادر، خوشرو، خوش ذوق اور خوش لباس نوجوان تھے۔ متمول والدین نے انہیں بڑے ناز و نعمت سے پالا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حُسنِ صورت کے ساتھ حُسنِ سیرت سے بھی نوازا تھا۔ دعوتِ حق کی ابتداء ہی میں اس پر لبیک کہا اور السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن کی مُبَشّر جماعت میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کر لی۔ قبولِ اسلام کے ساتھ ہی حد سے زیادہ سادہ (درویشانہ) زندگی اختیار کر لی۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح وہ بھی اپنے اہلِ خاندان اور دوسرے مشرکین کے مظالم کا ہدف بن گئے۔ آنحضور ﷺ کے ایماء پر حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک ہوئے۔ ہجرتِ نبویؐ سے کچھ عرصہ پہلے حبشہ سے مکّہ واپس آ گئے۔ ۱۲ بعدِ بعثت میں حضورؐ نے انہیں مبلّغ اور معلّم بنا کر یثرب بھیجا وہاں اُن کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں گھر گھر میں اسلام پھیل گیا۔ ۱۳ بعدِ بعثت میں مکّہ واپس آئے اور ہجرتِ نبویؐ سے بارہ دن پہلے مکّہ سے ہجرت کر کے ہمیشہ کے لیے مدینہ چلے گئے۔ ۲ھ میں غزوۂ بدر میں دادِ شجاعت دی۔ اگلے سال غزوۂ اُحد میں حُضور ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ آپؐ نے انہیں اسلامی لشکر کا عَلَم بردار بنایا۔ اسی غزوے میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(حضرت مُصعبؓ بن عُمَیر کے مفصّل حالات ہماری کتاب "تیس پروانے شمعِ رسالت کے" میں ملاحظہ فرمائیں)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یثرب میں حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغی مساعی:

یثرب پہنچ کر حضرت مصعبؓ بن عمیر حضرت اسعدؓ بن زرارہ [1] کے ہاں فروکش ہوئے اور نہایت تندہی سے تبلیغِ حق میں مصروف ہوگئے۔ انہوں نے اپنے پاکیزہ کردار سے بیسیوں لوگوں کے دلوں میں اسلام کی شمع روشن کر دی اور یثرب کے گھر گھر میں اسلام پھیلنے لگا۔ لیکن ابھی تک اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے سردار اسلام سے ناآشنا تھے۔ اس لیے اشاعتِ اسلام کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس رکاوٹ کے دور کرنے کی بھی صورت پیدا کر دی۔ ایک دن حضرت مصعبؓ بن عمیر بنوعبدالاشہل [2] کے ایک باغ میں گئے اور وہاں بیٹھ کر مسلمانوں کو تعلیم دینے لگے۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ بھی وہاں موجود تھے۔ کسی نے جا کر اوس کے سردار سعدؓ بن معاذ [3] کو اطلاع دی کہ مسلمان تمہارے محلّہ میں آ کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ سعد یہ خبر سن کر بڑے غضبناک ہوئے لیکن اسعد بن زرارہ کا (جو ان کے خالہ زاد بھائی تھے) پاسِ خاطر کرتے ہوئے خود وہاں جانے میں متامّل ہوئے اور اپنے ابنِ عم اُسَید بن حُضَیر [4] سے کہا کہ تم چل کر ان مسلمانوں کو منع کر دو کہ وہ آئندہ ہمارے آدمیوں کو گمراہ کرنے اوس کے محلّوں میں نہ آئیں۔

---

[1] حضرت اسعدؓ بن زرارہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں بھی توحید کے قائل تھے۔ انصاری سابقینِ اسلام میں وہ نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ہجرت کے بعد سرورِ کائنات ﷺ حضرت ابوایوبؓ کے گھر قیام پذیر ہوئے اور آپ کی اونٹنی کو حضرت اسعدؓ اپنے گھر لے گئے۔ حضور ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری کے چند ہی ماہ بعد حضرت اسعدؓ نے حلق کے شدید درد کی وجہ سے وفات پائی۔ حضور ﷺ کو سخت صدمہ پہنچا۔ آپ نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور بقیع میں دفن کیا۔ بقیع میں دفن ہونے والے یہ سب سے پہلے مسلمان تھے اور مدینہ میں یہ پہلی نمازِ جنازہ تھی جو حضور ﷺ نے پڑھائی۔

[2] ''بنوعبدالاشہل'' قبیلہ اوس کی ایک شاخ تھے۔

[3] سیّد الاوس حضرت سعدؓ بن معاذ بڑے رتبہ کے صحابی ہیں۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تبلیغی مساعی کی بدولت مسلمان ہوئے اور پھر ان کو اپنے مکان میں لے آئے۔ غزواتِ بدر و احد میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں ان ثابت قدم اصحاب میں تھے جو آخر تک میدانِ جنگ میں ڈٹے رہے۔ جنگِ خندق میں شدید زخمی ہوئے اور اسی زخم کی وجہ سے چند دن بعد وفات پائی۔ حضور ﷺ کو سخت صدمہ پہنچا ان کی تدفین کے بعد حضور ﷺ واپس ہوئے تو آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا۔ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ سعدؓ کی موت سے عرشِ الٰہی ہل گیا اور ستر ہزار فرشتے ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ انصار میں سعدؓ بن معاذ تنہا وہ صحابی ہیں جن کے اثر و رسوخ کی وجہ سے ایک پورا قبیلہ ایک دن کے اندر مسلمان ہوگیا۔ اپنی دینی خدمات کی بدولت وہ انصار کے ''صِدّیقِ اکبر'' سمجھے جاتے تھے۔

[4] اُسَیدؓ بن حُضَیر حضرت سعدؓ بن معاذ کے ابنِ عم تھے اور ان کے بعد دوسرے نمبر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسیدؓ بڑے شجاع آدمی تھے انہوں نے جوشِ غضب میں اپنا نیزہ اٹھایا اور اکیلے ہی بنوعبدالاشہل کے باغ کی طرف لپکے۔ حضرت اسعدؓ نے انہیں اس حالت میں آتے دیکھا تو حضرت مصعبؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

"یہ قبیلہ اوس کے دو بڑے سرداروں میں سے ایک ہیں اگر یہ دینِ حق قبول کرلیں تو ہمیں بڑی تقویت پہنچے گی۔"

اُسید قریب آتے ہی خشم آلود لہجے میں تیز تیز گفتگو کرنے لگے اور حضرت مصعبؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"تم ہمارے آدمیوں میں گمراہی پھیلا رہے ہو اگر خیریت چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کبھی ہمارے محلوں کا رخ نہ کرنا۔"

حضرت مصعبؓ نے ان کی غضب آلود گفتگو نہایت تحمل سے سنی اور پھر نہایت نرمی سے فرمایا: "عزیز بھائی! آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام سے میری باتیں سنیں اگر پسند آئیں تو قبول کریں ورنہ رد کردیں۔"

حضرت مصعبؓ کی حلم آمیز گفتگو نے اُسید کے غیظ وغضب پر پانی کے چھینٹوں کا کام کیا اور وہ اپنا نیزہ زمین میں گاڑ کر یہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے۔ "اچھا کہو کیا کہتے ہو۔"

حضرت مصعبؓ نے نہایت دلنشین انداز میں اسلام کے اصول بیان کیے اور پھر قرآن کریم کی چند آیات پڑھیں۔ اُسید بے اختیار پکار اٹھے۔

"واہ یہ کیسا اچھا دین ہے اور یہ کیسا اعلیٰ کلام ہے۔ لِلّٰہ مجھے اپنے دین میں داخل کرلو۔"

حضرت مصعبؓ نے انہیں غسل کرنے اور پاک کپڑے پہننے کی تلقین کی پھر ان سے کلمۂ شہادت پڑھوا کر حلقۂ اسلام میں داخل کرلیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اسیدؓ بولے:

"ایک شخص اور ہے اگر وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا تو سارا قبیلہ مسلمان ہوجائے گا۔"

یہ کہہ کر سیدھے سعد بن معاذ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔ "وہاں تو کوئی اور ہی بات درپیش ہے۔ آپ کا بذاتِ خود وہاں جانا ضروری ہے۔" سعدؓ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا اور وہ غضب

(پچھلے صفحہ کا بقیہ)

پر اوس کے رئیس تھے۔ بیعتِ عقبۂ ثانی میں شریک تھے۔ جنگِ احد میں نہایت ثابت قدمی سے دادِ شجاعت دی۔ غزوۂ خندق میں نہایت بے جگری سے خندق کی حفاظت کی۔ فتح مکہ کے موقع پر رسولِ اکرمؐ شہر میں اس طرح داخل ہوئے کہ ایک طرف صدیق اکبرؓ اور دوسری طرف اُسیدؓ بن حُضَیر تھے۔ جنگِ حنین میں اُسیدؓ اوس کے علمبردار تھے۔ فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں فتح بیت المقدس کے وقت اُسیدؓ امیر المومنین کے ساتھ مدینہ سے شام گئے ۲۰ھ میں وفات پائی۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آلود لہجے میں بولے: "اُسید! خدا کی قسم تمہارا وہ چہرہ نہیں ہے جو یہاں سے جاتے وقت تھا" پھر اپنا نیزہ اٹھا کر باغ کی طرف لپکے وہاں پہنچے تو مصعبؓ اور اسعدؓ کو اطمینان کے ساتھ بیٹھا ہوا پایا۔ بے تحاشا ان کو ملاحیاں سنانے لگے پھر بولے، اُسید سے تو کچھ نہ ہوسکا لیکن میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ تم ہمارے محلّے میں آ کر ایسے عقائد پھیلاؤ جن کو ہم سخت ناپسند کرتے ہیں، ابواُمامہ! (حضرت اسعدؓ کی کنیت) اگر تم میری خالہ کے فرزند نہ ہوتے تو میں تمہارے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتا۔ آخر تمہیں یہ جرأت کیونکر ہوئی؟"

حضرت اسعدؓ بنو نجّار کے رئیس تھے اور سعد سے دبنے والے نہیں تھے لیکن اس موقع پر انہوں نے بڑے صبر و تحمل سے کام لیا اور بڑی نرمی سے کہا، بھائی ذرا سنو تو، یہ صاحب کیا کہتے ہیں۔ ان کی باتیں تمہیں پسند آئیں تو بہتر ورنہ تمہیں اختیار ہے۔

سعد ان کے کہنے سے بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے بھی محاسنِ اسلام پیش کیے اور پھر قرآنِ کریم سنایا۔ سعدؓ بن معاذ کا قلبِ صافی آناً فاناً نورِ ایمان سے جگمگا اٹھا اور وہ بھی مشرّف بہ اسلام ہوگئے۔ واپس اپنے قبیلہ میں پہنچے تو سارے بنو عبدالاشہل کو جمع کر کے کہنے لگے:

"تمہارے نزدیک میں کیسا ہوں۔"

جواب ملا۔ "آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہم سب سے عاقل اور معاملہ فہم ہیں۔"

سعدؓ بولے۔ "تو پھر سن لو کہ میں نے دینِ حق قبول کر لیا ہے اور جب تک تم بھی اللہ وحدہٗ لاشریک اور اس کے برگزیدہ رسول ﷺ پر ایمان نہ لے آؤ، مجھے تم سے گفتگو کرنا حرام ہے۔"

حضرت سعدؓ بن معاذ کا اعلان سن کر بنو عبدالاشہل کے بیشتر افراد اسی وقت حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے جو باقی رہ گئے وہ چند ایک کے سوا شام ہوتے ہوتے مسلمان ہوگئے اور یثرب کے در و دیوار تکبیر کے نعروں سے گونجنے لگے۔ حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت اُسید بن حُضَیر کے قبولِ اسلام کا یہ اثر ہوا کہ انصار کے تمام خاندانوں میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔

قبیلہ خزرج کے معدّد افراد کو پہلے ہی قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ ان کے سردار سعدؓ بن عبادہ کے قبولِ اسلام نے باقی لوگوں کو بھی اسلام کی طرف مائل کر دیا[1] یثرب کی فضا اب مکّہ کے مظلوم اہلِ حق کو اپنے دامنِ عافیت میں لینے کے لیے پوری طرح سازگار ہو چکی تھی۔

---

[1] سیّد الخزرج حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہٗ کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے زمانۂ جاہلیّت میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور فنونِ حرب میں بھی مہارت رکھتے تھے اس لیے کامل کے لقب سے مشہور تھے۔ بیعتِ عقبۂ ثانیہ میں شریک تھے۔ بڑے دولت مند اور سخی تھے بیسیوں لوگ ان کے دسترخوان پر پلتے تھے۔ غزوۂ بدر سے کچھ پہلے ایک کُتّے نے کاٹ کھایا اس لیے لڑائی میں شریک نہ ہوسکے تاہم حضور ﷺ نے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یثرب میں جُمعہ کا قیام:

۱۳ ؁ بعدِ بعثت میں یثرب کو ایک عظیم سعادت یہ نصیب ہوئی کہ یہاں نمازِ جمعہ کا آغاز ہوا۔ حضرت کعبؓ بن مالک اور ابنِ سیرینؒ سے روایت ہے کہ ۱۲ ؁ بعدِ بعثت کے حج کے بعد یثرب کے بارہ اہلِ ایمان مکّہ معظّمہ سے واپس آئے تو چند ماہ کے بعد یثرب کے سارے اہلِ ایمان ایک جگہ جمع ہوئے اور انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہم سب ہفتہ میں ایک دن اکٹھے ہو کر اجتماعی عبادت کیا کریں گے۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے یہودیوں کے سَبت (شنبہ یا ہفتہ) اور عیسائیوں کے اتوار کو چھوڑ کر جمعہ کا دن مقرر کیا۔ زمانۂ جاہلیت میں اس دن کو یومِ عُرُوبہ کہا جاتا تھا۔ اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ سب سے پہلے جمعہ کی نماز حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو بیاضہ کے علاقے میں پڑھائی جس میں چالیس آدمی شریک ہوئے اُس وقت جمعہ کی نماز کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور نہ اس کے لیے رسولِ اکرم ﷺ نے انہیں ہدایت فرمائی تھی۔ یہ فیصلہ انہوں نے از خود کیا تھا۔ (مُسندِ احمد، ابوداوٗ، ابنِ حبان، ابنِ ماجہ، بیہقی)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نمازِ جمعہ کا حکم ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے مکّہ معظّمہ میں نازل ہو چکا تھا لیکن اُس وقت مکّہ معظّمہ میں کوئی اجتماعی عبادت کرنا ممکن نہ تھا اس لیے آپ نے یثرب میں اپنے سفیر اور مبلّغ حضرت مُصعَب بن عُمیرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو تحریری حکم بھیجا کہ وہاں (یثرب میں) جمعہ قائم کرو۔ جمعہ کی نماز کے بارے میں آپ کا حُکم یہ تھا:

فاذا مال النّھار عن شطرہ عند الزّوال من یوم الجمعۃ فتقرّبوا اِلَی اللّٰہ تعالیٰ بِرَکْعَتَیْن.

"جمعہ کے روز جب دن نصف النہار سے ڈھل جائے تو دو رکعت نماز کے ذریعے سے اللہ کے حضور تقرب حاصل کرو۔"

چنانچہ حضرت مصعبؓ بن عمیر نے ۱۲ آدمیوں کے ساتھ یثرب میں پہلا جمعہ پڑھا۔
(تفہیم القرآن جلد پنجم بحوالہ طبرانی۔ دار قطنی)

(پچھلے صفحے کا بقیہ)

مالِ غنیمت میں ان کا پورا حصہ لگایا۔ عہدِ رسالت کے باقی تمام غزوات میں شریک تھے۔ بیعتِ رضوان میں بھی شریک ہونے کا شَرَف حاصل کیا ان کو انصار میں بے انتہا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ آنحضور ﷺ کی رحلت کے بعد انصار کے بعض طبقے انہی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ حضرت ابو بکر صِدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتخاب کے بعد وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ عہدِ فاروقی میں ترکِ وطن کر کے دمشق کے قریب حوران کے علاقے میں جا بسے ۱۵ ھ میں کسی نامعلوم شقی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ قاتل نے شہید کرنے کے بعد ان کی لاش غسلخانے میں ڈال دی تھی۔ ان کی جود و سخا کے بے شمار قصّے مشہور ہیں۔ فرزند حضرت قیسؓ کو بھی شَرَفِ صحابیت حاصل ہوا۔ فیاضی میں وہ بھی اپنے والد کی نظیر تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شمعِ توحید کے پچھتّر پروانے

جیسا کہ پیچھے ذکر آ چکا ہے ۱۳ سنہ بعدِ بعثت میں یثرب میں اوس اور خزرج کے گھر گھر میں اسلام پھیل گیا۔ ساتھ ہی وہاں کے اہلِ ایمان میں یہ احساس زور پکڑ گیا کہ رسول اللہ ﷺ مکّہ میں اسلام کے دشمنوں کے درمیان رہ کر بہت سختیاں جھیل رہے ہیں ہمیں آپؐ کی نصرت و اعانت کے لیے اٹھ کھڑے ہونا چاہیے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ (اُس زمانے میں) ایک روز ہم (یثرب کے) سب (مسلمان) جمع ہوئے اور آپس میں یہ گفتگو کی کہ "آخر ہم کب تک اللہ کے رسول ﷺ کو اس حال میں دیکھتے رہیں گے کہ آپ مکّہ (اور اس) کے (نواحی) پہاڑوں میں جگہ جگہ پھر کر لوگوں کو دعوتِ توحید دے رہے ہیں اور ہر جگہ لوگ اس دعوت کو رَدّ کر رہے ہیں، کسی جگہ بھی آپؐ کو امن میسّر نہیں"۔ (مسندِ احمد۔ طبرانی)

اسی احساس کے تحت یثرب کے اہلِ ایمان نے فیصلہ کیا کہ حج کے موقع پر مکّہ جا کر رسول اللہ ﷺ کو یثرب تشریف لانے کی دعوت دی جائے اور آپؐ کے اصحاب کو بھی یثرب میں آباد ہونے کی ترغیب دی جائے۔ چنانچہ ۱۳ سنہ نبوّت کے موسمِ حج میں اہلِ یثرب کا ایک قافلہ حج کے لیے مکّہ سے روانہ ہوا تو اس میں یثرب کے ۷۵ اہلِ ایمان بھی شامل ہو گئے۔ ان میں ۷۳ مرد اور دو خواتین تھیں مردوں میں سے گیارہ (۱۱) کا تعلق قبیلہ اَوس سے تھا اور باسٹھ (۶۲) کا خزرج سے، دونوں خواتین کا تعلق بھی خزرج سے تھا۔ حضرت اُمِّ منیع اسماءؓ بنت عمرو خزرج کی شاخ بنی سَلمہ سے تھیں اور اُمِّ عُمارہ نُسَیبہؓ بنتِ کعب خزرج کی شاخ بنی نجّار سے تھیں ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ یہ قافلہ پانچ سَو افراد پر مشتمل تھا ان میں ۷۵ مسلمانوں کے سوا باقی سب مشرک تھے۔ قافلے میں شریک مسلمانوں کے علاوہ یثرب میں اور بھی بہت سے اہلِ ایمان موجود تھے لیکن وہ کسی وجہ سے اس قافلے میں شریک نہ ہو سکے البتہ انہوں نے قافلے میں شریک مسلمانوں کو پیغام دیا کہ نبی آخر الزّماں ﷺ کو یثرب تشریف لانے کی دعوت دیں۔ حضرت مُصعَب بن عُمیرؓ رضی اللہ عنہ بھی اس قافلہ کے ہمراہ تھے۔ چونکہ مسلمانوں کے لیے الگ قافلہ بنانے میں بہت سے خطرات پوشیدہ تھے اس لیے یہ پچھتّر اہلِ حق بر بنائے مصلحت اس بڑے قافلے ہی میں شامل ہو گئے جس میں اکثریت بت پرستوں کی تھی۔ ان ۷۵ نفوسِ قدسی کا مکّہ آنا تاریخ اسلام میں بے انتہا اہمیت رکھتا ہے انہوں نے جو شجاعانہ اور بے باکانہ اقدام کیا، اس نے تاریخ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دھارے کا رُخ پھیر دیا۔

بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضری:

مکہ پہنچ کر یثربی اہلِ ایمان میں سے چار اصحاب حضرت عویمؓ بن ساعدہ، سعدؓ بن خیثمہ، معنؓ بن عدی اور عبداللہؓ بن جبیر نے رازداری کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ سے ملاقات کی۔ اس وقت آپؐ اپنے چچا عباس بن عبدالمُطّلِب کے مکان پر تشریف فرما تھے ان اصحاب سے گفتگو کے بعد حُضور ﷺ نے قافلے میں شامل یثربی اہلِ ایمان سے ملاقات کے لیے وہ رات تجویز فرمائی جس کی صبح کو حاجی مِنیٰ سے روانہ ہوجاتے ہیں۔ مقامِ ملاقات آپؐ نے عَقَبہ کا نشیبی حصہ مقرر فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ کسی سوتے کو جگانا نہیں اور کسی غائب کا انتظار نہ کرنا۔ چنانچہ مقررہ رات کو یثربی اہلِ ایمان دو دو چار چار کر کے طے شدہ مقام پر پہنچے تو انہوں نے وہاں حُضور ﷺ کو حضرت عباسؓ کے ساتھ موجود پایا۔ سب سے پہلے حضرت عباسؓ نے گفتگو کا آغاز کیا۔ انہوں نے یثربی اہلِ ایمان سے مخاطب ہو کر کہا:

> ''اے گروہِ خزرج! (اس زمانے میں اَوس اور خزرج کے مجموعے کو خزرج کہا جاتا تھا) مُحَمَّد کی ہمارے ہاں جو (اعلیٰ اور محترم) حیثیت ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ قریش کے جو لوگ ان کے ہم خیال نہیں، ہم (یعنی بنی ہاشم اور بنی مُطَّلِب) نے ہمیشہ ان کے مقابلے میں مُحَمَّد کی حمایت وحفاظت کی ہے اور آئندہ بھی اپنی استطاعت کے مطابق کریں گے اگر تم اپنے وعدوں کو پورا کر سکتے ہو اور مرتے دم تک مُحَمَّدؐ کی حفاظت کر سکتے ہو تو کوئی بات کرنا۔ خوب سمجھ لو کہ مُحَمَّدؐ سے کوئی عہد و پیمان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم ہولناک مصائب اور خونریز جنگوں کو دعوت دے رہے ہو اس لیے سب کچھ سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ورنہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔''

حضرت عباسؓ کی تقریر سن کر رئیسِ خزرج حضرت براءؓ بن معرُور جوش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور کہا:

> ''اے عباس! ہم نے آپ کی بات سنی تو ہماری بھی سن لیں کہ ہم نامرد نہیں ہیں، ہم نے تلواروں کی گود میں پرورش پائی ہے...............''

دوسرے انصار نے ان کی بات کاٹ کر کہا، ''یارسولَ اللہ! آپ بھی کچھ فرمایئے۔''

حضور ﷺ نے قرآنِ حکیم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی اور اہلِ یثرب کو اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کی اور پھر فرمایا ''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اپنی جانوں اور اہل و عیال کی مانند میری حفاظت کرو گے اور دین کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے۔''

حضرت براءؓ بن معرُور نے آپؐ کا دستِ مبارک پکڑ لیا اور کہا:۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یارسولَ اللہ ﷺ! خدائے بزرگ و برتر کی قسم ہم اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ آپ کی حفاظت و اعانت کریں گے۔''

مقدّس پیمانِ وفا:

ابوالہیثمؓ بن التیہان نے انکی بات کاٹ کر کہا۔

''یارسولَ اللہ ﷺ اس وقت ہمارے اور یہود کے مابین معاہدات ہیں جو بیعت کے بعد فسخ ہو جائیں گے ایسا نہ ہو کہ آپ اقتدار اور قوت پا کر ہمیں چھوڑ دیں۔''

حضور ﷺ متبسم ہوئے اور فرمایا:

بَلِ الدَّمُ الدَّمُ، وَالْهَدْمُ الْهَدْمُ، اَنَا مِنْكُمْ وَاَنْتُمْ مِنِّیْ، اَحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُمْ وَاُسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُمْ.

''بلکہ میرا خون تمہارا خون اور میرا ذمہ تمہارا ذمہ ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ تم جس سے لڑو گے میں بھی لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے میں بھی صلح کروں گا۔''

گویا مختصراً حضور ﷺ نے یہ واضح کیا کہ میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہوگا۔

حضور ﷺ کے ارشادات سن کر یہ سب نفوسِ قدسی بیعت کے لیے لپکے۔ سب سے پہلے حضرت براءؓ بن معرور نے بیعت کی ان کے بعد جماعت کے دوسرے لوگ بیعت کرنے لگے۔ اس وقت حضرت عباسؓ بن عبادہ انصاری نے پکار کر کہا:

''صاحبو! خبردار رہو کہ تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ بیعت عرب و عجم کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے کے مترادف ہے، خوب جان لو کہ ایسا وقت آ سکتا ہے کہ ہمارے شرفا قتل ہوں، ہمارا مال برباد ہو جائے، ہماری عزّت و ناموس خطرے میں پڑ جائے، اس وقت ایسا نہ ہو کہ مشکلات و مصائب کے ہجوم سے گھبرا کر تم محمد رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ دو۔''

سب انصار نے بیک آواز کہا۔ ''ہاں ہاں ہم سب خطرات کو دیکھ کر بیعت کر رہے ہیں۔''

اس کے بعد حضرت اسعدؓ بن زرارہ سامنے آئے اور کہا ''اے محمد ﷺ! آپ اپنے رَبّ کے لیے جو چاہیں مانگیں، پھر اپنے لیے اور اپنے صحابہ کے لیے، پھر بتائیں ہم کو خدا سے اور آپؐ سے اس کا کیا اجر ملے گا؟''

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''تم سے خدا کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے لیے اور اپنے صحابہ کے لیے یہ چاہتا ہوں کہ ہم کو پناہ دو۔ مدد کرو اور جس طرح اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہو، ہماری بھی کرو۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال ہوا۔ ''یا رسولَ اللہ! اگر ہم یہ سب کام کریں تو اس کا صلہ ہمیں کیا ملے گا۔''

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''جنّت''

حضور ﷺ کا جواب سن کر انصار کے قلوب ایمان و یقین کے نور سے روشن ہو گئے اور وہ بولے۔ ''تو جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہم اس کے لیے راضی ہیں۔'' اس کے بعد سب یکے بعد دیگرے حضور ﷺ کی بیعت سے مشرّف ہو گئے۔

اس بیعت کو تاریخ میں بیعتِ لیلۃ العقبہ، بیعتِ عقبہ ثانیہ، بیعتِ عقبۂ کبیرہ، بیعت عَقَبہ ثالثہ مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے۔ یہ بیعت تاریخِ اسلام میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ واقعی یہ عرب و عجم اور جنّ و اِنس سے جنگ کرنے کی بیعت تھی۔ اس وقت سرزمینِ عرب کا ذرّہ ذرّہ علمبردارانِ حق کے خون کا پیاسا تھا۔ عرب کے کسی قبیلے کو جرأت نہ تھی کہ وہ ہادیٔ اکرم ﷺ کی حمایت کا اعلان کرے۔ اس وقت ارضِ یثرب کے یہ مقدس انسان اٹھے اور انہوں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر اپنی جانوں، اپنے مالوں اور اپنی اولادوں کو رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں لا ڈالا۔ جب عرب کا گوشہ گوشہ شمع رسالت کو پناہ دینے سے انکاری تھا اس وقت مدینہ کے ان جلیل القدر فرزندوں نے بصد عجز و نیاز سرورِ کائنات فخرِ موجوداتؐ سے استدعا کی کہ وہ اپنے قدومِ میمنت لزوم سے ارضِ یثرب کو متبرّک فرمائیں۔ اپنے آقاؐ سے جو مقدس پیمان انہوں نے اس رات کو باندھا اسے انہوں نے واقعی اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کے ساتھ نباہا اور کائنات کی مقدّس ترین ہستی نے بھی عالمِ فانی سے روپوش ہونے تک اہلِ یثرب کا ساتھ نہ چھوڑا، تاریک ترین ایّام میں بھی اور غلبہ و نصرت کے وقت بھی۔

مبارک تھیں وہ ہستیاں جنہوں نے یہ مقدّس پیمانِ وفا باندھا۔

انصار کے بارہ نقیب:

بیعت کے بعد سرورِ کائنات ﷺ نے اہلِ مدینہ سے فرمایا۔ ''موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے بارہ نقیب منتخب کیے تھے۔ تم بھی دینی امور کی حفاظت کے لیے اپنے بارہ نقیب منتخب کرلو۔'' چنانچہ مؤمنینِ مدینہ نے بارہ نقباء اتفاق رائے سے منتخب کر لیے۔ ان میں سے نَو (۹) قبیلہ خزرج اور تین (۳) قبیلہ اوس کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

قبیلۂ خزرج:

۱۔ حضرت ابواُمامہ اسعدؓ بن زُرارہ
۲۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ
۳۔ حضرت سعدؓ بن ربیع
۴۔ حضرت براءؓ بن معرور
۵۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ
۶۔ حضرت عبادہؓ بن صامت
۷۔ حضرت رافعؓ بن مالک
۸۔ حضرت منذرؓ بن عمرو
۹۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبیلۂ اوس:

۱۔ حضرت اُسیدؓ بن حُضَیر ۲۔ حضرت سعدؓ بن خیثمہ

۳۔ حضرت ابوالہیثم مالکؓ بن التیہان

ان بارہ نقباء کا انتخاب ہو چکا تو تو رسولِ اکرم ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''تم اپنی آبادی کے اُسی طرح ذمہ دار ہو جس طرح عیسیٰ بن مریمؑ کے حواری ذمہ دار تھے۔ اپنی قوم کا میں ذمہ دار ہوں جب تک تمہارے پاس ہجرت نہ کر آؤں۔ ابھی اللہ نے ہجرت کا حُکم نہیں دیا۔''

سارے نقیبوں نے حُضور ﷺ کے ارشاد کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

مشرکینِ قریش کا ردِّ عمل:

جب یہ سارے معاملات طے ہو رہے تھے، مشرکینِ قریش کے ایک جاسوس کے کانوں میں ان باتوں کی بھنک پڑ گئی۔ وہ ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر زور سے پکارا:

''اے اہلِ مکّہ! دیکھو یہ بے دین تم سے لڑنے کے مشورے کر رہے ہیں۔''

رسولِ اکرم نے یہ آواز سن کر فرمایا، یہ اس گھاٹی کا شیطان ہے۔ پھر آپؐ نے انصار سے فرمایا، اب تم اپنے ڈیروں کو لوٹ جاؤ۔

اس وقت حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نَضلہ انصاری کو جوش آ گیا اور وہ بولے:

''یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ اجازت دیں تو خدا کی قسم ہم کل ہی اہلِ مکّہ کو اپنی تلوار کے جوہر دکھا دیں۔''

حُضور ﷺ نے فرمایا، نہیں ابھی ہمیں جنگ کا حکم نہیں، بس تم لوگ اپنے ڈیروں میں چلے جاؤ۔

اس کے بعد انصار اپنے خیموں میں جا کر سو رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ ادھر مشرکینِ قریش کے بڑے بڑے سردار صبح ہوتے ہی اہلِ یثرب کی قیام گاہ پر پہنچ گئے اور ان سے کہا:

''اے خزرج کے لوگو! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم ہمارے اس آدمی (یعنی رسولِ اکرم ﷺ) کو ہمارے ہاں سے نکال کر اپنے پاس لے جانا چاہتے ہو۔ رات کو تم نے ایسا ہی منصوبہ بنایا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ تم نے ہمارے خلاف لڑنے کے لیے اس کے ہاتھ پر بیعت بھی کی ہے حالانکہ خدا کی قسم عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں ہے جس سے لڑنا ہمارے لیے اتنا زیادہ ناگوار ہو جتنا تمہارے خلاف لڑنے سے۔'' [1]

---

[1] قریشِ مکّہ، اہلِ یثرب کے زراعت پیشہ ہونے کی وجہ سے ان کو اپنے سے کمتر سمجھتے تھے اس لیے ان سے لڑنا (قریش کے نزدیک) باعثِ عار تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمائدِ قریش کی جن لوگوں سے گفتگو ہوئی وہ سب مشرک تھے۔ انہیں بیعتِ لیلۃ العقبہ کی خبر نہیں تھی۔ انہوں نے قسمیں کھا کھا کر رُؤسائے قریش کو یقین دلایا کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ پھر وہ اہلِ یثرب کے ایک سر برآوردہ شخص عبداللہ بن اُبیّ بن سلول (جو بعد میں رئیس المنافقین کے لقب سے مشہور ہوا) کے پاس گئے اور اس معاملے کا ذکر کیا۔ وہ بھی کہنے لگا کہ میری قوم میرے مشورے کے بغیر ایسا کام نہیں کر سکتی میں نہیں جانتا کہ یثرب کا کوئی آدمی ایسے کسی منصوبے میں شریک ہوا ہے۔

رُؤسائے قریش اُس وقت تو واپس چلے گئے لیکن ان کا شک دور نہ ہوا اور وہ برابر ٹوہ میں لگے رہے یہاں تک کہ ان کو خبر کے صحیح ہونے کا یقین ہو گیا۔ اس وقت اہلِ یثرب اپنے وطن کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ مشرکینِ مکّہ کے بہت سے سواروں نے تیز رفتاری سے اُن کا تعاقب کیا۔ اہلِ یثرب کے بڑے قافلے کو تو وہ نہ پا سکے البتہ اذاخر کے مقام پر انہوں نے دو یثربی مسلمانوں، سعدؓ بن عبادہ اور منذرؓ بن عمرو کو جا لیا جو کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ مُنذِرؓ تو اُن سے بچ نکلے لیکن سعدؓ بن عبادہ کو انہوں نے پکڑ لیا اور ان کے ہاتھ گردن سے باندھ دیئے پھر اُن کو مارتے پیٹتے اور ان کے سر کے بال نوچتے ہوئے مکّہ لے آئے جو مشرک آتا انہیں مارتا پیٹتا اور ان کے لمبے بالوں کو نوچتا تھا۔ حضرت سعدؓ کا بیان ہے کہ میں جب مکّے میں ہدفِ ستم بنا ہوا تھا، میں نے ایک گورے چٹے خوش صورت آدمی کو اپنی طرف آتے دیکھا اور دل میں خیال کیا کہ یہ شخص رحمدل اور معقول معلوم ہوتا ہے شاید یہ مجھے اس مصیبت سے نجات دلائے لیکن اس نے میرے پاس آ کر اس زور کا تھپڑ مجھے رسید کیا کہ میرا منہ پھر گیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ سب نامعقول اور سیاہ باطن ہیں (تھپڑ مارنے والے صاحب سُہیل بن عمرو تھے جو فتحِ مکّہ کے موقع پر ایمان لائے اور شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے) آخر ایک مشرک (ابوالبختری بن ہشام) کو مجھ پر رحم آ گیا اور اس نے مجھ سے کہا، بندۂ خدا کیا مکّہ میں تیرا کوئی شناسا نہیں ہے؟ میں نے کہا کہ میں اپنے علاقے میں مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیّہ کے تجارتی قافلوں کو پناہ دیتا رہا ہوں۔ اس نے کہا، تو اِن کا نام لے کر دہائی دے اور بتا کہ تیرا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اُدھر اس شخص نے قریش کے ان دونوں رئیسوں کو ڈھونڈ کر (جو حرمِ کعبہ میں موجود تھے) بتایا کہ یثرب کے ایک آدمی سعد بن عبادہ کو مکّہ اور مِنیٰ کے درمیان وادیٔ مُحَصّب میں پیٹا جا رہا ہے اور وہ تمہارے نام کی دہائی دے رہا ہے۔ انہوں نے کہا، غضب ہو گیا، سعد بن عبادہ تو خزرج کے بااثر رئیس ہیں اور وہ ہمارے تجارتی قافلوں کو اپنی پناہ میں لیتے رہے ہیں۔ پھر وہ دوڑتے ہوئے آئے اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو ظالموں کے پنجۂ ستم سے نجات دلائی۔ یہاں سے رہا ہو کر وہ نہایت تیز رفتاری سے اپنے ساتھیوں سے جا ملے جو ان کی تلاش میں مکّہ کی طرف واپس آ رہے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یَثرِب (مدینہ) کی طرف ہجرت کا آغاز

سب سے پہلے مُہاجر (اِلَی الْمدینہ):

بیعتِ عَقبہ کبیرہ (ذی الحجہ ۱۳ھ بعدِ بعثت) کے بعد سب سے پہلے جن صاحبؓ رسول ﷺ نے یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کی وہ حضرت ابوسَلَمہؓ بن عبدالاسد مخزومی تھے۔ وہ آنحضور ﷺ کی پھوپھی برّہ بنتِ عَبْدُ الْمُطَّلِب کے صاحبزادے اور آپؐ کے رضاعی بھائی تھے۔ انہوں نے دعوتِ توحید کی ابتدا ہی میں اپنی اہلیہ حضرت اُمِ سَلَمہؓ کے ساتھ اسلام قبول کر کے السّابِقُونَ الْاَوّلُون کی مقدس جماعت میں شامل ہونے کا شَرَف حاصل کرلیا تھا پہلے دونوں میاں بیوی نے اپنے دین کی خاطر حَبَش کی طرف ہجرت کی وہاں چند سال گزارنے کے بعد ہجرتِ نَبَوِیؐ سے پہلے مکّہ واپس آگئے اور پھر اپنے قبیلہ بنی مخزوم کے جوروستم سے تنگ آکر مکّہ سے ہجرت کر کے یثرب (مدینہ) جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اس وقت ہجرت اِلَی المدینہ کی عام نوبت نہ آئی تھی لیکن حضرت ابوسلمہؓ کے لیے مشرکینِ بنی مخزوم کے مظالم ناقابلِ برداشت ہوگئے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے اونٹ پر اہلیہ حضرت اُمِ سلمہؓ اور بچے سَلَمہؓ کو سوار کرایا اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر پاپیادہ چل پڑے۔ اس وقت اُن کے پاس صرف ایک ہی اونٹ تھا ابھی تھوڑی دُور گئے تھے کہ حضرت اُمِ سلمہؓ کے خاندان بنی مغیرہ کو پتا چل گیا، انہوں نے اونٹ کو گھیر لیا اور حضرت ابوسلمہؓ سے کہا، تم جاسکتے ہو لیکن ہماری لڑکی تمہارے ساتھ نہیں جاسکتی۔ یہ کہہ کر انہوں نے اونٹ کی نکیل ابوسلمہؓ کے ہاتھ سے چھین لی اور اُمِ سلمہؓ کو زبردستی اپنے ساتھ لے چلے۔ اتنے میں ابوسلمہؓ کے خاندان کے لوگ بنوعبدالاسد آپہنچے۔ انہوں نے اُمِ سلمہؓ کے بچے سَلَمہ پر قبضہ کرلیا اور بنومُغیرہ سے کہا کہ اگر تم اپنی لڑکی کو ابوسلمہؓ کے ساتھ نہیں جانے دیتے تو ہم اپنے قبیلہ کے بچّے کو تمہارے پاس نہیں چھوڑیں گے۔ ابوسلمہؓ سے کہا۔ "تو اکیلا جہاں جی چاہے جاسکتا ہے۔"

حضرت اُمِ سَلَمہؓ کی داستانِ ہجرت:

اس وقت صحابہؓ کو یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کرنے کا اِذن مل چکا تھا۔ حضرت ابوسَلَمہؓ بیوی بچّے کے بغیر ہی یثرب کی طرف روانہ ہوگئے۔ اُمِ سَلَمہؓ بنومغیرہ کے پاس اور ان کا بچہ بنوعبدالاسد کے پاس تھے۔ گویا دینِ حق کی خاطر تینوں باپ، بیٹا اور بیوی جدائی کی مصیبتیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برداشت کر رہے تھے۔ حضرت اُمِ سَلَمہؓ کو شوہر اور بچے کی جدائی کا فطری طور پر بہت صدمہ تھا۔ وہ روزانہ صبح کے وقت گھر سے نکلتیں اور سارا دن ایک ٹیلے پر بیٹھ کر گریہ وزاری کرتی رہتیں۔ پورا ایک سال ایسے ہی گزر گیا۔ ایک دن بنو مغیرہ کے ایک صاحب اثر اور رحمدل آدمی نے انہیں اس حال میں دیکھا تو اس کا دل پسیج گیا۔ اس نے اپنے قبیلے کو اکٹھا کیا اور کہا کہ "یہ لڑکی ہمارا ہی خون ہے۔ ہم کب تک اس بیکس کو اپنے شوہر اور بچے سے جدا رکھیں گے۔ اے بنو مغیرہ! بخدا ہمارا قبیلہ بڑا شریف اور شجاع ہے جو ظلم کو دوست نہیں رکھتا۔" اس نیک دل آدمی کی تقریر سن کر دوسرے لوگوں کو بھی رحم آ گیا۔ انہوں نے اُمِ سَلَمہؓ کو اجازت دے دی کہ وہ مدینہ جا سکتی ہیں۔ جب بنو عبدالاسد نے یہ واقعہ سُنا تو انہیں بھی ترس آ گیا اور انہوں نے سَلَمہ کو اپنی ماں کے پاس بھیج دیا۔
اب حضرت اُمِ سَلَمہؓ نے بچے کو گود میں لیا اور اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے میں تنعیم کے مقام پر انہیں ایک شریف النفس آدمی عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ ملے۔ انہوں نے جب اُمِ سَلَمہؓ کو ایک ننھے بچے کے ہمراہ تنِ تنہا سفر کرتے دیکھا تو دل میں آیا۔ "اے عثمان! یہ مردانگی سے بعید ہے کہ قریش کی یہ عورت یوں تنہا سفر کرے اور تُو اس کی مدد نہ کرے۔"

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضرت اُمِ سَلَمہؓ سے پوچھا، اے ابی امیّہ کی بیٹی! کدھر جا رہی ہو؟ وہ بولیں، اپنے شوہر کے پاس۔ حضرت عثمانؓ نے کہا، تمہارے ساتھ کوئی نہیں حضرت اُمِ سَلَمہؓ نے کہا، اللہ اور اس بچے کے سوا میرے ساتھ کوئی نہیں۔

حضرت عثمانؓ نے کہا، خدا کی قسم میں تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گا۔ انہوں نے اُمِ سَلَمہؓ کے اونٹ کی نکیل پکڑی اور کشاں کشاں مدینہ کی طرف چل پڑے۔ جب کہیں پڑاؤ ہوتا تو وہ کسی درخت کی اوٹ میں ہو جاتے اور چلنے کے وقت اونٹ تیار کر کے لے آتے۔ غرض یونہی چلتے چلاتے وہ قُبا پہنچے۔ ابو سَلَمہؓ یہاں ہی مقیم تھے۔ عثمان بن طلحہ یہاں سے مکّہ واپس چلے گئے اور اُمِ سلمہؓ کی ملاقات اپنے بچھڑے ہوئے شوہر سے ہوئی۔ وہ اپنی نیک سیرت بیوی اور بچہ کو پا کر خدا کا شکر بجالائے۔

حضرت اُمِ سَلَمہؓ نے عثمان بن طلحہ کی نیکی کو ہمیشہ یاد رکھا۔ ان کا قول تھا: "میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ ساتھ دینے والا شریف آدمی نہیں دیکھا۔" [1]

---

[1] حضرت عثمانؓ بن طلحہ کا تعلق قریش کی ایک معزز شاخ بنی عبدالدار سے تھا۔ ان کا باپ طلحہ بن ابی طلحہ خانہ کعبہ کا کلید بردار تھا۔ وہ اسلام کا سخت دشمن تھا جب تک جیتا رہا اپنی اولاد کو بھی اسلام کی طرف راغب نہ ہونے دیا۔ وہ غزوۂ اُحد (شوّال ۳ ہجری) میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد حضرت عثمانؓ کا دل آہستہ آہستہ اسلام کی طرف مائل ہونے لگا۔ یہاں تک کہ فتح مکّہ سے چند ماہ پہلے حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن عاص کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ فتح مکّہ (۸ ھ) میں حضور ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ آپؐ نے ان سے کعبہ کی کنجی طلب فرمائی جو اس وقت ان کی والدہ کے پاس تھی انہوں نے ماں کے پاس جا کر اس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت کا اِذنِ عام

بیعت لیلۃ العقبہ (ذی الحجہ ۱۳ بعدِ بعثت) کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے مکّہ کے اہلِ ایمان کو یثرب (مدینے) کی طرف ہجرت کرنے کا اِذن دے دیا اور فرمایا کہ وہاں اللہ تعالیٰ نے تمہارے مددگار بھائی پیدا کر دیے ہیں وہ تمہیں اپنے ہاں بخوشی جگہ دینے کے لیے تیار ہیں، وہاں تم امن سے رہ سکو گے۔ [1] اذنِ ہجرت ملنے کا مطلب یہ تھا کہ ستم رسیدہ مسلمانوں کے لیے دارالامن یثرب (مدینہ) کی شاہراہ کھل گئی چنانچہ ہجرتِ عام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مکّہ سے یثرب جانے والے سب سے پہلے مہاجر حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی تھے (ان کی ہجرت کا ذکر پیچھے آچکا ہے)۔ اذنِ عام کے بعد دوسرے اہلِ ایمان بھی یکے بعد دیگرے دو دو چار چار کر کے یا چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کی صورت میں اپنے گھر بار چھوڑ کر یثرب (مدینہ) پہنچنے لگے یہاں

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

سے مانگی تو اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے ڈرا دھمکا کر لے لی اور لا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی آپ کعبہ کا دروازہ کھول کر حضرت عثمانؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے کا اہتمام فرمایا پھر باہر تشریف لا کر کنجی حضرت عثمانؓ کے حوالے کر دی اور فرمایا، جو اسے تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔ لیکن وہ حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ واپس چلے گئے اور کلید برداری کے فرائض ان کی جگہ کوئی اور صاحب انجام دیتے رہے۔ آنحضور ﷺ کی رحلت کے بعد مکّہ آگئے اور جب تک حیات رہے کلید برداری کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۴۲ ہجری میں وفات پائی۔ وفات سے پہلے کلید برداری کی خدمت اپنے چچا زاد بھائی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کے سپرد کر دی کیونکہ اپنی اولادِ نرینہ کوئی نہیں تھی۔ حضرت عثمانؓ بن طلحہ زمانہ جاہلیت میں بھی بہت شریف النفس تھے اور اہلِ حق کے خلاف کبھی کسی کمینہ اور چھچھوری حرکت کے مرتکب نہیں ہوئے۔ حضرت اُمِّ سلمہؓ کے ساتھ جو سلوک انہوں نے کیا وہ ان کی شرافت پر دال ہے۔

[1] صحیح بخاری میں ہے کہ اس سے پہلے رسولِ اکرم ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ مکّہ سے اپنے جاں نثاروں سمیت کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ آپ نے خیال فرمایا کہ وہ جگہ یمامہ ہے یا ہجر۔ چند دن کے بعد آپؐ نے ایک اور خواب دیکھا جس میں بکثرت کھجوروں والی ایک ایسی بستی کو آپ کی دارالہجرت بتایا گیا جو دو سنگستانوں کے درمیان واقع تھی۔ اب آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے یثرب (مدینہ) کو دارالہجرت قرار دیا ہے۔ گویا وحی الٰہی نے صراحۃً رہبری فرمائی کہ (حبشہ کے بعد) اب اہلِ ایمان کا ''دارالہجرت'' ''یثرب'' ہوگا اور اسی بستی کو ''مدینۃ النبی'' بننے کا شرف حاصل ہوگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک کہ آنحضور ﷺ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت نُعَیمُ النَّحّام، حضرت مِسطحؓ بن اُثاثہ، حضرت مِقدادؓ بن عمروؓ، حضرت مرثدؓ بن ابی مرثدؓ، حضرت سلمہؓ بن ہشام، حضرت ہشامؓ بن عاص، حضرت عبداللہؓ بن سہیل اور کچھ دوسرے اہلِ ایمان کے سوا باقی سب صحابہؓ اور صحابیات نے ہجرتِ نبوی سے پہلے ہی شرفِ ہجرت حاصل کر لیا۔

حُضور ﷺ تو اپنے بارے میں حکمِ الٰہی کے منتظر تھے۔ اس کے بغیر آپ مکہ سے ہجرت نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپؐ نے خود مکّہ میں روک لیا (اس میں جو مصلحت تھی اس کا ذکر آگے آئے گا) حضرت نعیم النّحّام عدویؓ کو اُن کے قبیلے بنو عدی نے منت سماجت کر کے روک لیا کیونکہ وہ قبیلے کے یتیموں اور محتاجوں کی پرورش اور خبرگیری کیا کرتے تھے۔

حضرت صہیبؓ ہجرت کے لیے نکلے تو مشرکین نے انہیں روک لیا اور بڑی ردوکد کے بعد انہیں اس شرط پر مکّہ سے نکلنے دیا کہ وہ اپنا سارا مال و متاع اُن کے حوالے کر دیں۔ اس وقت آنحضور ﷺ ہجرت فرما کر قُباء پہنچ چکے تھے۔ حضرت صہیبؓ نے سارا مال و متاع مشرکین کو دے کر اپنی جان چھڑائی اور دن رات سفر کرتے ہوئے حضور ﷺ کے پاس قباء پہنچ گئے۔

حضرت سلمہؓ بن ہشام، حضرت عبداللہؓ بن سہیل اور حضرت ہشامؓ بن عاص کو اُن کے اہلِ خاندان نے روک لیا۔ حضرت مِقدادؓ بن عمرو، حضرت مِسطحؓ بن اُثاثہ، حضرت مرثد بن ابی مرثد اور دوسرے کچھ مسلمان اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے ابتدا میں ہجرت نہ کر سکے۔ تاہم ہجرتِ نبویؐ کے بعد سب یکے بعد دیگرے موقع پا کر مدینہ پہنچ گئے۔

مشرکینِ مکّہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان یثرب پہنچ کر وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف محاذ بنالیں۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ ان کے جذبۂ ایمانی کے سامنے بند نہ باندھ سکے اور بیشتر مسلمان ہجرت کرنے میں کامیاب ہوگئے ان میں زیادہ تر افراد تو مشرکین کی نظروں سے بچ بچا کر نکلے لیکن حضرت عُمَرِ فاروق رضی اللہ عنہُ نے بیس سواروں کے ساتھ علانیہ ہجرت کی۔ اس سے پہلے انہوں نے اطمینان کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا پھر مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز ادا کی اس کے بعد انہوں نے بآوازِ بلند مشرکینِ قریش سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے گروہِ قریش! میں مکّہ سے جا رہا ہوں، جس کسی کو اپنی بیوی کو بیوہ اور اولاد کو یتیم کرنا منظور ہو وہ میرے پیچھے آئے اور مجھے جانے سے روکے۔"

لیکن کسی کو انہیں روکنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ اپنے اہلِ خاندان کے علاوہ کچھ دوسرے اصحاب کو بھی ساتھ لے کر عازمِ یثرب ہوگئے۔

کُتبِ سِیَر میں سَو سے زیادہ ایسے صحابہ و صحابیات کے نام ملتے ہیں جن کو حضور ﷺ کے مکّہ چھوڑنے سے پہلے ہجرت کی سعادت نصیب ہوئی (ہجرتِ نبویؐ کے بعد بھی ہجرت کا سلسلہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتح مکہ تک جاری رہا۔) اللہ کی راہ میں گھربار جائداد اور وطن کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنا بڑے دل گردے اور بہت بڑی قربانی کا کام تھا۔ مہاجرین کی حرارتِ ایمانی اور قربانی کے جذبے کو بارگاہِ الٰہی میں اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ربّ ذوالجلال وَالِاکرام نے ان کو کھلے لفظوں میں جنّت کی بشارت دی خلفائے اربعہ (راشدینؓ) اور ازواجِ مطہّرات کے بعد مہاجرین اوّلینؓ کو دوسرے تمام صحابہؓ وصحابیاتؓ پر افضلیت حاصل ہے۔

کفارِ مکہ کی ناپاک سازش:

جب مشرکینِ مکہ کے جوروستم اور مظالم وشداید کے تمام حربے ناکام ہوچکے اور اسلام کا حلقۂ اثر روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ یثرب میں رسولِ اکرم ﷺ کے اس قدر حامی اور مددگار پیدا ہوگئے جو علی الاعلان مکہ سے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دینے لگے تو کفارِ مکہ کو خطرہ محسوس ہوا کہ اگر مُحمّد ﷺ بھی ہجرت کر کے یثرب پہنچ گئے تو مسلمان اہلِ یثرب کی تائید و اعانت سے ایک زبردست قوّت بن جائیں گے اور بحرِ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ یمن سے شام جانے والی تجارتی شاہراہ ان کی زد میں آ جائے گی اور یوں شام روم اور مصر کے ساتھ ان کی لاکھوں روپے کی تجارت معرضِ خطر میں پڑ جائے گی۔ چنانچہ اس معاملے پر غور کرنے کے لیے قریش کے تمام بڑے بڑے سردار ''دارالندوہ'' میں جمع ہوئے۔ (''دارالندوہ'' قریش کے جدِّ اعلیٰ قصیّ بن کلاب کا تاریخی مکان تھا قریش اس سے ''پارلیمنٹ ہاؤس'' کا کام لیتے تھے اور تمام اہم معاملات یہیں طے کیا کرتے تھے)۔

یہ اجتماع صفر ۱۴ھ بعدِ بعثت کی آخری تاریخوں میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی تو نضر بن حارث نے اٹھ کر بڑے جوش سے کہا۔ ''مُحمّد (ﷺ) کو طوق و سلاسل میں پابند کر کے ایک کوٹھری میں محبوس کردو اور اسے جیتے جی رہا نہ کرو'' لیکن اس رائے کو قبول نہ کیا گیا کیونکہ بیشتر شرکائے مجلس کا خیال تھا کہ بنوہاشم اور مُحمّد (ﷺ) کے پیرو اس کو چھڑانے کی کوشش کریں گے اور یوں خانہ جنگی شروع ہوجائے گی۔ اب امیّہ بن خلف اٹھا اور اس نے یہ تجویز پیش کی کہ مُحمّد (ﷺ) کو زبردستی مکہ سے نکال دیا جائے نہ وہ یہاں ہوگا نہ فتنہ پھیلے گا۔ اس تجویز کو بھی یہ کہہ کر رَدّ کردیا گیا کہ مُحمّد (ﷺ) اپنی طلاقتِ لسانی سے نہ معلوم عرب کے کتنے قبیلوں کو اپنا ہمنوا بنالے اور پھر قوّت پکڑ کر ہم پر حملہ آور ہو۔ آخرِ کار ابوجہل نے یہ رائے پیش کی کہ ہر قبیلے سے ایک عالی نسب اور باہمت نوجوان چُنا جائے پھر یہ سب نوجوان تلواریں لے کر بیک وقت مُحمّد پر ٹوٹ پڑیں اس طرح کسی ایک شخص یا قبیلے پر اس کے قتل کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی اور بنوہاشم میں یہ طاقت کہاں کہ وہ سب قبیلوں کی متحدہ قوت کا مقابلہ کرسکیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ خون بہا کا مطالبہ کریں گے۔ اس کا ادا کرنا ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا اور شمعِ رسالت کو بجھانے کے لیے چند آدمی منتخب کر کے ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کہا گیا کہ ایک مقررہ رات کو وہ کاشانۂ نبوّت کا محاصرہ کر لیں اور جب مُحَمَّدؐ باہر نکلیں تو ان پر ٹوٹ پڑیں۔

قرآنِ حکیم میں کفّار کی اس سازش کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْيَقْتُلُوْكَ اَوْيُخْرِجُوْكَ ط وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ (الانفال: آیۃ ۳۰)

"(اور اے نبی وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جبکہ کفار تمہارے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تمہیں قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔"

اُدھر کفّار نے یہ (ناپاک) فیصلہ کیا۔ اِدھر اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ یہ اجازت اُس دن ملی جس دن کے بعد آنے والی رات کو کافروں نے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ جبریل علیہ السّلام نے آپ کو یہ بھی بتا دیا کہ قریش نے آج رات آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ہے اس لیے آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ یہ خبر پا کر اسی دن دوپہر کے وقت چہرۂ مبارک پر کپڑا لپیٹے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح یا شام کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے ہاں تشریف لے جاتے تھے اُس دن خلافِ معمول دوپہر (ظہر) کے وقت تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو دیکھ کر معاً فرمایا۔ "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں ضرور کوئی بات ہے کہ آپؐ اس وقت تشریف لائے ہیں۔" پھر آپؐ نے حسبِ معمول اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اجازت پا کر اندر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے تعظیم بجا لا کر بڑے احترام کے ساتھ ایک چوبی تخت پر بٹھایا۔ آپؐ نے فرمایا "اپنے پاس سے سب کو ہٹا دو" اس وقت حضرت ابوبکرؓ کی بیٹیاں حضرت اسمؓ اور حضرت عائشہؓ وہاں موجود تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! یہ آپ ہی کے گھر کے لوگ ہیں (بروایتِ دیگر "یہاں صرف میری بیٹیاں ہیں کوئی جاسوس نہیں ہے") حضور ﷺ نے فرمایا "مجھے ہجرت کی اجازت دے دی گئی ہے اور میں آج ہی رات یثرب کے لیے روانہ ہونے والا ہوں" حضرت ابوبکرؓ نے بے ساختہ عرض کیا:

وَالصُّحْبَةَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ.

"اور میری رفاقت یا رسول اللہ؟"

آپ نے فرمایا۔ "آپ بھی میرے ساتھ چلیں گے۔"

یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ فرطِ مسرّت سے رونے لگے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اُس دن مجھے پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ کوئی شخص جوشِ مسرّت میں بھی روتا ہے۔

پھر حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں نے دو اونٹنیاں آج ہی کے دن کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے تیار کی ہیں، اِن میں سے ایک آپ لے لیں۔''

آپ نے فرمایا ''مگر قیمت دے کر لوں گا'' حضرت ابوبکرؓ نے ارشادِ نبوی کے سامنے سر خم کر دیا۔ اس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ نے بنی الدِّیل کے ایک شخص عبداللہ بن اُرَیقِط کو اُجرت پر راہ نمائی کے لیے مقرّر کیا اور یہ کہہ کر دونوں اونٹنیاں اس کے حوالے کر دیں کہ جس وقت ہم بلائیں انہیں لے کر فوراً اس جگہ پہنچ جانا۔ عبداللہ بن اُرَیقِط اگرچہ غیر مُسلم تھا لیکن نہایت بااعتماد شخص تھا اور مختلف راستوں سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔

کاشانۂ اقدس کا ناکام گھیراؤ:

اس کے بعد حضور ﷺ اپنے مکان پر تشریف لے گئے۔ رات ہوئی تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو یہ فرما کر اپنے بستر پر سُلا دیا کہ تم میرے پاس رکھی ہوئی امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کر کے بعد میں یثرب آ جانا۔ اس وقت کافروں نے اپنے منصوبہ کے مطابق کاشانۂ اقدس کو گھیر رکھا تھا۔ اللہ نے اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور آپ سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات پڑھتے ہوئے اُن کے درمیان سے نکل کر سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ پہلے ہی پابہ رکاب تھے۔ حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ نے جلدی جلدی دونوں مسافروں کے لیے سامانِ سفر تیار کیا۔ حضرت اسماءؓ کو توشہ دان باندھنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی تو انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر اس کے دو ٹکڑے کیے ایک سے توشہ دان کا منہ باندھا اور دوسرے سے پانی کے مشکیزے کا دہانہ۔ اس خدمت کی بدولت انہوں نے دربارِ رسالت سے ذاتُ النِّطاقَین کا خطاب پایا (نِطاق عربی میں کمر بند کو کہتے ہیں)۔ صحیح بخاری میں حضرت اسماءؓ کی اپنی روایت یہ ہے کہ جب توشہ دان کو باندھنے کی ضرورت پڑی تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اپنا نِطاق پھاڑنے کا حکم دیا تھا۔ [1]

پھر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ کو ہدایت کی کہ دن اہلِ مکّہ میں گزارو اور رات کو ہمارے پاس آ کر دن بھر کی خبریں سنا دیا کرو۔ ساتھ ہی اپنے آزاد کردہ غلام حضرت عامرؓ بن فُہَیرہ کو حکم دیا کہ معمول کے مطابق سارا دن ہماری بکریاں چراتے رہو اور رات گئے ہمارے پاس آ کر ہمیں بکریوں کا دودھ دے دیا کرو۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا سارا مال جو پانچ چھ ہزار درہم تھا اپنے ساتھ لیا۔ [2] اور حضور ﷺ کی ہم رکابی میں گھر سے نکل پڑے۔

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ نِطاق پھاڑنے کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضور ﷺ غارِ ثور سے چلنے لگے۔ حضرت اسماءؓ وہاں کھانا وغیرہ ایک تھیلے میں لے کر پہنچ گئیں مگر اس کو باندھنے کے لیے کوئی چیز ساتھ لانا بھول گئیں۔ انہوں نے اپنا نطاق کھول کر اسے پھاڑا۔ ایک حصے سے توشہ باندھ کر کجاوے کے ساتھ لٹکا دیا اور اپنی کمر باندھنے کے لیے دوسرے حصے پر اکتفا کیا۔

[2] حضرت ابوبکرؓ نے جس وقت اسلام قبول کیا ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے لیکن انہوں نے اس کا بیشتر حصہ مسلمان غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرانے میں صَرف کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسولِ اکرم ﷺ کے سفرِ ہجرت کا آغاز

گھر سے باہر آ کر دونوں مقدّس ہستیوں نے مکّہ کے شمال (جانب یثرب) کے بجائے جنوب کا رُخ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کبھی حضور ﷺ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے ہو جاتے۔ حضور ﷺ نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کیا۔"یا رسول اللہ ﷺ! جب میرے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں کوئی دشمن کمین گاہ سے نہ نکل آئے تو آپ کے آگے ہو جاتا ہوں اور جب یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کوئی دشمن تعاقب میں نہ آ رہا ہو تو پیچھے ہو جاتا ہوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا"تمہارا مدعا یہ ہے کہ کوئی مصیبت آئے تو میرے بجائے تم پر آئے"انہوں نے عرض کیا"جی ہاں یا رسولَ اللہ"۔

طَبری کا بیان ہے کہ رات کی تاریکی میں پتھریلی زمین پر چلنے اور ٹھوکریں کھانے سے دونوں مقدّس مسافروں کے پاؤں زخمی ہوگئے خصوصاً حضور ﷺ کے پائے مبارک کا انگوٹھا بہت زخمی ہوگیا اور آپ کی پاپوش مبارک خون سے بھرگئی۔

امام بیہقیؒ نے"دلائلُ النّبوۃ"میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اگر چہ خود بھی زخمی ہو رہے تھے لیکن وہ حضور ﷺ کو تکلیف میں نہ دیکھ سکے اور آپ کو اپنے شانۂ مبارک پر بٹھالیا اور اسی طرح چلتے ہوئے جبلِ ثور تک پہنچے جو مکّہ سے جنوب کی طرف تقریباً تین میل دُور ہے۔

غارِ ثَور میں وُرُود:

جَبَلِ ثَور میں خاصی بلندی پر ایک پُرانا غار تھا۔ حُضور ﷺ نے پناہ لینے کے لیے اس غار کو موزوں سمجھا اور اس میں داخل ہونے کا قصد فرمایا۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو قسم دے کر گزارش کی"یا رَسُولَ اللہ! پہلے مجھے غار میں داخل ہونے دیجیے تاکہ میں اسے آپ کے لیے صاف اور محفوظ کردوں"۔ چنانچہ اندر جا کر وہ غار کو صاف کرنے لگے جہاں کوئی سوراخ یا بل نظر آتا اس کو اپنی چادر سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر بند کر دیتے۔ طَبرانیؒ نے حضرت اسماءؓ سے اور بزّارؒ نے حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ غار میں ایک بل باقی رہ گیا اس کو بند کرنے کے لیے کوئی چیز نظر نہ آئی تو حضرت ابوبکرؓ نے اس پر اپنی ایڑی جما دی تاکہ کوئی مُوذی جانور اس سے نکل کر حضور ﷺ کو گزند نہ پہنچائے۔ پھر انہوں نے حُضور ﷺ سے درخواست کی کہ اب آپ اندر تشریف لے آیئے۔ حُضور ﷺ غار میں داخل ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کی گود میں سر رکھ کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استراحت فرمانے لگے۔ جس سوراخ کے آگے حضرت ابوبکرؓ نے اپنی ایڑی جما رکھی تھی، وہ ایک زہریلے سانپ کا مسکن تھا۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ کی ایڑی کو کاٹ کھایا۔ درد کی شِدّت سے حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے لیکن انہوں نے اپنے جسم میں ذرا بھی جنبش نہ آنے دی کہ مبادا حُضور ﷺ جاگ اُٹھیں۔ اتفاقاً آنسو کا ایک قطرہ حضور ﷺ کے رخسارِ مبارک پر پڑا تو آپؐ کی آنکھ کھل گئی۔ اپنے جاں نثار ساتھی کی آنکھوں سے آنسو گرتے دیکھ کر پوچھا "ابوبکر کیا ہوا؟" عرض کیا "یا رسولَ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں مجھے سانپ نے ڈس لیا۔" آپؐ نے اُسی وقت زخم کے مقام پر اپنا لُعابِ دہن لگا دیا جس سے آناً فاناً زہر کا اثر دُور ہوگیا۔ (زرقانی۔ مشکوٰۃ بحوالہ رزین)

غارِ ثَور میں نازک ترین لمحہ:

کُفّارِ مکّہ نے جب آنحضور ﷺ کو اپنے بستر پر نہ پایا تو اُن کو فوراً خیال آیا کہ آپؐ عازمِ یثرب ہوگئے ہیں۔ یثرب (مدینہ) مکّہ سے شمال کی جانب شام کے راستے پر واقع ہے اس لیے پہلے انہوں نے شمالی پہاڑوں اور راستوں کی طرف اپنے آدمی دوڑائے تاکہ آپؐ کو پکڑ لائیں لیکن جب وہ ناکام واپس آئے تو کُفّار نے اپنی تلاش کا رُخ جنوب کی طرف پھیرا اور دو ماہر کھوجیوں کی مدد سے سراغ لگاتے ہوئے غارِ ثَور تک پہنچ گئے مگر وہاں انہوں نے دیکھا کہ غار کے منہ پر مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جنگلی کبوتروں کے ایک جوڑے نے غار کے منہ کے اندر کی طرف گھونسلا بنا لیا تھا اور کبوتری نے انڈے دے کر اُن کو سینا شروع کر دیا تھا۔ صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حُضور ﷺ کے کاشانۂ اقدس سے نکلتے وقت کُفّار اندھے ہوگئے تھے یہاں بھی ان کی آنکھیں پٹم ہوگئیں (اللہ تعالیٰ کسی ظاہری سبب کے بغیر بھی ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال سکتا تھا) ایک کھوجی کُرز بن علقمہ خُزاعی نے کہا، یہاں سے آگے پتا نہیں چلتا۔ اس پر ایک مشرک نے کہا، کیوں نہ غار کے اندر چل کر بھی دیکھ لیا جائے مگر اُمیّہ بن خَلَف نے کہا! "اس سے کیا حاصل ہوگا، یہ جالا تو مُحمّدؐ (ﷺ) کی ولادت سے بھی پہلے کا تنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔"

جس وقت کُفّار غار کے منہ پر کھڑے آپس میں یہ گفتگو کر رہے تھے، حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے انہیں دیکھ لیا، انہوں نے بے تاب ہو کر حُضور ﷺ سے عرض کیا: "یا رسولَ اللہ ﷺ! اگر ان آدمیوں میں سے کسی کی نظر اپنے قدموں کے نیچے کی طرف پڑ گئی تو وہ ہم کو دیکھ لے گا۔"

حُضور ﷺ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ "اے ابوبکر! خاموشی سے دیکھتے رہو، تمہارا کیا خیال ہے اُن دو آدمیوں کے متعلق جن میں تیسرا اللہ ہے۔" (صحیح بخاری کتاب المناقب)

بعض دوسری روایات میں ہے کہ جس وقت مشرکین غار کے دہانے پر کھڑے تھے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرکین کی نقل وحرکت دیکھ رہے تھے۔ حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے روتے ہوئے عرض کیا:

''یارسولَ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، مشرکین آپؐ کی تلاش میں ہمارے سر پر آپہنچے ہیں۔ خدا کی قسم میں اپنے لیے نہیں روتا بلکہ اس ڈر سے روتا ہوں کہ کہیں میری آنکھوں کے سامنے آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچ جائے۔''

امام سہیلیؒ نے ''روض الاُنُف'' میں حضرت ابوبکرؓ سے یہ الفاظ منسوب کیے ہیں:

''یا رَسُولَ اللہ! اگر میں مارا جاؤں تو اِس کا اثر میری ذات تک یا میرے گھر والوں تک محدود رہے گا لیکن اگر خدانخواستہ آپؐ پر کوئی آنچ آئی تو ساری اُمّت تباہ ہو جائے گی اور دُنیا میں اللہ کا نام لینے والا کوئی مشکل ہی سے باقی رہ سکے گا۔''

حضور ﷺ نے فرمایا:

لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا. ''غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

''فتح الباری'' میں طبرانی کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ تلاش کرنے والوں میں سے ایک شخص آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر غار کے اندر کی طرف دیکھنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا:

''یا رَسُولَ اللہ ﷺ! وہ شخص سامنے کھڑے ہو کر بڑی مُتجسِّس نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔''

آپؐ نے فرمایا: ''وہ ہمیں ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ فرشتوں نے اپنے پروں سے ہمیں اِن لوگوں سے اوجھل کر رکھا ہے۔''

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کُفّار کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ بے نَیلِ مَرام غار کے منہ سے واپس چلے گئے۔

قرآنِ حکیم میں اس واقعہ کا ذِکر ان الفاظ میں آیا ہے۔

اِلَّاتَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ اِذْيَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا. (التّوبہ۔ع ٦)

''اگر تم اُس کی (یعنی اللہ کے نبی کی) مدد نہ کرو گے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اُس کی مدد اُس وقت کر چکا ہے جب اسے کافروں نے نکال دیا تھا۔ جب وہ دو میں کا ایک تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غارِ ثور سے روانگی (الوداع اے ارضِ مکہ الوداع):

غارِ ثور میں تین شب و روز قیام کے بعد سرورِ عالم ﷺ نے مدینہ کا سفر شروع کرنے کا قصد فرمایا۔ اس دوران میں حضرت عامرؓ بن فہیرہ روزانہ بکریاں چراتے چراتے شام کو غار کے منہ پر آ جاتے اور دودھ دوہ کر سرورِ عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پلا آتے (صحیح بخاری، تفسیر درِ منثور) ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ روزانہ رات کو تازہ کھانا پہنچا دیتی تھیں۔ (سیرۃ ابنِ ہشام)

حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ پدرِ گرامی کے حکم کے مطابق رات کو غار میں پہنچ کر دن بھر کی خبریں حضور ﷺ کو سناتے اور رات غار ہی میں بسر کر کے فجر ہونے سے پہلے پہلے مکہ واپس آ جاتے۔ تیسری رات کے آخری حصہ میں عبد اللہ بن اُریقط اُن دونوں اونٹنیوں کو لے کر غارِ ثور پر پہنچ گیا جو اس کے حوالے کی گئی تھیں۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہ بھی اپنی بکریاں چھوڑ چھاڑ حضور ﷺ کی ہم رکابی کے لیے وہاں پہنچ گئے۔ اس کے بعد یہ مقدّس قافلہ اس طرح روانہ ہوا کہ ایک اونٹنی پر رسولِ اکرم ﷺ سوار تھے اور دوسری پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عامرؓ بن فہیرہ۔ آگے آگے عبد اللہ بن اُریقط راستہ بتانے کے لیے پیدل چل رہا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک اونٹنی پر رسولِ اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ سوار تھے اور دوسری پر حضرت عامرؓ بن فہیرہ اور عبداللہ بن اُریقط۔ ابنِ ہشامؒ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن اُریقط نے عام راستہ چھوڑ کر بالا بالا ساحلِ بحر کا راستہ اختیار کیا۔

حضرت ابوبکرؓ تجارت کے سلسلے میں اکثر سفر کرتے رہے تھے اس لیے عرب کے بہت سے علاقوں کے لوگ ان کے صورت آشنا تھے۔ راستے میں بعض لوگ ان کو دیکھ کر پہچان لیتے اور پوچھتے "یہ آپ کے ساتھ کون ہے؟" حضرت ابوبکرؓ جواب دیتے:

هٰذَا الرَّجُلُ يَهْدِيْنِي السَّبِيْلَ.

"یہ ایک صاحب ہیں جو مجھے راستہ دکھا رہے ہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بیان ہے کہ ہم دوسرے دن دوپہر تک سفر کرتے رہے۔ جب گرمی تیز ہوگئی تو میں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہیں سایہ ہے یا نہیں۔ مجھے ایک لمبی چٹان نظر آئی جس کے نیچے سایہ تھا۔ ہم اس چٹان کے قریب ٹھہر گئے پھر میں نے چٹان کے نیچے جا کر دونوں ہاتھوں سے جگہ صاف کی اور اپنی پوستین بچھا کر رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ذرا آرام فرمالیں۔ آپؐ استراحت فرمانے لگے اور میں ہر طرف دیکھتا رہا کہ کوئی ہمارا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ اتنے میں ایک لڑکا بکریاں چراتا ہوا ادھر آ نکلا میں نے اسے کہا، کیا تم ہمارے لیے دودھ دوہ سکتے ہو؟ اس نے کہا "ہاں" میں نے ایک بکری کے تھن اور اُس لڑکے کے ہاتھ صاف کرا کے لکڑی کے ایک پیالے میں دودھ نکلوایا۔ پھر تھوڑا سا پانی ڈال کر اسے ٹھنڈا کیا اور (جب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ بیدار ہوئے) آپ کو پلایا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیا بیتی:

رسولِ اکرم ﷺ کے تشریف لے جانے کے کچھ دیر بعد ذرا اجالا ہوا اور کفار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے بستر پر سوتے پایا (بروایتِ دیگر صبح کو کافروں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے بستر سے اٹھتے دیکھا) تو انہوں نے غضبناک ہو کر اُن کو پکڑ لیا اور بڑی سختی کے ساتھ اُن سے پوچھا: تمہارے صاحب کہاں ہیں؟

انہوں نے جواب دیا: ''مجھے کچھ نہیں معلوم کہ اس وقت وہ کہاں ہیں، میں ان کا پہرے دار نہیں ہوں، تم لوگوں نے انہیں نکالا اور وہ نکل گئے۔''

مشرکینِ قریش نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ دیر اپنے پاس رکھ کر نہ صرف بہت کچھ ڈانٹ ڈپٹ کی بلکہ ان پر تشدّد بھی کیا لیکن جب ان سے کچھ معلوم نہ ہو سکا تو مجبور ہو کر انہیں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ تین دن مکّہ میں رہے اور اس عرصے میں انہوں نے وہ تمام امانتیں جو لوگوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے پاس رکھی تھیں ان کے مالکوں کو واپس کر دیں اور پھر پا پیادہ ہی عازمِ یثرب ہو گئے۔

حضرت ابوبکرؓ کے اہلِ خانہ پر کیا بیتی:

جب کافروں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ معلوم نہ ہو سکا تو ابو جہل چند آدمیوں کو ساتھ لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچا اور دروازے پر کھڑے ہو کر حضرت اسماءؓ بنتِ ابی بکرؓ سے پوچھا، تمہارا باپ کہاں ہے؟

انہوں نے کہا، مجھے خبر نہیں۔[1]

اس پر ابو جہل نے اُنہیں اس زور کا تھپڑ مارا کہ اُن کے کان کی بالی ٹوٹ کر دُور جا گری پھر وہ اور اس کے ساتھی بکتے جھکتے وہاں سے چلے گئے۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہمارے والد سفرِ ہجرت پر روانہ ہوتے وقت اپنا سارا مال جو پانچ چھ ہزار درہم تھا، اپنے ساتھ لے گئے۔ بعد میں ہمارے دادا ابو قُحافہ نے جو نابینا تھے، ہم سے کہا، میرا خیال ہے ابوبکر اپنی جان کے ساتھ اپنا مال بھی لے گیا ہے۔ میں نے کہا، نہیں دادا جان انہوں نے خیرِ کثیر ہمارے لیے چھوڑی ہے پھر میں نے چند پتھر اس طاق میں رکھے جہاں میرے والد اپنا مال رکھا کرتے تھے۔ میں نے ان پتھروں پر کپڑا ڈال

---

[1] اُس وقت انہیں واقعی علم نہیں تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کہاں اور کس حال میں ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا اور دادا جان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ ہاتھ لگا کر دیکھ لیں۔[1] انہوں نے اپنے ہاتھ سے کپڑے کو ٹٹولا اور کہا، اگر یہ مال وہ تمہارے لیے چھوڑ گیا ہے تو بہت ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ ہمارے والد نے کوئی مال پیچھے نہیں چھوڑا تھا اور میں نے صرف دادا جان کے اطمینان کے لیے یہ کارروائی کی تھی۔ (ابنِ ہشام، طبرانی، مُسندِ احمد، طبری)

سُراقہ بن مالک (بن جُعشُم) کا واقعہ:

دوسری طرف جب اکابر قریش حضور ﷺ کو ڈھونڈنے میں ناکام ہوگئے تو انہوں نے اعلان کیا کہ جو شخص مُحمّد (ﷺ) اور ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) کو قتل کر دے یا زندہ گرفتار کرکے ان کے پاس پہنچا دے اسے ان میں سے ہر ایک کی پوری دِیَت (یعنی سَو سَو اونٹ) بطورِ انعام دی جائے گی۔ اِس سلسلے میں انہوں نے قُدید کے قریب آباد ایک قبیلے بنو مُدلج کے رئیس سُراقہ بن مالک بن جُعشُم کے پاس بھی پیغام بھیجا کہ وہ اِن دونوں کو تلاش کرکے انعام حاصل کریں۔ (سُراقہؓ اپنے دادا کے نام کی نسبت سے سُراقہ بن جُعشُم مشہور تھے۔) یہ پیغام ملنے کے بعد ایک دن سُراقہ بنو مُدلج کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی شخص نے ان سے آ کر کہا کہ میں نے ابھی سمندر کے ساحل کے ساتھ کچھ آدمی جاتے ہوئے دیکھے ہیں میرا خیال ہے کہ وہ مُحمّد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہیں۔

سُراقہؓ سمجھ گئے کہ اس شخص کا قیاس صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو ٹال دیا پھر وہ تھوڑی دیر مجلس میں ٹھہرنے کے بعد گھر گئے، ہتھیار باندھے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر گھر کی پچھلی جانب سے خاموشی کے ساتھ ساحلِ بحر کی طرف روانہ ہوگئے۔ یہ راز داری انہوں نے اس لیے برتی کہ کہیں انعام میں اِن کے قبیلے کے دوسرے لوگ بھی شریک نہ ہو جائیں۔ وہ بستی سے نکل کر گھوڑا اُڑاتے سرورِ عالم ﷺ کے مقدس قافلے کے قریب پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو مُتجسّسانہ نگاہوں سے بار بار ہر طرف مڑ کر دیکھتے جا رہے تھے، سُراقہ کو دیکھ لیا انہوں نے مضطرب ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی "یارسول اللہ! ہمارا تعاقب کرنے والا بہت قریب آ گیا ہے" حضور ﷺ نے فرمایا "کچھ فکر نہ کرو اللہ ہمارا محافظ ہے۔" اتنے میں یکا یک سُراقہ کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ زمین پر گر گئے۔ سُراقہ اٹھ کر دوبارہ سوار ہوئے اور حضور ﷺ کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ آپ کی قِراءت سنائی دینے لگی۔ حضور ﷺ کسی طرف مُڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے جب حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو بتایا کہ دشمن سر پر آ پہنچا تو آپ نے دعا کی "الٰہی ہمیں اس کے

---

[1] اس قسم کی ذو معنی بات کو توریہ کہتے ہیں یعنی صریح جھوٹ بولے بغیر مصلحتاً حقیقت پر پردہ ڈال دیا جائے۔ حضرت اسماءؓ نے یہ نہیں کہا کہ والد صاحب بہت سا مال پیچھے چھوڑ گئے ہیں بلکہ یہ کہا کہ وہ خیر کثیر پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ (خیرِ کثیر کی قدر و قیمت مال و دولت سے کہیں زیادہ ہے) اور پھر بوڑھے دادا کو دل شکستگی اور پریشانی سے بچانے کے لیے ان کا ہاتھ پتھروں کے ڈھیر پر رکھوا دیا۔ دادا ابھی ایمان نہیں لائے تھے اس لیے انہیں اللہ پر بھروسا کرنے کے لیے نہیں کہہ سکتی تھیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شر سے بچا" مگر سراقہ کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ گھوڑا پاؤں باہر نکالے لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ آخر ناامید ہو کر انہوں نے پکار کر امان طلب کی اور کہا کہ "میں سراقہ بن جعشم ہوں آپ مجھے موقع دیں کہ میں آپ سے بات کروں خدا کی قسم میں آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا اور نہ کوئی ایسی بات کروں گا جو آپ کو ناگوار ہو۔" اب حضور ﷺ نے دعا کی تو گھوڑے کے پاؤں زمین سے باہر نکل آئے۔ سراقہ نے قریب پہنچ کر حضور ﷺ کو بتایا کہ قریش مکہ نے آپ کے لیے دیت کا اعلان کیا ہے اور لوگ انعام حاصل کرنے کی خاطر آپ کی جستجو کر رہے ہیں پھر انہوں نے زادِ راہ اور کچھ دوسری چیزوں کی پیشکش کی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ سراقہ نے ایک تیر آپ کے سامنے رکھا اور کہا کہ یہ میری نشانی ہے اسے لیتے جائیے فلاں مقام پر میرے غلام اونٹ چرا رہے ہوں گے ان میں سے جتنے غلاموں اور اونٹوں کی ضرورت ہو اپنے ساتھ لیتے جائیے مگر حضور ﷺ نے کوئی چیز قبول نہ کی البتہ سراقہ سے فرمایا کہ ہماری اطلاع کسی کو نہ دینا۔ سراقہؓ نے اس کا وعدہ کیا اور ساتھ ہی درخواست کی کہ مجھے ایک امان نامہ لکھ دیجیے۔ حضور ﷺ نے حضرت عامرؓ بن فہیرہ (بروایت دیگر حضرت ابوبکر صدیقؓ) کو حکم دیا کہ یہ جو چاہتا ہے اس کو لکھ دو۔ انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر سراقہ کو دے دیا۔ اب سراقہ نے مراجعت کی۔ راستے میں جو شخص بھی ان کو حضور ﷺ کے تعاقب میں آتے ہوئے ملا، اسے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے اطمینان کر لیا ہے وہ ادھر نہیں ہیں۔ [1]

حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ سے ملاقات:

ہجرتِ نبوی سے پہلے حضرت زبیرؓ بن العوام (حضور ﷺ کے جاں نثار پھوپھی زاد بھائی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے داماد) تجارت کا کچھ سامان لے کر شام گئے ہوئے تھے۔ اب وہ کچھ مالِ تجارت لے کر شام سے مکہ کی طرف واپس آ رہے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے

---

[1] حضرت سراقہؓ بن مالک بن جعشم کا شمار مشہور صحابہ میں ہوتا ہے۔ سنہ ۸ ھ میں آنحضور ﷺ حنین اور طائف کے غزووں سے فارغ ہو کر مالِ غنیمت کی تقسیم کے لیے جعرانہ میں مقیم تھے کہ سراقہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفرِ ہجرت میں آپ کا عطا کردہ امان نامہ پیش کر کے عرض کیا:

"میں سراقہ بن جعشم ہوں اور یہ آپ کی عطا کردہ تحریر ہے۔"

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، آج وفائے عہد اور ادائے حق کا دن ہے" سراقہؓ ارشادِ نبوی سنتے ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا، سراقہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔ اس واقعہ کے چند سال بعد عہدِ فاروقی میں ایران کا دارالحکومت مدائن فتح ہوا اور کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو شاہِ ایران کے کنگن، اس کا تاج اور کمر پٹہ وغیرہ حضرت عمرؓ کے پاس لائے گئے تو انہوں نے حضرت سراقہؓ کو بلا بھیجا وہ بڑے ڈیل ڈول کے آدمی تھے، حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو کسریٰ کے کنگن اور تاج وغیرہ پہنائے اور فرمایا، اے سراقہ! اُس اللہ کی حمد کرو جس نے یہ چیزیں اُس کسریٰ سے چھین لیں جو لوگوں کا رب ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور انہیں بنو مدلج کے ایک بدو سراقہ بن مالک بن جعشم کو پہنایا۔ حضرت سراقہؓ نے ۲۴ھ میں وفات پائی۔ (الاصابہ۔ اُسد الغابہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں سفید کپڑے پیش کیے جو انہوں نے بخوشی قبول فرما لیے۔

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ جلیل القدر صحابی حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ تیمی (حضرت ابوبکرؓ کے ابنِ عم) بھی اُسی زمانے میں شام گئے ہوئے تھے۔ شام سے واپس آتے ہوئے ان کی بھی رسولِ اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں سے ملاقات ہوگئی انہوں نے بھی آنحضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں کچھ شامی ملبوسات پیش کیے اور حضور ﷺ کو بتایا کہ اہلِ یثرب آپ کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔

اُمِّ معبدؓ کے خیمے پر وُرُود:

یہ مختصر قافلہ قُدَید کے مقام پر پہنچا، تو حضرت اسماءؓ (ذات النطاقین) بنت صدیق اکبرؓ نے جو کھانا ساتھ کیا تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور سرورِ عالم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو بھوک اور پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قُدَید کی نیک دل مسافر نواز خاتون اُمِّ معبد کی شہرت سن رکھی تھی اور انہیں یقین تھا کہ اس کی قیام گاہ پر کھانے پینے کا کچھ انتظام ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ مقدس قافلہ اُمِّ معبد کے خیمے پر جا کر رُکا۔ وہ اس وقت اپنے خیمہ کے آگے صحن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ان دنوں خشک سالی نے سارے علاقے پر قیامت ڈھا رکھی تھی اور اس وجہ سے اُمِّ معبد کے گھرانے پر پیغمبری وقت آن پڑا تھا۔ بڑی تنگی ترشی سے گزر بسر ہو رہی تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اُمِّ معبد سے فرمایا: ''دودھ، گوشت، کھجوریں، کھانے کی کوئی چیز بھی تمہارے پاس ہو تو ہمیں دو، ہم اس کی قیمت ادا کریں گے۔''

---

۱ جس زمانے میں آفتابِ اسلام فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہو رہا تھا، مکّہ معظمہ سے مدینہ منورہ جانے والے راستے پر قُدَید نام کی ایک چھوٹی سی بستی صحرا کے متصل واقع تھی۔ اس میں ایک مختصر سا غریب خاندان اپنی زندگی کے دن بڑے عجیب انداز میں گزار رہا تھا۔ اس گھرانے کی ساری متاع لے دے کے ایک خیمے، بکریوں کے ایک ریوڑ، گنتی کے چند برتنوں اور مشکیزوں پر مشتمل تھی، خاندان کا سربراہ ایک جفاکش بدوی ابو معبد تمیم بن عبدالعزّٰی خزاعی تھا۔ اس کا بیشتر وقت بکریاں چرانے میں گزرتا تھا۔ تمیم کی اہلیہ اس کی بنتِ عم عاتکہ بنتِ خالد (بن خلیف بن منقذ بن ربیعہ بن، حرم بن خنیس بن حرام بن جنیثہ بن سلول بن کعب بن عمرو) تھی۔ دونوں کا تعلق بنو خزاعہ کی شاخ بنی کعب سے تھا۔ عاتکہ ایک پاکدامن، باوقار اور بلند حوصلہ خاتون تھی اور اپنی کنیت ''اُمِّ معبد'' سے مشہور تھی۔ وہ عربوں کی روایتی مہمان نوازی سے خاص طور پر متصف تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ایثار اور خدمتِ خلق کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا، افلاس اور تنگ دستی کے باوجود وہ قُدَید سے گزرنے والے مسافروں کی نہایت خوشدلی سے میزبانی کیا کرتی تھی اور ان کی خدمت اور تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتی تھی۔ پانی، دودھ، کھجوریں، گوشت جو کچھ میسّر ہوتا مہمانوں کی خدمت میں پیش کر دیتی تھی۔ جب کوئی مسافر اس کے خیمے میں ستا کر آگے روانہ ہوتا تو اس کی زبان پر اُمِّ معبد کے لیے تعریف و تحسین اور دعائیں ہی دعائیں ہوتی تھیں اس طرح اُمِّ معبد کا نام مسافروں کی بے لوث خبر گیری اور خدمت و تواضع کی بدولت دور دور تک مشہور ہو گیا تھا اور لوگ اس کی عالی حوصلگی اور شرافت کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُمِ معبد نے بصد حسرت جواب دیا: ''خدا کی قسم اس وقت کوئی چیز ہمارے گھر میں آپ کو پیش کرنے کے لیے موجود نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو فوراً حاضر کر دیتی۔''

اتنے میں حضور ﷺ کی نظر ایک مریل سی بکری پر پڑی جو خیمے میں ایک طرف کھڑی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: ''معبد کی ماں! اگر اجازت دو تو اس بکری کا دودھ دُوہ لیں۔''

اُمِ معبد نے کہا: ''آپ بڑے شوق سے دودھ دوہ لیں مگر مجھے امید نہیں کہ یہ دودھ کا ایک قطرہ بھی دے۔''

اب وہ بکری حضور ﷺ کے سامنے لائی گئی۔ آپؐ نے پہلے اس کے پاؤں باندھے اور پھر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر دعا کی: ''الٰہی اس عورت کی بکریوں میں برکت دے۔''

اس کے بعد چشمِ فلک نے ایک تحیّر خیز نظارہ دیکھا۔ سیّد المرسلین فخرِ موجودات ﷺ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر جونہی بکری کے تھنوں کو چھوا، تھن فی الفور دودھ سے بھر گئے اور بکری ٹانگیں پھیلا کر کھڑی ہوگئی، حضور ﷺ نے ایک بڑا برتن منگا کر دودھ دوہنا شروع کر دیا، یہ برتن جلد ہی لبالب بھر گیا۔ آپؐ نے پہلے یہ دودھ اُمِ معبد کو پلایا، اس نے خوب سیر ہو کر پیا پھر آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا جب وہ بھی سیر ہوگئے تو آخر میں آپؐ نے خود پیا اور فرمایا: سَاقِي الْقَوْمِ اٰخِرُهُمْ حضور ﷺ نے دوبارہ دودھ دوہنا شروع کیا یہاں تک کہ برتن پھر لبالب بھر گیا۔ یہ دودھ رحمتِ عالم ﷺ نے اُمِ معبد کے لیے چھوڑ دیا اور آگے روانہ ہوئے۔

اُمِ معبدؓ کا بیان ہے کہ جس بکری کا دودھ سرورِ کونین ﷺ نے دوہا تھا، وہ حضرت عُمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت تک ہمارے پاس رہی۔ ہم صبح و شام اس کا دودھ دوہتے تھے اور اپنی ضرورتیں بخوبی پوری کرتے تھے۔

طبقات ابنِ سعد کی ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر اُمِ معبدؓ نے ایک بکری ذبح کر کے سرورِ عالم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو کھانا کھلایا اور ناشتا بھی ساتھ کر دیا لیکن دوسرے اہلِ سیَر نے بکری ذبح کرنے کا ذکر نہیں کیا۔

رحمتِ عالم ﷺ کے تشریف لے جانے کے تھوڑی دیر بعد اُمِ معبد کا شوہر اپنے ریوڑ کو لے کر جنگل سے واپس آیا۔ خیمہ میں دودھ سے بھرا ہوا برتن دیکھ کر حیران رہ گیا، اہلیہ سے پوچھا۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

بعثتِ نبوی کے تیرھویں سال تک اُمِ معبد کو خلقِ خدا کی خدمت کرتے سالہا سال گزر چکے تھے اور وہ جوانی کی منزلوں سے گزر کر پختہ عمر کو پہنچ چکی تھی اس وقت رحمتِ عالم ﷺ عرب کے صحرانشینوں میں ''صاحب قریش'' کے لقب سے مشہور تھے۔ تمیم اور اُمِ معبد کے کانوں میں بھی 'صاحب قریش' اور آپ کی دعوت کی بھنک پڑ چکی تھی تاہم وہ زندگی کی ڈگر پر اپنے معمول کے مطابق چلتے رہے۔ ان غریب اور سادہ مزاج بدویوں کے لیے یہ بڑا کٹھن کام تھا کہ ایسی باتوں کی تحقیق کے لیے دور دراز کی خاک چھانتے پھریں۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک دن ان کی صحرائی قیام گاہ ان صاحب قریش کی طلعتِ اقدس سے جگمگا اٹھے گی اور کائناتِ ارضی و سماوی کا ذرہ ذرہ اس کے مکینوں کی خوش بختی پر رشک کرے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"معبد کی ماں یہ دودھ کہاں سے آیا؟"

اُمِ معبدؓ نے جواب دیا۔ "خدا کی قسم ایک بابرکت، مہمانِ عزیز کا یہاں وُرُود ہوا انہوں نے بکری کو دوہا۔ خود بھی اپنے ساتھیوں سمیت سیر ہوکر دودھ پیا اور یہ دودھ ہمارے لیے بھی چھوڑ گئے۔ پھر اس نے تفصیل کے ساتھ سارا واقعہ بیان کیا۔

ابو معبد تمیم نے کہا۔ "ذرا اس کا حُلیہ تو بیان کرو۔"

اُمِ معبدؓ نے بے ساختہ سید البشر ﷺ کا جو حلیۂ مبارک بیان کیا تاریخ نے اسے اپنے صفحات میں محفوظ کرلیا ہے۔ اس نے کہا:

"پاکیزہ صورت، حسین و جمیل، روشن چہرہ، بدن نہ فربہ نہ نحیف، متناسب الاعضاء خوب صورت آنکھیں، بال گھنے اور لمبے، سیدھی گردن، آنکھ کی پتلیاں روشن، سرگین چشم، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگریالے بال، خاموش ہوتے تو نہایت سجیلے اور دل رُبا، قریب سے نہایت باوقار معلوم ہوتے۔ تکلم دلنشین، دور سے دیکھنے میں نہایت شیریں وخوبرو، شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام الفاظ کی کمی بیشی سے پاک، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی (یعنی مسلسل مربوط اور برمحل) میانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہیں آتے، نہ طویل کہ آنکھ وحشت زدہ ہو جائے۔ زیبندہ نہال کی شاخِ تازہ، زیبندہ منظر، عالی قدر، رفقاء ایسے کہ ہر وقت گردوپیش رہتے ہیں جب وہ کچھ کہتے ہیں تو بڑی توجہ سے سنتے ہیں اور جب وہ حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لیے لپکتے ہیں۔ مخدوم، مُطاع، مالُوف، نہ ادھوری بات کرنے والے اور نہ ضرورت سے زیادہ بولنے والے۔"

ابو معبد یہ صفات سن کر بول اٹھا کہ خدا کی قسم یہ تو وہی صاحبِ قریش تھے جن کا ذکر ہم سنتے رہتے ہیں۔ میں ان سے ضرور جا کر ملوں گا۔ [1]

www.KitaboSunnat.com

---

[1] حضرت اُمِ معبدؓ کے قبولِ اسلام کے متعلق دو مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ان کے کانوں میں "صاحبِ قریش" کی بھنک پہلے سے پڑ چکی تھی۔ چنانچہ جب پہلے پہل ان کی نظر سرورِ کونین ﷺ کے رُخِ انور پر پڑی تو ان کے دل نے گواہی دی کہ یہ وہی صاحب قریش ہیں جو توحید کے داعی اور نیکی و ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ بکری کا واقعہ دیکھا تو انہیں قطعی یقین ہوگیا کہ مہمانِ عزیز اللہ کے سچے رسول ہیں چنانچہ وہ اسی وقت صدقِ دل سے مسلمان ہوگئیں اور حضور ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر و برکت مانگی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد ابو معبدؓ اور اُمِ معبدؓ دونوں میاں بیوی ہجرت کرکے مدینہ پہنچے اور رحمتِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر سعادتِ ایمانی سے بہرہ مند ہوئے۔

(طبقات ابنِ سعد، الاستیعاب، اُسدُ الغابہ، بیہقی، طبرانی، مستدرکِ حاکم، مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُباء میں وُرُودِ مسعود

یثرب کے مسلمانوں (انصار) کو رسولِ اکرم ﷺ کے مکہ سے نکلنے کی خبر مل چکی تھی۔ تمام شہر ہمہ تن انتظار اور پیکرِ اشتیاق بنا ہوا تھا۔ انصار کے ہر فرد پر بے پناہ فرحت و انبساط کا عالم طاری تھا اُن کے ذوق وشوق اور بے تابی کی یہ کیفیت تھی کہ روزانہ تڑکے اٹھ کر مکے کے راستے میں حَرَّۃُ العَصبہ کے قریب جا بیٹھتے تھے۔ (حَرَّہ لاوے سے بنی ہوئی سیاہ چٹانوں کو کہتے ہیں۔ مدینہ منوّرہ کے قرب و جوار میں متعدد حرّے ہیں۔ حَرَّۃُ العَصبہ مکے کے راستے میں قُبا کے قریب واقع ہے اسے حَرَّۃُ قُباء بھی کہا جاتا ہے)۔ دوپہر تک حضور ﷺ کا انتظار کرتے رہتے' اس وقت دھوپ کی تپش ناقابلِ برداشت ہو جاتی اس لیے بڑی حسرت کے ساتھ واپس چلے جاتے تھے۔ بارہ (۱۲) ربیع الاوّل کو جب لوگ حضور ﷺ کا انتظار کر کے اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے۔[1] آپؐ (خرار، مدلجہ، مرجح، حدائد، اذاخر، رابغ، قاحہ، عرج، رکرتبہ، عبکا، عقیق وغیرہ مختلف منازل طے کرتے ہوئے [2]) قباء کے قریب پہنچ گئے (یہ بستی شہر مدینہ سے جنوب مغربی سمت تقریباً دو میل کے فاصلے پر واقع ہے) حضور ﷺ حَرَّۃُ العَصبہ کے ایک جانب اتر گئے اور انصار کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لیے حضرت عامرؓ بن فُہَیرہ یا عبداللہ بن اُرَیقِط کو بھیجا۔ اُدھر ایک یہودی نے جو کسی ضرورت سے اپنی گڑھی کے اوپر چڑھا ہوا تھا، آپؐ کو آتے دیکھ لیا۔ وہ انتہائی بلند آواز سے پکارا ''اے بنی قیلہ! یہ تمہارے سردار آ پہنچے'' [3] (یا بروایتِ دیگر اے بنو قیلہ! تمہارے صاحب آ پہنچے۔[4])

---

1. حضور ﷺ کے قباء پہنچنے کی تاریخ کے بارے میں مختلف روایات ہیں مثلاً ۲، ۸، ۱۲، ۱۳ اور ۱۵ ربیع الاوّل۔ جمہور اربابِ سِیَر نے ۱۲ ربیع الاوّل والی روایت کو ترجیح دی ہے ان میں ابنِ اسحاق، ابنِ ہشام، ابنِ جریر، طبرانی، بلاذری، ابنِ قتیبہ، ابنِ القیّم اور ابنِ عبدالبرؒ، شامل ہیں۔ یکم ربیع الاوّل کو آپؐ مکہ سے نکلے۔ تین شب و روز غارِ ثور میں رہے۔ ۴ ربیع الاوّل کو غار سے نکل کر سوئے یثرب روانہ ہوئے اور بارہ ربیع الاوّل کو قباء پہنچ گئے۔ شمسی حساب سے یہ تاریخ ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء تھی۔
2. اب ان میں سے کئی مقامات کے نام تبدیل ہو چکے ہیں۔
3. انصار دو بھائیوں اوس اور خزرج کی اولاد سے تھے ان دونوں بھائیوں کی والدہ کا نام قیلہ تھا اس لیے ماں کے نام کی نسبت سے ان کو ''بنو قیلہ'' بھی کہا جاتا تھا۔
4. حضور ﷺ نے جب دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو مکہ سے باہر اہلِ عرب میں آپ ''صاحبِ قریش'' کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس آواز کا انصار کے کانوں میں پڑنا تھا کہ وہ فرطِ مسرّت سے بیخود ہو گئے۔ بنی عمرو بن عوف جو قباء میں آباد تھے انہوں نے تکبیر کا فلک شگاف نعرہ لگایا اور ہتھیاروں سے سج کر آپؐ کے استقبال کے لیے اٹھ دوڑے۔ خاص شہر یثرب میں جونہی حضور ﷺ کے وُرود مسعود کی خبر پہنچی، مشتاقانِ جمال اپنے اپنے ہتھیار لے کر برق رفتاری سے حضور ﷺ کے مقامِ نزول پر پہنچ گئے۔ ادھر رسولِ اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹنیوں سے اتر کر کھجور کے ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما ہو گئے۔ اتفاق سے استقبال کے لیے آنے والے انصار کے جن اصحاب نے مسابقت کی انہوں نے آنحضور ﷺ کو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا وہ اوّل اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کو رسولِ پاک گمان کر کے سلام کرتے رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق بھی نہایت وجیہ اور گورے چٹے بزرگ تھے اگرچہ ان کی عمر حضور ﷺ سے دو سال کم تھی لیکن دیکھنے میں وہ زیادہ عمر کے معلوم ہوتے تھے۔

اس اثناء میں آنحضور ﷺ پر دھوپ آ گئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ پر سایہ کرنے کے لیے چادر تان کر کھڑے ہو گئے۔ اُس وقت ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کون سے ہیں۔ پھر وہ آپ کو سلام کرنے لگے اتنے میں وہ اصحاب بھی آن پہنچے جو مکّہ معظمہ میں آپ کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ ان کے جوشِ عقیدت ومحبّت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ آپ کی قدم بوسی کے لیے لوگ ٹوٹے پڑتے تھے۔

نظر آئی جونہی پہلی جھلک روئے پیمبرؐ کی
سلامی گونج اٹھی نعرۂ اللہ اکبر کی
اکٹھے ہوگئے ہر سمت سے طالب زیارت کے
شعاعوں کی طرح سے گردِ خورشید رسالتؐ کے

اس کے بعد بنی عمرو بن عوف مہمانانِ عزیز کو اپنی بستی (قُباء) کے اندر لے گئے۔ اس خاندان کے سردار حضرت کلثومؓ بن الہدم تھے۔ [1] قُباء میں حضور ﷺ کی میزبانی کا شرف انہی کو حاصل ہوا۔ آپؐ کا قیام تو حضرت کلثومؓ کے ہاں تھا لیکن لوگوں سے ملاقاتوں کے لیے آپؐ حضرت سعدؓ بن خیثمہ کے مکان میں تشریف لے آتے تھے کیونکہ وہ بال بچوں والے نہ تھے اور ان کا پورا مکان مردوں کے لیے کھلا ہوا تھا۔ اُسی زمانے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مکّہ سے ہجرت کر کے قباء آ پہنچے۔

---

[1] حضرت کلثومؓ بن الہدمؓ کا لقب صاحب رحلِ رسول اللہ ہے وہ بہت ضعیف العمر ہو چکے تھے لیکن دعوتِ توحید ملتے ہی آبائی مذہب ترک کر دیا اور مُشرّف بہ اسلام ہو گئے۔ غزوۂ بدر سے کچھ عرصہ پہلے وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے مکہ سے قُباء تک کا طویل سفر اس طرح پاپیادہ طے کیا تھا کہ راتوں کو چلا کرتے اور دن کو کہیں چھپ رہتے۔ ان کے پاؤں پھٹ پھٹ گئے تھے قباء پہنچے تو حضور ﷺ کی قیام گاہ سے باہر ہی کہیں رک گئے۔ حُضور ﷺ کو علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا، علی کو میرے پاس لاؤ۔ لوگوں نے عرض کیا، وہ چل نہیں سکتے۔ اس پر آپؐ خود ان کے پاس تشریف لے گئے، گلے سے لگایا اور اُن کے پاؤں کی حالت دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے۔ پھر ان پر اپنا لعابِ دہن لگایا اور اپنا دست مبارک پھیرا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں پیروں کو ٹھیک کر دیا پھر عمر بھر ان میں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی حضرت علیؓ نے قباء میں حضور ﷺ کے ساتھ ہی حضرت کلثومؓ کے ہاں قیام کیا۔

(الکامل ابنِ اثیر ج ۲ ص ۷۵ طبع ۱۳۹۹ھ بیروت)

اوس اور خزرج کے مابین صلح کرادی:

قباء میں حضور ﷺ کے میزبان قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے اس لیے خزرج کے بعض اصحاب قباء آنے سے ہچکچاتے تھے۔ ایک دن آپ نے اپنے ایک نہایت مخلص خزرجی جاں نثار حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے بارے میں بطورِ خاص پوچھا۔ حضرت سعدؓ بن خیثمہؓ اور رفاعہ بن عبدالمنذر عرض پیرا ہوئے، یا رسول اللہ! اسعد نے جنگِ بُعاث میں ہمارے ایک رئیس نتبل بن حارث اوسی کو قتل کر دیا تھا اس لیے وہ یہاں آنے سے گریز کرتے ہیں۔ تاہم حضرت اسعدؓ بدھ کی رات کو مغرب اور عشاء کے درمیان منہ سر پر ڈھاٹا باندھ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علی الصّباح مدینہ واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد حضور ﷺ نے حضرت سعد بن خیثمہؓ اور رفاعہ و مبشر پسرانِ عبدالمنذر سے فرمایا کہ میری خواہش ہے تم لوگ اسعد بن زرارہ کو پناہ دو۔ ان تینوں نے عرض کیا بسروچشم۔ پھر سعدؓ بن خیثمہ، حضرت اسعدؓ کے مکان پر پہنچے اور ان کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے انہیں قباء لے آئے۔ جب اوس کے دوسرے عمائد کو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی خواہش یہ ہے کہ اہلِ قبا اسعد کو پناہ دیں تو سب نے بارگاہِ رسالت مآبؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ ''یا رسولَ اللہ! اسعد اب ہم سب کے جوار و پناہ میں ہیں'' اس پر حضور ﷺ بہت خوش ہوئے اور ان کو دعائے خیر سے نوازا۔

مسجد قُباء کی تاسیس:

قُباء میں رسولِ اکرم ﷺ نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ مسجد کی تعمیر کا کام تھا۔ اس مسجد کی زمین پر پہلے حضرت کلثومؓ کا مربد تھا۔ (مربد وہ افتادہ جگہ ہوتی ہے جہاں کھجوریں خشک کر کے چھوہارے بنائے جاتے ہیں۔) حضرت کلثومؓ کو تعمیر مسجد کے لیے حضور ﷺ کی خواہش کا علم ہوا تو انہوں نے نہایت خوشی سے یہ زمین حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ چنانچہ سرورِ کونین ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اس مقدّس مسجد کی بنیاد رکھی جس کی شان میں یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیات اتریں:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ. (۱۰۸:۹)

''وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن (شروع ہی میں) پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں نماز کے لیے کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی بہت پسند ہے اور حق تعالیٰ صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ حضور ﷺ ہمیشہ ہر شنبہ کو مدینہ سے قباء تشریف لاتے اور اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے۔ اس مسجد کی تعمیر میں حضور ﷺ دوسرے لوگوں کے ساتھ مزدوروں کی طرح خود بھی کام کرتے تھے۔ جسمِ اطہر وزنی پتھر اٹھاتے وقت خمیدہ ہو جاتا۔ صحابۂ کرامؓ عرض کرتے۔ ''یارسولَ اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ یہ کام ہم خود کر لیں گے۔'' حضور ﷺ اپنے جاں نثاروں کی دلداری کے لیے ہاتھ کا پتھر چھوڑ دیتے لیکن پھر کوئی دوسرا وزنی پتھر اٹھا لیتے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

شاعرِ انصارؓ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ (شہید مؤتہ) بھی تعمیرِ مسجد میں شریک تھے۔ وہ تھکن مٹانے کے لیے کام کرتے کرتے اپنے یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے:

اَفْلَحَ مَنْ يُّعَالِجُ الْمَسَاجِدَا

وَيَقْرَاءُ الْقُرْآنَ قَائِمًا وَّقَاعِدًا

وَلَا يَبِيْتُ اللَّيْلَ عَنْهُ رَاقِدًا.

''وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور رات کو غافل ہو کر نہیں سوتا۔''

قُباء میں حضور ﷺ کی مدتِ قیام کے بارے میں اختلاف ہے۔ صحیحین میں حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق آپؐ نے وہاں چودہ (۱۴) دن قیام فرمایا لیکن ابنِ اسحاقؒ، ابنِ ہشامؒ، ابن جریرؒ اور بلاذُریؒ نے مدتِ قیام چار دن لکھی ہے۔ عصرِ حاضر کے سیرت نگاروں میں سے علامہ شبلی نعمانیؒ نے چودہ (۱۴) دن والی روایت کو ترجیح دی ہے (سیرۃ النبی جلد اوّل) جبکہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے چار دن والی روایت کو اپنایا ہے (رحمۃ للعالمین جلد اوّل) مولانا ابو القاسم رفیق دلاوریؒ مصنف ''سیرتِ کبریٰ'' کا رجحان بھی چودہ دن والی روایت کی طرف ہے۔ ہماری رائے میں بھی چودہ (۱۴) دن والی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبیؐ کا آستاں بن کر مدینہ بن گیا یثرب

ضیائے حق سے رشکِ طُورِ سینا بن گیا یثرب
نبیؐ کا آستاں بن کر مدینہ بن گیا یثرب

(حفیظ جالندھری مرحوم)

قُباء میں چودہ دن قیام فرمانے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ یثرب جانے کے لیے تیار ہوئے۔ تمام اربابِ سِیَر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ جُمعہ کا دن تھا البتہ جس طرح حُضور ﷺ کے مکہ سے نکلنے کی تاریخ، قُباء پہنچنے کی تاریخ اور وہاں کی مدتِ قیام کے بارے میں اختلاف ہے اسی طرح قُباء سے روانہ ہونے اور یثرب کے اندر داخل ہونے کی تاریخ کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ چونکہ ہم نے حُضور ﷺ کے وُرودِ قُباء کی تاریخ بارہ ربیع الاوّل اور قباء میں مدتِ قیام چودہ دن تسلیم کی ہے، اس لیے آپ کے یثرب میں داخل ہونے کی تاریخ کا تعین بھی اسی حساب سے کریں گے۔ اس حساب سے یہ ربیع الاوّل ۱۴ بعدِ بعثت کی ۲۶ تاریخ (۸ اکتوبر ۶۲۲ عیسوی) اور ربیع الاوّل کا چوتھا جمعہ تھا۔ حُضور ﷺ نے اپنے ارادے سے بنُونجّار کو پہلے ہی مطلع کر دیا تھا۔[1] چنانچہ وہ نہایت مسرّت اور ابتہاج کے عالَم میں ہتھیار سج کر آپ کی پیشوائی کے لیے قُباء آ پہنچے تھے۔

قُباء سے روانگی:

سرورِ عالَم ﷺ نے اندرونِ یثرب جانے کے لیے اپنی اونٹنی قصوا طلب فرمائی آپ اس پر سوار ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ انصارِ قُباء حُضور ﷺ کی جدائی سے افسردہ خاطر ہوگئے۔ قبیلہ عمرو بن عوف حُضور ﷺ کی اونٹنی کے سامنے کھڑے ہوگئے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ! ہم سے کوئی کام آپ کے مزاجِ گرامی کے خلاف تو سرزد نہیں ہوا یا آپ ہمارے غریب خانوں سے کسی بہتر قیام گاہ میں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔؟

---

[1] حُضور ﷺ کے پردادا ہاشم نے بنونجّار کی ایک شاخ بنی مالک بن نجّار کی ایک خاتون سلمٰی بنتِ عمرو سے شادی کی تھی۔ آپ کے دادا عبد المُطّلب انہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اس لیے یہ خاندان جناب عبد المُطّلب کے ماموؤں کا خاندان تھا اسی نسبت سے بنونجّار کو حُضور ﷺ کے ماموؤں کا خاندان بھی کہا جاتا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ نے فرمایا: "میں جہاں جارہا ہوں مجھے وہیں جانے کا حکم ہے۔" دِن چڑھے کو کبۂ نبوی قُبا سے روانہ ہوا تو آگے پیچھے دائیں بائیں انصار و مہاجرین کی مسلّح جماعتیں چل رہی تھیں۔ انصار کے تمام قبیلے رحمۃ' لِلعالمینؐ کے انتظار میں قباء سے مدینہ تک ہتھیاروں سے آراستہ دو رویہ صف بستہ کھڑے تھے۔ دھوپ میں ان کے ہتھیاروں کی چمک نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی اور فضا تکبیر اور اہلاً وسہلاً کے نعروں سے گونج رہی تھی۔

پہلی نمازِ جُمعہ:

اثنائے راہ میں بنو سالم کے محلّہ میں (جو یثرب کا ایک بیرونی محلّہ تھا) نماز کا وقت آ گیا۔ سرورِ کونینؐ یہاں ٹھہر گئے اور تمام صحابہ کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ سَو (۱۰۰) آدمی اس نماز میں شریک تھے نماز سے پہلے آپ نے خطبہ دیا۔ یہ ہادیِ اکرم ﷺ کی سب سے پہلی نمازِ جمعہ تھی جو آپ کی امامت میں پڑھی گئی اور سب سے پہلا خطبۂ نماز تھا۔ رہبرِ عالمؐ نے اپنے خطبہ میں رب العزّت کی حمد و ستائش بیان کی۔ لوگوں کو اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کی تلقین فرمائی اور ان پر واضح کیا کہ ایک دن ہم سب کو احکم الحاکمین کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ آخرت کے لیے نیک عمل کرے اور تقوٰی و طہارت کو اپنی زندگی کا شعار بنائے۔

یثرب میں داخلہ اور فقید المثال استقبال:

نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر رسولِ اکرم ﷺ یثرب کی جنوبی سمت سے شہر میں داخل ہوئے۔ رحمۃ' لِلْعٰلَمِیْنَ کا یثرب میں داخلہ دنیائے شوق اور تاریخِ عشق میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ جس والہانہ جوش و خروش اور بے پناہ ذوق و شوق سے اہلِ یثرب نے مکّہ کے دُرِّ یتیمؐ کا استقبال کیا، تاریخِ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس دن "یثرِب" "مَدِیْنَۃُ النَّبِی" بن گیا اور اس کی زمین رشکِ آسمان بن گئی۔ انصار کے وفورِ مسرّت کا یہ عالم تھا کہ قُبا سے لے کر مدینہ تک دو میل کا راستہ جمالِ رسالت کے مشتاقانِ دید سے پٹا پڑا تھا۔ یہ مدینہ کی تاریخ کا سب سے بڑا یومِ مَسَرّت تھا۔

خاکِ یثرب کے ذرّات اُبھر اُبھر کر ہمہ تن دید بن گئے تھے کہ آج انہیں اس رحمتِ مجسّمؐ کے پائے اقدس چومنے کا شرف حاصل ہونے والا تھا جو تمام کائناتِ ارضی و سماوی کا سرمایۂ افتخار تھا۔ بچے اور عورتیں بھی پیکرِ ابتہاج بنے ہوئے تھے۔ سارا شہر جوشِ مسرت اور فرطِ عقیدت سے گہوارۂ بہار بنا ہوا تھا اور فضاء تحمید و تقدیس کے نغموں سے گونج رہی تھی۔ مدینہ کے حبشی غلام وفورِ مَسَرّت میں اپنے فوجی کرتب دکھا رہے تھے اور بچے جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ...... جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (رسول اللہ آ گئے۔ رسول اللہ آ گئے) کے نعرے لگاتے ہوئے ہر طرف خوشی سے اچھل کود رہے تھے۔ جوشِ مَسَرّت میں پردہ نشین خواتین بھی گھروں کی چھتوں پر نکل آئی تھیں۔ مکانوں کی بالائی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منزلیں اور منڈیریں ان خواتین سے پٹی پڑی تھیں۔ نوخیز لڑکیاں غرفوں اور جھروکوں سے جھانک رہی تھیں۔ راہ میں انصار کا ہر قبیلہ بصد نیاز سرورِ کونین ﷺ کے سامنے آتا اور عرض کرتا:

"یا رسولَ اللہ! ہمارا گھر حاضر ہے، جان حاضر ہے، مال حاضر ہے۔"

حضور ﷺ ہر قبیلہ کے احسان کا اعتراف فرماتے اور اس کے حق میں دعائے خیر فرماتے:

جس وقت کوکبۂ نبوی کسی کوچے میں داخل ہوتا تو دونوں طرف کے مکانات کی چھتوں پر ایستادہ پردہ نشینانِ انصار کے لبوں پر یہ ترانہ جاری ہو جاتا:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا	ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے
مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ	کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے
مَادَعٰی لِلّٰهِ دَاعِ	جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں
اَیُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا	اے ہم میں مبعوث ہونے والے
جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ	آپ ایسے امر کے ساتھ آئے ہیں جس کی اطاعت فرض ہے

بنونجار کے جوش وخروش اور مسرّت وابتہاج کی تو کوئی انتہا نہ تھی۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ سرورِ عالم ﷺ انہیں ہی شرفِ میزبانی بخشیں گے اور اس طرح ان کو محبوبِ کبریاؐ کے ہمسایہ بننے کی سعادت نصیب ہوگی۔ بنونجار کی معصوم بچیاں دف بجا بجا کر یہ ترانہ گا رہی تھیں:

نَحْنُ جَوَارٌ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ	ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں
یَاحَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارِ	محمد کیا ہی اچھے ہمسایہ ہیں

آنحضور ﷺ ان لڑکیوں کے پاس سے گزرے تو متبسّم ہو کر ان سے فرمایا:

"بچیو! کیا تم مجھ سے محبّت رکھتی ہو؟"

"انہوں نے بیک آواز کہا۔" ہاں یارسولَ اللہ"

حضور ﷺ نے فرمایا۔ "تم بھی مجھ کو عزیز ہو۔"

سرورِ عالم ﷺ کے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ "میں نے اس دن سے زیادہ مبارک اور پُرمسرّت دن کوئی نہیں دیکھا جس میں رسولِ اکرم ﷺ رونق افروزِ مدینہ ہوئے۔ اس دن مدینہ کے در و دیوار طلعتِ اقدس سے جگمگا اٹھے۔" (مسندِ دارمی)

علامہ شبلی نعمانی نے رسولِ اکرم ﷺ کی ہجرت اور مدینہ میں نزولِ اجلال کے واقعہ کو ان الفاظ میں نظم کیا ہے:۔

جبکہ آمادۂ خوں ہوگئے کفّارِ قریش * لاجرم سرورِ عالم ﷺ نے کیا عزمِ سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز * گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اک فقط حضرتِ ابوبکرؓ تھے ہمراہِ رکاب * ان کی اخلاق شعاری تھی جو منظورِ نظر
رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے * کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادۂ شر
چونکہ سَو اونٹ کا انعام تھا قاتل کے لیے * آپ کے قتل کو نکلے تھے بہت طالبِ زر
انہی لوگوں میں سراقہ خلفِ جعشم تھے * جن کو فاروقؓ نے اک روز پہنائے تھے گُہر
تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں * تھا جہاں عقرب و افعی کی حکومت کا اثر
بیمِ جاں۔ خوفِ عدو۔ ترکِ غذا۔ سختی راہ * ان مصائب میں ہوئی شبِ ہجرت کی سحر
یاں مدینے میں ہوا غل کہ رسولؐ آتے ہیں * راہ میں آنکھیں بچھانے لگے اربابِ نظر
لڑکیاں گانے لگیں ذوق میں آ کر اشعار * نغمہ ہائے ''طلع البدر'' سے گونج اٹھے گھر
ماں کی آغوش میں بچے بھی مچل جانے لگے * ناز نینانِ حرم بھی نکل آئیں باہَر
آلِ نجّار چلے شہر سے ہو کر تیار * زرہ وجوشن و چار آئینہ و تیغ و سپر
دفعتاً کوکبۂ شاہِ رُسُلؐ آ پہنچا * غل ہوا صلِّ علٰی خیرِ اناسٍ وَ بشر
جلوۂ طلعتِ اقدس جو ہوا عکس فگن * دفعتہً تارِ شعائی تھا ہر ایک تارِ بصر
طُور پر حضرتِ موسیٰ کی صدا آتی تھی * آج اک اور جھلک سی مجھے آتی ہے نظر
سب کو یہ فکر کہ دیکھیں یہ شرف کس کو ملے * مہمان ہوتے ہیں کس اوج نشیں کے سرورؐ
سینے کہتے تھے کہ خلوت گہہِ دل حاضر ہے * آنکھیں کہتی تھیں کہ دو اور بھی ہیں گھر
ہاں مبارک تجھے اے خاکِ حریمِ نبوی * آج سے تو بھی ہوئی خاکِ حرم کی ہمسر

صَلِّ یا ربِّ علٰی خیرِ نبی وَّ رسول
صَلِّ یا ربِّ علٰی افضلِ جنٍّ و بشر

شاعرِ اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری نے سرورِ کونین ﷺ کے مدینہ میں ورودِ مسعود کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

اٹھی اک روز آوازِ بلند اللہ اکبر کی ...... سواری جانب یثرب بڑھی محبوبِ داور کی
ہوا چاروں طرف اقصائے یثرب میں پکار آئی ...... بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی
جوان و پیر، مرد و زن، سراپا چشم ہو بیٹھے ...... بہار آنے کو تھی گلشن سراپا چشم ہو بیٹھے
جنوبی سمت اٹھا ایک نورانی غبار آخر ...... سوادِ شہر میں داخل ہوا ناقہ سوار آخر
کھڑے تھے راہ میں انصار ہر سُو صف بصف ہو کر ...... مہاجر پیچھے پیچھے چل رہے تھے سر بکف ہو کر
فضا میں بھر گئیں توحید کی آزاد تکبیریں ...... یہ تکبیریں تھیں باطل کے گلوں پر تیز شمشیریں
درو دیوار استادہ ہوئے تعظیم کی خاطر ...... زمیں کیا آسماں بھی جھک گئے تسلیم کی خاطر
نُبوّت کی سواری جس طرف سے ہو کے جاتی تھی ...... دُرود و نعت کے نغمات کی آواز آتی تھی
مسلماں بیبیاں گھر کی چھتوں پر جمع ہو ہو کر ...... نظر سے چومتی تھیں عصمتِ دامانِ پیغمبر
ضیائے حق سے رشکِ طُورِ سینا بن گیا یثرب ...... نبی کا آستاں بن کر مدینہ بن گیا یثرب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مبارک منزلے کاں خانہ راماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ راشاہے چنیں باشد

یہ تو تصویر کا ایک رُخ تھا۔ دوسری طرف یثرب کے یہود و نصاریٰ اور منافقین کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ رحمتِ دو عالمؐ کے جلال سے بزمِ کفر و شرک میں بھونچال آ گیا۔ رقصِ بُتانِ آزری رعشۂ خوف بن گیا۔ پیکرِ لات وہبل میں تھرتھری پڑ گئی۔ بدبخت یہود و نصاریٰ نے اپنے صحائف کی پیشینگوئیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور سر گروہِ منافقین عبداللہ بن اُبیّ کی ''شاہِ یثرب'' بننے کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ حیرت ہے ان لوگوں کی حرماں نصیبی پر کہ ماہِ رسالت اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ ان کے درمیان جلوہ بار ہوا اور وہ پھر بھی سعادتِ ایمانی سے محروم رہے۔ سچ ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ!

کوکبۂ نبویؐ جوں جوں آگے بڑھتا تھا، انصار کے اشتیاق وتمنا کی بے تابیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ ان کا ہر قبیلہ بلکہ ہر فرد سراپا اشتیاق بنا ہوا تھا۔ ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ رحمتِ عالم ﷺ کا شرفِ میزبانی اسے حاصل ہو۔ سب جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ محبوبؐ اور خیر و برکت کا یہ پیکرِ جمیلؐ جس کے گھر کو شرفِ میزبانی بخشے گا، رحمت کے فرشتے اس کی دہلیز پر پہرہ دیں گے، گھر اور گھر والوں پر انوارِ الٰہی کا بارش کی طرح نزول ہوگا۔ اسی لیے حضور ﷺ کا میزبان بننے کے لیے انصار میں سخت کشمکش تھی (یہ جذبۂ مسابقت تھا) رؤسائے قبائل حضرت سعدؓ بن عبادہ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت عباسؓ بن عبادہ، حضرت خارجہؓ بن زید، حضرت عتبانؓ بن مالک، حضرت سعدؓ بن ربیع، حضرت سلیطؓ بن قیس، حضرت زیادؓ بن لبید، حضرت فروہؓ بن عمرو، حضرت منذرؓ بن عمرو اور ابوسلیط اسیرہ بن ابی خارجہ نے فرداً فرداً آنحضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، یارسول اللہ! ہمارا غریب خانہ حاضر ہے۔ اس میں قدم رنجہ فرمائیے۔

حضور ﷺ پر اس وقت وحی کی کیفیت طاری تھی آپ اپنے چاہنے والوں کے حق میں دعائے خیر کرتے اور پھر فرماتے:

خَلُّوا سَبِيلَهَا فَإِنَّهَا مَامُورَةٌ.

''اس (ناقہ) کو چھوڑ دو یعنی اس کا راستہ نہ روکو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔''

حضور ﷺ نے اس وقت اونٹنی (قصوا) کی مہار چھوڑ رکھی تھی اور حکمِ الٰہی کے منتظر تھے۔ ہادیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے۔ اور دھڑکتے دلوں کے ساتھ انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں وہ کون خوش نصیب ہے جسے رحمۃ للعالمین کی میزبانی کی سعادتِ عظمیٰ حاصل ہوتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا:

قصوٰی چلتے چلتے بنونجار کے محلے میں پہنچی اور ایک خاص جگہ جا کر بیٹھ گئی جواب مسجد نبویؐ کے اندر آ چکی ہے۔ حضور ﷺ اس پر سے نہ اترے۔ قصوٰی پھر اٹھی اور تھوڑی دور چل کر واپس آئی اور اسی جگہ پر جہاں پہلے بیٹھی تھی دونوں پاؤں جما کر بیٹھ گئی۔ اس جگہ کے قریب حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا گھر تھا، وہ فرطِ مسرّت سے بیخود ہو گئے اور دوڑ کر حضور ﷺ کا پُر تپاک خیر مقدم کیا۔ اس اثناء میں بنونجار کے دوسرے لوگ بھی وہاں پہنچ گئے اور ہر ایک اصرار کرنے لگا کہ یارسول اللہ! میرے غریب خانے میں قیام فرمائیں۔ ادھر حضرت ابوایوبؓ نے عرض کی، ''یارسول اللہ! یہ اس مسکین کا گھر ہے اجازت ہو تو حضور ﷺ کا سامان اتاروں۔''

حضور ﷺ کسی کی دل شکنی کرنا نہ چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ ''قرعہ ڈال لو۔'' قرعہ ڈالا گیا تو حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نام نکلا گویا فخرِ دوجہاںؐ کی میزبانی کا شرف رب العزت ہی نے ان کے مقدر میں لکھ دیا تھا۔ حضرت ابوایوبؓ نے نہایت مسرّت سے سرورِ کونینؐ کا سامان ناقہ سے اتارا اور ان کا گھر انوارِ رسالت کی ضیاباریوں سے جگمگانے لگا۔

ایک روایت میں ہے کہ اونٹنی کے بیٹھتے ہی حضرت ابوایوبؓ دوڑ کر آگے بڑھے اور حضور ﷺ کو اہلاً وسہلاً کہا۔ حضور ﷺ نیچے اترے تو حضرت ابوایوبؓ اونٹنی سے کجاوہ اتار کر فوراً اپنے مکان کے اندر لے گئے۔ دوسرے لوگوں نے آپ کو اپنے ہاں لے جانا چاہا تو آپؐ نے فرمایا۔ ''آدمی وہیں قیام کرتا ہے جہاں اس کا کجاوہ ہو۔'' چنانچہ سب خاموش ہو گئے اور حضور ﷺ حضرت ابوایوبؓ کے گھر رونق افروز ہو گئے۔ بعض دوسری روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرورِ کائناتؐ عمداً حضرت ابوایوبؓ کے ہاں ٹھہرے کیونکہ وہ بنونجار کے رئیس تھے اور بنونجار سے حضور ﷺ کی قرابت تھی۔ لیکن ان روایتوں میں اس بات کی تصریح نہیں کی گئی کہ بنونجار کے کسی دوسرے رئیس کے ہاں رسولِ اکرم ﷺ نے کیوں قیام نہ فرمایا اور یہ سعادتِ دارین حضرت ابوایوبؓ ہی کو کیوں نصیب ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ حکمِ الٰہی کے تحت ہوا۔ خواہ قرعہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نام نکلا ہو یا حضور ﷺ اپنی مرضی اور خواہش سے اُن کے ہاں ٹھہرے ہوں بہر صورت رضائے الٰہی کے بغیر کچھ نہیں ہوا۔

ع یہ رُتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

صاحبِ شاہنامۂ اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری مرحوم نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی خوش بختی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

رسول اللہؐ سلامِ انصار کے لیتے ہوئے گزرے — زباں سے خیر و برکت کی دعا دیتے ہوئے گزرے
ہر اک مشتاق تھا پیارے نبیؐ کی میہمانی کا — تمنّا تھی شرف بخشیں مجھی کو میزبانی کا
بہت ہی کش مکش تھی اشتیاقِ میزبانی کی — نبیؐ نے اس عقیدت کی نہایت قدردانی کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا تم سب مرے بھائی ہو آپس میں برابر ہو — تو نگر ہے وہی جو زُہد و تقوٰی میں تو نگر ہو
اقامت کو مگر میں نے خدا پر چھوڑ رکھا ہے — کہ ناقے کو فقط اُس کی رضا پر چھوڑ رکھا ہے
رُکی یکبارگی ناقہ بحکمِ حضرتِ باری — جہاں اک سمت بستے تھے ابوایوب انصاریؓ
فلک نے رشک سے دیکھا اس انصاری کی قسمت کو — ابوایوبؓ گھر میں لے گئے سامانِ رحمت کو

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

سیّد البشرﷺ کی والہانہ خدمت:

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مکان دو منزلہ تھا۔ ایک کمرہ نیچے اور ایک اوپر۔ حضرت ابوایوبؓ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ ''یارسولَ اللہ! آپ غریب خانہ کی بالائی منزل میں قیام فرمائیں۔'' حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''نہیں میرے پاس لوگوں کی آمد و رفت رہے گی اس لیے نچلی منزل ہی میرے قیام کے لیے موزوں ہے۔'' چنانچہ حضور ﷺ کی خواہش کے مطابق حضرت ابوایوبؓ نے مکان کی زیریں منزل خالی کر دی اور خود بالا خانے میں فروکش ہو گئے۔ لیکن حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ کو ہر وقت یہ خیال مضطرب رکھتا تھا کہ وہ تو بالائی منزل میں مقیم ہیں اور مہبطِ وحی و رسالتؐ نچلی منزل میں ہیں۔ ابنِ ہشام کا بیان ہے۔ کہ ایک روز بالا خانے پر پانی سے بھرا ہوا برتن پھوٹ گیا۔ حضرت ابوایوبؓ اس خیال سے مضطرب ہو گئے کہ پانی بہہ کر نیچے جائے گا اور سرورِ عالمؐ کو تکلیف ہو گی۔ گھر میں اوڑھنے کا ایک ہی لحاف تھا۔ حضرت ابوایوبؓ نے فی الفور یہ لحاف گھسیٹ کر پانی پر ڈال دیا تاکہ بہتا ہوا پانی لحاف کی روئی میں جذب ہو جائے۔ جب پانی کے نیچے بہنے کا امکان نہ رہا تو میاں بیوی نے اطمینان کا سانس لیا۔

سرورِ کونینؐ اگرچہ اپنی خوشی سے زیریں منزل میں مقیم تھے لیکن حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ کو بالا خانہ کی سکونت سخت ناپسند تھی۔ یہ خیال ان کے لیے سوہانِ روح تھا کہ فخرِ موجودات، خیر البشر خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ تو تحتانی منزل میں مقیم ہوں اور ان کے ادنٰی ترین خدام بالائی منزل میں۔

یہ روحانی اذیّت ایک رات کو اس قدر شدّت اختیار کر گئی کہ دونوں میاں بیوی چھت کے ایک کونے میں سکڑ کر بیٹھ گئے اور ساری رات اسی حالت میں جاگ کر گزار دی۔ صبح ہوئی تو حضرت ابوایوبؓ سرورِ کونینؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ ''یارسولَ اللہ ﷺ! ہم ساری رات چھت کے ایک کونے میں بیٹھ کر جاگتے رہے۔'' حضور ﷺ نے وجہ دریافت فرمائی تو عرض کیا۔ ''ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہمیں ہر لحظہ آپ کی بے ادبی کا اندیشہ دامنگیر رہتا ہے۔ رات کو اس اندیشہ نے شِدّت اختیار کر لی۔ یارسول اللہ ﷺ! ہم غلاموں پر کرم فرمائیے اور بالا خانے پر تشریف لے چلیے۔ حضور ﷺ کے غلاموں کے لیے آپ کے قدموں کے نیچے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہنا ہی باعث سعادت ہے۔" سرورِ کونین ؐ نے حضرت ابوایوب ؓ کی درخواست قبول فرمالی اور اوپر کی منزل پر منتقل ہوگئے۔ حضرت ابو ایوب ؓ اور ان کی اہلیہ نے بکمال مسرّت نچلی منزل میں اقامت اختیار کرلی۔

سرورِ کائنات ؐ نے چھ یا سات مہینے حضرت ابوایوب ؓ کے گھر قیام فرمایا۔ ۱؎ اس عرصہ میں حضرت ابوایوب ؓ نے جس والہانہ عقیدت سے رحمتِ دو عالم ؐ کی خدمت کی وہ اُن کے عشقِ رسول ﷺ پر دال ہے۔ حضرت ابوایوب ؓ دونوں وقت ہادیِ اکرم ﷺ کی خدمت میں ماحضر پیش کرتے۔ بعض اوقات دوسرے انصار کے ہاں سے بھی کھانا آجاتا۔ کھانے سے جو کچھ بچ جاتا حضور ﷺ اسے ابوایوب ؓ کے پاس بھیج دیتے۔ حضرت ابوایوب ؓ کی عقیدت کیشی اور حُبِ رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ کھانے میں جہاں سرورِ عالم ؐ کی انگلیوں کے نشانات ہوتے تھے، بخیالِ تبرک و اتباعِ رسول ؐ انہی پر اپنی انگلیاں رکھ کر کھانا تناول کرتے۔ ایک دفعہ کھانا جُوں کا تُوں واپس آگیا۔ حضرت ابوایوب ؓ مضطرب ہوکر رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ "یارسولَ اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ نے آج کھانا تناول نہیں فرمایا۔" حضور ﷺ نے فرمایا:

"ہاں آج کھانے میں لہسن تھا اور مجھے لہسن مرغوب نہیں۔"

حضرت ابوایوب ؓ نے عرض کیا: "فَاِنِّی اَکْرَہُ مَا کَرِھْتَ"

"جو حضور کو پسند نہیں اسے میں بھی ناپسند کرتا ہوں ۲؎"

۱؎ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ اسی مکان میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت علی المرتضیٰ ؓ اور حضرت زید ؓ بن حارثہ بھی فروکش رہے۔

۲؎ لہسن شریعتِ اسلامیہ میں حرام نہیں ہے۔ چونکہ اس کے کھانے سے منہ میں ناخوشگوار سی بو پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لیے رسولِ اطہر ؐ طبعاً اس سے کراہت فرماتے تھے۔ یہ حضرت ابوایوب ؓ کا عشق و اتباعِ رسول ؐ تھا کہ جس چیز کو حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا انہوں نے بھی اس سے کراہت کا اظہار کیا۔

صحیح مسلم میں خود حضرت ابوایوب انصاری ؓ سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ اس میں سے کھاتے اور باقی بچا ہوا میرے پاس بھیج دیتے۔ ایک روز آپ ؐ نے میرے پاس (ایسا) پیالہ بھیجا (جس میں کھانا تھا) اور اس میں سے خود کچھ نہیں کھایا تھا اس لیے کہ اس میں لہسن تھا۔ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا لہسن حرام ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا۔ "نہیں بلکہ اس کی بُو کے سبب میں اس کو (کھانا) پسند نہیں کرتا۔" میں نے عرض کیا۔ "تو پھر (میں بھی اس کھانے کو نہیں کھاؤں گا کیونکہ) جس چیز کو آپ ؐ نے ناپسند کیا ہے اس کو میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔ (فَاِنِّی اَکْرَہُ مَا کَرِھْتَ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت
کا
پہلا سال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میثاقِ مدینہ

''میثاق'' کے لغوی معنی عہد و پیمان، قول و قرار اور معاہدہ (عہد نامہ) کے ہیں۔

''میثاقِ مدینہ'' سے مراد وہ دستاویز یا نوشتہ ہے جو رسولِ اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد انصارِ مدینہ، مہاجرین اور یہود کی ذمہ داریوں اور حقوق و فرائض کا تعین کرنے کے لیے مرتب فرمایا۔ بعض مؤرخین نے اسے کتاب (یعنی نوشتہ) اور صحیفہ (فرائض نامہ یا دستور العمل) سے بھی موسوم کیا ہے۔

اس میثاق کے بارے میں ابنِ اسحاقؒ نے لکھا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک تحریر لکھ دی جس میں یہود سے معاہدہ بھی تھا۔ اس کے مطابق ان کے دین و مال کی حفاظت کا یقین دلایا گیا تھا اُن کے حقوق بھی واضح کیے گئے تھے اور ان پر شرطیں بھی عائد کی گئی تھیں۔ (سیرۃ ابنِ ہشام)

بعض اربابِ سیَر و تاریخ نے اس میثاق کی دفعات (شِقوں یا فقروں) کی تعداد ۴۷ لکھی ہے اور بعض نے کچھ دفعات کو پھیلا کر ان کی تعداد ۵۳ ظاہر کی ہے تاہم اس تاریخی دستاویز کا متن سب کتابوں میں یکساں ہے۔ اس کی پہلی ۲۳ دفعات مہاجرین و انصار سے متعلق ہیں اور باقی یہودیوں سے متعلق [1]

---

[1] نامور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی تالیف ''عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی'' میں لکھا ہے کہ اس دستاویز (میثاقِ مدینہ) کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ جو مہاجرین و انصار سے متعلق ہے وہ آنحضور ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے چند ماہ بعد مرتب ہوا اور دوسرا حصہ جو یہود سے متعلق ہے وہ غزوۂ بدر (رمضان ۲ ہجری) کے بعد مرتب ہوا۔ انہوں نے یہ مفروضہ اس بنیاد پر قائم کیا ہے کہ مدینہ کے یہود بڑے اثر و رسوخ اور طاقت کے مالک تھے اس لیے ہجرتِ نبوی کے ابتدائی زمانے میں ان کا آنحضور ﷺ کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کر لینا قرینِ قیاس نہیں جبکہ میثاق کی ایک شِق کی رو سے مہاجرین و انصار کی طرح یہود بھی اس بات کے پابند تھے کہ اگر کسی اختلافی معاملے میں فساد کا ڈر ہو تو رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا (اور آپؐ جو فیصلہ کریں گے وہ سب کو قبول کرنا ہوگا) لیکن جمہور اربابِ سیَر و تاریخ کا یہ موقف نہیں ہے۔ انہوں نے اس کو ایک ایسی دستاویز قرار دیا ہے جو تمام کی تمام ہجرتِ نبوی کے چند ماہ بعد ایک ہی وقت میں مرتب ہوئی اور پہلے ہی روز یہود کے مختلف خاندانوں کے نام اس میں صراحت کے ساتھ درج کر دیے گئے۔ اگر میثاق کے دو حصے بھی تسلیم کیے جائیں تو پہلے اور دوسرے حصے کے معرضِ تحریر میں آنے کے درمیان بہت کم وقفہ ہوگا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ پہلے حضور ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان عقدِ مواخاۃ (بھائی چارا) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میثاقِ مدینہ میں جن قبائل یا بطونِ یہود کے نام دیے گئے ہیں ان میں مدینہ کے تین بڑے یہودی قبائل، بنی قَینُقَاع، بنی نَضِیر اور بنی قُرَیظہ (جنہیں قبائلِ بنی اسرائیل کہا جاتا ہے) کے نام صراحت کے ساتھ نہیں لیے گئے اس سے بعض سیرت نگاروں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان تینوں قبیلوں سے الگ الگ معاہدے کیے گئے ہوں گے لیکن بیشتر سیرت نگاروں کے بیانات کے مطابق یہ تینوں قبیلے از خود میثاقِ مدینہ میں شامل ہو گئے تھے کیونکہ بنو قَینُقَاع کے خَزرَج کے ساتھ اور بنو نَضِیر اور بنو قُرَیظہ کے اَوس سے حلیفانہ تعلقات تھے۔ خزرج اور اوس سے حلیفانہ تعلقات کا مطلب یہ ہے کہ ان قبیلوں کے کسی خاندان یا بطن سے حلیفانہ تعلقات تھے۔ اس طرح وہ ان خاندانوں کے ''لواحقین'' کے ذیل میں آتے تھے۔ اس سلسلے میں یہ ذکر نا بے محل نہ ہوگا کہ بنو قَینُقَاع کی بنو نَضِیر اور بنو قُرَیظہ سے اَن بن تھی ابنِ ہشامؒ کا بیان ہے کہ جب کبھی خزرج اور اوس میں لڑائی ہوتی، بنو قَینُقَاع ہمیشہ خزرج کا ساتھ دیتے تھے اور بنو نَضِیر اور بنو قُریظہ اوس کے ساتھی بن کر میدانِ جنگ میں نکلتے تھے۔

صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو، اس حقیقت پر سب کا اتفاق ہے کہ مسلمانانِ مدینہ (مہاجرین و انصار پر مشتمل مسلم معاشرے) کا ہجرتِ نبوی کے ابتدائی زمانے میں مدینہ اور اس کے نواح میں آباد تمام یہودی قبائل سے فرائض وحقوق اور شہر کے دفاع کے سلسلے میں تحریری معاہدہ ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور بعض دوسرے سیرت نگاروں نے اسے دنیا کا پہلا تحریری دستور قرار دیا ہے لیکن ''میثاقِ مدینہ'' کی تمام دفعات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اسے ایک نہایت اعلیٰ درجے کی مدبّرانہ دستاویز تو کہا جاسکتا ہے لیکن اسلامی مملکت کا دستور یا آئین قرار نہیں دیا جاسکتا۔ فی الحقیقت یہ ایک وقتی معاہدہ تھا جس کی بعض شِقوں کو آئین کا حصہ بنایا جاسکتا تھا، مکمل آئین اور دستور کی تعریف اس پر صادر نہیں آتی تھی کیونکہ بے شمار امور ایسے تھے جن کا ایک اسلامی مملکت کے آئین میں شامل ہونا لازمی تھا، اُن کے بارے میں ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حُکم نازل نہیں ہوا تھا۔ فی الحقیقت مختلف دینی اور دنیوی امور کے بارے میں احکام وحی کے ذریعے بتدریج نازل ہو رہے تھے اور قرآنِ حکیم کا حصہ بنتے جا رہے تھے۔ یہ سلسلہ اگلے کئی سالوں تک جاری رہا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ میثاقِ مدینہ اسلامی حکومت کی عمارت کا بنیادی پتھر تھا یا اسلامی مملکت کی تاسیس کی طرف پہلا قدم تھا تو زیادہ مناسب ہوگا۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

قائم کرایا، بالفاظِ دیگر مؤمنینِ اَوس وخَزرَج اور مہاجرین کو ملا کر ایک برادری بنائی اور ان کے درمیان باہمی مواخات کے چند اصول وضوابط وضع فرمائے۔ یہ انصار اور مہاجرین کے درمیان باہمی معاہدہ تھا جس کی بنیاد پر مدینہ میں ایک مسلم معاشرہ وجود میں آ گیا۔ اسی مسلم معاشرے اور یہودیوں کے درمیان واضح شرائط پر ایک معاہدہ طے پایا جس نے میثاقِ مدینہ کے نام سے شہرت پائی۔ یہ معاہدہ اسی معاہدے کے ضمن میں ہوا تھا جو خود مسلمانوں کے درمیان باہم طے پایا تھا۔ (تفہیم القرآن جلد پنجم تفسیر سورۃ الحشر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''میثاقِ مدینہ'' کی اہم دفعات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

یہ تحریر ہے مُحَمَّد نبی (ﷺ) کی طرف سے قریش اور یثرب کے مؤمنین اور مسلمین نیز ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ساتھ جہاد میں حصہ لیں۔

۱۔ یہ سب دوسرے لوگوں کے بالمقابل ایک اُمّت (سیاسی وحدت) ہوں گے۔

۲۔ مہاجرینِ قریش اپنے سابقہ دستور کے مطابق خونبہا ادا کیا کریں گے اور اپنے اسیروں کا فدیہ ادا کریں گے تاکہ مؤمنین کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۳۔ بنی عوف، بنی حارث، بنی ساعدہ، بنی جُشم، بنی نجّار، بنی عمرو بن عوف، بنی النبیت اور بنی اوس (ان سب قبیلوں) کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ مومنین کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۴۔ مؤمنین کسی مفلس اور قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے شخص کی مدد ضرور کریں گے تاکہ اس کا فدیہ یا خونبہا بخوبی ادا ہو سکے۔

۵۔ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی اجازت کے بغیر اس کے مولیٰ (معاہداتی بھائی) سے معاہدہ نہ کرے گا۔

۶۔ سارے متقی مؤمنین اس شخص کی مخالفت کریں گے جو ان میں سے سرکشی، ظلم، زیادتی یا گناہ کا مرتکب ہوگا یا مؤمنین کے درمیان فساد پھیلائے گا۔ ان سب کے ہاتھ ایسے شخص کی مخالفت پر ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۷۔ کوئی مومن کسی مومن کو کافر کی خاطر قتل نہ کریگا اور نہ کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

۸۔ اللہ کا ذمّہ (عہد) ایک ہوگا ایک معمولی مسلمان کا دیا ہوا ذمہ سارے مسلمانوں پر لاگو ہوگا (یعنی ایک معمولی مسلمان بھی اگر کسی شخص کو پناہ دے گا تو سب مسلمان اس کو پناہ دینے کے پابند ہوں گے) اور مؤمنین دوسرے لوگوں کے مقابلے میں باہم بھائی بھائی ہیں۔

۹۔ مؤمنین کی صلح ایک ہی ہوگی کوئی مومن کسی مومن کو چھوڑ کر قتال فی سبیل اللہ کے سلسلے میں دشمن سے صلح نہیں کرے گا بلکہ سب مل کر برابری اور عدل کی بنیاد پر صلح (عہد و پیمان) کریں گے۔

۱۰۔ جو یہود ہمارے پیروکار ہو جائیں گے اُن کی مدد کی جائے گی۔ نہ ایسے لوگوں پر ظلم ہوگا اور نہ ان کے خلاف کسی سے تعاون کیا جائے گا۔

۱۱۔ جو شخص کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا اور گواہوں سے اس کا ثبوت مل جائے گا اس سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قصاص لیا جائے گا سوائے اس صورت کے کہ مقتول کا ولی (خون بہا لینے پر) راضی ہو جائے اور تمام مؤمنین اس کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوا ان کے لیے کوئی صورت جائز نہ ہوگی۔

۱۲۔ کسی مومن کے لیے جائز نہ ہوگا کہ کسی فتنہ پیدا کرنے والے کی مدد کرے یا اس کو پناہ دے جو اس کی مدد کرے یا اسے پناہ دے گا اس پر قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور غضب ہوگا اور اس سے کوئی فدیہ یا بدلا قبول نہ کیا جائے گا۔

۱۳۔ بنی عوف کے یہود، مؤمنین کے ساتھ ایک اُمّت (سیاسی وحدت) تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہودی اپنے دین پر رہیں، مسلمان اپنے دین پر خواہ موالی ہوں یا اصل البتہ جو لوگ ظلم اور جرم کے مرتکب ہوں گے وہ اپنی ذات اور گھرانے کے سوا کسی کو ہلاکت اور فساد میں نہیں ڈالیں گے۔

۱۴۔ بنی نجّار، بنی حارث، بنی ساعدہ، بنی جُشم، بنی اوس، بنی ثعلبہ، بنی شیطبہ کے یہودیوں کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔ اور جفنہ بھی بنی ثعلبہ کی شاخ ہیں انہیں بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔ اور یہودیوں کے قبائل کی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔ ان میں سے کوئی بھی مُحمّد (ﷺ) کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے نہ نکلے گا۔ اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہو تو معاہد فریقوں (یعنی یہودیوں اور مسلمانوں پر) ایک دوسرے کی امداد ونصرت لازم ہوگی۔

۱۵۔ یہودی اپنا خرچ اٹھائیں گے اور مسلمان اپنا خرچ...... وہ خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے اور ان کے درمیان نیکی اور حق رسانی کا تعلق ہوگا نہ کہ گناہ اور زیادتی کا۔ کوئی اپنے حلیف کے ساتھ زیادتی نہیں کرے گا۔ مظلوم کی حمایت کی جائے گی اور جب تک جنگ رہے گی، یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس کے مصارف اٹھائیں گے۔

اسی صحیفے (معاہدے) کے شرکاء کے لیے "یثرب" مقدّس ومحترم ہوگا (یعنی اس شہر میں کسی قسم کا فتنہ وفساد برپا کرنا حرام ہے)۔ قریش اور اس کے حامیوں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۱۶۔ اس معاہدے کے شرکاء کے درمیان کوئی ایسا قضیہ یا اختلاف پیدا ہو جس سے فساد رونما ہونے کا خطرہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کے قانون کے مطابق محمد رسول اللہ کریں گے۔

(سیرۃ ابنِ ہشام جلد دوم ص ۱۴۷ تا ۱۵۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرتِ مدینہ کے بعد کا ابتدائی زمانہ

ہادیٔ اکرم ﷺ اور آپؐ کے جاں نثار رفقاء کا ملّہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ جانے کا مطلب یہ تھا کہ اب اہلِ ایمان کو ایک ٹھکانا میسّر آ گیا تھا اور مدینہ کے اہلِ ایمان کو اپنا حامی اور مددگار بنا کر وہ ایک منظّم جماعت کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ اس طرح مشرکینِ ملّہ دو خطروں سے دوچار ہو گئے تھے۔ ایک یہ کہ اسلامی جماعت کا منظّم ہو کر ایک ''طاقت'' کی صورت اختیار کرنا مشرکین کے جاہلی نظام (آبائی مذہب) کے لیے تباہی اور بربادی کا پیام تھا۔ دوسرا یہ کہ ملّہ سے شام کی طرف جانے والا جو تجارتی راستہ بحرِ احمر کے کنارے کنارے جاتا تھا وہ مدینہ کے قریب سے گزرتا تھا۔ اہلِ ملّہ اور کئی دوسرے قبائل کی معاشی زندگی کا انحصار اسی راستے پر تھا۔ ان کے تجارتی قافلے لاکھوں روپے کا سامانِ تجارت لے کر ہر سال اسی راستے سے شام جاتے تھے اور وہاں سے بھی ہر قسم کے سامان سے لدے پھندے واپس آتے تھے۔ مسلمان مدینے میں طاقت پکڑ کر اس راستے کو اپنی زد میں لے کر دشمنوں کا ناطقہ بند کر سکتے تھے۔ اس کو کھلا رکھنے کے صرف دو طریقے تھے، ایک یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ خوشگوار تعلّقات قائم کیے جائیں اور دوسرا یہ کہ مسلمانوں کی طاقت کو جنگ یا سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے ذریعے کچل دیا جائے۔ مشرکینِ ملّہ کو جہالت اور حسد نے اندھا کر دیا تھا انہوں نے دوسرا طریقہ اختیار کرنے کو ترجیح دی۔ سب سے پہلے انہوں نے رئیسِ خزرج عبداللہ بن اُبیّ کو خط لکھا کہ تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے، تم خود اس سے لڑو یا اپنے شہر سے نکال دو ورنہ خدا کی قسم ہم تم پر حملہ کر کے تمہارے مردوں کو قتل اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنا لیں گے۔ یہ خط ملنے پر عبداللہ بن اُبیّ اور اس کے منافق ساتھیوں نے کچھ شرارت کرنی چاہی مگر حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ قریش کی دھمکی سے ڈر کر مسلمانوں سے تمہارا لڑنا اپنے ہی بھائیوں اور بیٹوں کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔ یہ لوگ سمجھ گئے کہ مسلمانوں سے لڑنے میں فی الواقع اپنا ہی نقصان ہے چنانچہ وہ اپنے مفسدانہ ارادے سے باز آ گئے لیکن ان کے دل مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں تھے اور وہ درپردہ قریشِ ملّہ سے ملے ہوئے تھے۔ منافقین کا یہ گروہ ہمیشہ مسلمانوں کے لیے مارِ آستین بنا رہا۔ اسی طرح قریشِ ملّہ نے یہودِ مدینہ کو بھی سازشی کارروائیوں کے ذریعے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ دشمنانِ حق کی شرارتوں سے محفوظ رہنے کے لیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان ایک مدت تک راتوں کو جاگا کرتے یا پہرے مقرر کر کے اور ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔ کاشانۂ نبوی کو تو وہ کبھی غیر محفوظ حالت میں نہیں چھوڑتے تھے اور دن ہو یا رات کوئی نہ کوئی مسلح صحابی کاشانۂ نبویؐ کے پہرے پر ضرور کھڑے ہوتے۔

مشرکینِ مکّہ کی مسلمانوں سے دشمنی کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ہجرتِ نبویؐ کے چند دن بعد حضرت سعدؓ بن معاذ انصاری (رئیسِ اوس) عمرہ کے لیے مکّہ گئے اور وہاں امیّہ بن خلف (رئیسِ مکّہ) کے پاس قیام کیا جو ان کا پرانا شناسا تھا۔ طواف کے لیے نکلے تو حرم کے دروازے پر ابوجہل مل گیا۔ اس نے حضرت سعدؓ سے کہا کہ تم صابیوں (آبائی مذہب سے پھر جانے والوں) کو پناہ دے کر مکّہ میں اطمینان سے پھر رہے ہو، اگر تم امیّہ بن خلف کے مہمان نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکتے تھے۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا' مجھے روک کر دیکھو تو سہی میں مدینہ کے قریب سے گزرنے والا تمہارا تجارتی راستہ روک دوں گا۔ امیّہ نے بیچ بچاؤ کرا دیا لیکن اس واقعہ کی تلخی باقی رہ گئی۔ قریشِ مکّہ کی شرارتوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اور انہیں یہ احساس دلانے کے لیے کہ مسلمانوں کے خلاف ان کی معاندانہ پالیسی ان کے اپنے لیے سخت خطرناک بلکہ تباہ کن ہے، حضورﷺ مہاجرین کی ہتھیار بند جماعتیں ادھر اُدھر (بالخصوص تجارتی شاہراہ کی طرف) بھیجتے رہتے تھے۔ ایسی دو تین مہموں کی قیادت تو آپؐ نے خود فرمائی۔ مقصد قریش کے تجارتی قافلوں کو دھمکی دینا اور شام کو جانے والی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کرنا تھا۔ اس سلسلے میں جو سرایا اور غزوات پیش آئے ہم یہاں اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں۔ (اسلامی تاریخ کی اصطلاح میں جس مہم کی قیادت خود رسولِ اکرمﷺ فرماتے تھے اس کو غزوہ کہتے ہیں اور جو مہم حضورﷺ کسی صحابی کی قیادت میں بھیجتے تھے اس کو سَرِیّہ کہتے ہیں اس کی جمع سرایا ہے)

سریّۂ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

رمضان ۱ھ ہجری میں رسولِ اکرمﷺ نے اپنے عمِ محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس مجاہدوں کے ساتھ ساحلی علاقے کی طرف روانہ فرمایا۔ مقصد قریشِ مکّہ کے تجارتی قافلوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھنا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق ایک خاص تجارتی قافلے کا پتا لگانا تھا جس میں ابوجہل بھی تھا۔ اس مہم کا عَلَم سفید تھا۔ یہ پہلا عَلَم تھا جسے رسولِ اکرمﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے باندھا۔ علمبردار حضرت ابومرثد کناز بن حُصَین غنوی رضی اللہ عنہ تھے۔ مسلمان سمندر کے کنارے پہنچے تو مقام عِیص کے اطراف میں ان کا سامنا قریش کے تجارتی قافلے سے ہوگیا۔ ابوجہل سمیت تین سَو شتر سوار جوان اس کی حفاظت کر رہے تھے فریقین نے لڑائی کے لیے صفیں باندھ لیں لیکن بنوجُہینہ کے سردار مجدی بن عمرو نے جو فریقین کا حلیف تھا، بیچ بچاؤ کر کے لڑائی نہ ہونے دی اور حضرت حمزہؓ واپس آگئے اس سریّہ کو سریّۂ سِیفُ البحر بھی کہتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سریۂ عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا سریۂ رابغ:

اس مہم کا مقصد قریش کے تجارتی قافلوں کو روکنا تھا۔ شوّال ۱ھ میں رسولِ اکرم ﷺ نے ساٹھ یا اسّی سواروں کے ساتھ حضرت عبیدہؓ بن حارث کو قریش کی نقل و حرکت کا پتا چلانے کے لیے وادیِ رابغ کی طرف روانہ فرمایا۔ حجاز کے ساحلی علاقے میں ثنیۃ المرّہ کے مقام پر مسلمانوں کا سامنا قریش کے ایک قافلے سے ہوا جو ابوسفیان (یا بروایتِ دیگر عکرمہ بن ابوجہل) کی قیادت میں دوسَو آدمیوں پر مشتمل تھا۔ قریش اگرچہ تعداد میں زیادہ تھے، لیکن اُنھوں نے لڑنے سے گریز کیا اور پہلو بچا کر نکل گئے۔ حضرت عبیدہؓ کی ماتحتی میں حضرت سعدؓ بن ابی وقّاص جیسے پُرجوش مجاہد بھی تھے۔ انہوں نے اس موقع پر راہِ حق میں ایک تیر چلا ہی دیا۔ صحیح بخاری میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ میں پہلا عرب ہوں جس نے راہِ خدا میں تیر چلایا۔ گویا سریۂ عبیدہؓ بن حارث میں سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تیر چلایا گیا۔ اس سریہ کے عَلَمبر دار حضرت مسطحؓ بن اُثاثہ تھے۔

سریۂ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا سریۂ خرّار:

ذیقعدہ ۱ھ میں رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیس مجاہدین دے کر قریش کی نقل و حرکت کا پتا چلانے پر مامور فرمایا۔ یہ جماعت پیدل چلتے ہوئے پانچویں دن خرّار کے مقام تک پہنچی لیکن مشرکین سے سامنا نہ ہوا اور مجاہدین واپس آ گئے۔ اس مہم کے عَلَم بردار حضرت مِقدادؓ بن عمرو تھے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبولِ اسلام:

ابو یوسف عبداللہ بن سلام کا اصل نام حُصَین تھا۔ اُن کا تعلّق یہودِ مدینہ کے طاقتور قبیلے بنو قَینُقاع سے تھا۔ وہ اپنے قبیلے کے اکابر میں شمار ہوتے تھے اور مدینہ میں توریت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ توریت کے علاوہ اُن کو انجیل پر بھی عبور حاصل تھا۔ انہوں نے توریت میں نبیِ آخرالزّماں کی نشانیاں، پڑھی تھیں اور اُن کی آرزو تھی کہ کاش وہ خیرُ الرُّسُل کا زمانہ پائیں ۱۱ھ بعدِ بعثت میں جب خزرج کے چھ سعید الفطرت انسان سعادت اندوزِ اسلام ہو کر مکّہ سے واپس آئے تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن سلام سے ذکر کیا کہ آپ جس نبیِ آخرالزّمانؐ کی آمد کا تذکرہ کیا کرتے تھے وہ مکّہ میں مبعوث ہو چکے ہیں اور ہم لوگوں نے برضا و رغبت ان کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام نے ان سے مُدّعیِ رسالتؐ کی علامتیں دریافت کیں تو ان کو عین ان علامات کے مطابق پایا جو وہ تورات میں پڑھ چکے تھے۔ چنانچہ ان کی کِشتِ دل میں اسی وقت اسلام کا بیج جڑ پکڑ گیا اور وہ سیدالانام خیرالرسلؐ کی زیارت کے لیے دن رات بے چین رہنے لگے۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد جب اسلام کا چرچا اوس اور خزرج کے گھر گھر میں پھیل گیا تو حضرت عبداللہؓ بن سلام کے اشتیاقِ دید میں اور شدّت پیدا ہو گئی۔ ۱۴ھ نبوّت میں جس وقت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رحمتِ عالم ﷺ نے مدینہ منورہ کو اپنے قُدُومِ میمنت لزوم سے مُشرّف فرمایا، حضرت عبد اللہؓ بن سلام اپنے باغ میں تھے اور بچوں کے لیے پھل اتروا رہے تھے۔ ان کی پھوپھی خالدہ بنت حارث بھی ان کے پاس باغ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اتنے میں کسی نے آ کر حضور پُرنور ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر کیا۔ حضرت عبد اللہ کے لیے یہ خبر مژدۂ جانفزا ثابت ہوئی۔ انہوں نے فرطِ مُسرّت میں نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ان کی پھوپھی کہنے لگیں۔

''حصین ان صاحب کے آنے سے تمہیں اتنی خوشی ہوئی ہے کہ شاید موسیٰؑ بن عمران بھی تشریف لاتے تو تم اتنے مسرور نہ ہوتے۔''

انہوں نے کہا۔ ''پھوپھی جان، خدا کی قسم یہ بھی موسیٰ علیہ السّلام کے بھائی ہیں اور اسی مقصد کے لیے دنیا میں تشریف لائے ہیں جس کے لیے موسیٰ علیہ السّلام تشریف لائے تھے۔''

پھوپھی نے کہا۔ ''برادر زادے کیا واقعی یہ ''وہ نبی'' ہیں جن کی توریت اور دوسری آسمانی کتابوں میں خبر دی گئی ہے؟''

حضرت عبد اللہ نے کہا ''بیشک یہ وہی نبی ہیں!''

پھوپھی بولیں۔ ''پھر تو ہماری بڑی خوش قسمتی ہے کہ نبیِ آخرالزّمانؐ نے خود ہمارے شہر میں نزولِ اجلال فرمایا ہے۔''

علّامہ ابنِ ہشامؒ نے بیان کیا ہے کہ اس گفتگو کے بعد حضرت عبد اللہؓ بن سلام بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوئے۔ خالدہ بنت حارث بھی ان کے پیچھے پیچھے گئیں اور سعادت اندوزِ اسلام ہو کر گھر لوٹیں۔ اب ان کی یہ آرزو تھی کہ گھر کے دوسرے افراد بھی اسلام کی نعمتِ عظمیٰ سے محروم نہ رہیں۔ چنانچہ انہوں نے تمام اہلِ خانہ کو اسلام کی تلقین کی اور وہ سب مُشرّف بہ اسلام ہو گئے۔

خود حضرت عبد اللہؓ بن سلام سے روایت ہے کہ میں نے جب سے رسول اللہ ﷺ کا چرچا سنا تھا، غائبانہ اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اپنے ایمان کو اپنے بھائی بندوں (یہود) سے مخفی رکھا۔ جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کو دیکھ کر اور آپؐ کے ارشادات سن کر میرا ایمان آپؐ پر اور پختہ ہو گیا تاہم مزید اطمینان کے لیے میں نے حضور ﷺ سے کچھ سوال پوچھنے کا قصد کیا چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ بنو نجّار کے محلے میں (یعنی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر) مقیم ہو گئے تو میں دوبارہ آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپؐ سے کچھ سوالات پوچھ کر مُشرّف بہ اسلام ہو گیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبد اللہؓ بن سلام نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں آپؐ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو نبیِ مرسل کے سوا کسی کو معلوم نہیں:

(۱) علاماتِ قیامت میں پہلی علامت کونسی ہے۔

(۲) اہلِ جنّت کو پہلی چیز کھانے کو کیا ملے گی۔

(۳) وہ کون سا سبب ہے جس کے باعث بچہ کبھی توماں کی شکل پر ہوتا ہے اور کبھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باپ کی شکل پر۔

حضور ﷺ نے ان تینوں سوالوں کے جواب دیے تو حضرت عبد اللہ بے اختیار پکار اُٹھے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ط

''میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' [1]

قبولِ اسلام کے بعد حضرت عبد اللہؓ نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! میں قومِ یہود کا سردار ہوں اور ان کے سردار کا بیٹا ہوں۔ میری قوم مجھے عالم بن عالم بھی تسلیم کرتی ہے اور میرا بے حد احترام کرتی ہے لیکن مجھے علم ہے کہ میری قوم کے لوگ سخت مفتری اور دروغگو ہیں۔ آپ سربرآوردہ یہودیوں کو بُلا یئے۔ میں پوشیدہ ہو جاؤں گا۔ آپ ان سے میرے قبولِ اسلام کا ذکر کیے بغیر ان سے میری بابت دریافت فرمایئے۔'' حضور ﷺ نے اسی وقت سربرآوردہ یہودیوں کو بُلا بھیجا اور ان سے فرمایا:

''اے لوگو! میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تم یقین کرو کہ اسلام دینِ حق ہے۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں پس تم میری دعوت کو قبول کرو۔''

رؤسائے یہود نے کہا: ''ہم اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے، ہم جس طریقے پر ہیں وہی ہمارے لیے بہتر ہے۔''

حضور ﷺ نے پوچھا ''اے صاحبو! یہ بتاؤ کہ حصین بن سلام تم میں کس پایہ کے آدمی ہیں؟''

انہوں نے کہا: ''وہ ہم میں سب سے اچھے ہیں اور سب سے اچھے کے فرزند ہیں۔ وہ ہمارے سردار اور مخدوم ہیں ہم میں ان کے برابر کوئی عالم نہیں اور ان سے زیادہ کوئی محترم نہیں۔''

حضور ﷺ نے فرمایا ''اچھا اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو تم ان کی تقلید کرو گے؟''

کہنے لگے ''خدا نہ کرے کہ وہ مسلمان ہوں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔''

اب حضور ﷺ نے حضرت عبد اللہؓ بن سلام کو آواز دی جو مکان کے ایک گوشہ میں پنہاں تھے۔ وہ بلند آواز سے کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے اور یہودیوں سے کہا:

''اے لوگو! خدا سے ڈرو، تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کا دین بالکل سچا ہے۔ پھر بھی تم ایمان لانے سے گریز کرتے ہو۔''

---

[1] حضور ﷺ نے پہلے سوال کا جواب یہ دیا کہ وہ ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہنکا کرلے جائے گی۔ دوسرے سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ مچھلی کا جگر ہوگا۔ تیسرے سوال کا جواب آپؐ نے یہ دیا کہ ماں کا مادۂ تولید غالب ہو تو بچہ ماں کی شکل پر اور اگر باپ کا مادۂ تولید غالب ہو تو بچہ باپ کی شکل پر پیدا ہوتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سن کر یہود مشتعل ہو گئے اور چیخ چیخ کر کہنے لگے:

"تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین آدمی ہو اور بدترین آدمی کے بیٹے ہو۔"

حضرت عبداللہؓ بن سلام نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔"یا رسولَ اللہ! آپ نے دیکھا مجھے ان کی اسی افتراء پردازی کا کھٹکا تھا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا کہ"اب سے تم حصین کے بجائے عبداللہ ہو۔" چنانچہ انہوں نے اسی نام سے شہرت پائی۔

ابن عُیینہؒ نے"لباب النقول" میں بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن سلام نے شرف اسلام سے بہرہ یاب ہونے کے بعد اپنے دو بھتیجوں سَلَمہ اور مہاجر کو بڑی دردمندی اور اخلاص کے ساتھ اسلام کی دعوت دی اور ان سے فرمایا،"تم جانتے ہو کہ توراۃ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ایک نبی مبعوث کروں گا جس کا نام احمدؐ ہوگا۔ جو کوئی اس کو قبول کرے گا نجات پائے گا اور جو اس کا انکار کرے گا وہ لعنت کا سزاوار ہوگا۔"

یہ سن کر سَلَمہ نے تو فوراً اسلام قبول کر لیا لیکن مہاجر نے دعوتِ حق قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے متعلق قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ط (البقرہ آیۃ: ۱۳۰)

"اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقہ سے انحراف کرے مگر وہی جس کی عقل ماری گئی ہو۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسجدِ نبویؐ کی تعمیر

خانۂ ابوایوبؓ میں رونق افروز ہونے کے کچھ عرصہ بعد سرورِ کونینؐ نے مدینہ منورّہ میں خانۂ خدا بنانے کا ارادہ فرمایا۔ اس مقصد کے لیے حضور ﷺ نے حضرت ابوایوبؓ کے گھر کے سامنے اس افتادہ قطعۂ زمین کو منتخب فرمایا جہاں آپ کی اونٹنی آ کر بیٹھی تھی۔ اس زمین میں کچھ قبریں اور کھجور کے درخت تھے۔ انصار اس سے مربد (کھجوریں خشک کر کے چھوہارے بنانے کی جگہ) کا کام لیتے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے حضرت اسعدؓ بن زرارہ انصاری اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ اسی جگہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس زمین کے مالک بنونجار کے دو یتیم بچے سہلؓ اور سہیلؓ تھے جو حضرت اسعدؓ بن زرارہ (اور ایک روایت کے مطابق حضرت معاذ بن عفراءؓ) کی سرپرستی میں تھے۔ ہادیِ اکرم ﷺ نے انصار کو بُلا کر فرمایا:

"میں یہ زمین قیمت دے کر لینا چاہتا ہوں تاکہ اس میں خانۂ خدا کی تعمیر کر سکوں۔"

انصارؓ نے عرض کی۔ "یا رسولَ اللہ! اس زمین کے مالکوں کو ہم قیمت ادا کر دیں گے اور اسے اپنی طرف سے آپ کے لیے ہبہ کرتے ہیں۔ اس کا صلہ ہم اللہ سے لیں گے۔"

حضور ﷺ نے انصارؓ کے جذبۂ ایثار کی تعریف فرمائی لیکن زمین کی قیمت دینے پر اصرار فرمایا اور مالکانِ زمین سہلؓ و سہیلؓ کو طلب فرمایا۔ دونوں سعادت مند بچوں نے عرض کی۔

"یا رسولَ اللہ! ہم یہ زمین حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے آپ کی نذر کرتے ہیں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے، میں یہ زمین بلا قیمت نہیں لوں گا۔"

ان بچوں کی والدہ کو معلوم ہوا تو اس نیک بخت خاتون نے بھی قیمت لینے سے انکار کیا۔ آخر سرورِ عالمؐ نے اصحاب الرّائے کے مشورے سے اس زمین کی قیمت دس مثقال (پونے چار تولے) سونا متعیّن فرمائی۔ یہ قیمت حضور ﷺ کی طرف سے کس نے ادا کی، اس کے متعلق تین روایتیں ہیں۔

۱۔ اس زمین کی قیمت حضرت ابوایوبؓ انصاری نے ادا کی۔ (فتح الباری)

۲۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ادا کی۔ (مدارج النبوۃ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے اس زمین کے معاوضہ میں سہلؓ و سہیلؓ کو بنو بیاضہ میں اپنا ایک باغ دے دیا۔ (زرقانی)

اس کے بعد زمین ہموار کر کے مسجد کی تعمیر کا آغاز کر دیا گیا۔ اس کے معماروں اور مزدوروں میں صحابۂ کرامؓ (انصار و مہاجرین) کے ساتھ محبوبِ کبریا خیر البشرؐ بھی بہ نفسِ نفیس شامل تھے۔ سرورِ کونین ﷺ مزدوروں کے لباس میں پتھر اور گارا ڈھو کر لاتے اور زبانِ مبارک سے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ انصاری کا یہ شعر پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَاخَیْرَ اِلَّاخَیْرُ الْاٰخِرَۃ
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُھَاجِرَۃ

الٰہی کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے پس تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۱

صحابۂ کرامؓ بصد تضرّع شہِ دوسرا سے التجائیں کرتے تھے کہ حضور ﷺ ہم غلاموں کے ہوتے ہوئے آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ لیکن حضور ﷺ متبسّم ہو کر برابر کام کیے جاتے تھے۔ رحمتِ دو عالم ﷺ کو پسینے میں شرابور اور گرد و غبار میں اٹا ہوا دیکھ کر صحابۂ کرامؓ کے دلوں پر چھریاں چل جاتی تھیں لیکن مجبور تھے۔ حضور ﷺ کو تعمیرِ مسجد میں اس طرح منہمک دیکھ کر وہ دو چند جوش سے یہ رجز پڑھتے ہوئے حضور ﷺ کے ساتھ کام میں شریک ہو جاتے۔

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالرَّسُوْلُ یَعْمَلُ لَذَاكَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلَّلُ

"اگر ہم بیٹھ جائیں اور رسولِ اکرمؐ کام کرتے رہیں تو یہ سخت گمراہی کی حرکت ہوگی۔"

غرض اس طرح چند ماہ میں دنیا کی یہ مقدّس ترین مسجد تعمیر ہوگئی۔ یہ مسجد ہر قسم کے تکلّفات سے خالی اور انتہائی سادگی کا مظہر تھی۔

کچی اینٹوں اور ناتراشیدہ پتھروں کی دیواریں۔ چوبِ خرما کے ستون اور کھجور کے پتوں کا چھپر۔ لیکن اس کو جن مقدّس ہاتھوں نے تعمیر کیا اور جن کے سجدوں سے یہ معمور ہوئی ان کی

---

۱ بعض دوسری روایتوں میں یہ شعر اس طرح بھی درج ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَاعَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃ
فَاغْفِرِ لِلْاَنْصَارِ وَ الْمُھَاجِرَۃ
"الٰہی زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے
تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے"

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْاَجْرَ اَجْرُ الْاٰخِرَۃ
فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُھَاجِرَۃ
"خدایا اجر تو بس آخرت کا اجر ہے
پس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عظمتوں کے سامنے فلک الافلاک کی رفعتیں ہیچ ہیں۔

مسجد کے ایک سرے پر اصحابِ صُفّہ کے لیے ایک مسقّف چبوترہ بھی تعمیر کیا گیا۔ یہ وہ مقدس لوگ تھے۔ جن کا کوئی گھر بار نہ تھا اور جو عائلی زندگی کی بندشوں سے آزاد تھے۔

مسجد کے مُتّصِل حُضور علیہ السلام نے ازواجِ مُطَہّرات کے لیے کچی اینٹوں کے دو حجرے بھی تعمیر کرائے ایک اُمّ المؤمنین حضرت سودہؓ کے لیے اور دوسرا اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کے لیے جن سے ملّہ ہی میں نکاح ہو چکا تھا۔ جب تک مسجد اور حجرے زیرِ تعمیر رہے سرورِ کونینؐ حضرت ابوایوبؓ انصاری کے گھر رونق افروز رہے۔ اس کے بعد آپ وہاں سے ان حجروں میں منتقل ہوگئے۔ دوسری ازواجِ مطہّراتؓ جُوں جُوں حضور علیہ السلام کے نکاح میں آئیں ان حجروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ذاتی مکان تقریباً سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے۔ چار کچی انیٹوں سے اور پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے۔ ان کی چھتیں اتنی نیچی تھیں کہ آدمی کھڑا ہوتا تو اس کا سر چھت سے جا لگتا۔ دروازوں پر کمبل کے پردے پڑے رہتے۔ حضور علیہ السلام کے ابتدائی زمانے سے انتہائی عروج و اقتدار کے زمانہ تک ان حجروں کی سادگی کی یہی کیفیت رہی اور کیوں نہ رہتی، یہ کسی دنیاوی بادشاہ کے محلات نہیں تھے بلکہ اس ذاتِ اقدسؐ کے مکانات تھے جو اس دنیا میں مُحسنِ انسانیت اور رَحمَۃ'' لِلْعَالَمِیْن بن کر تشریف لائے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے مسجدِ نبوی ؐ کی تعمیر کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

ہجرت کے بعد آپؐ نے پہلا کیا جو کام
تعمیرِ سجدہ گاہِ خدائے انام تھا

ایک قطعۂ زمین تھا کہ اس کام کے لیے
واقع میں ہر لحاظ سے موزوں مقام تھا

وہ قطعۂ زمین تھا یتیموں کی مِلکِ خاص
ہر چند قبر گاہ و گزر گاہِ عام تھا

چاہا حضورؐ نے کہ بہ قیمت خرید لیں
ان کے مربّیوں سے کہا جو پیام تھا

ایتام نے حضورؐ میں آکر یہ عرض کی
یہ چیز ہی ہے کیا کہ جو یہ اہتمام تھا

یہ ہدیۂ حقیر پذیرا کریں حضورؐ
اللہ اس زمین کا یہ احترام تھا

لیکن حضورؐ نے نہ گوارا کیا اسے
منت کشی سے آپؐ کو پرہیز تام تھا

احسان اور وہ بھی یتیمانِ زار کا
بالکل خلافِ طبعِ رسولِ انامؐ تھا

بارہ ہزار سکّہ رائج عطا کیے
یہ تھا وہ خُلق جس سے مخالف بھی رام تھا

سامان جو ضرور ہیں تعمیر کے لیے
اب ان کی فکر مشغلۂ صبح و شام تھا

مزدور کی تلاش بھی تھی سنگ و گل کی بھی
از بسکہ جلد بننے کا خاص اہتمام تھا

انصارِ پاکؓ اور مہاجرؓ تھے جس قدر
مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا

اک روز نفسِ پاک بھی ان سب کا تھا شریک
جو آب و گل کے شغل میں بھی شاد کام تھا

کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت
سینہ غبارِ خاک سے سب گردفام تھا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریکِ حال — یہ خود وجودِ پاک رسولِ انامؐ تھا
صَلُّوْا عَلَى النَّبِيِّ وَاَصْحَابِهِ الْكِرَام — اس نظمِ مختصر کا یہ مسک الختام تھا

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا کاشانۂ اقدس تقریباً سات ماہ تک سرورِ کونینؐ کے انوارِ رسالت سے جگمگاتا رہا۔ اس میزبان کی خوش بختی اور سعادت کے کیا کہنے کہ ارض و سماء کی برگزیدہ اور مقدس ترین ہستیؐ نے جس کے گھر کو کئی مہینے تک رشکِ طُور بنائے رکھا۔

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست ...... تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اذان کا حکم:

مدینہ پہنچ کر جب مسلمان آزادی اور اطمینان سے نماز اور دوسرے فرائض ادا کرنے لگے تو رسولِ پاک ﷺ نے ضروری سمجھا کہ مسلمانوں کو نماز کے وقت بلانے کا کوئی انتظام ہونا چاہئے کیونکہ جو لوگ مسجد میں نماز پڑھنے آتے تھے، اُن میں کوئی پہلے آجاتا تھا اور کوئی بعد میں۔ اس لیے وقت کا صحیح اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے جماعت میں شریک ہونے سے رہ جاتے تھے۔ حُضور ﷺ نے اس بارے میں اپنے صحابہ سے مشورہ کیا تو بعض نے رائے دی کہ کسی بلند جگہ پر آگ جلا کر نماز کی خبر دی جائے، بعض نے عرض کیا کہ نماز کے وقت کے قریب مسجد پر جھنڈا بلند کر دیا جائے۔ بعض نے مشورہ دیا کہ عیسائیوں کی طرح نماز کے وقت ناقوس (سنکھ) بجایا جائے جس کی آواز پر سب لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں۔ ابھی اس معاملے میں کوئی آخری فیصلہ نہ ہوا تھا کہ دوسرے دن صبح سویرے مدینہ کے رہنے والے ایک صحابی حضرت عبد اللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہٗ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور یوں عرض پیرا ہوئے:

> ''یارسول اللہ! رات خواب میں میرے سامنے ایک شخص آیا جس کے ہاتھ میں ناقوس تھا، میں نے اس سے کہا، ''اے اللہ کے بندے! یہ ناقوس تم بیچتے ہو''؟ اس نے کہا، ''تم اس کو کیا کرو گے''؟ میں نے کہا ''ہم اس کو بجا کر لوگوں کو نماز کے لیے بلائیں گے۔'' اس نے کہا، ''کیا میں تم کو ایک چیز نہ بتا دوں جو اس مقصد کے لیے ناقوس بجانے سے بہتر ہے''؟ میں نے کہا، ''ہاں ضرور بتاؤ!''

اس نے کہا ''کہو:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ. اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ. حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ. حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ. حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ. حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ تمام کلمات بتا کر وہ شخص مجھ سے ذرا پیچھے ہٹ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا، پھر جب نماز قائم کرو تو اقامت اس طرح کہو:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُاَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَدْقَامَتِ الصَّلٰوةُ ، .اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ. لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ![1]

سرورِ عالم ﷺ نے یہ خواب سن کر فرمایا، ''یہ سچا خواب ہے اِنْ شَاءَ اللہ! تم بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کلمات کی تلقین کرو جو تم نے خواب میں دیکھے ہیں اور وہ اذان پکاریں کیونکہ ان کی آواز تم سے بلند ہے۔''

حضرت بلالؓ نے حضرت عبد اللہؓ بن زید[2] سے اذان کے الفاظ سیکھے اور پھر اذان دینے کے لیے کھڑے ہوگئے۔ جب وہ اذان دے چکے تو حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اپنے گھر سے چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! اُس پاک ذات کی قسم جس نے آپؐ کو اپنا نبی بنا کر

---

[1] یہ روایت سنن ابی داؤد اور مُسندِ دارمی سے لی گئی ہے۔ صحیحین میں بھی حضرت اَنسؓ سے مروی ایک حدیث میں کلماتِ اقامت کو ایک ہی دفعہ کہنے کا ذکر کیا گیا ہے لیکن مُسندِ احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابنِ ماجہ میں حضرت ابومحذورہؓ کی یہ روایت بھی ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اقامت کے سترہ کلمے سکھائے۔ شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ آخر میں لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ایک مرتبہ اور باقی چھ کلمے دو دو مرتبہ امام ابوحنیفہؒ، امام سفیان ثوریؒ، عبد اللہ بن مبارکؒ اور کوفہ کے دوسرے فقہاء کا اسی پر عمل ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جن حدیثوں میں کلماتِ اقامت ایک دفعہ کہنے کا ذکر ہے وہ اذان و اقامت کے ابتدائی دور سے متعلق ہیں سات سال بعد غزوۂ حُنین سے واپسی پر حضور ﷺ نے حضرت ابومحذورہؓ کو اقامت میں چھ کلموں کو دو دو بار کہنے کی تلقین فرمائی لہٰذا اس بعد کے حکم کو ترجیح حاصل ہے۔

[2] حضرت ابومحمد عبد اللہؓ بن زید انصاری کا تعلق خزرج کے خاندان حارث بن خزرج سے تھا وہ تاریخ میں ''صاحب الاذان'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ ۱۳ نبوت کی بیعت عقبۂ کبیرہ میں شریک تھے اس لیے انصار کے سابقین اوّلین میں شمار ہوتے ہیں، بَدر، اُحد، احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں رسولِ اکرم ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ حجۃ الوداع میں بھی حُضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ اس موقع پر انہیں یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنے موئے مبارک ترشوائے تو ان میں سے کچھ اُن کو عطا فرمائے۔ مہندی سے رنگے ہوئے ان مقدس بالوں کو انھوں نے تبرکاً عمر بھر اپنے پاس محفوظ رکھا۔ حضرت عبد اللہؓ بن زید نے ۳۲ ہجری میں (بعہدِ خلافت حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہٗ) وفات پائی۔ امیر المومنینؓ نے بہ نفسِ نفیس نماز جنازہ پڑھائی۔ (اِلاصابہ۔ اُسدُ الغابہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھیجا، میں نے خواب میں ایک شخص سے بالکل وہی الفاظ سنے ہیں جو بلال نے اذان دیتے وقت کہے ہیں۔"

یہ سن کر رسولِ اکرم ﷺ بہت خوش ہوئے اور اپنے دو انتہائی مخلص ساتھیوں کے اس اتفاق پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد نمازِ فجر کی اذان کے سوا باقی چاروں وقت کی نمازوں کے لیے یہی اذان اسلام کا شِعار قرار پائی۔ فجر کی نماز کے لیے اذان میں (وقت کی مناسبت سے) صرف ان الفاظ کا اضافہ ہوا۔

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ.

اُخوّت کی جہانگیری محبت کی فراوانی:

پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ ہجرتِ مدینہ سے پہلے رسولِ اکرم ﷺ نے مکّہ میں اپنے صحابہؓ کے درمیان عقدِ مُؤاخاۃ (بھائی چارا) قائم فرمایا تھا اور اپنے آپ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا بھائی قرار دیا تھا۔ (اس مکّی مُؤاخاۃ کا پس منظر اور اس کے مقاصد بھی بیان کر دیے گئے تھے) آنحضور ﷺ اور آپؐ کے صحابۂ کرام جب اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار اور مال جائداد چھوڑ کر مکّہ سے مدینہ پہنچے تو نامِ خدا کے سوا اُن کے پاس کچھ نہ تھا لیکن انصارِ مدینہ نے جس محبّت اور خلوص سے مہاجرین کی مہمانداری کی اس کے ذکرِ جمیل سے تاریخِ اسلام کے اوراق ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔ انصار فطرتاً بڑے سادہ، با مروّت اور شریف لوگ تھے لیکن سالہا سال کے باہمی نفاق اور عداوت نے ان کے خصائلِ شریفہ کو قریب قریب غارت کر دیا تھا۔ اسلام کا ظہور انصار کے لیے حقیقی معنوں میں رحمتِ کامل ثابت ہوا ورنہ کچھ مدّت اور یہی حالت رہتی تو اوس و خزرج اس طرح صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے کہ آج ان کا نام جاننے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔ اسلام نے سب سے پہلے انصار کے باہمی نفاق کو ختم کیا اور جو لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ان کو دین کے مستحکم رشتۂ اُخوّت میں منسلک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح انصار کو ہولناک تباہی سے بچا لیا۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ (آلِ عمران آیۃ ۱۰۳)

"تم اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ مت پیدا کرو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں (باہمی) اُلفت پیدا کر دی۔ سو تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ حالانکہ تم لوگ آگ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک گڑھے کے کنارے پر تھے۔ سو اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تم سے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے شاید تم راہ پاؤ۔"

حق تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کا انصارؓ نے کما حقہٗ شکر ادا کیا۔ انہوں نے اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کو راہِ حق میں وقف کر دیا اور اپنے ایثار خلوص اور فداکاریوں کے ایسے اَمٹ نقوش صفحاتِ تاریخ پر ثبت کر دیے کہ تاریخِ عالَم ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ہجرت کے بعد ابتدائی پانچ مہینوں میں انصارؓ کے گھر مہاجرین کے لیے مہمان خانۂ عام تھے۔ لیکن یہ ایک بے ترتیب سی زندگی تھی اس لیے رسولِ اکرم ﷺ نے مہاجرین کی پرورش اور کفالت کے لیے ایک سہل مگر مستقل اور منظم طریق کار کی ضرورت محسوس فرمائی۔ چنانچہ ہجرت کے پانچ ماہ بعد آپؐ نے حضرت انسؓ بن مالک [1] کے وسیع مکان میں انصار و مہاجرین کو جمع کیا۔ حاضرین کی تعداد ایک روایت کے مطابق سَو اور دوسری روایت کے مطابق نوّے (۹۰) تھی۔ ان میں نصف مہاجرین اور نصف انصار تھے۔ سرورِ عالمؐ نے مہاجرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "یہ تمہارے بھائی ہیں۔"

اس کے بعد آپؐ ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو بلاتے اور فرماتے۔ "آج سے تم دونوں بھائی بھائی ہو۔" (ایک دوسری روایت کے مطابق حضور ﷺ بیک وقت چار آدمیوں کو بلاتے ان میں سے دو مہاجر ہوتے اور دو انصار) جن بزرگوں میں رشتۂ مُؤاخاۃ قائم

[1] خادمِ رسول اللہ ابو حمزہ انسؓ بن مالک بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ جس عظیم خاندان سے تعلق رکھتے تھے حضرت انسؓ بھی اسی خاندان یعنی بنو نجار کے ایک فرزندِ جلیل تھے۔ ہجرتِ نبوی سے دس سال قبل مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آٹھ یا نو سال کی عمر میں دینِ حق قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مجلسِ مؤاخاۃ انہی کے مکان میں منعقد ہوئی۔ اس وقت حضرت انسؓ کی عمر صرف دس برس کی تھی۔ ان کے سوتیلے باپ حضرت ابو طلحہؓ اور والدہ اُمِّ سُلیمؓ نے حضرت انسؓ کو سرورِ کائنات کی غلامی میں دے دیا تھا۔ چنانچہ حضرت انسؓ کو دس برس تک خلوت و جلوت میں سرورِ عالمؐ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ خدمت ایسی والہانہ تھی کہ لوگ انہیں خاندانِ نبوت کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ حضرت انسؓ تمام اہم غزواتِ نبوی میں شریک ہوئے۔ صدیقِ اکبرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں بحرین کا عامل مقرر کیا۔ فاروقِ اعظمؓ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں نو دوسرے اصحاب کے ساتھ فقہ کی تعلیم کے لیے بصرہ روانہ کیا۔ حضرت انسؓ نے بصرہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور اسی شہر میں ۹۳ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا اس وقت ان کی عمر ۱۰۳ برس کے قریب تھی۔ حضرت انسؓ کو اللہ تعالیٰ نے کثیر مال اور اولاد سے نوازا تھا۔ وفات کے وقت ان کے ۱۰۰ سے زائد بیٹے، بیٹیاں اور پوتے، پوتیاں موجود تھے۔ نہایت خوبصورت، خوش لباس اور خوش خوراک تھے۔ بیحد شجاع، نڈر، حق گو اور بے باک ہونے کے ساتھ منکسر المزاج بھی تھے۔ علمِ حدیث اور فقہ میں کمال حاصل تھا۔ ان سے ۱۲۸۶ احادیث مروی ہیں۔ وفات کے وقت ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی ان میں سے خواجہ حسن بصریؒ، قتادہؒ، محمد بن سیرینؒ، ربیعۃ الرائےؒ اور سعید بن جبیرؒ آسمانِ شہرت پر آفتاب بن کر چمکے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا ان میں سے کچھ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مہاجرینؓ	انصارؓ
حضرت ابوبکر صدیقؓ	حضرت خارجہؓ بن زید (عقبی بدری)
حضرت عُمرِ فاروقؓ	حضرت عتبانؓ بن مالک (بدری)
حضرت عثمان ذوالنورینؓ	حضرت اوسؓ بن ثابت (بدری)
حضرت جعفرؓ بن ابی طالب	حضرت معاذؓ بن جبَل (عقبی بدری)
حضرت زیدؓ بن خطاب	حضرت معنؓ بن عدی
حضرت سلمان فارسیؓ	حکیم الْاُمّت حضرت ابوالدّرداء عویمرؓ بن ثعلبہؓ
حضرت بلال حبشیؓ	حضرت ابورویحہ عبداللہؓ بن عبدالرحمٰن خثعمیؓ
حضرت صہیبؓ بن سنان	حضرت حارِثؓ بن صمہ
حضرت ابوذر غفاریؓ	حضرت مُنذِرؓ بن عمرو
حضرت مسعودؓ بن ربیعہ	حضرت عبیدؓ بن تیہان
حضرت زبیرؓ بن العوام	حضرت سلمہؓ بن سلامہ (بن وقش (عقبی)
حضرت واقدؓ بن عبداللہ	حضرت بشرؓ بن براءؓ
حضرت سعیدؓ بن زید	حضرت اُبیؓ بن کعب (عقبی بدری)
حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف	حضرت سعدؓ بن ربیع (عقبی بدری)
حضرت عمارؓ بن یاسرؓ	حضرت حذیفہؓ بن الیمانؓ
حضرت صفوانؓ بن وہب	حضرت رافعؓ بن مالک (عقبی)
حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ	حضرت کعبؓ بن مالک (عقبی)
حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ	حضرت عبادؓ بن بشر بن وقش
حضرت معمرؓ بن حارث	حضرت معاذؓ بن عفراءؓ
حضرت حاطِبؓ بن ابی بلتعہ	حضرت عویمؓ بن ساعدہ
حضرت مُصعَبؓ بن عُمیرؓ	حضرت ابوایوب انصاریؓ (عقبی بدری)
حضرت ابوعبیدہؓ بن الْجَرّاح	حضرت سعدؓ بن معاذ (بدری)[1]

[1] یہ ابنِ اسحاقؒ اور ابنِ ہشامؒ کی روایت ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ کا رشتۂ مواخاۃ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ سے قائم ہوا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابنِ سعد، حافظ ابنِ حجرؒ اور حافظ ابنِ کثیرؒ کا بیان ہے کہ مدنی مؤاخاۃ میں حضرت سہل بن حُنَیف انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا مواخاتی بھائی بنایا گیا۔ ۱ لیکن ابنِ اسحاقؒ، امام ترمذیؒ اور بعض دوسرے سیرت نگاروں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کی مؤاخاۃ خود اپنی ذات سے قائم کی ۲۔

ہمارے خیال میں اس موقع پر حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کی مؤاخاۃ اگر حضرت سہلؓ بن حُنَیف سے بھی کی تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ مکّی مُؤاخاۃ میں آپؐ حضرت علیؓ کو اپنا مُؤاخاتی بھائی قرار دے چکے تھے اور ان کا آپؐ سے نہایت قریبی تعلّق کسی رسمی کارروائی کا محتاج نہیں تھا وہ حقیقتاً آپؐ کے جاں نثار، چچا زاد بھائی اور اسلام کے جانباز سپاہی تھے۔ اگلے سال وہ حضور ﷺ کے خویش بھی بن گئے (سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ سے ان کی شادی ہوگئی) اور غزوۂ تبوک (۹ھ) کے موقع پر حضور ﷺ نے ان سے اپنی نسبت کو حضرت ہارون علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے نسبت کے مماثل قرار دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدنی مُؤاخاۃ نے مکّی مُؤاخاۃ کو منسوخ نہیں کیا۔ وہ اپنی جگہ قائم رہی اور مدینہ میں انصار کو مہاجرین کے اضافی بھائی بنا دیا گیا۔ مکّی مُؤاخاۃ کا منشاء اور مقصد کچھ اور تھا اور مدنی مُؤاخاۃ کی حکمت اور غرض و غایت کچھ اور تھی۔ وہ حکمت اور مصلحت یہ تھی کہ مہاجرین کے دل سے غریب الوطنی کا احساس جاتا رہے دوسرے یہ کہ مہاجرین جو ابتلاء و مصائب کی بھٹی میں پڑ کر کندن بن چکے ہیں اور جن کی تربیت و اصلاح ہادیٔ اکبر ﷺ نے خود فرمائی تھی، اپنے نو مسلم انصار بھائیوں کی تربیت کر سکیں تاکہ وہ بھی ہادیٔ اکرم ﷺ کے مزاج شناس بن جائیں چنانچہ رشتۂ مُؤاخاۃ قائم کرتے وقت حضور ﷺ نے دونوں بھائیوں کے مزاج اور رُجحانِ طبع کا خاص خیال رکھا۔ یہ شانِ نُبوّت ہی کا کمال تھا کہ حُضور ﷺ نے نہایت قلیل عرصہ میں مہاجرین اور انصار کی کثیر تعداد کی ذہنی استعداد اور رُجحانِ طبع کا کامل اندازہ کر لیا تھا۔

انصار کا فقید المثال ایثار و اخلاص:

مُؤاخاۃ سے پہلے بھی انصار نے مہاجرین کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کر رکھے تھے لیکن مُؤاخاۃ کے بعد تو انہوں نے اپنے مواخاتی بھائیوں سے حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ کر سلوک کیا۔ انصار کے بے مثل ایثار اور اخلاص کو دیکھ کر ہفت افلاک کی عظمتیں ان پر نثار ہو ہو گئیں اور کائناتِ ارضی و سماوی کے ذرّے ذرّے نے ان پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے۔

---

۱ الطبقات الکبریٰ جلد ۳ ص ۲۳، الاصابہ جلد ۳ ص ۱۳۹، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۴۱۔۲۴۷۔

۲ سنن ترمذی، ازالۃ الخفاء ص ۲۵۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقدِ مواخاۃ کے بعد انصار اپنے مواخاتی بھائیوں کو اپنے گھروں میں لے گئے اور تمام مال ومتاع اور جائداد غرض گھر کی ایک ایک چیز شمار کرکے آدھی آدھی ان کو دے دی۔ اس ملکوتی جذبہ کی انتہا یہ تھی کہ حضرت سعدؓ بن ربیع مال و جائداد کی تقسیم سے فارغ ہو چکے تو اپنے مہاجر بھائی حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف سے کہا۔ ''بھائی میری دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک کو آپ پسند کرلیں میں اسے طلاق دے دوں گا۔ آپ اس سے نکاح کر لیجیے۔'' حضرت عبد الرحمٰنؓ نے صدقِ دل سے حضرت سعدؓ بن ربیع کا شکریہ ادا کیا اور ان کے احسان کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ ''بھائی خدا آپ کے مال و دولت اور اہل وعیال میں برکت دے مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ کاروبارِ تجارت کے لیے مجھے بازار تک پہنچا دو۔''

حضرت سعدؓ بن ربیع نے نہایت خوشدلی سے کاروبارِ تجارت میں حضرت عبد الرحمٰنؓ کی رہنمائی اور مدد کی۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ بھی اپنی ہمت اور دیانت کی بدولت حضرت سعدؓ بن ربیع کی طرح امیر الامراء بن گئے۔

انصار نے اپنے نصف نخلستان اور زمینیں اپنے مہاجر بھائیوں کو پیش کیں تو انہوں نے فنِ باغبانی وزراعت سے ناآشنا ہونے کے باعث ان کے لینے میں عذر کیا۔ انصار کا جوشِ ایثار ملاحظہ ہو انہوں نے کہا کہ یہ نخلستان اور زمینیں ہم آپ کو ضرور دیں گے۔ ان میں کھیتی باڑی ہم خود کرلیں گے اور پیداوار کا نصف حصہ آپ کو دے دیا کریں گے۔ مہاجرین نے احسان مندی کے ساتھ اپنے انصار بھائیوں کی اس پیشکش کو قبول کرلیا۔ جنگِ خیبر تک مہاجرین ان نخلستانوں سے متمتع ہوتے رہے۔ فتح خیبر کے بعد یہ نخلستان انہوں نے شکریہ کے ساتھ انصار کو واپس کر دیے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ مؤاخاتی رشتہ سگے بھائیوں جیسا رشتہ بن گیا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی انصار سفرِ آخرت اختیار کرتا تو اس کا مہاجر بھائی اس کے ترکہ کا وارث ہوتا اور مرحوم کے قریبی رشتہ دار محروم رہتے تھے۔ جنگِ بدر کے بعد مہاجرین کی مالی حالت درست ہوگئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ. (الفال)

''قرابت والے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔''

چنانچہ اس فرمانِ الٰہی کی تعمیل میں انصار ومہاجرین کا باہمی توارث منسوخ کر دیا گیا اور صرف خویش واقارب ہی میں میراث کا قاعدہ جاری ہوگیا۔ انصار نے اپنا ایثار واخلاص اپنے مواخاتی بھائیوں تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ ہر ضرورت کے موقع پر انہوں نے راہِ حق میں اپنی استطاعت سے بڑھ کر قربانیاں پیش کیں۔ حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے کئی مکانات آنحضور ﷺ کی نذر کر دیے محض اس لیے کہ ان سے اللہ راضی ہو۔ اسی طرح اصحابِ صُفّہ کی کفالت انصار نے اپنے ذِمّہ لے رکھی تھی۔ جہاد فی سبیل اللہ کا موقع آتا تو اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اسلام کے لیے سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ عہدِ رسالت کے غزوات وسرایا پر نظر ڈالیں تو ہر جگہ جانی قربانیاں دینے میں پیش پیش دکھائی دیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ انصار کے جذبۂ ایثار اور جوشِ جہاد کے واقعات قیامت تک شمس وقمر کی طرح روشن رہیں گے اور قلوبِ مردہ میں حرارت پیدا کرتے رہیں گے۔ خود اللہ جلّ شانہٗ نے قرآنِ حکیم میں ان زندۂ جاوید ہستیوں کے بارے میں فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (الانفال : ۷۴)

”اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔ اُن کے لیے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔“

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کی پہلی درسگاہ اور اصحابِؓ صُفّہ

مسجدِ نبویؐ کی تعمیر مکمل ہوگئی تو رسولِ اکرم ﷺ نے فیصلہ کیا کہ اپنے صحابہ کی تعلیم کے لیے کوئی باقاعدہ اور مستقل انتظام کیا جائے۔ اس کام کے لیے آپؐ کے نزدیک سب سے موزوں جگہ مسجدِ نبوی تھی چنانچہ آپؐ نے مسجدِ نبویؐ میں اسلام کی پہلی درسگاہ (جامعہ) قائم فرمائی۔ اس میں تعلیم پانے والے دو طرح کے اصحاب تھے ایک تو وہ مہاجرین اور انصار جو گھربار والے تھے اور کھیتی باڑی، تجارت اور کئی دوسرے مختلف النوع کام کرتے تھے یہ اصحاب اپنے فرصت کے وقت میں قرآنِ مجید اور حدیث وسُنّت کی تعلیم حاصل کرتے تھے دوسرے وہ اصحاب تھے جن کا نہ گھربار تھا اور نہ کوئی ذریعۂ معاش۔ اگر گھربار تھا بھی تو انہوں نے اس کو چھوڑ کر اپنے آپ کو قرآن و سُنّت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان میں زیادہ تر اصحاب غریب الوطن ہوتے تھے۔ وہ محض رضائے الٰہی کی خاطر اپنا وطن اور گھربار چھوڑ کر طویل سفر کے بعد مدینہ منوّرہ پہنچتے تھے اور فقرو فاقہ کی زندگی اختیار کر کے حُصُولِ علم میں مشغول ہو جاتے تھے۔ جب ان غریب الدّیار درویشانِ اسلام کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا تو آنحضور ﷺ نے ان کے مستقل قیام کے لیے مسجدِ نبویؐ سے جانبِ شرق ایک چبوترے پر مسقّف دالان بنوا دیا۔ عربی زبان میں سائبان یا مُسقّف دالان کو صُفّہ کہتے ہیں اس لیے یہ مردانِ حق آگاہ بھی اصحابِ صُفّہ کہلانے لگے۔ پہلے تو یہ اصحاب دن بھر مسجدِ نبوی میں تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے اور رات کو قریبی کھلے چبوترے پر سو رہتے تھے اب اُن کو ایک چھت بھی میسّر آ گئی اور ان میں مکّہ کے نادار مہاجر اور مدینہ منوّرہ کے مسکین صحابہ بھی شامل ہوگئے۔ اصحابِ صُفّہ کو اضیافُ الاسلام (اسلام کے مہمان) یا اضیاف اللہ (اللہ کے مہمان) یا قُرّاء (قرآن پڑھنے والے) بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی تعداد مقرّر نہ تھی اور اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ایک وقت میں اُن کی کم ازکم تعداد سترّ تھی جو بعض اوقات بڑھ کر چارسو ۴۰۰ تک پہنچ جاتی تھی (ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگرچہ اصحابِ صُفہ کی تعداد شمار میں چارسو تک جا پہنچتی ہے لیکن ایک وقت میں یہ اصحاب کبھی اتنی تعداد میں جمع نہیں ہوئے۔ واللہ اعلم) جس نووارد مسلمان کا مدینہ منوّرہ میں کوئی شناسا نہ ہوتا وہ اہلِ صُفّہ ہی کے پاس آ کر قیام کرتا تھا۔

ان بزرگوں میں سے جو صاحب شادی کر لیتے اور اہل وعیال کے فرائض وحقوق پورا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے پابند ہو جاتے یا کسبِ معاش کے لیے کسی خاص پیشے یا کاروبار سے منسلک ہو جاتے، وہ خود بخود ہی اصحابِ صُفّہ کے حلقے سے نکل جاتے تھے۔ اصحابِ صُفّہ نے اپنے آپ کو ہمہ تن دین کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ تحصیلِ علم، عبادت اور ذکرِ الٰہی تو ان کا ہمہ وقتی معمول تھا اس کے علاوہ بھی وہ ہر خدمت کے لیے حاضر تھے۔ حُضور ﷺ جس مہم پر چاہتے انہیں بھیج دیتے تھے۔ حالتِ امن میں وہ اللہ کے مسکین ترین بندے تھے مگر میدانِ جہاد میں شیرانِ غابہ سے بڑھ کر تھے۔ جب مدینہ مُنوّرہ سے باہر کا کوئی کام نہ ہوتا تو وہ مسجدِ نبوی میں خود بھی دین کی تعلیم حاصل کرتے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیتے رہتے تھے چونکہ وہ دین کے ہمہ وقتی کارکن تھے اور ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کے لیے اپنے ذاتی وسائل نہ رکھتے تھے اس لیے رسولِ اکرم ﷺ ہی نے ان کی کفالت کا بار اٹھا رکھا تھا۔ شروع شروع میں حُضور ﷺ کی طرف سے اصحابِ صُفّہ میں سے ہر ایک کو کتّان کا کپڑا پہننے کو اور روزانہ نصف مُد کھجوریں کھانے کے لیے ملا کرتی تھیں (نصف مُد مٹھی بھر کھجوریں ہوتی تھیں ان کا وزن تقریباً ساڑھے چار چھٹانک یا ۲۷۷ گرام گیہوں کے برابر ہوتا تھا) بعض اوقات اصحابِ صفہ پر کئی کئی وقت کے فاقے گزر جاتے تھے لیکن اُن کے فقر واستغنا کی یہ کیفیت تھی کہ کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتے تھے اور نہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے تھے۔ کئی دفعہ بعض نحیف الجثہ اصحاب بھوک اور ضعف کے سبب عین حالتِ نماز میں گر پڑتے تھے اور بے ہوش ہو جاتے تھے حُضور ﷺ نماز سے فارغ ہو کر انہیں اٹھاتے اور ان سے فرماتے کہ اے مومنو! اگر تمہیں معلوم ہو جاتا کہ بارگاہِ الٰہی میں تمہارا کیا درجہ ہے تو تم ضرور یہ تمنّا کرتے کہ تمہارا یہ فقر و فاقہ اور بڑھ جاتا۔ آنحضور ﷺ ان کو یہ بھی بتایا کرتے کہ مکّہ میں مشرکین نے اہلِ ایمان پر کیسی کیسی سختیاں کیں ایک دن اسی سِلسِلہ میں فرمایا کہ ایک دفعہ مجھ پر اور میرے رفیق بلال پر قریباً دو ہفتے ایسے گزرے جن میں ہمارے پاس پیلو کے سوا کوئی چیز کھانے کو نہ تھی (مُسندِ احمد) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصحابِ صُفّہ کا جو مقام تھا اس کا اندازہ اُس ارشادِ الٰہی سے کیا جاسکتا ہے جس میں اصحابِ صُفّہ کو مسلمانوں کی مدد کا خاص طور پر مستحق قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○

(آیۃ: ۲۷۳)

یعنی ”خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنے ذاتی کسبِ معاش کے لیے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ ان کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خودداری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوش حال ہیں۔ تم ان کے چہروں سے
ان کی اندرونی حالت پہچان سکتے ہو مگر وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر
کچھ مانگیں اُن کی اعانت میں جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گا۔''

رسولِ اکرم ﷺ اور آپؐ کے ذی حیثیت صحابۂ کرامؓ ان درویشانِ راہِ حق کو بے حد محبوب رکھتے تھے اور حضور ﷺ تو ہر معاملے میں سب سے بڑھ کر انکا خیال رکھتے تھے۔ جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو آپؐ یہ تمام کھانا اصحابِ صُفّہ کو بھیج دیتے تھے۔ کبھی انہیں مہاجرین اور انصار پر تقسیم کر دیتے کہ وہ اُن کے کھانے کا اہتمام کریں۔ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق ایک ایک دو دو تین تین چار چار کو اپنے ساتھ لے جاتا اور کھانا کھِلاتا۔ رئیسِ خزرج حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اکثر شام کو اسّی (۸۰) اصحابِ صُفّہ کو اپنے ساتھ لے جاتے اور انہیں کھانا کھلاتے اسی طرح اور صحابہ بھی (بالخصوص انصار) اصحابِ صُفّہ کی دل کھول کر مدد کیا کرتے تھے۔ انصار اپنے باغوں سے کھجور کے خوشے توڑ لاتے اور مسجدِ نبویؐ میں لٹکا دیتے تا کہ اصحابِ صُفّہ کھجوروں سے اپنی شکم پُری کر سکیں۔ (جامع ترمذی ابواب تفسیر القرآن)

اصحابِ صُفّہ کی زندگی اگرچہ درویشانہ تھی لیکن اس کو رہبانیت نہیں کہا جا سکتا۔ انہیں تعلیم، عبادت اور دوسرے دینی کاموں سے کبھی فرصت ملتی تو وہ کسبِ حلال کے لیے محنت مشقت بھی کر لیتے تھے مثلاً لوگوں کا پانی بھرتے یا جنگل سے لکڑیاں چُن کر لے آتے اور انہیں بیچ کر جو پیسے ملتے ان کو اپنی ضروریات پر صَرف کرتے۔ اس طرح ان کی کفالت کرنے والوں کا بوجھ قدرے ہلکا ہو جاتا۔ تحصیلِ علم کے ساتھ مدینہ کے قیام اور سفر کے دوران میں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت واطاعت بھی اصحابِ صُفّہ کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان میں سے جن کو سفر میں حضور ﷺ کی ہم رکابی کا موقع ملتا وہ اسے اپنی خوش بختی اور سعادت سمجھتے تھے۔ جہاد کے موقع پر یہ مسکین طبع اصحاب شمشیر بکف ہو کر راہِ حق میں اپنی جانوں کی بازی لگا دیتے تھے ۴ ھ ہجری میں سانحۂ بئر معونہ میں جو صحابہ شہید ہوئے ان میں سے بیشتر اصحابِ صُفّہ تھے (اس سانحہ کی تفصیل ۴ ھ ہجری کے واقعات میں دی گئی ہے) ایک دفعہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں کسی شخص نے ایک پیالہ ہدیۃً بھیجا یہ پیالہ ایک بڑی دیگ کے برابر تھا اور چار آدمی مل کر اس کو اٹھاتے تھے۔ آپؐ نے یہ پیالہ اصحابِ صُفّہ کو کھانا پیش کرنے کے لیے وقف کر دیا۔ جب دوپہر ہوتی تو اس پیالے میں کھانا آتا اور نبی ﷺ اصحابِ صُفّہ کو ساتھ لے کر اس کے گرد بیٹھ جاتے اور اس میں سے کھانا تناول فرماتے۔ بعض اوقات کھانے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی کہ آپ کو اکڑوں بیٹھنا پڑتا تا کہ زیادہ لوگوں کے لیے جگہ نکل آئے۔ (سُنَنِ ابی داؤد)

اگر کبھی کوئی صحابی رسولِ اکرم ﷺ کو کھانے کی دعوت دیتا تو آپ اصحابِ صُفّہ کو اپنے ساتھ لے جاتے اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ اللہ تعالیٰ تھوڑے کھانے میں بھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برکت دیتا تھا۔

ایک دفعہ آپؐ کے ارشاد کے مطابق بہت سے ذی استطاعت صحابہؓ دو دو تین تین اصحابِ صُفّہ کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے ساتھ لے گئے۔ خود حضور ﷺ دس آدمیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ (صحیح مسلم۔ حلیۃ الاولیاء)

آنحضور ﷺ کو اصحابِ صُفّہ کا کس قدر خیال تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی لختِ جگر سیّدہ فاطمۃُ الزَّہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ مجھے ایک کنیز مرحمت فرمائی جائے کیونکہ چکّی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں اور شدید محنت و مشقت نے مجھے سخت تھکا دیا ہے۔

حضور ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی کی درخواست کے جواب میں فرمایا، بیٹی! مجھے سب سے پہلے اصحابِ صُفّہ کی خورونوش کا انتظام کرنا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اصحابِ صُفّہ تو بھوکے رہیں اور میں اپنی بیٹی کے آرام کے لیے اسے کنیز دوں۔ بیٹی صبر و شکر کے ساتھ اپنا وقت گزارو۔ [1]

ہم یہاں پچاس مشہور اصحابِ صُفّہ کے اسماءِ گرامی درج کرتے ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام سلمی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۲۔ حضرت مسعود بن ربیع قاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۳۔ حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۴۔ حضرت فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

---

[1] علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس واقعہ کو یوں نظم کیا ہے:

افلاس سے تھا سیّدۂ پاک کا یہ حال ۔۔۔ گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھِس گھِس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں ۔۔۔ چکّی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار ۔۔۔ گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اَٹ جاتا تھا لباسِ مبارک غبار سے ۔۔۔ جھاڑو کا مشغلہ بھی بہر صُبح و شام تھا
آخر گئیں جناب رسولؐ خدا کے پاس ۔۔۔ یہ بھی کچھ اتفاق وہاں اِذنِ عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض ۔۔۔ واپس گئیں کہ پاسِ حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے ۔۔۔ کل کس لیے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں ۔۔۔ حیدرؓ نے اُن کے مُنہ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبانِ بے وطن ۔۔۔ جن کا کہ صُفّۂ نبویؐ میں قیام تھا
میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز ۔۔۔ ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں ۔۔۔ میں اس کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مُقدّم تھا ان کا حق ۔۔۔ جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا
خاموش ہو کے سیّدۂ پاک رہ گئیں ۔۔۔ جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ حضرت ابونجیح عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۔ حضرت صفوان بن بیضاء فہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷۔ حضرت سائب بن خلاد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸۔ حضرت طلحہ بن عمرو نضری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۹۔ حضرت ابوہریرہ دَوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۰۔ حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۱۔ حضرت ابنِ اُمِ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۲۔ حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۔ حضرت مِسطح بن اُثاثہ مُطّلِبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۴۔ حضرت واثلہ بن اسقع کنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۔ حضرت وابصہ بن معبد اَسَدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۶۔ حضرت عُکاشہ بن مِحصَن اَسَدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۷۔ حضرت عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۸۔ حضرت عُویم بن ساعدہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۹۔ حضرت ثابت بن ضحاک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۰۔ حضرت خُبَیب بن اساف انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۱۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲۔ حضرت حبیب بن زید بن عاصم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۳۔ حضرت ابوثعلبہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۴۔ حضرت سعد بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۵۔ حضرت سالم بن عبید اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۶۔ حضرت حَکَم بن عمرو ثمالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۷۔ حضرت ابوبرزہ نضلہ بن عبید اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۸۔ حضرت ابوبشر بشیر بن معبد اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۹۔ حضرت ابوریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۳۰۔ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۳۱۔ حضرت ابوکبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۳۲۔ حضرت شقران رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۳۳۔ حضرت مویہبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۳۴۔ حضرت ابوعبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۵۔ حضرت یسار راعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۳۶۔ حضرت خالد بن زید بن حارثہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۷۔ حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۸۔ حضرت جعال (جُعیل) بن سراقہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۹۔ حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۰۔ حضرت حرملہ بن ایاس عنبری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۱۔ حضرت قرۃ بن ایاس مُزَنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۲۔ حضرت عبداللہ بن بدر جُہَنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۳۔ حضرت حُذیفہ بن اُسَید غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۴۔ حضرت دکین بن سعید خثعمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۵۔ حضرت شداد بن اسید اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۶۔ حضرت ابوسعید ثابت بن ودیعہ دَوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۷۔ حضرت ہلال مولیٰ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۸۔ حضرت عمرو بن ثعلبہ بن وہب ابوحکیمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۹۔ حضرت عبداللہ بن اسود سدوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۰۔ حضرت عبداللہ بن خالد غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اصحابِ صُفّہ میں سے ایک بزرگ حضرت طلحہ بن عَمر ونضری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی باہر سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں (مدینہ مُنوَّرہ) آتا، اگر اس کا مدینہ مُنوَّرہ میں کوئی جاننے والا ہوتا تو وہ اس کے پاس ٹھہرتا۔ اگر کوئی اس کا جاننے والا نہ ہوتا تو وہ صُفّہ میں قیام کرتا۔ میں جب مدینہ منورہ آیا تو میرا کوئی جاننے والا نہ تھا اس لیے میں اہلِ صُفّہ کے پاس ٹھہرا۔ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہر روز ایک مُد کھجوریں آتی تھیں جو دو آدمیوں کے لیے ہوتی تھیں۔ ایک روز نماز کے بعد ہم میں سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، یا رسولَ اللہ! کھجوریں کھاتے کھاتے ہمارے پیٹ جَل گئے اور ہماری چادریں پھٹ گئیں...... رسولُ اللہ ﷺ اُن کی باتیں سُنتے رہے۔ جب انہوں نے اپنی گفتگو ختم کی تو آپ ممبر پر تشریف لائے۔ اللہ کی حمد وثنا کے بعد آپؐ نے اُن تکلیفوں کا ذِکر کیا جو آپؐ کو (اور آپؐ کے رفقاء کو) آپؐ کی قوم کی طرف سے پہنچی تھیں۔ پھر فرمایا کہ مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر دس راتیں ایسی گزریں کہ ہمارے پاس سوائے پیلو کے درخت کے پھل کے سوا کچھ نہیں تھا۔ پس ہم نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور اپنے ان انصار بھائیوں کے پاس آئے جن کا بہترین کھانا کھجور ہے۔ انہوں نے ہماری مدد کھجور سے کی (اور کھجور ہی سے ہم تمہاری مدد کرتے ہیں)۔ خدا کی قسم اگر مجھے روٹی اور گوشت میسّر ہوتا تو تم کو ضرور کھلاتا لیکن سرِ دست یہ میسّر نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے تاہم وہ زمانہ جلد آنے والا ہے جب تم کعبے کے پردے جیسے (عمدہ) کپڑے پہنو گے اور صبح و شام طشت میں کھاؤ گے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۸۴)

"مُسندِ احمد" اور "مُستدرَکِ حاکم" کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اصحابِ صُفّہ کو بتایا کہ وہ زمانہ جلد آنے والا ہے جب تم لوگ آسودگی اور مرفہ الحالی کی زندگی بسر کرو گے تو انہوں نے عرض کیا:

"یارسولَ اللہ! ہمارے لیے موجودہ زمانہ اچھا ہے یا آسودگی اور مرفّہ الحالی کا دَور اچھا ہوگا۔"

آپؐ نے فرمایا: "موجودہ زمانہ ہی خیر و برکت کا عہد ہے جس میں تم باہم اُنس و محبت سے رہتے ہو۔"

اصحابِ صُفّہ کے لباس کی یہ کیفیت تھی کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے پاس تہبند اور چادر دونوں چیزیں ہوں۔ ایک چادر یا گلیم کے سوا ان کے پاس کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا۔ وہ اس چادر کو اپنے گلے میں اس طرح باندھ لیتے تھے کہ بعض کے نصف ساق تک لٹک آتی تھی اور بعض کے ٹخنوں تک پہنچ جاتی تھی جب نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کرتے تو اس چادر کو سمیٹ لیتے تاکہ ستر کی جگہ نہ کھلے۔

رسولِ اکرم ﷺ اصحابِ صُفّہ کو خود بھی نہایت مَحبّت اور شفقت سے تعلیم دیتے تھے اور دوسرے مُعلّموں سے بھی دلاتے تھے ان مُعلّمین میں حضرت عبادہؓ بن صامت انصاری اُور حضرت اُبیؓ بن کعب انصاری کے اسماءِ گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جن بزرگوں کو بعض دوسرے کاموں کی وجہ سے دِن کے وقت تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ ملتا تھا وہ رات کو ایک استاد کے پاس جاتے تھے اور صبح تک پڑھتے تھے (مُسنَدِ احمد جلد ۳ ص ۱۳۷) اصحابِ صُفّہ جس انہماک اور ذوق و شوق سے تعلیم حاصل کرتے تھے اس کی بدولت ان کو علومِ قرآن، حدیثِ نبوی اور قراءت میں امتیازی درجہ حاصل ہوگیا تھا۔ حفظِ قرآن سے بھی انہیں خاص شغف تھا اور وہ قُرّاء کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے۔

صُفّہ کے ایک معلّم حضرت عبادہ بن صامت انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صُفّہ کے بعض طالب علموں کو قرآنِ حکیم کی تعلیم دی اور لکھنا بھی سکھایا۔ ان میں سے ایک طالبِ علم نے مجھے ایک کمان ہدیۃً بھیجی (ابوداؤد کتاب البیوع) مُسنَدِ احمد بن حنبل میں یہ روایت اور انداز سے بیان کی گئی ہے وہ یہ کہ اصحابِ صُفّہ میں سے ایک صاحب تحصیلِ علم کے لیے حضرت عبادہؓ بن صامت کے گھر میں رہتے تھے اور شام کا کھانا بھی ان کے ساتھ کھاتے تھے۔ جب انہوں نے اپنے مکان پر جانے کا قصد کیا (یعنی حضرت عبادہؓ بن صامت سے رخصت ہوتے وقت) ایک عمدہ کمان استاد کی نذر کی۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کا ذکر کیا تو آپؐ نے ان کو یہ کمان قبول کرنے سے منع فرمایا۔ (مُسنَدِ احمد جلد ۵ ص ۳۲۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں غریب مہاجرین (اصحابِ صُفّہ) کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا تھا اور وہ سب پورے کپڑے نہ ہونے کی وجہ سے مِل کر بیٹھے ہوئے تھے (تاکہ بدن کے اُن حِصوں کو چھپا سکیں جن کا چھپانا ضروری ہے) اور ایک صاحب ہم کو قرآن مجید پڑھ کر سنا رہے تھے کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لائے۔ جو صاحب قرآن مجید پڑھ کر سنا رہے تھے وہ آپؐ کو تشریف لاتے دیکھ کر خاموش ہوگئے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو ادب سے سلام کیا۔ آپؐ نے پوچھا، تم کیا کر رہے ہو؟

سب نے عرض کیا، ہم قرآن مجید سُن رہے تھے۔

حضور ﷺ نے فرمایا، سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے میری اُمّت میں ایسے لوگ پیدا کیے جن کے ساتھ مجھے صبر کرنے کا حُکم دیا گیا۔

پھر آپؐ ہمارے درمیان بیٹھ گئے تاکہ آپس میں چھوٹائی اور بڑائی کا فرق نہ رہے، ساتھ ہی آپؐ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور سب لوگوں نے اس طرح حلقہ بنالیا کہ ہر ایک کو آپؐ کا چہرۂ مبارک نظر آنے لگا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اے غریب مہاجرین! تم کو قیامت کے دن ایک مکمل نور کی بشارت ہو اس لیے کہ تم مال داروں سے پانچ سَو برس پہلے جنّت میں داخل ہوگے۔"

(مشکوٰۃ المصابیح باب فضائل القرآن بحوالہ ابوداؤد)

مُحسنِ انسانیت رحمتِ دارین ﷺ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہی بزرگ (اصحابِ صُفّہ) جن کا لباس پھٹے پرانے چیتھڑے ہوتا تھا اور جنھیں روٹی کے چند ٹکڑے بھی مشکل سے میسّر ہوتے تھے نہ صرف خود بلکہ اُن سے تعلیم پانے والے بھی اسلام کے سرفروش پُشتی بان بنے اور اپنے حُسنِ کردار سے ایک دنیا کو مسخّر کرلیا۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ چند سال کے مختصر عرصے میں ایک وحشی اور غیر مہذّب قوم کا دنیا کے بہترین انسان بن جانا ایک ایسا تحیّر خیز واقعہ ہے کہ تاریخِ عالَم میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ سب کچھ خیرالانام ﷺ کے فیضِ صحبت کا مرہون مِنّت تھا۔ لاریب یہ اصحابِ صُفّہؓ اور دوسرے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بلاکشی، عزیمت و استقامت اور عظمتِ کردار جیسی خوبیاں ہی تھیں جنھوں نے نخلِ اسلام کی اس طرح آبیاری کی کہ وہ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک تناور درخت بن گیا جس کی شاخیں رُبعِ مسکون تک پھیل گئیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت
کا
دوسرا سال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِذنِ جہاد

مکّہ معظمہ میں اہلِ ایمان نے مشرکین کے مظالم کے جواب میں ہمیشہ ضبط وتحمل سے کام لیا اور دس گیارہ سال تک ہر قسم کی سختیاں اور اذیتیں صبرواستقامت کے ساتھ سہتے رہے کیونکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے انہیں ایسا ہی کرنے کی ہدایت تھی، تلوار اٹھانے کی اجازت بالکل نہیں تھی یہاں تک کہ اہلِ ایمان نے اللہ کی راہ میں برضا ورغبت اپنا وطن اور گھربار تک چھوڑ دیا لیکن جب ہجرت کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ مشرکینِ مکّہ اپنی دسیسہ کاریوں اور جارحانہ روش سے باز نہیں آئیں گے اور مسلمانوں کو مدینہ میں بھی امن وسکون سے نہیں رہنے دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر اہلِ حق کو ظالموں کے خلاف تلوار اٹھانے (لڑنے) کی اجازت دے دی:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ط وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ (۳۹) الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ط وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ط وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (۴۰) اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۴۱) (الحج)

"ان لوگوں کو بھی جنگ کی اجازت دے دی گئی جن سے جنگ کی جارہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً اُن کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے، ہمارا رب اللہ ہے۔ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجے اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے مسمار کر ڈالی جائیں اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(ابنِ جریر طبری۔ تفسیر ابنِ کثیر)

ایک اور قول کے مطابق اذنِ جہاد کی پہلی آیت یہ تھی:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْاط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَo (البقرۃ آیۃ ۱۹۰)

''اور تم اُن لوگوں سے لڑو اللہ کی راہ میں، جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (سیرتِ نبویؐ قرآنی عبدالماجد دریابادی)

جمہور اربابِ سِیَر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اِذنِ جہاد کا حکم ہجرتِ مدینہ کے بعد کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوا۔ البتہ وقتِ نزول کے بارے میں اختلاف ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ یہ ۲ھ میں نازل ہوا۔ مگر بعض نے اس کا ۱ھ میں نازل ہونا بیان کیا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ جہاد مکہ معظمہ ہی میں آنحضور ﷺ کی ہجرت کے وقت شروع ہو چکا تھا مگر وہاں جہاد بالسّیف کے لیے حالات ساز گار نہیں تھے اس لیے مسلمانوں نے ہجرت کے بعد تلوار اٹھائی۔ (سیرتِ کبریٰ جلد دوم رفیق دلاوریؒ)

ہماری رائے میں صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ ایمان کو لڑنے کی اجازت ہجرت کے بعد ہی ملی لیکن یہ اجازت صرف جنگ کے جواب میں جنگ کے طور پر نہیں تھی بلکہ اس لیے تھی کہ اگر اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غلبہ عطا کرے تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

غزوۂ ابواء یا ودّان:

یہ پہلا غزوہ ہے جس میں رسولِ اکرم ﷺ بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے۔ صفر ۲ھ ہجری میں آپؐ ساٹھ یا ستّر مہاجرین کے ہمراہ مدینہ سے نکلے۔ مقصد قریش کے ایک تجارتی قافلے کا تعاقب کرنا تھا۔ مدینے میں آپؐ نے حضرت سعدؓ بن عبادہ انصاری کو اپنا قائم مقام مقرّر فرمایا اور فوج کا عَلَم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔ حُضور ﷺ ابواء کے مقام تک تشریف لے گئے لیکن قافلے کا سامنا نہ ہوا کیونکہ وہ اسلامی لشکر کے پہنچنے سے پہلے نکل گیا تھا۔ اس سفر میں آپ نے بنوضمرہ کے سردار مخشیٰ بن عمرو ضمری سے حلیفانہ معاہدہ کیا [1] اور پندرہ دن کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے۔ (تلقیح ص ۲۲)

[1] اس حلیفانہ تحریری معاہدے میں یہ طے پایا کہ مسلمان بنوضمرہ کے کسی شخص کی جان و مال سے تعرض نہیں کریں گے اور اگر ان پر کوئی حملہ کرے گا تو ان کی مدد کی جائے گی (اِلّا یہ کہ وہ خود اللہ کے دین کے خلاف جنگ نہ کریں) اور جب رسول اللہ ﷺ انہیں اپنی مدد کے لیے بلائیں گے تو انہیں آنا ہوگا۔ (المواھب اللدنیہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَبوآء مدینہ منوّرہ اور مکّہ معظّمہ کے راستے میں مدینہ سے تقریباً ۲۰۷ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے اسی سے متّصل ودّان کی بستی تھی اسی لیے اس غزوے کو اَبوآء اور ودّان دونوں سے منسوب کیا جاتا ہے اَبوآء میں آنحضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر ہے۔

غزوہ بُواط:

ربیع الاوّل ۲ ہجری میں آنحضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک بڑا تجارتی قافلہ شام سے آرہا ہے۔ اس قافلے میں اڑھائی ہزار اونٹ تھے اور مشہور دشمنِ اسلام امیہّ بن خَلَف کی قیادت میں سَو مسلّح آدمی اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ حُضور ﷺ دوسَو صحابہ مہاجرین کے ساتھ اس سے مزاحم ہونے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کو آپؐ نے مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور لشکر کا عَلَم حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ آپ مدینہ مُنوّرہ سے کوئی پچاس میل دور مغرب کی طرف بواط کے پہاڑی سلسلے تک گئے لیکن قافلہ نہ مل سکا۔

غزوہ سفوان یا بدرِ اولیٰ:

اسی مہینے (ربیع الاوّل ۲ھ) میں مکّہ کے ایک جنگجو کُرز بن جابر فہری کی قیادت میں چند مشرکوں نے مدینے سے باہر چراگاہ پر چھاپہ مارا اور اہلِ مدینہ کے بہت سے اونٹ ہانک کر لے گئے۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور ستّر صحابہ مہاجرین کو ساتھ لے کر لٹیروں کا تعاقب کیا۔ اس مہم کے عَلَم بردار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہُ تھے آپؐ وادئ سفوان تک گئے لیکن لٹیرے ہاتھ نہ آئے۔ بَدر اس مقام کے بالکل قریب واقع ہے اس لیے اس مہم کو غزوہ بدرِ اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ (الاستیعاب۔ تاریخ طبری)

غزوہ ذوالعُشَیر ہ:

جمادی الآخر (بروایت دیگر جمادی الاولیٰ) ۲ھ میں رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک بڑا قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام جا رہا ہے۔ آپؐ نے مدینہ میں حضرت ابوسَلَمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا اور ایک سَو پچاس (بروایتِ دیگر ۲۰۵) مہاجرین صحابہ کے ساتھ اس قافلے کا پیچھا کیا۔ سواری اور بار برداری کے لیے صرف تیس اونٹ ساتھ تھے اور مجاہدین ان پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ اس لشکر کا عَلَم حضور ﷺ کے عمِ محترم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کے پاس تھا۔ آپؐ ذوالعُشیر ہ کے مقام تک پہنچے جو مدینہ مُنوّرہ سے تقریباً ۲۲۰ کلومیٹر دُور مغرب میں مشہور ساحلی مقام یَنْبُوع کے قریب ایک موضع تھا۔ اس مرتبہ بھی یہ قافلہ آپؐ کے پہنچنے سے پہلے نکل گیا تھا اس لیے کوئی لڑائی بھڑائی نہیں ہوئی اور اسلامی لشکر نے مدینہ کو مراجعت کی۔ اس مہم کے دوران میں حُضور ﷺ نے بنومُدلج سے اُسی قسم کا حلیفانہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاہدہ کیا جیسا بنو ضمرہ کے ساتھ کیا تھا۔ یہ لوگ بنی ضمرہ کے ہمسائے اور حلیف تھے۔ (تلقیح ص ۲۲)

ایک روایت کے مطابق یہ وہی قافلہ تھا جسے شعبان ۲ھ میں شام سے مکّہ کی طرف پلٹتے ہوئے حضور ﷺ نے گرفتار کرنا چاہا تھا۔ قافلہ تو بچ کر نکل گیا لیکن مشرکینِ قریش مکّہ سے جنگ کا پختہ ارادہ کرکے چلے تھے اس لیے غزوۂ بدر پیش آیا اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

سریّہ نخلہ:

جمادی الآخر رجب ۲ھ ہجری میں سرورِ عالم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش کو دس بارہ صحابۂ کرام کے ایک جیش کا امیر مقرر فرمایا اور ایک سربمہر خط دے کر انہیں حکم دیا کہ دو دن کے سفر کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھیں اور اس میں درج ہدایت کے مطابق عمل کریں۔ اس جیش میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، عتبہؓ بن غزوان، عُکاشہؓ بن مِحصن اور واقدؓ بن عبداللہ تمیمی وغیرہم جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس جیش کی روانگی سے قبل ان اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"گو عبداللہ بن جحش تم لوگوں میں سب سے افضل نہیں ہے تاہم وہ بھوک پیاس کی سختیوں کو زیادہ برداشت کرسکتا ہے۔ (یہی سبب ہے کہ میں نے اس کو تم پر امیر بنایا۔)"

بعض اربابِ سِیَر نے لکھا ہے کہ اس سریہ میں (جو سریّہ عبداللہؓ بن جحش کے نام سے مشہور ہے) حضرت عبداللہؓ کو "امیر المؤمنین" کہہ کر پکارا گیا۔ اگرچہ عام روایتوں کے مطابق حضرت عُمرِ فاروقؓ مسلمانوں کے سب سے پہلے سردار ہیں جو امیر المؤمنین کے لقب سے ممتاز ہوئے لیکن وہ اس معنی میں ہے کہ خلفائے راشدین میں سب سے پہلے حضرت عُمرِ فاروقؓ کو امیر المؤمنین کے لقب سے مخاطب کیا گیا۔

دو دن کے سفر کے بعد حضرت عبداللہؓ نے حضور ﷺ کے نامۂ مبارک کو کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ تم سیدھے مکّہ اور طائف کے درمیان نخلہ جا کر ٹھہرو اور وہاں سے قریش کی

---

۱ حضرت عبداللہؓ بن جحش کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ دعوتِ توحید کی ابتدا ہی میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے اور یوں اَلسّابِقُونَ الْاَوَّلُوْن کی مغفور جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل کرلیا۔ اُن کا تعلق بنو اَسَد بن خزیمہ سے تھا جو بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔ اُن کی والدہ اُمیمہ بنتِ عَبد الْمُطّلِب رسولِ اکرم ﷺ کی پھوپھی تھیں اس نسبت سے وہ حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُن کی حقیقی بہن تھیں۔ وہ بڑے مخلص اور پُرجوش مسلمان تھے۔ ہجرت کے بعد پہلے، سریّہ نخلہ کی قیادت کی۔ اس کے بعد غزوۂ بدر میں دادِ شجاعت دی۔ غزوۂ اُحد میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت پیا۔ لڑائی سے پہلے دُعا کی تھی کہ الٰہی میرا مقابلہ کسی قوی دشمن سے ہو جو مجھے قتل کرکے میری لاش کا مُثلہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعا قبول کرلی (اس کی تفصیل آگے آئے گی۔) المجدع فی اللہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ شہادت کے وقت چالیس برس سے کچھ اوپر عُمر تھی۔ حضور ﷺ نے انہیں اپنے محبوب چچا سیّد الشہداء حضرت حمزہؓ کے ساتھ ایک ہی قبر میں اُحد کے گنجِ شہیداں میں دفن کیا۔ (الاِصابہ۔ اُسدُ الغابہ۔ طبقاتِ کبیر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقل وحرکت کا پتا چلاؤ، کسی شخص کو اس کی مرضی کے خلاف اپنی معیت پر مجبور نہ کرو۔ جو تمہارا ساتھ دینا چاہے، دے اور جو واپس آنا چاہے، واپس آ جائے۔

خط کے مضمون سے مطلع ہو کر حضرت عبداللہؓ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> ''بھائیو! مجھے رسول اللہ ﷺ نے قریش کی نقل وحرکت کا پتا چلانے کا حکم دیا ہے لیکن اس کام میں مدد لینے کے لیے کسی پر جبر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ بلاشبہ یہ جان جوکھوں کا کام ہے، تم میں سے جس کسی کو شہادت فی سبیل اللہ کی آرزو ہو، وہ میرے ساتھ چلے اور جو واپس جانا چاہے اس کو اختیار ہے۔ میری طرف سے کسی پر کوئی پابندی نہیں ہے۔''

جیش کے سب آدمیوں نے بیک زبان کہا۔ ''ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو ضرور پورا کریں گے خواہ اُس میں ہماری جانیں چلی جائیں۔''

چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے سارے جیش کے ساتھ نخلہ کا رُخ کیا اور بطنِ نخلہ میں پہنچ کر قریش کے حالات کی ٹوہ لینے میں مشغول ہو گئے۔ اتفاق سے قریش کا ایک قافلہ جو طائف (یا بروایتِ دیگر شام) سے کچا چمڑا، منقّٰہ، اور دوسرا تجارتی سامان بار کر کے لایا تھا، اس طرف سے گزرا۔ اس قافلے میں عمرو بن حضرمی، حکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ، اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی اور قریش کے کئی دوسرے سربرآوردہ لوگ شامل تھے۔ مسلمانوں نے اس قافلے کے بارے میں آپس میں مشورہ کیا ایک روایت کے مطابق اس دن ماہِ رجب کی پہلی تاریخ تھی لیکن مسلمانوں کا گمان تھا وہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن ہے، انہوں نے طے کیا کہ آج ہی اس قافلے سے دو دو ہاتھ کر لیے جائیں [1] اگر اس وقت انہیں چھوڑ دیا تو کل سے رجب کا آغاز ہو جائے گا جو حُرمت والے مہینوں میں ہے اور پھر ہم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ چنانچہ مسلمان قافلہ کی طرف

---

1. سیرتِ کبریٰ جلد دوم ص۹۱۲ از مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری مرحوم، عہدِ نبوت کے ماہ وسال از مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ ترجمہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔ ص۸۰

بعض روایتوں میں ہے کہ یہ رجب کی آخری تاریخ تھی مگر مسلمانوں نے گمان کیا کہ رجب ختم ہو چکا ہے اور ماہِ شعبان شروع ہو گیا ہے۔ گویا یہ امر مشتبہ تھا کہ یہ کارروائی رجب (ماہِ حرام) میں ہوئی یا شعبان میں۔ بعض سیرت نگاروں نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا تو بعض نے کہا کہ آج حرام مہینے (رجب) کا آخری دن ہے اور اس مہینے میں لڑنا جائز نہیں لیکن ہم نے کل کا انتظار کیا تو یہ لوگ حُدودِ حَرم میں داخل ہو جائیں گے (جن کے اندر جا کر لڑنا اور بھی بُرا ہے) چنانچہ سب نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ قافلے پر فوراً حملہ کر دینا چاہیے۔ اگر پہلی روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ مہم جمادی الآخر کے آخری دنوں میں مدینہ سے روانہ ہوئی تھی اور اگر دوسری روایت کو درست مانا جائے تو پھر یہ مہم رجب کے آخری دنوں میں مدینہ سے روانہ ہوئی واللہ اعلم بالصواب صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو، اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی آیۃ ۲۱۷ نازل فرما کر مسلمانوں کو تسلی دی کہ تم سے اگر ایک لغزش ہوئی ہے تو کفار نے تو اس سے کہیں بڑھ کر برائیاں کی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑھے، حضرت واقدؓ بن عبد اللہ تمیمی نے امیرِ قافلہ عمرو بن حضرمی کو تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبد اللہ مسلمانوں کے ہاتھ قید ہو گئے۔ نوفل بن عبد اللہ اور قافلہ کے دوسرے آدمی بھاگ گئے اور کاروانِ تجارت کے سارے مال و اساب پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ اہلِ سیَر کا بیان ہے کہ یہ اسلام میں سب سے پہلا مالِ غنیمت تھا اور عثمان بن عبد اللہ اور حکم بن کیسان مسلمانوں کے سب سے پہلے قیدی تھے۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ابھی تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے حضرت عبد اللہؓ بن جَحُش نے اجتہاد سے کام لیا اور مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ (خُمس) الگ کر کے باقی چار حصے اپنے ساتھیوں میں برابر برابر تقسیم کر دیے۔

حضرت عبد اللہؓ مالِ غنیمت کا خُمس لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے اسے قبول نہ کیا اور فرمایا، میں نے تمہیں حُرمت والے مہینے میں جِدال و قِتال کا حکم نہیں دیا تھا۔ صحابۂ کرامؓ نے بھی اہلِ سریّہ کے اس فعل پر ناگواری کا اظہار کیا۔ ادھر مشرکین قریش اور یہودِ مدینہ نے اس واقعہ کو بڑی شہرت دی اور مسلمانوں پر زبانِ طعن دراز کر کے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مُحمّد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں نے ماہِ حرام کو حلال کر لیا ہے۔ انہوں نے ماہِ حرام (رجب) میں خونریزی کی، مال لوٹا اور قیدی پکڑے یوں ماہِ حرام کی حُرمت پامال کی۔

حضرت عبد اللہؓ اور اُن کے ساتھیوں نے آنحضور ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ جو کچھ ہوا غلط فہمی کی بناء پر ہوا اور ہم نے دانستہ ماہِ حرام میں خونریزی نہیں کی۔ حقیقت بھی یہی تھی تاہم وہ اس پر سخت ملول اور پشیمان تھے۔ اس پر رحمتِ خداوندی جوش میں آ گئی اور یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ط قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ط وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ن وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ج وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط

(البقرہ رکوع ۲۷)

"لوگ پوچھتے ہیں، ماہِ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو: اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجدِ حرام میں نہ جانے دینا اور حرم کے رہنے والوں (مسلمانوں) کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فتنہ (فساد انگیزی) خونریزی سے بھی برا جرم ہے۔"

اس طرح اللہ تعالیٰ نے خود حضرت عبد اللہ بن جَحُش رضی اللہ عنہ، اور اُن کے ساتھیوں کی بریّت کر دی اس ارشادِ الٰہی میں مسلمانوں کی طرف سے ایک طرح کا اعتذار ہے (یعنی اہلِ سَرِیّہ سے جو خطا ماہِ حرام میں ہوئی وہ محض اندازے کی غلطی کی بناء پر ہوئی ورنہ اصولاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماہِ حرام میں لڑنا فی الواقع بُرا ہے) لیکن کافروں کا لوگوں کو قبولِ حق سے روکنا، کفر کرنا، مسلمانوں کو مسجدِ حرام میں جانے سے روکنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اس سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ اس لیے اے کافرو! تم کس منہ سے اس واقعہ پر زبانِ طعن دراز کرسکتے ہو جو محض غلط فہمی کی بناء پر ہوا۔

اس آیت کے نزول سے مسلمانوں کا اضطراب جاتا رہا اور رسولِ اکرم ﷺ نے بھی مالِ غنیمت کا خمس قبول فرمالیا۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن جحش سارا مالِ غنیمت مدینہ لے آئے تھے مگر حضور ﷺ نے اس کی تقسیم کو روک رکھا تھا۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ نے خمس رکھ کر سارا مالِ غنیمت تقسیم فرما دیا۔ (تاریخ طبری)

دونوں قیدیوں کا معاملہ حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپؐ نے ان کی رہائی اس وقت تک موقوف رکھی جب تک حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عتبہؓ بن غزوان واپس نہ آجائیں۔ اثنائے سفر میں (نخلہ پہنچنے سے پہلے) ان حضرات کا اونٹ گم ہوگیا تھا۔ اس کی تلاش کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے اور ان سے پیچھے رہ گئے۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش کے واپس آنے کے بعد وہ بھی جلد ہی مدینہ پہنچ گئے۔ ان کے پہنچتے ہی حضور ﷺ نے دونوں قیدیوں کو آزاد کردیا۔ عثمان بن عبداللہ تو مکہ چلا گیا لیکن حَکَم بن کیسان نے اسلام قبول کرلیا اور مدینہ منوّرہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

اس واقعہ کی خبر قریشِ مکہ کو پہنچی تو اُن کی آتشِ عداوت اور بھی بھڑک اٹھی اور وہ مسلمانوں سے جلد از جلد بدلہ لینے کے لیے موقع کی تلاش میں رہنے لگے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحویلِ قبلہ

رجب (بروایتِ دیگر شعبان) ۲ھ ہجری میں تحویلِ قبلہ یعنی قبلے کی تبدیلی کا حکم نازِل ہوا۔ اس سے پہلے مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ بیت المقدس یہودیوں کا بھی قبلہ تھا اس لیے انہیں مسلمانوں کا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بہت اچھا معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ یہ لوگ اہلِ علم، متمدّن اور دولت مند تھے اس لیے خدشہ تھا کہ کہیں اہلِ ایمان احساسِ کہتری میں نہ مبتلا ہو جائیں اور وہ بیت المقدس کو کعبہ یا مسجدِ حرام سے افضل نہ سمجھنے لگیں۔ اسی لیے رسولِ اکرم ﷺ کی خواہش تھی کہ مسلمان کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کریں چنانچہ آپؐ بار بار اپنے چہرۂ مبارک کو آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اس انتظار اور خواہش میں کہ کب اللہ تعالیٰ تحویلِ قبلہ کا حکم نازل کرتا ہے۔ آخر رجب یا شعبان ۲ھ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی خواہش پوری کر دی اور یہ حکم نازل فرمایا:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ۔ (البقرہ آیۃ:۱۴۴)

”(اے رسول) یہ تمہارے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں، لو ہم اُسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں، جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجدِ حرام کی طرف رُخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو، اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو اور بے شک اہلِ کتاب اچھی طرح جانتے ہیں کہ (قبلے کی تبدیلی کا) یہ حُکم اُن کے رب ہی کی طرف سے ہے اور برحق ہے مگر اس کے باوجود جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔“

یہ آیت کس موقع پر نازل ہوئی اور اس پر کس طرح عمل ہوا؟ اس سلسلے میں جو روایات ملتی ہیں، اُن میں خاصا ابہام پایا جاتا ہے مثلاً بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت عین اس وقت نازل ہوئی جب آنحضور ﷺ مسلمانوں کو ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ آپؐ دو رکعتیں پڑھا چکے تھے کہ تیسری رکعت میں یکا یک یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی وقت آپؐ اور سارے مقتدی بیت المقدس سے کعبے کے رخ پھر گئے۔ (طبقات ابنِ سعد) بعض روایات میں ہے کہ تحویلِ قبلہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد آنحضور ﷺ نے جو سب سے پہلی نماز ادا کی وہ عصر کی نماز تھی۔
(صحیح بخاری کتاب الایمان باب الصلوٰۃ من الایمان)

قطع نظر اس کے کہ یہ ظہر کی نماز تھی یا عصر کی، کسی مستند روایت میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ نمازیوں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے اپنا رخ تبدیل کر لیا یا سب اپنی جگہ سے چل کر الٹی جانب منہ کر کے کھڑے ہوئے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ بیت المقدس مدینہ کے شمال میں ہے اور کعبۃ اللہ جنوب میں۔ اگر پہلی صورت کو تسلیم کیا جائے تو صورت یہ بنتی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ سب سے پیچھے ہو گئے اور خواتین جو سب سے پیچھے تھیں سب سے آگے ہو گئیں۔ یہ دونوں صورتیں عجیب سی معلوم ہوتی ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ آنحضور ﷺ تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہونے کے وقت کہاں تھے تو اس کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپؐ حضرت بشرؓ بن براء بن معرور سلمی کے ہاں بنو سلمہ کے محلے میں دعوت پر گئے ہوئے تھے وہاں ظہر کا وقت آ گیا۔ آپ لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو تیسری رکعت میں یہ حکم نازل ہوا۔ اسی وقت آپؐ اور تمام مقتدی بیت المقدس سے کعبے کے رُخ پھر گئے اس کے بعد مدینہ اور اطرافِ مدینہ میں اس کی عام منادی کر دی گئی۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ اُس وقت حضرت بشرؓ کے گھر میں نماز پڑھا رہے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ اس وقت بنو سلمہ کی مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے یہ وہی مسجد تھی جو آج کل ''مسجدِ قبلتَین'' کے نام سے مشہور ہے حضرت اَنسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ بنی سَلمہ میں یہ اطلاع دوسرے روز صبح کی نماز کے وقت پہنچی۔ یہ اطلاع ملتے ہی پوری جماعت نے اپنا رُخ بدل دیا۔ (ابوداؤد)

نسائیؒ نے حضرت ابو سعیدؓ بن معلّیٰ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہونے کے وقت مسجدِ نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔

بعض سیرت نگاروں نے اس روایت سے انکار کیا ہے کہ تحویلِ قبلہ کا حکم اس وقت نازل ہوا جب حضور ﷺ نماز پڑھا رہے تھے۔ اُن کے خیال میں یہ روایت غلطی سے لوگوں میں شہرت پا گئی۔ (سیرتِ کبریٰ جلد دوم ص ۹۰۰ از ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ)

صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہونے کے فوراً بعد اہلِ ایمان نے بیت المقدس کے بجائے مسجدِ حرام (کعبہ شریف) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیا۔ مسجدِ نبویؐ اور مسجدِ قُباء کو کعبہ کے رُخ کی جانب بدل دیا گیا یعنی ان کی محراب دوسری جانب کر دی گئی۔ دوسرے مقامات تک یہ حکم پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے بھی اپنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسجدوں کے رُخ کعبہ کی جانب کر لیے۔

قبلہ کی تبدیلی سے یہودیوں کے احساسِ برتری اور پندار پر کاری ضرب لگی جس سے وہ بلبلا اٹھے اور مسلمانوں کے خلاف الٹی سیدھی باتیں کرنے لگے۔ اسی طرح منافقین کا نفاق بھی آشکارا ہوگیا کیونکہ وہ بھی یہودیوں کی طرح تحویلِ قبلہ کے بارے میں اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر ان سب کا منہ بند کردیا:

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَاؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

(البقرۃ آیۃ ۱۴۲)

"نادان لوگ ضرور کہیں گے: انہیں کیا ہوا کہ یہ پہلے جس قبلے کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے اس سے یکا یک پھر گئے (اے نبی) ان سے کہو: مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔"

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی واضح فرما دی کہ قبل ازیں مسلمانوں کے لیے بیت المقدس کو یہ دیکھنے کے لیے قبلہ مقرّر کیا گیا تھا کہ کون رسول ﷺ کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ عربوں کے لیے کعبہ کے علاوہ کسی دوسرے شہر کو قبلہ بنانا ان کی قوم پرستی اور وطنی ونسلی تفاخر پر ناقابلِ برداشت ضرب تھی۔ اس کو صرف وہ لوگ تسلیم کر سکتے تھے جو سچے مسلمان ہوں اور اللہ کے رسول کے ہر حُکم پر سرِ تسلیم خم کر دینے والے ہوں۔ (البقرۃ آیۃ ۱۴۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صِیامِ رمضان کی فرضیّت

شعبان ۲ ہجری میں رمضان کے روزوں کی فرضیّت کا حکم نازل ہوا۔ اس سے پہلے رسولِ اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو ہر ماہ تین دن روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی لیکن اب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ رمضان کے پورے مہینے کے روزے رکھیں۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ ج فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْعَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ط یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَاهَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (آیة:۱۸۵)

”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ لہٰذا اب سے جو اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس پُورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو، وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جارہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کرسکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔“

رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیّت کے جلد ہی بعد یہ مبارک مہینہ آ گیا۔ اس کی ۱۷ تاریخ کو غزوۂ بدر پیش آیا اور پھر اس کے چند دن بعد پہلی عید الفطر آ گئی۔ ان موقعوں پر رسولِ اکرم ﷺ نے کیا طرزِ عمل اختیار فرمایا، اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ بدرِ کبریٰ

پچھلے صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ مشرکینِ مکّہ نے اہلِ حق کی ہجرتِ مدینہ کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا اور اُن کے خلاف فوراً ریشہ دوانیوں کا آغاز کر دیا۔ مسلمانوں نے جوابی اقدام کے طور پر مکّہ سے شام جانے والی تجارتی شاہراہ کو اپنی زد میں لے کر قریشِ مکّہ پر اقتصادی دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ اس کشمکش کے نتیجے میں اہلِ حق اور اہلِ باطل کے درمیان سب سے پہلی ٹکر ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ ہجری کو بدر کے میدان میں ہوئی۔ یہی وہ ٹکر تھی جسے قرآنِ حکیم میں "یَوْمَ الْفُرْقَانِ" کا نام دیا گیا یعنی حق اور باطل میں فرق کرنے کا (فیصلہ کُن) دن جیسا کہ سورۂ انفال میں ارشاد ہوا ہے:

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ط (آیۃ ۴۱)

"اگر تم اللہ پر اور اس چیز (یعنی تائید و نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو حق و باطل میں فرق کرنے (یا فیصلے) کے دن یعنی دونوں فوجوں میں مٹھ بھیڑ کے دن ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی۔"

فی الواقع یہ ایک تاریخ ساز ٹکر تھی جس نے انسانی زندگی کے دھارے کا رُخ بدل دیا اور ملّتِ اسلامیہ کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا۔ تاریخ میں یہ ٹکر غزوۂ بدر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کوئی بڑی لڑائی یا جنگ نہیں تھی اور نہ دنیا کی بڑی جنگوں میں اس کا شمار ہوتا ہے لیکن اس لڑائی کے نتائج اتنے دُور رس ثابت ہوئے کہ ان کی مثال تاریخِ عالَم کی کسی اور لڑائی میں نہیں ملتی۔ اس لڑائی میں مٹھی بھر اہلِ ایمان نے جن کے پاس پورا سامانِ جنگ بھی نہیں تھا، اپنے سے تین گنا (بلکہ اس سے بھی زیادہ) طاقتور دشمن کو شکستِ فاش دی۔ اُن کے ہاتھوں کفر اور طاغوت کے بڑے بڑے باجبروت بُت سرنگوں ہو گئے اور صنم کدوں میں ماتم و شیون برپا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو صداقتِ اسلام کی دلیل بنا دیا۔ مکّہ معظمہ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. (القمر: آیۃ ۴۵)

"عنقریب (کفار کا) گروہ شکست کھائے گا (اور مسلمانوں کے مقابلہ میں) پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔"

غزوۂ بدر سے اس آیت میں بیان کردہ پیشینگوئی پوری ہو گئی۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کمزوروں سے زبردستوں کو پٹوانے پر بھی قادر ہے۔ رب العزّت نے اپنی قدرتِ کریمہ کو قرآنِ حکیم میں اس طرح بیان فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ.

(آل عمران: ۱۲۳)

"یقیناً خدا نے بدر میں تمہاری مدد کی۔ جبکہ تم کمزور تھے سو اللہ سے ڈرو تا کہ تم شکر ادا کر سکو اُس کے اِس احسان کا۔"

غزوۂ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ لڑائی سے پہلے رسولِ اکرم ﷺ نے بارگاہِ رب العزّت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ان الفاظ میں دعا مانگی:

"الٰہی، یہ ہیں قریش جو اپنے سامانِ غرور کے ساتھ آئے ہیں تا کہ تیرے رسول کو کاذب ثابت کریں۔ الٰہی تو نے مجھ سے جس مدد کا وعدہ کیا تھا اسے اب بھیج دے۔ اے اللہ! اگر (حق پرستوں کی) یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت (بندگی) کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔"

جن صحابۂ کرامؓ کو غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا، رسولِ اکرم ﷺ ان کو دوسرے تمام مسلمانوں سے افضل سمجھتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپؐ سے پوچھا، آپ اہلِ بدر کو مسلمانوں میں کیسا سمجھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، سب مسلمانوں سے افضل سمجھتا ہوں۔ جبرئیل نے بتایا کہ فرشتوں میں جو فرشتے یہاں حاضر ہوئے، اُن کا درجہ ملائکہ میں بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ (اصحابِ بدر قاضی سلمان منصور پوریؒ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو دیکھا اور فرمایا، اب تم جو چاہو کرو، میں تم کو بخش چکا ہوں۔

(اصحابِ بدر بحوالہ ابوداؤد از قاضی سلمان منصور پوری)

عہدِ رسالت کے بعد بھی مسلمانوں میں اصحابِ بدر کی فضیلت ہمیشہ مُسلّم رہی۔ سیّدنا حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے اپنے دورِ خلافت میں عراق اور شام کی فتوحات کے بعد جب لوگوں کے روزینے (وظائف استحقاقی) مقرر کیے تو اُمّہاتُ المؤمنین اور حضرت صفیہؓ بنتِ عبدالمُطّلب [1] کے بعد اصحاب بدر کو سب سے مقدم رکھا البتہ حضرت عباسؓ بن عبد المُطّلِب اور حضرت حسن اور حضرت حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے روزینے (چار یا پانچ ہزار درہم فی کس) ان

[1] حضرت صفیہؓ بنتِ عبدالمُطّلِب آنحضور ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ آپؐ کے والد جناب عبداللہ ان کے علاتی بھائی تھے اور سیّد الشُّہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہُ حقیقی بھائی۔ حواریٔ رسول حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یکے از عشرۂ مبشرہ) ان کے فرزند تھے۔ صحابیات میں اُن کا بڑا درجہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بدری نہ ہونے کے باوجود، قرابتِ رسول کی بناء پر، اصحابِ بدر کے برابر مقرر کیے۔

غزوۂ بدر کے اسباب وعِلَل:

اہلِ حق کی ہجرتِ مدینہ کے بعد جو حالات و واقعات پیش آئے، پچھلے صفحات میں ان کا ذکر تفصیل کے ساتھ آچکا ہے۔ ان پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تمام حالات اور واقعات مشرکینِ مکّہ کی اُس معاندانہ رَوِش کے نتیجے میں وُقوع پذیر ہوئے جو انہوں نے اہلِ حق کے خلاف اختیار کر رکھی تھی۔ غزوۂ بدر بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ فی الحقیقت مشرکینِ مکّہ کے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ مسلمان مدینہ میں ایک طاقت (Power) کی حیثیت اختیار کر لیں۔ یہ ''طاقت'' نہ صرف عرب میں اُن کے اثر و اقتدار، جاہلی مذہب اور رسوم و رواج کے لیے زبردست خطرہ ثابت ہو سکتی تھی بلکہ شام کو جانے والی تجارتی شاہراہ اس کی زد میں آنے کے باعث قریش کی اقتصادی تباہی کا باعث بھی بن سکتی تھی۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ایک ''طاقت'' بننے سے روکنے کے لیے کوئی بھی حربہ استعمال کرنا جائز بلکہ ضروری تھا۔ یہ حربہ کسی گھناؤنی سازش یا شب خون/چھاپہ مارنے کی صورت میں بھی ہو سکتا تھا اور کھلی جارحیت (حملے یا جنگ) کی صورت میں بھی۔

سریّۂ نخلہ میں عمرو بن حضرمی کے قتل اور قافلے کے دو آدمیوں کی گرفتاری سے مسلمانوں کے خلاف قریش کی آتشِ عداوت اور بھڑک اٹھی۔ ابھی وہ اِس کا انتقام لینے کی تدبیریں سوچ رہے تھے کہ ایک اور واقعہ پیش آ گیا جس نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ واقعہ یہ تھا:

شعبان ۲ ہجری میں قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ سردارِ قریش ابوسفیان کی سیادت میں شام سے مکّہ کی طرف پلٹ رہا تھا۔[1] اس قافلہ میں باختلافِ روایت اڑھائی ہزار یا ڈیڑھ ہزار یا ایک ہزار اونٹ تھے جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار (۲۶۲ ½ کلو سونے) کا سامان لدا ہوا تھا۔ اہلِ قافلہ اپنا سامان شام میں فروخت کر کے یہ سامان وہاں سے لا رہے تھے اس کی حفاظت پر تیس یا چالیس آدمی مامور تھے۔ جب یہ قافلہ کاروانی شاہراہ کے اس حصّے میں پہنچا جو مدینہ کے اہلِ ایمان کی زد میں تھا تو سردارِ قافلہ ابوسفیان نے جو ایک جہاندیدہ آدمی تھے، خطرے کی بُو سونگھ لی اور اس اندیشہ سے کہ مدینہ کے مسلمان کسی بھی وقت قافلے پر حملہ کر سکتے ہیں اپنے

---

[1] ایک روایت کے مطابق یہ وہی قافلہ تھا جو جمادی الاولیٰ ۲ھ میں غیر معمولی سامانِ تجارت کے ساتھ شام گیا تھا۔ آنحضور ﷺ نے غزوۂ ذوالعشیرہ میں اسی کا تعاقب کیا تھا لیکن یہ مسلمانوں کی گرفت سے بچ نکلا تھا۔ (الرحیق المختوم از مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری) بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ مشرکینِ قریش مدینہ پر حملہ کرنے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے اور یہ قافلہ انہوں نے کثیر مالِ تجارت کے ساتھ اس خیال سے شام بھیجا تھا کہ اس سامانِ تجارت سے کثیر منافع حاصل ہوگا، اس سے ہتھیار اور دوسرا سامانِ جنگ خریدا جائے گا اور پھر مدینہ پر چڑھائی کر دی جائے گی۔ (رسالت نامہ از مولانا زاہد القادری مرحوم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک آدمی ضمضم بن عمرو غفاری کو یہ پیغام دے کر مکہ کی طرف دوڑا دیا کہ ہمارے کاروانِ تجارت کی سلامتی خطرے میں ہے اس کو بچانے کے لیے فوراً پہنچو۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے کاروانی شاہراہ کو بائیں ہاتھ کی طرف چھوڑتے ہوئے مغرب کی طرف ساحلِ بحر کا رُخ کیا اور سمندر کے کنارے کنارے چلتے ہوئے قافلے کو مسلمانوں کی دسترس سے نکال لیا۔

ضمضم کی اشتعال انگیزی:

ضمضم اپنے تیز رفتار اونٹ پر بسُرعت تمام مکہ پہنچا اور عرب کے قدیم دستور کے مطابق اس نے اپنے اونٹ کے کان کاٹے، اس کی ناک چیری، کجاوے کو الٹ کر رکھ دیا اور اپنا کُرتا آگے پیچھے سے پھاڑ کر وحشت زدہ حالت میں اونٹ کی پیٹھ پر کھڑا ہوگیا اور زور سے آواز لگائی:

> ''اے گروہِ قریش! تمہارا کاروانِ تجارت، تمہارا کاروانِ تجارت (اس کی خبر لو......غضب ہوگیا) تمہارا مال جو ابوسفیان کے ہمراہ ہے، اُس پر مُحَمَّدؐ اور اُس کے ساتھی حملہ کرنے والے ہیں۔ مجھے امید نہیں کہ تم اسے پاسکو گے دوڑو دوڑو مدد مدد''

مکہ میں ہیجان:

ضمضم کی پکار سنتے ہی سارے مکہ میں ہیجان برپا ہوگیا کیونکہ مکہ کا کوئی خاندان ایسا نہیں تھا جس کا کچھ نہ کچھ (تھوڑا یا بہت) سرمایہ اس کاروانِ تجارت میں نہ لگا ہو۔ اہلِ مکہ مشتعل ہوکر اس قسم کی باتیں کرنے لگے، ''شاید مسلمانوں نے اس قافلے کو بھی ابنِ حضرمی والے قافلے کی طرح تر نوالہ سمجھ لیا ہے، نہیں نہیں خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوگا انہیں بہت جلد پتا چل جائے گا کہ یہ قافلہ بے یار و مددگار نہیں ہے۔'' ضمضم کی اشتعال انگیزی کچھ کم نہیں تھی اب ابوجہل کعبۂ معلیٰ کی چھت پر چڑھ گیا اور بآوازِ بلند پکارا ''اے اہلِ مکہ! فوراً تیار ہوکر اپنے قافلے کو بچانے کے لیے چل پڑو اگر اصحابِ مُحَمَّدؐ نے تمہارے پہنچنے سے پہلے قافلے پر دھاوا بول دیا تو تم برباد ہو جاؤ گے۔ خبردار تم میں سے کوئی شخص پیچھے نہ رہ جائے۔''

اب قریش کے غیظ وغضب کا جہنم پوری طرح بھڑک اٹھا۔ ان کے تمام سرداروں نے مل کر نہایت تیزی سے سامانِ حرب وضرب جمع کیا اور مکہ کے تمام جنگجوؤں کو اکٹھا کرکے جنگ کے لیے تیار ہوگئے۔

کفار کے طوفانی لشکر کی روانگی بجانب بدر:

جلد ہی مشرکینِ قریش کا لشکر ''تہیۂ طوفان'' کیے ہوئے اس شان سے مکہ سے روانہ ہوا کہ اس میں کیل کانٹے سے لیس تقریباً ایک ہزار پُرجوش مردانِ جنگی تھے ان میں سے ۶۰۰ زِرہ پوش تھے جن میں ایک سَو سواروں کا رسالہ بھی شامل تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس لشکر میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سات سَو اونٹ اور تین سَو گھوڑے تھے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ قریش کا تقریباً ہر سپاہی زرہ پوش تھا۔ جانوروں اور زرہ پوشوں کی تعداد کے بارے میں تو اختلافِ رائے ہوسکتا ہے لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مردانِ جنگی کی تعداد نو سَو پچاس سے کسی صورت میں کم نہیں تھی۔ [1]
اس میں ابوسفیان اور ابولہب کے سوا قریش کے تمام بڑے بڑے سردار عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ عمرو بن ہشام (ابوجہل)، امیہّ بن خلف، اُبَیّ بن خلف، عُقبہ بن ابی مُعیط، ابوالبختری بن ہشام، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، نضر بن حارث، طعیمہ بن عدی، سعید بن عاص بن امیّہ وغیرہ اس لشکر کے ساتھ تھے۔ ابوسفیان تو کاروانِ تجارت کے ساتھ تھے اور ابولہب نے اپنے ایک چار ہزار درہم کے مقروض (عاص بن ہشام بن مغیرہ) کو قرض کی رقم کے عوض اپنی جگہ بھیج دیا (غالباً اس نے بیماری کا بہانہ کیا)۔ ان میں سے بیشتر سرداروں کے پیشِ نظر صرف قافلے ہی کو بچانے کا مقصد نہ تھا بلکہ اُن کی نیّت یہ تھی کہ مسلمانوں کی نئی...... ابھرتی ہوئی قوّت کو نیست و نابود کر دیا جائے تاکہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو اور ان کی تجارتی شاہراہ ہمیشہ کے لیے خطرے سے محفوظ ہو جائے۔ اس طوفانی بلکہ شیطانی لشکر کے ساتھ بہت سی گانے بجانے والی عورتیں تھیں جو مسلمانوں کے خلاف ہجویہ اشعار ترنّم کے ساتھ پڑھتی تھیں اور اپنے لشکریوں کو لڑائی پر ابھارتی تھیں یہ لشکر جگہ جگہ ٹھہر کر ناچ گانے اور شراب نوشی کی محفلیں برپا کرتا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو راستے میں جو جو آبادیاں ملتی تھیں، اُن پر اپنی کثرتِ تعداد، دولت وحشمت اور قوّت وشوکت کا رعب جماتے تھے اور شیخی بگھارتے تھے کہ جو ہمارے مقابلہ میں سر اٹھائے گا ہم اس کو کچل کر رکھ دیں گے۔ قرآنِ حکیم میں ان کی اکڑ اور نخوت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ. (الانفال آیۃ: ۴۷)

''اور اُن لوگوں کے رنگ ڈھنگ نہ اختیار کرو جو (غزوۂ بدر کے موقع پر) اپنے گھروں سے اتراتے اکڑتے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے اور جن کی روِش یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں۔''

---

[1] یہ تعداد میدانِ جنگ میں موجود لشکرِ قریش کی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لشکر مکّہ سے چلا تو اس کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے کچھ کم تھی (سیرتِ کبریٰ) اور بروایتِ دیگر تیرہ سَو تھی (الرّحیق المختوم) لیکن بنوعدی (خاندانِ حضرت عُمرِ فاروقؓ) اور بنوزُہرہ (خاندانِ بی بی آمنہ والدۂ آنحضورﷺ) کے لوگ راستے میں لشکر سے الگ ہو کر مکّہ واپس آگئے اور جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو مکّہ ہی میں لشکر کے ساتھ نہیں چلے تھے اور کچھ جُحفہ کے مقام سے اُس وقت واپس آئے جب لشکرِ قریش کو ابوسفیان کی طرف سے قافلے کے بچ نکلنے کی اطلاع موصول ہوئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیشِ اسلامی کی مدینہ سے روانگی:

تاریخ و سیرت کے بیشتر مصنفین نے (حدیث و مغازی کی روایتوں کے حوالے سے) غزوۂ بدر کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آنحضور ﷺ کو (اپنے ذرائع سے) قریش کے تجارتی قافلے کے بارے میں اطلاع ملی کہ یہ شام سے پلٹ رہا ہے تو آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ "دین کے یہ دشمن کثیر مال و دولت کے ساتھ مکہ جا رہے ہیں۔ ان کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے نکل پڑو شاید اللہ تعالیٰ اس مال و دولت پر تمہارا قبضہ کرا دے۔" [1]

حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں تین سَو دس سے کچھ اوپر (۳۱۳، ۳۱۴ یا ۳۱۷) اصحاب قافلے کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے مدینہ سے نکل پڑے۔ ان میں باختلافِ روایت ۸۲ یا ۸۳ یا ۸۶ مہاجر تھے اور باقی سب انصار۔ یہ لوگ چونکہ بڑی عجلت میں تیار ہوئے تھے اور پھر کسی فوج سے مقابلہ درپیش نہیں تھا، اس لیے سامانِ جنگ وغیرہ فراہم کرنے کا کوئی خاص اہتمام نہ کیا گیا۔ ان کے ساتھ صرف دو یا تین گھوڑے تھے اور ستّر اونٹ۔ ان میں سے ہر اونٹ پر دو یا تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے ایک اونٹ رسولِ اکرم ﷺ، حضرت علیؓ اور حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد غنوی کے حصے میں آیا۔ حضور ﷺ بھی اپنی باری سے اونٹ پر سوار ہوتے اور پھر پیدل چلنے والوں کے ساتھ شریک ہو جاتے۔ آپؐ کے ساتھیوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ اونٹ پر تشریف رکھیں، پیدل چلنے کی تکلیف گوارا نہ فرمائیں۔

آپؐ نے فرمایا میں تم سے کم پیادہ نہیں چل سکتا اور نہ تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں۔

روانگی سے پہلے حضور ﷺ نے حضرت ابولبابہ رفاعہؓ بن عبد المنذر انصاری کو مدینہ کا اور حضرت عاصمؓ بن عدی انصاری کو قباء کا حاکم مقرر فرمایا۔ حضرت ابنِ اُمِ مکتومؓ کو آپؐ نے مدینہ میں لوگوں کو نماز پڑھانے کی ذمہ داری سونپی۔ مدینہ سے چلتے وقت حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت بیمار تھیں آپ نے ان کے شوہر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہٗ کو ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ ہی میں چھوڑ دیا۔

اسلامی لشکر وادیٔ ذفران سے گزر رہا تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ کو قافلے اور مکی لشکر دونوں

---

[1] مُستشرِقِین نے ایسی مُہموں کو "لوٹ مار اور ڈاکا زنی" کا نام دیا ہے لیکن یہ بڑی متعصبانہ اور زیادتی کی بات ہے۔ مشرکینِ مکہ نے اہلِ حق کے ساتھ ہجرت سے پہلے جو کچھ کیا اور جو کچھ ان کی ہجرت کے بعد کر رہے تھے اس نے فریقین کے درمیان حالتِ جنگ قائم کر دی تھی ایسی حالت میں اس قسم کی کارروائیاں کرنا بالکل جائز تھا بالخصوص اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ مشرکین نے مسلمانوں پر بے پناہ ظلم ڈھا کر انہیں اپنے وطن مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا اور ان کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد پر قبضہ کر لیا تھا۔ ظالموں نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ مسلمانوں کو مدینہ میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور منافقین و یہود پر زور ڈالا کہ وہ مسلمانوں کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیں اور انہیں مدینہ سے نکال دیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں پتا چل گیا کہ دونوں کس کس مقام پر ہیں آپؐ نے سارے معاملے پر غور کر کے یہ رائے قائم فرمائی کہ ہمیں لشکرِ قریش سے ٹکر لینی چاہئے لیکن اس سے پہلے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لینا چاہیے چنانچہ آپؐ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے ان کے سامنے ساری صورتِ حال بیان کی اور اپنی رائے کا اظہار بھی کیا۔ چونکہ ان میں سے کچھ اصحاب صرف قافلے پر حملہ کرنے کے خیال سے آئے تھے، انہیں ایک جرار لشکر سے لڑنے میں بڑا خطرہ محسوس ہوا اس لیے انہوں نے مکی لشکر سے ٹکر لینے میں تذبذب ظاہر کیا لیکن مہاجرین اور انصار کی اکثریت نے حضور ﷺ کی رائے عالیہ سے پورا اتفاق کیا اور راہِ حق میں اپنی جانیں قربان کرنے کا عہد کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے مَسَرّت کا اظہار فرمایا ور لشکرِ کفار سے ٹکر لینے کے لیے بدر پہنچ گئے...... اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے البتہ بعض اہلِ علم نے اس بات سے اختلاف کیا ہے کہ آنحضور ﷺ مدینہ سے قافلے کے تعاقب کے لیے چلے تھے۔ اُن کا خیال ہے کہ حضور ﷺ کو مدینہ ہی میں لشکرِ کفار کی آمد کا پتا چل گیا تھا اور آپؐ مدینہ سے اس لشکر سے ٹکر لینے کے لیے نکلے تھے نہ کہ قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی معرکہ آرا تالیف ''الفاروق'' میں لکھا ہے کہ

''عام مؤرخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کے لوٹنے کی غرض سے تھا لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہوسکتی، اس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے، یہ الفاظ ہیں:

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ﴿۵﴾ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۭ﴿۶﴾ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّاۗىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۷﴾ (الانفال آیات ۵۔۶۔۷)

''جیسا کہ تیرا ربّ تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر (مدینہ) سے نکال لایا تھا اور بیشک مومنوں کا ایک گروہ ناخوش تھا وہ اس حق کے معاملے میں تجھ سے جھگڑ رہے تھے دراں حالیکہ وہ صاف صاف ظاہر ہو چکا تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ گویا وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں۔ یاد کرو وہ موقع جب کہ اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں ایک تمہیں مل جائے گا۔ تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمہیں ملے مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جانا ہے۔

۲۔ مدینے سے نکلتے وقت کافروں کے دو گروہ تھے ایک غَیرُ ذاتِ الشَّوکَۃِ یعنی ابوسفیان کا کاروانِ تجارت اور دوسرا قریشِ مکّہ کا گروہ جو مکّہ سے حملہ کرنے کے لیے سروسامان کے ساتھ نکل چکا تھا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے بھی تفہیم القرآن جلد دوم میں سورۂ انفال کی تفسیر میں یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ آنحضور ﷺ کو مدینہ ہی میں قریش کے لشکر کی یلغار کا علم ہو چکا تھا اور مدینہ ہی میں آپؐ نے مجلسِ مشاورت منعقد فرمائی اور پھر قریش کے لشکر ہی سے نبرد آزما ہونے کے لیے آپؐ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اس موقف کے حق میں ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اسلامی لشکر مدینہ سے جنوب مغرب کی طرف روانہ ہوا جدھر سے قریش کا لشکر آرہا تھا اگر قافلے پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو اسلامی لشکر شمال مغرب کا رُخ کرتا...... دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اس سے پہلے قریش کے تجارتی قافلوں کے لیے جو مہمیں مدینہ سے روانہ کی گئیں وہ سب مہاجرین پر مشتمل ہوتی تھیں کیونکہ بیعتِ عقبہ کی رو سے انصار پر لازم نہ تھا کہ وہ مدینہ سے باہر جانے والی کسی مہم میں شریک ہوں لیکن اب حُضور ﷺ مدینہ سے جو لشکر لے کر روانہ ہوئے اس میں غالب تعداد انصار کی تھی۔

اس سلسلے میں اُن روایات کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے جن میں بعض صحابۂ کرامؓ کے درمیان غزوۂ بدر میں شرکت کے لیے مُسابقت کا ذکر آیا ہے ان میں سے دو روایتیں یہ ہیں:

۱۔ رسولِ اکرم ﷺ غزوۂ بدر کے لیے مدینۂ مُنوّرہ سے روانہ ہونے لگے تو حضرت ابوامامہ ایاسؓ بن ثعلبہ اور ان کے ماموں حضرت ابو بردہ ہانیؓ بن نیار بلوی دونوں غزوے میں شریک ہونے کے لیے بے تاب ہوگئے مگر مشکل یہ آن پڑی کہ حضرت ایاسؓ کی والدہ جو حضرت ہانیؓ کی ہمشیرہ تھیں، سخت بیمار ہوگئیں۔ گھر پر سوائے بیٹے اور بھائی کے اور کوئی نہ تھا جو ان کی نگہداشت کر سکے۔ حضرت ہانیؓ (ماموں) نے حضرت ایاسؓ (بھانجے) سے کہا، ایاسؓ! تمہاری والدہ سخت بیمار ہیں تم ان کی خدمت کے لیے ان کے پاس رہو اور مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوے پر جانے دو۔ حضرت ایاسؓ کا دل بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تڑپ رہا تھا۔ انہوں نے ماموں سے کہا، میری والدہ آپ کی حقیقی بہن ہیں۔ آپ ان کی خدمت کے لیے یہاں ٹھہریں اور مجھے غزوے پر جانے دیں اس بحث نے اتنا طول کھینچا کہ دونوں کو یہ معاملہ رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے پیش کرنا پڑا۔ آپؐ نے فرمایا کہ مریضہ کا بیٹا ماں کی خدمت کے لیے یہاں رہے اور بھائی میرے ساتھ غزوے میں شریک ہو چنانچہ حضرت ابوبردہ ہانی بنؓ نیار کو بدری صحابی ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ (الاستیعاب ص ۴ ج ۴ از حافظ ابنِ عبدالبرؒ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ رسولِ اکرم ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو غزوۂ بدر کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا تو حضرت سعد بن خیثمہ انصاری رضی اللہ عنہما بھی غزوے میں شریک ہونے کے لیے تیار ہوئے۔ والد حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی شوقِ شہادت انگڑائیاں لے رہا تھا انہوں نے بیٹے سے کہا، بیٹا! ـــــ ہم دونوں کے سوا گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک یہیں رہے اور دوسرا جہاد میں شریک ہو۔ تم جوان ہو اور گھر کی دیکھ بھال بہتر طور پر کر سکتے ہو اس لیے تم یہاں رہو اور مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوے پر جانے دو۔

بیٹے (حضرت سعدؓ) نے جواب دیا، ابا جان اگر جنّت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں ضرور گھر پر ٹھہر جاتا۔ اللہ نے مجھے اتنی طاقت دی ہے کہ میں حُضور ﷺ کی ہم رِکابی کا حق ادا کرسکوں اس لیے آپ یہاں ٹھہریے اور مجھے جہاد پر جانے کی اجازت دیجیے شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کا شرف بخشے۔

بڑی ردوکد کے بعد طے ہوا کہ قرعہ اندازی کی جائے جس کا نام قرعہ میں نکلے وہ لڑائی پر جائے اور دوسرا گھر پر رہے۔ قرعہ ڈالا گیا تو بیٹے کا نام نکلا چنانچہ وہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور نہایت بے جگری سے لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اگلے سال ان کے والد حضرت خیثمہؓ کی آرزو بھی پوری ہوگئی اور وہ غزوۂ اُحد میں وادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔ (الاصابہ ص ۲۳)

اس ضمن میں ایک اور روایت بھی قابلِ غور ہے وہ یہ کہ آنحضور ﷺ اپنے جاں نثاروں کے ہمراہ مدینہ مُنوّرہ سے روانہ ہوئے تو شہر سے تھوڑے ہی فاصلے پر آپؐ نے پڑاؤ ڈال کر لشکر کا جائزہ لیا اور متعدد کم عمر مجاہدوں کو واپس جانے کا حُکم دیا (آپؐ بالعموم پندرہ برس سے کم عمر کے لڑکوں کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے)۔ ان کم سِن مجاہدوں میں حضرت براءؓ بن عازب، حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت رافعؓ بن خدیج، ـــــــ

ـــــ حضرت زیدؓ بن ارقم، حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ اور حضرت عُمیرؓ بن ابی وقاص کے نام ملتے ہیں۔ اور تو سب واپس چلے گئے لیکن حضرت عمیرؓ بن ابی وقاص زار زار رونے لگے کیونکہ آرزوئے شہادت نے انہیں سخت بے تاب کر رکھا تھا۔ حضور ﷺ کو ان پر رحم آگیا اور آپؐ نے انہیں ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ ان روایات سے قارئین جو بھی نتیجہ اخذ کرنا چاہیں ان کو اختیار ہے۔ تاہم مذکورہ بالا علمی اختلاف سے قطعِ نظر مجلسِ مشاورت کی روداد کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں (خواہ یہ مدینہ میں منعقد ہوئی ہو یا بدر کے راستے میں)

رسولِ اکرم ﷺ کا صحابہؓ سے مشورہ:

بدر کی طرف روانہ ہونے سے پہلے رسولِ اکرم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور ان کے سامنے ساری صورتِ حال واضح فرمائی کہ شمال کی طرف سے قریش کا تجارتی قافلہ آرہا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور جنوب کی طرف سے قریش کا لشکر پھر اُن سے پوچھا کہ ہمیں قافلے کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے جانا چاہیے یا قریش کے لشکر سے نبرد آزما ہونے کے لیے؟ (معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہؓ کو قریش کے لشکر کی تعداد اور ساز وسامان کے بارے میں بھی آگاہ کر دیا اور اپنی اس رائے کا اظہار بھی فرما دیا کہ موجودہ حالات قریش کی طاغوتی قوّت اور زعمِ باطل پر ضرب لگانے کا تقاضا کرتے ہیں۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ دشمن کے قافلے اور لشکر دونوں میں سے ایک ہمیں مل جائیگا)

حضور ﷺ کے ارشاد کے جواب میں صحابہ کے ایک گروہ نے (اپنی کم تعداد اور ناکافی سامانِ جنگ کے پیشِ نظر) محسوس کیا کہ قریش کے لشکر کا مقابلہ کرنا گویا موت کے منہ میں جانا ہے اس لیے انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہمیں قافلے کا تعاقب کرنا چاہیے۔ حضور ﷺ کو ان کی اس خواہش سے اتفاق نہیں تھا اس لیے آپؐ نے صحابہ سے دوبارہ یہی سوال کیا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اٹھے اور کہا، یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں اللہ کے بھروسے پر مشرکین کے لشکر کا مقابلہ کرنا چاہیے پھر حضرت عُمر فاروقؓ اٹھے اور انہوں نے پُرجوش لہجے میں کہا، یا رسول اللہ یہ قریش کے سردار ہیں، جب سے انہیں عزت ملی انہوں نے ذِلّت کا مزا نہیں چکھا اور جب سے انہوں نے کفر اختیار کیا ہے، ایمان کے نور سے روشناس نہیں ہوئے۔ یہ آپ سے ضرور لڑیں گے اس لیے لازم ہے کہ ان کے سرِ پُرغرور پر فیصلہ کُن ضرب لگائی جائے۔ اس کے لیے ہماری جانیں حاضر ہیں۔ ان کے بعد حضرت مِقدادؓ بن عمرو اٹھے اور یوں عرض پیرا ہوئے:

> "یا رسول اللہ! ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ علیہ السّلام کی قوم کی طرح کہہ دیں اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ٥ (تو اور تیرا ربّ جا کر لڑے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) ہم تو کہتے ہیں چلیے جدھر آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے اُس طرف چلیے۔ اُس اللہ کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں ہماری جانیں ہیں اور جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے ہم آپ کے دائیں لڑیں گے اور بائیں لڑیں گے آگے لڑیں گے اور پیچھے لڑیں گے واللہ جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کرتی ہے آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔"

ان مہاجر اصحاب کے جوشِ ایمان نے آنحضور ﷺ کو بہت مسرور کیا لیکن آپؐ انصار کی مرضی بھی معلوم کرنا چاہتے تھے کیونکہ بیعتِ عقبۂ کبیرہ میں انہوں نے صرف یہ اقرار کیا تھا کہ اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ کرے گا تو انصار اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ آپ کی حفاظت اور اعانت کریں گے (دشمن سے لڑیں گے) اب چونکہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا ضروری ہوگیا تھا اس لیے حضور ﷺ کے نزدیک مناسب یہی تھا کہ میدانِ جہاد میں پہنچنے سے پہلے ان سے بھی مشورہ کرلیا جائے چنانچہ آپؐ نے اپنا سوال پھر دوہرایا۔ اس پر حضرت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ رئیسِ اوس اٹھے اور عرض کیا:

''یارسولَ اللہ! معلوم ہوتا ہے کہ حضور کا منشاء ہماری (انصار) کی مرضی معلوم کرنا ہے۔''

آپ نے فرمایا: ہاں

حضرت سعدؓ بن معاذ اب یوں عرض پیرا ہوئے:

''یارسولَ اللہ! ہم آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی تصدیق کی کہ آپؐ جو کچھ لائے ہیں، وہ حق ہے اور آپؐ سے سمع و اطاعت کا پختہ عہد کیا پس اے اللہ کے رسول! جو بھی مرضیِ مبارک میں ہو وہ کر گزریے، قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپؐ سمندر میں بھی اتر جائیں تو ہم آپ کے ساتھ رہیں گے (یعنی ہم بھی سمندر میں کود پڑیں گے) ہمارا ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ جب دشمن سے مقابلہ ہوگا تو آپ دیکھیں گے کہ ہم جنگ میں کس طرح ثابت قدم رہتے ہیں اور جانبازی کا حق ادا کرتے ہیں اور عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری بدولت ایسی مَسرّت عطا کرے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ پس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپ ہمیں ساتھ لے کر پیش قدمی فرمائیں۔'' (طبری۔ صحیح مسلم)

ایک روایت میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہٗ کے یہ الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں:

''یارسولَ اللہ! اگر آپ حکم دیں تو ہم برک الغماد (حبش یا یمن کا ایک مقام) تک اپنے اونٹوں کے کلیجے پگھلا دیں۔ (یعنی اتنے دور دراز مقام تک جانے میں بھی ہم کو کوئی عار نہیں ہے)''

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہٗ نے جس پُر جوش انداز میں انصار کے جذبۂ فدویت کی ترجمانی کی اسے دیکھ کر حضور ﷺ کا چہرۂ مبارک فرطِ مَسرّت سے چمک اٹھا۔

مہاجرین اور انصار سے مشورہ کے بعد فیصلہ ہوگیا کہ لشکرِ کفار ہی کے مقابلے کے لیے چلنا ہے۔ چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو سوئے بدر روانہ ہونے کا حکم دیا۔ مشرکینِ قریش کا لشکر بھی تیزی سے ادھر آ رہا تھا۔ پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ ابوسفیان نے قریش سے مدد طلب کرنے کے بعد خود ہی راستہ تبدیل کر کے قافلے کو مسلمانوں کی دسترس سے نکال لیا تھا اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک تیز رفتار قاصد قیس بن امری کے ہاتھ قریش کو پیغام بھیجا کہ قافلہ خطرے کی حد سے صحیح وسلامت نکل آیا ہے تم لوگ اپنے مال کی حفاظت کے لیے آ رہے تھے اب اس کی ضرورت نہیں رہی تم واپس مکہ جاؤ۔ قریش کو جس وقت یہ پیام ملا ان کا لشکر جحفہ کے مقام پر خیمہ زن تھا (مکہ سے بجانب شمال اس کا فاصلہ ۱۷۳ کلو میٹر ہے)۔ اگر قریش کو صرف قافلہ بچانا مقصود ہوتا تو وہ یہ پیام ملتے ہی واپس چلے جاتے لیکن ان کی تو نیت ہی جنگ کی تھی انہوں نے واپس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانے سے انکار کر دیا اور برابر بدر کی طرف بڑھتے گئے جو وہاں سے تقریباً ۱۴۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ ابنِ جریر طبری کا بیان ہے کہ اس موقع پر ابوجہل نے یہ ڈینگ ماری کہ ہم مُحمّد (ﷺ) سے ضرور لڑیں گے اور بدر پہنچ کر مسلمانوں کو کچل ڈالیں گے پھر وہاں تین دن تک جشن منائیں گے، اس میں جانور ذبح کریں گے، دعوتیں اڑائیں گے، مغنیہ عورتوں کے گانوں سے لطف اندوز ہوں گے، یوں سارے عرب پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی اور کسی کو ہمارے سامنے سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوگی۔ ۱

فریقین بدر پہنچتے ہیں:

اب اہلِ حق اور اہلِ باطل تیزی سے چلتے ہوئے بدر پہنچ گئے۔ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ بن مالک کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ مشرکینِ مکّہ سے پہلے بدر کے مقام پر پہنچ گئے اور وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ بدر ایک بیضوی شکل کی وادی یا میدان ہے جس کا طول تقریباً آٹھ کلومیٹر اور عرض تقریباً سات کلومیٹر ہے۔ جس مقام پر غزوۂ بدر ہوا اس کے قریب بدر نام کا ایک گاؤں بھی ہے۔ اس کے گرد دور تک نخلستان ہیں۔ بعض مؤرّخین نے لکھا ہے کہ بدر اصل میں ایک کنوئیں کا نام تھا جو نواحی علاقے کے ایک عرب سردار بدر نامی نے کسی زمانے میں کھدوایا تھا (بدر کے والد کا نام کسی نے حارث، کسی نے کلدہ اور کسی نے مخلد بن نضر بن کنانہ لکھا ہے)۔ زمانۂ جاہلیت میں یہاں ایک بت خانہ تھا جہاں ہر سال یکم ذیقعدہ سے آٹھ ذیقعدہ تک میلہ لگتا تھا جس میں اونٹ بکریوں وغیرہ کے علاوہ اونی عباؤں، کھالوں، گھی اور دوسری بہت سی چیزوں کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔ اکثر تجارتی قافلے بھی آتے جاتے اس مقام پر قیام کرتے تھے۔ وادیِ بدر کے اردگرد کئی پہاڑیاں ہیں۔ ان میں سے شمالی جانب کی ایک پہاڑی کا نام العُدْوَۃُ الدُّنیا اور جنوبی جانب کی پہاڑی کا نام العُدْوَۃُ القُصْویٰ ہے۔ مکّہ کی طرف سے وادی میں داخل ہونے سے پہلے ایک اونچا ٹیلہ ملتا ہے جس کا نام عقنقل ہے۔ وادیٔ بدر میں بدر کے بڑے کنوئیں کے علاوہ کچھ چشمے بھی ہیں۔ بدر سے کوئی پانچ کلومیٹر پہلے سڑک کے قریب ایک چٹان ہے جو بالکل بیٹھے ہوئے اونٹ کی طرح ہے۔ اس کو دیکھنے کا شوق بھی عربوں کو دُور دُور سے بدر کھینچ لاتا تھا۔ مدینہ منوّرہ سے بدر کا فاصلہ تقریباً ۱۴۸ کلومیٹر ہے (جزیرۃ العرب از مولانا محمد رابع ندوی) بدر سے ساحلِ سمندر (بحیرہ احمر) کا فاصلہ تقریباً بیس کلومیٹر ہے۔

لشکرِ اسلام نے بدر پہنچ کر پہلے جس جگہ پڑاؤ ڈالا اسے ناموزوں سمجھ کر جلد ہی ترک کر دیا اور وہاں سے دوسری جگہ ''عُدوۃ الدنیا'' کے قریب منتقل ہو گیا جس کے پاس میٹھے پانی کا ایک کنواں تھا۔ دوسری طرف قریش کا لشکر عقنقل ٹیلے کے پیچھے عُدْوَۃُ القُصْویٰ کے قریب

---

۱ ابنِ سعد اور ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ قریش کے دو قبیلے بنو عدی اور بنو زہرہ نے جنگ کے حامی سرداروں سے اختلاف کیا اور جحفہ سے واپس مکّہ چلے گئے ان کے جانے کے بعد لشکرِ قریش کی تعداد نو سو پچاس رہ گئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیمہ زن ہوا۔ قرآنِ حکیم میں دونوں لشکر گاہوں اور قافلۂ تجارت کا ذِکر اس طرح کیا گیا ہے:

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ۔ (الانفال: ع ۵)

''یاد کرو وہ وقت جبکہ تم وادی کے اِس جانب تھے اور وہ دوسری جانب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور قافلہ تم سے نیچے (ساحل) کی طرف تھا۔''

عُدوہ سے مراد وادی کا کنارہ ہے عُدوۃ الدُّنیا یعنی وہ کنارہ جو مدینہ سے قریب تھا اور قُصْوٰی سے مراد مدینہ سے بعید ہے مطلب یہ کہ مسلمانوں کا قیام بجانبِ مدینہ تھا اور مشرکین کا بجانبِ مکہ۔

بعض روایتوں میں ہے کہ مشرکین کا لشکر مسلمانوں سے پہلے بدر پہنچ گیا تھا اور اُس نے اپنی دانست کے مطابق ایک موزوں جگہ پر پڑاؤ ڈالا تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کی لشکر گاہ کی یہ کیفیت تھی کہ اس کی زمین ریتلی تھی جس میں آدمیوں اور سواریوں کے پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے اس سے اہلِ ایمان بہت تکلیف محسوس کر رہے تھے صرف یہی نہیں بلکہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جن پر گھبراہٹ اور تشویش کی کیفیت طاری تھی۔

رحمتِ الٰہی کا نزول:

۱۶ اور ۱۷ رمضان المبارک کی درمیانی شب کو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آ گئی اور وہ دو صورتوں میں اہلِ ایمان پر نازل ہوئی ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر غنودگی یا نیند کی صورت میں اطمینان اور بے خوفی کی کیفیت طاری کر دی اور دوسری یہ کہ آسمان سے خوب پانی برسا دیا جس سے لشکرِ گاہ کی زمین سخت ہوگئی اور اس پر قدم اچھی طرح جمنے لگے۔ ساتھ ہی مسلمانوں نے بارش کا پانی روک کر جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے حوض بنا لیے۔ ان کے علاوہ ایک بڑا حوض بھی بنا لیا۔ اس طرح ان کے وضو اور غسل وغیرہ کی سب ضرورتیں بآسانی پوری ہوگئیں۔ قرآنِ پاک میں حق تعالیٰ نے اپنی اس رحمت کا ذکر اس طرح کیا ہے:

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (الانفال: آیة ۱۱)

''(یاد کرو) وہ وقت جبکہ اللہ اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان اور بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست دور کرے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعہ سے تمہارے قدم جما دے۔''

دوسری جانب مشرکین کی لشکر گاہ نشیب میں تھی وہاں بارش کی وجہ سے دلدل اور کیچڑ ہوگئی اور اس میں پاؤں دھنسنے لگے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدّس عریش:

عریش سے مراد ہے مسقف چبوترا یا خیمہ کے مشابہ وہ سایہ دار جھونپڑا جو لڑائی سے پہلے ایک ٹیلے پر کھجور کی شاخوں سے تیار کیا گیا تا کہ رسولِ اکرم ﷺ اس جھونپڑے میں چبوترے پر بیٹھ کر لڑائی کی رفتار کا معاینہ کریں اور احکام نافذ فرمائیں۔

یہ عریش حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کی تجویز پر تیار کیا گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ اس میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ شمشیر برہنہ عَلَم کیے حضور ﷺ کی حفاظت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ لڑائی کے دوران میں اگر کوئی مشرک حضور ﷺ کی طرف بڑھنے کا قصد کرتا تو حضرت ابوبکرؓ مجسّم جلال بن جاتے، اُس مشرک پر جھپٹ پڑتے اور اس کو بزورِ شمشیر بھاگنے پر مجبور کر دیتے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ لڑائی سے پہلے (عریش کے اندر) حضور ﷺ نے نہایت خشوع و خضوع سے دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْلِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ، اَللّٰهُمَّ اَنْشُدُکَ عَهْدَکَ وَ وَعْدَکَ،
اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِکْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ الْيَوْمَ لَاتُعْبَدُ بَعْدَهَا فِي الْاَرْضِ

”اے اللہ! مجھ سے تو نے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما دے اے اللہ! میں تجھ سے تیرے عہد اور تیرے وعدے کا سوال کر رہا ہوں اے اللہ! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت نہ ہو گی۔“

اس وقت آپؐ کی محویت اور استغراق کی یہ کیفیت تھی کہ دوشِ مبارک سے چادر گر گر پڑتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ اس کو آپؐ کے شانوں پر رکھتے تھے اور آپؐ کو خبر تک نہ ہوتی تھی (یعنی اپنے خالق و مالک کے سوا آپ کا دھیان کسی اور طرف جاتا ہی نہ تھا) حضور ﷺ کو بار بار اس طرح دعا مانگتے دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ انہوں نے حضور ﷺ کا دستِ مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا، یا رسولؐ اللہ! اب بس کیجیے آپؐ اللہ کے سامنے بہت عجز و الحاح کر چکے، اللہ تعالیٰ آپؐ سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ اس کے بعد حضورِ انور ﷺ تیزی کے ساتھ عریش سے باہر نکلے اس وقت آپؐ زرہ پہنے ہوئے تھے اور آپؐ کی زبان مبارک پر یہ آیت تھی: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ○ (القمر۔ آیۃ ۴۵) ”عنقریب یہ گروہ شکست کھائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔“

مفسرین نے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی دعا کے جواب میں مجیب الدعوات اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے آپؐ کو یہ خوشخبری دی گئی۔

اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ (الانفال: آیۃ ۹)

”میں تمہاری مدد کے لیے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں جو پے در پے آئیں گے۔“

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لڑائی سے پہلے کے چند متفرق واقعات

ایفائے عہد شرکت جہاد سے زیادہ ضروری ہے:

مشہور صحابی حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما اور ان کے والد غزوۂ بدر کے موقع پر مکہ میں تھے۔ وہ مکہ سے سوئے مدینہ روانہ ہوئے تو راستے میں مشرکینِ قریش نے انہیں روک لیا اور کہا کہ شاید تم مُحمّد (ﷺ) کے پاس جا رہے ہو، ہم تمہیں ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔

انہوں نے کہا، ہم تو مدینہ اپنے گھر جا رہے ہیں، تمہیں اس پر کیا اعتراض ہے؟

مشرکین نے کہا، اچھا تو قسم کھاؤ کہ لڑائی میں مُحمّد (ﷺ) کے ساتھ ہو کر نہ لڑو گے۔

دونوں نے طوعاً وکرہاً لڑائی میں شریک نہ ہونے کا وعدہ کر لیا۔ اس پر مشرکین نے انہیں چھوڑ دیا۔ اب دونوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کیا اور غزوے میں شریک ہونے کی خواہش کی۔ حضور ﷺ کو اُس وقت ایک ایک آدمی کی بھی اشد ضرورت تھی لیکن آپ ﷺ نے فرمایا، تم اپنے عہد پر قائم رہو اور مدینہ چلے جاؤ۔ باقی رہی فتح ونُصرت، تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور ہم اسی سے مدد طلب کریں گے۔ (صحیح مسلم)

مشرک سے مدد نہیں لی:

بدر کے راستے میں رسولِ اکرم ﷺ سے حیرۃ الوبرہ کے مقام پر ایک شخص ملا جس کی جوانمردی اور شجاعت کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اس نے اسلامی فوج میں شامل ہو کر مشرکینِ قریش سے لڑنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضور ﷺ نے اُس سے پوچھا، کیا تم اللہ اور رسولؐ پر ایمان رکھتے ہو، اس نے نفی میں جواب دیا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا، میں کسی مشرک سے مدد نہیں لیتا تم واپس چلے جاؤ۔ (وہ چلا گیا)۔ آگے شجرہ کے مقام پر وہ پھر حضور ﷺ کے پاس آیا اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر قریش سے لڑنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن حضور ﷺ کے پوچھنے پر جب اس نے بتایا کہ وہ ابھی تک اپنے آبائی مذہب پر قائم ہے تو آپؐ نے پہلے کی طرح اس کو اپنے ساتھ ملانے سے انکار کر دیا۔ وہ واپس چلا گیا۔ بیدار کے مقام پر وہ تیسری مرتبہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ اب کی بار اس نے حضور ﷺ کے پوچھنے پر کہا کہ میں اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لاتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اب تم ہمارے ساتھ چل سکتے ہو۔ (صحیح مسلم)

عمائدِ قریش کی قتل گاہوں کی نشاندہی:

لڑائی سے چند گھنٹے پہلے آنحضور ﷺ نے اپنے اصحابِ کبار کے ساتھ میدانِ جنگ کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چکر لگایا آپؐ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرماتے جاتے تھے کہ اس جگہ قریش کا فلاں رئیس لڑائی میں مارا جائے گا اور اس مقام پر فلاں کا لاشہ پڑا ہوگا اِن شاءَ اللہ۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ مخبرِ صادق علیہ السلام نے عمائدِ قریش کی جو قتل گاہیں متعین فرمائی تھیں واللہ وہ سب لڑائی میں ہلاک ہو کر وہیں پڑے ہوئے ملے۔ (صحیحین)

ایک متکبّر مشرک کا قتل:

قریش کے لشکر میں اسود بن عبد الاسود مخزومی ایک نہایت اکھڑ، درشت مزاج، فتنہ پرور اور متکبّر جنگجو تھا۔ وہ مسلمانوں کے حوض کو دیکھ کر سانپ کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ عام لڑائی شروع ہونے سے پہلے وہ میدانِ جنگ میں آیا اور بآوازِ بلند قسم کھا کر کہا کہ آج میں مسلمانوں کے حوض کا پانی ضرور پیوں گا ورنہ اسے منہدم کر دوں گا یا اپنی جان دے دوں گا۔ اس کی ڈینگ سن کر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ سے بے تاب ہو گئے اور شیر کی طرح اس پر جھپٹے۔ ان کی تلوار کے پہلے ہی وار سے اس کی ٹانگ نصف پنڈلی سے کٹ گئی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اسی حالت میں گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا (بزعمِ خود اپنی قسم پوری کرنے کے لیے) حوض تک جا پہنچا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ اسود نے حوض میں چھلانگ لگا دی۔ حضرت حمزہؓ نے آگے بڑھ کر تلوار کی ایک بھرپور ضرب سے حوض ہی میں اس کا کام تمام کر دیا۔
(سیرۃِ کبریٰ الرّحیق المختوم)

حُبِّ رسولؐ کا ایمان افروز مظاہرہ:

لڑائی شروع ہونے سے پہلے آنحضور علیہ السلام نے مجاہدین کی صف بندی کا خاص اہتمام فرمایا۔ آپؐ اپنے دستِ مبارک میں ایک چھڑی یا تیر لیے صفوں کو برابر (درست) فرما رہے تھے کہ سوادؓ بن غزیہ نامی ایک مجاہد کو اپنی صف سے آگے بڑھا ہوا پایا۔ آپؐ نے چھڑی (یا تیر) سے ان کو ٹھوکا دیا اور فرمایا، اے سواد! اپنی صف میں برابر ہو جا حضرت سوادؓ نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ! آپ نے (چھڑی یا تیر سے) مجھے تکلیف پہنچائی چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اس لیے آپ مجھ کو بدلہ لینے کی اجازت دیجیے۔ حضور علیہ السلام نے اسی وقت اپنے جسدِ اطہر سے کپڑا ہٹا دیا اور فرمایا، آؤ بدلہ لے لو۔

حضرت سواد رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کو چمٹ گئے اور آپؐ کے شکمِ مبارک کو بوسہ دیا۔

حضور علیہ السلام نے ان سے پوچھا، اے سواد! تم نے ایسا کیوں کیا؟

انہوں نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ! جو چیز (جنگ) درپیش ہے اس کو آپ دیکھ رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں اس میں مارا جاؤں۔ اس لیے میری تمنّا تھی کہ میری آخری ملاقات آپ ہی سے ہو اور میرا بدن آپؐ کے جسمِ اطہر سے مَس ہو جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سن کر حضور علیہ ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔[1] (اُسدُ الغابہ)

ایک عجیب نظارہ:

۱۷ رمضان المبارک ۲ ھ کو میدانِ بدر میں جب تین سَو تیرہ نفوسِ قدسی دشمنانِ حق کے مقابلے میں صف آرا ہوئے تو چرخِ نیلی فام نے ایک عجیب نظارہ دیکھا کہ بیٹے کے مقابلے میں باپ، بھائی کے مقابلے میں بھائی، چچا کے مقابلے میں بھتیجا، بھانجے کے مقابلے میں ماموں (وَعلیٰ ہٰذا القیاس) جان کی بازی لگائے ہوئے تھا۔ دینِ حق کے نام لیواؤں نے اعلان کر دیا تھا کہ جو محمدؐ رسول اللہ کا دشمن ہے ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ خون رنگ نسل کے سب رشتے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی محبت کے سامنے ہیچ ہیں تا آنکہ لات وعُزّیٰ کے پجاری خدائے واحد پر ایمان لا کر ہماری مِلّت میں شامل نہ ہو جائیں حَتّٰی تُؤمِنُوْا بِاللّٰہِ وَحْدَهٗ۔

تاریخ نے ان عجیب وغریب حریفوں میں سے بعض کے نام محفوظ کر لیے ہیں۔ مندرجہ ذیل تقابل ملاحظہ فرمائیے:

علمبردارانِ حق	پرستارانِ باطل
خاتَمَ الانبیاء خَیرُ الْبَشَر حضرت مُحمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۔ آپؐ کے داماد ابو العاص ۲۔ آپؐ کے چچا زاد بھائی نوفل بن حارث بن عبد المُطّلب۔ ۳۔ آپؐ کے دوسرے عم زاد بھائی۔ ابوسفیان بن حارث بن عبد المُطّلب ۴۔ آپؐ کے چچا عباسؓ بن عبد المُطّلب ۵۔ آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی مسعود بن ابی امیّہ ۶۔ آپؐ کے چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب
حضرت حمزہؓ بن عبد المُطّلب	۱۔ ان کے بھائی عباس بن عبد المُطّلب ۲۔ ان کے بھتیجے نوفل بن حارث ۳۔ ان کے دوسرے بھتیجے ابوسفیان بن حارث ۴۔ ان کے تیسرے بھتیجے عقیل بن ابی طالب ۵۔ ان کے بھانجے مسعود بن ابی امیہ

---

[1] حضرت سواد بن غزیہ انصاری رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے بعد عرصہ تک حیات رہے اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی حضور علیہ ﷺ کے ہم رکاب رہے۔ ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ فتح خیبر کے بعد حضور علیہ ﷺ نے انہیں خیبر کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ ان کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو حُذیفہؓ بن عتبہ	۱۔ ان کا باپ عتبہ بن ربیعہ
	۲۔ ان کا چچا شیبہ بن ربیعہ
	۳۔ ان کا بھانجا حنظلہ بن ابی سفیان
	۴۔ ان کا بھائی ولید بن عتبہ
حضرت ابوبکرؓ صِدِّیق	ان کے فرزند عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ
حضرت عُمرِ فاروقؓ	ان کا ماموں عاصی بن ہاشم
حضرت عبیدہؓ بن حارث بن مُطّلب بن عبدِ مناف	ان کا چچا زاد بھائی حرث بن عامر
حضرت مُصعبؓ بن عُمیر	ان کا بھائی ابو عزیز بن عُمیر
حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف	ان کا خسر عُقبہ بن ابی مُعیط
حضرت ابو عبیدہ عامرؓ	ان کا باپ عبداللہ بن جراح
حضرت ابو سَلَمہؓ بن عبدالاسد	ان کا بھائی اسود بن عبدالاسد
حضرت عبداللہؓ بن سہیل	ان کا والد سہیل بن عمرو
حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ	ان کا اخیافی بھائی ابوجہل

پرستارانِ حق کے جوشِ ایمان کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت ابوبکر صِدِّیقؓ کے فرزند عبدالرحمٰنؓ ایمان لائے تو ایک دن انہوں نے اپنے پدرِ گرامی سے کہا۔ ''ابّا جان! جنگِ بدر میں آپ کئی بار میری تلوار کی زد میں آئے لیکن میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔'' حضرت ابوبکر صِدِّیقؓ نے فرمایا۔ ''اے بیٹے! اگر تو اس دن میری تلوار کی زد میں آجاتا تو خدا کی قسم تیری گردن اڑا دیتا۔''

حضرت عُمرِ فاروقؓ نے اپنے مشرک ماموں عاصی بن ہاشم کو عین معرکۂ کارزار میں جہنم واصل کیا۔

حضرت ابوعبیدہ عامرؓ کا مشرک باپ عبداللہ بن جراح ان کی شمشیرِ اجل کا نشانہ بن گیا اور نسبی و خونی تعلق انہیں اپنا فرض ادا کرنے سے نہ روک سکا۔ سلام ان پر کہ جنھوں نے اللہ کی راہ میں ماں، باپ، بھائی، زن و فرزند، مال و دولت سب چھوڑ دیے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے فرزند حضرت عبدالرحمٰنؓ کے جنگِ بدر میں ایک دوسرے کے مقابل ہونے کے واقعہ کو حافظ محمد اسلم جیراجپوری مرحوم نے ایک ایمان افروز نظم میں اس طرح پیش کیا ہے:

پسرِ حضرتِ صدِّیقؓ وہ عبدالرّحمانؓ — جو کہ تقوٰی میں تھے بے مثل شجاعت میں مَثَل
مصر اور شام کی جنگوں میں جو جو کیے کام — زینتِ صفحۂ تاریخ ہیں ان کے وہ عمل
ہاتھ تیغ تھی یا برق پئے خرمنِ کفر — دیکھ کے دل جسے کفّار کے جاتے تھے دہل
سطوتِ حق کا زمانہ پہ بٹھایا سکّہ — چمنِ دہر سے باطل کو کیا مستاصل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدر تک ان کو نہ اسلام پہ آیا تھا یقیں
تھے شریکِ صفِ اعداء پئے جنگ و جدل

بعد ازاں لائے اسلام وہ والا گہر
نورِ توفیقِ الٰہی نے دکھائی مشعل

بزمِ اصحابِ رسولِ عربیؐ میں اک روز
غزوۂ بدر کا کچھ تذکرہ آیا جو نکل

بولے یہ حضرتِ صدیقؓ سے عبد الرحمٰنؓ
حملہ آور جو ہوئی بدر میں صفِ اوّل

ایک بار آپ وہاں آگئے میری زد پر
سخت موقع تھا جو نیت میں کہیں آئے خلل

پاسِ ناموسِ حقوقِ پدری نے روکا
دوسری سمت کو رخ اپنا لیا میں نے بدل

سن کے یہ حضرتِ صدیقؓ نے ارشاد کیا
راہِ حق میں نہیں رشتہ کی رعایت کا محل

تو مری زد پر جو آتا تو نہ بچ کر جاتا
یہ مری تیغ تھی تیرے لیے پیغامِ اجل

دشمنِ حق سے مسلماں کی قرابت کیسی
اس کا رشتہ ہے فقط حُبِّ خدا عزّ وجلّ

اس سلسلے میں یہاں ایک اور واقعہ کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا۔ حضرت مُصعبؓ بن عُمیر لشکرِ اسلام کے عَلَم بردار تھے اور ان کے بھائی ابوعزیز بن عمیر لشکرِ کفار کے عَلَم بردار۔ غزوۂ بدر میں ستر مشرکین کو مسلمانوں نے گرفتار کرلیا ان میں ابوعزیز بھی تھے۔ جس وقت ایک مجاہد ان کے ہاتھ باندھ رہے تھے، حضرت مُصعبؓ بن عُمیر کا اُدھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے مجاہد سے کہا، اس کو کس کر باندھنا، اس کی ماں بہت مالدار ہے (اس سے فدیہ کی اچھی رقم مل سکتی ہے) ابوعزیز نے یہ سن کر حضرت مُصعبؓ سے کہا، تم میرے بھائی ہوکر یہ مشورہ دے رہے ہو۔ حضرت مُصعبؓ نے فرمایا، تم میرے بھائی نہیں ہو، میرا بھائی وہ ہے جو تمہاری مُشکیں کس رہا ہے۔ (یعنی دین کا رشتہ خون کے رشتے پر فوقیت رکھتا ہے)۔ (سیرۃ ابنِ کثیر ج ۲ ص ۴۷۵)

فریقین کے عَلَم بردار:

اسلامی لشکر کا سب سے بڑا جھنڈا (عَلَم/لِواء) مہاجرین کا تھا جو حضور ﷺ نے حضرت مُصعَب بن عُمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔ انصارِ خزرج کا عَلَم حضرت حبابؓ بن منذر کے پاس تھا اور اوس کا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس۔ مشرکین کے لشکر کے بھی تین عَلَمبر دار تھے، طلحہ بن ابی طلحہ، ابوعزیز بن عمیر اور نضر بن حارث۔ ان تینوں کا تعلق بنوعبدالدار سے تھا۔

لڑائی کا آغاز:

جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس وقت عرب میں بالخصوص اور دوسرے ممالک میں بالعموم یہ دستور تھا کہ مخالف فوجیں عام لڑائی سے پہلے مبارزہ کیا کرتی تھیں یعنی ایک ایک دو دو آدمی نکل کر مخالف فریق کے اتنے ہی آدمیوں کو لڑنے کے لیے للکارتے تھے۔ چنانچہ میدانِ بدر میں جب شرارِ بولہبی چراغِ مصطفوی سے ستیزہ کار ہوا تو کفار کی طرف سے سب سے پہلے عامر بن حضرمی نکلا اور اس نے لشکرِ اسلام کو دعوتِ مبارزت دی۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہجعؓ بن صالح یمنی جھپٹ کر نکلے وہ کچھ عرصہ پہلے حضرت عمرؓ فاروق کے غلام تھے۔ فاروقِ اعظمؓ نے انہیں راہِ خدا میں آزاد کر دیا تھا۔ حضرت مہجعؓ کے دل میں شوقِ شہادت چٹکیاں لے رہا تھا انہوں نے اپنے حریف کی جنگی مہارت کی قطعًا پروانہ کی اور فوراً اس کے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ مقدور بھر دادِ شجاعت دی اور آخر عامر کے ہاتھوں جامِ شہادت پیا۔ بدر کے میدان میں یہ پہلا خون تھا جو اللہ کے راستے میں گرا۔ ا مہجعؓ کی شہادت کے بعد عامر اکڑتا ہوا اپنے لشکر میں چلا گیا۔ اس کے بعد قریشِ مکّہ کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اکڑتے ہوئے نکلے۔ یہ تینوں قریش کے آزمودہ کار بہادر تھے۔ عتبہ نے اپنے سینہ پر شتر مرغ کے پر کا امتیازی نشان لگا رکھا تھا۔ ۲ ان تینوں نے علمبردارانِ حق کو دعوتِ مبارزت دی۔ تین انصاری جانباز معاذؓ، معوذؓ اور عوفؓ پسرانِ حارث ان کے مقابلے کے لیے نکلے۔ ۳ (بعض مؤرخوں نے عوفؓ بن حارث کی جگہ حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ انصاری کا نام لکھا ہے) عتبہ نے ان کا حسب ونسب پوچھا۔ جب انہوں نے بتایا تو عتبہ پکارا۔ ''محمدؐ یہ لوگ ہمارے برابر کے نہیں ہماری قوم اور کفو کے آدمی ہمارے مقابلے پر بھیجو۔''

حضور علیہ السلام نے شیرِ خدا حمزہؓ، حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ اور حضرت عبیدہؓ بن حارث کو حکم دیا کہ جاؤ اور راہِ خدا میں لڑو۔ یہ تینوں قریشی تھے۔ عتبہ نے انہیں دیکھ کر کہا۔ ''ہاں اب یہ ہمارے جوڑ کے ہیں۔''

عتبہ نے حضرت حمزہؓ اور ولید نے حضرت علیؓ سے مقابلہ کیا۔ حضرت عبیدہؓ شیبہ سے

---

۱ یہ طبقات ابنِ سعد کی روایت ہے۔ ابنِ جریر طبری کا بیان ہے کہ حضرت مہجعؓ کو اچانک کسی دشمن کا تیر آلگا تھا جس کے صدمے سے وہ شہید ہوگئے۔ ہوسکتا ہے کہ جب حضرت مہجعؓ عامر سے مقابلہ کے لیے نکلے ہوں، کسی بدفطرت مشرک نے ان پر تیر چلا دیا ہو اور وہ عامر کے ہاتھ سے نہیں بلکہ اس تیر سے شہید ہوئے ہوں۔ عامر بھی اس لڑائی میں حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

۲ بعض روایتوں میں ہے کہ عتبہ قریش کے لشکر کا سپہ سالارِ اعظم تھا۔ قافلے کے بچ جانے کی خبر سن کر اس نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ لشکرِ قریش کو مسلمانوں سے لڑنے کے بجائے واپس مکّہ چلے جانا چاہئے لیکن ابوجہل مسلمانوں سے لڑنے پر مُصر تھا اس نے عتبہ کی ایک نہ چلنے دی اور اُس کو بزدلی کا طعنہ دیا۔ اس پر عتبہ نے غیرت کھا کر پہلے تو اپنے بیٹے ابوحذیفہؓ کو مقابلے کے لیے للکارا (جو مسلمان ہو چکے تھے اور اسلامی لشکر میں شامل تھے) لیکن جب وہ مقابلے پر نہ آئے (ایک روایت کے مطابق انہیں حضور علیہ السلام نے مقابلے پر نکلنے کی اجازت نہ دی) تو وہ اپنے بھائی اور بھتیجے کو ساتھ لے کر میدان میں نکلا۔ ان تینوں کا تعلق قریش کے خاندان بنی عبدِ شمس سے تھا۔

۳ یہ تینوں حقیقی بھائی تھے اور انصار کے خاندان بنی نجّار سے تعلق رکھتے تھے۔ والد کا نام حارث بن رفاعہ تھا اور والدہ کا عفراءؓ بنتِ عبید۔ والد ہجرتِ نبوی سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ والدہ کو قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا انہی کے نام کی نسبت سے تینوں بھائی ابناءِ عفراءؓ (عفراءؓ کے بیٹے) مشہور ہوئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معرکہ آرا ہوئے۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے آناً فاناً اپنے حریفوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ البتہ عبیدہؓ جو معمر تھے اور بنو عبدِ مناف کے سب لوگوں سے عمر میں بڑے تھے شیبہ کی تلوار سے شدید زخمی ہو گئے۔ حضرت علیؓ حضرت عبیدہؓ کی مدد کو بڑھے اور انہوں نے ایک ہی وار میں شیبہ کو نارِ جہنم کے حوالے کر دیا۔ طعیمہ بن عدی بن نوفل جوش میں آ کر آگے بڑھا۔ حضرت حمزہؓ کی شمشیر خارا شگاف نے اسے بھی جہنم واصل کر دیا۔ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ حضرت عبیدہؓ کو کمر پر ڈال کر رسولِ کریم ﷺ کے سامنے لائے۔ عبیدہؓ نے بے تابانہ عرض کی۔ "یا رسولَ اللہ! کیا میں دولتِ شہادت سے محروم رہا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا۔ "نہیں تم نے درجۂ شہادت حاصل کر لیا۔"

زخمی عبیدہؓ کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔ بے اختیار ہو کر بولے کہ آج ابو طالب زندہ ہوتے تو تسلیم کر لیتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں۔

ونسلم حتی نصرع حوله

ونذهل عن ابناءنا والحلائل

"ہم محمد رسول اللہ کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے گرد لڑ کر مر جائیں گے۔"

"ہم محمدؐ کے لیے اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں گے۔" [1]

فتح مبین:

اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی اور دونوں فوجیں ایک دوسرے سے گُتھ گئیں۔ مشرکین کو اپنی تعداد اور اپنے ساز و سامان پر بڑا ناز اور بھروسا تھا۔ اُن کی رعونت اور تکبر کا یہ عالم تھا کہ اپنے سے کہیں کم بے سرو سامان اسلامی لشکر کی اُن کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ اپنی قوت اور شیطان کی تائید کے بھروسے پر اُن کو پورا یقین تھا کہ مسلمانوں کو آناً فاناً کچل کر رکھ دیں گے۔ [2]

دوسری طرف اہلِ حق جوشِ ایمان اور شوقِ شہادت کے نشہ سے سرشار تھے۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑ رہے تھے اور اُسی ذاتِ واحد پر اُن کا بھروسا تھا۔ وہ یقین و ثبات کی دولت سے مالا مال

---

1 حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے بدر سے مراجعت کرتے ہوئے وادیٔ صفراء میں (لڑائی میں آنے والے شدید زخم کی وجہ سے) وفات پائی۔ اسی طرح انہوں نے جناب ابوطالب کے اس شعر کا حق ادا کر دیا۔ حضرت عبیدہؓ حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔

2 الانفال کی آیۃ ۴۸ میں شیطان کی تائید کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔ "ذرا خیال کرو اس وقت کا جب کہ شیطان نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھائے تھے اور اُن سے کہا تھا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور یہ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے انہیں نہ اپنی قلّتِ تعداد کی پروا تھی اور نہ بے سروسامانی کی۔ انہوں نے اس جوش سے مشرکین پر حملہ کیا کہ اُن کے قدم ڈگمگا گئے۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت عمرِ فاروقؓ، حضرت مُصعبؓ بن عمیر، حضرت سعدؓ بن معاذ، حضرت ابودجانہؓ اور دوسرے دلاورانِ اسلام نے مشرکین کی صفوں کو اُلٹ کر رکھ دیا۔ ان کے سامنے جو مشرک آتا، ان کی شمشیرِ خارا شگاف کا شکار ہو جاتا یا دُم دبا کر بھاگ جاتا۔ حضرت حمزہؓ اس شان سے لڑ رہے تھے کہ اپنی دستار پر شترمرغ کے پَر کی کلغی لگا رکھی تھی اور دونوں ہاتھوں سے تلوار چلا رہے تھے۔ جدھر جھک پڑتے، میدان صاف ہو جاتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں مشرکین کے ستر آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے اور ستر مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ مقتولین میں قریش کے وہ تمام سردار اور رُؤسا شامل تھے جنھوں نے آنحضور ﷺ اور آپؐ کے جاں نثاروں کو ایذائیں دی تھیں یا آپؐ کے مشورۂ قتل میں شریک تھے۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:۔

عُتبہ بن ربیعہ، شَیبہ بن ربیعہ، ولید بن عُتبہ بن ربیعہ، عمرو بن ہشام (ابوجہل)، نوفل بن خویلد، طعیمہ بن عدی، عاص بن ہشام، سعید بنِ عاص بن امیہ، اُمیہّ بن خَلَف، عمرو بن عثمان، نبیہ بن حجاج سہمی، منبہ بن حجاج سہمی، علی بن امیہّ بن خَلَف، زَمعہ بن اسود بن مُطّلِب، مسعود بن ابی امیہّ، حنظلہ بن ابی سفیان، اسود بن عبدالاسد، عبیدہ بن سعید بن عاص، ابوالعاص بن قیس بن عدی۔

عہدِ رسالت میں حق و باطل کے اس پہلے معرکۂ عظیم میں حق کو جو فتحِ مُبین حاصل ہوئی اس میں یہ عوامل کارفرما تھے:

۱۔ اہلِ حق کا اِخلاص فی الدّین، جوشِ ایمان، جذبۂ فدویت اور توکُّل عَلَی اللہ۔

۲۔ بارگاہِ الٰہی میں فتح ونصرت کے لیے رحمتِ عالم ﷺ کی نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دعا اور میدانِ کارزار میں سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت سے مجاہدین کی رہنمائی۔

۳۔ اہلِ حق کی نُصرت اور حوصلہ افزائی کے لیے ملائکہ کا نُزول، ملائکہ نے کس صورت میں اہلِ حق (اصحابِ بدر) کی مدد کی؟ اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ فرشتوں نے جدال وقتال یا حرب وضرب کا کام نہیں کیا (سوائے چند استثنائی واقعات کے جن کا ذکر بعض حدیثوں میں آیا ہے) شاید اُن کی مدد اس بات کو یقینی بنانے کی صورت میں تھی کہ مسلمان کُفّار پر جو ضرب لگائیں وہ ٹھیک ٹھیک بیٹھے اور کارگر لگے (یعنی کسی مسلمان کی تلوار یا برچھی کا وار اچٹ نہ جائے)

۴۔ رسولِ اکرم ﷺ جس وقت مدینہ سے روانہ ہو رہے تھے یا بروایتِ دیگر راستے میں کسی منزل پر تھے اور مشرکین کی صحیح تعداد ابھی مُتحقّق نہیں ہوئی تھی کہ حُضور ﷺ نے ایک خواب دیکھا جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا کہ مشرکین قلیل تعداد میں ہیں۔ یہی خواب آپؐ نے مسلمانوں کو سنا دیا جس سے ان کی ہمت دو چند ہوگئی اور وہ آگے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑھتے چلے گئے۔ پھر جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو اللہ نے صحابہ کی آنکھوں میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا اور دشمنوں کی نگاہوں میں صحابہ کی تعداد کو کم کر کے دکھایا۔ بظاہر اس کا مقصد یہ تھا کہ دونوں فریق جم کر لڑیں اور اللہ جس کام کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اسے پورا کر دکھائے۔ (یعنی مشرکین کی قوت پاش پاش ہو جائے) ۔

قرآنِ حکیم میں ان امور کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۴۳) وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ (۴۴) (الانفال ۴۳۔۴۴)

"اور یاد کرو وہ وقت اے نبیؐ، اللہ ان (دشمنوں) کو تمہارے خواب میں تھوڑا دکھا رہا تھا۔ اگر کہیں وہ تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھا دیتا تو ضرور تم لوگ ہمت ہار جاتے اور لڑائی کے معاملے میں جھگڑا شروع کر دیتے لیکن اللہ ہی نے اس سے تمہیں بچایا، یقیناً وہ سینوں کا حال تک جانتا ہے۔

اور یاد کرو جب کہ مقابلے کے وقت اللہ نے تم لوگوں کی نگاہوں میں دشمنوں کی تعداد کم دکھائی اور اُن کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے پیش کیا تاکہ جو بات ہونی تھی اُسے اللہ ظہور میں لے آئے اور آخر کار سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"

۵۔ دونوں لشکروں کی اخلاقی حالت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ مشرکین کے لشکر میں جس طرح دادِ عیش دی جارہی تھی اس کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔ شراب و کباب اور رقص و سرود کے مقابلے میں اسلامی لشکر میں پرہیزگاری تھی، نمازیں تھیں، ذکرِ الٰہی تھا، خدا ترسی تھی اور بارگاہِ الٰہی میں التجائیں اور دعائیں تھیں۔ اہلِ حق کو اسی لیے اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوئی کہ ان کو اخلاقی اعتبار سے فریقِ مخالف پر برتری حاصل تھی۔

اب بدر کے ہنگامۂ کارزار کی چند مزید (خاص) جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

شوقِ شہادت کی انتہا:

جب مشرکین مسلمانوں کے نزدیک آگئے تو سرورِ کائناتؐ نے صحابۂ کرامؓ سے فرمایا کہ اٹھو اور جنت کی طرف بڑھو جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کی طرح ہے۔

حضرت عمیرؓ بن حمام انصاری بھی ان صحابہؓ میں موجود تھے۔ انہوں نے عرض کی۔

"یارسول اللہ! اس جنت کی طرف جس کا عرض ارض و سما کا عرض ہے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''
حضرت عمیرؓ بن حمام نے بے ساختہ کہا۔ ''بخ بخ (یعنی واہ وا)
حضور ﷺ نے پوچھا۔ ''تمہیں کس چیز نے واہ وا کہنے پر آمادہ کیا۔''
عمیرؓ نے عرض کی۔ ''یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں نے یہ کلمہ اس امید پر کہا کہ میں بھی اہلِ بہشت میں سے ہو جاؤں۔''
حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''بیشک تم بھی بہشت والوں میں سے ہو۔''
حضرت عمیرؓ اپنی جھولی سے چند کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ پھر شوقِ شہادت میں بیتاب ہو کر کہا۔ ''اگر میں ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار کروں تو یہ بہت طویل زندگی ہے۔''
یہ کہہ کر باقی کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور تلوار پکڑ کر مردانہ وار صفِ اعداء میں گھس گئے۔ بہت سے دشمنوں نے نرغہ میں لے لیا۔ مشتاقِ جنت عمیرؓ نہایت پامردی اور جانبازی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

واہ وا والے حارثہ:

حارثہؓ بن سراقہ انصاری مشہور صحابیہ حضرت رُبَیِّعؓ بنتِ نضر کے اطاعت گزار بیٹے تھے۔ سراقہ ہجرتِ نبوی سے قبل فوت ہو گئے تھے اور رُبَیِّع اپنے بیٹے کے سہارے پر ہی زندگی کے دن کاٹ رہی تھیں۔ سعادت مند بیٹا ماں کی ادنیٰ سے ادنیٰ ضرورت کا بھی خیال رکھتا تھا اور ماں اپنے بیٹے کی سعادت مندی پر سَو جان سے فدا تھیں۔ جب اسلام کی نورانی کرنوں نے سرزمینِ یثرب کو منور کیا تو دونوں ماں بیٹا دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو گئے۔
ایک دن رحمتِ دو عالم ﷺ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں حارثہ سے ملاقات ہو گئی۔
پوچھا ''صبح کیسے اٹھے؟'' جواب دیا۔ ''یا رسولَ اللہ! اس طرح کہ مسلمِ صادق ہوں۔''
حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''سوچ کر جواب دو۔ ہر بات کی اصلیت ہوتی ہے۔''
حارثہؓ نے عرض کی! ''یا رسول اللہ! دنیا سے کنارہ کر لیا ہے رات کو رواں اور دن کو تشنہ لب رہتا ہوں۔ اس وقت اپنے آپ کو عرش کی جانب مائل بہ پرواز محسوس کر رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ دوزخی دوزخ میں جا رہے ہیں اور جنتی جنت میں۔''
حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''جس بندۂ حق کا سینہ اللہ پُر نور کر دے وہ اپنے خالق سے جدا نہیں ہوتا۔''
حارثہؓ نے عرض کی ''یا رسولَ اللہ! دعا فرمائیں کہ ذاتِ احد مجھے رتبۂ شہادت پر فائز کرے۔'' حضور ﷺ نے ان کی استدعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور ان کے لیے شہادت کی دعا کی۔
تھوڑے ہی عرصہ بعد غزوۂ بدر پیش آیا۔ حضرت حارثہؓ اس میں بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوئے۔ گھوڑے پر سوار تھے اور سب سے پہلے میدانِ جہاد کی طرف روانہ ہوئے ایک حوض پر پانی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پی رہے تھے۔ کہ ایک مشرک نے تاک کر تیر مارا۔ حضرت حارثہؓ تڑپ کر ٹھنڈے ہوگئے اور انصار میں سب سے پہلے رسول کریم ﷺ پر اپنی جان قربان کر دی۔

ماں کو اپنے سعادت مند فرزند سے بے پناہ محبت تھی۔ غزوہ سے واپسی پر بادیدۂ نم رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی۔ "یا رسولَ اللہ! میں اپنے اطاعت گزار فرزند پر دیوانہ وار فدا تھی۔ اگر وہ جنّت میں گیا ہے تو خیر ورنہ آپ دیکھیں گے کہ میں اپنا کیا حال بناتی ہوں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا۔ "جنّت کیا حارثہؓ کو تو اللہ تعالیٰ نے جنّت الفردوس عطا کی ہے۔"

فدائے حق ماں خیر البشر ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے بیٹے کے لیے جنت الفردوس کی بشارت سن کر نہال ہوگئیں۔ لبوں پر بے اختیار تبسم آ گیا اور کہنے لگیں:

"بَخٍ بَخٍ یا حارِثہ یعنی واہ واہ اے حارِثہ!"

ابوالبختری کا قتل:

حضرت عبد اللہ (مُجذّر) بن زیادؓ انصاری رسول اللہ ﷺ کے عاشقِ صادق تھے غزوۂ بدر میں جان ہتھیلی پر رکھ کر مصروفِ وغا تھے کہ ان کا سامنا رئیسِ مکّہ ابوالبختری سے ہوگیا۔ وہ اپنے ایک رفیق جنادہ بن ملیحہ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھا۔ ابوالبختری ایک شریف الطبع انسان تھا۔ اس نے مکّہ میں کئی مواقع پر رسول کریم ﷺ کی مدد کی تھی اس لیے حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اس کے قتل کی ممانعت فرمادی تھی۔

حضرت مُجذّرؓ بن زیاد نے اسے دیکھ کر کہا۔ "رسولِ کریم ﷺ نے تمہارے قتل کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس لیے میں تمہیں چھوڑتا ہوں۔"

ابوالبختری نے کہا۔ "کیا میرے ساتھی کو بھی چھوڑتے ہو؟"

مُجذّرؓ نے کہا۔ "اسے کیوں چھوڑوں؟" رسول اللہ نے صرف تمہاری جاں بخشی کا حکم دیا ہے۔"

ابوالبختری نے جواب دیا۔ "یہ کبھی نہ ہوگا کہ اپنی جان بچانے کے لیے اپنے ساتھی کو تنہا چھوڑ دوں۔ قریش کی عورتیں مجھے خودغرض کہیں گی۔"

لَنْ یُسْلِمَ ابْنُ حُرَّةٍ ذَمِیْلَهٗ
حَتّٰی یَمُوْتَ اَوْیَرٰی سَبِیْلَهٗ

"کسی آزاد عورت کا بیٹا اپنے رفیق کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ مر نہ جائے یا وہ اپنا راستہ نہ دیکھ لے۔"

یہ کہہ کر اونٹ سے کود پڑا اور حضرت مُجذّرؓ پر حملہ آور ہوا۔ وہ جنونِ عشق میں سرمست تھے۔ مجبور ہو کر ہاتھ اٹھایا اور تلوار کے ایک ہی وار سے ابوالبختری کو کاٹ کر رکھ دیا لیکن رسولِ کریم ﷺ کا حکم یاد آیا تو جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ دست بستہ خدمتِ نبویؐ میں حاضر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے اور عرض کی۔ ''یا رسول اللہ! ربِّ ذوالجلال کی قسم میں نے ابوالبختری کو زندہ پکڑ کر آپ کی خدمت میں لانے کی بہتیری کوشش کی لیکن وہ لڑائی کے سوا کسی چیز پر راضی نہ ہوا اور میرے ہاتھ سے مارا گیا۔'' حضور ﷺ نے ان کا عذر معقول سمجھ کر درگزر فرمایا۔ [1]

ابوجہل کا قتل:

حضرت معاذؓ بن عفراءؓ اور حضرت مُعَوِّذؓ بن عفراءؓ جن کا ذکر پیچھے آچکا ہے، نے کسی سے سنا تھا کہ رئیسِ مکّہ ابوجہل ان کے آقا و مولا رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے۔ اسی دن سے ان کے دل میں ابوجہل سے سخت نفرت پیدا ہوگئی تھی اور انہوں نے تہیّہ کر لیا تھا کہ جب بھی موقع ملا، اس دشمنِ خدا کو قتل کر دیں گے۔ غزوۂ بدر کے دن انہیں معلوم ہوا کہ ابوجہل بھی مشرکین کے لشکر کے ساتھ آیا ہے۔ دونوں اس کی تلاش میں نکلے۔ پہلے اُسے کبھی دیکھا نہیں تھا اس لیے ڈھونڈنے میں دِقت ہوئی۔ اُس وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ اتنے میں دونوں جانبازوں کی نظر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف پر پڑی۔ دونوں دوڑ کر اُن کے پاس گئے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا بیان ہے کہ:

''میں میدانِ جنگ میں کھڑا تھا کہ یکایک دو انصاری لڑکے (جوان) میرے دائیں بائیں آکر کھڑے ہوگئے۔ [2] اُن میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا، چچا ابوجہل کہاں ہے؟ میں

---

[1] جنگِ اُحد میں بھی حضرت مُجذّرؓ نہایت جوش و خروش سے شریک ہوئے۔ لیکن خدا کی قدرت کہ وہ اپنے ایک مسلمان بھائی کی تیغِ جفا کا شکار ہوگئے۔ زمانۂ جاہلیّت میں انہوں نے سوید بن صامت کو قتل کیا تھا اس کا بیٹا حارث مسلمان ہوگیا تھا لیکن مُجذّرؓ کی طرف سے اپنا دل صاف نہ کیا تھا۔ جنگِ اُحد کے دن موقع پا کر اس نے حضرت مُجذّرؓ) کو شہید کر ڈالا اور اسلام سے برگشتہ ہو کر مکّہ بھاگ گیا۔ حضور ﷺ کو اس کی ناپاک حرکت سے بہت صدمہ پہنچا۔

فتح مکّہ کے دن حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے مُجذّرؓ کے عوض قتل کرا دیا۔ مُجذّرؓ کے ایک دلی دوست حضرت عبداللہؓ بن سلمہ انصاری تھے۔ اُحد کے دن سفرِ آخرت میں انہوں نے بھی اپنے دوست کا ساتھ دیا اور معرکۂ کارزار میں عبداللہ بن زبعریٰ کے ہاتھوں جامِ شہادت پیا۔ دونوں دوستوں کی لاشیں ایک ہی اونٹ پر رکھی گئیں۔ عبداللہؓ بہت تنومند اور فربہ تھے اور مُجذّرؓ دھان پان جسم کے تھے لیکن دونوں لاشوں کا توازن اونٹ پر قائم رہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ یہ توازن مُجذّرؓ کے وزنی اعمال کی وجہ سے ہے۔

حضرت مُجذّرؓ اور عبداللہؓ بن سلمہ دونوں انصار کے قبیلہ بلی سے تھے۔ دونوں نے ہجرتِ نبوی کے بعد اسلام قبول کیا اور دونوں نے جنگِ بدر میں بھی نہایت پامردی سے دادِ شجاعت دی۔

[2] اس سلسلہ میں صحیح بخاری کی روایت سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے بلکہ یہی بات مشہور ہوگئی ہے کہ ابوجہل کو قتل کرنے والے یہ جانباز نوعمر لڑکے تھے لیکن واقعہ یہ ہے حضرت معاذؓ اور حضرت مُعَوِّذ بچے نہیں تھے بلکہ پورے جوان تھے حضرت مُعَوِّذؓ کی بیٹی رُبَیِّع تو اس وقت شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں چنانچہ غزوۂ بدر کے کچھ عرصہ بعد ان کی شادی ہوگئی صحیح بخاری ہی میں ہے کہ نکاح کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ حضرت رُبَیِّعؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اُس وقت وہاں کچھ لڑکیاں دَف بجا بجا کر شہدائے بدر کی تعریف میں اشعار پڑھ رہی تھیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اس سے کہا، بھتیجے! اس سے تمہیں کیا کام ہے؟ بولا، میں نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے۔ خدا کی قسم مجھے وہ مل جائے تو اس کو مار کر رہوں گا یا اسی کوشش میں اپنی جان قربان کر دوں گا۔"

دوسرے نوجوان نے بھی اسی قسم کی گفتگو کی۔ مجھے ان لڑکوں (جوانوں) کے جذبۂ فدویت پر بڑی حیرت ہوئی۔ میں نے ان کو اشارہ کر کے بتایا کہ وہ سامنے ابوجہل صفوفِ لشکر میں چکر لگا رہا ہے۔ یہ سنتے ہی دونوں باز کی طرح اس کی طرف جھپٹے۔" پہلے معاذؓ اس کے پاس پہنچے اور تلوار کے ایک بھرپور وار سے اس کی ٹانگ نصف پنڈلی تک کاٹ ڈالی۔ اتنے میں مُعَوِّذؓ بھی پہنچ گئے انہوں نے بھی اس پر اپنی تلوار کے پے در پے کئی وار کیے پھر یہ سمجھ کر کہ اس کا کام تمام ہو گیا، دونوں بھائی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسولَ اللہ! ہم نے ابوجہل کو قتل کر دیا۔ آپؐ نے پوچھا، کیا تم اپنی اپنی تلوار دھو چکے ہو؟ انہوں نے عرض کیا، ابھی دھوئی نہیں ہیں۔ حضور ﷺ نے دونوں کی خون آلود تلواریں دیکھ کر فرمایا کہ (واقعی) تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ 1 (صحیح بخاری)

اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جا کر ابوجہل کو مقتولوں میں تلاش کریں۔ انہوں نے میدانِ جنگ میں جا کر دیکھا کہ ابوجہل دم توڑ رہا ہے۔ وہ اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا، اے دشمنِ خدا! تجھے خدا نے خوب ذلیل کیا۔ اس کے جواب میں اُس بدبخت نے کہا، کاش مجھے کسی کسان نے قتل نہ کیا ہوتا...... (کسان سے اس کی مراد انصار تھے جو زراعت پیشہ تھے اور تجارت پیشہ قریش ان کو حقیر سمجھتے تھے)۔ اب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا۔ ابوجہل کی اکڑ اس حالت میں بھی قائم تھی، کراہتے ہوئے بولا، "او بھیڑوں کے چرانے والے! تو بہت اونچی جگہ چڑھا ہے یہ تو بتا فتح کس کو ہوئی۔"

(حضرت عبداللہؓ بن مسعود مکّہ میں چند سال لوگوں کی بھیڑ بکریاں چراتے رہے تھے)

حضرت ابنِ مسعود گرج کر بولے، اللہ اور اللہ کے رسول کو...... یہ سنتے ہی ابوجہل کی روح اسفل السافلین کو پرواز کر گئی۔ حضرت ابنِ مسعودؓ نے اُس کا سر کاٹ لیا اور عریش میں لا کر

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

ایک شعر کا ایک مصرع یہ تھا "وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ" (یعنی ہم میں وہ نبی ہیں جو کل ہونے والی بات کو جانتے ہیں)۔ آپؐ نے یہ سن کر فرمایا، اس کو چھوڑ دو اور وہی پڑھو جو پہلے پڑھ رہی تھیں۔

1 صحیح مسلم اور "تاریخ الخمیس" میں ابوجہل کو مارنے والے جانبازوں کے نام معاذؓ بن عفراءؓ اور معاذ بن عمروؓ بن جموح انصاری دیے گئے ہیں۔ "خمیس" کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب معاذ بن عفراءؓ اور معاذ بن عمروؓ بن جموح نے ابوجہل کو گھائل کیا تو مُعَوِّذؓ بن عفراءؓ بھی وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے بھی ابوجہل پر تلوار کے وار کیے۔ ہم نے بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ کچھ اور روایتوں سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور علیہ کے سامنے رکھ دیا۔ آپؐ نے اس کو دیکھ کر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَخْزَاکَ یَاعَدُوَّ اللّٰهِ.

''حمد اس اللہ کی جس نے اے اللہ کے دشمن تجھے ذلیل کیا۔''

پھر فرمایا:

مَاتَ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ.

''اس اُمّت کا فرعون مرگیا۔''

حضرت معاذؓ اور حضرت مُعَوِّذؓ بارگاہِ رسالت سے پھر میدانِ وغا میں پہنچ گئے اور تلوار چلاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ ایک مشرک ابو مسافع نے تاک کر حضرت مُعَوِّذ پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ شہید ہو کر فرشِ خاک پر گر گئے۔

حضرت معاذؓ کے بارے میں مشہور روایت یہ ہے کہ ابوجہل کے بیٹے عِکرمہ نے باپ کا بدلہ لینے کیلئے پیچھے سے آ کر ان کے شانے پر اس زور سے تلوار ماری کہ ہڈی کٹ گئی مگر بازو لٹکتا رہا۔ حضرت معاذؓ نے اس کو پاؤں کے نیچے دبا کر اور جھٹک کر جسم سے الگ کر دیا اور جوابی حملہ کر کے عکرمہ کو بھگا دیا۔ بعض روایتوں کے مطابق وہ اسی زخم سے فوت ہو گئے اور بعض کے مطابق انہوں نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ واللہ اعلم بالصّواب

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرفروشی:

عین ہنگامۂ کارزار میں قریش کا ایک قوی ہیکل جنگجو ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر للکارا، کوئی ہے جو میرے مقابلے پر آئے۔ اس کی للکار سن کر آنحضور علیہ نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا، اے ابنِ صفیہ! کھڑے ہو جاؤ اور اس کے مقابلے پر جاؤ۔

حضرت زبیر تیر کی طرح اس کی طرف جھپٹے اور اس سے گُتھم گُتھا ہو گئے۔ دونوں بڑے شہ زور تھے اور ایک دوسرے کو ٹیلے سے نیچے گرانے کی کوشش کرتے تھے۔ حضور علیہ نے فرمایا، ''ان میں سے جو پہلے گرے گا وہ مارا جائے گا۔'' پھر آپؐ نے حضرت زبیرؓ کے حق میں دعا فرمائی۔ چند ہی لمحوں کے بعد دونوں لڑھکتے ہوئے ٹیلے سے اس طرح نیچے گرے کہ مشرک جنگجو نیچے تھا اور حضرت زبیرؓ اس کے اوپر۔ پھر پلک جھپکنے کی دیر میں حضرت زبیرؓ نے اپنے حریف کی گردن اڑا دی۔ اس کے بعد حضرت زبیرؓ کا مقابلہ قریش کے نامی بہادر عبیدہ بن سعید بن عاص سے ہوا۔ حضرت زبیرؓ نے خود اس مقابلے کا حال اس طرح بیان کیا ہے:

> ''بدر کے دن میرا سامنا عبیدہ بن سعید بن عاص سے ہوا۔ وہ سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔ صرف اُس کی آنکھیں نظر آتی تھیں۔ اس کی کنیت ابوذات الکرش تھی۔ اس نے للکار کر کہا، میں ہوں ابوذات الکرش۔ میں نے (اس کی للکار کے جواب میں) تاک کر اپنی برچھی اس کی آنکھ میں ماری، وہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(آناً فاناً) ہلاک ہو گیا۔" (صحیح بخاری)

حضرت زبیرؓ، عبیدہ بن سعید کو ہلاک کر چکے تو اپنی برچھی کو اس کی لاش پر پاؤں اڑا کر نہایت مشکل سے اس طرح نکالا کہ برچھی کا پھل مُڑ گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے یہ برچھی حضرت زبیرؓ سے مانگ لی۔ حضور ﷺ کے بعد یہ برچھی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمرؓ فاروق اور حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہم کے پاس رہی اور بالآخر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچ گئی۔

عام لڑائی میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سربکف ہو کر اس طرح تلوار چلائی کہ اس میں دندانے پڑ گئے۔ اس تلوار میں چاندی کا کام تھا۔ حضرت زبیرؓ کی برچھی کی طرح ان کی یہ تلوار بھی تاریخی یادگار بن گئی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرفروشی:

غزوۂ بدر میں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ ایسی بہادری سے لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکار اٹھی۔ لڑائی کے آغاز میں پہلے تو انہوں نے ولید بن عتبہ کو قتل کیا اور پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر شیبہ بن ربیعہ کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہوئی تو وہ اس جوش سے کافروں پر حملہ آور ہوئے کہ جس طرف بڑھتے ان کی صفیں کائی کی طرح پھٹ جاتیں۔ اللہ کے اس شیر نے اکیلے ہی دشمن کے بیس سے زیادہ جنگجوؤں کو واصلِ جہنم کیا اور ایک مشرک (عمرو بن ابی سفیان) کو گرفتار کر لیا۔

حضرت ابُو دُجانہ انصاریؓ کی جانبازی:

جس وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، ایک درندہ صفت مشرک عاصم بن ابی عوف سہمی اپنی صف سے نکلا اور چیخ کر کہا، اے گروہِ قریش اس شخص سے ہاتھ نہ روکنا جو قاطعِ رحم ہے اور جس نے خاندانوں کے درمیان پھوٹ ڈال دی ہے (اس کا اشارہ آنحضور ﷺ کی طرف تھا) آج میں اس کو مار کر رہوں گا یا اپنی جان دے دوں گا۔ اس کی ڈینگ سنتے ہی حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ دوڑ کر اس کی طرف گئے اور تلوار کے ایک بھرپور وار سے اس کو ڈھیر کر دیا۔ یہ دیکھ کر ایک مشرک معبد بن وہب نے آگے بڑھ کر حضرت ابو دجانہؓ پر تلوار کا وار کیا وہ دو زانو بیٹھ گئے اور معبد کا وار خالی گیا۔ اب انہوں نے معبد پر جوابی حملہ کیا۔ وہ اس کی تاب نہ لا کر بھاگا اور ایک گڑھے میں گر گیا۔ حضرت ابو دجانہؓ نے اس کو وہیں ذبح کر دیا۔ ان کے علاوہ انہوں نے قریش کے ایک اور جنگجو کو بھی ہلاک کیا۔

امیہ بن خلف اور علی بن امیہ کا قتل:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور مکہ کے رئیس امیہ بن خلف کے درمیان معاہدہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کی حفاظت کریں گے۔ غزوۂ بدر میں امیہ بن خلف اپنے بیٹے علی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ے ساتھ مشرکین کے لشکر میں شامل ہو کر اہلِ حق سے لڑا۔ جب مشرکین کو شکست ہوگئی اور انہوں نے بھاگنا شروع کیا تو امیہ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو دیکھ لیا۔ اس نے بھاگتے بھاگتے ان کو آواز دی کہ مجھے بچاؤ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ایفائے عہد کے خیال سے اس کو بچانا چاہا۔ اس وقت امیہ اپنے بیٹے علی کا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ ان دونوں کو اپنے ساتھ لے کر چل پڑے اتفاق سے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے امیہ کو دیکھ لیا۔ قبولِ اسلام سے پہلے وہ اس شخص کے غلام تھے۔ اس نے اسلام لانے کے جرم میں ان پر سخت ظلم ڈھائے تھے (ان کا ذکر پیچھے آچکا ہے)۔ اب اسے دیکھ کر اُن کا خون کھول اٹھا۔ یہ بات ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہ دشمن اس طرح جان بچا کر بھاگ جائے۔ وہ بلند آواز سے پکارے، اے اللہ اور رسول کے مددگارو! یہ کافروں کا سردار امیہ بن خلف جا رہا ہے۔ ان کی آواز پر بہت سے انصار امیہ کی طرف دوڑ پڑے اور باپ بیٹے دونوں کو گھیر لیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بہتیرا کہا کہ یہ دونوں میرے قیدی ہیں لیکن کسی نے ان کی بات نہ سنی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے امیہ سے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ (بروایتِ دیگر مسلمانوں نے اس کو زمین پر گرا دیا) وہ زمین پر لیٹا (یا گرا) تو حضرت عبدالرحمٰنؓ اس کے اوپر لیٹ گئے تاکہ وہ بچ جائے لیکن انصار نے ان کے نیچے سے تلواروں سے چھید کر اس کو ہلاک کر دیا۔ اس کو بچاتے بچاتے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا ایک پاؤں بھی زخمی ہوگیا۔ حضرت حباب بن المنذر انصاری رضی اللہ عنہُ اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ دونوں نے مل کر علی بن امیہ کو بھی قتل کر دیا۔

(یہ واقعہ مختلف کتابوں میں مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ امیہ اور اس کا بیٹا علی دونوں حضرت بلالؓ کے اصرار پر قتل کر دیے گئے۔)

نضر بن حارث اور عُقبہ بن ابی مُعَیط کا قتل:

www.KitaboSunnat.com

نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی مُعَیط اسلام اور داعیِ اسلام ﷺ کے بدترین دشمن تھے نضر بن حارث وہی شخص تھا جو ایران سے رستم اور اسفندیار کے قصے لایا تھا اور انہیں قرآنِ حکیم کے مقابلے میں اہلِ مکّہ کے سامنے پیش کیا کرتا تھا۔ اگر کسی شخص کو اسلام کی طرف راغب دیکھتا تو وہ اسے اپنی لونڈیوں کے پاس لے جاتا جو اُسے گانا سنا کر یا طرح طرح کی ترغیب و تحریص سے اسلام قبول کرنے سے روکتی تھیں۔ اس شخص نے ایک دن مکّہ میں جبلِ حجون کی گھاٹی میں آنحضور ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ عُقبہ بن ابی مُعَیط آنحضور ﷺ کی پھوپھی زاد بہن اروی بنتِ کریز کا بیٹا تھا لیکن اس نے آپؐ کی ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے حضور ﷺ کا گلا گھونٹ کر آپ کو شہید کرنے کی کوشش کی تھی اور ایک دفعہ جب حضور ﷺ سجدے میں تھے اس نے آپ کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں اونٹ کی نجس اور خون آلود اوجھ (اوجھڑی) رکھ دی تھی۔ یہ دونوں بدبخت غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوگئے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ان کے جرائم اتنے گھناؤنے تھے اور وہ دین کے ایسے خطرناک دشمن تھے کہ حضور ﷺ نے انہیں جنگی قیدی تسلیم نہ کیا چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نضر بن حارث کو اور حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے عقبہ بن ابی مُعَیط کو جہنم واصل کر دیا۔

راہِ حق میں سر کٹانے کی ہے کتنی آرزو:

پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوتے وقت رسولِ اکرم ﷺ نے کم عمر صحابہ کو واپس مدینہ جانے کا حکم دیا تھا لیکن ایک نوعمر صحابی حضرت عمیر بن ابی وقاص کو جہاد کے شوق اور راہِ حق میں سر کٹانے کی آرزو نے اس قدر بے چین کر رکھا تھا کہ وہ حضور ﷺ کا حکم سن کر زار و قطار رونے لگے اور بار بار التجا کرنے لگے کہ یا رسولَ اللہ! مجھے لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت ضرور مرحمت فرمائیں شاید میں اللہ کے راستے میں کام آ جاؤں۔ ان کی گریہ و زاری اور شوقِ جہاد دیکھ کر حضور ﷺ نے اُن کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔

حضرت عمیرؓ بن ابی وقاص نامور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کے چھوٹے بھائی تھے اور دعوتِ توحید کے اوائل میں حضرت سعدؓ کے ساتھ ہی مُشرّف بہ اسلام ہوئے تھے اور بھائی کے ساتھ ہی ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔ آنحضور ﷺ سے خصوصی اجازت پا کر معرکۂ بدر میں نہایت ذوق و شوق سے شریک ہوئے۔ سربکف تلوار چلاتے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے۔ کفار کا نامی شہسوار عمرو بن عبدِ وُدّ، جو ایک ہزار شجاعانِ عرب کے برابر متصوّر رہتا تھا مشرکین کے لشکر میں موجود تھا، وہ جھلا کر حضرت عمیرؓ پر حملہ آور ہوا اور اسلام کے اس نہالِ تازہ کو اپنی خون آشام تلوار سے کاٹ دیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ.

شَاهَتِ الْوُجُوْهُ:

معرکۂ بدر میں جب عام لڑائی کا موقع آیا تو آنحضور ﷺ نے مٹھی بھر ریت ہاتھ میں لے کر شَاهَتِ الْوُجُوْه (چہرے بگڑ گئے اور ذلیل و رسوا ہوئے) کہتے ہوئے کُفار کی طرف پھینکی (ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے کنکریاں پھینکی تھیں) اور اس کے ساتھ ہی آپؐ کے اشارے سے مسلمانوں نے کفار پر حملہ کر دیا۔ ''مدارج النبوۃ'' میں ہے کہ کوئی کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں یا ناک کے سوراخوں میں کوئی سنگریزہ (یا ریت کا ذرّہ) نہ پڑا ہو۔ قرآنِ حکیم میں اس واقعہ کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی یعنی یہ (ریت) آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی) یا یہ (کنکریاں) آپ نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکیں)

غزوۂ بدر کے شُہداء:

بیشتر اربابِ سِیَر نے غزوۂ بدر میں شہید ہونے والے صحابۂ کرامؓ کی تعداد چودہ بتلائی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ چھ مہاجرین میں سے تھے اور آٹھ انصار میں سے۔ اُن کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

(شہداءِ مہاجرین)

۱۔ حضرت مِھجع بن صالح رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت عبیدہ بن حارث (بن مُطَّلِب بن عبدِ مناف) رضی اللہ عنہُ

۳۔ حضرت عمیر بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہُ

۴۔ حضرت عاقل بن بُکَیر (بن عبدِ یالیل) رضی اللہ عنہُ

۵۔ حضرت عمیر بن عبدِ عمرو (بن نضلہ) خزاعی معروف بہ ذوالشمالین رضی اللہ عنہُ

۶۔ حضرت صفوان بن بیضاء فہری رضی اللہ عنہُ

(شہداءِ انصار)

۱۔ حضرت سعد بن خَیثمہ رضی اللہ عنہُ

۲۔ حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہُ

۳۔ حضرت عمیر بن حُمّام رضی اللہ عنہُ

۴۔ حضرت رافع بن معلّٰی رضی اللہ عنہُ

۵۔ حضرت عوفؓ بن عفراء رضی اللہ عنہُ

۶۔ حضرت مُعَوِّذؓ بن عفراءؓ

۷۔ حضرت یزید بن حارث معروف بہ ابنِ فُسحُم رضی اللہ عنہُ

۸۔ حضرت مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہُ

ان میں سے حضرت عاقلؓ بن بُکَیر، حضرت عمیر بن عبدِ عمرو (ذوالشمالین)، حضرت صفوانؓ بن بیضاء، حضرت عوفؓ بن عفراءؓ اور مبشر بن عبدالمنذر کی بدر میں شہادت مختلف فیہ ہے یعنی بعض سیرت نگاروں نے ان کو شہدائے بدر میں شمار نہیں کیا بلکہ کسی اور غزوے میں ان کا شہید ہونا بیان کیا ہے۔ اسی طرح مندرجہ ذیل صحابہٴ کرامؓ کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے یا بعد کے کسی غزوے میں۔

۱۔ حضرت عبداللہؓ بن سعید (بن عاص) اموی رضی اللہ عنہُ

۲۔ حضرت عمار بن زیاد (بن سکن بن رافع) انصاری اشہلی رضی اللہ عنہُ

۳۔ حضرت ہلال بن معلّٰی انصاری رضی اللہ عنہُ

واللہ اعلم بِالصّواب

کُفّار کے مقتولین:

جیسا کہ پیچھے ذکر آچکا ہے کہ غزوۂ بدر میں کُفّار کے ستّر آدمی مارے گئے۔ ان میں اُن کے بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے۔ لڑائی کے بعد ان کی لاشوں کو آنحضور ﷺ کے حکم کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابق قریب کے ایک اندھے (غیر مستعمل) کنوئیں میں ڈال دیا گیا اور کنوئیں کو مٹی اور پتھروں سے پُر کر دیا گیا البتہ امیہ بن خلف کی لاش پھول جانے کی وجہ سے اپنی جگہ سے کہیں اور منتقل نہیں کی جاسکتی تھی اس لیے اُسے وہیں دفن کردیا گیا۔ (نبی رحمتؐ، سیرۃِ کبریٰ)

بروایتِ دیگر قریش کے چوبیں بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں ایک اندھے کنوئیں (بڑے گڑھے) میں اور باقی مقتولین کی لاشیں ایک اور گڑھے میں دفن کردی گئیں۔

(بدرالبدور۔الرّحیق المختوم)

لڑائی کے تیسرے دن رسولِ اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے ہمراہ سردارانِ قریش کے مدفن کے قریب تشریف لے گئے اور بآوازِ بلند مقتول سرداروں کے نام لے لے کر فرمایا،

اے فُلاں بن فُلاں ...... اے فلاں بن فلاں! کیا تم نے اس وعدہ کو جو اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا تھا، ٹھیک پایا؟ بے شک مجھ سے جو وعدہ ربّ العزّت نے کیا تھا، وہ پورا ہوا۔ [1]

فتح کی بشارت مدینہ منوّرہ میں:

غزوۂ بدر میں جیسے ہی مشرکین شکست کھا کر بھاگے، رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہُ کو فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے مدینہ منوّرہ روانہ کر دیا کیونکہ اہلِ مدینہ نہایت بے تابی سے لڑائی کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے۔ جس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہُ مدینہ منوّرہ پہنچے، آنحضور ﷺ کی لختِ جگر اور حضرت عثمانِ غنیؓ کی اہلیہ حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا وفات پاچکی تھیں اور ان کی قبر پر مٹی ڈالی جارہی تھی۔ حضور ﷺ کے مدینہ سے روانہ ہوتے وقت وہ شدید بیمار تھیں اسی لیے حضور ﷺ ان کی تیمارداری کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیچھے

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ نے یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے: "اے کنوئیں والو! تم نبی کے اہلِ خاندان ہوتے ہوئے بھی اپنے نبی کے حق میں بڑے ظالم تھے تم نے مجھے جھٹلایا جبکہ دوسروں نے میری تصدیق کی، تم نے مجھے گھر سے نکالا جبکہ دوسروں نے مجھے پناہ دی تم مجھ سے لڑے جبکہ دوسروں نے میری مدد کی۔ (ابنِ جریر طبری) صحیحین میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ! آپ ایسے جسموں سے گفتگو فرما رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں مُحمّد کی جان ہے، تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔ صحیح بخاری میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ قتادہؓ نے کہا کہ اللہ نے ان (مقتول) سرداروں کو زندہ کیا تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بات کو سن لیں اور اپنے کیے پر ذِلّت اور خواری محسوس کریں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کے الفاظ آپؐ کے معجزہ کے طور پر مُردوں کو سنوائے ورنہ قانونِ قدرت کے مطابق ہم مُردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے جیسا کہ سورۂ روم میں ارشاد ہوا ہے۔ فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ (آیۃ:۵۲) بعض علماء نے موتیٰ سے مراد مجازی معنی لیے ہیں یعنی وہ لوگ (کفّار) جن کے ضمیر مرچکے ہیں اور جن میں ضد اور ہٹ دھرمی نے حق اور باطل کا فرق سمجھنے کی صلاحیت باقی نہیں چھوڑی۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۱۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھوڑ گئے تھے۔ فتح کی خبر نے جہاں اہلِ حق کو بے حد مسرور کیا وہاں منافقین اور یہود کے لیے یہ خبر سخت صدمے کا باعث ہوئی۔ حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت زیدؓ کو اپنی ذاتی اونٹنی پر سوار کر کے بدر سے مدینہ روانہ کیا تھا۔ وہ مدینہ میں تکبیر پڑھتے ہوئے داخل ہوئے اور لوگوں کو فتح کی بشارت دی۔ (الاِ صابہ فی تمیز الصّحابہ)

مالِ غنیمت کی تقسیم:

لڑائی کے بعد حضور ﷺ نے تین دن میدانِ بدر میں قیام فرمایا اور پھر مدینہ کو مراجعت فرمائی۔ آپؐ نے واپسی کا سفر شروع کرتے وقت حُکم دیا کہ دشمن کی جو چیز کسی کے ہاتھ آئی ہے یا دشمن کے پڑاؤ سے جو کچھ ملا ہے یہ تمام اشیاء ایک جگہ جمع کی جائیں۔ آپؐ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ آپؐ نے اس مال اسباب کا نگران حضرت عبد اللہؓ بن کعب انصاری کو بنایا۔ لشکرِ اسلام نے بدر سے روانہ ہو کر وادیِ صفراء عبور کی تو حضور ﷺ کے حکم پر اس نے سرخ ریت کے ایک ٹیلے پر پڑاؤ ڈالا۔ وہیں حضور ﷺ نے خمس (پانچواں حصہ) الگ کر کے باقی مالِ غنیمت تمام مجاہدوں میں تقسیم فرمایا۔ ان میں آٹھ غیر شرکائے جنگ بھی شامل تھے۔ ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

۱۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ انہیں حضور ﷺ اپنی صاحبزادی اور ان کی اہلیہ حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے مدینہ چھوڑ گئے تھے۔

۲۔۳ حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما۔ انہیں حضور ﷺ نے تجارتی قافلہ کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لیے شام کے راستہ کی طرف بھیجا تھا۔

۴۔ حضرت ابولبابہ انصاریؓ۔ ان کو حضور ﷺ نے مدینہ میں اپنا نائب بنایا تھا۔

۵۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ۔ ان کو حضور ﷺ نے قباء کا حاکم بنایا تھا۔

۶۔ حضرت حارث بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ۔ ان کو حضور ﷺ نے روحاء سے بنو عمرو بن عوف کے پاس کوئی پیغام دے کر بھیجا تھا۔

۷۔ حضرت حارث بن صمّہ انصاری رضی اللہ عنہ۔ علالت کی وجہ سے لڑائی میں عملی حصہ لینے سے معذور ہو گئے تھے۔

۸۔ حضرت خوات بن جبیر انصاری رضی اللہ عنہ۔ یہ بھی علالت کی وجہ سے لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

اسیرانِ جنگ سے حُسنِ سلوک:

جس روز آنحضور ﷺ کا مدینہ منوّرہ میں وُرودِ مسعود ہوا اس کے دوسرے دن بدر کے اسیرانِ جنگ بھی مدینہ پہنچ گئے۔ ان قیدیوں میں حضور ﷺ کے چچا عباسؓ بن عبد المُطّلِب، آپؐ کے چچا زاد بھائی عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبد المُطّلِب اور آپؐ کے خویش (آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر) ابو العاص بن الربیع بھی شامل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ (اس وقت تک یہ اصحاب ایمان نہیں لائے تھے۔ حضرت عباسؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ در پردہ اسلام لا چکے تھے لیکن بظاہر و مشرکین کے ساتھ تھے کیونکہ ان کے لشکر کے ساتھ مکّہ سے آئے تھے انہوں نے فتح مکّہ سے کچھ عرصہ پہلے اپنا اسلام ظاہر کیا اور اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے مدینہ آ گئے) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرابتداری کی بناء پر ان اصحاب سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا گیا۔ جو سلوک عام قیدیوں سے کیا گیا وہی ان کے ساتھ روا رکھا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام قیدی ایک ایک دو دو تین تین کی ٹکڑیوں میں مختلف صحابۂ کرام کی تحویل میں دے دیے۔ قیدیوں کا لباس لڑائی میں پھٹ گیا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہدایت فرمائی کہ سب قیدیوں کے لیے کپڑے مہیّا کیے جائیں چنانچہ سب قیدیوں کو فرداً فرداً لباس مہیا کیا گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ کا قد بہت بلند تھا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ ان کا ہم قد تھا اس نے گھر سے اپنا کُرتا منگوا کر حضرت عباسؓ کو پہنایا (آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کے اس احسان کا بدلہ یوں دیا کہ جب وہ مرا تو آپؐ نے اس کی لاش کے لیے اپنا پیرہن مبارک عطا فرمایا) قیدیوں کو صحابۂ کرامؓ کی تحویل میں دیتے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو تاکید فرمائی کہ ان کے ساتھ مربیانہ سلوک کرنا اور ان کو آرام سے رکھنا۔ صحابۂ کرامؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ قیدیوں کو مہمانانِ عزیز کی طرح رکھا۔ ان کو عمدہ کھانا کھلاتے اور خود کھجور پر اکتفا کرتے اگر کھجور میسّر نہ ہوتی تو فاقہ کر لیتے لیکن قیدیوں کو ضرور کھانا مہیا کرتے۔ ان قیدیوں میں حضرت مُصعَبؓ بن عُمیر کے بھائی ابو عزیز بھی تھے ان کا بیان ہے کہ مجھے انصار کے جس خاندان کی تحویل میں دیا گیا، وہ صبح شام کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں کھا کر گزر کر لیتے۔ مجھے شرم محسوس ہوتی اور میں ان کو روٹی واپس دینے کی کوشش کرتا لیکن وہ زبردستی مجھے دیتے اور خود اسے ہاتھ بھی نہ لگاتے۔ (ابنِ سعد، طَبَری)

قیدیوں میں قریش کے ایک رئیس سُہیل بن عمرو بھی تھے۔ وہ بڑے فصیح البیان خطیب تھے اور اپنی تقریروں سے بڑے بڑے مجمعوں کو متحرک کر دیا کرتے تھے۔ مکّہ میں ان کا معمول تھا کہ اسلام اور داعیِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کیا کرتے تھے۔ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! اس بدبخت کے اگلے دو دانت اکھڑوا دیجئے تاکہ یہ اچھی طرح تقریر نہ کر سکے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمرؓ کی یہ بات قبول نہ فرمائی اور ارشاد فرمایا: جانے دو اے عمر! شاید اس کی خطابت سے کبھی تمہیں فائدہ پہنچے اور تم خوش ہو جاؤ۔

(یہ سہیلؓ بن عمرو فتح مکّہ کے موقع پر مُشرّف بہ اسلام ہو گئے اور اس کے تین سال بعد ان کی تقریروں نے اہلِ مکّہ کو فتنۂ ارتداد میں مبتلا ہونے سے بچا لیا) (ابن جریر طَبَری)

قیدیوں کی نسبت صحابۂ کرامؓ سے مشورہ کے بعد رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ ان سے عفو و درگزر کا معاملہ کیا جائے رہائی کے عوض ان کا فدیہ قبول کر لیا جائے اور فدیہ کی رقم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیدی کی استطاعت کے مطابق مقرر کی جائے یعنی جو قیدی جتنا دولت مند ہو (یا اس کے اقربا جتنے دولت مند ہوں) اس کا فدیہ اسی کے مطابق لیا جائے (قیدیوں کی حیثیت کے مطابق فدیہ کی رقم چار سَو دِرَم سے لے کر چار ہزار دِرَم تک مقرر ہوئی)۔ کچھ لکھے پڑھے قیدی ایسے بھی تھے جو زرِ فدیہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے حُضور ﷺ نے اُن کا فدیہ یہ تجویز فرمایا کہ اُن میں سے ہر ایک انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ جلیل القدر (کاتبِ وحی) صحابی حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے اسی طرح تعلیم حاصل کی تھی۔ [1]

بعض قیدی ایسے بھی تھے جو نہ تو لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور نہ زرِ فدیہ ادا کرنے کی مقدرت رکھتے تھے آپؐ نے ان سے یہ اقرار لے کر بلا فدیہ (بطورِ احسان) رہا کر دیا کہ آئندہ وہ کبھی مسلمانوں کے خلاف نہیں لڑیں گے۔

علامہ طَبَری کا بیان ہے کہ ایک قیدی عمرو بن ابی سفیان کو حضور ﷺ نے ایک مسلمان قیدی حضرت سعدؓ بن نعمان انصاری کے بدلے میں رہا کیا۔ حضرت سعد بن نعمان رضی اللہ عنہُ عمرہ کرنے مکّہ گئے تھے۔ سردارِ قریش ابوسفیان نے ان کو قید کر لیا۔ ان کے قبیلے عمرو بن عوف کی درخواست پر حضور ﷺ نے عمرو بن ابی سفیان کو مکّہ بھیج کر ان کے بدلے میں سعدؓ کو چھڑوالیا۔

قیدیوں میں آنحضور ﷺ کے داماد حضرت ابوالعاصؓ بھی تھے (حضرت ابوالعاصؓ نے ۶ھ میں اسلام قبول کیا۔ ان کے جلد اسلام قبول کرنے میں چند مجبوریاں حائل رہیں) حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنتِ رسول اللہ ﷺ اس وقت مکّہ میں تھیں۔ انہوں نے ابوالعاصؓ کے فدیہ میں یمنی عقیق کا ایک ہار اپنے دیور عمرو بن ربیع کے ہاتھ حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ ہار حضرت زینبؓ کو ان کی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے شادی کے وقت دیا تھا حضور ﷺ نے یہ ہار دیکھا تو آپ کو حضرت خدیجہؓ یاد آ گئیں اور آپؐ آبدیدہ ہو گئے۔

---

[1] قریش کے خاندان بنوعبدِ مناف کی شاخ بنی نوفل کے رئیس مطعم بن عدی نے شِعبِ ابی طالب کے محصورین کو وہاں سے نکالنے کے لیے بہت کوشش کی تھی اور طائف سے حضور ﷺ کی واپسی پر آپ کو اپنی حمایت میں لے لیا تھا غزوۂ بدر سے پہلے وہ فوت ہو گیا تھا۔ اس کے فرزند جبیر بن مطعم غزوۂ بدر کے وقت اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے مگر وہ قریش کے لشکر میں شریک ہو کر بدر نہیں آئے تھے البتہ لڑائی کے بعد وہ اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے مدینہ گئے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے مل کر اسیرانِ بدر کے بارے میں گفتگو شروع کی تو آپؐ نے ان کے والد کے احسانات کو یاد کر کے فرمایا:

"اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان گھناؤنے لوگوں کی سفارش کرتا تو میں اس کی خاطر ان کو چھوڑ دیتا۔"

جُبیر نے اسی موقع پر حضور ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے سورۂ طور کی تلاوت کرتے دیکھا۔ وہ کلامِ الٰہی سے متاثر تو بہت ہوئے لیکن قومی عصبیت نے انہیں اس وقت قبولِ حق سے محروم رکھا۔ انہوں نے ذیقعدہ ۶ھ اور فتح مکّہ (رمضان ۸ھ) کے درمیانی عرصے میں کسی وقت اسلام قبول کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ نے صحابۂ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا، اگر مناسب سمجھو تو یہ ہار زینبؓ کو واپس بھیج دو۔ یہ اس کی ماں کی نشانی ہے۔ ابو العاص کا فدیہ یہ ہے کہ وہ مکّہ جا کر زینبؓ کو فوراً مدینہ بھیج دیں۔ تمام صحابہؓ نے ارشادِ نبوی کے آگے بخوشی سرِ تسلیم خم کر دیا اور ابوالعاص بھی یہ شرط قبول کر کے رہا ہو گئے۔

ابولہب کا عبرتناک انجام:

پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ اسلام کا بدترین دشمن ابولہب قریش کے لشکر میں خود شامل نہیں ہو سکا تھا اور اس نے اپنی جگہ ایک اور آدمی کو اہلِ حق کے خلاف لڑنے کے لیے بھیج دیا تھا۔ مکّہ میں جب لشکرِ قریش کی ہزیمت اور مشرکین کے بڑے بڑے سرداروں کے قتل کی خبر پہنچی تو ابولہب کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ سات دن کے بعد بری طرح ہلاک ہو گیا۔ اس کی عبرتناک موت کا سبب عَدَسہ (Malignant Pustule) نام کی بیماری تھی جو جسم کے مختلف حصوں میں مسور کے دانوں کی شکل میں نمودار ہوتی ہے اور مریض کو موت کے منہ میں پہنچا کر چھوڑتی ہے۔ عرب میں اس کو بہت منحوس متعدی بیماری سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ چھوت لگنے کے ڈر سے کوئی شخص تین دن تک ابولہب کی لاش کے نزدیک نہ پھٹکا یہاں تک کہ اس سے بدبُو کے بھبکے اٹھنے لگے۔ لوگوں نے اس بدبُو سے پریشان ہو کر اس کے بیٹوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے باپ کی لاش کی تدفین کا انتظام کریں۔ ایک روایت کے مطابق اس کے بیٹوں نے ایک گڑھا کھُدوایا اور باپ کی لاش کو لکڑیوں سے دھکیل کر اس میں پھینکا اور اوپر سے مٹی اور پتھر ڈال کر اسے ڈھانک دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے چند حبشی مزدوروں کو معاوضہ دے کر ابولہب کی لاش اٹھوائی اور انہی مزدوروں نے اس کو ایک گڑھے میں دبا دیا۔ یہ اُس شخص کا انجام تھا جس نے دین کی راہ روکنے کے لیے پورا زور لگا دیا تھا اور رسولِ اکرم ﷺ کی مخالفت اور ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ اس کے کرتوتوں کا ذکر پیچھے آ چکا ہے اس کے یہی کرتوت تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اس کا نام لے کر اس کی مذمت کی۔ اللہ کی شان کہ اسی دشمنِ اسلام کے دو بیٹوں عتبہؓ اور مُعَتّبؓ اور بیٹی دُرّہؓ کو قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔

ع یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

جانی دشمن جاں نثار بن گیا:

غزوۂ بدر کے چند دن بعد کا ذکر ہے کہ ایک دن ایک قوی الجثہ ادھیڑ عمر کا آدمی اونٹ پر سوار مدینہ منوّرہ میں وارد ہوا۔ اُس کے خدوخال اور ہیئت سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ قریشِ مکّہ سے تعلق رکھتا ہے اور طویل سفر طے کر کے آ رہا ہے۔ اس نے گلے میں تلوار لٹکا رکھی تھی اور سیدھا مسجدِ نبویؐ کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں سرورِ عالم ﷺ اپنے چند جاں نثاروں کے درمیان رونق افروز تھے۔ نو وارد مسافر مسجدِ نبویؐ کے سامنے پہنچ کر رُک گیا اور اپنی سواری کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اونٹ باندھ کر چاہتا تھا کہ مسجدِ نبویؐ کے اندر داخل ہو۔ اتفاق سے حضرت عُمرِ فاروقؓ بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے۔ اُن کی نظر اُس شخص پر پڑی تو وہ پکار اٹھے:۔

"اوہو یہ تو اسلام کا بدترین دشمن عمیر بن وہب ہے اس کی یہاں آمد کسی عِلّت سے خالی نہیں۔"

یہ کہہ کر وہ عمیر پر باز کی طرح جھپٹے، نہایت پھرتی سے ایک ہاتھ اس کی تلوار کے قبضے پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا گلا دبا کر پوچھنے لگے:۔

"او دشمنِ خدا! مکّہ سے یہاں کس غرض سے آیا ہے۔"

عمیر نے اُن کو جواب دیا۔ "میں اپنے بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں جو مسلمانوں کے ہاتھ جنگِ بدر میں اسیر ہوگیا تھا۔"

حضرت عمرؓ کو اس کی بات پر یقین نہ آیا اور وہ اس کو کھینچتے ہوئے سرورِ عالم ﷺ کے پاس لے گئے۔ حُضورﷺ نے حضرت عُمرؓ سے فرمایا۔ "عُمر! اس کو چھوڑ دو۔"

انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ اب عمیر اور سرورِ عالم ﷺ کے درمیان یہ مکالمہ ہوا:۔

عُمیرؓ: "انعمو صباحًا" یعنی صبح کا سلام پیش کرتا ہوں۔[1]

رسولِ اکرمؐ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے طریقۂ تحیہ سے ہم کو بے نیاز کر دیا ہے اور اہلِ جنّت کا طریقۂ تحیہ ہمیں عطا فرمایا ہے اور وہ ہے سَلَامٌ عَلَیْکُمْ۔

عمیرؓ: یہ طریقۂ تحیہ تو آپ نے حال میں اختیار کیا ہے اس سے پہلے تو آپ ہمارے مروّجہ طریقۂ سلام پر عمل پیرا تھے۔

رسولِ اکرمؐ: کس ارادے سے یہاں آئے ہو؟

عمیرؓ: اپنے بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں جو آپ کی قید میں ہے اور پھر آپ سے ہماری قرابت داری بھی تو ہے۔

رسولِ اکرمؐ: گلے میں تلوار کیوں حمائل کر رکھی ہے؟

عمیرؓ: خدا ان تلواروں کو غارت کرے۔ انہوں نے بدر میں آپ کا کیا بگاڑ لیا۔ اے صاحب کیا بتاؤں سواری سے اترتے وقت خود فراموشی کے عالم میں اسے گلے سے اتارنا بھول گیا۔

رسولِ اکرمؐ: اے عُمیر! سچ کہو یہاں کس ارادے سے آئے ہو؟ مکّہ میں صفوان بن امیہ سے حجر میں کیا طے ہوا تھا؟[2]

---

[1] یہ زمانۂ جاہلیّت کا سلام تھا۔ حُضورﷺ نے اس کو مکروہ قرار دیا تھا اور اس کی جگہ السّلام علیکم کہنے کا حکم دیا تھا۔

[2] صفوان بن امیہ کا تعلق قریش کے خاندان بنو جمح سے تھا۔ ان کا باپ امیہ اور چچا اُبیّ ابنائے خلف بن وہب اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ صفوان بھی فتح مکّہ تک باپ اور چچا کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔ امیہ بن خلف تو غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ چچا اُبیّ بن خلف غزوۂ اُحد میں جہنم واصل ہوا۔ عمیر بن وہب، صفوان کے چچا زاد بھائی تھے۔ فتح مکّہ کے بعد عمیرؓ بن وہب ہی کی سفارش پر آنحضورﷺ نے صفوان کی جاں بخشی کر دی ورنہ ان کے گھناؤنے جرائم کی بناء پر حضورﷺ نے انہیں واجب القتل قرار دیا تھا صفوان نے غزوۂ حنین کے بعد سچے دل سے اسلام قبول کر لیا اور ہجرت کا شرف حاصل کرنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمیرؓ نے گھبرا کر کہا صفوان سے کیا طے ہوا تھا؟ آپ جو ایسا فرما رہے ہیں تو آپ ہی بتائیے کہ کیا طے ہوا تھا؟

رسولِ اکرمؐ: صفوان اور تمہارے درمیان یہ طے پایا تھا کہ تم مجھے قتل کر دو تو وہ تمہارا قرض بھی ادا کرے گا اور تمہارے اہل و عیال کی تا زیست کفالت بھی کرے گا اے عمیر! تم کب ٹلنے والے تھے یہ تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہارے شرّ سے مجھے محفوظ رکھا۔

عمیرؓ: اے مُحَمَّد! میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)۔ یا رسولَ اللہ! یہ ہماری حماقت تھی کہ ہم آسمانی خبروں (وحی) کے متعلق آپ کو ہمیشہ جھٹلاتے رہے۔ میرے اور صفوان کے سوا کسی کو اس راز کا علم نہیں تھا۔ اگر آپ پر وحیِ صادق کا نُزول نہ ہوتا تو آپ کو اس راز کی خبر ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔

عُمیر بن وہب کے قبولِ اسلام سے رسولِ اکرم ﷺ بہت خوش ہوئے اور آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ اور اُن کا قیدی رہا کر دو۔

آنحضور ﷺ کے حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور حضرت عمیرؓ کے فرزند کو بغیر فدیہ لیے رہا کر دیا گیا۔ حضرت عمیرؓ مدینہ ہی میں ٹھہر گئے اور حُضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق قرآنِ حکیم کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد وہ آنحضور ﷺ سے اجازت لے کر مکّہ واپس چلے گئے۔ وہاں قریشِ مکّہ کو ان کے قبولِ اسلام کی خبر پہنچ چکی تھی۔ حضرت عُمیر مکّہ پہنچے تو صفوان اور دوسرے مشرکین نے ان پر ملامت اور طعن و تشنیع کے بہت تیر برسائے لیکن وہ ایک دلیر آدمی تھے بالکل نہ گھبرائے بلکہ الٹا مشرکین کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔ علامہ طبری کا بیان ہے کہ ان کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں متعدد افراد شرَف ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔ اسی زمانے میں حسنِ اتفاق سے ان کو اپنے باپ کا چھوڑا ہوا بہت سا روپیہ اور سونا مل گیا جو وہ اپنے مرنے سے پہلے زمین میں دفن کر گیا تھا (ایک روایت میں ہے کہ خزانے کی جگہ ان کو ایک غیبی آواز نے خواب میں بتائی تھی) انہوں نے یہ روپیہ اور سونا زمین سے نکال کر اپنا قرض ادا کیا اور پھر چند ماہ بعد مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ اور وہیں آباد ہو گئے۔ [1]

(مُسندِ احمد بن حنبل۔ کتاب الرّوح از علامہ ابنِ قیمؒ، طبقات ابنِ سعد۔ الاستیعاب)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) کے لیے مکہ سے مدینہ گئے لیکن آنحضور ﷺ نے یہ فرما کر انہیں مکّہ واپس بھیج دیا کہ فتحِ مکّہ کے بعد (مکّہ سے مدینہ کی طرف) ہجرت باقی نہیں رہی۔ اس کے بعد حضرت صفوانؓ نے باقی زندگی مکّہ ہی میں گزاری۔ علامہ طبری کا بیان ہے کہ انہوں نے جہادِ شام میں سرگرم حصہ لیا۔ شام کی مشہور لڑائی ''جنگِ یرموک'' میں فوج کے ایک دستے کے افسر تھے۔ انہوں نے ۴۲ھ میں وفات پائی۔ (طبقات ابنِ سعد تاریخ طبری۔ اُسدُ الغابہ)
حضرت صفوانؓ ابن امیہ کے تفصیلی حالات ہماری کتاب ''فوزِ سعادت کے ایک سو پچاس چراغ'' میں پڑھیے۔

[1] حضرت عمیرؓ بن وہب (بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح) کا شمار قریش کے بہادر جوانوں میں ہوتا تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ دینِ حق کے جانباز سپاہی بن گئے۔ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد غزوۂ خندق، فتحِ مکہ، مہمِ تبوک اور حجۃ الوداع میں حضور ﷺ کے ہم رکاب رہے۔
حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں مصر کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے اور متعدد معرکوں میں سرفروشانہ حصّہ لیا۔ وہاں کے کئی اہم مقامات بھی اُن کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ انہوں نے عہدِ فاروقی کے آخر میں وفات پائی۔ (مسند احمد بن حنبل، الاستیعاب، اسد الغابہ، طبقات ابنِ سعد) حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کے تفصیلی حالات راقم الحروف کی تالیف ''آسمانِ ہدایت کے ستّر ستارے'' میں پڑھیے۔ (طالب الہاشمی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ بنی قینُقاع

پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ ہجرت کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے یہودِ مدینہ سے بقائے باہمی کی بنیاد پر معاہدۂ امن وصلح (میثاقِ مدینہ) کرلیا تھا کیونکہ آپ مدینہ میں صلح و آشتی اور امن و سکون کی فضا پیدا کرنا چاہتے تھے۔ مدینہ میں یہودیوں کے سب سے بڑے قبائل بنونضیر، بنوقینُقاع اور بنوقُریظہ تھے۔ان سب نے بظاہر میثاقِ مدینہ پر دستخط کر دیے تھے لیکن بباطن انہوں نے اسلام اور داعیِ اسلام ﷺ کی مخالفت کو اپنا شعار بلکہ قومی نصب العین بنا لیا تھا۔ کینہ اور حسد ان بدبختوں کی گھُٹی میں پڑا تھا اس لیے وہ اہلِ حق کے خلاف طرح طرح کی سازشوں اور فتنہ انگیزیوں میں مشغول رہتے تھے۔ حضور ﷺ کے خلاف جھوٹی باتیں پھیلانا، مسلمانوں میں بددلی اور مایوسی پھیلانا، انصار کے مختلف قبیلوں کو باہم لڑانے کی کوشش کرنا، مجلسِ نبوی میں جاکر السلام علیکم کی جگہ اَلسّام علیکم (تم پر موت) کہنا، منافقینِ مدینہ اور قریش (مشرکین) مکہ سے خفیہ ربط وضبط رکھنا ان کا روزمرہ کا معمول بن گیا تھا یہودِ بنی نَضِیر کے سردار کعب بن اشرف نے تو قسم کھا رکھی تھی کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے وہ کسی ذلیل سے ذلیل حربے یا ہتھکنڈے کے استعمال سے بھی دریغ نہیں کرے گا (اس کی تفصیل ۳ھ کے واقعات میں آرہی ہے)۔

یہودِ مدینہ کا خیال تھا کہ قریشِ مکہ بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کو کچل ڈالیں گے لیکن جب اُن کی توقع کے خلاف مشرکینِ قریش شرمناک شکست سے دوچار ہوئے تو وہ غم وغصے اور حسد کے مارے پھٹ پڑے اور علانیہ سرکشی اور شرانگیزی پر اتر آئے ان میں سب سے پہلے یہودِ بنی قینُقاع نے اجتماعی طور پر میثاقِ مدینہ کو کھُلم کھُلا توڑ ڈالا۔ یہ لوگ خاص شہر مدینہ کے اندر ایک محلّے میں آباد تھے۔ آہن گری، زرگری اور ظروف سازی ان کے خاص پیشے تھے۔ ان لوگوں کو اپنی طاقت اور شجاعت کا بڑا زعم تھا کیونکہ آہن گر (لوہار) ہونے کی وجہ سے ان کے پاس اسلحہ کی فراوانی تھی اور سات سَو مردانِ جنگی ان کے اندر موجود تھے۔ علاوہ ازیں قبیلہ خزرج سے ان کے پرانے حلیفانہ تعلقات تھے اور اس قبیلے کے سردار راس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ کو وہ اپنا حامی اور مددگار سمجھتے تھے۔ ان کے پیشے اس قسم کے تھے کہ مدینہ کے دوسرے لوگوں کو اکثر ان کے بازار میں جانے کی ضرورت پڑتی تھی۔ غزوۂ بدر میں مشرکینِ قریش کی شکست نے یہودِ بنی قینُقاع کو اس قدر برافروختہ کیا کہ انہوں نے اپنے بازار میں آنے جانے والے مسلمانوں کو ستانا شروع کردیا یہاں تک کہ مسلمان خواتین کو بھی چھیڑنے لگے۔ شوّال ۲ھ ہجری کے آغاز میں ایک دن ایک مسلم خاتون کسی ضرورت کے لیے بنوقینُقاع کے بازار میں ایک یہودی سنار کی دکان پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئیں۔ چند یہودیوں نے مل کر اس کی بے حرمتی کی ۔ایک روایت کے مطابق یہودی سنار نے چپکے سے اس کے کپڑے کا نچلا کنارا پچھلی طرف باندھ دیا) جب وہ اٹھنے لگیں تو بے پردہ ہوگئیں اس پر وہاں موجود یہودیوں نے خوب قہقہے لگائے۔ یہ دیکھ کر ایک مسلمان نے یہودی سنار کو قتل کر ڈالا جواباً یہودیوں نے اس غیرت مند مسلمان پر حملہ کر کے اسے شہید کر ڈالا۔ یوں مسلمانوں اور یہودِ بنی قَیْنُقاع کے درمیان سخت کشیدگی پیدا ہوگئی (ایک روایت کے مطابق بلوے تک نوبت پہنچ گئی۔) یہی حالات تھے جب رسولِ اکرم ﷺ بنوقینقاع کے محلّے میں تشریف لے گئے اور اُن کو جمع کر کے پُرامن رہنے کی تلقین فرمائی (ایک روایت کے مطابق آپؐ نے ان کو خبردار کیا کہ اگر وہ راہِ راست پر نہ آئے تو ان کا حشر بھی قریشِ مکّہ جیسا ہوسکتا ہے) اس کے جواب میں یہودیوں نے سخت گستاخانہ رُویّہ اختیار کیا اور کہا:

> ''اے مُحمّد! تم نے شاید ہمیں قریش پر قیاس کیا ہے۔ وہ تو حرب وضرب میں اناڑی تھے اس لیے تم نے انہیں مار لیا۔ ہمارے ساتھ مقابلہ ہوا تو تمہیں پتا چل جائے گا کہ مرد کیسے ہوتے ہیں۔''

بنوقَیْنُقاع کی یہ روش صریحاً اعلانِ جنگ یا سرکشی کے مترادف تھی۔ چنانچہ وسطِ شوال ۲ھ میں آنحضور ﷺ نے مدینہ کا انتظام حضرت ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کے سپرد فرمایا اور صحابہ کے ایک دستے کو ساتھ لے کر بنوقَیْنُقاع کے محلّے کا محاصرہ کرلیا۔ جیشِ اسلامی کے عَلَم بردار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہُ تھے۔ کہاں بنوقینقاع کا وہ طنطنہ اور کہاں مرعوبیت کا یہ عالَم کہ مجاہدینِ اسلام کا سامنا کرنے کی ہمّت ہی نہ پڑی اور سب اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند ہوگئے۔ پندرہ ہی دن کے بعد ان کا حوصلہ بالکل جواب دے گیا اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ حضور ﷺ کے حکم پر لڑائی کے قابل اُن کے تمام مردوں کو باندھ لیا گیا۔ اب رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ ان کا سفارشی بن گیا اور سخت اصرار کیا کہ حضور ﷺ انہیں معاف فرما دیں۔ عبداللہ بن اُبَیّ نے کوئی ایک ہی مہینہ پہلے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ حضور ﷺ نے (شاید اس کی تالیفِ قلب کے لیے) اس کی درخواست منظور فرمالی اور اس شرط پر ان کو معاف فرما دیا کہ تمام بنوقَیْنُقاع اپنا تمام مال ومتاع (اسلحہ اور آلاتِ صنعت سمیت) چھوڑ کر مدینہ سے نکل جائیں۔ چنانچہ وہ لوگ اپنے اموال سے دستبردار ہو کر خیبر، فدک، تیماء (یا اذرعاتِ شام) کی طرف نکل گئے۔ غنائم جمع کرنے کا کام حضرت مُحمّد بن مَسْلَمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے انجام دیا۔ حضور ﷺ نے مالِ غنیمت میں سے خمس بھی نکالا اور اپنے لیے یہ اشیاء منتخب فرمائیں:

۱۔ تین تلواریں
۲۔ تین نیزے
۳۔ تین کمانیں
۴۔ دو زرہیں۔ (ابنِ ہشامؒ، ابنِ سعدؒ، طبریؒ، تلقیح، ابنِ قیمؒ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیّدۃ النّساء حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی

ہجرت کے دوسرے سال (باختلافِ روایت ماہ صفر، ماہ رجب یا ماہِ رمضان میں) رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی (حضرت فاطمۃ الزّہرا رضی اللہ عنہا) کا عقد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہُ سے کر دیا۔ ان کو رخصت کرنے کے کچھ دیر بعد حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ایک برتن میں پانی منگوایا پھر اپنے دستِ مبارک سے یہ پانی دونوں میاں بیوی پر چھڑکا اور حضرت فاطمہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''میں نے تمہارا نکاح اپنے خاندان کے بہترین شخص سے کیا ہے۔''

ساتھ ہی آپ نے دعا کی، الٰہی! میں ان دونوں کو اور ان کی اولاد کو شیطانِ رجیم کی دستبرد سے تیری پناہ میں دیتا ہوں (حصن حصین بحوالہ ابنِ حبان، ازالۃ الخفا)

اس عقدِ مبارک کا پس منظر یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہُ کو (باختلافِ روایت حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمرِ فاروق اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم یا انصار کی ایک جماعت کی طرف سے) ترغیب دی گئی کہ وہ حضرت فاطمہؓ کے لیے آنحضور ﷺ کو پیغام بھیجیں۔ ان کی اپنی دلی خواہش بھی یہی تھی لیکن کچھ اپنی ناداری اور کچھ فطری حیا کے باعث وہ پیغام بھیجنے میں متامّل تھے لیکن آخر حضور ﷺ کی محبت اور شفقت کا خیال کر کے کسی نہ کسی طریقے سے پیغام دے ہی دیا۔ آپؐ نے فرمایا، تمہارے پاس (مہر میں دینے کے لیے) کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا، کچھ نہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا، میں نے فلاں موقع پر تمہیں جو حُطمی زِرہ دی تھی وہ کہاں ہے؟ [1]

حضرت علیؓ نے عرض کیا، وہ تو میرے پاس موجود ہے

ارشاد ہوا، یہی اس (فاطمہؓ) کو (مہر میں) دے دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہُ نے ارشادِ نبویؐ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ [2]

(طبقات ابنِ سعد، مُسندِ احمد، تاریخ الخمیس)

---

[1] یہ بڑی عریض اور بھاری زِرہ تھی۔ یہ زرہ بنو عبد القیس کے ایک بطن حُطمہ بن محارب کی طرف منسوب تھی۔ یہ لوگ زِرہ سازی کا کام کرتے تھے اور ان کی بنائی ہوئی زر ہیں بہت عمدہ ہوتی تھیں۔ (سیرۃ کُبریٰ) یہ زرہ حضرت علیؓ کو غزوۂ بدر میں ہاتھ آئی تھی۔

[2] ''تاریخ الخمیس'' اور ''مدارج النبوۃ'' میں ہے کہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے یہ زرہ حضرت علی رضی اللہ عنہُ سے چار سو اسّی درہم پر خرید لی۔ قیمت ادا کرنے کے بعد انہوں نے از راہِ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مہر کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی مقدار چار سَو اسّی درہم (زِرہ کی قیمتِ فروخت کے برابر) تھی۔ دوسری یہ کہ چار سَو مثقالِ چاندی تھی۔ (درہم تقریباً تین گرام کا اور مثقال ۴ گرام کا ہوتا تھا) بہرصورت مہر کی مقدار معمولی تھی۔

آنحضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک دبیز چادر میں رخصت فرمایا۔ اور رخصتی کے وقت مختلف روایات کے مطابق ان کو یہ سامان عنایت فرمایا:

''ایک مشکیزہ یا چھاگل، چمڑے کا ایک تکیہ یا گدّا جس کے اندر اِذخر (ایک خوشبودار گھاس) تھی یا بروایت دیگر کھجور کی چھال یا کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے' دو چکیاں بروایتِ دیگر ایک چکی، مٹی کے دو گھڑے، بان کی ایک چار پائی بروایتِ دیگر ایک نقشی تخت یا پلنگ، ایک مخطط کملی یا بروایتِ دیگر سیاہ رنگ کی ایک چادر، ایک مَشک۔ (مُسندِ احمد، نسائی)

ان چیزوں کے علاوہ بعض روایتوں میں یہ اشیاء بھی بیان کی گئی ہیں۔ (ان روایات کی صحّت کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا......) (واللہ اعلم بِالصّواب)

ایک بستر مصری کپڑے کا جس میں اون بھری ہوئی تھی۔

- ایک پیالہ
- دو چادریں
- ایک جائے نماز
- دو بازو بند نقرئی

بعض اربابِ سِیَر اور مؤرّخین نے ان اشیاء کو ''جہیز'' کا نام دیا ہے۔ اسی سے لوگ جہیز کے جواز اور سُنّت ہونے پر استدلال کرتے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جہیز کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی لختِ جگر کو جو چند چیزیں عنایت فرمائی تھیں وہ گھریلو استعمال کی چیزیں تھیں اور آپ نے اس لیے دی تھیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کی معیشت انتہائی سادہ اور صبر و مشقت کی معیشت تھی۔ ان کے پاس نہ کوئی دنیاوی سامان تھا اور نہ نقد رقم یا سونا چاندی۔ اُن کے فقر کے پیشِ نظر رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی کو یہ سامان اس لیے دیا کہ ان کا گھر آباد ہو جائے اور ان کو تکلیف نہ ہو۔ یہ وہ ''جہیز'' نہیں تھا جس کا رواج آج ہم

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

محبت یہ زِرہ حضرت علیؓ کو واپس ہدیۃً دے دی۔ حضرت علیؓ نے چار سَو درہم آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے آپؐ نے ان سے حضرت فاطمہؓ کی ذاتی اور خانگی ضروریات کے لیے کچھ اشیاء خریدیں اور جو رقم بچ گئی اس سے حضرت علیؓ کی طرف سے ولیمہ کا اہتمام کیا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی ''المرتضیٰ'' میں لکھتے ہیں: ''قابلِ وثوق روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ کی حضرت فاطمہؓ سے شادی کے موقع پر سامان خریدنے اور جہیز تیار کرنے کے سلسلے میں مدد کی جس کا اعتراف خود علماء و مؤرّخینِ شیعہ نے کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو ''الامالی'' شیخ ابی جعفر الطوسی ص ۳۹ ج ۱ مطبوعہ جدید نجف اشرف) (المرتضیٰ حاشیہ ص ۶۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں میں ہے اور جو قوم کے لیے ایک عذاب بنا ہوا ہے۔ بیٹیوں کو اپنی حیثیت کے مطابق ہدیہ کے طور پر کسی بھی وقت کوئی چیز دی جا سکتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ شادی کے موقع پر انہیں ''جہیز'' سے لاد پھاند کر رخصت کیا جائے۔ جو لوگ لڑکی والوں سے ''جہیز'' کا مطالبہ کرتے ہیں وہ انتہائی ذلیل، کمینہ اور غیر شرعی حرکت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

پہلی عید الفطر (شوّال ۲ھ):

۱۷ رمضان المبارک ۲ھ کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ حق کو غزوۂ بدر میں فتح مبین عطا فرمائی اور چند دن کے بعد یکم شوّال کو رسولِ اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب نے پہلی مرتبہ عید الفطر کا پاکیزہ جشن منایا۔ دوسری قوموں کے ایام جشن میں ہونے والے لہو ولعب کے برعکس عید الفطر مسلمانوں کے مؤحدانہ عقائد، شکرِ الٰہی اور پاکیزہ معاشرتی اقدار کی آئینہ دار تھی۔ اس دن آنحضور ﷺ صبح کے وقت اپنے اصحاب کے ہمراہ عیدگاہ تشریف لے گئے۔ آپؐ کے آگے آگے ایک نیزہ لے جایا گیا اور اسے عید گاہ میں (سُترہ کی غرض سے) گاڑ دیا گیا۔ پھر حضور ﷺ نے نمازِ عید پڑھائی۔ اس کے لیے نہ اذان دی گئی اور نہ اقامت کہی گئی نماز کے بعد آپ نے خطبہ دیا جس میں صدقۂ فِطر کے فضائل بیان فرمائے اور اسے ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر واجب قرار دیا۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم، کتاب العیدین)

پہلی عید الاضحیٰ (ذوالحجہ ۲ھ):

اِسی سال ذوالحجہ میں اہلِ حق نے عید الاضحیٰ کا پاکیزہ جشن منایا۔ ۱۰ ذوالحجہ کو رسولِ اکرم ﷺ عیدگاہ تشریف لے گئے اور دو رکعت نمازِ عید پڑھانے کے بعد صحابہ کی طرف رُخ کر کے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں مسلمانوں کو بتایا کہ جس (صاحبِ استطاعت) مسلمان نے نماز پڑھنے کے بعد واپس جا کر قربانی کی اس نے ہماری سُنّت کی پیروی کی اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کی تو اس کا سُنّت سے کوئی تعلق نہیں۔ (یعنی اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی)

(صحیحین کتاب العیدین)

خوشی کے دو دن:

سُنَنِ ابی داوٗد میں حضرت اَنَس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ (انصار) دو تہوار منایا کرتے تھے اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم زمانۂ جاہلیّت میں بھی یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ان دو تہواروں کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لیے مقرر کر دیے ہیں یومِ عید الفطر اور یومِ عید الاُضحیٰ۔

اس روایت کے مطابق مسلمانوں کے حقیقی مِلّی تہوار یہی دو دن ہیں عید الفطر اور عید الاُضحیٰ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عید الفطر تو رمضان المبارک کا تحفہ ہے۔ یہ مقدس دن اللہ کا شکر ادا کرنے، غریبوں محتاجوں (مستحقین) کی صدقۂ فطر کی صورت میں مدد کرنے اور ایک دوسرے کے قریب ہونے کا دن ہے۔

عید الاضحیٰ اس واقعہ کی یادگار ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے رضائے الٰہی کی خاطر اپنے لختِ جگر کی گردن پر چھری چلا دی تھی اس دن ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر قربانی کرنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ قربانی کے گوشت کا تیسرا حصہ غریبوں اور محتاجوں کو دینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہوسکیں۔

غزوۂ سویق (ذوالحجہ ۲ ہجری):

غزوۂ بدر میں جب مکّہ کے بڑے بڑے رؤساء مارے گئے تو قریش کے رئیسِ اعظم ابوسفیان بن حرب قرار پائے۔ انہوں نے مکّہ پہنچ کر قسم کھائی کہ جب تک بدر کی شکست کا بدلہ نہ لے لوں گا، نہ غسل کروں گا اور نہ سر میں تیل ڈالوں گا۔ چنانچہ وہ ذوالحجہ ۲ھ میں دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ ان سواروں کو مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر ٹھہرایا اور خود رات کی تاریکی میں مدینہ میں داخل ہوکر یہودِ بنی نضیر کے ایک سردار حُیَیّ بن اَخطب کے پاس پہنچے۔ اس نے مسلمانوں کے ساتھ کسی کارروائی میں ان کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر وہ اسی قبیلے کے ایک دوسرے سردار سَلام بن مِشکَم کے پاس گئے اس نے ان کو مہمان بنایا اور خوب کھلایا پلایا۔ ساتھ ہی مسلمانوں کے بارے میں بہت سی معلومات بہم پہنچائیں۔ اس سے رخصت ہوکر ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور انہیں ساتھ لے کر مدینہ کے قریب عُرَیض کے نخلستان پر حملہ کیا۔ وہاں مدینہ کے دو آدمی مصروفِ کار تھے (ایک روایت کے مطابق ان میں سے ایک انصاری تھے اور دوسرا ان کا حلیف تھا) ابوسفیان نے ان دونوں کو قتل کر دیا اور ان کے دستے نے کھجور کے کچھ درخت کاٹے (بروایتِ دیگر جلائے) پھر ان پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا خوف طاری کر دیا اور وہ سب تیزی سے واپس مکّہ کی طرف بھاگ گئے۔

آنحضور ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے اپنی جگہ حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم بنایا اور خود دو سو مجاہدوں کے ساتھ ابوسفیان کی تلاش میں نکلے۔ مدینہ سے اسّی میل دُور قَرقَرَۃُ الکُدر کے مقام تک گئے لیکن وہ ہاتھ نہ آئے البتہ ستوؤں کے بہت سے تھیلے اور دوسرا ساز و سامان جو واپسی میں عجلت کی وجہ سے اونٹوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے مشرکین جابجا پھینکتے گئے تھے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ ان سب اشیاء کو لیکر پانچ دن کے بعد حضور ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے۔ عربی زبان میں سویق، ستّو کو کہتے ہیں چونکہ مشرکین کی چھوڑی ہوئی اشیاء میں ستوؤں کی کثیر مقدار تھی اسی لیے اس مہم کا نام غزوۂ سویق مشہور ہوگیا۔

(تلخیص۔ ابنِ ہشام، ابنِ خلدون، زادالمعاد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت
کا
تیسرا سال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ قرقرۃ الکُدر[1] (شوال ۲ھ یا محرم ۳ھ):

رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو سُلیم اور بنو غطفان نے مدینہ منوّرہ سے تقریباً اسّی میل دور قرقرۃ الکُدر کے مقام پر ایک لشکر جمع کیا ہے اور ان کا ارادہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ہے۔ آنحضور ﷺ دو سَو صحابہؓ کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہٗ کو آپ نے بطور نائب پیچھے چھوڑا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس مہم کا عَلَمبردار بنایا۔ (بروایتِ دیگر آپ نے حضرت ابنِ اُمِ مکتومؓ کو امامِ جماعت کی ذمہ داری سپرد فرمائی اور سِباعؓ بن عُرفطہ غفاری کو دوسرے امور سرانجام دینے کے لیے اپنا نائب مقرر فرمایا۔)
حضور ﷺ منزلِ مقصود پر پہنچے تو وہاں دشمن کو موجود نہ پایا البتہ اس کے پانچ سَو اونٹ صحرا میں چر رہے تھے اور یسار نامی ایک چرواہا ان کی نگرانی کر رہا تھا۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

"یہی اونٹ دشمن کی سواریاں ہیں ان پر چڑھ کر وہ مدینے پر حملہ کر سکتے ہیں۔
ان کو ہانک کر لے چلو۔"

چنانچہ مجاہدین ان تمام اونٹوں کو ہانک لائے اور چرواہے کو گرفتار کر لیا۔ حضور ﷺ نے بیت المال کے لیے ایک سَو اونٹ رکھ لیے اور باقی چار سَو مجاہدین میں تقسیم کر دیے۔ ہر ایک کے حصے میں دو دو اونٹ آئے۔ جنگی قیدی یسار چرواہا حضور ﷺ کے حصے میں آیا مگر آپؐ نے اس کو آزاد کر دیا۔

یہ غزوہ کب پیش آیا؟ اس کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ ابنِ ہشامؒ اور ابنِ قیّمؒ نے لکھا ہے کہ یہ غزوہ شوال ۲ھ میں پیش آیا۔ حضور ﷺ غزوۂ بدر سے واپس تشریف لائے تو سات دن کے بعد بنو سُلیم اور بنو غطفان کے اجتماع کی اطلاع ملی۔

(سیرت ابنِ ہشام ج ۲۔ ص ۴۳۔۴۴ زاد المعاد ج ۲ ص ۹۰)

ابنِ جوزیؒ نے تلقیح میں اور قاضی محمد سلیمان سلمانؒ منصور پوری نے رحمۃٌ لِّلعالمین میں بیان کیا ہے کہ یہ غزوہ محرم ۳ھ میں پیش آیا۔

اس غزوے میں حضور ﷺ پندرہ دن مدینہ منوّرہ سے باہر رہے۔

قاضی سلمان منصور پوریؒ نے اس غزوے کے سلسلے میں ایک سریّہ کا ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے واپس تشریف لانے کے بعد دشمن نے دوبارہ اجتماع کر لیا۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہٗ کو مجاہدین کی ایک جمعیت کے ساتھ مفسدین کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ حضرت غالبؓ دشمن کے سر پر پہنچے تو اس نے مقابلہ کیا۔ لڑائی میں اس کے کچھ آدمی مارے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ مسلمانوں کے تین آدمیوں نے بھی

---

[1] بعض روایتوں میں اس غزوے کا نام "غزوۂ بنی سُلیم" اور غزوۂ کُدر بھی آیا ہے کیونکہ جس مقام پر یہ پیش آیا اس کا نام "کُدر" تھا یہ بنو سُلیم کے ایک چشمے کا نام تھا جو نجد میں مکّے سے (براستہ نجد) شام جانے والی کاروانی شاہراہ پر واقع ہے۔ (الرحیق المختوم ص ۳۸۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہادت پائی یہ سریہ مذکورہ بالا غزوہ کی تکمیل کے لیے ہوا تھا۔ (رحمۃ للعالمین جلد دوم)

غزوۂ غطفان یا ذی اَمر (ربیع الاوّل ۳ ہجری):

ربیع الاوّل ۳ھ میں رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ نجد کے دو قبیلے بنو ثعلبہ اور بنو محارب "ذی امر" نامی ایک چشمے کے قریب جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف شرارت کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ ان دونوں قبیلوں کی حیثیت "بنو غطفان" کی شاخوں کی تھی اسی لیے اس غزوے کو غزوۂ غطفان کہا جاتا ہے۔ حضور ﷺ ۴۵۰ صحابہ کو ساتھ لے کر ۱۲ ربیع الاوّل ۳ھ کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے مدینہ میں آپ نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہٗ کو اپنا نائب بنا کر پیچھے چھوڑا۔ شرارت پر آمادہ قبیلوں کو آپ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گئے اس طرح لڑائی تک نوبت نہ پہنچی۔ حضور ﷺ نے بہ اختلافِ روایت پندرہ دن یا ایک مہینہ ان قبیلوں کے علاقے میں قیام کیا اور پھر واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ [1]

(سیرت ابنِ ہشام۔ تلقیح ابنِ جوزی)

غزوۂ بُحران:

اس کو غزوۂ بنی سُلَیم اور غزوۂ فُرُع بھی کہا جاتا ہے۔ ربیع الآخر (یا بروایتِ دیگر جمادی الاولیٰ) ۳ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت ابنِ اُمِ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو مدینہ مُنَوَّرہ میں اپنا نائب بنایا اور خود تین سَو صحابہ کو ساتھ لے کر بحران نامی ایک موضع کی جانب تشریف لے گئے۔ یہ موضع مدینہ مُنَوَّرہ سے پچاس ساٹھ میل دُور ایک مقام فُرُع کے قریب واقع تھا۔ اس مہم کے اسباب کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ آپ بنو سُلَیم کی

---

[1] بعض سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ اس غزوے میں بنو محارب کے سردار دِعثور یا غورث نے رسولِ اکرم ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حضور ﷺ دن کے وقت ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ وہ برہنہ تلوار لے کر حضور ﷺ کے سرہانے کھڑا ہو گیا اور بآوازِ بلند کہا، اے مُحَمَّد! آج تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے بے ساختہ جواب دیا۔ "اللہ"۔ یہ جواب سن کر اس پر لرزہ طاری ہو گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ اسے حضور ﷺ نے اٹھا لیا اور دعثور سے پوچھا، اب بتاؤ تجھے کون بچائے گا؟ اس نے کہا، کوئی بچانے والا نہیں۔ پھر وہ کلمہ پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کی تلوار اسے واپس کر دی۔ وہ اپنی قوم کی طرف لوٹا تو لوگوں نے اس کے چہرے کی بدلی ہوئی رنگت دیکھ کر اس سے پوچھا کہ تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ جب میں نے محمد ﷺ کے سر پر تلوار لہرائی تو ایک دراز قد شخص ظاہر ہوا اس نے میرے سینے پر مکا مارا جس سے میں زمین پر گر پڑا اور تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ فرشتہ ہے چنانچہ میں نے اسلام قبول کر لیا۔ (سیرۃ ابنِ ہشام ج ۲ ص ۴۶۔ زاد المعاد ج ۲ ص ۹۱ تلقیح ص ۲۵) صحیح بخاری کے مطابق اس قسم کا واقعہ ۷ ہجری میں ایک دوسرے غزوے میں پیش آیا اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد، وباب تفرق الناس عن جابرؓ وباب غزوہ ذات الرّقاع)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرکوبی کے لیے نکلے تھے جو بحران میں مسلمانوں کے خلاف شورش برپا کرنے کے لیے جمع ہو رہے تھے۔ حضور ﷺ وہاں پہنچے تو وہ منتشر ہو گئے اور کوئی لڑائی پیش نہ آئی (المشاہد) دوسری روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ مشرکین قریش کے کسی قافلے (کاروانِ تجارت) کی تلاش میں نکلے تھے۔ قافلہ تو کوئی نہ ملا البتہ حضور ﷺ نے دو مہینے اسی علاقے میں گزارے اس کے بعد مدینہ کو مراجعت فرمائی۔ (سیرت ابنِ ہشام ج ۲ص ۵۰۔۵۱ زاد المعاد ج۔۲ص ۹۱)

سریۂ قردہ (جمادی الاُخریٰ ۳ھ):

اہلِ مکہ کا قدیم تجارتی راستہ جو بحیرہ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ شام تک جاتا تھا، ہجرتِ نبویؐ کے بعد قریش کے تجارتی قافلوں پر مدینہ کے مسلمانوں کے پیہم حملوں کی وجہ سے غیر محفوظ ہو گیا تھا۔ چنانچہ قریش نے باہم مشورہ کے بعد شام کو تجارتی قافلے بھیجنے کے لیے ایک اور راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ طویل راستہ نجد اور عراق سے ہوتے ہوئے مدینہ کے مشرق میں خاصے فاصلے سے گزرتا تھا اس لیے بظاہر مسلمانوں کے حملوں سے بڑی حد تک محفوظ معلوم ہوتا تھا۔ جمادی الآخر ۳ھ میں قریش کا ایک بڑا تجارتی قافلہ صفوان بن امیہؓ کی قیادت میں اس نئے راستے سے شام کی جانب روانہ ہوا۔ اس کی رہبری قبیلہ بکر بن وائل کا ایک شخص فرات بن حیان عجلی کر رہا تھا جو اس راستے سے بخوبی واقف تھا۔ اُدھر رسولِ اکرم ﷺ کو ایک معتبر ذریعے سے اس قافلے کی روانگی کی اطلاع مل گئی۔ اس قافلے میں ایک لاکھ درہم مالیت کی چاندی کی مصنوعات اور کچھ دوسری اشیاء تھیں۔ حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو سَو سوار دے کر اس قافلے پر چھاپا مارنے کے لیے روانہ کیا۔ حضرت زیدؓ نے بڑی تیزی سے راستہ طے کیا اور قردہ نامی ایک چشمے کے قریب قریش کے کاروانِ تجارت کو جالیا۔ صفوان بن امیہؓ اور قافلے کے دوسرے محافظوں کو مقابلے کی ہمت نہ پڑی اور انہوں نے بھاگنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی مجاہدین نے سارے قافلے پر قبضہ کر لیا اور اس کے رہبر (گائیڈ) فرات بن حیان کو گرفتار کر کے کاروان سمیت مدینہ لے آئے۔ حضور ﷺ نے مالِ غنیمت کا خُمس نکال کر باقی سب مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

فرات بن حیان نے رسولِ اکرم ﷺ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کر لیا اور حضور ﷺ نے ان کو رہا کر دیا اس کے بعد وہ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم ﷺ کے ہم رکاب رہے۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد مکہ چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ فراتؓ نے علمِ دین حاصل کیا اس لیے حضور ﷺ کی نظر میں ان کی بہت عزت تھی۔ آپ نے ان کو یمامہ میں ایک جاگیر عطا فرمائی اور جب مسیلمہ کذاب نے نبوّت کا دعویٰ کیا تو حضور ﷺ نے انہیں حضرت ثمامہؓ بن اُثال کے پاس مسیلمہ سے لڑنے کے لیے بھیجا تھا۔ (سیرۃ ابنِ ہشام ج ۲ص ۵ الاستیعاب ج ۲ص ۵۲۰ تلقیح ص ۲۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ اُحد (شوّال ۳ھ)

ہزیمتِ بدر کی خبر مکّہ پہنچی تو وہاں کہرام مچ گیا اور ہر گھر ماتم کدہ بن گیا لیکن قریش کی غیرت کا یہ عالم تھا کہ رسوائی کے خوف سے بلند آواز سے نہیں روتے تھے۔ اگرچہ غم واندوہ سے نڈھال تھے لیکن ہمّت شکستہ نہیں ہوئی تھی اور دِل جوشِ انتقام سے لبریز تھے۔ مشرکینِ مکّہ نے قسم کھائی کہ جب تک بدر کی شکست کا انتقام نہ لے لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔ چنانچہ انہوں نے زور شور سے لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ایک خطیر رقم مختلف ذرائع سے جمع کر لی جسے جنگی سازوسامان خریدنے پر بے دریغ صَرف کیا اور نواحی قبائل کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کرنے کے لیے اپنے شعراء اور خطیب بھیجے۔ یہ سب کچھ ابوسفیان کی رہنمائی اور نگرانی میں ہوا جن کو غزوۂ بدر میں قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے مارے جانے کے بعد مشرکین مکّہ کے سب سے بڑے سردار کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ ایک ہی سال کے اندر اہلِ مکّہ نے کیل کانٹے سے لیس تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل ایک زبردست فوج تیار کر لی ان جنگجوؤں میں سات سَو زِرہ پوش اور ایک سَو ماہر تیر انداز تھے۔ کثیر سامانِ حرب وضرب کے علاوہ اس فوج کے ساتھ تین ہزار اونٹ اور دو سَو گھوڑے بھی تھے۔ قریش کے جوشِ انتقام کا یہ عالَم تھا کہ ان کے بڑے بڑے اونچے گھرانوں کی عورتیں بھی لشکر میں شامل ہو گئیں تا کہ لڑائی کے میدان میں مردوں کو غیرت دلائیں اور ان کے پاؤں اُکھڑنے نہ دیں۔ ان عورتوں میں ہندبنتِ عتبہ اور فاطمہ (خواہرِ خالدؓ بن ولید) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے ساتھ بارہ تیرہ اور عورتیں بھی تھیں۔ یہ عورتیں مل کر بدر کے مقتولین پر روتیں، نوحہ و ماتم کرتیں اور اپنے مَردوں کو مسلمانوں کے خلاف اشتعال دلا کر مردانہ وار لڑنے پر ابھارتیں۔

شوّال ۳ھ ہجری کی ابتدا میں یہ لشکر مدینہ منوّرہ پر حملہ کرنے کے لیے ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں مکّہ سے روانہ ہوا۔[1]

---

[1] غزوۂ اُحد کے ماہ وسالِ وقوع، شوّال ۳ھ پر تو سب اربابِ سِیَر کا اتفاق ہے البتہ اس کی تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے لکھا ہے کہ یہ لڑائی ۷ شوّال ۳ھ (شنبہ) کو پیش آئی اور بعض کا بیان ہے کہ ۱۴ شوّال ۳ھ (شنبہ) کو پیش آئی۔ قرائن سے ۱۴ شوال والی روایت میں زیادہ وزن معلوم ہوتا ہے۔ اگر ۷ شوّال والی روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ قریش کا لشکر مکّہ سے رمضان ۳ھ کے آخری ہفتے میں روانہ ہوا ہوگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضورﷺ کو قریش کی نقل وحرکت کی خبر ہوئی تو آپ نے مجلسِ مشاورت منعقد فرمائی۔[1] اس مجلس میں شریک صحابہ کے سامنے آپ نے فرمایا کہ میری رائے میں ہمیں شہر کے اندر ہی رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اگر حملہ آور شہر کے اندر داخل ہوئے تو مسلمان نہ صرف گلی گلی اور کوچے کوچے میں ان کی مزاحمت کریں گے بلکہ اپنے مکانوں کی چھتوں سے بھی ان پر تیر اور پتھر برسائیں گے اس کام میں عورتیں بھی ان کا ساتھ دیں گی۔ راس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے بھی حضورﷺ کی رائے کی تائید کی لیکن بہت سے صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ہمیں ساتھ لے کر شہر سے باہر کھلے میدان میں تشریف لے چلیں ہم وہیں دشمن سے نبرد آزما ہوں گے اگر ہم باہر نہ نکلے تو شاید دشمن یہ سمجھے کہ ہم ڈر گئے ہیں۔ ان صحابہ کے اصرار پر حضورﷺ نے اپنی رائے ترک کر دی اور مدینہ سے باہر نکل کر دشمن سے معرکہ آرا ہونے کا فیصلہ کیا۔[2]

---

[1] بہت سے اربابِ سیَر کا بیان ہے کہ مشرکین قریش کے ارادوں اور نقل وحرکت کی اطلاع آنحضورﷺ کو اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خط کے ذریعے ملی۔ وہ در پردہ اسلام قبول کر چکے تھے اور مکہ ہی میں مقیم تھے۔ لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورﷺ کے اپنے ذرائع اطلاعات بھی تھے جن سے آپ کو دشمنوں کی سرگرمیوں کی اطلاعات ملتی رہتی تھیں۔ ایسے تمام معاملات جن میں اللہ تعالیٰ کا کوئی واضح حکم وحی کے ذریعے نازل نہیں ہوتا تھا، حضورﷺ کو فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار تھا لیکن آپؐ ہمیشہ صحابہؓ کرامؓ سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ صادر فرماتے تھے۔

[2] بعض سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ شہر سے باہر نکل کر لڑنے کا فیصلہ حضورﷺ نے (جوشیلے) نوجوان صحابہ کے اصرار پر کیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان نوجوانوں کی تائید متعدد بزرگ صحابہ نے بھی کی ان میں عمِ رسولؐ حضرت حمزہؓ، رئیسِ خزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت نعمانؓ بن مالک جیسے عظیم المرتبت صحابہ بھی شامل تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے تو حضور کے سامنے اپنے جوش اور ولولے کا اظہار اس طرح کیا:

"یا رسولَ اللہ! اُس ذات کی قسم جس نے آپ پر قرآن نازل فرمایا، مجھ پر اس وقت تک کھانا حرام ہے جب تک میں مدینے سے باہر نکل کر اپنی تلوار کے ساتھ دشمن سے دو دو ہاتھ نہ کرلوں۔"

ان کے علاوہ کچھ ایسے صحابہ بھی شہر سے باہر نکل کر لڑنے کے حق میں تھے جن کو غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ انہوں نے بڑی لجاجت کے ساتھ حضورﷺ سے استدعا کی کہ یا رسول اللہ! ہم تو اس دن کی تمنا کیا کرتے تھے اور منتظر تھے کہ کس دن ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کا موقع ملتا ہے۔ اب وہ دن آ ہی گیا ہے تو ہمیں شہر سے باہر نکل کر راہِ حق میں اپنی جانوں کی بازی لگانے کی سعادت حاصل کرنے دیں۔

جہاں تک عبداللہ بن اُبیّ کی رائے کا تعلق ہے تو اس کی بنیاد یہ نہ تھی کہ وہ شہر کے اندر رہ کر لڑنے کو نیک نیتی کے ساتھ صحیح سمجھتا تھا بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ کھلے بندوں قریش کے مقابل ہونے سے بچ جائے اور اس کے نفاق پر جو پردہ پڑا ہوا ہے وہ چاک نہ ہو جائے تاہم اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں جو رسوائی لکھ رکھی تھی وہ پوری ہو کر رہی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر آپ نے کاشانۂ اقدس کے اندر جا کر جنگی لباس پہنا اور مسلّح ہو کر باہر تشریف لائے۔ اُدھر قبیلہ اوس کے سرداروں حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے لوگوں کو سمجھایا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ کی رائے کے برعکس ہوا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ آپ لوگوں کو اپنی رائے حُضور ﷺ کی رائے کے تابع رکھنی چاہیے تھی۔ اس پر سب لوگوں نے ندامت محسوس کی اور جب حضور ﷺ باہر تشریف لائے تو انہوں نے ندامت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمیں آپ کی رائے تسلیم ہے ہم آپ کے ساتھ شہر کے اندر ہی رہ کر دشمن کا مقابلہ کریں گے اس پر حُضور ﷺ نے فرمایا:

"اللہ کے نبی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ جب وہ ہتھیار باندھ لے تو اللہ کے دشمنوں سے جنگ کا فیصلہ ہونے سے پہلے انہیں اتار دے۔ اب اللہ کا نام لے کر شہر سے باہر نکلو اور میری ہدایتوں پر عمل کرو، اگر صبر کرو گے تو اِن شاء اللہ فتح تمہاری ہوگی۔"

اُدھر قریش کا لشکر مکّہ سے روانہ ہو کر منزل بمنزل ذوالحُلَیفہ کے مقام پر پہنچا جو مدینہ منورہ کے جنوب میں تقریباً 9 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں تین دن قیام کرنے کے بعد اس نے آگے بڑھ کر کوہِ اُحُد کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ کوہِ اُحُد کا مدینہ مُنوّرہ سے فاصلہ تقریباً چار کلومیٹر ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی مدینہ سے روانگی:

جُمعہ کے دن حضور ﷺ نے مسلمانوں کو جُمعہ کی نماز پڑھائی، ان کو راہِ حق میں سربکف ہو کر لڑنے کی ترغیب دی اور جہاد کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے ایک انصاری حضرت مالک بن عمرو نجاریؓ کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اسی اثناء میں عصر کا وقت ہوگیا۔ آپ نے عصر کی نماز پڑھی اور پھر کاشانۂ اقدس کے اندر تشریف لے جا کر جنگی لباس پہنا اور ہتھیار سجا کر باہر تشریف لائے (اس کی تفصیل اوپر آچکی ہے) اب تمام لوگ جہاد کے لیے تیار ہو کر آپؐ کی خدمت میں پہنچ گئے تھے۔ ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ ان میں صرف ایک سَو آدمی زرہ پوش تھے اور گھوڑے صرف دو تھے۔ ایک روایت کے مطابق ایک گھوڑے پر رسولِ اکرم ﷺ سوار تھے اور دوسرے پر حضرت ابو بُردہ بن نیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پھر آپ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔

انصار:

۱۔ قبیلہ خزرج کا عَلَم حضرت حباب بن مُنذِر رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمایا۔

۲۔ قبیلہ اوس کا عَلَم حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

۳۔ مہاجرین کا عَلَم حضرت مُصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد حضور ﷺ نے کوچ کا حکم دیا اور مدینہ میں رہ جانے والے لوگوں کو نماز پڑھانے کی ذمہ داری اپنی جگہ حضرت ابنِ اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔

مدینہ سے کچھ دُور شیخین کے مقام پر حضور ﷺ نے لشکر کا معاینہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ لشکر میں کچھ ایسے نوعمر لڑکے بھی شامل ہوگئے ہیں جن کی عمریں پندرہ سال سے کم ہیں۔ آپؐ بالعموم پندرہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کو لڑائی میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دیتے تھے اس لیے آپ نے ایسے تمام لڑکوں کو واپس جانے کا حکم دیا اور تو ایسے تمام لڑکوں نے حُضور ﷺ کے حکم کی تعمیل کی لیکن دولڑکوں رافع بن خدیجؓ اور سَمُرہ بن جُندب رضی اللہ عنہما کا بے پناہ شوقِ جہاد دیکھ کر حضور ﷺ نے انہیں اپنے حکم سے مستثنیٰ فرمایا اور دونوں کو لڑائی میں حصہ لینے کی اجازت دے دی (اس واقعہ کی تفصیل آگے آرہی ہے) واپس جانے والوں میں حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت اُسامہ بن زید، حضرت عمرو بن حزم، حضرت ابوسعید خُدری، حضرت زید بن ثابت اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی شامل تھے جو مستقبل میں آسمانِ فضائل پر آفتاب بن کر چمکے۔

اسی مقام پر شام ہوگئی۔ حضور ﷺ نے یہیں مغرب اور پھر عشاء کی نماز پڑھائی اور طلوعِ فجر تک اسی جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔

عبداللہ بن اُبیّ کی غدّاری:

طلوعِ فجر سے تھوڑی دیر پہلے حُضور ﷺ شیخین سے سوئے اُحُد روانہ ہوئے۔ شوط کے مقام پر آپ نے فجر کی نماز پڑھائی۔ اسی جگہ راس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ اس عذرِ لنگ کی بناء پر اپنے تین سَو ساتھیوں کو لے کر لشکر سے الگ ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری بات نہیں مانی اور دوسروں کے مشورے پر شہر سے باہر آکر قریش کا مقابلہ کرنے لگے ہیں۔ اس نازک موقع پر عبداللہ بن اُبیّ کی غدّاری سے مسلمانوں کے لشکر میں اضطراب پھیل گیا یہاں تک کہ انصار کے دو قبیلے بنوحارثہ اور بنوسلمہ بھی واپس جانے کے بارے میں سوچنے لگے مگر جلد ہی حُضور ﷺ اور بعض بزرگ صحابہ کے سمجھانے بجھانے سے ان کا اضطراب دور ہوگیا۔ قرآنِ حکیم میں اس واقعہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے:

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۱۲۲) وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۱۲۳) (آل عمران۔۱۲۲۔۱۲۳)

ترجمہ: ”یاد کرو جب تم میں سے دو گروہ بُزدلی دکھانے پر آمادہ ہوگئے تھے حالانکہ اللہ اُن کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ آخر اس سے پہلے بدر (کی لڑائی) میں اللہ تمہاری مدد کرچکا تھا حالانکہ اُس وقت تم بہت کمزور تھے لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔

لشکرِ اسلام دامنِ اُحد میں:

تین سو منافقین کے الگ ہو جانے کے بعد اسلامی لشکر کی تعداد تین ہزار کافروں کے مقابلے میں صرف سات سو رہ گئی لیکن آنحضور ﷺ کے عزم میں مطلق فرق نہ آیا آپ انہی جانبازوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے اور وادیٔ قناۃ کے آخری سرے پر کوہِ اُحد کی گھاٹی میں پڑاؤ ڈالا۔ اس وقت صبح ہو چکی تھی۔ پڑاؤ کی صورت یہ تھی کہ کوہِ احد لشکر کی پشت پر اور قریش کا لشکر سامنے تھا۔ پھر آپؐ نے لشکر کی صف بندی کی اور مختلف حضرات کو جنگی نقطۂ نگاہ سے مختلف مقامات پر مامور کیا اور ان کے فرائض متعیّن کر دیے۔ [1] پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ آپؐ نے اسلامی لشکر کے کیمپ سے کوئی ڈیڑھ سو میٹر جنوب مشرق میں واقع عینین کی پہاڑی پر متعین فرمایا۔ (یہ پہاڑی اب جبلِ رماۃ کہلاتی ہے) ان تیر اندازوں کا افسر آپ نے حضرت عبداللہ بن جبیر انصاری رضی اللہ عنہ کو بنایا اور ان اصحاب کو تاکید کی کہ تم ہماری پُشت کی حفاظت کرنا اور کسی حالت میں اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ اگر تم پرندوں کو ہماری بوٹیاں نوچتے دیکھو تو بھی اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ اگر دشمن کا کوئی دستہ اسلامی شکر پر عقب سے حملہ کرنے کی کوشش کرے تو اس پر تیروں کی بارش کر کے بھگا دینا۔

لڑائی کا پہلا دَور:

قریش نے لڑائی کا آغاز اپنے عَلَم بردار طلحہ بن ابی طلحہ کو میدان میں بھیج کر کیا۔ طلحہ نے میدان میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کو للکارا، کوئی ہے جو میرے سامنے آئے۔ اس کی للکار سن کر حضرت علیؓ آگے بڑھے اور اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے اس کو ڈھیر کر دیا۔ اس کے بعد عثمان بن ابی طلحہ، ابوسعید بن ابی طلحہ، مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ، کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ، جلاس بن طلحہ بن ابی طلحہ، اور ارطاۃ بن عبد شرحبیل مشرکین کے علمبردار یکے بعد دیگرے حضرت حمزہؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عاصم بن ثابت انصاری، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور

---

[1] جن اصحاب کو حضور ﷺ نے مختلف ذمہ داریاں سونپیں ان کے ناموں کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے مطابق میمنہ (لشکر کے دائیں بازو) پر آپؐ نے حضرت عکاشہؓ بن محصن اسدی اور میسرہ (لشکر کے بائیں بازو) پر حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد کو افسر بنایا۔ ہراول دستے پر حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو اور ساقہ (پچھلے حصے پر) حضرت مقدادؓ بن عمرو کو افسر مقرر فرمایا۔ قلب فوج میں ایک طرف حضرت علیؓ اور دوسری جانب حضرت زبیر بن عوام تھے۔ (مدارج النبوۃ، الشاہد)

دوسری روایت کے مطابق آپؐ نے میمنہ پر حضرت مُنذرؓ بن عمرو اور میسرہ پر حضرت زبیرؓ بن عوام کو افسر بنایا اور حضرت مقدادؓ بن عمرو کو ان کا معاون مقرر کیا۔ وسط میں بے زرہ مجاہدین کا امیر آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اِدھر مشرکین کے علمبردار مارے جارہے تھے، اُدھر قریش کی عورتیں دَف پر یہ رجز یہ اشعار گا گا کر اپنے مردوں کو لڑائی پر اُبھار رہی تھیں:

نَحْنُ بَنَاتُ الطَّارِق	ہم نجمِ سحر کی بیٹیاں ہیں
نَمشِي عَلَى النمارِق	ہم زین پوش کے منقش اور خوبصورت کپڑوں (یا قالینوں) پر چلنے کی عادی ہیں۔
مَشْيَ القَطَا البُوَارِق	ہنس کی چال سے جس کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔
المِسْکُ فِي الْمَفَارِقِ	ہمارے سر مشک آلود ہیں
وَالدُّرُّ فِي الْمَخَانِقِ	اور گردن کے ہاروں میں موتی پروئے ہوئے ہیں۔
اِنْ تُقْبِلُوا الخَانِقِ	اگر آگے بڑھ کر مقابلہ کرو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے۔
وَنَفْرُشُ النَّمَارِقِ	اور زین پوش کے منقش اور خوبصورت کپڑے (یا قالین) تمہارے واسطے بچھائیں گے۔
اَوْ تُدبِرُوا نُفَارِقِ	اور اگر تم پیٹھ پھیر کر بھاگے تو ہماری تمہاری
فِراقَ غَيْرَ وَامِقِ	جدائی ہے ایسی جدائی جیسے ہم تم کبھی باہم آشنا ہی نہیں تھے

ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ اپنے عَلَم برداروں کے لیے وہ بطورِ خاص یہ رجز پڑھ رہی تھیں۔ یہ عَلَم بردار بنی عبد الدّار سے تعلق رکھتے تھے۔

وَيْهَا بَنِيْ عبد الدَّار وَيْهَا حُمَاةَ الْاَدْبَار
ضَرْبًا بِكُلِّ بَتَّار

''اٹھ کھڑے ہو! بنی عبد الدّار، اٹھ کھڑے ہو، اپنے پیچھے رہنے والوں کے محافظو اور پاسدارو! اٹھ کھڑے ہو اور ہر شمشیر زن پر کاری ضربیں لگاؤ۔''

مشرکین کے عَلَم برداروں کے مارے جانے کے ساتھ فریقین میں گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ مسلمانوں کی تعداد کافروں کی تعداد کے ایک تہائی سے بھی کم تھی لیکن وہ اس جوش اور پامردی سے لڑے کہ دشمن کا منہ پھر گیا۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابودُجانہؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ، حضرت سعدؓ بن معاذ، حضرت اُسیدؓ بن حُضیر اور بہت سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے سرفروش کفّار کے دَل بادل میں گھس گئے اور صفوں کی صفیں الٹ کر رکھ دیں۔ مشرک جنگجو سنبھل کر اور قدم جما کر لڑنے کی بہتیری کوشش کرتے تھے لیکن مسلمانوں کے تند و تیز حملوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلتی تھی۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت:

عمِ رسول حضرت حمزہؓ کے لڑنے کی یہ شان تھی کہ دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتے جاتے تھے اور جو مشرک سامنے آتا، اُسے مار گراتے تھے۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ اثنائے جدال وقتال مکہ کا ایک نامی جنگجو سباع بن عبدالعزّیٰ اُن کے سامنے آ گیا۔ حضرت حمزہؓ اس سے مخاطب ہو کر للکارے، او ختّانۃ النّساء اُمِ انمار کے بیٹے! تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے لڑنے آیا ہے؟ یہ کہہ کر اس پر تلوار کا ایسا بھر پور وار کیا کہ وہ کٹ کر وہیں گر پڑا۔ اِدھر حضرت حمزہؓ اسی طرح لاشوں پر لاشیں گراتے آگے بڑھ رہے تھے اُدھر جُبیر بن مطعم کا حبشی غلام ''وحشی'' ایک چٹان کے پیچھے گھات لگائے اس انتظار میں بیٹھا تھا کہ کب حضرت حمزہؓ اس کی زد میں آئیں اور وہ ان پر اپنا بھالا پھینکے۔ وحشی کو جبیر بن مطعم نے اپنے چچا طیمہ بن عدی (مقتولِ بدر) کا انتقام لینے کے لیے حضرت حمزہؓ کے قتل پر مامور کیا تھا اور اس کام کے عوض اس کو آزاد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ حضرت حمزہؓ جلد ہی وحشی کے سامنے آ گئے۔ اس نے تاک کر اپنا بھالا ان پر پھینکا جو ان کے جسم کے پار ہو گیا اور وہ شہید ہو کر فرشِ خاک پر گر پڑے۔[1] ان کی شہادت پر مشرکین کی عورتوں نے مسرّت

---

[1] یہ پورا واقعہ خود وحشیؓ کی زبانی صحیح بخاری (غزوۂ اُحد باب قتلِ حمزہؓ) میں نقل کیا گیا ہے ابو دسمہ وحشیؓ بن حرب نسلاً حبشی تھے۔ ان کے ہاتھ سے اپنے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کی شہادت کا سرورِ عالم ﷺ کو شدید صدمہ پہنچا اور آپ نے ان کی اس حرکت کو ہمیشہ یاد رکھا ۸ھ میں مکّہ فتح ہوا تو وحشی کی نظر میں دنیا تاریک ہو گئی بھاگ کر طائف میں پناہ لی۔ کچھ عرصہ بعد اہلِ طائف کا وفد مدینے جانے لگا تو کسی نے ان کو مشورہ دیا کہ تم بھی اس وفد کے ساتھ چلے جاؤ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جو ان کے دین میں داخل ہو جائے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ مدینہ پہنچ کر وہ کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے دفعۃً رسولِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش ہو گئے۔ آپؐ کی نظر ان پر پڑی تو فرمایا!

کیا تم وحشی ہو؟ انہوں نے عرض کیا ''جی ہاں'' فرمایا کیا حمزہ کو تم نے شہید کیا تھا؟

انہوں نے عرض کیا: ''آپ کو جو اطلاع پہنچی وہ درست ہے۔''

حضور ﷺ نے ان کا اسلام تو قبول فرما لیا لیکن ان کا جواب سُن کر فرمایا ''کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ میرے سامنے نہ آیا کرو۔'' (صحیح بخاری باب قتلِ حمزہؓ)

حضرت وحشیؓ نے تعمیلِ ارشاد کی اور فوراً وہاں سے چلے گئے اس کے بعد وہ ہمیشہ حضور ﷺ کے سامنے جانے سے کتراتے رہے یہاں تک کہ آپ وفات پا گئے۔

حضرت وحشیؓ کے ہاتھ سے جو حرکت سرزد ہوئی تھی قبولِ اسلام کے بعد اس کا احساس اُن کے لیے سوہانِ روح بن گیا اور وہ اس کی تلافی کا موقع ڈھونڈنے لگے۔ حضرت صدّیقِ اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں جھوٹے مدّعیِ نبوت مسیلمہ نے فساد برپا کیا اور حضرت خالدؓ بن ولید کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا گیا تو وحشی (بقیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے گیت گائے۔ ہند بنتِ عتبہ نے ان کی میّت کے کان، ناک اور ہونٹ کاٹ ڈالے پھر پیٹ چاک کر کے جگر نکالا اور چبا چبا کر تھوک دیا کیونکہ نگلا نہ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہُ کی شہادت سے رسولِ اکرم ﷺ اور دوسرے اہلِ حق کو جس قدر شدید صدمہ ہوا، کُفّار کو اسی قدر مَسرّت ہوئی لیکن ان کی یہ مَسرّت جلد ہی کافور ہوگئی کیونکہ مسلمانوں کے جوشِ ایمان اور شجاعانہ حملوں نے جلد ہی اُن کے قدم اکھاڑ دیے اور وہ بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ رجز خواں عورتوں کے اوسان بھی خطا ہوگئے اور وہ اپنے مردوں کے پیچھے ہولیں۔ اس کے ساتھ ہی مجاہدین نے مالِ غنیمت سمیٹنا شروع کر دیا۔

لڑائی کا دوسرا دَور:

آنحضور ﷺ نے جبلِ عینین پر مسلمانوں کی حفاظت کے لیے جو پچاس تیر انداز مامور فرمائے تھے، جب تک لڑائی جاری رہی اور کافروں کو شکست نہ ہوگئی، وہ سب اپنی جگہ پر قائم رہے۔ قریش کے رسالے (گھڑ سوار فوج) نے دو تین مرتبہ پہلو کے درّے سے گزر کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی لیکن تیر اندازوں نے اپنے تیروں کی بوچھاڑ سے اسے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اب جو تیر اندازوں نے دیکھا کہ کُفّار میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اور ان کی عورتیں بھی اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے بھاگ رہی ہیں تو ان میں سے بیشتر اپنی جگہ چھوڑ کر غنیمت کی طرف لپکے۔ ان کے امیر حضرت عبد اللہؓ بن جبیر نے ان کو حُضور ﷺ کا تاکیدی حکم یاد دلا کر بہتیرا روکا لیکن چند (ایک روایت کے مطابق دس) جانبازوں کے سوا کوئی نہ رکا۔ مشرکین کے رسالے کے کمانڈر خالد بن ولید نے (جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے)۔ اس صورتِ حال کا فائدہ اٹھایا اور پہاڑی کا چکر کاٹ کر پہلو کے درّے سے حملہ کر دیا حضرت عبد اللہؓ بن جبیر اور ان کے مٹھی بھر جانباز ساتھیوں نے جَم کر مقابلہ کیا لیکن سب کے سب شہید ہوگئے اور مشرکین کا رسالہ مسلمانوں پر عقب سے ٹوٹ پڑا۔ مسلمانوں کے لیے یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ مزید غضب یہ ہوا کہ جو

(پچھلے صفحہ کا بقیہ)

یہ ارادہ کر کے حضرت خالدؓ کے لشکر میں شریک ہوگئے کہ مسیلمہ کذّاب کو جہنّم واصل کر کے حضرت حمزہؓ کے خُون کا کفارہ ادا کر دوں گا۔ چنانچہ یمامہ کی خونریز لڑائی میں وہ لڑتے بھڑتے مسیلمہ کے قریب پہنچ گئے اور تاک کر اس پر اپنا برچھا پھینکا جو اس کے سینہ کے پار ہوگیا ساتھ ہی حضرت اُمِ عمارہؓ کے جانباز فرزند عبد اللہؓ نے اس پر اپنی تلوار کا بھرپور وار کیا اسطرح اُس دور کا سب سے خطرناک دشمنِ اسلام جہنم واصل ہوگیا۔

حضرت وحشیؓ خود کہا کرتے تھے کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک بہترین انسان کو قتل کیا اور زمانۂ اسلام میں ایک بدترین شریر کو۔ اس کے بعد وحشیؓ جہادِ شام میں سرفروشانہ شریک ہوئے اور جنگِ یرموک میں بڑی بہادری سے لڑے وہ حضرت عثمانِ غنیؓ کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے (اربابِ سیر نے ان کے سالِ وفات کی تصریح نہیں کی) اُن سے کچھ حدیثیں بھی مروی ہیں۔ مرویات میں سے ایک مشہور حدیث یہ ہے "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اکٹھے مل کر اللہ کا نام لیکر کھایا کرو اس سے کھانے میں برکت ہوگی۔" (ابوداؤد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشرکین بھاگ گئے تھے وہ بھی پلٹ کر حملہ آور ہو گئے۔ اُن کے اس ناگہانی حملے میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے جن میں اسلامی لشکر کے عَلَم بردار حضرت مُصعبؓ بن عُمیر بھی تھے مالِ غنیمت سمیٹنے کے سلسلے میں مسلمانوں کی صفیں پہلے ہی ٹوٹ چکی تھیں۔ انتشار اور افراتفری کے اس عالَم میں یہ افواہ اُڑ گئی۔ (ایک روایت کے مطابق یہ افواہ مشرکین نے اڑائی) کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے۔ [1] یہ افواہ مسلمانوں پر بجلی بن کر گری۔ مسلمانوں کی ایک جماعت یہ کہہ کر حصولِ شہادت کی خاطر مردانہ وار لڑتے ہوئے لشکرِ کفار میں گھس گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد جینے سے کیا حاصل۔ اس کے برعکس کچھ اصحاب یہ کہہ کر مدینہ کی طرف چل دیے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد لڑنے سے کیا حاصل۔ ایک روایت کے مطابق کچھ اصحاب اُحد پہاڑ پر چڑھ گئے۔

اس نازک وقت میں رسولِ اکرم ﷺ میدانِ رزم میں کوہِ استقامت بن کر کھڑے تھے اور میدانِ جنگ سے منہ موڑنے والوں کو پکار رہے تھے۔

اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اِلَیَّ عِبَادَاللّٰہِ "اللہ کے بندو میری طرف آؤ، اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔" اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ حُضور ﷺ کا قدم اپنے مقام سے بالشت بھر بھی پیچھے نہ ہٹا حالانکہ ہر طرف سے تیروں اور تلواروں کا مینہ برس رہا تھا۔ اگرچہ صحابہؓ کرامؓ کی ایک مختصری جماعت حصار بنا کر آپ کی حفاظت کر رہی تھی لیکن کُفّار گروہ در گروہ آپ پر ٹوٹے پڑتے تھے ان کے مقابلے میں آپ کے اردگرد کھڑے صحابہ کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھی۔

---

[1] ایک روایت کے مطابق حضرت مُصعبؓ بن عمیر صورت میں آنحضور ﷺ سے مشابہ تھے۔ ان کے شہید ہوتے ہی غل مچ گیا کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت مصعبؓ حضور ﷺ کی شہادت کی افواہ اڑنے کے بعد شہید ہوئے۔ انہوں نے یہ افواہ سن کر یہ آیت پڑھی: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ. (آل عمران۔ آیۃ ۱۴۴)

ترجمہ: "اور محمد صرف اللہ کے رسول ہیں اُن سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں پھر کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ یاد رکھو جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا۔ البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا۔"

یہ آیت پڑھتے ہوئے وہ لشکرِ کفار میں گھس گئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا عَلَم سرنگوں نہیں ہونے دوں گا پھر ایک ہاتھ میں عَلَم اور دوسرے میں تلوار لیے کُفّار پر ٹوٹ پڑے ابنِ قمیئہ نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ یکے بعد شہید کر دیے تو انہوں نے عَلَم کو سینے سے چمٹا لیا۔ ابن قمیئہ نے اب ان پر نیزے کا بھرپور وار کیا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت مصعبؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عَلَم سنبھالا اور نہایت بے جگری کے ساتھ دادِ شجاعت دی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت مصعبؓ کے بعد ان کے بھائی ابو الرومؓ نے عَلَم اپنے ہاتھ میں لے لیا اور لڑائی ختم ہونے تک اس کو گرنے نہیں دیا۔ (اُسد الغابہ، خلفاء راشدین)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رحمتِ عالم ﷺ کے ان جاں نثاروں کی تعداد گیارہ سے لے کر تیس تک بیان کی گئی ہے۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عُمرِ فاروق، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت زبیر بن عوّام، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقّاص.......... حضرت ابودُجانہ انصاری، حضرت حباب بن منذر انصاری، حضرت عاصم بن ثابت انصاری، حضرت حارث بن صمہ انصاری، حضرت سہل بن حُنَیف انصاری، حضرت سعد بن معاذ انصاری اور حضرت اُسید بن حُضَیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسماءِ گرامی بہ تخصیص معلوم ہیں۔ بعض روایتوں میں حضرت شماس بن عثمان، حضرت ابوطلحہ انصاری اور حضرت مُحَمّد بن مَسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام بھی خصوصیت کے ساتھ لیے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیس کے قریب (مہاجرین اور انصار) صحابۂ کرامؓ آپ کے اردگرد دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ کچھ آپ کے بالکل قریب اور کچھ ذرا پرے ہٹ کر کفّار سے نبرد آزما تھے۔ کفّار جتھوں کی صورت میں بار بار حملہ آور ہو کر شمعِ رسالت کو بجھانے کی کوشش کرتے تھے لیکن اس شمع کے پروانے اپنی جانوں کی بازی لگا کر ان کو پیچھے دھکیل دیتے تھے۔ اس ہنگامۂ وَغا اور دارو گیر میں حُضُور ﷺ کے قریب صحابۂ کرامؓ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی کبھی بارہ چودہ اور کبھی ایک دو جاں نثار آپؐ کے بالکل قریب رہ جاتے تھے۔ لڑائی کے پہلے دَور میں بھی اور دوسرے دَور میں بھی حضور ﷺ کے جاں نثاروں نے سرفروشی، شوقِ شہادت، عشقِ رسول اور پامردی کی جو لازوال نظیریں قائم کیں، مِلّتِ اسلامیہ ابدالآباد تک اُن پر فخر کرتی رہے گی۔ ان کا حال پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور خون میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان میں سے چند ایمان افروز واقعات کی جھلکیاں اگلے صفحات میں پیش کی جا رہی ہیں۔

افراتفری اور انتشار کے اس عالَم میں شوقِ شہادت سے سرشار جو اصحاب حُضُور ﷺ سے دُور سربکف ہو کر کفّار سے نبرد آزما تھے، آپؐ ان کی نظروں سے اوجھل تھے یکا یک حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہٗ کی نظر حُضُور ﷺ پر پڑی۔ انہوں نے جوشِ مَسرّت میں "اللہ اکبر" کا نعرہ مارا اور پکار کر کہا، مسلمانو! رسول اللہ ﷺ زندہ وسلامت ہیں، اِدھر آؤ۔ اُن کی آواز سن کر ہر طرف سے صحابہؓ کفار کا ٹڈی دل چیر کر حضور ﷺ کے پاس پہنچنے کی کوشش کرنے لگے۔ مشرکین نے بھی ہر طرف سے ہٹ کر اسی رُخ پر زور ڈالا۔ اُن کے ایک جتھے میں حضرت سعدؓ بن ابی وقّاص کا مشرک بھائی عتبہ بن ابی وقّاص بھی تھا۔ اس نے حضور ﷺ پر ایک پتھر پھینکا جس سے آپ کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا اور دائیں طرف کا نچلا رباعی دانت ٹوٹ گیا۔ [1]

اس کے بعد ایک مشرک سوار عبداللہ بن قمیہ نے اپنی تلوار کے دو بھرپور وار آپ پر کیے۔ ایک وار آپ کے شانۂ مبارک پر پڑا لیکن حضور ﷺ کی دوہری زرہ کو تلوار کاٹ نہ سکی البتہ اس وار کی تکلیف آپؐ تیس چالیس دن تک محسوس کرتے رہے دوسرے وار سے خود کی دو کڑیاں

[1] منہ کے اندر درمیان، اوپر نیچے کے دو دو دانتوں کو "ثنایا" کہا جاتا ہے ان کے دائیں بائیں اوپر نیچے کے ایک ایک دانت کو "رباعی دانت" کہا جاتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنکھ کے نیچے رخسار کے اندر دھنس گئیں۔ کچھ دیر بعد جب جانبازانِ اسلام نے کفّار کو پیچھے دھکیل دیا، حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح نے حضورﷺ کے رخسار مبارک سے یہ کڑیاں اپنے دانتوں سے کھینچ کر باہر نکالیں۔ اس کام میں ان کے دو دانت شہید ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کفّار ہر قیمت پر شمعِ رسالت کو بجھانے پر تُل گئے ہیں۔ اس موقع پر کئی صحابہ نے آپ پر اپنی جانیں نچھاور کردیں اور کچھ نے آپ کو بچانے کے لیے اپنی جانوں کی بازی لگا دی (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس وقت آپ اپنے چہرۂ مبارک سے خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے، وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو زخمی کیا اور اس کا دانت توڑ دیا حالانکہ وہ ان کو اللہ کی طرف بلا رہا تھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضورﷺ اس وقت بار بار یہ الفاظ دہرا رہے تھے:

رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ.

"اے پروردگار! میری قوم کو بخش دے وہ نادان ہے۔"

عین اس وقت جب کفّار اہلِ حق پر سخت دباؤ ڈال رہے تھے اور صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت صفحۂ تاریخ پر عشقِ رسولﷺ کی بے مثال داستانیں رقم کر رہی تھی، آنحضورﷺ مشرکین کے کھودے ہوئے گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گر پڑے۔ دوہری زرہ اور اسلحہ کے بوجھ کے علاوہ زخموں کے ضعف کی وجہ سے آپؐ نے گڑھے سے باہر نکلنے میں دِقت محسوس کی۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہؓ گڑھے میں کود ے اور آپؐ کے سامنے بیٹھ گئے آپ نے اپنا پائے مبارک اُن کے کندھے پر رکھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اوپر سے آپ کا دستِ مبارک پکڑ کر گڑھے سے باہر نکال لیا۔ اس وقت اور بھی بہت سے صحابہ کفّار سے لڑتے بھِڑتے حضورﷺ کے پاس پہنچ چکے تھے۔ ان سب نے مل کر کفّار کا منہ پھیر دیا اور رسولِ اکرمﷺ کو ساتھ لے کر جبلِ اُحد کی چوٹی کے قریب ایک محفوظ مقام کی طرف لے چلے۔ راستے میں ایک بڑی چٹان آ گئی جس پر بمشکل چڑھا جا سکتا تھا۔ حضرت طلحہؓ نے خود زخمی ہونے کے باوجود آگے بڑھ کر حضورﷺ کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور چٹان پر چڑھ گئے اس وقت لسانِ رسالت سے یہ الفاظ نکلے:

"طلحہ نے اپنے اوپر جنت واجب کر لی۔"

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب "المرتضیٰ" میں علامہ محمد طاہر پٹنی کی کتاب "مجمع بحار الانوار" کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضورﷺ کا (نیچے کا ایک) دندانِ مبارک پورے طور پر شہید نہیں ہوا تھا۔ اس کا اوپر کا سرا جدا ہو گیا تھا۔ (المرتضیٰ حاشیہ صفحہ ۴۷) بعض روایتوں میں ہے کہ حضورﷺ کے سامنے کے دو دانت شہید ہوئے تھے لیکن اس قسم کی روایتیں ان مستند روایتوں کے پیشِ نظر قابلِ قبول نہیں جن میں کہا گیا ہے کہ حضورﷺ کا حسن و جمال آخر تک مکمل طور پر برقرار تھا۔ سامنے کے دانتوں کی شہادت اس پر اثر ڈال سکتی تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشرکین کے ایک گروہ نے مسلمانوں کے تعاقب میں پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے اوپر سے ان پر اس قدر پتھر برسائے کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ مشرک مردوں اور عورتوں نے جب میدانِ جنگ کو مسلمانوں سے خالی پایا تو انہوں نے جوشِ انتقام میں مسلمان شہداء کی لاشوں کا مُثلہ کیا یعنی ان کے مختلف اعضا کاٹ لیے اور پیٹ پھاڑ ڈالے۔

اُحد کی محفوظ گھاٹی میں قرار یابی کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کے زخموں کو دھویا گیا اور ان سے نکلنے والے خون کو روکنے کا اہتمام کیا گیا۔ حضرت سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کے زخموں کو دھو رہی تھیں اور حضرت علیؓ اپنی ڈھال میں پانی لا کر دے رہے تھے جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا کہ پانی سے خون رکنے کے بجائے اور تیز ہو رہا ہے تو انہوں نے چٹائی کا ایک کنارہ نوچ کر اس کو جلایا اور راکھ کو سرِ اقدس کے زخمی حصے میں بھر دیا۔ اس سے خون رک گیا۔[1]

مشرکین کا میدانِ جنگ سے فرار:

عین اُس وقت جب میدان مسلمانوں سے خالی تھا، رسولِ اکرم ﷺ صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ پہاڑ کے ایک محفوظ مقام پر تشریف فرما تھے، مسلمانوں کے ستر آدمی شہید اور معتدّ د زخمی ہو چکے تھے، ایک معجزہ رونما ہوا۔ وہ یہ کہ مشرکین کے حملہ آور لشکر نے یکا یک میدان چھوڑ کر واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مؤرخین نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ آخر وہ کیا شے تھی جس نے اُن کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ جب ہم اس معاملے پر غور کرتے ہیں تو یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے حملہ آوروں پر اہلِ حق کی ہیبت طاری کر دی اور وہ گھبرا کر بسرعت تمام واپس بھاگ گئے۔ یہ ہیبت اُن پر کیسے طاری ہوئی؟ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی آسمانی فوج (مسلّح فرشتوں) کی جھلک دیکھ کر یا مسلمانوں کا عزم و استقلال اور جذبۂ فدویت دیکھ کر یہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اس لیے ہم واللہُ اَعلم بِالصّواب ہی کہنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

واپسی کا سفر اختیار کرنے سے پہلے سپہ سالارِ قریش ابوسفیان اس گھاٹی کی طرف گئے جس میں رسولِ اکرم ﷺ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ابوسفیان نے اس گھاٹی کے سامنے ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو پکار کر پوچھا کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا، کچھ جواب نہ دو۔ ابوسفیان نے پھر پوچھا، کیا تم میں ابنِ ابی قُحافہ

---

[1] حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے میدانِ جنگ میں پہنچنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ وہ بعض دوسری خواتین کے ساتھ لڑائی سے پہلے اسلامی لشکر کی فرودگاہ کے پیچھے پہنچیں یہ خواتین لڑائی میں زخمی ہونے والے مجاہدین کو پانی پلاتی رہیں اور ان کی مرہم پٹی کرتی رہیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ حُضور ﷺ کے زخمی یا شہید ہونے کی خبر سن کر میدانِ جنگ میں پہنچیں اور حُضور ﷺ کے زخموں کو دھو کر ان پر راکھ ڈالی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(حضرت ابوبکرؓ) ہیں؟ اس کا جواب بھی نہ ملا تو پوچھا، کیا تم میں عمر بن خطاب ہیں؟ جب اس کا بھی جواب نہ ملا تو ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے بآوازِ بلند کہا، یہ سب قتل ہو چکے ہیں زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا اور وہ کڑک کر بولے:

''او دشمنِ خدا! جن کا تو نے نام لیا ہے وہ سب زندہ ہیں۔ اللہ نے تیری رسوائی کا سامان باقی رہنے دیا ہے۔''

اب ابوسفیان نے نعرہ لگایا: ''اُعْلُ هُبَل'' یعنی ہُبل (بُت) کا بول بالا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر صحابہؓ نے جواب دیا:

'' اَللّٰهُ اَعْلٰی وَاَجَلّ'' یعنی اللہ اعلیٰ اور برتر ہے۔

پھر ابوسفیان نے بآوازِ بلند کہا ''لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَكُمْ''

یعنی ہمارے پاس عُزّیٰ (بت) ہے تمہارے پاس عُزّیٰ نہیں ہے۔

صحابہؓ نے کہا...... اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَكُمْ یعنی ''اللہ ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں۔''

اس کے بعد ابوسفیان اور مسلمانوں کے درمیان دو تین باتیں اور ہوئیں پھر ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کو قسم دے کر ان سے پوچھا، کیا ہم نے مُحمّدؐ کو قتل کر دیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہرگز نہیں، رسول اللہ ﷺ اس وقت تمہاری سب باتیں سن رہے ہیں۔

ابوسفیان نے کہا، تم میرے نزدیک ابنِ قمیہ سے زیادہ سچے ہو۔ (ابنِ قمیہ وہ بدبخت تھا جس نے حضور ﷺ کو زخمی کرنے کے بعد دعویٰ کیا تھا کہ میں نے مُحمّدؐ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ گفتگو ہو چکی تو ابوسفیان نے جاتے جاتے بآوازِ بلند کہا، آئندہ سال پھر بدر میں جنگ ہوگی۔ حضور ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا، کہہ دو منظور ہے یہ بات تمہارے اور ہمارے درمیان طے رہی۔ (سیرۃ ابنِ ہشام)

شہداءِ اُحد کی تکفین و تدفین:

غزوۂ اُحد میں شہید ہونے والوں صحابہ کی تعداد کے بارے میں اربابِ سِیَر کے درمیان معمولی اختلاف ہے۔ بیشتر نے ان کی تعداد ستر بیان کی ہے ان میں پانچ مہاجرین تھے اور باقی انصار بعض نے شہداء کی کل تعداد چوہتر بیان کی ہے۔ ان میں پانچ مہاجرین اور ۶۵ انصار تھے اور ۴ کا تعلق بعض دوسرے قبیلوں (بنو مزینہ، بنو نضیر اور بنو جہینہ) سے تھا۔ (ان کے علاوہ بتیس صحابہ ایسے ہیں جن کو بعض سیرت نگاروں نے شہداءِ اُحد میں شمار کیا ہے اور بعض نے دوسرے غزوات کے شہداء میں۔ اس اختلاف کی وجہ سے جمہور اربابِ سِیَر نے شہدائے اُحد کی فہرست میں ان کا نام نہیں دیا۔)

مشرکینِ قریش کے مقتولین کی تعداد کسی نے بائیس کسی نے تئیس کسی نے ستائیس اور کسی نے سینتیس لکھی ہے واللہ اعلم بِالصّواب

رسولِ اکرم ﷺ دو دو شہیدوں کو ایک چادر میں کفن دینے کی ہدایت فرماتے اور یہ بھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرماتے کہ جس شہید کا قرآنِ حکیم کے علم وحفظ میں زیادہ حصہ ہے اس کو پہلے لحد میں اتارا جائے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دو قبروں میں تین تین شہداء کو دفن کیا گیا لیکن زیادہ تر قبروں میں دو دو شہیدوں کو دفن کیا گیا۔

تدفین سے پہلے کسی شہید کو غسل نہیں دیا گیا البتہ جنازے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے شہدائے اُحد کے جنازے کی نماز پڑھی۔ پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جنازے کی نماز ادا کی اس کے بعد جس شہید کا جنازہ لایا جاتا اسے حضرت حمزہؓ کے سامنے رکھتے اور حضور ﷺ اس کی نمازِ جنازہ پڑھاتے یہاں تک کہ ستر نمازیں حضرت حمزہؓ پر پڑھی گئیں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ کسی شہید کی نہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور نہ اسے غسل دیا گیا [1]

(المشاہد۔ محمد رسول اللہ از محمد رضا)

دشمنوں کا تعاقب

(غزوۂ حمراء الاسد)

شُہدا کی تدفین سے فارغ ہونے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ واپس تشریف لائے۔[2] دوسرے دن نمازِ فجر کے بعد آپ نے حضرت بلالؓ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ لوگ دشمن کا تعاقب کرنے کے لیے تیار ہو جائیں مگر وہی اصحاب اس تعاقب میں

---

[1] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "نبیِ رحمتؐ" میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مذہب نفی کا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے علماء اعلام (اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، اور اسحاق بن راہویہؒ) اس کے قائل ہیں کہ نماز پڑھی جائے۔ امام احمدؒ سے بھی اس کی ایک روایت ہے۔ ان کی دلیل بعض وہ روایات ہیں جن میں اُحد میں شہداء پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ خود عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے امام بخاریؒ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دن اُحد تشریف لے گئے اور آپ نے وہاں کے شہیدوں پر ایسی نمازِ جنازہ پڑھی جیسے مرنے والے پر پڑھی جاتی ہے (بخاری کتاب الجنائز) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار طحاوی باب الصلوٰۃ علی الشہداء و نصب الرایہ للزیلعی باب احادیث الصلوٰۃ علی الشہید) (نبیِ رحمتؐ حاشیہ صفحہ ۲۴۰)

[2] مدینہ کو مراجعت سے پہلے حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرما کر کفار کے پیچھے بھیجا کہ ان (دشمنوں) کی نقل وحرکت اور ان کے ارادے کا جائزہ لو۔ اگر وہ اونٹوں پر سوار ہوں اور گھوڑے اُن کے پہلو میں ہوں تو اُن کا ارادہ مکہ واپس جانے کا ہے اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹ ہانک کر لے جا رہے ہوں تو ان کا ارادہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ہے۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو میں خود ان کی طرف بڑھ کر ان سے ضرور جنگ کروں گا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں جو کل کی لڑائی میں موجود تھے۔ [1]

غزوۂ اُحد میں شریک ہونے والے بیشتر اصحاب زخموں سے چُور اور تھکن سے نڈھال تھے لیکن منادی کی آواز (جو فی الحقیقت رسول اللہ ﷺ کی پکار تھی) سنتے ہی سب "لبیک لبیک" کہتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔

اُدھر مشرکین نے واپس جاتے ہوئے روحاء کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہ جگہ مدینے سے ۳۶ میل دور تھی۔ یہاں پہنچ کر انہیں احساس ہوا کہ ہم نے مسلمانوں کی طاقت کو توڑنے کا ایک قیمتی موقع ہاتھ سے کھو دیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور اس رائے کا اظہار کیا کہ ہمیں پلٹ کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مسلمانوں کی ایسی ہیبت طاری کی کہ اس رائے پر عمل کرنے کی ہمت نہ پڑی اور وہ مکہ کی طرف بھاگتے ہی چلے گئے۔

دوسری طرف رسولِ اکرم ﷺ نے لڑائی کے دوسرے ہی دن یک شنبہ یعنی اتوار کو اپنے جاں نثاروں کی معیت میں کفار کا تعاقب کیا اور مدینہ سے آٹھ میل دور "حمراء الاسد" کے مقام تک پہنچ گئے۔ وہاں آپؐ نے دوشنبہ، سہ شنبہ اور چہارشنبہ تین دن قیام فرمایا لیکن کافروں نے واپس آ کر مسلمانوں سے لڑنے کی جرأت نہ کی اور مکہ پہنچ کر ہی دم لیا۔ تین دن کے بعد حضور ﷺ واپس مدینہ تشریف لائے۔

غزوۂ حمراء الاسد کا ذکر ایک الگ غزوے کی حیثیت سے کیا جاتا ہے لیکن فی الحقیقت یہ کوئی الگ غزوہ نہیں تھا بلکہ غزوۂ اُحد ہی کا آخری دَور یا تتمہ تھا۔ اگرچہ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا تھا لیکن اللہ کی قدرت دیکھیے کہ غزوے کا خاتمہ کفار کے میدانِ جنگ سے فرار کی صورت میں ہوا۔ وہ ایسے بھاگے کہ پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

حضرت علیؓ نے کافروں کے پیچھے جا کر دیکھا کہ وہ اونٹوں پر سوار ہیں گھوڑے اُن کے پہلو میں ہیں اور وہ مکہ کی طرف جا رہے ہیں۔ جو کچھ انہوں نے دیکھا واپس آ کر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیا۔

(سیرت ابنِ ہشام)

[1] حضور ﷺ نے اس شرط سے صرف حضرت جابر بن عبداللہؓ کو مستثنیٰ فرمایا۔ وہ غزوۂ اُحد میں شریک نہ ہو سکے تھے کیونکہ ان کے والد حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام انہیں اپنی سات بچیوں کی نگرانی کے لیے گھر پر چھوڑ گئے تھے اب حضور ﷺ نے انہیں بطورِ خاص دشمن کے تعاقب میں حصہ لینے کی اجازت دے دی۔ بہنوں کی نگرانی کا انہوں نے کوئی اور انتظام کر لیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ اُحد کے چند ایمان افروز واقعات

غزوۂ اُحد میں چرخِ نیلی فام نے جہاں مسلمانوں کو ایک کڑی آزمائش سے گزرتے اور افراتفری میں مبتلا ہوتے دیکھا وہاں اس نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال استقامت اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سرفروشی، فداکاری، حُبِّ رسولؐ اور صبر وثبات کے ایسے مناظر بھی دیکھے جن کا حال پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے، خون میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور دل میں ان مردانِ حق کے نقوشِ قدم پر چلنے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔

اُن میں سے چند مناظر کی جھلکیاں اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہتر دُعا:

جنگِ اُحُد سے ایک دن قبل سرورِ کائنات ﷺ کے دو جاں نثار حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور عبد اللہؓ بن جحش مدینہ منورہ میں کسی جگہ بیٹھے تھے اور دوسرے دن پیش آنے والے معرکہ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ یکایک حضرت سعدؓ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض پیرا ہوئے:

> ''الٰہی! کل جب دشمن سے میری مڈبھیڑ ہو تو ایسا آدمی میرے مقابلے پر لا جو سخت جنگجو اور غضبناک ہو، وہ مجھ سے لڑے اور میں اُس سے لڑوں، پھر مجھے اس پر غالب فرما تا کہ میں تیری راہ میں اس کو قتل کروں۔''

حضرت عبد اللہؓ بن جحش نے ان کی اس دعا پر آمین کہا اور پھر خود ہاتھ اٹھا کر یوں دُعا مانگی:

> ''اے میرے اللہ! میرے مقابلے پر ایسا آدمی لانا جو بڑا بہادر اور تند ہو، میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے میں تیری راہ میں اس کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤں وہ میرا پیٹ چاک کر ڈالے پھر وہ میری ناک اور میرے کان کاٹ ڈالے، جب میں تجھ سے ملوں اور تو مجھ سے پوچھے کہ تیرے کان ناک کیوں کاٹے گئے، تو میں عرض کروں کہ اے اللہ! تیرے لیے اور تیرے رسول ﷺ کے لیے! میرے جواب پر تو فرمائے کہ ہاں تو سچ کہتا ہے۔''

دوسرے دن میدانِ اُحُد میں معرکۂ کارزار گرم ہوا تو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عبد اللہ بن جحش اس بے جگری سے لڑے کہ جدھر کا رُخ کرتے دشمن کی صفیں اُلٹ کر رکھ دیتے۔ اثنائے جنگ میں حضرت سعدؓ کا سامنا مشرکین کے ایک نامی بہادر سے ہو گیا جس نے اپنے لشکر کا عَلم اٹھا رکھا تھا۔ حضرت سعدؓ نے تاک کر اُس کے حلق کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا۔ وہ تڑپ کر زمین پر گرا اور اس کی زبان کتے کی طرح باہر نکل آئی۔ حضرت سعدؓ نے آگے بڑھ کر اس کا سر تن سے جُدا کر دیا۔ یوں اُن کی دُعا قبول ہوگئی (جو جنگجو مشرک حضرت سعدؓ کے ہاتھ سے مارا گیا، اُس کے نام کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے اس کا نام طلحہ بن ابی طلحہ لکھا ہے بعض نے ابو سعید یا ابو سعد بن ابی طلحہ لکھا ہے بہرصورت وہ قریش کے نامی جنگجوؤں میں شمار ہوتا تھا)

اُدھر حضرت عبد اللہؓ بن جحش نے اس جوش سے تلوار چلائی کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ آنحضور ﷺ نے دیکھا تو انہیں پاس بلا کر کھجور کی ایک مضبوط چھڑی عنایت فرمائی۔ اُنھوں نے اس سے تلوار کا کام لیا اور بڑی دیر تک اسی کے ساتھ کفار کے سر توڑتے رہے۔ آخر ایک مُشرک ابو الحکم بن اخنس ثقفی سے مقابلہ ہوا۔ اس کی تلوار کے وار سے جامِ شہادت پی کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرشِ خاک پر گر پڑے۔ مشرکین نے لاش کا مُثلہ کیا۔ پیٹ چاک کر ڈالا اور ناک کان کاٹ کر دھاگے میں پروئے۔ اس طرح اُن کی دعا بھی قبول ہوگئی۔ حضرت سعدؓ نے اُن کو اس حالت میں دیکھا تو بولے:

"خدا کی قسم! عبداللہ کی دعا میری دُعا سے بہتر تھی۔"

بہشت کی خوشبو:

حضرت انسؓ بن نضر انصاری مشہور صحابی حضرت انسؓ بن مالک کے چچا تھے۔ وہ ان بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ. (الاحزاب: ع ۳)

"یعنی مومنوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے اقرار کے پابند ہیں، ان میں سے بعض اپنا عہد پورا کر چکے ہیں اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔"

جب اُحد میں ایک اتفاقی غلطی سے لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو اُنہوں نے کہا: "اے مولائے کریم! میں ان مسلمانوں کے افعال کی تجھ سے معذرت چاہتا ہوں اور کفّار کے کرتُوت سے برأت ظاہر کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر کفّار کے ہجوم کی طرف بڑھے۔ رستے میں حضرت سعد بن معاذؓ ملے۔ ان سے فرمایا۔ "سعد! دیکھو یہ ہے بہشت، خدا کی قسم مجھے اس کی خوشبو آ رہی ہے۔" اس کے بعد تلوار سونت کر کفّار پر حملہ کیا اور لاشوں پر لاشیں گراتے ہوئے کاری زخم کھا کر معبودِ حقیقی سے جا ملے۔ شہادت کے بعد ان کے جسم پر اسّی سے زیادہ تیر، تلوار اور نیزہ کے زخم گِنے گئے۔

طبریؒ نے حضرت انسؓ بن نضر کے جوشِ ایمان اور شہادت کا حال ایک دوسرے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے چند مسلمانوں کو دیکھا کہ اُنہوں نے ہتھیار پھینک دیئے ہیں اور نہایت غمزدہ حالت میں میدانِ جنگ سے پرے ہٹ کر بیٹھ گئے ہیں۔ حضرت انسؓ نے ان سے پوچھا۔ "تم کیوں اس طرح بیٹھے ہو؟"

اُنہوں نے جواب دیا۔ "رسول اللہ ﷺ شہید ہوگئے ہیں، اب لڑنے سے کیا حاصل؟"

حضرت انسؓ نے پُرجوش لہجہ میں کہا۔ "مُوْتُوْا عَلٰى مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ رسول اللہؐ اگر شہید ہوگئے ہیں تو آؤ ہم بھی لڑ کر مر جائیں، اب جی کر کیا کرنا ہے!"

یہ کہا اور تلوار چلاتے ہوئے لشکرِ کفار میں گھس گئے اور بیسیوں زخم کھا کر جامِ شہادت نوش کیا۔"

رسول اللہؐ کی سپر:

شماسؓ بن عثمان مکّہ کے ایک حسین وجمیل نوجوان تھے۔ ان کا اصلی نام تو ماں باپ نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عثمان رکھا تھا، لیکن اپنی خوبروئی کی بدولت شمّاس (یعنی "رُخ تاباں") کے نام سے مشہور ہوئے حضرت شمّاسؓ اوائلِ اسلام ہی میں حلقہ بگوشِ ایمان ہوگئے اور سابقون الاوّلون میں شمار ہوئے۔ راہِ حق میں اُنہوں نے بے پناہ مصیبتیں جھیلیں۔ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ بنتِ ربیعہ نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔ دونوں ماں بیٹے جب مشرکین کے مظالم سے عاجز آ گئے تو رسولِ کریم ﷺ کی اجازت سے حبش چلے گئے۔ پھر وہاں سے آ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی، گویا دو ہجرتوں سے مشرّف ہوئے۔

جنگِ اُحد کے دن حضرت شمّاسؓ بھی ان چودہ نُفوسِ قدسی میں تھے جو بھگدڑ کے وقت شمعِ نُبوّت کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہوگئے تھے۔ شمّاسؓ صحیح معنوں میں رسولؐ اللہ کی ڈھال بنے ہوئے تھے۔ اُنہیں بے شمار زخم آچکے تھے لیکن وہ اپنے آقا کے دائیں بائیں آگے پیچھے تلوار چلا رہے تھے اور کسی مشرک کو حضور ﷺ کے نزدیک نہیں پھٹکنے دیتے تھے۔ ان کا چاند سا چہرہ خون آلود ہونے کے باوجود چمک رہا تھا۔ اُنہوں نے تہیہ کرلیا تھا کہ اپنے جیتے جی رسولِ کریم ﷺ پر کوئی آنچ نہ آنے دیں گے۔ لیکن آخر زخموں سے چُور ہو کر گر پڑے۔ لڑائی ختم ہوئی تو ابھی زندگی کی رمق موجود تھی۔ اُٹھا کر مدینہ لے گئے۔ حضرت اُمِ سَلَمہؓ (جنہیں بعد میں اُمُّ المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا) ان کی تیمارداری پر مامور ہوئیں۔ لیکن دوسرے دن شمّاسؓ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ حضور ﷺ نے خون آلود کپڑوں کے ساتھ ہی اُحد کے گنجِ شہیداں میں دفن کرنے کا حکم دیا۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اُحد کے دِن شمّاسؓ میری سپر تھے۔ دائیں بائیں آگے پیچھے جدھر دیکھتا شمّاسؓ نظر آتے تھے۔ "سپر" کے سوا میں ان کے لیے کوئی تشبیہ نہیں پاتا۔

(اُسدُ الغابہ۔ طبقات ابنِ سعد)

حضرت ثابتؓ بن دحداح کی للکار:

حضرت ثابتؓ بن دحداح ایک انصاری عاشقِ رسول ﷺ جنگِ اُحد میں نہایت جوش سے لڑ رہے تھے۔ جب رسولِ اکرم ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو اُنہوں نے اکثر مسلمانوں کے قدم اُکھڑتے دیکھے۔ ثابتؓ نے آگے بڑھ کر انصار کو للکارا:

"اِدھر اِدھر میں ہوں ثابتؓ بن دحداح اگر محمد ﷺ قتل ہوئے تو اللہ موجود ہے۔ تمہیں اپنے دین کے لیے لڑنا چاہیے اللہ فتح و نصرت عطا فرمائے گا۔"

ان کی للکار سُن کر کئی انصاری پلٹ پڑے اور کفار کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا۔ لڑائی میں حضرت ثابتؓ کو نیزے کا ایک شدید زخم لگا۔ اگرچہ عارضی طور پر افاقہ ہوگیا لیکن زخم پورے طور پر مندمل نہ ہوا اور اسی کے صدمہ سے غزوۂ حدیبیہ کے بعد وفات پائی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق جنگِ اُحد کے دن ہی سب سے آخر میں شہید ہوگئے۔ (صحیح مسلم۔ اِصابہ۔ اُسدُ الغابہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میری جان آپ کی جان پر قربان:

حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسولِ اکرم ﷺ کے عاشقِ زار تھے وہ بدری صحابی تھے اور غزوۂ اُحد میں حضور ﷺ کے ہم رِکاب تھے۔ جس وقت گھمسان کا رَن پڑا اور کافروں نے مسلمانوں پر تابڑ توڑ حملے شروع کیے تو حضرت ابوطلحہؓ عزم واستقامت کا پہاڑ بن کر رسولِ اکرم ﷺ کے آگے کھڑے ہوگئے۔ اُن کا چہرہ جوشِ شجاعت سے تمتما رہا تھا اور وہ تیر اندازی میں اپنی مہارت کو اس طرح بروئے کار لا رہے تھے کہ جو کافر حضور ﷺ کی طرف بڑھتا وہ اپنے تیر سے اس کو جہنّم واصل کر دیتے اور جو تیر مشرکوں کی طرف سے حضور ﷺ کی طرف آتا وہ اُسے اپنے ہاتھ پر روک لیتے تھے اور نہایت جوش سے بار بار یہ شعر پڑھتے تھے:

نَفْسِیْ لِنَفْسِكَ الْفِدَاءُ وَ وَجْهِیْ لِوَجْهِكَ الْوِقَاءُ

میری جان آپ کی جان پر قربان اور میرا چہرہ آپؐ کے روئے مبارک کی سپر

حضور ﷺ ذرا اِدھر اُدھر ہوتے اور آپؐ کی ذاتِ اقدس کو خطرہ لاحق ہوتا تو ابوطلحہؓ فوراً آگے ہو جاتے اور فرماتے۔ "میرا گلا آپ کے گلے سے پہلے۔"

کفار پر تیر برساتے برساتے اُن کے ہاتھ سے تین کمانیں ٹوٹیں اور وہ لڑائی ختم ہونے تک ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی نہایت ثابت قدمی سے حفاظت کرتے رہے۔ جس ہاتھ سے تیر روک رہے تھے وہ ہمیشہ کے لیے شل ہوگیا۔ لیکن انہوں نے اس صدمہ کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ حضور ﷺ نے ان کے جذبۂ جاں نثاری کو بے حد سراہا [1]

حضرت عمروؓ بن جموح کا جوشِ ایمان:

سیّد الانصار حضرت عمروؓ بن جموح کا پاؤں کسی حادثہ میں زخمی ہوگیا تھا اور وہ ایک پاؤں سے لنگڑا کر چلتے تھے۔ جنگِ بدر میں شامل ہونا چاہا تو حضور ﷺ نے ان کے فرزندوں کو حکم دیا کہ وہ انہیں لڑائی میں جانے سے منع کریں کیونکہ وہ معذور ہیں اور اس حالت میں ان پر جہاد واجب

---

[1] حضرت ابوطلحہؓ زید بن سہل انصاری کا شمار بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ خزرج کے خاندان بنونجّار سے تھے۔ ہجرت سے پہلے مشرّف بہ اسلام ہوئے اور حضرت انسؓ بن مالک کی والدہ اُمِ سُلیمؓ سے "قبولِ اسلام" کے "مہر" پر نکاح ہوا۔ ۱۳ بعدِ بعثت کی بیعتِ عقبہ کبیرہ میں شریک تھے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد بدر، اُحد، خندق، خیبر اور دوسرے تمام غزوات میں جانبازانہ شریک ہوئے۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد عہدِ صدیقی وفاروقی کی متعدد جنگوں میں فریضۂ جہاد ادا کیا۔ آخر ضعفِ پیری نے گھر بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ ستر برس کی عمر تھی۔ ایک دن قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا تو شوقِ شہادت سے بے تاب ہوگئے۔ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں مسلمان ایک بحری مہم پر روانہ ہوئے تو گھر والوں کے منع کرنے کے باوجود لشکرِ اسلام میں شامل ہوگئے۔ بحری جہاز راستے میں تھا کہ انہیں پیغامِ اجل آ گیا۔ ساتویں دن جہاز کنارے لگا تو ان کا جسدِ مبارک ایک جزیرے میں سپُردِ خاک کیا گیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔ حضرت عمروؓ بن جموح دل مسوس کر رہ گئے اور حُکمِ نبویؐ کی تعمیل میں غزوۂ بدر میں شرکت نہ کر سکے۔

جنگِ اُحد میں بھی یہی کیفیت پیش آئی۔ ان کے لڑکوں نے کہا: ''باوا جان! آپ معذور ہیں، لڑائی میں شرکت آپ پر واجب نہیں۔ ہم جوان ہیں تندرست ہیں، آپ کی طرف سے لڑیں گے اور رسول اللہ ﷺ پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔''

حضرت عمروؓ بن جموح نے فرمایا۔ ''تم نے مجھے جنگِ بدر میں بھی شامل ہونے سے روک دیا تھا۔ خدا کی قسم اب میں نہ رُکوں گا اور اپنے آقا پر اپنی جان نثار کروں گا۔''

لڑکوں نے رسولِ کریم ﷺ کو باپ کے ارادہ کی اطلاع دی تو حضور ﷺ نے عمروؓ بن جموح کو بلا بھیجا جب وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو اُنہیں سمجھایا کہ ''تمہارا جذبۂ جہاد قابلِ قدر ہے لیکن تم معذور ہو، تم پر جہاد فرض نہیں۔ لڑائی میں عملی شرکت کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ تمہیں جہاد کا ثواب دے گا۔''

حضرت عمروؓ بن جموح نے عرض کی۔ ''یا رسولَ اللہ ﷺ! مجھے جہاد میں عملی شرکت کی سعادت سے محروم نہ فرمایئے۔ خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ میں اسی لنگڑے پَیر کو گھسیٹتا ہوا جنت میں پہنچوں گا۔''

حضور ﷺ نے بھی اب زیادہ زور نہ دیا اور انہیں لڑائی میں شامل ہونے کی اجازت دے دی جب لڑائی شروع ہوئی تو حضرت عمروؓ بن جموح نے ہتھیار لے کر دعا مانگی۔ ''اے باری تعالیٰ! مجھے شہادت نصیب کر اور گھر واپس نہ لے جا۔''

یہ کہہ کر لشکرِ کفار میں گھس گئے اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ سُن کر اکثر مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے تو عمروؓ نے اپنے فرزند خلادؓ کو ساتھ لے کر کفار پر اتنا شدید حملہ کیا کہ ان کا منہ پھیر دیا۔ لیکن آخر بہت سے مشرکوں نے نرغہ میں لے کر باپ بیٹے دونوں کو شہید کر دیا۔ لڑائی کے بعد جب حضور ﷺ ان کی طرف سے گزرے تو فرمایا: عمروؓ کو میں جنت میں ان کے لنگڑے پاؤں کے ساتھ چلتا دیکھ رہا ہوں' خدا نے ان کی قسم پوری کر دی ہے۔'' (الاصابہ۔ اُسدُ الغابہ)

عملِ قلیل واجرِ کثیر:

جب رسولِ کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو قبیلۂ اوس کے تمام مرد وزن مُشرّف بہ اسلام ہو گئے بجز ایک شخص کے۔ وہ تھے عمرو بن ثابت الملقب بہ اُصَیرِم۔ غزوۂ اُحد تک وہ کفر وشرک کی ظلمتوں میں بھٹکتے رہے۔ جنگِ اُحد کے دن حضور ﷺ جب اپنے جاں نثاروں کے ہمراہ میدانِ جنگ کی طرف تشریف لے گئے تو عمرو گھر سے باہر تھے۔ جب واپس آئے تو محلے میں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گھر والوں سے پوچھا کہ شہر کے لوگ کہاں گئے۔ اُنہوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے جواب دیا۔ ''مشرکینِ مکّہ کا مقابلہ کرنے کے لیے حضور ﷺ کے ہمرکاب میدانِ جنگ میں گئے ہیں۔''

اسی وقت دل میں نُورِ ہدایت کی چنگاری بھڑکی۔ لباسِ جنگ پہنا، گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اور سیدھے حضور ﷺ کے قدموں میں جا گرے۔ عرض کی ''یارسولَ اللہ! راہِ حق میں لڑوں یا اسلام قبول کروں۔''

آپ نے فرمایا ''دونوں کام کرو۔ پہلے اسلام قبول کرو پھر لڑو۔''

عمروؓ نے عرض کی۔ ''یا رسول اللہ ﷺ! میں نے آج تک خدائے واحد کے آگے ایک سجدہ بھی نہیں کیا۔ اگر لڑائی میں مارا گیا تو کیا میری اس میں بہتری ہوگی؟''

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''ہاں!''

حضرت عمروؓ نے اِسی وقت کلمۂ شہادت پڑھا، رسولؐ اللہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور مردانہ وار صفِ جنگاہ میں گھس گئے۔ نہایت شجاعت سے لڑے۔ کفّار نے نرغہ میں لے کر تیرو تلوار سے چھلنی کر دیا۔ ہر موئے بدن سے خون جاری تھا لیکن دیوانہ وار تلوار چلا رہے تھے۔ آخر زخموں کی تاب نہ لا کر گر پڑے۔ لڑائی کے بعد جب ان کے قبیلہ کے لوگ اپنے شہیدوں کی تلاش میں نکلے تو عمروؓ بن ثابت کو بھی خاک وخون میں غلطان دیکھا۔ ابھی کچھ سانس باقی تھے۔ قبیلہ کے لوگوں نے حیران ہوکر پوچھا:

''اُصَیرِم یہ کیا؟ تُو تو اسلام کا مخالف تھا۔ کیا قوم پرستی کا جذبہ تمہیں میدانِ جنگ میں لے آیا۔؟''

عمروؓ نے جواب دیا۔ ''نہیں، اللہ نے مجھے اسلام قبول کرنے کا شرف عطا کیا اور میں اللہ کی راہ میں لڑا۔''

لوگ اُٹھا کر مدینہ لائے۔ تھوڑی دیر بعد جان جان آفریں کے سپرد کی۔

حضور ﷺ نے ان کی شہادت کی خبر سُنی تو فرمایا: ''عَمِلَ قَلِیْلاً وَاُجِرَ کَثِیْرًا.'' اس نے تھوڑا عمل کیا اور زیادہ اجر پایا۔

حضرت عمروؓ بن ثابت اَلْاُصَیرِمُ عبد الاشہل کا واقعۂ شہادت اتنا مشہور ہوا کہ حضرت ابوہریرہؓ جب کبھی اپنے شاگردوں سے پوچھتے۔ ''ایسا شخص بتاؤ جس نے ایک وقت کی نماز بھی نہ پڑھی ہو۔ لیکن سیدھا جنّت میں گیا ہو۔'' تو وہ فوراً جواب دیتے ''اَلْاُصَیرِمُ عبدالاشھل''۔
(صحیحین، اُسُد الغابہ، مستدرکِ حاکم، مُسنَدِ ابی داوٗد)

دو مجاہد بچے:

غزوۂ اُحد سے قبل مدینہ منوّرہ سے باہر نکل کر سرورِ کائناتؐ نے لشکرِ اسلام کا معائنہ فرمایا تو دیکھا کہ کئی کم عمر لڑکے بھی شوقِ شہادت میں لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے تھے حضور ﷺ نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہیں مدینہ واپس جانے کا حکم دیا۔ حضرت خدیجؓ ایک انصاری نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! میرے لڑکے رافعؓ کو تیر اندازی میں بڑی مہارت حاصل ہے۔ اسے لڑائی میں شامل ہونے کی اجازت دیں۔'' رافعؓ کی عمر پندرہ سال سے کم تھی اور وہ اپنی ایڑیوں پر کھڑے ہو ہو کر اپنے قد کو لمبا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حضور علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر تبسم فرمایا اور لڑائی میں شرکت کی اجازت دے دی۔ رافعؓ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔

لڑکوں کی جماعت میں رافعؓ کے ہم عُمر ایک لڑکے سَمُرہؓ بن جُندب بھی تھے۔ انہیں رافعؓ پر بہت رشک آیا۔ اپنے سوتیلے باپ مریؓ بن سنان کی وساطت سے رسول اکرم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ ''یا رسولَ اللہ! آپؐ نے رافعؓ کو اجازت دے دی اور مجھے چھوڑ دیا حالانکہ میں رافعؓ سے طاقتور ہوں، آپ بے شک رافعؓ سے میری کُشتی کرا کے دیکھ لیجیے۔ اگر میں ہار گیا تو میدانِ جنگ میں جانے پر اصرار نہ کروں گا۔''

رسولِ کریم علیہ السلام سمرہؓ کے شوقِ جہاد سے بے حد متاثر ہوئے اور کُشتی کا حکم دے دیا۔

رافعؓ اور سمرہؓ خم ٹھونک کر مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور ایک دوسرے سے گُتھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد سمرہؓ نے رافعؓ کو پچھاڑ دیا۔ وہ دیکھنے میں چھوٹے اور کمزور تھے لیکن مقابلہ جیت کر اپنے آپ کو طاقتور ثابت کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے اب انہیں بھی جنگ میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔

رافعؓ [1] اور سمرہؓ [2] دونوں اس بہادری اور ثابت قدمی سے لڑے کہ اپنے آپ کو بڑوں کا ہمسر ثابت کر دیا۔ حضرت رافعؓ کے سینے میں کسی مشرک کا تیر پیوست ہو گیا۔ لوگوں نے اسے باہر کھینچا تو ٹوٹ گیا۔ اور اس کی نوک حضرت رافعؓ کے سینے میں رہ گئی تاہم جان بچ گئی۔ اس واقعہ کے بعد وہ تقریباً ۷۲ سال زندہ رہے۔ (طَبَری)

---

[1] حضرت رافعؓ کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ جنگِ اُحُد کے بعد غزوۂ خندق اور کئی دوسرے غزوات میں اُنھوں نے رسولِ کریم علیہ السلام کی رفاقت کا حق ادا کیا۔ جنگِ صفّین میں وہ حضرت علی کَرَّمَ اللہ وجہہٗ کی طرف سے نہایت بہادری سے لڑے ۷۴ھ میں ۸۶ برس کی عمر میں وفات پائی۔ وفات کے دن مدینہ میں کہرام مچ گیا۔ (سِیَرُ انصار جلد اوّل)

[2] حضرت سَمُرہؓ بن جندب بھی نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ اُحُد کے بعد بھی تمام غزوات میں شرکت کی۔ سرورِ کائنات کی رحلت کے بعد مدینہ منورہ سے بصرہ چلے گئے۔ زیادہ بن سمیہ حاکمِ بصرہ وکوفہ نے انہیں اپنا نائب الحکومت مقرر کیا۔ وہ کوفہ میں ہوتا تو بصرہ کی امارت ان کے سپرد ہوتی۔ وہ بصرہ آتا تو یہ کوفہ جا کر انتظامِ حکومت سنبھال لیتے۔ سمرہؓ خوارج کے سخت دشمن تھے، ان پر قابو پا کر بیدریغ قتل کرا دیتے تھے۔ رسولِ کریم علیہ السلام کی سنّت پر عمل کرنے میں بڑا اہتمام فرماتے تھے اور فُضلائے صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے۔ ۵۸ھ میں پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ (اُسدُ الغابہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غسیل الملائکہ:

یثرب کے قبیلۂ اوس کا راہب ابو عامر دینِ حق کا اتنا سخت دشمن تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اُسے ''فاسق'' کے لقب سے پکارا۔ لیکن اسی فاسق کی صُلب سے وہ جلیل القدر فرزند پیدا ہوا جسے تاریخ میں تقی اور غسیل الملائکہ کے القاب سے پُکارا گیا۔

یہ رفیع المرتبت انسان حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر تھے۔ اُنھوں نے جب اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ''یا رسولَ اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنے دشمنِ اسلام باپ کو موت کے گھاٹ اُتار دوں۔'' حضور ﷺ نے اُن کے جذبۂ ایمانی کو سراہا لیکن باپ کو قتل کرنے کی اجازت نہ دی۔

حضرت حنظلہؓ کی نئی نئی شادی ہوئی تھی کہ پرستارانِ حق کو غزوۂ اُحُد پیش آیا۔ وہ اپنی بیوی کے پاس خلوت میں تھے کہ اعلانِ جہاد سُنا۔ بے اختیار ہو کر تلوار ہاتھ میں لی اور میدانِ جنگ کو اُٹھ دوڑے۔ (ایک اور روایت میں ہے کہ وہ شروع میں غزوۂ اُحُد میں شریک نہیں تھے، جب مسلمانوں کی شکست کی خبر خلوت گاہ میں سُنی تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ میدانِ جنگ کی طرف لپکے)۔ صرف ایک ہی آرزو تھی کہ راہِ حق میں اپنی جان قربان کر دیں۔ دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ شدّاد بن اسود لیثی نے بڑھ کر تلوار کا ایک بھرپور وار کیا اور یثرب کے اس دولہا نے جرعۂ شہادت پی کر روضۂ رضوان کا رستہ لیا۔

چونکہ حالتِ جنابت میں شہید ہوئے، بارگاہِ الٰہی سے فرشتوں کو حکم ہوا کہ انہیں غسل دیں۔ حضور ﷺ نے ان کے غسل کی کیفیت دیکھی تو بہت حیران ہوئے۔ فرشتوں کے ہاتھوں ان کے غسل کا تذکرہ آپؐ نے صحابۂ کرامؓ سے بھی کیا۔ حضرت ابو سعید ساعدیؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد سُن کر حنظلہؓ کو جا کر دیکھا تو اُن کے سر سے غسل کا پانی ٹپک رہا تھا۔ اُحُد سے واپسی پر حضور ﷺ نے اس واقعہ کی تحقیق فرمائی تو ان کی بیوی نے سارا قصہ بیان کیا حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''تب ہی حنظلہؓ کو ملائکہ غسل دے رہے تھے۔''

اِسی وجہ سے حضرت حنظلہؓ غسیلِ ملائکہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

اللہ رے ذوق وشوق کہ راہِ حق میں جان دینے کی آرزو میں نہ نئی نویلی دُلہن یاد رہی اور نہ غسل۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (اِلا صابہ)

مبارک آنکھ:

حضرت قتادہؓ بن نعمان ایک جلیل القدر انصاری صحابی تھے۔ وہ جنگِ بدر کے تین سَو تیرہ نفوسِ قدسی میں سے ایک تھے۔ جنگِ اُحُد میں بھی نہایت جوش اور جذبے کے ساتھ شامل ہوئے۔ جب وہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ کسی مشرک نے آنکھ پر نیزہ پھینکا۔ آنکھ باہر نکل کر رخسار پر لٹک آئی۔ لیکن یہ عاشقِ رسول ﷺ میدانِ جنگ سے ہٹنے کا نام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی نہ لیتے تھے۔ لوگوں نے کہا، اسے کاٹ دو۔ بولے "رسول اللہ سے پوچھ لوں۔"

جب نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا۔ "نہیں نہیں" اور پھر اپنے دستِ مبارک سے آنکھ کو اپنی اصلی جگہ پر لگا دیا اور دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اکْسِھَا جَمَالاً.

اس دعا کی برکت سے یہ آنکھ بالکل ٹھیک ہوگئی اور پھر حضرت قتادہؓ کی نظر عمر بھر نہایت تیز رہی۔

ان کی اولاد میں کسی نے یہ اشعار اسی واقعہ کی بابت لکھے ہیں:۔

اَنَا ابْنُ الَّذِی سَالَتْ عَلَی الْخَدِّ عَیْنُہٗ
فَرُدَّتْ بِکَفِّ الْمُصْطَفٰی اَحْسَنَ الرَّدِّ
فَعَادَتْ کَمَا کَانَتْ لِاَوَّلِ اَمْرِھَا
فَیَا حُسْنَ مَا عَیْنٌ وَیَا حُسْنَ مَارَدِّ

یعنی میں اس کا فرزند ہوں جس کے گالوں پر آنکھ (خانۂ چشم) سے نکل کر گر پڑی۔ پس وہ محمد مصطفٰی ﷺ کے مبارک ہاتھ سے نہایت احسن طریقہ سے لوٹائی گئی۔ پس وہ لوٹ گئی (اپنی جگہ پر آگئی) جیسا کہ اس کا پہلا ٹھکانہ تھا۔ کیا مبارک تھی وہ آنکھ اور کیا مبارک تھا اُس کا لوٹایا جانا (مبارک تھی وہ ذاتِ اقدس جس نے اُسے لوٹا دیا)۔ (اُسدُ الغابہ)

حضرت زیدؓ بن خطّاب کا شوقِ شہادت:

جنگِ اُحد کے دن فاروقِ اعظمؓ کے عاشقِ رسول بھائی زیدؓ بن خطاب کے دل میں شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ چاہتے تھے کہ آج کے دن وہ راہِ خدا میں ضرور قربان ہو جائیں۔ اپنا کُرتا اُتار دیا اور ننگے بدن لشکرِ کفار کی طرف بڑھے تاکہ دشمن کا کوئی وار جلد از جلد ان کی تمنائے شہادت پُوری کردے۔ حضرت عُمرِ فاروقؓ کو اُن سے بے پناہ محبت تھی۔ منّت سماجت کر کے زرہ پہنائی لیکن اُنہوں نے تھوڑی دیر کے بعد اتار دی۔ حضرت عمرؓ نے سبب پوچھا تو فرمایا۔ "میرا عریاں سینہ ہی دشمنوں کا ہدف بنے دو تمہاری طرح میرے دل میں بھی جامِ شہادت پینے کی تمنّا ہے۔" حضرت عمرؓ خاموش ہوگئے اور زیدؓ اسی حالت میں اس جوش سے لڑے کہ کفار میں بھگدڑ مچ گئی قدرت کو ابھی ان کی زندگی منظور تھی، اس جنگ میں شرفِ شہادت سے محروم رہے۔ اور تقریباً 9 سال بعد جنگِ یمامہ میں (بعہدِ خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) شہادت پائی۔

ابُو دُجانہ خوب لڑے:

حضرت ابُو دُجانہ سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ کا شمار مدینہ کے بہادروں میں ہوتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ ان کا تعلق خزرج کی شاخ بنو ساعدہ سے تھا۔ ہجرتِ نبوی ؐ سے پہلے شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ لڑائی کے لیے نکلتے تو اپنے سر کے گرد سرخ کپڑے کی ایک پٹی لپیٹ لیتے تھے اور بڑے ناز و تبختر سے چلتے تھے جیسے کہ اپنے حریف کو پیس کر رکھ دیں گے۔ حضور ﷺ نے ان کو اس طرح چلتے دیکھ کر فرمایا کہ اگرچہ اللہ کو متکبرانہ چال ناپسند ہے لیکن ایسے موقعوں پر کوئی حرج نہیں ۲ھ ہجری میں حضرت ابو دجانہؓ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور ایسی بہادری سے لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکار اٹھی۔

۳ھ ہجری میں غزوۂ اُحد پیش آیا تو حضرت ابو دجانہؓ نے اس لڑائی میں بھی اس شان سے دادِ شجاعت دی کہ یوم اُحد کے خاص بہادروں میں شمار ہوئے صحیح مسلم اور مُسندِ احمد بن حنبل میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ نے ایک تلوار اپنے دست مبارک میں لے کر ارشاد فرمایا کہ یہ تلوار کون لے گا؟ سب لوگ بڑے اشتیاق سے حضور ﷺ کی طرف دیکھنے لگے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے ہر ایک یہ تلوار لینے کا متمنی ہے لیکن جب حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا تو سب لوگ ٹھٹک گئے البتہ حضرت ابو دجانہ سماکؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! اس تلوار کا حق میں ادا کروں گا۔'' رسولِ اکرم ﷺ نے یہ تلوار انہیں عطا فرمائی اور وہ اسی کے ساتھ لڑے۔

اس روایت میں تلوار کے حق کی تصریح نہیں کی گئی البتہ ''مستدرکِ حاکم'' میں حضرت زبیرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی یہ تلوار لینے کی خواہش کی لیکن حضور ﷺ نے ان سے اعراض فرمایا۔ جب ابو دجانہؓ نے عرض کیا کہ میں اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لینا چاہتا ہوں آپ فرمائیں اس کا حق کیا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا ''اس تلوار سے کسی مسلمان کو نہ مارنا اور اسے لے کر کسی کافر سے مت بھاگنا۔'' اس کے بعد آپؐ نے یہ تلوار ابو دجانہؓ کو مرحمت فرمائی۔ یہ تلوار لے کر انہوں نے سر کے گرد سرخ کپڑا لپیٹا اور اپنے اندازِ خاص سے چلتے ہوئے میدانِ جنگ کا رخ کیا۔

حضرت ابو دجانہؓ عرصۂ رزم میں یوں داخل ہوئے جیسے شیر اپنے شکار پر جست لگاتا ہے جو مشرک ان کے سامنے آیا اپنی تلوار سے اُس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا یا سخت زخمی کر دیا۔ حضرت کعبؓ بن مالک انصاری سے روایت ہے کہ میں نے غزوۂ اُحد میں دیکھا کہ مشرکین کا ایک زبردست جنگجو جو سر سے پاؤں تک زرہ پوش تھا اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس تھا، مسلمانوں پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہا ہے اور اپنے آدمیوں سے کہہ رہا ہے کہ ان لوگوں (مسلمانوں) کو گھیر کر بکریوں کے ریوڑ کی طرح ایک جگہ جمع کر دو۔ یکایک مسلمانوں کی صفوں سے ایک زرہ پوش تیر کی طرح اُس پر جھپٹا۔ مشرک جنگجو اگرچہ اپنے تن و توش اور اسلحہ کے اعتبار سے مسلمان زرہ پوش پر نمایاں برتری رکھتا تھا لیکن مسلمان مجاہد نے مشرک کے قریب پہنچ کر اس کے کندھے پر تلوار کی ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس وقت میں اس مسلمان کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیچھے کھڑا تھا۔ مشرک کو جہنم واصل کرنے کے بعد اس نے اپنے چہرے سے آہنی خود اُٹھایا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"کعب تم دیکھ رہے ہو میں ہوں ابو دجانہ"

اس کے بعد حضرت ابو دجانہؓ تلوار چلاتے ہوئے مشرکین کی عورتوں تک پہنچ گئے جو ہند بنتِ عتبہ کی سرکردگی میں رزمیہ اشعار پڑھ پڑھ کر اپنے مردوں کو جوش دلا رہی تھیں۔ ابو دجانہؓ نے اپنی تلوار ہند کی گردن پر رکھ دی لیکن پھر یہ کہہ کر اٹھالی کہ میں رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی تلوار ایک عورت کے خون سے آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔ (اُسدُ الغابہ)

جب تیر اندازوں کے اپنی جگہ سے ہٹنے کی وجہ سے لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا تو حضرت ابو دجانہؓ چند دوسرے جانبازوں کے ساتھ ذاتِ رسالت مآب ﷺ اور دشمن کے درمیان حائل ہو گئے۔ وہ شروع سے اخیر تک رحمتِ عالم ﷺ کی ڈھال بنے رہے۔ غنیم کے جو آدمی حضور ﷺ کی طرف بڑھتے ابو دجانہ کی شمشیر خارا شگاف ان پر بجلی بن کر گرتی اور میدان صاف ہو جاتا۔ دشمن کا جو تیر حضور ﷺ کی طرف آتا حضرت ابو دجانہؓ اسے اپنی کمر پر لیتے۔ وہ تیر پر تیر اور زخم پر زخم کھاتے مگر حضور ﷺ کو چشم زخم نہیں پہنچنے دیتے تھے۔ جب مشرکین پسپا ہو گئے تو حضرت ابو دجانہؓ کی یہ حالت تھی کہ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جو مجروح نہ ہوا ہو۔ حضور ﷺ ان کی شجاعت اور جذبۂ فدویت سے بہت مسرور ہوئے اور فرمایا:

"ابُو دُجانہ خوب لڑے۔"

ایں سعادت بزورِ بازو نیست:

وہبؓ بن قابوس اور اُن کے بھتیجے حارثؓ بن عقبہ بن قابوس جبلِ مزینہ سے شہر مدینہ میں بکریاں فروخت کرنے آئے۔ شہر کو لوگوں سے خالی دیکھا۔ وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ تمام لوگ قریشِ مکّہ کے مقابلہ پر میدانِ اُحد میں مصروفِ کارزار ہیں۔ فوراً نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسلام قبول کیا [1] اور پھر حضور ﷺ سے اجازت لے کر جہاد میں شریک ہو گئے۔ اس بے جگری سے لڑے کہ اپنے بیگانے سب دنگ رہ گئے۔ حضرت وہبؓ نے حضور ﷺ پر کفار کے دو شدید حملوں کو تنہا پسپا کر دیا۔ حضور ﷺ نے ان کو جنّت کی بشارت دی۔ تیسری دفعہ پھر یہی صورت پیش آئی تو وہ بھتیجے کے ہمراہ تلوار چلاتے ہوئے کفار کے ہجوم میں گھس گئے اور بے شمار زخم کھا کر دونوں پردیسی چچا بھتیجے جنّت کو سدھارے۔ کہاں بکریوں کی تجارت اور کہاں جنّت کا سودا۔

---

[1] ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت وہبؓ غزوۂ اُحد سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے البتہ انہیں مشرکینِ مکّہ کی مدینہ پر چڑھائی کی خبر نہیں تھی۔ غزوے کے دن مدینہ میں بکریاں فروخت کرنے آئے اور رتبۂ شہادت پا کر جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت وہبؓ کی شہادت کے بعد حضور ﷺ نے اُن کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا:
''اللہ تم سے راضی ہو میں تم سے راضی ہوں۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ''میں نے وہبؓ جیسی دلیری اور بہادری جو انہوں نے غزوۂ اُحد میں دکھائی کبھی کسی دوسرے میں نہیں دیکھی۔''

حضرت عُمرؓ فاروق فرماتے تھے کہ ''مجھے کسی کے عمل پر اتنا رشک نہیں آیا جتنا وہب کے عمل پر۔ میری تمنا ہے کہ داورِ محشر کے سامنے اُس جیسا اعمال نامہ لے کر حاضر ہوں۔''

سات انصاری سرفروش:

جنونِ عشق میں سرکو سرِ میداں کٹاتے ہیں

غزوۂ اُحد کے دوسرے دَور میں کئی بار ایسے نازک لمحات آئے جب کُفّار کے بڑے بڑے جتھوں نے آنحضور ﷺ کو شہید کرنے کے لیے پورا زور لگا دیا۔ ایسے موقعوں پر حضور ﷺ کے قریب موجود صحابۂ کرامؓ نے اپنی جانوں پر کھیل کر آپ کی حفاظت کی۔ ایسے ہی ایک موقع پر جب مشرکین گروہ در گروہ آپؐ پر حملے کر رہے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا، کون ہے جوان (حملہ آوروں) کو ہٹائے گا، ہٹانے والے کو جنّت ملے گی اور وہ جنّت میں میرا ساتھی ہوگا۔ حضور ﷺ کا ارشاد سن کر سات انصاری جانباز یکے بعد دیگرے حملہ آور کافروں اور حضور ﷺ کے درمیان حائل ہوگئے اور ایسی بہادری سے لڑے کہ کافروں کا منہ موڑ دیا لیکن خود بھی بے شمار زخم کھا کر مرتبۂ شہادت پر فائز ہوگئے۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوۂ اُحد)

یہ خوش بختی، اللہ اللہ:

رسولِ اکرم ﷺ پر جانیں قربان کرنے والے جن سات انصاری جانبازوں کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، اُن میں ایک حضرت عُمارہؓ بن زیاد انصاری تھے ان کا تعلّق اوس کے خاندان بنوعبدالاشہل سے تھا۔ کُفّار سے معرکہ آرائی میں اُن کے جسم پر تیرہ زخم لگ چکے تھے لیکن میدانِ جنگ سے منہ موڑنے کا نام نہ لیتے تھے۔ آخر چودھویں زخم کے ساتھ طاقت جواب دے گئی اور گر پڑے۔ لوگوں نے سمجھا شہید ہوگئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی گئی تو آپؐ نے فرمایا،
''عمارہ کی لاش میرے پاس لاؤ۔''

اصحابِ رسول ﷺ فوراً ان کی طرف دوڑے۔ دیکھا تو ابھی سانس چل رہی تھی۔ اُٹھا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر حضور ﷺ کے رُوبرو رکھ دیا۔ بولنے کی سکت نہ تھی لیکن اُن کی بے نُور ہوتی ہوئی آنکھیں پکار رہی تھیں۔

"یا رسولَ اللہ! یہ تو صرف ایک جان تھی، اگر سَو جانیں بھی ہوتیں تو آپ پر نثار کر دیتا۔"

چنانچہ اپنے رخساروں سے سرورِ کائنات ﷺ کے تلووں کو سہلاتے ہوئے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

سر بوقتِ ذبح اپنا اُسؑ کے زیرِ پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

(اُسدُ الغابہ)

اللہ اللہ یہ جذبۂ عقیدت اور یہ خوش بختی کہ دمِ واپسیں ہے اور سرِ محبوب کے قدموں پر ہے۔ اور محبوب کون؟ فخرِ انس و ملائک، خاتم الانبیاء، سرورِ کائنات ﷺ! عمارہ بن زیاد رضی اللہ عنہ کی قابلِ رشک شہادت اس شعر کا مصداق تھی:

منم و ہمیں تمنا کہ بوقتِ جاں سپردن
بُرخِ تو دیدہ باشم تو درونِ دیدہ باشی

(اسد الغابہ۔ المشاہد)

سیرۃ ابنِ ہشام میں ہے کہ غزوۂ اُحد میں جو صاحب اس حالت میں شہید ہوئے کہ ان کے رخسار رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں کے ساتھ مَس کر رہے تھے وہ عمارہؓ بن زیاد کے والد حضرت زیاد بن سَکَن (بن رافع بن اِمرؤ القیس) انصاری تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ دونوں باپ بیٹے غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے۔

علّامہ ابنِ اثیر نے "اُسدُ الغابہ" میں ہشام بن کلبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ عمارہؓ بن زیاد جنگِ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ لیکن جمہور اربابِ سِیَر نے غزوۂ بدر کے شہیدوں میں حضرت عمارہؓ بن زیادؓ کا ذکر نہیں کیا اس لیے قیاسِ غالب یہی ہے کہ حضرت زیادؓ اور حضرت عمارہ بن زیادؓ دونوں باپ بیٹے غزوۂ اُحد میں رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

(سیرۃ ابنِ ہشام۔ نبیِ رحمت۔ المشاہد۔ اُسدُ الغابہ)

میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا شمار غزوۂ اُحد کے ان خاص الخاص بہادروں میں ہوتا ہے جن کے پائے استقلال میں اخیر وقت تک جنبش نہ آئی۔ لڑائی کے دوسرے دَور میں جب آنحضور ﷺ پر کُفّار کا نرغہ ہوا تو حضرت سعدؓ آپؐ کے پہلو میں کھڑے تھے۔ وہ ایک ماہر تیر انداز تھے۔ حُضُور ﷺ اپنے ترکش سے تیر نکال کر انہیں دیتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَاسَعْدُ! اِرْمِ فِدَاكَ اَبِيْ وَ اُمِّيْ۔

''اے سعد! تیر چلا میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں۔''

ایک اور روایت کے مطابق اس موقع پر حضور ﷺ کے الفاظ یہ تھے:

اِرْمِ اَيُّهَا الْغُلَامُ الْحَزَوَّرُ.

''اے زور آور نوجوان تیر چلا۔'' (مشکوۃ بحوالہ سنن ترمذی باب مناقب عشرہ مبشرہ)

صحیح بخاری میں خود حضرت سعد سے یہ روایت منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے اپنا ترکش بکھیر دیا اور فرمایا، تیر چلا اے سعد! تم پر میرے باپ اور ماں قربان۔

(بخاری کتاب المغازی ذکر غزوۂ احد)

حملہ آور مشرکین میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس نے کچھ مسلمانوں کو آگ میں جلایا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس کو میدانِ جنگ میں دیکھا تو حضرت سعدؓ سے (اس کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا، اس کو تیر مارو۔

اس وقت حضرت سعدؓ کے ہاتھ میں بے پھل کا ایک تیر تھا، انہوں نے وہی تیر اس کو مارا۔ تیر اُس کے پہلو میں لگا اور وہ گر پڑا۔ گرتے ہی اس کا ستر کھل گیا اور ساتھ ہی اس نے دم توڑ دیا (حضور ﷺ کو اس نابکار کے جہنم رسید ہونے پر بہت خوشی ہوئی) آپ مسکرائے یہاں تک کہ آپ کی کچلیاں ظاہر ہوگئیں۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل سعدؓ بن ابی وقاص)

علامہ ابنِ اثیرؒ نے ''اُسدُ الغابہ'' میں لکھا ہے کہ غزوۂ اُحد میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک ہزار تیر چلائے تھے۔

غزوۂ اُحد میں حضرت سعدؓ کے مشرک بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے حضور ﷺ پر پتھر پھینکا تھا جس سے آپ کا چہرۂ مبارک زخمی ہوگیا تھا اور ایک دانت بھی شہید ہوگیا تھا۔ اس کی اس ناپاک حرکت کے بارے میں حضرت سعدؓ فرمایا کرتے تھے ''واللہ میں عتبہ سے زیادہ کسی شخص کے خون کا پیاسا نہیں ہوا۔''

میں حقِ وفا کو نباہ کر رہوں گا:

حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ اُحد میں شجاعت و بسالت، عزم و استقامت اور عشقِ رسول کا ایسا تحیّر خیز مظاہرہ کیا کہ اُن کو اس لڑائی کا بطلِ خاص یا مردِ میدان سمجھا گیا اور وہ ''صاحبِ اُحد'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت طلحہؓ شروع سے لے کر آخیر تک سربکف ہو کر لڑتے رہے۔ لڑائی کے دوسرے دَور میں انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی حفاظت کی خاطر سردھڑ کی بازی لگا دی۔ زخموں سے چُور چُور ہوگئے لیکن پیچھے قدم نہ ہٹایا۔ کافر بار بار حضور ﷺ کو شہید کرنے کے ارادے سے آپ کی طرف بڑھتے لیکن آپ کے قریب موجود مٹھی بھر جاں نثار اپنی جانوں کی بازی لگا کر ان کو پیچھے دھکیل دیتے اور بعض اس کوشش میں اپنی جانیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قربان کر دیتے تھے تین چار ایسے موقعے آئے کہ کافروں نے بڑی شدّت کے حملے کیے۔ ہر ایسے موقع پر آنحضورﷺ نے فرمایا، کوئی ہے جو اِن کو روکے؟ ہر بار حضرت طلحہؓ نے آگے بڑھ کر عرض کیا، یا رسولَ اللہﷺ! میں حاضر ہوں لیکن شمعِ رسالت کے کچھ دوسرے پروانے پہل کر گئے اور اپنی جانوں پر کھیل کر حملہ آوروں کو پیچھے دھکیل دیا۔ پھر ایک ایسا موقع آیا کہ حضرت طلحہؓ کے سوا دوسرے سب جاں نثار کافروں سے لڑتے لڑتے آپؐ سے دُور چلے گئے یا کافروں کے گھیرے میں آ گئے۔ اب صرف حضرت طلحہؓ ہی حضورﷺ کے قریب تھے انہوں نے اپنے آقا و مولاﷺ کو سخت خطرے میں دیکھ کر تہیہ کر لیا کہ اپنے جیتے جی حضورﷺ پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا اور آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی صورت میں جو عہدِ وفا باندھا تھا اس کو آج نباہ کر رہوں گا۔ اب وہ آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف سے آنے والے تیروں، تلواروں، نیزوں اور پتھروں کو اپنے جسم پر روکنے لگے۔ خون میں نہا گئے اور بیسیوں زخموں نے جسم کو چھلنی کر دیا لیکن رسول اللہؐ پر جان قربان کرنے کی تڑپ نے اُن کے اندر ایسی طاقت بھر دی تھی جو انہیں گرنے نہیں دیتی تھی اور وہ برابر تلوار چلائے جا رہے تھے غرض وہ بہت دیر تک اسی طرح حضورﷺ کی حفاظت کا فرض ادا کرتے رہے یہاں تک کہ کچھ دوسرے صحابہ بھی ان کی مدد کے لیے آ پہنچے اور سب نے مل کر کافروں کو پیچھے دھکیل دیا۔ حضورﷺ کے زخمی ہونے، آپ کو گڑھے سے نکالنے اور پہاڑ کے اوپر ایک محفوظ مقام پر پہنچانے میں حضرت طلحہؓ نے جو کردار ادا کیا اس کا ذکر پیچھے آ چکا ہے۔

کافروں کے بھاگنے کے بعد حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہؓ کے جسم پر ستّر (۷۰) سے زیادہ زخم شمار کیے۔ ایک ہاتھ پر ایسا سخت زخم آیا کہ ایک روایت کے مطابق یہ ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہو گیا اور بقولِ بعض اس کی دو انگلیاں کٹ گئیں یا شل ہو کر ہمیشہ کے لیے بیکار ہو گئیں۔ بعض روایتوں کے مطابق حضورﷺ نے انہیں جہاں جنّت کی خوشخبری دی وہاں یہ بھی فرمایا کہ ''یہ طلحہ نہیں خیر ہے۔'' یعنی طلحہ بھلائی اور نیکی کا مجسمہ ہیں۔ حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، اُحد کا دن سچ پوچھو تو طلحہ کا دن تھا۔ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ اُن کو یہ کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔

''اے طلحہؓ اے اُحد والے، اے صاحبِ اُحد۔''

(صحیح بخاری۔ فتح الباری۔ طبقات ابنِ سعدؒ۔ مہاجرین ج ا)

حضرت مخریقؓ کا جذبۂ فدویت:

یہودِ مدینہ اوس و خزرج کو نبی آخر الزّمانؐ کی آمد کی خبر دیتے رہتے تھے۔ لیکن جب نبیِ آخر الزّمانﷺ نے مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو اوس و خزرج نے تو سعادت اندوزِ ایمان ہو کر حضورﷺ کے لیے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیئے۔ مگر یہود کی شقاوتِ قلبی نے ان کو اس شرف سے محروم رکھا۔ تاہم ان میں کچھ سعید الفطرت لوگ بھی تھے۔ وہ لپک کر آگے بڑھے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہادیٔ اعظم ﷺ کا دامنِ اقدس تھام لیا۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک یہودی عالمِ مخریق تھے جن کا تعلق بنونضیر سے تھا: غزوۂ اُحد کے دن وہ اپنی قوم کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ محمد ﷺ رسولِ موعود ہیں اِس لیے تم پر انکی مدد کرنا واجب ہے۔ یہود نے کہا آج یوم السبت ہے ہم کیسے لڑائی میں حصہ لے سکتے ہیں۔[1] حضرت مخریقؓ بولے۔ اللہ کے راستے میں سبت وغیرہ کیا چیز ہے؟ یہ کہا اور مُسَلَّح ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ لڑائی شروع ہوئی تو مشرکین کے خلاف سرفروشانہ لڑے یہاں تک کہ زخموں سے چُور چُور ہو کر گر پڑے۔ دمِ واپسیں وصیّت کی کہ میرے مرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ میرے سارے باغات کے مالک ہوں گے۔ اس وصیّت کے بعد جاں بحق ہوگئے۔ اس موقع پر سَرورِ عالم ﷺ نے فرمایا ''مخریق سائقِ یہود'' یعنی مخریق یہود (اہلِ ایمان) میں سب سے آگے جانے والے ہوں گے۔

حضرت مخریقؓ نے جو باغات حضور ﷺ کی ملکیت میں دیے ان کے نام یہ ہیں:۔

۱۔المبشر۔ ۲۔الصائفہ۔ ۳۔المعوال ۴۔الدلال۔

۵۔حسن ۶۔جرفہ۔ ۷۔مشربہ ام ابراہیم۔ (الاصابہ لابنِ حجر عسقلانیؒ)

ابنِ اثیرؒ نے ''اُسدُ الغابہ'' میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ انہی باغات کی آمدنی سے حاجت مند مسلمانوں کی مدد اور صدقات وغیرہ کیا کرتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (اُسدُ الغابہ)

حضرت سہلؓ بن حُنَیف کا جذبۂ فدویت:

قبیلہ اَوس کے ایک جوانِ رعنا سہلؓ بن حُنَیف انصاری اُن ثابت قدم جانبازوں میں سے تھے جو غزوۂ اُحد میں افراتفری کے وقت سے لے کر آخیر تک سرورِ عالم ﷺ کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود رہے۔ جس وقت کُفار کی طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی وہ حُضور ﷺ کو کسی ضرر سے بچانے کے لیے یہ کہہ کر آپؐ کے آگے کھڑے ہوگئے۔

> ''یا رسولَ اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ میری آڑ میں رہیے۔ خدا کی قسم جب تک میری جان میں جان ہے میں آپ کی حفاظت کروں گا اور یہاں سے قدم پیچھے نہیں ہٹاؤں گا۔''

کُفّار کی طرف سے جو تیر آتا وہ اس کو روکتے اور جواب میں خود مشرکین پر تیر برساتے۔ حُضور ﷺ کو ان کا جذبۂ فدویت بہت پسند آیا۔ آپؐ بار بار دوسرے صحابہ سے فرماتے ''ان کو تیر دو یہ سہل ہیں۔''

حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ اُس دن حضرت سہلؓ نے موت پر بیعت کی تھی وہ اختتامِ جنگ تک دشمن پر برابر تیر برسا کر سیّد الانام ﷺ کی حفاظت کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ (اُسدُ الغابہ۔اَلاِصابہ)

---

[1] سبت سے مراد شنبہ یا ہفتہ کا دن ہے۔ توریت میں بنی اسرائیل کے لیے یہ قانون مقرر کیا گیا تھا کہ وہ شنبہ کا دن آرام اور عبادت کے لیے مخصوص رکھیں اور کسی قسم کا دنیاوی کام اس دن نہ کریں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا جذبۂ فدویت:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ان جانبازوں میں تھے جو لڑائی کے پہلے دَور میں بھی سربکف ہو کر لڑے اور دوسرے دَور میں بھی۔ چند دوسرے جاں نثاروں کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس اخیر تک میدانِ جنگ میں موجود رہے۔ دشمن کے جو آدمی حضور ﷺ کی طرف بڑھتے، حضرت عبدالرحمٰنؓ اور دوسرے جاں نثار بے جگری سے لڑ کر ان کو بھگا دیتے۔ آنحضور ﷺ کے اردگرد آپؐ کے جاں نثاروں اور حملہ آور کافروں کے درمیان اس قسم کی متعدد جھڑپیں ہوئیں۔ ان سب میں حضرت عبدالرحمٰنؓ جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑے ان کو زخم پر زخم لگتے تھے مگر وہ پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ لڑائی کے بعد اُن کے جسم پر اکیس زخم گنے گئے ان میں پاؤں کا زخم اتنا شدید تھا کہ مندمل ہونے کے بعد بھی وہ ساری عمر لنگڑا کر چلتے رہے۔ (سیرت ابنِ ہشام)

یہ حُسنِ عقیدت، یہ شوقِ شہادت اللہ اللہ:

حضرت مالک بن سنان خُدری انصاری رضی اللہ عنہٗ کو رسولِ اکرم ﷺ سے کمال درجے کی محبت اور عقیدت تھی۔ وہ غزوۂ اُحُد میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور نہایت پامردی کے ساتھ دادِ شجاعت دی۔ جب آنحضور ﷺ کا چہرۂ مبارک زخمی ہوا تو حضرت مالکؓ نے جوشِ عقیدت میں زخم سے نکلنے والے خون کو چُوس لیا۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا، اسے تھوک دو۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ! میں ہرگز نہیں تھوکوں گا (یعنی یہ مقدس خون مجھے بے حد عزیز ہے اور میرے لیے نعمتِ عظمٰی کی حیثیت رکھتا ہے) اس کے بعد وہ پلٹ کر پھر کُفّار سے لڑنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص کسی جنّتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہو وہ انہیں دیکھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جس کے خون میں میرا خون شامل ہوگیا ہے وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے۔ اس کے بعد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہٗ جانبازانہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔

(اُسدُ الغابہ۔ سیرِ انصار۔ الرّحیق المختوم)

(مشہور راویِ حدیث صحابی حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ حضرت مالک بن سنان خُدری رضی اللہ عنہ ہی کے فرزندِ ارجمند تھے۔)

دو ضعیف العُمر مجاہد:

غزوۂ اُحُد میں حضرت حُسَیلؓ اپنے فرزند حضرت حُذَیفہؓ کے ساتھ مشرکین سے لڑنے کے لیے نکلے۔ حضور ﷺ نے حضرت حسیلؓ کا ضُعفِ پیری دیکھا تو آپؐ نے انہیں ایک دوسرے ضعیف العمر بزرگ حضرت ثابتؓ بن وقش انصاری کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے پاس ایک بلند ٹیلے پر (یا ایک قلعے میں) بٹھا دیا۔ میدانِ کارزار گرم ہوا تو دونوں بزرگوں کو جوشِ جہاد نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے تاب کر دیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا، لَاآبَ لَکَ (کلمۂ غیرت، تیرا باپ مرے) ہم یہاں کیوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں آج نہ مرے کل مرے چلو اللہ کی راہ میں لڑیں شاید اللہ تعالیٰ نعمتِ شہادت نصیب کرے۔ چنانچہ دونوں بزرگ تلواریں سونت کر میدانِ وغا میں پہنچ گئے۔ حضرت ثابتؓ بن وقش تو نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے مشرکین کے ہاتھوں شہید ہو گئے مگر حضرت حسیلؓ کے ساتھ عجیب معاملہ ہوا۔ افراتفری کے عالم میں مسلمان ان کو پہچان نہ سکے اور دشمن سمجھ کر ان پر تلواریں برسانے لگے۔ حضرت حذیفہؓ ہر چند پکارتے رہے کہ ''یہ میرے والد ہیں، یہ میرے والد ہیں'' لیکن لڑائی کے ہنگامے میں کسی نے اُن کی نہ سُنی اور حضرت حسیلؓ مسلمانوں ہی کے ہاتھوں جامِ شہادت پی کر جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔

حضرت حُذَیفہؓ کو والدِ گرامی کی شہادت کا صدمہ تو بہت ہوا لیکن انہوں نے بڑے صبر سے کام لیا اور ''یغفر اللہ لکم'' (اللہ تم لوگوں کی مغفرت کرے) کہہ کر خاموش ہو گئے۔ سرورِ عالم ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ نے حضرت حُذَیفہؓ کو بلا کر بہت افسوس کا اظہار فرمایا اور اپنی جیبِ خاص سے حضرت حسیل شہیدؓ کی دِیَت عطا فرمائی لیکن حضرت ابو حذیفہؓ کی حمیت نے اسے لینا گوارا نہ کیا اور انہوں نے اسے مسلمانوں پر صدقہ کر دیا۔ حضور ﷺ نے ان کے جذبۂ خیر کی تحسین فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے یہ واقعہ سنا تو فرمایا کہ قاتل اور مقتول دونوں ماجور و مثاب ہیں۔ (یعنی دونوں کو جہاد کا اجر و ثواب ملے گا) (اُسدُ الغابہ)

حضرت سعدؓ بن ربیع کی وصیّت:

حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نہایت مخلص صحابی تھے۔ مہاجرین کی مدینہ میں آمد کے موقع پر انہوں نے جس عدیم المثال ایثار کا مظاہرہ کیا، اس کا ذکر پیچھے آ چکا ہے۔ ان کو رسولِ اکرم ﷺ سے بے پناہ محبت تھی اور حضور ﷺ کو بھی ان سے بڑا تعلّق خاطر تھا۔ غزوۂ اُحُد میں حضرت سعدؓ جان ہتھیلی پر رکھ کر دیر تک لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ زخموں سے چُور چُور ہو کر گر پڑے۔ ایک روایت کے مطابق اُن کو نیزے، تیر اور تلوار کے ستّر سے زیادہ زخم آئے تھے جن میں بارہ زخم بہت شدید تھے۔ لڑائی کے بعد حُضُور ﷺ کو حضرت سعدؓ بن ربیع دکھائی نہ دیے تو آپؐ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

کوئی ہے جو سعد بن ربیع کی خبر لائے؟

ایک صاحب نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! میں جاتا ہوں'' یہ کہہ کر وہ لاشوں کے درمیان پھر کر حضرت سعدؓ بن ربیع کو تلاش کرنے لگے۔ بار بار ان کا نام لے کر پکارتے تھے لیکن کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ آخر انہوں نے بآوازِ بلند یہ الفاظ کہے:

''سعد! اگر زندہ ہو تو جواب دو، مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔"

اُس وقت حضرت سعدؓ بن ربیع دم توڑ رہے تھے۔ آنحضور ﷺ کا اسمِ گرامی سنا تو روح اور جسم کی تمام قوتوں کو جمع کر کے نحیف سی آواز میں جواب دیا:

"رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرا اسلام عرض کرنا اور انصار سے کہنا کہ اگر آج خدانخواستہ رسول اللہ ﷺ شہید ہوگئے اور تم میں سے ایک بھی زندہ بچ گیا تو اللہ کو ہرگز منہ نہ دکھا سکو گے اور اس کے سامنے تمہارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا کیونکہ تم نے لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ پر فدا ہونے کا حلف اٹھایا تھا۔"

یہ کہا اور آخری ہچکی لے کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئے۔ اُن صاحب نے واپس آ کر حضرت سعدؓ بن ربیع کے آخری الفاظ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیے تو آپؐ نے فرمایا۔

"اللہ سعد پر رحم فرمائے، زندگی اور موت دونوں میں اللہ کے رسول کے بہی خواہ رہے۔"

جن صاحب نے حضرت سعدؓ بن ربیع کی وصیت سنی، بعض روایات میں اُن کا نام زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہٗ آیا ہے اور بعض میں اُبیّ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ــــ ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی وقتِ آخر حضرت سعدؓ کے پاس ہوں۔ (مؤطا امام مالکؒ، زرقانی، زادالمعاد)

غزوۂ اُحد میں خواتین کی شرکت:

مستند روایات سے ثابت ہے کہ غزوۂ اُحد میں چند صحابیاتؓ بھی شریک ہوئیں۔ ان میں حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت اُمِ ایمنؓ، حضرت اُمِ سُلیمؓ، حضرت اُمِ سلیطؓ، حضرت رُبیعؓ بنتِ مُعوذؓ اور حضرت اُمِ عمارہ کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ یہ سب خواتین اپنی پیٹھ پر پانی کی مشکیں بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کے منہ میں پانی ڈالتی تھیں جب مشکیں خالی ہو جاتیں تو پھر جا کر انہیں بھر لاتیں۔ بعض خواتین نے زخمیوں کی مرہم پٹی بھی کی اور ان کو مدینہ منوّرہ منتقل کرنے کا اہتمام بھی کیا۔ جب حضور ﷺ کی شہادت کی غلط خبر مشہور ہوئی تو متعدد خواتین بے تابانہ گھروں سے نکل آئیں اور میدانِ اُحد میں پہنچ گئیں ان میں حضور ﷺ کی لختِ جگر حضرت فاطمۃُ الزّہراؓ بھی تھیں۔ حضرت اُمِ عمارہؓ نے تو لڑائی میں عملی حصہ بھی لیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت اُمِ عمارہؓ کی جانبازی:

حضرت اُمِ عُمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے غزوۂ اُحد میں ایسی شجاعت، جانبازی اور عزم وثبات کا مظاہرہ کیا کہ تاریخ میں "خاتونِ اُحد" کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ طبقات ابنِ سعدؒ کی روایت کے مطابق ان کے شوہر غزیہؓ بن عمرو اور دو فرزند عبداللہؓ اور حبیبؓ بھی غزوۂ اُحد میں اُن کے ساتھ شریک تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب تک مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا، اُمِ عمارہؓ دوسری خواتین کے ساتھ مشکیزوں میں پانی بھر بھر کر مجاہدین کو پلاتی تھیں اور زخمیوں کی خبر گیری کرتی تھیں۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مجاہدین انتشار کا شکار ہو گئے تو اس وقت رسولِ اکرم ﷺ کے پاس گنتی کے چند سرفروش باقی رہ گئے۔ حضرت اُمِ عمارہؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو انہوں نے مشکیزہ پھینک کر تلوار اور ڈھال سنبھالی اور حضور ﷺ کے قریب پہنچ کر کفار کے سامنے سینہ سپر ہو گئیں۔ کفار بار بار یورش کر کے حضور ﷺ کی طرف بڑھتے اور اُمِ عمارہؓ انہیں دوسرے ثابت قدم مجاہدین کے ساتھ مل کر تیر اور تلوار سے روکتیں۔ یہ بڑا نازک وقت تھا بڑے بڑے بہادروں کے قدم لڑکھڑا گئے تھے لیکن یہ شیر دل خاتون کوہِ استقامت بن کر میدانِ جنگ میں ڈٹی ہوئی تھیں اتنے میں ایک مشرک نے اُن کے سر پر پہنچ کر اپنی تلوار کا وار کیا۔ اُمِ عمارہؓ نے اسے اپنی ڈھال پر روکا اور پھر اس کے گھوڑے کے پاؤں پر ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ گھوڑا اور سوار دونوں زمین پر آ رہے۔ سرورِ عالم ﷺ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے آپ نے اُمِ عمارہؓ کے بیٹے عبداللہ کو پکار کر فرمایا ''عبداللہ اپنی ماں کی مدد کر'' وہ فوراً اُدھر لپکے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس مشرک کو جہنم واصل کر دیا۔ عین اس وقت ایک دوسرا مشرک تیزی سے ادھر آیا اور حضرت عبداللہ کا بایاں بازو زخمی کرتا ہوا نکل گیا۔ حضرت اُمِ عمارہؓ نے اپنے ہاتھ سے عبداللہؓ کا زخم باندھا اور پھر فرمایا۔ بیٹے جاؤ اور جب تک دم میں دم ہے لڑو۔'' حضور ﷺ نے ان کا جذبۂ جاں نثاری دیکھ کر فرمایا۔ ''من یطیق ماتطیقین یا اُمّ عمارہ.'' (اے اُمِ عمارہ جتنی طاقت تجھ میں ہے کسی اور میں کہاں ہوگی؟)

اسی اثناء میں وہی مشرک جس نے عبداللہ کو زخمی کیا تھا پلٹ کر پھر حملہ آور ہوا حضور ﷺ نے اُمِ عمارہؓ سے فرمایا۔ ''اُمِ عمارہ سنبھلنا یہ وہی بدبخت ہے جس نے عبداللہ کو زخمی کیا'' حضرت اُمِ عمارہؓ جوشِ غضب میں اس کی طرف جھپٹیں اور تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر پیچھے گر پڑا۔ سرورِ عالم ﷺ یہ دیکھ کر متبسم ہو گئے اور فرمایا اُمِ عمارہ تو نے اپنے بیٹے کا خوب بدلہ لیا۔''

اثنائے جنگ میں ایک بدبخت نے دُور سے حضور ﷺ پر پتھر پھینکا جس سے آپؐ زخمی ہو گئے۔ شمعِ رسالتؐ کے پروانے مضطرب ہو کر ادھر متوجہ ہوئے تو ابن قمیۂ نامی ایک کافر دوڑتا ہوا حضور ﷺ کے قریب پہنچ گیا اور تلوار کا ایک بھرپور وار کیا۔ حضور ﷺ خود پہنے ہوئے تھے۔ ابن قمیۂ کی تلوار خود پر پڑی تو اس کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں کھُب گئیں اور خون کی دھاریں پھوٹ نکلیں یہ سب کچھ چشم زدن میں ہو گیا۔ اُمِ عمارہؓ بیتاب ہو گئیں اور آگے بڑھ کر ابن قمیۂ کو روکا۔ یہ شخص قریش کا نامی شہسوار تھا لیکن شیر دل اُمِ عمارہؓ مطلق ہراساں نہ ہوئیں اور اس پر نہایت جرأت کے ساتھ حملہ کیا وہ دوہری زرہ پہنے ہوا تھا اس لیے اُمِ عمارہؓ کی تلوار اُچٹ گئی اور ابنِ قمیۂ کو جوابی وار کرنے کا موقع مل گیا۔ اس سے ان کے کندھے پر شدید زخم آیا لیکن ابنِ قمیۂ کو بھی وہاں ٹھہرنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ تیزی سے گھوڑا دوڑا کر بھاگ گیا۔ حضرت اُمِ عمارہؓ کے زخم سے خون کا پرنالہ بہہ رہا تھا۔ حضور ﷺ نے اُن کے زخم پر خود پٹی بندھوائی اور کئی بہادر صحابہ کا نام لے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر فرمایا۔ "واللہ آج اُمِ عمارہؓ نے ان سب سے بڑھ کر بہادری دکھائی۔"

اُمِ عمارہؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میرے لیے دعا فرمایئے کہ جنّت میں بھی آپ کی معیّت نصیب ہو۔"

حضور ﷺ نے نہایت خشوع و خضوع سے ان کے لیے دُعا مانگی اور بآوازِ بلند فرمایا

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُمْ رُفَقَائِي فِي الْجَنَّةِ."

حضرت اُمِ عمارہؓ کو بڑی مسّرت ہوئی اور اُن کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ جاری ہوگئے۔

"مَا اُبَالِي مَا اَصَابَنِي مِنْ اَمْرِ الدُّنْيَا"

"اب مجھے دنیا میں کسی مصیبت کی پروا نہیں۔"

لڑائی ختم ہوئی تو حضور ﷺ اُس وقت تک گھر تشریف نہ لے گئے جب تک آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن کعب مازنی کو بھیج کر حضرت اُمِ عمارہ کی خیریت دریافت نہ کرلی۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اُحد کے دن میں دائیں بائیں جدھر نظر ڈالتا تھا اُمِ عُمارہؓ ہی اُمِ عُمارہؓ لڑتی نظر آتی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ اُحد میں حضرت اُمِ عُمارہؓ کے جسم پر بارہ زخم لگے تھے۔ [1]

حضرت ہند بنت عمرو انصاریہ کی حُبِّ رسول ﷺ:

حضرت ہندؓ بنتِ عمرو بن حرام کا شمار انصار کے سابقین اوّلین میں ہوتا ہے ان کو رسولِ اکرم ﷺ سے کمال درجے کی محبت تھی۔ غزوۂ اُحد، میں انہوں نے صبر و استقامت، جوشِ ایمان اور حُبِّ رسول ﷺ کا ایسا تحیّر خیز مظاہرہ کیا کہ تاریخ میں شاذ و نادر ہی اس کی کوئی مثال

[1] حضرت اُمِ عمارہؓ کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا اصل نام نُسَیبہ تھا اور وہ انصار کے قبیلہ خزرج کے خاندانِ نجّار سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کو انصار کے سابقینِ اسلام میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بیعت عقبۂ کبیرہ (۱۳ نبوت) میں بھی شریک تھیں ان کا پہلا نکاح زید بن عاصم سے ہوا ان کی وفات کے بعد عربہؓ بن عمرو کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ غزوۂ اُحد کے بعد وہ بیعتِ رضوان، غزوۂ خیبر اور عُمرۃُ القضا میں بھی شریک تھیں۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی رسولِ اکرم ﷺ کے ہم رکاب تھیں۔ پھر غزوۂ حنین میں شریک ہوئیں۔ ان کے ایک فرزند حبیبؓ کو مسیلمہ کذّاب نے شہید کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں مسیلمہ کذّاب کے خلاف یمامہ کی جنگ پیش آئی تو حضرت اُمِ عمارہؓ اپنے فرزند عبداللہؓ کو ساتھ لے کر حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر میں شامل ہوگئیں اور دونوں ماں بیٹے مرتدوں کے خلاف جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑے یہاں تک کہ مسیلمہ حضرت عبداللہؓ اور وحشیؓ بن حرب کے ہاتھ سے مارا گیا اور مرتدوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس لڑائی میں حضرت اُمِ عمارہؓ کا ایک ہاتھ شہید ہوگیا تھا۔ انہوں نے حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہُ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملتی ہے۔ غزوۂ اُحد میں حضرت ہندؓ کے شوہر حضرت عمروؓ بن جموح، فرزند حضرت خلادؓ بن عمرو اور بھائی حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام تینوں نے مردانہ وار لڑ کر شہادت پائی حضرت ہند نے شوہر فرزند اور بھائی کی شہادت کی خبر سنی تو کسی غم و اندوہ کا اظہار کرنے کے بجائے لوگوں سے پوچھا ''مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے خدانخواستہ ان کو تو کوئی چشمِ زخم نہیں پہنچا۔''

جب لوگوں نے بتایا کہ خدا کے فضل سے حضور ﷺ بخیریت ہیں تو ان کا چہرہ کھِل اٹھا، کشاں کشاں میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئیں، جب سرورِ عالم ﷺ کو دیکھا تو بے اختیار عرض کی۔

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ''

''آپ سلامت ہیں تو سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔''

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ہندؓ ایک اونٹ اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ اس پر اپنے شوہر، فرزند اور بھائی کی لاشیں لاد کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ملیں جو چند دوسری خواتین کے ہمراہ حضور ﷺ کی خبر گیری کے لیے میدانِ اُحد کی طرف آ رہی تھیں (اس وقت تک آیتِ حجاب نازل نہیں ہوئی تھی)۔ اُمّ المومنینؓ نے حضرتِ ہندؓ سے حضور ﷺ کی خیریت دریافت کی، اُنہوں نے کہا، ''الحمد للہ حضور ﷺ بخیریت ہیں۔ اور یہ لاشیں میرے شوہر، بھائی اور فرزند کی ہیں۔ جنھوں نے لڑائی میں شہادت پائی۔''

اتنے میں ان کا اونٹ زمین پر بیٹھ گیا۔ ہر چند اس کو ہانکا گیا لیکن اس نے مدینہ کی طرف قدم نہ اُٹھایا۔ اُمّ المومنین نے فرمایا ''شاید بوجھ زیادہ ہے۔'' حضرت ہندؓ نے عرض کیا، نہیں، اُمّ المومنین، اس پر تو اس سے زیادہ بوجھ لادا جاتا ہے۔

بالآخر اُنہوں نے اُونٹ کا رُخ اُحد کی طرف کیا تو وہ فوراً چل پڑا۔ حضرت ہندؓ تینوں شہیدوں کی لاشیں حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئیں۔ اس وقت آپؐ دوسرے شہیدوں کی لاشیں دفن کرا رہے تھے۔ آپؐ نے ہندؓ سے پوچھا، کیا ان میں سے کسی نے گھر سے چلتے وقت کچھ کہا تھا۔

حضرت ہندؓ نے عرض کیا، ہاں یا رسولَ اللہ! میرے شوہر (عمروؓ بن جموح) نے گھر سے چلتے وقت یہ دعاء مانگی تھی کہ الٰہی! مجھ کو شہادت نصیب فرمائیو۔ اور مجھ کو نا امید اپنے اہل وعیال میں واپس نہ لائیو۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے تینوں شہیدوں کو اُحد کے گنجِ شہیداں میں اپنے سامنے دفن کرایا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ مصنف ''سیرۃ النبیؐ'' نے اپنی ایک نظم میں کہا ہے کہ جن انصاری خاتون نے ایسی بے مثال حُبِّ رسول ﷺ کا مظاہرہ کیا اُن کے والد، شوہر اور بھائی غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تھے۔ علامہ موصوفؒ نے ان خاتون کے نام کی صراحت نہیں کی۔ ان کی روایت کا ماخذ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"سیرۃ ابن ہشام" ہے۔ اس میں بھی ان خاتون کا نام نہیں دیا گیا اور نہ ان کے والد شوہر اور بھائی کے نام دیے گئے ہیں۔ صرف اتنا کہا گیا ہے کہ ان خاتون کا تعلق بنو دینار سے تھا جبکہ حضرت ہندؓ بنتِ عمرو بن حرام کا تعلق خزرج کی شاخ بنی سلمہ سے تھا۔

ہم کوششِ بسیار کے باوجود کسی ایسی انصاری صحابیہ کا نام معلوم نہیں کر سکے جن کے والد شوہر اور بھائی نے غزوۂ احد میں شہادت پائی ہو جبکہ حضرت ہند بنتِ عمرو کے بارے میں ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے شوہر، بھائی اور فرزند غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے۔ ممکن ہے کہ ابنِ ہشام نے جن خاتون کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہندؓ ہوں اور راوی نے کسی غلط فہمی کی بناء پر ان کے بیٹے کی جگہ والد کی شہادت بیان کر دی ہو۔ بہر صورت یہ ہندؓ ہوں یا کوئی دوسری خاتون، یہ واقعہ ضرور ہوا ہے۔ اس کے بارے میں علامہ شبلیؒ کی نظم ملاحظہ فرمائیں:

کافروں نے یہ کیا جنگِ اُحد میں مشہور * کہ پیمبرؐ بھی ہوئے کشتۂ شمشیرِ دو دم
ہو کے مشہور مدینہ میں جو پہنچی یہ خبر * ہر گلی کوچہ تھا ماتم کدۂ حسرت و غم
ہو کے بے تاب گھروں سے نکل آئے باہر * کودک و پیر و جوان و خدم و خیل و حشم
وہ بھی نکلیں کہ جو تھیں پردہ نشینانِ عفاف * جن میں تھیں سیّدۂ پاکؓ بھی با دِیدۂ نم
ایک خاتون کہ انصارِ نکو نام سے تھیں * سخت مضطر تھیں نہ تھے ہوش و حواس انکے بہم
موقعِ جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا * کیا کہیں تجھ سے کہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم
تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی * تیرے والد بھی ہوئے کشتۂ شمشیرِ ستم
سب سے بڑھ کر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید * گھر کا گھر صاف ہوا ٹوٹ پڑا کوہِ الم
اس عفیفہ نے یہ سب سن کے کہا تو یہ کہا * یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہِ اُممؐ
سب نے دی اسکو بشارت کہ سلامت ہیں حضورؐ * گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم
بڑھ کے اس نے رُخِ اقدس کو جو دیکھا تو کہا * تو سلامت ہے تو اب ہیچ ہے سب رنج و الم
میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہِ دیں! تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطّلب کا صبر:

حضرت صفیہؓ بنت عبد المطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، رسولِ اکرم ﷺ کی پھوپھی سیّد الشُّہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن اور حواریٔ رسولؐ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ ان کو جب غزوۂ اُحد میں اپنے بھائی حضرت حمزہؓ کی شہادت کی خبر ملی تو ان کو سخت صدمہ پہنچا۔ وہ اپنے شہید بھائی کا منہ دیکھنے اور ان کو کفنانے کے لیے دو کپڑے لے کر جنگ کے میدان میں پہنچ گئیں اس وقت لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ حضور ﷺ نے ان کو دیکھا تو اس بات کو پسند نہ کیا کہ حضرت صفیہؓ اپنے پیارے بھائی کی مُثلہ کی ہوئی لاش دیکھیں چنانچہ آپؐ نے ان کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرزند حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ تمہاری والدہ اپنے بھائی کو دیکھنے آ رہی ہیں تم ان سے مل کر انہیں واپس جانے کی ترغیب دو۔

حضرت زبیرؓ دوڑتے ہوئے والدہ کے پاس گئے اور ان سے کہا، امی! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آپ واپس چلی جائیں۔ انہوں نے جواب دیا، بیٹا جو کچھ میرے بھائی کے ساتھ کیا گیا ہے وہ میں سن چکی ہوں۔ جو کچھ ہوا ہے اللہ کی راہ میں ہوا ہے میں اس پر راضی ہوں اِنْ شَاءَ اللہ صبر کروں گی اور اپنے جذبات پر قابو رکھوں گی۔

حضرت زبیرؓ نے ماں کی باتیں حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیں تو آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو بھائی کی لاش دیکھنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے آ کر حضرت حمزہؓ کی مُثلہ کی ہوئی لاش دیکھی تو بڑے صبر وضبط سے کام لیا اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْن پڑھ کر ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔ حضرت زبیرؓ اپنی والدہ کے لائے ہوئے دو کپڑے لے کر ماموں کی لاش پر گئے تو دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک انصاری کی مُثلہ کی ہوئی لاش بھی پڑی ہے۔ حضرت زبیرؓ نے ایک کپڑے کا کفن حضرت حمزہؓ کو دے دیا اور دوسرے کپڑے کا انصاری شہید کو۔ حضرت حمزہؓ کی تکفین کے وقت ایک چادر سے ان کا سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ چادر سے چہرہ چھپاؤ اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو چنانچہ ان کے پاؤں پر اِذخر گھاس ڈال کر اُحد کے گنجِ شہیداں میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

جلیل القدر صحابی حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہٗ جو غزوۂ اُحد میں عَلَم بردار تھے، ان کی تکفین کے لیے جو چادر تھی اس سے بھی ان کا چہرہ ڈھکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھکے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا چنانچہ حُضور ﷺ کے حکم کے مطابق ان کے چہرے کو چادر سے چھپا دیا گیا اور پاؤں پر اِذخر گھاس ڈال دی گئی۔ (صحیح بخاری۔ سیرت ابنِ ہشام)

ضربِ محمدی ﷺ:

جنگ کے بعد جب رسولِ اکرم ﷺ کوہِ اُحد کی ایک محفوظ گھاٹی میں تشریف لے گئے تو مکے کا ایک بدترین دشمنِ اسلام مشرک اُبیؔ بن خلف ایک گھوڑے پر سوار یہ کہتا ہوا آپؐ کی طرف بڑھا:

محمدؐ کہاں ہے؟ یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔

(بروایت دیگر محمدؐ کہاں ہے؟ اگر وہ بچ گیا تو میرا بچنا محال ہے)

حُضور ﷺ کے جاں نثاروں نے اس کا راستہ روکنا چاہا لیکن آپؐ نے فرمایا۔

''اِسے آنے دو۔''

جب وہ قریب آیا تو حضور ﷺ نے قریب کھڑے اپنے ایک جاں نثار حضرت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک چھوٹا سا نیزہ لیا اور اس کو ایک چکر دیا جس سے آس پاس کھڑے سب صحابہؓ اِدھر اُدھر ہوگئے۔............

پھر حضور ﷺ تنِ تنہا اُبیّ بن خلف کے مقابل ہوئے اور اس چھوٹے نیزے کی انی سے اُس کی گردن کے اُس حصے پر ضرب لگائی جو خود (آہنی ٹوپی) اور زِرہ کے درمیان کھلا رہ گیا تھا۔ اس ضرب نے اس کو حواس باختہ کر دیا۔ بصد مشکل زمین پر گرنے سے بچا اور بھاگنے ہی میں عافیت سمجھی۔ گردن پر بظاہر معمولی سی خراش تھی اور اس سے خون بھی نہیں نکل رہا تھا لیکن وہ اپنی قوم کے پاس پہنچ کر بیل کی طرح ڈکارتے ہوئے کہہ رہا تھا، واللہ مجھے محمدؐ نے قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا، تم اتنے بزدل کیوں ہوگئے ہو معمولی سی خراش ہے اور تم خواہ مخواہ چیخ رہے ہو۔

اس نے کہا، یہ محمدؐ کے ہاتھ کا لگایا ہوا زخم ہے، وہ مکے میں مجھ سے کہہ چکا تھا کہ میں تمہیں قتل کروں گا، تم کیا جانو کہ مجھے اس زخم سے کتنی تکلیف ہے اگر یہ تم سب پر بانٹ دی جائے تو تم سب مر جاؤ۔ بالآخر یہ بدبخت قریش کے لشکر کے ساتھ مکہ واپس جاتے ہوئے سرف کے مقام پر چیختا چلاتا مر گیا۔ (سیرۃ ابنِ ہشام۔ الرَّحیق المختوم۔ ضیاء النبیؐ)

ل اُبیّ بن خلف کا تعلق قریش کی شاخ بنی جُمح سے تھا۔ یہ اور اس کا ایک بھائی امیّہ بن خلف دونوں اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہجرت سے پہلے حضور ﷺ کو دورانِ ملاقات اُبیّ نے دھمکی دی تھی کہ میرے پاس عُود نامی ایک گھوڑا ہے میں اسے روزانہ تین صاع دانہ کھلاتا ہوں ایک دن میں اسی پر سوار ہو کر تمہیں قتل کروں گا اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا ''بلکہ اِن شاء اللہ میں تمہیں قتل کروں گا۔

(الرّحیق المختوم حاشیہ ص ۴۴۷)

دوسری روایت ہے کہ اُمیّہ اور اُبیّ دونوں غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوگئے۔ امیّہ تو حضرت بلالؓ کے ہاتھ سے مارا گیا اور اُبیّ فدیہ دے کر رہا ہوگیا اس نے لوگوں کے سامنے قسم کھا کر کہا کہ میں اپنے گھوڑے عود پر بیٹھ کر محمدؐ کو قتل کروں گا۔ اسے میں اتنے سیر دانہ روزانہ کھلاتا ہوں۔ حضور ﷺ تک اس کی یہ بڑ پہنچی تو آپؐ نے فرمایا، وہ نہیں بلکہ میں اسے قتل کروں گا۔ اِنْ شَاءَ اللہ (ضیاء النبی جلد سوم ص ۵۱۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کعب بن اشرف کا قتل
(ربیع الاوّل ۳ھ)

پیچھے غزوہ بنی قینقاع کے ضمن میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہودِ مدینہ میں رسولِ اکرم ﷺ اور آپؐ کے نام لیواؤں کا سب سے زیادہ بدطینت دشمن اُن کا ایک بڑا رئیس کعب بن اشرف تھا۔ کعب کا باپ اشرف ایک عرب قبیلے بنو نبہان سے تعلّق رکھتا تھا۔ وہ بہت مُدّت پہلے اپنے وطن سے مدینہ آ گیا تھا اور اس نے یہودِ بنی نَضِیر سے حلیفانہ تعلّق قائم کر کے مدینہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ بنو نَضِیر میں اس نے اتنا اثر و رسوخ پیدا کیا کہ ان کے سردار اور حجاز کے تاجرِ اعظم ابی الحُقَیق نے اُس سے اپنی لڑکی عقیلہ کی شادی کر دی (بروایتِ دیگر یہ ابورافع سلام بن ابی الحقیق کی بیٹی تھی)۔ اسی کے بطن سے کعب پیدا ہوا بقول علامہ شبلی نعمانیؒ "اس دوطرفہ رشتہ داری کی بنا پر کعب یہود اور عرب سے برابر کا تعلّق رکھتا تھا" وہ نہ صرف ایک قادر الکلام شاعر تھا بلکہ جاہ و ثروت اور بنو نَضِیر میں اپنے اثر و رسوخ کے لحاظ سے بھی یہودِ مدینہ میں کوئی اس کا ہمسر نہ تھا۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ لباس پہنتا، عمدہ سے عمدہ خوشبوئیں استعمال کرتا اور اپنی دولت یہودیت کی ترویج و ترقی پر بے دریغ خرچ کرتا رہتا۔ اس نے اپنی سکونت کے لیے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا تھا۔ یہ محل کیا تھا، ایک وسیع و عریض بلند و بالا مستحکم قلعہ تھا جس میں آسائش کے تمام اسباب مہیا تھے۔ اس محل کے کھنڈر آج بھی مدینہ منوّرہ کے جنوب میں نشانِ عبرت کی صورت میں موجود ہیں۔

کعب بن اشرف اسلام اور اہلِ اسلام سے شدید بُغض رکھتا تھا۔ جس دن سے رسولِ اکرم ﷺ مدینہ مُنوّرہ تشریف لائے تھے، وہ انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ "میثاقِ مدینہ" کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی اور وہ اپنے ہجویہ اشعار کے ذریعے آنحضور ﷺ کے خلاف اکثر زہر اگلتا رہتا تھا۔

اس بدبخت نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ ایک موقع پر حُضُور ﷺ کو شہید کرنے کی ناپاک سازش کرنے سے بھی گریز نہ کیا۔ (فتح الباری ابنِ حجر۔ تاریخ یعقوبی)

اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ کعب بن اشرف نے یہودی علماء کی ماہوار تنخواہیں باندھ رکھی تھیں۔ حضور ﷺ کے وُرُودِ مدینہ کے بعد یہ علماء اُس سے اپنی تنخواہیں وصول کرنے آئے تو اس نے پہلے اُن سے اسلام اور ہادیِ برحقؐ کی سرتوڑ مخالفت کرنے کا عہد لیا اور پھر اُن کو تنخواہیں ادا کیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ بدر میں کفارِ مکہ کو شرمناک شکست ہوئی اور اُن کے بڑے بڑے سردار مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ کعب کو یہ خبر ملی تو اس کو سخت صدمہ ہوا اور بے اختیار اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

"اب زمین کا پیٹ اسکی پیٹھ سے اچھا ہے۔"

اُس نے مقتولینِ بدر کے نہایت پُر درد مرثیے کہے اور پھر قریش سے تعزیت کے لیے مکے گیا۔ وہاں وہ کئی دن تک مقیم رہا۔ اس دوران میں اس کا معمول یہ تھا کہ روزانہ لوگوں کو جمع کر لیتا اور اُن کے سامنے بڑے سوز و گداز سے مرثیے پڑھتا۔ یہ مرثیے اس قدر پُر اثر ہوتے تھے کہ مشرکین انہیں سُن کر بے اختیار روتے اور سینہ کوبی کرتے تھے۔ ابنِ ہشامؒ نے اس کے مرثیوں کے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں۔ دو شعر دیکھیے:

طَحَنَتْ رَحٰی بَدْرٍ لِمُهْلِكِ اَهْلِهٖ
جنگِ بدر کی چکی نے اپنے ہی لوگوں کو پیس ڈالا
وَ لِمِثْلِ بَدْرٍ تَسْتَهِلُّ وَتَدْمَعُ
بدر جیسے سانحوں کے لیے ماتم کرنا چاہیے
کَمْ قَدْ اُصِيْبَ بِهٖ مِنْ اَبْيَضَ مَاجِدٍ
کتنے شریف سپید اور با رونق چہرے جن کے پاس
ذِی بَهْجَةٍ يَاْوِیْ اِلَيْهِ الضُّيَّعُ
اہلِ حاجت پناہ لیتے تھے موت کے گھاٹ اُتر گئے

قریش پہلے ہی مسلمانوں سے خار کھائے بیٹھے تھے، کعب کے مرثیوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور وہ مدینہ منورہ پر یلغار کرنے کے لیے زور شور سے تیاریاں کرنے لگے۔

"تاریخِ خمیس" میں ہے کہ کعب اپنے ساتھ چالیس آدمی لے کر مکے گیا تھا وہاں وہ اور اس کے ساتھی سردارانِ قریش سے ملے اور اُن کو مقتولینِ بدر کے انتقام پر ابھارا پھر یہ سب لوگ ابوسفیان کی قیادت میں حرمِ کعبہ میں آئے اور سب نے کعبہ کا پردہ تھام کر حلف اٹھایا کہ بدر کا بدلہ لے لیں گے۔

کعب بن اشرف کی شورہ پُشتی اور دیدہ دلیری دیکھیے کہ مدینہ واپس آ کر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا بلکہ پہلے سے زیادہ زور شور سے رحمتِ عالم ﷺ کی ہجو میں اشعار کہنے لگا اور ساتھ ہی لوگوں کو طرح طرح سے اہلِ حق کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ اس کی بے شرمی اور بدگوئی اس انتہا کو پہنچ گئی کہ اپنے دل کی جلن نکالنے کے لیے صحابۂ کرامؓ کی بہو بیٹیوں کے بارے میں عشقیہ اشعار کہنے شروع کر دیے۔

رسولِ اکرم ﷺ صبر و تحمل کے انتہائی بلند مقام پر فائز تھے۔ آپؐ مدت تک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کعب بن اشرف کی شرارتوں اور اشتعال انگیزیوں کو برداشت کرتے رہے لیکن اب اس کی ہرزہ سرائی اور غدارانہ سرگرمیاں مدینہ منورہ کی نوزائیدہ شہری مملکت کے لیے زبردست خطرہ بن گئی تھیں اور انہیں مزید برداشت نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ ایک دن حضور ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو جمع کیا اور اُن سے مخاطب ہوکر فرمایا:

"کعب بن اشرف سے کون نبٹے گا۔ اُس نے اللہ اور اُس کے رسول کو بہت اذیت پہنچائی ہے۔"

حضور ﷺ کا ارشاد سن کر حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے اٹھ کر عرض کیا:

"یا رسولَ اللہ ﷺ! کیا حضور کا منشائے مبارک یہ ہے کہ کعب کے ناپاک وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔"

آپؐ نے فرمایا، ہاں

حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اس کام کے لیے میں حاضر ہوں۔ اگر کوئی مضائقہ نہ ہو تو اس مقصد کے حصول کے لیے جو طریقہ میں مناسب سمجھوں اختیار کروں۔

حضور ﷺ نے فرمایا، کوئی مضائقہ نہیں۔

کعب بن اشرف کو ٹھکانے لگانا کوئی آسان کام نہیں تھا وہ نہ صرف خود ایک قوی ہیکل اور جنگجو آدمی تھا بلکہ اس نے اپنی حفاظت کے لیے بہت سے مسلح محافظ بھی رکھے ہوئے تھے پھر اس کا محل بھی ایک ناقابلِ تسخیر قلعے کی حیثیت رکھتا تھا لیکن حضرت محمدؓ بن مسلمہ بھی بڑے دلیر اور ہوشیار آدمی تھے انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ اس شخص کو ضرور کیفرِ کردار تک پہنچائیں گے جس نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو اذیت دی ہے۔ چنانچہ انہوں نے چار انصاری جانبازوں، عبادؓ بن بشر، ابونائلہ سلکانؓ بن سلامہ (یہ کعب کے رضاعی بھائی تھے) حارثؓ بن اوس اور ابوعبسؓ بن جبر کو ساتھ ملا کر ایک منصوبہ تیار کیا۔ پھر وہ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور اس کے ساتھ کچھ ایسی باتیں کیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ داعیِ اسلام ﷺ سے بیزار ہو چکے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد انہوں نے چند من غلّہ قرض کے طور پر مانگا۔ کعب کا خبثِ باطن دیکھیے کہ اس نے کہا، میں غلہ دے دوں گا لیکن اس کے عوض تمہیں اپنی عورتیں میرے پاس رہن رکھنی ہوں گی۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا، اس طرح تو ہم لوگوں کے سامنے نکو بن جائیں گے کوئی اور چیز رہن رکھ لو۔ کعب نے کہا، تو پھر اپنے بیٹے رہن رکھ دو۔

محمد بن مسلمہؓ نے کہا، اس طرح ہماری اولاد ہمیں طعنہ دے گی کہ چند من غلّے کے عوض اپنے بیٹے رہن رکھ دیے۔ ہاں ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس رہن رکھنے کے لیے تیار ہیں حالانکہ آجکل ہمیں ان کی شدید ضرورت ہے۔ کعب نے یہ پیشکش قبول کر لی اور اس لین دین کے لیے رات کا وقت طے ہوا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رات کو حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے چاروں انصاری جانبازوں کو ساتھ لیا اور قصرِ کعب میں جا پہنچے۔ کعب اُس وقت زنان خانے میں تھا۔ ابونائلہؓ نے آواز دے کر اسے باہر بلا لیا۔ کچھ دیر اس سے بات چیت کرتے رہے پھر یکایک اس کے بال پکڑ لیے۔ حضرت محمدؐ بن مسلمہ اور دوسرے جانبازوں نے تلواروں سے اس کا کام تمام کر دیا۔ وہ زمین پر گرا تو اس کا سر کاٹ لیا۔ اس طرح اسلام اور مملکتِ اسلامیہ کا یہ بدترین دشمن اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔ یہ ربیع الاوّل ۳ ہجری کا واقعہ ہے۔

ایثار کا ایک ایمان افروز واقعہ

۳ ہجری کا واقعہ ہے کہ ایک دن شام کو رحمتِ دوعالم ﷺ، شمعِ رسالت کے پروانوں کی ایک جماعت کے درمیان رونق افروز تھے کہ ایک شخص بحالِ پریشاں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

> ”یارسولؐ اللہ! مسافر ہوں اور مدینہ میں میرے قیام و طعام کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ آپؐ کی اعانت کا محتاج ہوں۔“

حضور ﷺ نے اسی وقت ازواجِ مُطہَّراتؓ سے پوچھ بھیجا کہ گھر میں کھانے کو کچھ ہے؟ سب طرف سے جواب آیا کہ آج فاقہ ہے۔ اب حضور ﷺ نے صحابہؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

> ”کوئی ہے جو اس اللہ کے بندے کو مہمان بنائے؟“

حضور ﷺ کا ارشاد سن کر گندمی رنگ کے ایک خوش چہرہ نوجوان، جن کی پیشانی نورِ ایمان سے چمک رہی تھی، اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی:

> ”یارسول اللہ ﷺ! اس کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔“

یہ نوجوان، جن کا نام ابوطلحہ زید بن سہل انصاری تھا، یہ کہہ کر فوراً گھر گئے اور بیوی کو مہمان کے آنے کی اطلاع دی۔ انہوں نے کہا:

> ”بچّوں کے لیے تھوڑا سا کھانا پکا ہے اس کے سوا خدا کی قسم، گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں۔“

ان صاحب نے کہا۔ ”کوئی مضائقہ نہیں، بچوں کو بہلا کر سُلا دو۔ جب وہ سو جائیں تو ہم ان کا کھانا مہمان کے آگے رکھ دیں گے تم چراغ دُرست کرنے کے بہانے سے اٹھ کر اس کو بجھا دینا۔ اندھیرے میں مہمان کھانا کھالے گا اور ہم بھی یوں ہی منہ چلاتے رہیں گے۔“

غرض اس طرح مہمان کو کھانا کھلا کر دونوں میاں بیوی اور بچّوں نے رات فاقہ سے گزاری۔ صبح کو جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہٗ حُضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبانِ رسالت پر یہ آیت جاری تھی:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (سورۂ حشر آیۃ ۹)

''اور (وہ لوگ) اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے ہیں فلاح پانے والے ہیں۔''

اور رحمتِ عالم ﷺ فرما رہے تھے: ''رات کو اپنے مہمان کے ساتھ تمہارا برتاؤ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا۔''

حضور ﷺ کا ارشاد سن کر حضرت ابوطلحہؓ کی مسرّت کا یہ عالم تھا کہ قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت
کا
چوتھا سال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سریۂ عبداللہ بن اُنَیس رضی اللہ عنہُ [1] (محرّم ۴ھ):

مُحرّم ۴ھ ہجری کے آغاز میں رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ مکّہ کے مشرق میں عرفات کے قریب وادیٔ عُرَنہ میں بنولحیان کا سردار خالد بن سفیان ہُذَلی (بروایتِ دیگر سفیان بن خالد ہُذَلی) نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے اور اس مقصد کے لیے ایک جَیش مرتّب کر رہا ہے۔ آنحضور ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن اُنَیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔

وہ ۵ محرّم ۴ھ کو اس مہم پر روانہ ہوئے اور وادیٔ عُرَنہ میں پہنچ کر موقع پاتے ہی سفیان (یا خالد) کو قتل کر ڈالا۔ پھر اس کا سر کاٹا اور بسرعتِ تمام مدینہ واپس آ کر اسے رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں لا ڈالا۔ یہ واقعہ ۲۲ مُحرّم ۴ھ کا ہے۔ حضور ﷺ نے اظہارِ خوشنودی کے طور پر انہیں اپنا عصا عنایت کیا اور فرمایا، جنّت میں اس کے سہارے چلنا۔

جب حضرت عبد اللہ بن اُنَیس رضی اللہ عنہُ فوت ہوئے تو ان کی وصیّت کے مطابق یہ عصا ان کے کفن میں رکھ دیا گیا۔

(تلقیح ابنِ جوزی، سیرت النّبی شبلیؒ ص ۲۶ ج ا ص ۳۸۹، سیرۃ النبویہ ابنِ کثیر ص ۲۶۷۔ ۲۶۸، زاد المعاد ج ۲ ص ۱۰۸)

یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بنولحیان قبیلہ ہُذیل کی ایک شاخ تھے اس کے جس سردار کو حضرت عبد اللہؓ بن اُنیس نے قتل کیا اس کے نام کے بارے میں اختلاف ہے کسی نے خالد بن سفیان لکھا ہے اور کسی نے سفیان بن خالد واللہ اعلم بالصّواب۔

---

[1] بعض روایتوں کے مطابق ان کا تعلق عرب کے ایک قبیلے بنو اسلم سے تھا اسی لیے وہ ان کو ''اسلمی'' لکھتے ہیں۔ (بذل القوۃ از علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ)

لیکن حافظ ابنِ عبد البرؒ نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ ان کا تعلق عرب قبیلے بنو جُہینہ سے تھا۔ حضرت عبد اللہؓ بن اُنیس کا خاندان مدینہ کے خاندان بنوسلمہ سے حلیفانہ تعلق قائم کر کے مدینہ میں آباد ہو گیا تھا اس لیے ان کو انصاری یا جُہنی ثم انصاری کہا جاتا ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبد اللہ بن اُنَیس بن اسعد بن حرام بن حبیب بن مالک جُہَنی۔

ابنِ اسحاقؒ کا قول ہے کہ وہ قبیلہ قضاعہ سے تھے اور بنوسلمہ کی شاخ بنی نابی کے حلیف تھے۔ چونکہ قبیلہ جہینہ قضاعہ ہی کا ایک بطن تھا اس لیے ابنِ اسحاقؒ کے قول سے بھی ابنِ عبد البرؒ کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہُ ہجرتِ نبویؐ سے کچھ پہلے اسلام لائے تھے۔ اُحُد اور بعد کے غزوات میں شریک تھے ۵۴ھ ہجری میں وفات پائی (الاستیعاب۔ اُسدُ الغابہ تذکرہ حضرت عبد اللہؓ بن انیس)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سریۂ قطن [1] یا سریۂ ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (محرم ۴ھ):

۳ھ کے اواخر میں رسولِ اکرم ﷺ کو خبر ملی کہ جبلِ قطن کے دامن میں آباد بنو اسد بن خزیمہ کے سردار طلیحہ اور سلمہ (یا بروایتِ دیگر اسد بن خویلد) اپنے قبیلہ کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے اُبھار رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو سلمہؓ کو ایک سو پچاس سوار دے کر حکم دیا کہ فوراً بنو اسد بن خزیمہ کے علاقے میں جاؤ اور ان کو منظم ہونے سے پہلے منتشر کر دو۔

حضرت ابو سلمہؓ بڑی راز داری کے ساتھ سفر کرتے ہوئے یکم محرم ۴ھ کو یکا یک مفسدین کے سر پر جا پہنچے اور انہیں اپنی تلواروں پر رکھ لیا۔ وہ بدحواسی کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگے تو حضرت ابو سلمہؓ نے مجاہدین کو تین دستوں میں تقسیم کر کے مختلف اطراف میں ان کے تعاقب میں بھیجا۔ مجاہدین نے بنو اسد کے سب کَس بَل نکال دیے اور اونٹ اور بھیڑ بکریوں کی ایک کثیر تعداد ان سے چھین لی۔ حضرت ابو سلمہؓ ۲۹ دن کے بعد مظفر و منصور مدینہ منورہ واپس آئے اور یہ کثیر مالِ غنیمت دربارِ رسالت میں پیش کیا تو حضور ﷺ بہت مسرور ہوئے اور حضرت ابو سلمہؓ اور ان کے ساتھیوں کو دعا دی۔ تاریخ میں یہ سریہ ''سریۂ ابی سلمہؓ یا سریۂ قطن'' کے نام سے مشہور ہے۔ (طبقات ابنِ سعد۔ تلقیح ابنِ جوزی)

بئرِ معونہ کا سانحہ:

صفر ۴ھ ہجری میں بئر معونہ کا المناک سانحہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس مہینے کے آغاز میں بنو عامر بن صعصعہ کا رئیس ابو براء عامر بن مالک، جو مُلاعِبُ الاَسِنّہ (نیزوں کا کھلاڑی) کے لقب سے مشہور تھا، نجد سے مدینہ منورہ آیا اور سرورِ عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ اپنے کچھ آدمیوں کو میرے ساتھ بھیجیں جو میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضور ﷺ نے اس کی درخواست قبول کرنے میں تامل فرمایا کیونکہ چند دن پہلے بنو عامر کا سردار عامر بن طفیل جو ابو براء کا بھتیجا تھا، یہ پیغام بھیج چکا تھا کہ محمد ﷺ مجھے اپنا جانشین بنائیں یا نرم زمین والوں پر وہ حکومت کریں اور سخت زمین والوں پر میں ورنہ میں ہزاروں جنگجوؤں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کر دوں گا۔ لیکن ابو براء نے بار بار یقین دلایا کہ جو مسلمان اُس کے ساتھ جائیں گے وہ اُن کی حفاظت اور سلامتی کا ضامن ہوگا۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ابو براء کی یقین دہانی پر) ستر صحابہؓ کو حضرت حرامؓ بن ملحان انصاری کے ساتھ نجد کی طرف بھیجا۔ [2]

---

[1] مکہ اور کوفہ کی راہ پر (دونوں شہروں کے درمیان) یہ ایک پہاڑ تھا اس کے قریب ایک قصبہ ''فید'' میں بنو اسد بن خزیمہ کی ایک شاخ آباد تھی۔

[2] امام ابنِ اسحاقؒ اور حافظ ابنِ کثیرؒ کا بیان مختلف ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ابو براء کے ساتھ چالیس صحابۂ کرام بھیجے اور ان کا قائد حضرت مُنذرؓ بن عمرو انصاری کو مقرر فرمایا۔ حضرت حرامؓ بن ملحان بھی ان ...

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان میں زیادہ تعداد انصار اور اصحابِ صُفّہ کی تھی جو قرآنِ کریم کے حافظ تھے اور قُرّاء کے لقب سے مشہور تھے۔ حضور ﷺ نے عامر بن طفیل کے نام ایک خط بھی اس جماعت کے ہاتھ روانہ کیا۔ یہ اصحاب مدینہ سے رخصت ہو کر بئرِ معُونہ کے مقام پر جا کر ٹھہر گئے۔ یہ مقام مکّہ معظّمہ اور عسفان کے درمیان واقع تھا۔ واقدی کا بیان ہے کہ یہ بنی سُلیم کا ایک چشمہ تھا جو بنی عامر اور بنو سُلیم کے علاقوں کے درمیان واقع تھا۔

حضرت حرام بن مِلحان رضی اللہ عنہٗ سرورِ عالم ﷺ کا والا نامہ لے کر عامر بن طفیل کے پاس گئے۔ اُس بدبخت نے حضور ﷺ کا والا نامہ پڑھنا تک گوارا نہ کیا اور عربوں کی روایتی مہمان نوازی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے حضرت حرامؓ کو پیچھے سے آ کر نیزہ مارا جو اُن کے جسم کے آر پار ہو گیا۔ حضرت حرامؓ نے خون کا چُلّو بھر کر اپنے چہرے اور سر پر ڈال لیا اور فرمایا "فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَة" (رَبّ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا) اس کے ساتھ ہی وہ زمین پر گرے اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ [1]

اب عامر بن طفیل نے اپنے قبیلے (بنو عامر) سے کہا کہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرو لیکن وہ لوگ ابو براء کی پناہ کی وجہ سے مُتَرَدِّد ہوئے۔ اس پر عامر نے اردگرد کے قبائل رعل، ذکوان، عصیّہ اور قارہ کو جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اہلِ حق نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا لیکن کثیر التعداد نجدی دغا بازوں نے انہیں گھیرے میں لے لیا اور حضرت کعبؓ بن زید انصاری کے سوا (جو بنی دینار بن نجار میں سے تھے) باقی سب کو ایک ایک کر کے شہید کر ڈالا۔ حضرت کعبؓ بھی شدید زخمی ہوئے اور کفار نے انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اس وقت حضرت عمروؓ بن امیہ اپنے ایک انصاری ساتھی کے ساتھ مسلمانوں کے جانور چرانے کے لیے گئے ہوئے تھے انہوں نے آسمان پر گِدھ اڑتے دیکھے تو ان کا ماتھا ٹھنکا کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ فوراً بئرِ معونہ کی طرف لپکے۔ وہاں پہنچے تو سارے ساتھیوں کو خون میں ڈوبا ہوا پایا۔ دغا باز دشمن خون آلودہ تلواریں لیے ان کے پاس کھڑے تھے۔ حضرت عمروؓ نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "چلو واپس چل کر حضور ﷺ کو اس سانحہ کی اطلاع دیں۔ اُنھوں نے کہا، میرا دِل نہیں مانتا کہ شہادت کو چھوڑ

---

[1] حضرت حرامؓ بن مِلحان (مالک) بن خالد بن زید بن حرام انصار کے سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ ان کی بہنوں حضرت اُمِ سُلَیمؓ اور حضرت اُمِ حرامؓ کا شمار جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ دور کے رشتے سے وہ رسولِ اکرم ﷺ کی خالائیں ہوتی تھیں اور حضرت حرامؓ بن ملحان حضور ﷺ کے ماموں ہوتے تھے۔ خادمِ رسول اللہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ ان کے بھانجے تھے۔ سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہونے کی عظیم سعادت حاصل کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ غزوۂ اُحُد میں بھی شریک تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ قرآن پڑھا کرتے اور رات کو اس کا درس دیتے تھے اسی لیے قاری کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ دن کے وقت مختلف نیک کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ مسجدِ نبویؐ میں پانی بھر کر رکھتے، جنگل سے لکڑی کاٹ کر لاتے اور اسے فروخت کر کے اصحابِ صُفّہ اور دوسرے محتاج مسلمانوں کو غذا مہیا کرتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوں اور اس جگہ سے چلا جاؤں جہاں ہمارے ساتھی ابدی نیند سو رہے ہیں چنانچہ دونوں تلواریں سونت کر آگے بڑھے اور مشرکین سے بھڑ گئے۔ انصاری مجاہد تو لڑتے لڑتے شہید ہو گئے[1] اور حضرت عمروؓ بن امیہ کو مشرکوں نے گرفتار کر لیا۔ عامر بن طفیل کی ماں نے کسی معاملہ میں ایک غلام کو آزاد کرنے کی مَنّت مانی تھی۔ جب حضرت عمروؓ نے عامر بن طفیل کو بتایا کہ وہ قبیلہ مُضر سے ہیں تو اس نے اپنی ماں کی مَنّت پوری کرنے کے لیے انہیں آزاد کر دیا اور اپنی رسم کے مطابق ان کی پیشانی کے بال تراش لیے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمروؓ ایک آدھ دن مشرکوں کی قید میں رہے اور پھر موقع پا کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہرصورت وہ رہا ہو کر تیزی سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

راستے میں انہیں بنو عامر کے دو آدمی ملے۔ سرورِ عالم ﷺ نے ان کو امان دی تھی لیکن عمروؓ کو علم نہیں تھا۔ ان کے دل میں بنو عامر کیخلاف سخت غیظ وغضب بھرا ہوا تھا۔ اچانک حملہ کر کے ان دونوں آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ (بعض روایتوں میں ہے کہ دونوں آدمی یہودی تھے اور بنو قریظہ سے تعلق رکھتے تھے عمروؓ نے انہیں بنی عامر کے آدمی سمجھ کر مار ڈالا) اس کے بعد وہ تیزی سے چل کر مدینہ منورہ پہنچے اور سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارے واقعات بیان کیے۔

---

[1] حضرت عمروؓ بن امیہ کے ساتھی کا نام بعض روایات میں منذرؓ بن عمرو درج ہے اور بعض میں انہیں بنی عمرو بن عوف کا ایک انصاری بتایا گیا ہے۔ ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ منذرؓ کو نجدیوں نے امان دینے کی پیشکش کی تھی لیکن انہوں نے اسے ٹھکرا دیا۔ اور جس مقام پر حضرت حرامؓ شہید ہوئے تھے وہیں پہنچ کر لڑے اور شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ نے یہ واقعہ سُنا تو فرمایا۔ ''انہوں نے خود موت کی طرف سبقت کی۔''

ایک روایت میں حضرت عمرو بن امیہ کے ساتھی کا نام حارث بن صِمہ انصاری رضی اللہ عنہ بتایا گیا ہے۔ ان کا تعلق بنو نجار سے تھا۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد دونوں میں شریک تھے۔ بئر معونہ میں حضرت عمرو بن امیہ کے ساتھ ان کو بھی مشرکوں نے گرفتار کر لیا۔ وہ کسی نہ کسی طرح ان سے رہائی پا کر اس جگہ پہنچے جہاں حضرت حرامؓ کو شہید کیا گیا تھا اور تلوار سونت کر کافروں پر حملہ کر دیا۔ دو کافروں کو جہنم واصل کر چکے تو کافروں نے چاروں طرف سے گھیر کر شہید کر دیا۔ (المشاہد)

مشہور صحابی حضرت عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ جن کو سفرِ ہجرت میں رسولِ اکرم ﷺ کی معیت کا شرف حاصل ہوا تھا، سانحۂ بئر معونہ ہی میں رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے، ان کو ایک مشرک جبار بن سلمٰی کلابی نے شہید کیا۔ یہ جبار بعد میں مسلمان ہو گئے ان کا بیان ہے کہ میں نے جب عامرؓ بن فہیرہ پر اپنے بھالے کا مہلک وار کیا تو انہوں نے نعرہ لگایا، ''فُزْتُ وَاللّٰہ'' (اللہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا)

پھر میں نے دیکھا کہ ان کی لاش زمین سے اوپر اٹھائی گئی۔ (المشاہد) ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمروؓ بن امیہ کو گرفتار کر کے عامر بن طفیل کے پاس لایا گیا تو اس نے حضرت عامرؓ بن فہیرہ کی لاش کی طرف اشارہ کر کے حضرت عمروؓ کو بتایا کہ میں نے دیکھا کہ قتل ہونے کے بعد ان کی لاش آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ بڑی دیر تک ان کی لاش آسمان اور زمین کے درمیان معلّق رہی پھر وہ زمین پر رکھ دی گئی۔ (صحیحین)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ کو بئر معونہ کے دلدوز سانحہ کا علم ہوا تو آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ تاہم آپؐ بنو عامر (یا بنو قریظہ) کے دو آدمیوں کے قتل پر ناراض ہوئے اور ان کی دِیَت ادا کی۔ حضرت عمروؓ سے لاعلمی میں یہ فعل سرزد ہو گیا تھا۔ وہ عفو تقصیر کے خواہاں ہوئے اور ہمیشہ اپنے اس فعل پر متاسف رہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ ایک ماہ تک مسلسل اصحاب بئرِ معونہ کے قاتلوں کے حق میں بددُعا کرتے رہے۔ (صحیح بخاری۔ الاستیعاب۔ اسد الغابہ۔ المشاہد)

سانحۂ رَجیع (صفر ۴ھ):

صفر ۴ھ ہجری ہی میں ''رجیع'' کا دردناک سانحہ پیش آیا۔ اس سانحہ کا پس منظر کیا تھا؟ اس کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ سرورِ عالم ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کی ایک مختصر جماعت مشرکین کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے (تجسّس) کے لیے بھیجی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ غزوۂ اُحد کے بعد بنو ہذیل کے سردار سفیان بن خالد نے ایک ذلیل سازش تیار کی۔ اُس نے چند آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجے جنہوں نے سفیان کی ہدایت کے مطابق حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ چند مسلمانوں کو بھیجیے جو ہمارے قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ کریں۔ حضور ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور چند مبلغین اسلام ان کے ساتھ کر دیے۔ تیسری روایت ہے کہ طلحہ بن ابی طلحہ مقتولِ اُحد کی بیوی اور مسافع اور حارث مقتولانِ اُحد کی ماں سلافہ بنتِ سعد نے سفیان بن خالد ہذلی کو ترغیب دی کہ وہ کسی حیلہ سے مدینہ منورہ جا کر چند مسلمانوں کو اپنے ساتھ لائے ان میں عاصمؓ بن ثابت بن ابی الافلح بھی ہوتا کہ وہ اس کو قتل کر کے اپنے شوہر اور بیٹوں کا انتقام لے سکے۔ اس کے عوض وہ سفیان کو سَو اونٹ انعام دے گی۔ ساتھ ہی اس نے قسم کھائی کہ جب تک اس کے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہ ہو گی وہ نہ سر میں تیل ڈالے گی اور نہ بستر پر سوئے گی۔ سفیان بن خالد نے اس کو تسلی دی کہ جو کچھ وہ چاہتی ہے وہ ضرور کیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے چند آدمی مدینہ منورہ بھیجے۔ انہوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور چند دن مسلمانوں کے مہمان بن کر اسلام کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد انہوں نے رحمتِ عالم ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ اپنے چند صحابہ کو روانہ فرمائیں تاکہ وہ ہمیں اور ہمارے دوسرے اہلِ قبیلہ کو اسلام کے احکام اور عقائد سکھائیں۔ حضور ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور دس صحابۂ کرامؓ پر مشتمل ایک جماعت ان کے ساتھ کر دی (یہ صحیح بخاری کی روایت ہے دوسرے اہلِ سیر نے اس جماعت میں شامل صحابۂ کرامؓ کی تعداد چھ لکھی ہے) اس جماعت کا سردار حضور ﷺ نے باختلافِ روایت حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد غنوی یا صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عاصمؓ بن ثابت کو مقرر فرمایا۔ جب یہ جماعت (مکہ اور عسفان کے درمیان ہدہ سے سات کوس کے فاصلے پر) رجیع کے مقام پر پہنچی تو غداروں نے بدعہدی کی اور اپنے قبیلوں (بنولحیان، عضل وقارہ) میں سے ایک سَو (اور ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری روایت کے مطابق دو سَو) مسلح آدمیوں کو بلا لائے۔ حضرت عاصمؓ اپنی فراستِ باطنی سے سمجھ گئے کہ ان لوگوں کی نیت نیک نہیں ہے اور یہ ہمیں قتل یا گرفتار کرنا چاہتے ہیں تاہم انہوں نے عزم و استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔ مشرکین نے پہاڑی کے گرد گھیرا ڈال لیا اور مسلمانوں سے کہا کہ نیچے اتر آؤ ہم تم کو پناہ دیتے ہیں۔

حضرت عاصمؓ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا ''مسلمانو! میں کسی مشرک کی پناہ نہ لوں گا۔'' یہی بات انہوں نے مشرکین سے بھی بآوازِ بلند کہی اور ساتھ ہی دعا کی، الٰہی! ہمارے حال کی خبر رسول اللہ ﷺ کو کر دے۔ اس پر دشمنوں نے ان پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ مجاہدین نے بھی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور بہت سے کافروں کو جہنم واصل کیا لیکن دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی ان کے تیروں کی بوچھاڑ سے حضرت عاصمؓ بن ثابت اور ان کے سات رفقاء نے جامِ شہادت پیا اور تین حضرت عبد اللہؓ بن طارق بَلوی، حضرت خُبیبؓ بن عدی اور حضرت زیدؓ بن دثنہ) کافروں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔

علامہ ابنِ اثیرؒ نے ''اُسدُ الغابہ'' میں لکھا ہے کہ شہادت سے پہلے حضرت عاصمؓ بن ثابت نے بڑے خشوع و خضوع سے بارگاہِ رب العزت میں دعا کی تھی کہ ''الٰہی! میری اس طرح حفاظت کیجیو کہ نہ میں کسی مشرک کو مَس کروں اور نہ کوئی مشرک مجھے چھو سکے۔''

اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس تمنّا کو یوں پورا کیا کہ جب وہ شہید ہو گئے تو شہد کی مکھیوں (یا بھڑوں) کا ایک بڑا غول ان کی لاش پر بھیج دیا جو کسی مشرک کو اس کے قریب نہ پھٹکنے دیتا تھا۔ بالآخر انہوں نے تھک ہار کر طے کیا کہ رات کو جب مکھیاں یا بھڑیں چلی جائیں گی اس وقت عاصمؓ کا سر کاٹ لیں گے خدا کی قدرت رات کو اس قدر بارش ہوئی کہ اس کے پانی نے سیلاب کی صورت اختیار کر لی اور حضرت عاصمؓ کا جسدِ اطہر اسی سیلاب میں بہہ گیا۔ مشرکین نے اس کو ہر چند تلاش کیا لیکن ان کو کامیابی نہ ہوئی اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک پاکباز بندے کی بات کی لاج رکھ لی۔

ایک روایت میں حضرت عاصمؓ کا یہ قول منقول ہے کہ جس روز میں نے اسلام قبول کیا اسی دن سے عہد کر لیا کہ آج سے نہ کسی کافر اور مشرک سے ہاتھ ملاؤں گا نہ اس کو چھوؤں گا، نہ اپنا جسم اس کو چھونے دوں گا نہ کسی مشرک کی امان قبول کروں گا اور نہ اس کا ذمّی ہوں گا۔ چنانچہ اپنے اس عہد کو وہ زندگی بھر نباہتے رہے اور ان کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کی حفاظت کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جس دن حضرت عاصمؓ نے شہادت پائی بادل کا ایک ٹکڑا بھی آسمان پر نہ تھا۔ لیکن رات کو مطلع ابر آلود ہو گیا اور اس کثرت سے بارش ہوئی کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ سیّدنا حضرت عمرِ فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے عاصمؓ کو مرنے کے بعد کافروں سے اسی طرح محفوظ رکھا جس طرح وہ زندگی میں کافروں کے چھونے سے پرہیز کرتے تھے۔ کُفار اپنے تینوں اسیروں حضرت عبد اللہؓ بن طارق، حضرت خُبیبؓ بن عدی اور حضرت زید بن دثنہ کو رسیوں یا کمان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تانتوں سے باندھ کر مکہ کی طرف لے چلے جب وہ مَرُّ الظَّہرَان کے مقام پر پہنچے تو حضرت عبداللہؓ بن طارق نے کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو چھڑا لیا اور ایک کافر سے تلوار چھیننے کی کوشش کی یہ دیکھ کر کافر غضبناک ہو گئے اور پیچھے ہٹ کر اُن پر پتھر برسانے شروع کر دیے یہاں تک کہ وہ جامِ شہادت پی کر عازمِ خُلدِ بریں ہو گئے۔

حضرت خُبَیبؓ بن عدی اور حضرت زیدؓ بن دثنہ کو کفار نے مکہ لے جا کر مشرکینِ قریش کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حضرت خُبَیبؓ کو حارث بن عامر (بن نوفل بن عبدِ مناف) مقتولِ بدر کے بیٹوں نے اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے خریدا کیونکہ وہ غزوۂ بدر میں حضرت خبیبؓ ہی کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ ان کو سَو اونٹوں کے عوض خریدا گیا۔

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیّہ نے پچاس اونٹوں کے عوض خریدا تاکہ انہیں قتل کر کے اپنے باپ امیّہ بن خَلف مقتولِ بدر کا بدلہ لے سکے۔

قریشِ مکہ رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور مُحرّم کو اشہرِ حُرم یعنی حُرمت والے مہینے سمجھتے تھے اور ان میں خونریزی سے اجتناب کرتے تھے۔ چونکہ قریش نے حضرت خُبَیبؓ اور حضرت زیدؓ کو ذیقعدہ کے مہینے میں خریدا تھا اس لیے انہوں نے اُن کا قتل اشہرِ حُرم گزرنے تک ملتوی کر دیا۔

اشہرِ حرم گزرنے کے بعد مشرکینِ قریش اللہ کے ان دونوں پاکباز بندوں کو حرم سے باہر تنعیم کے مقام پر لے گئے۔ حضرت خُبَیب رضی اللہ عنہٗ نے مشرکین سے کہا کہ سُولی دینے سے پہلے مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ مشرکین نے کہا، پڑھ لو۔ حضرت خُبَیبؓ نے دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد مشرکین کو مخاطب کر کے کہا، اگر تم یہ خیال نہ کرتے کہ میں اپنے قتل ہونے سے ڈر گیا تو میں طویل نماز پڑھتا۔ پھر انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی، اے اللہ ان (ظالموں قاتلوں) کو گِن لے، ان کو الگ الگ مار اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ۔

اس کے بعد انہوں نے یہ شعر پڑھے:

وَلَسْتُ أُبَالِيْ حِيْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
جب میں اسلام پر قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس بات

عَلٰى أَيِّ شِقٍّ كَانَ لِلّٰهِ مَضْجَعِيْ
کی پروا نہیں کہ اللہ کی راہ میں کس پہلو پر گرتا ہوں

وَذٰلِكَ فِيْ ذَاتِ الْإِلٰهِ وَ إِنْ يَّشَاءْ
یہ مصیبت مجھے خالصاً اللہ کے لیے پہنچ رہی ہے اور اگر وہ

يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٍ
چاہے گا تو میرے جسم کے ہر ٹکڑے پر برکت نازل کرے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ شعر سننے[1] کے بعد مشرکین نے ایک بڑے مجمع کے سامنے انہیں سُولی دے کر شہید کر دیا۔ جس وقت وہ سُولی پر تھے حارث بن عامر کے بیٹے عقبہ بن حارث نے ان کے پہلو میں نیزہ مار کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہٗ کو شہید کرنے سے پہلے ابوسفیان نے ان سے پوچھا:

''اے زید! تجھ کو خدا کی قسم سچ سچ بتانا کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ محمد (ﷺ) کی گردن مار دی جائے اور تم آرام سے اپنے گھر والوں کے درمیان بیٹھے ہو۔''

حضرت زیدؓ نے جواب دیا:

''خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد ﷺ کو ایک کانٹا بھی چُبھے اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا ہوں۔''

ان کا جواب سن کر ابوسفیان کے منہ سے بے اختیار نکلا:

''محمد ﷺ کے ساتھی جس قدر محبت ان سے کرتے ہیں میں نے کسی اور کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا۔''

اس کے بعد حضرت زیدؓ کو شہید کر دیا گیا۔ ان کو کس طرح شہید کیا گیا، اس کے بارے میں مختلف روایتیں یہ ہیں کہ اُن کو سُولی پر چڑھایا گیا اور ان کے جسم کو نیزوں سے چھید دیا گیا، دوسری روایت یہ ہے کہ صفوان بن اُمیّہ کے غلام نسطاس نے تلوار کے وار سے ان کو شہید کیا۔ تیسری روایت یہ ہے کہ ان پر تیروں کی بارش کی گئی جس سے وہ شہید ہوگئے۔ بہرحال حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ دونوں زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے اپنے مولائے حقیقی کے سامنے حاضر ہوگئے۔

بجرمِ عشق توام میکشند و غوغائیست
تو نیز برسرِ بام آ چہ خوش تماشائیست

ابوسفیان اور حضرت زیدؓ کے درمیان جو سوال و جواب ہوئے تھے بعض روایتوں میں ہے کہ حضرتِ خُبیبؓ سے بھی ایسا ہی سوال کیا گیا تھا اور انہوں نے ویسا ہی جواب دیا تھا جیسا حضرت زیدؓ نے دیا۔

حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حضرت خُبیبؓ نے شہادت سے پہلے جو دعا کی تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا۔ جو لوگ ان کے قتل میں شریک تھے، وہ ایک سال کے اندر بڑی بے کسی کے عالم میں مارے گئے۔

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہٗ کی یہ دعا بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی کہ ان کے حال کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچا دی جائے۔ حضور ﷺ کو وحی کے ذریعے اس واقعہ کی خبر

---

[1] بعض کتابوں میں اور بھی چند شعر حضرت خُبیبؓ سے منسوب ہیں جو انہوں نے اس موقع پر پڑھے، صحیح بخاری میں صرف دو شعر ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مل گئی جس سے آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ بئرِ معونہ اور رجیع کے الیے چند ہی دن آگے پیچھے پیش آئے۔ کسی نے لکھا ہے کہ بئر معونہ کا سانحہ پہلے پیش آیا اور کسی نے کہا ہے کہ رجیع کا المیہ پہلے پیش آیا۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی۔ فتح الباری جلد ۷۔ الاستیعاب ج ا۔ محمد رسول اللہ۔ المشاہد)

یہودِ بنی نضیر کی جلا وطنی (ربیع الاوّل ۴ھ ہجری):

ربیع الاوّل ۴ھ ہجری میں یہودیوں کے سب سے اہم قبیلے بنونضیر کی مدینہ سے جلاوطنی کا واقعہ پیش آیا۔ اربابِ سیر نے اسے "غَزْوَۃُ بَنِیْ نَضِیْر" سے موسوم کیا ہے۔ قرآنِ حکیم کی سورۃ "الحشر" اسی واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ پیچھے ذکر آچکا ہے کہ ہجرتِ نبویؐ کے بعد مدینہ میں آباد سبھی یہودی قبیلوں سے آنحضور ﷺ کا معاہدۂ امن و تعاون ہوگیا تھا لیکن یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنا معاندانہ سازشی کردار برقرار رکھا۔ اس کے نتیجے میں بنُو قینُقاع کی جلاوطنی اور کعب بن اشرف کے قتل جیسے واقعات پیش آئے غزوۂ بنی نضیر کا پس منظر تو یہی تھا کہ بنونضیر نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدۂ امن و تعاون کو کاغذ کے ایک پرزے سے زیادہ اہمیت نہ دی اور منافقین کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف برابر ریشہ دوانیوں میں مشغول رہے یہاں تک کہ مشرکینِ مکّہ کے ساتھ بھی ان کا گہرا ربط وضبط رہا۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ مطلق کوئی تعاون نہ کیا بلکہ اس بات کے منتظر رہے کہ کب مشرکینِ مکہ مسلمانوں کو پیس ڈالتے ہیں۔ غزوۂ اُحد کے بعد تو مسلمانوں (بالخصوص آنحضور ﷺ) کے خلاف اُن کے بُغض وعناد کی کوئی حد ونہایت نہ رہی۔ سانحۂ بئر معونہ میں جس قبیلے (بنوعامر) نے صحابۂ کرامؓ کی خاصی بڑی تعداد کو شہید کرنے کی جسارت کی، وہ بنونضیر کا حلیف تھا اسی لیے بعض اربابِ سِیَر کے قیاس کے مطابق یہ شبہہ کیا جاتا ہے کہ آنحضور ﷺ اپنے چند صحابہؓ کے ہمراہ بنُو نضیر کے ساتھ ایک اہم معاملے پر گفتگو کرنے کے لیے ان کے محلّے میں تشریف لے گئے[1] تو ان بدبختوں نے آپ کو شہید کرنے کی سازش کی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اس سازش سے آگاہ فرمایا اور آپؐ فوراً اٹھ کر واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ بعد میں جب صحابۂ کرامؓ بھی آپؐ سے آن ملے تو آپؐ نے ان کو اپنے واپس آنے کا سبب بتایا اور ان کو ہدایت فرمائی کہ تم لوگ بنونضیر

[1] ایک روایت کے مطابق اس موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ تیس صحابہ تھے۔ فریقین کے درمیان گفتگو کے لیے یہ طے پایا کہ تین مسلمانوں کے اور تین یہودیوں کے منتخب نمائندے گفتگو کریں۔ یہودی نمائندوں نے دورانِ گفتگو میں حضور ﷺ کو خنجروں سے شہید کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن بنونضیر کے دو بہن بھائی جو صدقِ دل سے اسلام قبول کر چکے تھے، انہوں نے اس سازش سے حضور کو آگاہ کر دیا۔ (ابوداؤد، بیہقی)

دوسری روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ آٹھ نو صحابہ تھے جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرِ فاروقؓ اور

(حاشیہ کا بقیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے خلاف جنگ کی تیاری کرو ساتھ ہی آپؐ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام دے کر بنونضیر کے پاس بھیجا کہ تم لوگ دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جاؤ، اب تم یہاں میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔

حضور ﷺ کا پیغام ملنے پر پہلے تو بنونضیر مدینہ سے نکلنے پر تیار ہوگئے لیکن رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ نے اُن کو اُکسایا کہ اپنا گھربار مت چھوڑو اور محمد (ﷺ) کے مقابلے پر ڈٹ جاؤ، میں دو ہزار مردانِ جنگی کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا' بنوقریظہ اور بنوغطفان جو تمہارے حلیف ہیں وہ بھی تمہاری مدد کو پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ بنونضیر کے سردار حُیَیّ بن اخطب نے حضور ﷺ کے پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم یہاں سے نہیں نکلیں گے۔ یہ جواب ملتے ہی حضور ﷺ نے صحابہ کو لڑائی کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا۔ جب وہ تیار ہوگئے تو ربیع الاوّل ۴ھ میں آپؐ نے حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا، حضرت علیؓ کو عَلَم عطا فرمایا اور اپنے جاں نثاروں کو ساتھ لے کر بنونضیر کے محلے کا ایسی سختی سے محاصرہ کر لیا کہ انہیں کسی طرف سے مدد نہیں پہنچ سکتی تھی۔ بنونضیر نے پہلے تو اپنی گڑھیوں سے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسا کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن جب ان کو کسی طرف سے کوئی مدد نہ پہنچی اور ان کلیدی مقامات کی ناکہ بندی کی وجہ سے نہ آیندہ کوئی مدد پہنچنے کا امکان رہا تو وہ بددِل ہونے لگے۔ رہی سہی کسر اس وقت پوری ہوگئی جب حضور ﷺ نے اِذنِ الٰہی سے ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

حضرت علیؓ جیسے اکابر صحابہ شامل تھے۔ حضور ﷺ بنونضیر کی ایک گڑھی (چھوٹے قلعے) کی دیوار کے سائے میں بیٹھے تھے کہ یہودیوں نے چھت پر سے ایک وزنی پتھر (سِل یا چکی کا پاٹ) گرا کر آپ کو شہید کرنے کی سازش کی۔ اس مقصد کے لیے ایک بدبخت یہودی عمرو بن حجاش نے پوری تیاری کر لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو اس سازش سے آگاہ کر دیا۔ (سیرۃ ابنِ ہشام۔ طبقات ابنِ سعد)

جس معاملے پر بنونضیر سے گفتگو کرنا مقصود تھا وہ اکثر روایتوں کے مطابق یہ تھا کہ حضور ﷺ نے حضرت عمروؓ بن اُمیّہ کے ہاتھ سے قتل ہونے والے بنوعامر کے جن دو آدمیوں کی دِیَت دینا منظور کیا تھا، بنونضیر کو اس دیت میں اپنا حصہ دینے کا، مطالبہ کرنا تھا۔ بعض نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ سانحۂ بئر معونہ کے ذمہ دار اگرچہ بنوعامر تھے لیکن بنونضیر ان کے حلیف تھے اس لیے اس سانحہ کی ذمہ داری میں وہ بھی شریک تھے اور حضور ﷺ کے بنونضیر کے پاس تشریف لے جانے کا مقصد یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ان سے شہدائے بئر معونہ کے خون بہا بنوعامر سے دلوانے یا خود دینے کا مطالبہ کرنا بھی تھا۔

بعض اہلِ علم کو یہ بات تسلیم کرنے میں تامّل ہے کہ اپنے معروف کردار کے برعکس حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیے بغیر خود خطرے کی جگہ چھوڑ دیں اور ان کو وہیں رہنے دیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو سازش سے آگاہ کر سکتا تھا وہ آپ کو یہ بھی بتا سکتا تھا کہ آپ کے ساتھیوں کو کوئی خطرہ نہیں وہ صرف آپ کی جان کے دشمن ہیں آپؐ کے ساتھیوں کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا حکم دیا۔ اپنے باغوں کو اجڑتے دیکھ کر وہ دہشت زدہ ہوگئے اور ان پر مسلمانوں کا ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ حضور ﷺ سے یہ درخواست کرنے پر مجبور ہوگئے کہ ہمیں مدینہ سے اپنے سروسامان کے ساتھ نکلنے کی اجازت دی جائے ہم ہتھیار پھینکنے کے لیے تیار ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کی درخواست اس شرط کے ساتھ منظور فرمائی کہ اسلحہ کے سوا وہ اپنا تمام سامان لے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ بنونضیر نے ہتھیاروں کے سوا اپنا تمام ساز و سامان اونٹوں پر لاد لیا۔[1] یہاں تک کہ اپنے مکانات گرا کر ان کے دروازے کھڑکیاں وغیرہ بھی لاد لیں اور پھر چھ سو اونٹوں پر لدلدا کر اس طرح گاتے بجاتے مدینہ سے نکلے گویا انہیں اپنی جلاوطنی کا کوئی غم نہ تھا۔ دراصل یہ اپنی ذلت اور رسوائی پر پردہ ڈالنے کی تدبیر تھی۔ یہ لوگ مدینہ سے نکل کر خیبر پہنچے۔ یہودِ خیبر نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کو اپنا سردار مان لیا۔ بنونضیر کے محاصرے کی مدت عام طور پر پندرہ دن بیان کی جاتی ہے لیکن اس سے کم اور زیادہ مدت کی روایتیں بھی ہیں۔ (طبقات ابنِ سعد۔ ابنِ خلدون)

قرآنِ مجید میں بنونضیر کے مدینہ سے اِخراج کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۗ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ (۲) وَ لَوْ لَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِی الدُّنْیَا ؕ وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ (۳) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ یُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (۴) مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآىِٕمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِیُخْزِیَ الْفٰسِقِیْنَ (۵) (سورۃ الحشر ۲ تا ۵)

---

[1] بنونضیر کی زمین باغات اور دوسری جائداد کے علاوہ جو ہتھیار مسلمانوں کے قبضے میں آئے ان کی تفصیل یہ ہے: تین سو چالیس تلواریں، پچاس خود، پچاس زرہیں۔ اثنائے محاصرہ میں بنونضیر کے دو آدمیوں یامین بن عُمیر اور ابو سعد بن وہب کو اللہ تعالیٰ نے قبولِ حق کی توفیق دی۔ وہ اپنی گڑھی سے نکل کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اسلام قبول کیا اور بیعت کی سعادت حاصل کی چنانچہ ان کی جان اور مال سے مسلمانوں نے کوئی تعرّض نہ کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: ”وہی (اللہ) ہے جس نے اہلِ کتاب کافروں کو پہلے ہی حملے میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا تمہیں ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ بھی یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اُن کی گڑھیاں انہیں اللہ سے بچالیں گی مگر اللہ ایسے رُخ سے ان پر آیا جدھر ان کا خیال بھی نہ گیا تھا۔ اس نے اُن کے دلوں میں رُعب ڈال دیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے بھی اپنے گھروں کو برباد کر رہے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی برباد کروا رہے تھے پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو۔ اگر اللہ نے انکے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا ہی میں وہ انہیں عذاب دے ڈالتا اور آخرت میں تو ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے ہی۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کیا اور جو بھی اللہ کا مقابلہ کرے اللہ اس کو سزا دینے میں بہت سخت ہے۔ تم لوگوں نے کھجوروں کے جو درخت کاٹے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا یہ سب اللہ ہی کے اِذن سے تھا اور (اللہ نے یہ اِذن اس لیے دیا) تا کہ فاسقوں کو ذلیل وخوار کرے۔“

غزوۂ نجد (ربیع الآخر یا جُمادی الاُولیٰ ۴ھ):

غزوۂ بنی نضیر کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنوغطفان کے دو قبیلے بنوثعلبہ اور بنومحارب مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہے ہیں اور اس مقصد کے لیے بدوؤں کی ایک بڑی تعداد فراہم کرلی ہے۔ یہ دونوں قبیلے نجد میں آباد تھے۔ حضور ﷺ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے صحابہؓ کی ایک معقول جمعیّت کے ہمراہ ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۴ ہجری میں نجد کی طرف روانہ ہوئے اور صحرائے نجد کے اندر دُور تک چلے گئے لیکن دشمنوں کو سامنے آنے کی ہمت نہ پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اہلِ حق کی ایسی ہیبت طاری کی کہ بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ چند دن نجد میں قیام کے بعد آپ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ بعض اربابِ سِیَر نے اس مہم کو ”غزوۂ ذات الرِّقاع“ کا نام دیا ہے لیکن ہمارے نزدیک ”غزوۂ ذاتِ الرِّقاع“ کا زمانۂ وقوع ۷ ہجری ہے اور یہ غزوۂ خیبر (مُحرّم ۷ھ) کے بعد پیش آیا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ غزوۂ ذات الرِّقاع میں جو صحابۂ کرامؓ حضور ﷺ کے ہم رکاب تھے ان میں حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل تھے اور یہ دونوں بزرگ پہلی مرتبہ غزوۂ خیبر کے موقع پر بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے تھے اس لیے درایت کی رُو سے غزوۂ ذات الرِّقاع کا زمانۂ وقوع غزوۂ خیبر کے بعد ہی کا ہونا چاہیے۔ بعض مؤرّخین نے غزوۂ ذات الرِّقاع کا سالِ وقوع ۵ھ بیان کیا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہم اس غزوے کا ذکر ۷ھ کے واقعات میں کریں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکمِ تیمّم کا نزول:

اسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نے آیت تیمّم نازل فرما کر مسلمانوں کو اجازت دی کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں وہ تیمم کر لیا کریں۔ [1] بعض سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ یہ حکم غزوۂ بنی مُصطلِق کے موقع پر نازل ہوا اور بعض نے اس کو غزوۂ ذات الرّقاع کا واقعہ بتایا ہے۔ غزوۂ بنی مُصطلِق کا زمانۂ وقوع باختلافِ روایت شعبان ۵ھ یا شعبان ۶ھ ہے جبکہ غزوۂ ذات الرّقاع کا زمانۂ وقوع مستند روایات کے مطابق ۷ھ ہے۔ دوسری طرف اکثر مفسرین کے نزدیک حکمِ تیمّم سب سے پہلے سورۃ النّسآء میں نازل ہوا اور سورۃ النّسآء کے مختلف اجزاء ۳ھ کے اواخر سے ۵ھ کے اوائل تک مختلف اوقات میں نازل ہوئے ان میں آیت تیمّم بھی شامل ہے۔ [2] ان مفسّرین کی اس رائے سے یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حکمِ تیمّم نہ غزوۂ بنی مُصطلِق کے موقع پر نازل ہوا اور نہ غزوۂ ذات الرِّقاع کے موقع پر بلکہ کسی اور سفر کے دوران میں نازل ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کے ہار گُم ہونے کا واقعہ غزوۂ بنو مُصطلِق کے موقع پر بھی پیش آیا لیکن اس واقعہ کی صورت کچھ اور ہے اور آیتِ تیمّم کے نزول کے واقعہ کی شکل کچھ اور۔ (غزوۂ بنی مصطلق کی تفصیل آگے آرہی ہے۔) یہاں ہم صحیحین کی وہ حدیث درج کر رہے ہیں جس میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آیتِ تیمّم کے نزول کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے:

> ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے۔ جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش پر تھے تو وہاں میرا (گلے کا) ہار ٹوٹ کر (کہیں) گر گیا تو اس کو تلاش کرنے کے

---

[1] وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا. (سورۃ النّسآء۔ آیت ۴۳)

”اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا حاجتِ ضروری سے فارغ ہوئے ہو یا عورتوں سے مقاربت کی ہے اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح کرکے تیمّم کر لو بے شک اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔“

[2] حکمِ تیمم سورۃ المائدہ کی آیت ۶ میں بھی موجود ہے۔ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے پہل اسی آیت کے تحت تیمّم کی سہولت دی گئی لیکن بیشتر مفسّرین کی تحقیق کے مطابق سورۃ النّسآء کی آیت ۴۳ پہلے نازل ہوئی اور سورۃ المآئدہ کی آیت ۶ بعد میں واللہ اعلم بِالصّواب بہرصورت ان دونوں آیتوں کے مضمون میں بہت خفیف فرق ہے جس کا اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ قیام فرمایا اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی وہیں ٹھہر گئے اس مقام پر پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ تو کچھ لوگوں نے (میرے والدِ ماجد) ابوبکر کے پاس جا کر شکایت کی کہ دیکھیں (آپ کی بیٹی) عائشہ نے کیا کیا ہے انہوں نے (ہار گم کر کے) رسول اللہ ﷺ کو یہاں قیام کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ حالانکہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی ہے۔ پس حضرت ابوبکر میرے پاس تشریف لائے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اور آپ کو نیند آ گئی تھی پس (میرے والد نے) مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے تمام ساتھیوں کے یہاں رکنے کا باعث بن گئی ہو اور حالت یہ ہے کہ نہ یہاں کہیں پانی ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی کا انتظام ہے۔ پھر والد نے مجھے خوب ڈانٹا اور جو اللہ کو منظور تھا اس وقت انہوں نے مجھے وہ سب کہا اور (غصہ سے) میرے پہلو میں کئی کونچے دیے لیکن رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اس لیے میں بالکل نہیں ہلی (مبادا میرے ہلنے سے حضور ﷺ کے آرام میں خلل پڑے۔) پس رسول اللہ ﷺ نے صبح ایسی حالت میں اور ایسے مقام پر کی جہاں پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی پس سب لوگوں نے (نماز کے لیے) تیمّم کیا۔ تو اُسید بن حضیر (اشہلی انصاری) نے جو انصار کے اُن نقیبوں میں سے ایک تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ہجرت سے پہلے بیعت کی تھی، (جوشِ مَسرّت میں) کہا، اے آلِ ابی بکر یہ (تیمّم کا حکم) تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (بلکہ اس سے پہلے بھی تمہارے واسطہ سے اُمّت کو کئی برکتیں مل چکی ہیں) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد جب میری سواری کے اونٹ کو اٹھایا گیا تو ہار اس کے نیچے پڑا ہوا مل گیا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ کتاب التیمم)

مُسنَد احمد بن حنبل کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آیتِ تیمّم کے نزول پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی بے حد مَسرّت ہوئی اور انہوں نے اب فخر کے ساتھ حضرت عائشہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

”جانِ پدر، مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اس قدر مبارک ہے تیرے ذریعے سے اللہ نے مسلمانوں کو کتنی آسانی بخشی۔

ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ نجد کے سفر میں پیش آیا ہو (اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے) واللہ اعلم (مُسنَدِ احمد ج ۶ ص ۲۷۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ بدر ثانی (ذیقعدہ ۴ھ):

اُحد کی لڑائی کے بعد سپہ سالارِ قریش ابوسفیان نے بھاگتے وقت مسلمانوں کو بآوازِ بلند چیلنج دیا تھا کہ اگلے سال ہمارا تمہارا مقابلہ بدر کے میدان میں ہوگا۔

ابوسفیان کی آواز سن کر رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے قریب کھڑے ایک صحابی سے فرمایا تھا:

"اس سے کہہ دو، ٹھیک ہے یہ بات ہمارے تمہارے درمیان طے رہی۔"

بدر کی پہلی لڑائی رمضان ۲ھ میں ہوئی تھی اور ابوسفیان سے یہ گفتگو شوال ۳ھ میں ہوئی اُدھر جب وعدے کا وقت قریب آیا تو ابوسفیان کی ہمت جواب دے گئی اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس سال مکّہ میں قحط تھا اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر اہلِ ایمان کا رعب طاری کر دیا تھا۔ ابوسفیان نے پہلو بچانے کے لیے اپنے خاص آدمیوں کے ذریعے مدینہ میں یہ پروپیگنڈا شروع کرا دیا کہ قریشِ مکّہ نے لڑائی کے لیے زبردست تیاری کی ہے اور اُن سے ٹکر لینا اپنی موت اور بربادی کو دعوت دینا ہے۔ مدینہ میں ایمان کے پختہ مسلمانوں پر اس پروپیگنڈے کا کوئی اثر نہ ہوا اور ذیقعدہ ۴ھ میں جب رسولِ اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو لڑائی کے لیے بدر کی طرف چلنے کے لیے بلایا تو پندرہ سَو مجاہدین آپؐ کے ساتھ چل پڑے۔ دس گھوڑے بھی آپؐ کے ساتھ تھے حضور ﷺ نے فوج کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو عنایت فرمایا اور بدر پہنچ کر قریشِ مکّہ کے انتظار میں پڑاؤ ڈال دیا۔ مدینے کا انتظام آپؐ حضرت عبد اللہ بن رواحہ انصاریؓ کے سپرد کر آئے تھے۔

اُدھر سے ابوسفیان بھی دو ہزار کا لشکر (جس میں پچاس سوار تھے) لے کر مکّے سے بدر کی طرف روانہ ہوئے اور چند میل دور ایک چشمے کے کنارے پڑاؤ ڈالا۔ وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلمانوں کا ایسا رعب طاری کیا کہ وہ حوصلہ ہار بیٹھے اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، "قریش کے لوگو! لڑائی کے لیے صحیح وقت وہ ہوتا ہے جب ہر طرف سبزہ ہو تا کہ جانور چر سکیں اور تم بھی دودھ پی سکو اس وقت خشک سالی نے ہر طرف ویرانی پھیلا رکھی ہے چلو واپس چلیں۔"

ان کے ساتھیوں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور سب وہیں سے واپس چلے گئے۔

ادھر رسولِ اکرم ﷺ نے بدر میں آٹھ روز ٹھیر کر دشمن کا انتظار کیا جب وہ نہ پہنچا تو آپؐ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ یہ مہم بدرِ صغریٰ اور بدرِ موعد کے نام سے مشہور ہے۔ موعد کے معنی ہیں وعدہ، وعدہ کی جگہ اور وعدہ کا وقت یعنی وہ بدر جہاں مقابلے کا وعدہ ہوا تھا۔ قرآنِ حکیم میں اس واقعہ کا ذکر سورۂ آلِ عمران میں اس طرح آیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ط لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ (۱۷۲) اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ق صلے وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (١٧٣) فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ لا وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَظِيْمٍ (١٧٤) اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ص فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران ع ١٨)

”(یہ وہ لوگ ہیں) جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مان لیا۔ ان میں سے جو نیکوکار اور پرہیز گار ہیں (اور وہ سب ہی ہیں) ان کے لیے بڑا اجر ہے اور وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں، اُن سے ڈرو۔ یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ آخر کار وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے۔ ان کو کسی قسم کا ضرر بھی نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انہیں حاصل ہو گیا۔ اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو۔“

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت
کا
پانچواں سال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ دُومۃُ الجَنْدَل (ربیع الاوّل ۵ھ):

دومۃ الجندل کا قصبہ مدینہ منورہ کے شمال میں تقریباً آٹھ سَو کلومیٹر دُور واقع تھا۔ اس کے قریب ہی وہ تجارتی شاہراہ تھی جو یمن سے شام تک جاتی تھی۔ غزوۂ بدر ثانی (بدرالموعد) کے چند ماہ بعد رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ دومۃ الجندل کے نواح میں آباد قبائل یمن، مکہ اور مدینہ سے شام جانے اور وہاں سے مدینہ، مکّہ اور یمن آنے والے تجارتی قافلوں پر ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ لوگ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بھی بنا رہے تھے۔ ربیع الاوّل ۵ ہجری کی تیسری دہائی میں آنحضور ﷺ ایک ہزار مجاہدین کے ساتھ ان لوگوں کی گوشمالی کے لیے دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ میں آپؐ نے حضرت سباع بن عُرفطہ غِفاری کو اپنا نائب مقرر کیا۔ اسلامی لشکر حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق رات کو سفر کرتا اور دن کو پہاڑوں یا جنگلوں میں چھپ رہتا۔ پندرہ دن کے سفر کے بعد اسلامی لشکر دومۃ الجندل پہنچا تو قصبے اور نواح کے تمام سرکش قبائل منتشر ہو چکے تھے۔ آپؐ نے چند دن وہاں قیام فرمایا اور اس دوران میں مجاہدین کے متعدد دستے اِدھر اُدھر روانہ کیے لیکن کسی قبیلے کو مجاہدینِ اسلام کا سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی البتہ بنوفزارہ کے سردار عُیَینہ بن حصن فزاری سے آپؐ کا معاہدۂ صلح و امن ہو گیا۔ فزارہ کا قبیلہ بنوغطفان کے بطن بنی ذُبیان کی ایک شاخ تھا اور سب سے بڑا غطفانی قبیلہ تھا۔ یہ لوگ حجاز کے شمالی حصے میں آباد تھے ربیع الثانی ۵ھ میں کسی وقت حضور ﷺ نے مدینہ منوّرہ کو مراجعت فرمائی۔ (تلقیح ص ۲۷)

وفدِ بنی مُزَینَہ کی مدینہ میں آمد:

رجب ۵ ہجری میں چار سَو گھڑسواروں پر مشتمل بنومزینہ کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوا۔[۱] اس وفد کے قائد حضرت بلالؓ بن حارث مزنی تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ سب سے پہلا وفد تھا جس نے مدینہ منورہ آکر بارگاہِ نبویؐ میں حاضری دی اور اسلام قبول کیا۔ اس وفد میں مشہور صحابی حضرت نعمانؓ بن مُقرِّن اور خزاعی بن عبدِنُہم بھی شامل تھے۔[۲] علامہ ابنِ اثیر کے بیان کے مطابق وفد میں کچھ بوڑھے اور بچے بھی شامل

---

[۱] بنومزینہ ایک بڑا عرب قبیلہ تھا۔ یہ لوگ عدنانی النسل تھے اور مدینہ سے مکّہ جانے والے راستے پر بئرِ معونہ کے جنوب میں آباد تھے۔ بئر معونہ بنوسُلیم کا ایک کنواں یا چشمہ تھا جو مکہ اور عسفان کے درمیان واقع تھا۔ مکّہ سے عسفان کا فاصلہ ایک سو تین کلومیٹر تھا۔ (جزیرۃ العرب ص ۳۱۴، ۳۱۶)

[۲] حضرت خزاعیؓ بن عبدِ نُہم، بنومزینہ کے بت ''نُہم'' کے حاجب (دربان) تھے مدینہ منورہ آنے سے پہلے انہوں نے اس بت کو توڑ ڈالا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ ''میں نُہم کے پاس گیا تاکہ اس کے سامنے اپنے معمول کے مطابق بکری کی قربانی دوں۔ مگر جب میں نے عقل سے کام لے کر غور کیا تو میرے دل نے کہا کہ یہ گونگا اور بے عقل معبود ہے۔ میں نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ حضرت بلالؓ نے ان کو مدینہ منورہ کے باہر ٹھہرایا اور خود (دوسرے سواروں کے ساتھ) بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ان لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ تم اپنے علاقے میں واپس جاؤ۔ تم جہاں بھی رہو گے تمہیں مہاجرین میں داخل سمجھا جائے گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصحاب ہجرت کرکے مدینہ آنا چاہتے تھے مگر حضور ﷺ نے مناسب یہی سمجھا کہ وہ اپنے علاقے ہی میں مقیم رہیں۔ (اُسدُ الغابہ۔ مُسنَدِ احمد۔ بذل القوۃ)

واقعہ تخییر:

تخییر کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ کوئی شوہر اپنی بیوی کو اس امر کا اختیار دے کہ وہ شوہر کے ساتھ رہنے یا اس سے ہمیشہ کے لیے الگ ہونے کے درمیان کسی ایک بات کا خود فیصلہ کرلے۔ ۵ھ میں رسولِ اکرم ﷺ نے ازواجِ مطہراتؓ کو بھی یہ اختیار دے دیا لیکن کسی نے آپؐ سے جدا ہونا منظور نہ کیا۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

ایک دن حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ کی ازواج آپؐ کے گرد بیٹھی ہیں [1] اور آپؐ خاموش ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا، یہ میرے گرد بیٹھی ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو یہ مجھ سے اپنے نفقہ میں اضافہ کرنے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں نے اپنی اپنی صاحبزادیوں کو ڈانٹا کہ تم رسول اللہ ﷺ کو پریشان کرتی ہو اور ان سے وہ چیز مانگتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ (ان ایام میں دشمنوں کی ریشہ دوانیوں اور غزوۂ خندق وغیرہ کی وجہ سے حضور ﷺ کو سخت مالی مشکلات کا سامنا تھا) اسی زمانے میں یہ آیت نازل ہوئی:

يَٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (۲۸) وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْءَاخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

آج محمد (ﷺ) کا دین اختیار کرلیا ہے اور میں نے اپنے آپ کو آسمان والے خدائے بزرگ و برتر کے سپرد کر دیا ہے۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ خزاعیؓ بن عبدِ نہم دس آدمیوں کا وفد لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنے سارے قبیلے کی طرف سے حضور ﷺ کی بیعت کی۔ ہوسکتا ہے یہ وفد بلالؓ بن حارث والے وفد سے پہلے مدینہ آیا ہو۔ واللہ اعلم

[1] اس وقت حضور ﷺ کے نکاح میں چار بیویاں تھیں حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ حضرت حفصہؓ اور حضرت اُمِّ سلمہؓ۔ (تفہیم القرآن ج ۴ حاشیہ ص ۸۵ بحوالہ احکام القرآن لابن العربی طبع مصر ۱۹۵۸ جلد ۳ ص ۱۳-۱۵۱۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا(۲۹) (الاحزاب ۲۸۔۲۹)

”اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا اور اس کی زینت و آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تم کو اللہ، رسول اور آخرت پسند ہے تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔“

اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا، عائشہؓ! میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرتا ہوں اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کر کے دینا پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھ کر ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ ﷺ! اس امر میں مجھے اپنے والدینؓ سے مشورہ کی کیا ضرورت ہے، میں اللہ، اس کے رسول اور دارِ آخرت کو چاہتی ہوں۔ پھر آپؐ دوسری ازواج میں سے ایک ایک کے ہاں گئے اور ہر ایک سے یہی بات فرمائی ہر ایک نے وہی جواب دیا جو حضرت عائشہؓ نے دیا تھا۔

غزوۂ بنی مُصطَلِق یا غزوۂ مُرَیسِیع (شعبان ۵ھ ہجری)

اس غزوے کے سالِ وقوع کے بارے میں اربابِ سِیَر میں اختلاف ہے۔ بعض روایتوں میں اس کا زمانۂ وقوع شعبان ۶ھ ہجری بیان کیا گیا ہے لیکن بہت سی روایتوں کے مطابق یہ شعبان ۵ھ ہجری میں پیش آیا۔ جنگی نقطۂ نگاہ سے یہ کوئی بڑا غزوہ نہیں تھا لیکن اس میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے جن کی بناء پر اس کو عہدِ رسالت کے بڑے غزوات کی طرح ایک اہم غزوہ سمجھا جاتا ہے۔ اس غزوے کے واقعات یہ ہیں:

رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہا ہے (یا مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہا ہے) بنو مصطلق مشہور عرب قبیلے بنو خزاعہ کا ایک بطن (شاخ) تھے۔ یہ لوگ مدینہ منورہ کے جنوب میں ستر اسّی میل دور مُرَیسِیع نامی ایک چشمے (یا کنوئیں) کے نواح میں آباد تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے ایک جاں نثار حضرت بُریدہ بن حُصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو تحقیقِ احوال کے لیے بَنُو مُصْطَلِق کے پاس بھیجا۔ وہ چند دن ان لوگوں میں گھل مل کر رہے اور پھر واپس مدینہ آ کر حضور ﷺ کو بتایا کہ آپ کو جو اطلاع ملی ہے وہ صحیح ہے۔ حارث بن ابی ضرار کچھ دوسرے قبیلوں کو ساتھ ملا کر واقعی مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کر رہا ہے۔ جب حارث کے عزمِ بد کی تصدیق ہوگئی تو حضور ﷺ ۲ شعبان ۵ھ ہجری کو صحابۂ کرامؓ کی ایک معقول جمعیت کے ہمراہ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی آپؐ کے ساتھ تھیں۔ اسلامی لشکر نے بنو مصطلق کے علاقے میں پہنچ کر مُرَیسِیع کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کے مطابق حارث بن ابی ضرار نے اسلامی لشکر کے آنے کی خبر سنی تو وہ اپنے خاص خاص آدمیوں کو ساتھ لے کر کہیں روپوش ہوگیا۔ قبیلے کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی گئی لیکن وہ اسے قبول کرنے پر راضی نہ ہوئے اور مسلمانوں کے خلاف لڑائی چھیڑ دی۔ مسلمانوں نے ان کو عبرتناک شکست دی۔ دس یا گیارہ مصطلقی لڑائی میں مارے گئے اور چھ سَو کے قریب مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوگئے۔ ان میں رئیسِ قبیلہ حارث بن ابی ضرار کی بیٹی برّہ بھی تھیں ان کے علاوہ غنیمت میں دو ہزار اونٹ، چالیس بوری غلہ اور پانچ ہزار بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ جب مالِ غنیمت کی تقسیم شروع ہوئی تو برّہ حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہٗ کے حصے میں آئیں۔ چونکہ رئیسِ قبیلہ کی بیٹی تھیں، لونڈی بن کر رہنا گوارا نہ ہوا حضرت ثابتؓ سے درخواست کی کہ مجھ سے کچھ روپیہ لے کر مجھے آزاد کردو۔ وہ انہیں ۹ اوقیہ سونے کے عوض چھوڑنے پر تیار ہوگئے (ایسی رقم زرِ مکاتبت کہلاتی ہے)

حضرت جویریہؓ سے نکاح:

اب برّہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اپنا تعارف کرایا اور حضرت ثابتؓ بن قیس کے مطالبہ کا ذکر کیا اور پھر حضور ﷺ سے درخواست کی کہ مصیبت میں مبتلا ہوں ازراہِ کرم میری مدد فرمایئے۔

حضور ﷺ نے فرمایا، کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ میں تمہارا زرِ مکاتبت ادا کردوں اور تم سے نکاح کرلوں۔

برّہ فوراً راضی ہوگئیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان کا زرِ مکاتبت ادا کرنے کے بعد ان سے نکاح کرلیا۔ اسی موقع پر وہ شرفِ اسلام سے بھی بہرہ ور ہوگئیں (سیرۃ ابنِ ہشام ج۔۲)

صحیح مسلم میں ہے کہ برّہ نام میں بدفالی تھی اس لیے حضور ﷺ نے یہ نام بدل کر جویریہ نیا نام رکھا۔ (صحیح مسلم ج۲ص۲۳۱)

جب صحابۂ کرام کو معلوم ہوا کہ جویریہ حَرَمِ نبوی میں داخل ہوگئی ہیں تو انہوں نے قرابتِ نبوی کا پاس کرتے ہوئے تمام اسیرانِ جنگ رہا کردیے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ اس موقع پر بنومصطلق کے سَو خاندان آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔ علامہ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ بنومصطلق کے تمام قیدیوں کی آزادی حضرت جویریہؓ کا حق مہر قرار پائی تھی۔ (طبقات ج۸ص۸۴)

ابنِ اثیرؒ نے اس واقعہ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول نقل کیا ہے:

"میں نے جویریہ سے بڑھ کر کسی عورت کو اپنی قوم کے لیے باعثِ برکت نہیں پایا۔" (اُسدُ الغابہ ج۵ص۴۲۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض اربابِ سیَر نے حضور ﷺ سے حضرت جویریہؓ کے نکاح کا واقعہ ایک اور صورت میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضرت جویریہؓ کے والد کو خبر ملی کہ ان کی بیٹی لونڈی بنالی گئی ہے تو وہ بہت سا مال اسباب اونٹوں پر لاد کر بیٹی کی رہائی کے لیے عازمِ مدینہ ہوا۔ راستے میں دو اونٹ جو اسے بہت پسند تھے، عقیق کے مقام پر کسی گھاٹی میں چھپا دیے اور باقی اونٹ اور مال اسباب لے کر مدینہ پہنچا۔ پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، آپ میری بیٹی کو قید کر لائے ہیں، میں اپنے قبیلے کا سردار اور رئیسِ عرب ہوں، میری بیٹی کا کنیز بننا ہمارے لیے سخت ذِلّت کا باعث ہے آپ یہ سب مال اسباب لے لیں اور اسے آزاد کر دیں۔

حضور ﷺ کو غیب (وحی) کے ذریعے اطلاع ملی کہ یہ شخص دو اونٹ چھپا آیا ہے۔ آپؐ نے حارث سے دریافت کیا، دو اونٹ جو تم چھپا آئے ہو وہ کہاں ہیں؟ حارث یہ سن کر حیران رہ گیا۔ اسی وقت حضور ﷺ کے قدم چومے اور بطیبِ خاطر اسلام قبول کر لیا یوں ان کو شرف صحابیت حاصل ہو گیا۔ ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ حارثؓ کے ساتھ ان کے دو بیٹوں اور ان کی قوم کے کچھ اور آدمیوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

جب انہیں بتایا گیا کہ جویریہ لونڈی نہیں بلکہ حرمِ نبوی میں داخل کر لی گئی ہیں تو وہ بے حد مسرور ہوئے اور شاداں وفرحاں بیٹی سے مل کر گھر واپس گئے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جب حارث نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی بیٹی کی رہائی کے لیے درخواست کی تو حضور ﷺ نے فرمایا، بہتر یہ ہے کہ اس معاملے کو تمہاری بیٹی کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ حارث نے کہا، ٹھیک ہے میں اپنی بیٹی سے بات کرتا ہوں۔ پھر وہ بیٹی سے ملے اور ان سے کہا، تیری رہائی کو محمد (ﷺ) نے تیری مرضی پر رکھا ہے، دیکھنا مجھے رسوا نہ کرنا۔ انہوں نے کہا، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان سے چار سَو درہم حق مہر پر نکاح کر لیا۔ (سیرۃ ابنِ ہشام، اُسدُ الغابہ، صحابیات، سیر الصحابیات)

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ حارث نے بیٹی کا زرِ فدیہ ادا کر دیا اور جب وہ آزاد ہو گئیں تو حضور ﷺ نے (جویریہ کی اپنی اور حارث کی مرضی سے) ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔

(طبقات ج۸ص۸۴)

راس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ کی فتنہ انگیزی:

بنومُصطلق کی سرکوبی کے بعد رسولِ اکرم ﷺ مُریسیع سے مُتّصِل بستی میں چند روز کے لیے ٹھہر گئے۔ وہاں کے اثنائے قیام میں ایک دن پانی کی تقسیم پر دو صاحبوں میں تلخ کلامی ہو گئی۔ ان میں سے ایک مہاجر تھے اور ایک انصاری۔ ابنِ ہشام کی روایت کے مطابق مہاجر کا نام جہجاہؓ بن مسعودِ غِفاری تھا۔ وہ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملازم تھے اور ان کا گھوڑا سنبھالا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے تھے۔ دوسرے صاحب کا نام سنان بن وبرالجہنی تھا وہ خزرج کی ایک شاخ کے حلیف تھے اسی بناء پر انصاری کہلاتے تھے۔ دونوں میں جھگڑا اتنا بڑھا کہ ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ گئی۔ اس کشمکش میں حضرت جہجاہؓ نے حضرت سنانؓ کے ایک لات رسید کر دی (بروایتِ دیگر انہوں نے سنان کی نشست گاہ پر طمانچہ مار دیا) انصار کے نزدیک کسی سے اس طرح کی مار کھانا بڑے ننگ کی بات تھی چنانچہ سنانؓ نے اپنی مدد کے لیے انصار کو پکارنا شروع کر دیا۔ جہجاہؓ نے اپنے آپ کو خطرے میں دیکھا تو انہوں نے مہاجرین کو آواز دی کہ میری مدد کو پہنچو، انصار مجھے مارے ڈالتے ہیں۔ راس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ بھی اس موقع پر موجود تھا۔ وہ ہر وقت کسی ایسی بات کی تلاش میں رہتا تھا جو مسلمانوں میں افتراق اور انتشار پیدا کر سکے۔ جہجاہؓ اور سنانؓ کے جھگڑے نے اس کو مہاجرین اور انصار کے درمیان مناقشت پیدا کرنے کا نادر موقع فراہم کر دیا۔ وہ چاہتا تو فریقین کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کر سکتا تھا لیکن اسلام دشمنی اس کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی اس نے اس معمولی سے واقعہ کو خوب ہوا دی اور انصار کو اشتعال دلا کر سنانؓ کی مدد کے لیے اُبھارا۔ دوسری طرف سے کچھ مہاجرین بھی تلواریں سونت کر نکل آئے۔ قریب تھا کہ مہاجرین اور انصار آپس میں لڑ پڑتے کہ سرورِ عالم ﷺ کے سمعِ مبارک تک ان اصحاب کے شور و غل کی آواز پہنچ گئی۔ آپ فوراً اپنے خیمۂ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ لوگ حضور ﷺ کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ آپؐ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا:

مَابَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ؟ مَالَكُمْ وَلِدَعْوَةِ الْجَاهِلِيَّةِ؟ دَعُوْهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ یہ جاہلیت کی دہائی کیسی؟ تم لوگوں کا جاہلیت کی اس دہائی سے کیا واسطہ۔ اسے چھوڑو یہ بہت گندی چیز ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد سُن کر دونوں طرف کے کچھ اصحاب آگے بڑھے اور سنانؓ اور جہجاہؓ کو گلے ملوا دیا۔ اس طرح معاملہ رفع دفع ہو گیا لیکن ابنِ اُبیّ اور اس کے ساتھی منافقین کو اس معاملے کا اس طرح دب جانا پسند نہ آیا۔ وہ آپس میں سر جوڑ کر بیٹھے تو ابنِ اُبیّ نے اپنے دل کے جلے پھپھولے یوں پھوڑے:

> ”یہ سب کچھ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ تم لوگوں نے خود انہیں اپنے ہاں لا کر بسایا، اُن پر اپنے مال تقسیم کیے یہاں تک کہ وہ پَر پُرزے نکال کر اب ہمارے ہی منہ آنے لگے ہیں۔ ہماری اور ان کنگلوں (مہاجرین) کی مثال تو ایسی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرتا کہ تجھی کو پھاڑ کھائے۔ اگر تم لوگ مہاجرین کی امداد اور اعانت سے دستکش ہو جاؤ تو وہ خود ہی مدینہ چھوڑ دیں گے۔ خدا کی قسم مدینے واپس جا کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو شہر سے نکال باہر کرے گا۔“

اس موقع پر اتفاق سے ایک سچے مسلمان حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہُ بھی موجود

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ وہ اس وقت ایک کم عمر لڑکے تھے۔ عبداللہ بن اُبَیّ کی خرافات سن کر اُن کا خون کھول اٹھا۔ وہ دوڑے دوڑے اپنے چچا حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہٗ کے پاس گئے اور سارا واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا۔ ان کو بڑی غیرت آئی۔ فوراً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عبداللہ بن اُبَیّ نے جو بکواس کی تھی، اُس کا ذکر کیا۔ آنحضور ﷺ نے حضرت زیدؓ بن ارقم کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے وہی باتیں دہرائیں جو اپنے چچا سے کہہ چکے تھے۔

اب حضور ﷺ نے ابن اُبَیّ کو بلا کر پوچھا کہ کیا تم نے یہ اور یہ باتیں کہی ہیں؟ وہ صاف مُکر گیا اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ باتیں ہرگز نہیں کہیں۔ انصار نے اس کی قسموں پر یقین کر لیا اور خیال کیا کہ شاید لڑکے کو وہم ہوا ہو۔ ایک لڑکے کی بات ایک بزرگ آدمی کے مقابلے میں کوئی وزن نہیں رکھتی۔ چنانچہ انصار کے بڑے بوڑھے اور خود زیدؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن رواحہ حضرت زیدؓ پر ناراض ہوئے کہ تم نے خواہ مخواہ حضور ﷺ سے ابنِ اُبَیّ کے خلاف ایسی بے بنیاد شکایت کی ہے حضرت زیدؓ دل گرفتہ ہو کر اپنی قیام گاہ پر جا کر سو رہے۔ ادھر رحمتِ الٰہی کو جوش آ گیا اور رسولِ اکرم ﷺ پر سورۃ المُنٰفِقُوْن نازل ہوئی جس میں حضرت زیدؓ کی تصدیق کی گئی تھی اور منافقین کا کچا چٹھا کھول کر بیان کر دیا گیا تھا۔ [1]

حضور ﷺ نے اُسی وقت حضرت زیدؓ بن ارقم کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوئے تو آپؐ نے اُن کے سامنے سورۃ المُنٰفِقُوْن کی آیات پڑھیں اور پھر ہنستے ہوئے ان کا کان پکڑ کر فرمایا ''لڑکے کا کان سچا تھا، اللہ نے خود اس کی تصدیق فرما دی۔''

حضرت عُمرِ فاروقؓ کو ابنِ اُبَیّ کی اس حرکت پر سخت غصہ آیا۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

> ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ اجازت دیں تو میں اس منافق کا سر اڑا دوں اور اگر آپ یہ مناسب نہ سمجھیں تو انصار میں سے معاذؓ بن جبل، عبادؓ بن بشر، محمدؓ بن مُسلمہ یا کسی اور کو حکم دیں کہ وہ اس کا کام تمام کر دیں۔''

رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا۔ ''نہیں ایسا مت کرو لوگ کہیں گے کہ مُحَمَّد اپنے ساتھیوں ہی کو قتل کرا رہا ہے۔''

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے بعد ابنِ اُبَیّ کے فرزند حضرت عبداللہؓ جو

---

[1] اس آیت میں عبداللہ بن ابی کی بکواس کی طرف واضح اشارہ ہے یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ط (المُنٰفِقُوْن آیت ۸)

ترجمہ: یہ (منافقین) کہتے ہیں کہ ہم مدینہ واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔

سورۃ المُنٰفِقُوْن کے محلِ نزول کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ یہ سورۃ مریسیع کے پڑاؤ میں نازل ہوئی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ مراجعتِ مدینہ کے سفر کے دوران میں نازل ہوئی اور تیسری روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد نازل ہوئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہایت مخلص صحابی تھے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

> ”یا رسولَ اللہ! میرے باپ نے آپ کو ذلیل کہا خدا کی قسم وہ خود ذلیل ہے۔ اگرچہ تمام خزرج میں مجھ سے بڑھ کر کوئی اپنے باپ کا اطاعت گزار نہیں لیکن آپ حکم دیں تو میں ابھی جا کر اس کا سر قلم کیے دیتا ہوں۔ کوئی دوسرا اسے قتل کرے گا تو شاید میرے دل میں انتقام کا جذبہ بیدار ہو جائے اور میری آخرت برباد ہو جائے۔“

رحمتِ عالم ﷺ نے اُن کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت عُمرؓ فاروقؓ کو دیا تھا لیکن اُن کے دل میں باپ کے خلاف کھٹک پیدا ہو گئی۔ اُدھر ابنِ اُبیّ کی ڈھٹائی کی یہ کیفیت تھی کہ جب انصار نے اس سے کہا کہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے معافی مانگو تو اس نے جھلا کر جواب دیا۔ ”تم نے کہا محمد ﷺ پر ایمان لاؤ، میں نے تمہاری بات مان لی، تم نے کہا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ دو، میں نے زکوٰۃ بھی دے دی کیا اب تم یہ چاہتے ہو کہ محمد ﷺ کو سجدہ کروں“

ابنِ اُبیّ کے جواب سے انصار میں اس کے خلاف عام ناراضی پھیل گئی۔ ناراض اصحاب میں اس کے فرزند حضرت عبداللہؓ پیش پیش تھے۔ واپسی سفر کے اختتام پر جب لشکرِ اسلام مدینہ منورہ میں داخل ہونے لگا تو حضرت عبد اللہؓ نے تلوار سونت لی اور باپ کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے پھر اس سے مخاطب ہو کر کہا:

> ”تم نے کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر عزّت والا ذلیل کو نکال دے گا اب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عزّت تمہاری ہے یا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی۔ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر میں تمہیں مدینہ میں ہرگز داخل نہ ہونے دوں گا۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضرت عبد اللہؓ نے ابنِ اُبیّ سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ تم اپنے ذلیل ہونے اور محمد ﷺ کے عزیز ہونے کا اقرار کرو۔

صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو، حضرت عبد اللہؓ نے بڑی سختی کے ساتھ منافق باپ کو مدینہ میں داخل ہونے سے روکا اس پر ابنِ اُبیّ چیخنے چلانے لگا کہ خزرج کے لوگو! دیکھو میرا بیٹا ہی مجھے مدینہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے۔“ حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے حضرت عبد اللہؓ کو کہلا بھیجا کہ اپنے باپ کو گھر آنے دو۔ حضرت عبد اللہؓ نے ارشادِ نبویؐ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور یہ کہہ کر باپ کے راستے سے ہٹ گئے ”رسول اللہ کا حکم ہے اس لیے اب تم شہر میں داخل ہو سکتے ہو۔“

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت عبد اللہؓ نے باپ کا راستہ روکا ’سرورِ عالم ﷺ پیچھے تشریف لا رہے تھے۔ آپؐ نے باپ بیٹے کی گفتگو سنی تو حضرت عبد اللہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا ”اِن کو چھوڑ دو، خدا کی قسم جب تک یہ ہمارے درمیان موجود ہیں ہم ان سے اچھا سلوک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کریں گے۔"

واقعۂ اِفک:

www.KitaboSunnat.com

اوپر ذکر آچکا ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کے سفر میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضورﷺ کے ہمراہ تھیں۔ واپسی کے سفر میں ایک جگہ رات کو قافلے نے پڑاؤ ڈالا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ رفع حاجت کے لیے پڑاؤ سے دُور نکل گئیں۔ وہاں ان کے گلے کا ہار جو وہ اپنی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مانگ کر لائی تھیں، بے خبری کے عالم میں گر گیا۔ واپسی پر پتا چلا تو بہت مضطرب ہوئیں پھر اسی سمت واپس گئیں۔ خیال تھا کہ قافلے کے چلنے سے پہلے ہار ڈھونڈ کر واپس پہنچ جائیں گی لیکن جب ہار ڈھونڈ کر پڑاؤ پر پہنچیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ بہت گھبرائیں۔ ناتجربہ کاری کی عمر تھی۔ چادر اوڑھ کر اس خیال سے وہیں لیٹ گئیں کہ آگے جا کر جب اہلِ قافلہ مجھے ہودج میں نہیں پائیں گے تو یقیناً ڈھونڈتے ہوئے پیچھے آئیں گے۔

حضرت صفوانؓ بن معطل ایک صحابی کسی انتظامی ضرورت کے سلسلے میں قافلے سے پیچھے رہ گئے تھے ایک روایت کے مطابق خود حضورﷺ نے انہیں فوج کے پچھلے حصے (ساقہ) میں اس خدمت پر مامور کیا تھا کہ وہ گری پڑی چیزوں اور بھولے بھٹکے آدمیوں کو ساتھ لے لیا کریں۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کو پہچان لیا کیونکہ بچپن میں یا حکمِ حجاب سے پہلے انہیں دیکھا ہوا تھا۔ ان سے پیچھے رہ جانے کا سبب پوچھا۔ جب واقعہ معلوم ہوا تو ہمدردی کا اظہار کیا پھر ان کو اونٹ پر بٹھا کر اس کی نکیل پکڑی اور بسرعتِ تمام قافلے کی طرف روانہ ہوئے۔ دوپہر کے وقت وہ قافلہ میں جا ملے۔

عبداللہ بن اُبَیّ کو اس واقعہ کا پتا چلا تو اس بدبخت نے اُمّ المؤمنینؓ کے بارے میں مشہور کر دیا کہ اب وہ پاکدامن نہیں رہیں کیونکہ انہوں نے رات ایک غیر شخص کے ساتھ گزاری (معاذ اللہ)۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بہتان طرازی کا علم نہ ہوا۔

مدینے پہنچ کر حضرت عائشہؓ بیمار ہو گئیں اور ایک مہینے تک چارپائی پر پڑی رہیں۔ اس دوران میں منافقوں نے اس بہتان کو شہر میں خوب پھیلایا۔ یہاں تک کہ تین سادہ لوح مسلمان بھی اس تہمت کو سچ سمجھ بیٹھے۔ یہ تھے حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت مِسطحؓ بن اثاثہ اور حضرت حَمنہ بنتِ جَحش۔

آنحضورﷺ کے کانوں تک یہ بات پہنچی تو آپؐ کے لیے بڑی پریشانی کا باعث ہوئی۔ اس پریشانی کے عالم میں آپ گھر تشریف لاتے تو تیمارداروں سے صرف اتنا پوچھ لیتے کہ یہ (عائشہؓ) کیسی ہیں؟ خود حضرت عائشہؓ سے کوئی بات نہ کرتے۔ اس سے ان کو شک ہوتا کہ حضورﷺ کے عدمِ التفات کی کوئی وجہ ضرور ہے۔ یہ وجہ کیا ہے؟ اس کی انہیں کوئی خبر نہیں تھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ کے عدم التفات کا صدمہ علالت پر مستزاد تھا جس نے انہیں اور بھی مضمحل کر دیا یہاں تک کہ حضور ﷺ سے اجازت لے کر وہ اپنے میکے چلی گئیں تا کہ والدہ ان کی تیمارداری اچھی طرح کر سکیں۔ جلد ہی حضرت عائشہؓ کو اس بہتان کا علم ہو گیا۔ یہ علم کیسے ہوا؟ خود حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ''ایک روز رات کو میں رفعِ حاجت کے لیے مدینہ سے باہر گئی۔ اس وقت تک ہمارے گھروں میں بیت الخلاء نہ تھے اور ہم لوگ جنگل میں جایا کرتے تھے۔ میرے ساتھ مِسطح بن اثاثہ کی والدہ بھی تھیں یہ میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں۔ راستے میں ان کو ٹھوکر لگی اور اچانک ان کی زبان سے نکلا ''غارت ہو مِسطح'' میں نے کہا، کیسی ماں ہو جو بیٹے کو بددعا دیتی ہو اور بیٹا بھی وہ جو بدری صحابی ہے۔ اُمِ مِسطح نے کہا، بیٹی! کیا تمہیں خبر نہیں وہ کیا کہتا پھرتا ہے؟ میں نے کہا، نہیں، مجھے علم نہیں۔ اُمِ مِسطحؓ نے بہتان طرازی کی ساری تفصیل بیان کی۔ اسے سن کر میرا خون خشک ہو گیا، رفعِ حاجت کو بھی بھول گئی اور رنج و غم سے نڈھال گھر لوٹی۔''

تہمت کا علم ہونے پر حضرت عائشہؓ کے رنج والم کی کوئی انتہا نہ رہی ان کی راتوں کی نیند اُڑ گئی اور سارا وقت رونے دھونے میں گزرنے لگا۔ اُدھر رسولِ اکرم ﷺ نے اس فتنے کی باقاعدہ تحقیق فرمائی۔ اس سلسلے میں حضرت عُمرِ فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت اُسامہ بن زیدؓ، حضرت اُمِ ایمنؓ، حضرت بریرہؓ، حضرت زینب بنتِ جَحشؓ اور دوسرے متعدد صحابہ و صحابیات نے شہادت دی کہ حضرت عائشہ نہایت عِفت مآب اور پرہیز گار ہیں اور جن لوگوں نے اس فتنے کی بنیاد رکھی ہے وہ نہایت شریر النفس منافق اور آپ کے دشمن ہیں۔ جن دو تین مسلمانوں نے ان کی باتوں پر یقین کر لیا ہے وہ محض اپنی سادہ لوحی کی بناء پر اس فتنے میں پڑ گئے ہیں اور جس شخص (صفوانؓ بن معطل) کو اُمُّ المؤمنینؓ کے ساتھ بہتان میں شامل کیا گیا ہے وہ نہایت متقی اور مخلص مسلمان ہے یقیناً وہ اس الزام سے بری ہے۔ فی الحقیقت حضور ﷺ کو خود بھی یقین تھا کہ اس سلسلے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ بہتان اور افتراء کے سوا کچھ نہیں چنانچہ آپؐ نے مسجدِ نبویؐ میں مسلمانوں کے سامنے خطبہ دیا جس میں فرمایا:

> ''مسلمانو! کون ہے جو اس شخص کے حملوں سے میری عزت بچائے جس نے میرے اہلِ خانہ پر الزام تراشی کر کے مجھے اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی واللہ میں نے نہ تو اپنی اہلیہ میں کوئی برائی دیکھی ہے اور نہ اُس شخص میں جس کے بارے میں تہمت لگائی جا رہی ہے۔ وہ تو کبھی میری عدم موجودگی میں میرے گھر بھی نہیں آیا۔''

اس خطبے میں آپ کا واضح اشارہ عبد اللہ ابنِ اُبیّ کی طرف تھا جو اس بہتان طرازی کا ذمہ دار تھا۔ اس کے حملوں سے نجات دلانے کا ذمہ لینے کے سوال پر رئیسِ اوس حضرت اُسیدؓ بن حُضَیر اور رئیسِ خزرج حضرت سعدؓ بن عُبادہ کے درمیان مسجدِ نبویؐ ہی کے اندر تلخ کلامی ہو گئی (ابنِ اُبیّ کا مقصد بھی یہی تھا کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے) لیکن حضور ﷺ نے منبر سے اتر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر فریقین کو ٹھنڈا کیا اور تلخی کو بڑھنے نہ دیا۔

اب وقت آ گیا تھا کہ اس معاملے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہو۔ اس کی تقریب یوں ہوئی کہ حضور ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہؓ وہیں تھیں اور اپنے اوپر بہتان کا علم ہونے پر ان کو روتے ہوئے دو راتیں اور ایک دن گزر چکا تھا۔ حضور ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کے والدین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت اُمِ رومانؓ کو احساس ہوا کہ آج کوئی فیصلہ کن بات ہو کر رہے گی وہ بھی حضور ﷺ کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

"عائشہؓ! مجھے تمہارے بارے میں یہ اور یہ خبریں پہنچی ہیں اگر تم بے گناہ ہو تو مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ تمہاری برأت ظاہر فرما دے گا اور اگر واقعی تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔"

یہ سن کر، خود حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق ان کے آنسو یکدم خشک ہو گئے انہوں نے اپنے والدین سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بات کا جواب دیں مگر دونوں نے فرمایا کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم حضور ﷺ کو کیا جواب دیں۔

اب حضرت عائشہؓ یوں گویا ہوئیں:

"آپ لوگوں کے کانوں میں ایک بات پڑ گئی ہے اور دلوں میں بیٹھ چکی ہے اس لیے اگر میں یہ کہوں کہ میں اس تہمت سے بری ہوں اور اللہ گواہ ہے کہ میں بری ہوں تو آپ لوگ نہ مانیں گے اور اگر میں خواہ مخواہ ایک ایسی بات کا اعتراف کر لوں جس سے میرا دامن بالکل پاک ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میرا دامن بالکل پاک ہے، تو آپ لوگ صحیح مان لیں گے۔ ایسی صورت میں میرے لیے اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ میں وہی بات کہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کہی تھی:"

"فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ" (صبر ہی بہتر ہے)

یہ کہہ کر حضرت عائشہؓ لیٹ گئیں اور دوسری طرف کروٹ لی۔ اُن کا بیان ہے کہ میں اس وقت اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ میری بے گناہی سے خوب واقف ہے وہ ضرور سچی بات ظاہر کر دے گا اگرچہ یہ بات میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھی کہ میرے حق میں وحی نازل ہوگی جو قیامت تک پڑھی جائے گی میں اپنی ذات کو اس سے کم تر سمجھتی تھی کہ اللہ خود میری طرف سے گویا ہو۔ میرا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ تعالیٰ میری بیگناہی ظاہر کر دے گا اتنے میں یکا یک رسول اللہ ﷺ پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو نزولِ وحی کے وقت ہوا کرتی تھی یہاں تک کہ سخت سردی میں بھی آپ کے چہرے سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ ہم سب خاموش ہو گئے۔ میں تو بالکل بے خوف تھی لیکن میرے والدین کی عجیب حالت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ خوف سے ان کے چہروں کا رنگ فق تھا کہ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے یعنی اللہ کیا حقیقت کھولتا ہے۔ (اُس وقت رسول اللہ ﷺ پر سورۂ نور کی آیت ۱۱ تا ۲۱ کا نزول ہو رہا تھا۔ اللہ نے آغازِ کلام ہی میں حضرت عائشہؓ پر لگائے گئے الزام کو بہتان قرار دیا)۔

وحی کا آغاز ان آیتوں سے ہوا:

إِنَّ الَّذِينَ جَآءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۱) لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ۔ (سورۂ نور ۱۱۔۱۲)

ترجمہ: ''جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک گروہ ہے اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے۔ ان میں سے جس شخص نے جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ اپنے سر لیا اور جس نے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کے لیے تو عذاب عظیم ہے جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سُنی تھی اسی وقت مومن مردوں اور مومن عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے۔''

جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو حضور ﷺ بے حد خوش تھے۔ آپؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، عائشہؓ! مبارک ہو۔

اللہ تعالیٰ نے تمہاری براءت نازل فرمادی۔ پھر آپؐ نے سورۂ النور کی آیات گیارہ تا اکیس سنائیں۔ اس موقع پر حضرت عائشہؓ کی والدہ حضرت اُمِ رومانؓ نے ان سے کہا، بیٹی! اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (قدرے ناز کے انداز میں) کہا، میں نہ اُن (حضور ﷺ) کا شکریہ ادا کروں گی اور نہ آپ دونوں کا بلکہ صرف اللہ کا شکر کروں گی جس نے میری براءت نازل فرمائی۔

اس کے بعد تہمت لگانے کے جرم میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنتِ جحش رضی اللہ عنہم پر حدِ شرعی جاری کی گئی۔ عبداللہ بن اُبیّ پر جو اس بہتان طرازی میں سرِفہرست تھا، حدِ شرعی جاری ہوئی یا نہیں اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ عام طور پر یہی بیان کیا جاتا ہے کہ اس پر بوجوہ حد جاری نہیں کی گئی [۱] البتہ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے امام حاکمؒ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن اُبیّ پر بھی حد جاری کی گئی تھی۔ [۲]

(الرحیق المختوم ص ۵۴۲)

---

۱ ایک قول کے مطابق ابنِ اُبیّ پر حد اس لیے جاری نہیں کی گئی کہ وہ تہمت اپنی طرف سے نہیں لگاتا تھا بلکہ یہ کہتا تھا کہ دوسرے لوگ یوں کہتے ہیں۔ (عبداللہ بن اُبیّ مؤلفہ ابن عبدالشکور بحوالہ سیرتِ حلبیہ)

۲ مولانا زاہد القادری مرحوم نے اپنی تالیف ''رسالت نامہ'' میں ''فتح الباری'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ عبداللہ بن اُبیّ پر بھی حد جاری ہوئی۔ واللہ اعلم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہلِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ اور ان کے اہلِ خاندان بہت غریب تھے اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اس پورے خاندان کی کفالت اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے (سورۂ نور) میں میری برأت نازل فرمائی تو (میرے والد) حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھالی کی وہ آئندہ مسطحؓ کی کوئی امداد نہ کریں گے کیونکہ انہوں نے نہ رشتہ داری کا کوئی لحاظ کیا اور نہ اُن احسانات کا کوئی خیال کیا جو وہ ساری عمر ان پر اوران کے خاندان پر کرتے آئے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (سورۂ نور آیت۔۲۲)

ترجمہ: ”تم میں سے جو لوگ صاحبِ فضل اور صاحبِ مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے انہیں معاف کردینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے۔

اس کو سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے فوراً کہا:

بَلٰى وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاُحِبُّ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِيْ. ”کیوں نہیں، خدا کی قسم میں تو اسے پسند کرتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف فرمائے۔“ (سیرۃ ابنِ ہشام ج ۲ ص ۳۶۲)

سننِ بیہقی اور تفسیر ابنِ کثیر میں ہے کہ یہ آیت سن کر حضرت ابوبکرؓ نے فوراً اپنی قسم توڑ دی اور کفّارہ ادا کیا اور پھر سے حضرت مسطحؓ کی مالی مدد کرنے لگے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ پہلے سے زیادہ حضرت مسطحؓ پر احسان کرنے لگے۔

اس آیۃ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسطحؓ کی لغزش معاف فرمادی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی حکم دیا کہ وہ ان کی خطا معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں۔ حق تعالیٰ کو یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ صاحبِ مقدرت لوگ اس لغزش کی بناء پر (جس کو اُس نے معاف فرمادیا) اپنے رشتہ دار مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد کرنا بند کردیں۔ حضرت مسطحؓ سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے رشتہ دار بھی تھے، مسکین بھی تھے اور مہاجر فی سبیل اللہ بھی تھے۔ گویا یہ آیۃ خاص حضرت مسطحؓ کی خاطر نازل ہوئی البتہ ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض دوسرے صحابہ نے بھی قسم کھا کر اپنے ایسے رشتہ داروں کی امداد سے ہاتھ روک لیا تھا جنہوں نے اس بہتان کے پھیلانے میں حصہ لیا تھا اس آیۃ کے نزول کے بعد ان سب نے اپنے عہد سے رجوع کرلیا اس طرح وہ تلخی بالکل ختم ہوگئی جو اس فتنے نے پھیلادی تھی۔ (تفہیم القرآن جلد سوم ص ۳۷۲)

اس فتنے کے خاتمہ کے بعد مسلمان معمول کے مطابق اُسی جوش اور ولولۂ کار کے ساتھ اپنے اُن عظیم کاموں کی تکمیل میں مشغول ہوگئے جن پر نہ صرف ان کی بلکہ پوری انسانیت کی فلاح وکامرانی کا انحصار تھا۔ (نبیِ رحمت ص ۲۷۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ اُحزاب یا غزوۂ خندق

(شوال ۵ ہجری)

"اُحزاب" حزب کی جمع ہے۔ حزب کا مطلب ہے گروہ، جماعت، جتھا۔ اس غزوے میں عرب کے بہت سے دشمنِ اسلام قبیلے متحد ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تھے اس لیے اس کو غزوۂ احزاب کہا گیا۔ قرآنِ حکیم کی تینتیسویں سورت کا نام "اَلْاَحْزَاب" ہے اور یہ نام اس کی بیسویں آیت سے ماخوذ ہے۔ غزوۂ خندق اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ اہلِ حق نے مدینہ منورہ کے دفاع کے لیے شہر کی کھلی جانب (شمال میں) ایک طویل و عریض گہری خندق کھودی۔ "خندق" فارسی لفظ کندہ یا خندک اور کندک کا معرّب ہے عرب میں اس نوعیت کی دفاعی کارروائی اس سے پہلے کبھی نہیں کی گئی تھی۔

بعض اہلِ سیر و مغازی (موسیٰ بن عقبہ، ابنِ حزم، ابنِ خلدون) نے اس غزوے کا سالِ وقوع ۴ ہجری بیان کیا ہے لیکن جمہور اربابِ سیر کے نزدیک یہ ۵ ہجری میں پیش آیا۔ اسی طرح بعض اہلِ سیر نے کہا ہے کہ یہ ذیقعدہ ۵ ہجری میں پیش آیا لیکن صحیح ترین قول یہ ہے کہ دشمنوں نے مدینہ منورہ کا محاصرہ شوّال ۵ ہجری میں شروع کیا اور ذیقعدہ ۵ ہجری میں وہ محاصرہ اٹھا کر بھاگ گئے [1] اس غزوے کی تفصیل یہ ہے:

یہودیوں کی سازش:

۴ ہجری میں یہودِ بنی نضیر مدینہ منورہ سے نکلنے کو تو نکل گئے مگر خیبر پہنچ کر انہوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے سارے عرب میں سازشوں کا جال پھیلا دیا۔ سب سے پہلے ان کا بیس یا چوبیس عمائد پر مشتمل ایک وفد خیبر سے مکہ پہنچا۔ اس میں سلام بن ابی الحُقَیق، سلام بن مشکم، کنانہ بن ربیع اور حُیَیّ بن اَخطب جیسے چوٹی کے سردارانِ یہود شامل تھے۔ ان لوگوں نے مشرکینِ قریش کو اُکسایا کہ تم مدینہ پر حملہ کرو ہم تمہاری پوری مدد کریں گے۔ قریش نے یہودیوں کی تجویز منظور کر لی اور مدینہ پر یلغار کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

پھر یہ وفد بنو غطفان کے پاس پہنچا اور ان کو اس پیشکش کے بدلے میں مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کے لیے آمادہ کر لیا کہ ہم خیبر کے باغات کی پورے سال بھر کی کھجور کی فصل تمہیں دیں گے۔ بنو غطفان میں ان کی شاخیں فزارہ، اشجع اور مُرّہ وغیرہ سبھی شامل تھیں۔ انکے علاوہ

[1] سیرۃ ابنِ ہشام جلد۲ ص۲۱۴۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد جلد۳ ص۷۹ ۔ فتح الباری شرح البخاری جلد۷ ص۳۱۵، بذل القوۃ (غزوات/ ۵ھ)، سیرۃ النبی شبلیؒ جلد۱ ص۴۱۹ ، نبیِّ رحمت حصہ اول ص۲۴۹۔ تفہیم القرآن ج۴ تفسیر سورۃ الاحزاب۔ الرّحیق المختوم (اردو) ص۵۰۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہودیوں نے بنو سُلیم بنو سعد، بنو اسد اور بنو کنانہ وغیرہ متعدد دوسرے عرب قبائل کو بھی مدینہ منوّرہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار کرلیا۔

دُشمنانِ حق کا مُتّحدہ محاذ:

اگرچہ بعض قبائل کے درمیان مختلف نوعیت کے اختلافات تھے لیکن ''اسلام دشمنی'' ان سب میں قدرِ مشترک تھی چنانچہ انہوں نے اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃٌ' کے مصداق اپنے تمام اختلافات کو بھلا کر مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے متحدہ محاذ بنالیا۔ ان سب کی مجموعی تعداد باختلاف روایت ۲۴ ہزار بیس ہزار یا دس ہزار تھی۔ جمہور اربابِ سیَر نے دس ہزار والی روایتوں کو ترجیح دی ہے۔ تعداد کے بارے میں اختلاف کا سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں تو مشرک قبائل ہر طرف سے اُمڈ آئے اور ان کی مجموعی تعداد بیس چوبیس ہزار تک پہنچ گئی لیکن اکھڑ بدوی قبائل کو زیادہ عرصہ تک ایک جگہ باندھ کر نہیں رکھا جاسکتا تھا (بلکہ وہ خود ہی موسم کی شدت اور بعض دوسری مشکلات کی وجہ سے زیادہ دنوں تک ایک جگہ نہیں ٹک سکتے تھے) اس لیے بعض قبائل اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے اور مدینہ منورہ کا محاصرہ کرنے والے لشکر کی تعداد دس ہزار کے لگ بھگ رہ گئی۔

رسولِ اکرم ﷺ کا صحابہؓ سے مشورہ:

اُدھر مدینہ منوّرہ میں رسولِ اکرم ﷺ کو اپنے ذرائع سے دشمنانِ اسلام کی جنگی تیاریوں اور عزائم کے بارے میں پل پل کی خبریں مِل رہی تھیں۔ جونہی دشمنوں نے مدینہ منورہ پر یلغار کرنے کے لیے متحدہ محاذ بنایا، آپؐ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور اُن سے دفاعی اقدامات کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہُ نے عرض کیا، یارسولَ اللہ ﷺ! فارس میں جب ہم کو گھڑ سوار دشمن کے حملے کا خطرہ ہوتا تھا تو ہم اس کے مقابلے (اور اپنے دفاع کے لیے) خندقیں کھود لیتے تھے۔ مناسب ہوگا کہ ہم یہاں بھی یہ طریقہ اختیار کریں۔ حضور ﷺ نے یہ تجویز پسند کی اور حکم دیا کہ شہر کے شمال میں اتنی گہری اور طویل وعریض خندق کھودی جائے جسے دشمن عبور نہ کرسکے۔ [1]

---

[1] بعض سیرت نگاروں نے جمہور اہلِ سیر ومغازی کی روایت کے برعکس یہ قیاس آرائی کی ہے کہ خندق کھودنے کا فیصلہ حضور ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر نہیں کیا تھا بلکہ خود آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا اِلقا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے اس قیاس کی بنیاد ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب ''سیاسی وثیقہ جات'' میں شامل آنحضور ﷺ کے اس مکتوب پر رکھی ہے جو آپؐ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر ابوسفیان کے خط کے جواب میں بھیجا تھا۔ اس مکتوب کا ایک فقرہ اس طرح نقل ہوا ہے ''یہ (خندق کھودنے) کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وقت اِلقا کیا جب تمہارا اور تمہارے ہمراہیوں کا غیظ وغضب یہاں تک آپہنچا کہ تم لوگ مدینے کی اینٹ سے اینٹ بجانے پہ تُل گئے۔'' (سیاسی وثیقہ جات ص ۲۸) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خندق کی کھدائی:

مدینہ کے صرف شمالی جانب خندق کھودنے کا فیصلہ اس بناء پر کیا گیا کہ شہر کے جنوب مشرق اور مغرب میں لاوے کی چٹانیں (چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں) اور گھنے باغات تھے۔ دشمن کا ان باغات میں سے یا چٹانوں پر سے گزر کر شہر میں داخل ہونا امرِ محال تھا۔ صرف شمالی سمت کھلی تھی اور دشمن شمال میں واقع جبلِ اُحُد کے مشرقی اور مغربی گوشوں ہی کی طرف سے شہر پر حملہ کر سکتا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اسی جانب خندق کھدوائی اور اس کی حفاظت کے لیے جابجا فوجی چوکیاں قائم کر کے اور پہرے بٹھا کر شہر کے دفاع کا پختہ انتظام کر لیا۔ اس خندق کی لمبائی تقریباً ساڑھے تین میل، چوڑائی باختلافِ روایت پانچ یا نو گز اور گہرائی پانچ یا سات گز تھی۔ اسلامی لشکر تین ہزار مجاہدوں پر مشتمل تھا۔ ایک روایت کے مطابق ہر مجاہد کو دو دو ہاتھ یا دو دو ذراع (ایک گز) خندق کھودنے کا کام سپرد ہوا۔ (اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ ج ۱۹ ص ۱۹۳)

دوسری روایت یہ ہے کہ ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ (ذراع) خندق کھودنے کا کام سونپا گیا۔ اس کے مطابق بھی ہر آدمی کے حصے میں دو ہاتھ یا دو دو ذراع یعنی ایک گز کھدائی آتی تھی۔ (الرّحیق المختوم اردو ص ۴۹۱)

خندق کھودتے وقت اس میں سے جو مٹی نکلتی تھی کھدائی کرنے والے صحابہؓ اسے اپنی پیٹھوں پر لادتے تھے اور پھر اسے باہر لے جا کر ڈال دیتے تھے۔

(بخاری کتاب المغازی عن سہلؓ بن سعد)

خود رسولِ اکرم ﷺ بھی بہ نفسِ نفیس خندق کھودنے میں شریک تھے اور نہ صرف کھدائی بلکہ مٹی اٹھانے اور باہر پھینکنے کے کام بھی صحابۂ کرامؓ کے شانہ بشانہ انجام دے رہے تھے اس دوران میں آپ کا سینۂ مبارک اور شکمِ مبارک خاک سے چھپ جاتے تھے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ خندق سے مٹی ڈھوتے جاتے تھے اور عبداللہؓ بن رواحہ کے یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا — اے اللہ! اگر تیرا فضل نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

لیکن پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے اس مکتوب کی جو نقل اپنی کتاب ضیاء النبیؐ جلد چہارم میں علامہ مقریزیؒ اور احمد بن زینی دحلان کے حوالے سے شامل کی ہے اس میں یہ فقرہ موجود نہیں (ضیاء النبیؐ جلد چہارم ص ۳۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مکتوب کا متن مشکوک ہے اور اس پر انحصار کرنا مناسب نہیں۔ تاہم اس فقرے کو اس مکتوب کا حصہ سمجھ بھی لیا جائے تو یہ دو صورتیں بھی ہو سکتی ہیں کہ حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز کی تائید وحیِ الٰہی نے بھی کر دی ہو یا وحیِ الٰہی کے بعد حضرت سلمانؓ نے اپنے وطن کے رواج کا ذکر کیا ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا — نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے

فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا — پس ہم پر تسکین نازل فرما۔

وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا — اور اگر دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو جائے تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔

إِنَّ الْأُولٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا — بے شک ان لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے

وَ إِنْ أَرَادُوْا فِتْنَةً أَبَيْنَا — اور اگر وہ ہمیں فتنے میں ڈالنا چاہیں گے تو ہم ہرگز سرنگوں نہ ہوں گے۔

آخری لفظ اَبَیْنَا اَبَیْنَا کے ساتھ حضور علیہ السلام اپنی آواز کو بلند فرماتے تھے (یا یہ لفظ کھینچ کر پڑھتے تھے) (صحیح بخاری کتاب المغازی وکتاب الجہاد باب الرجز)

غزوۂ خندق کے ایّام میں سخت سردی پڑ رہی تھی اور شہر میں خوراک کی بھی قلّت تھی۔ زمین پتھریلی تھی اور صحابہ (مہاجرین وانصار) بھوک سے نڈھال تھے۔ پھر بھی وہ پورے انہماک سے خندق کھود رہے تھے۔ ایک دن رسول اللہ علیہ السلام صبح کے وقت خندق کی طرف تشریف لائے اور سخت سردی میں صحابہ کی مشقت اور بھوک کو دیکھا تو لسانِ رسالت پر یہ الفاظ آ گئے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَة

فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَ الْمُهَاجِرَة

یعنی اے اللہ! عیش تو درحقیقت آخرت کا عیش ہے

(اے اللہ) انصار اور مہاجرین کو بخش دے

حضور علیہ السلام کی اس دعا کے جواب میں مہاجرین وانصار نے کیف وسرور کے عالَم میں (آواز سے آواز ملا کر) یہ شعر پڑھا:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا

عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

"یعنی ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد علیہ السلام کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کی ہے کہ جب تک ہم باقی (زندہ) ہیں ہمیشہ جہاد کرتے رہیں گے۔"

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۹)

خوراک کی قلّت کی وجہ سے صحابہؓ کی بلاکشی اور صبر کا اندازہ صحیح بخاری میں حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے:

"لوگ (خندق کھودنے میں مصروف مجاہدین کے پاس) دو مٹھی جَو لاتے تھے پھر وہ جَو بُو دیتے ہوئے روغن میں پکائے جاتے تھے اور قوم کے سامنے رکھ دیے جاتے تھے۔ ان کا ذائقہ حلق کو ناگوار معلوم ہوتا تھا اور ان سے بدبو بھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آتی تھی (تاہم پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے انہیں نگلنا ہی پڑتا تھا۔)
(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۸)

حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کا شکوہ کیا اور اپنے شکم کھول کر دکھائے جن پر ہم نے بھوک کی وجہ سے ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے شکم پر سے کپڑا اٹھایا۔ ہم نے دیکھا کہ اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۸۸)

عظیم الشان فتوحات کی خبر:

حضرت براء بن عازب انصاری رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ خندق کی کھدائی کے دوران میں ایک نہایت سخت چٹان سامنے آ گئی اس پر کدال کام نہیں کرتی تھی۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس چٹان کے بارے میں عرض کیا۔ آپ تشریف لائے، خود کدال اٹھائی اور بسم اللہ کہہ کر چٹان پر ایک ضرب لگائی تو اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا اس وقت آپؐ نے فرمایا، اللہ اکبر مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں۔ پھر آپؐ نے دوسری ضرب لگائی تو چٹان کا دوسرا تہائی حصہ کٹ گیا۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا، اللہ اکبر مجھے فارس کی کنجیاں دی گئیں، واللہ میں مدائن کا سفید محل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں...... پھر آپؐ نے تیسری ضرب لگائی تو باقی ماندہ چٹان بھی پاش پاش ہوگئی۔ اب آپؐ نے فرمایا، اللہ اکبر مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں واللہ میں اس وقت یہاں سے شہر صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔

ایک اور روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ جب حضور ﷺ چٹان پر ضرب لگاتے تھے تو ایسی روشنی پیدا ہوتی تھی جیسے کسی نے گھُپ اندھیرے میں چراغ جلا دیا ہو۔ ایک روایت میں "اس موقع پر بجلی کی سی چمک پیدا ہوئی" کے الفاظ ہیں۔
(نبیِ رحمت حصہ اوّل ص ۲۵۳۔ ضیاء النبی جلد چہارم ص ۳۴۔ سیرۃ ابنِ ہشام (اردو) ج ۲ ص ۲۵۳ بروایت سلمان فارسیؓ)

سخت چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم لوگ خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت چٹان ہمارے سامنے آ گئی (جو کسی طرح ٹوٹنے میں نہ آتی تھی۔) لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ ایک چٹان (ایسی) نکل آئی ہے (جو کسی طرح نہیں ٹوٹتی اور ہمارا کام رک گیا ہے)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں خود آ کر اسے توڑتا ہوں۔ اس کے بعد آپؐ (سخت چٹان والی جگہ کی طرف) اس حال میں روانہ ہوئے کہ (بھوک کی وجہ سے) شکم پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ تین روز سے کسی نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ اسی حالت میں آپؐ نے وہاں پہنچ کر کدال چٹان پر ماری تو وہ ریزہ ریزہ ہوگئی (بالفاظِ دیگر بھُر بھُرے تودے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تبدیل ہوگئی) (صحیح بخاری ج ۲ص ۵۸۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاں دعوتِ طعام:

خندق کی کھدائی کے دوران میں ایک دن حضور علیہ کے ایک جاں نثار حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ حضور علیہ کو تین دن کا فاقہ ہے اور آپؐ نے شکمِ مبارک پر دو پتھر باندھ رکھے ہیں۔ تڑپ اٹھے۔ اُسی وقت حضور علیہ سے اجازت لے کر اپنے گھر گئے اور اپنی اہلیہ سے کہا، میں نے نبی علیہ کو انتہائی فاقہ کی حالت میں دیکھا ہے، تمہارے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے؟

اہلیہ نے کہا، میرے پاس کچھ جَو اور بکری کا ایک بچہ ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے تھیلی میں سے جَو نکالے جو مقدار میں صرف ایک صاع (تقریباً اڑھائی کلو) تھے اور انہیں پیس کر آٹا گوندھا حضرت جابرؓ نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور گوشت کو ہنڈیا میں ڈال کر چولھے پر رکھ دیا۔ پھر وہ حضور علیہ کو بلانے کے لیے چلے۔ اہلیہ نے کہا، مجھے رسول اللہ علیہ اور آپ کے صحابہ کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔ (یعنی زیادہ آدمیوں کو ساتھ نہ لانا کیونکہ کھانا تھوڑے سے آدمیوں کے لیے ہے)۔

حضرت جابرؓ حضور علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور راز داری کے ساتھ عرض کیا "یا رسول اللہ علیہ! ہم نے آپ کے لیے کھانے کا انتظام کیا ہے ایک دو آدمیوں کے ساتھ تشریف لے چلیے"

حضور علیہ نے پوچھا۔ "کتنا کھانا ہے؟

حضرت جابرؓ نے کھانے کی مقدار بتائی تو آپؐ نے فرمایا، یہ تو بہت ہے اور بڑا پاکیزہ ہے، جاؤ اور اپنی اہلیہ سے کہو کہ میرے آنے سے پہلے نہ ہنڈیا چولھے سے اتارے اور نہ روٹیاں پکائے۔ پھر حضور علیہ نے بآوازِ بلند فرمایا، اے خندق والو! جابر نے کھانا پکایا ہے لہٰذا جلدی (میرے ساتھ) اس کے ہاں چلو۔

حضرت جابرؓ (کھانے کی مقدار کے پیشِ نظر) کچھ پریشان سے ہوگئے۔ گھر جا کر جب بیوی کو بتایا کہ رسول اللہ علیہ تمام مہاجرین اور انصار کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں تو انہوں نے پوچھا، کیا آپ نے رسول اللہ علیہ کو کھانے کی مقدار بتا دی تھی؟ حضرت جابرؓ نے اثبات میں جواب دیا تو وہ یہ کہہ کر مطمئن ہوگئیں کہ فکر کی ضرورت نہیں سب کو آنے دیں اللہ اور اس کا رسول بہت بہتر جانتے ہیں۔

اتنے میں حضور علیہ تمام مہاجرین اور انصار کے ساتھ (جو آپ کی معیت میں خندق کھود رہے تھے) تشریف لے آئے۔ حضور علیہ نے گوندھے ہوئے آٹے اور ہنڈیا میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی پھر آپؐ نے حضرت جابرؓ کی اہلیہ سے فرمایا، کسی روٹی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پکانے والی کو بلا کر روٹیاں پکانے میں اس سے مدد لو اور ہنڈیا سے سالن بھی نکالتی جانا مگر اس کو ڈھانپے رکھنا۔ اس کے بعد کھانا کھلانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ دس بیس آدمی آتے تھے اور کھا کر اٹھ جاتے تھے۔ حضور ﷺ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ آپؐ اور تمام صحابہؓ نے سیر ہو کر کھانا کھایا لیکن پھر بھی بچ رہا۔ ہنڈیا سے اب بھی سالن ابل رہا تھا اور آٹے میں بھی کمی نہ ہوئی تھی حالانکہ ایک ہزار آدمی کھانا کھا چکے تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت جابرؓ کی اہلیہ سے فرمایا، اب تم خود بھی کھاؤ اور تحفۃً دوسروں کے ہاں بھی بھیجو کیونکہ سب بھوک میں مبتلا ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۸۔۵۸۹ صحیح مسلم کتاب الاشربہ)

خندق کی کھدائی مکمل ہوگئی:

رسولِ اکرم ﷺ اور آپؐ کے جاں نثاروں نے خندق کھودنے کا کام مسلسل جاری رکھا۔ دن بھر کھدائی میں مصروف رہتے اور شام کو اپنے گھروں کو پلٹ جاتے یہاں تک کہ کفار کے لشکر کے آنے سے پہلے خندق کی کھدائی مکمل ہوگئی۔ اس کی تکمیل میں کتنا عرصہ لگا؟ اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں کسی میں چھ دن، کسی میں پندرہ دن اور کسی میں بیس اکیس دن کا عرصہ بیان کیا گیا ہے البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حملہ آوروں کے آنے سے پہلے یہ بالکل تیار ہو چکی تھی۔ تقریباً ساڑھے تین میل لمبی یہ خندق شہر کی شمالی جانب اس طرح کھودی گئی تھی کہ اس کا مشرقی سرا حرّہ واقم سے ملتا تھا اور مغربی سرا حرّۃ الوبرہ سے۔ اب شہر میں کسی طرف سے بھی کوئی حملہ آور داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ خندق کی حفاظت اور دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے حضور ﷺ نے مدینہ شہر میں حضرت ابنِ اُمِّ مکتومؓ کو اپنا نائب بنایا اور خود شہر سے باہر کوہِ سلع کے دامن میں اپنا خیمہ نصب کیا پھر مجاہدین کے متعدد دستوں کو مختلف کمانڈروں (حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرِ فاروقؓ، حضرت علیؓ اور کچھ دوسرے صحابۂ کرامؓ) کی ماتحتی میں مناسب مقامات پر متعین فرمایا۔ ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ نے مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہٗ کو مرحمت فرمایا۔ اسلامی لشکر کا کیمپ چونکہ خاص شہر مدینہ سے قدرے فاصلے پر تھا اس لیے جب مجاہدین اپنے گھروں سے نکل کر کیمپ میں آتے تھے تو شہر مردوں سے خالی ہو جاتا تھا۔ حضور ﷺ نے احتیاطی تدبیر کے طور پر تمام عورتوں اور بچوں کو انصار کی چار پانچ منتخب گڑھیوں میں منتقل کر دیا۔[1] یہ گڑھیاں چھوٹے چھوٹے قلعے یا قلعہ نما مکان تھے جو انصار کے مختلف خاندانوں نے جا بجا بنا رکھے تھے۔ اسی قسم کی ہر گڑھی کو اُطم کہا جاتا تھا۔ بعض لوگوں نے اپنے اپنے محلّوں کے سامنے بھی چھوٹی چھوٹی خندقیں کھود لیں ایک روایت کے مطابق

---

[1] بعض روایات سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ کی تمام عورتوں اور ان کے بچوں کو کسی ایک گڑھی میں منتقل کیا لیکن یہ صحیح نہیں۔ ایک گڑھی میں تمام عورتیں اور بچے نہیں سما سکتے تھے اس لیے انہیں چند وسیع گڑھیوں میں منتقل کیا گیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑے بڑے راستوں پر دیواریں چُن دی گئیں اس طرح سارا شہر ایک ناقابلِ تسخیر قلعے کی حیثیت اختیار کر گیا۔

(ابنِ خلدون ج ۱ ص ۱۲۰، عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ ص ۶۰۔ سیرۃ ابنِ ہشام، المشاہد، سیرۃ النبی شبلیؒ)

لشکرِ کفّار کی آمد:

اِدھر اہلِ حق خندق کی کھدائی اور دوسرے دفاعی انتظامات سے فارغ ہوئے اُدھر کفار کا مُتّحدہ لشکر بھی مدینہ مُنوّرہ کے نواح میں آ پہنچا۔ یہ لشکر دو اہم فریقوں پر مشتمل تھا۔ ایک فریق میں قریشِ مکّہ اور اُن کے زیرِ اثر قبائل شامل تھے۔ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ وہ کوہِ اُحد کے مغربی کنارے کے قریب (جُرف اور زغابہ کے درمیان) خیمہ زن ہوئے۔ دوسرا فریق بنو غطفان اور ان کے حلیف یا زیرِ اثر قبیلوں (بنو اشجع، بنو مرّہ، بنو فزارہ، بنو سُلیم اور بنو اسد وغیرہ) پر مشتمل تھا ان میں بیشتر قبیلے نجد کی طرف سے آئے تھے۔ ان کی مجموعی تعداد چھ ہزار تھی ان لوگوں نے کوہِ اُحد کے مشرقی کنارے کے قریب ''ذنب نقمی'' کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ دشمنوں کا پُر خروش لشکر جب اہلِ حق کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے مدینہ شہر کی طرف بڑھا تو راستے میں ایک چوڑی اور گہری خندق کو حائل دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اہلِ مدینہ اپنا دِفاع اس طریقے سے کریں گے (اہلِ عرب اس طریقِ دِفاع سے بالکل ناواقف تھے۔) اب ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ خندق کے اُس پار شہر کا محاصرہ کر کے بیٹھ جائیں۔ اس کے لیے وہ تیار ہو کر نہیں آئے تھے کیونکہ ان کو یہ زعم تھا کہ جاتے ہی اہلِ مدینہ کو کچل ڈالیں گے۔ خندق نے ان کو طویل محاصرے کا کڑوا گھونٹ پینے پر مجبور کر دیا۔

فریقین کے لشکروں کی تعداد:

پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ کُفّار کے لشکروں کی مجموعی تعداد کے بارے میں مؤرخین میں خاصا اختلاف ہے ان کی زیادہ سے زیادہ تعداد چوبیس ہزار اور کم از کم دس ہزار بیان کی گئی ہے۔ اسلامی لشکر کی تعداد پندرہ سَو تھی (اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ ج ۱۹ ص ۱۸) اس کی بنیاد غالبًا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہٗ سے مروی صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے جس کے مطابق (غزوۂ احزاب سے پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جو لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں ان کے نام لکھے جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں پندرہ سَو مردوں کے نام لکھے گئے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب کتابۃ الامام الناس عن حذیفہؓ)

بعض سیرت نگاروں نے غزوۂ احزاب میں مجاہدینِ اسلام کی تعداد آٹھ سَو بھی بیان کی ہے۔ (اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ ج ۱۹ ص ۴۸)

معلوم نہیں ان اصحاب کے بیان کی بنیاد یا دلیل کیا ہے۔ بہر صورت یہ حقیقت اپنی جگہ پر قائم ہے کہ جمہور اہلِ سِیَر و مغازی نے کفار کے متحدہ لشکر کی تعداد دس ہزار اور اسلامی لشکر کی تعداد تین ہزار بیان کی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثنائے محاصرہ میں رزم و پیکار:

غزوۂ خندق اگرچہ عہدِ رسالت کے اہم غزووں میں شمار ہوتا ہے لیکن اس میں فریقین کے درمیان دد بدو یا دست بدست رزم و پیکار (عام لڑائی) تک نوبت نہ پہنچی البتہ محاصرین (مشرکین) محصورین (مسلمانوں) پر خندق کے پار سے تیروں اور پتھروں کی بارش کرتے رہتے تھے۔ مسلمان (محصورین) بھی اِس طرف سے ان کو برابر کا جواب دیتے رہتے تھے۔

اثنائے محاصرہ میں جہاں محصورین کو خوراک کی کمی اور بعض دوسری مشکلات کا سامنا کرنا پڑا وہاں محاصرین کو بھی سردی کی شدت، ذرائع رسل و رسائل کی قِلّت، جانوروں کی کثیر تعداد کے لیے چارے کی فراہمی اور ایک بڑے لشکر کے لیے خوراک کے انتظام نے سخت زِچ کیا۔

مشرکین نے کئی بار خندق پار کرنے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن مسلمان ان کی نقل و حرکت پر شب و روز کڑی نظر رکھتے تھے انہوں نے مشرکین پر تیر اور پتھر برسا کر ہر بار اُن کی کوشش ناکام بنا دی۔ مشرکین نے دو تین مرتبہ خندق کو پاٹ کر راستہ بنانے کا ارادہ بھی کیا لیکن مسلمانوں نے ان کا یہ ارادہ بھی خاک میں ملا دیا۔ ایک دن ایک روایت کے مطابق شہر کی طرف اپنی پیش قدمی کے پہلے ہی دن مشرکین کے ایک چھوٹے سے دستے نے گھوڑے کدا کر خندق کا ایک حصہ (ٹکڑا) جو زیادہ چوڑا نہیں تھا، پار کر لیا۔ اس دستے میں عرب کا نامی بہادر عمرو بن عبدِ وُدّ بھی تھا۔ اس کی عمر نوّے (۹۰) سال کی تھی اور وہ بیسیوں لڑائیوں میں حصہ لے چکا تھا اب بھی وہ ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔[1] اس نے خندق پار کرتے ہی مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ اس کی للکار سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہٗ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن رسولِ اکرم ﷺ نے عمرو بن عبدِ وُدّ کے تجربے اور فنونِ حرب میں اس کی مہارت کے پیشِ نظر حضرت علیؓ کو یہ فرما کر بٹھا دیا کہ یہ عمرو بن عبدِ وُدّ ہے۔ اس نے دوبارہ پکار کر مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ اب کی بار بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوگئے اور حضور ﷺ سے اس کا سامنا کرنے کی اجازت چاہی لیکن حضور ﷺ نے اب بھی ان کو بٹھا دیا۔

تیسری دفعہ عمرو بن عبدِ وُدّ نے مسلمانوں کو للکارا تو حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو بن عبدِ وُدّ ہے مجھے اس کے مقابلے پر جانے کی اجازت دیجیے۔

اب آپؐ نے اُن کو اجازت دے دی، اپنی تلوار عنایت فرمائی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کے سر پر پگڑی باندھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ دوڑتے ہوئے عمرو بن عبدِ وُدّ کے سامنے

---

[1] اس دستے کے دوسرے شرکاء میں عکرمہ بن ابی جہل، ضرار بن خطاب اور نوفل بن عبد اللہ وغیرہ کے نام لیے جاتے ہیں ان کا شمار مشرکین کے شہسواروں میں ہوتا تھا۔ ایک روایت میں عکرمہ بن ابی جہل کو اس دستے کا قائد بتایا گیا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۹ ص ۱۹۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئے اور اس سے کہا، کیا تو نے لوگوں سے کہہ رکھا ہے کہ جو شخص تیرے سامنے تین باتیں پیش کرے تو ان میں سے ایک کو منظور کر لیتا ہے؟

اس نے کہا، ہاں

حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا، تو میں بھی تیرے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں پہلی بات یہ ہے کہ اسلام قبول کر لے۔

عمرو بن عبدِ وُدّ نے کہا، یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا، تو پھر میں تجھ سے کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے مت لڑ اور واپس چلا جا۔

عمرو بن عبدِ وُدّ نے کہا، اس طرح قریش کی عورتیں مجھ پر ہنسیں گی۔ میں نے مُنّت مان رکھی ہے کہ جب تک مسلمانوں سے بدر کی لڑائی کا بدلہ نہ لے لوں گا، اپنے سر میں تیل نہیں ڈالوں گا۔ میں اپنی یہ مَنّت پوری کیے بغیر پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے گرج کر فرمایا:

"اچھا تو آ مجھ سے لڑ۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی بات سُن کر عمرو بن عبدِ وُدّ ہنس پڑا اور کہنے لگا، میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ عرب میں کوئی شخص مجھ سے لڑنے کی خواہش کرے گا۔

یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے اُتر پڑا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ بھی پیدل تھے اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ سے پوچھا، تم ہو کون؟

حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا، میرا نام علی بن ابی طالب ہے۔

عمرو بن عبدِ وُدّ نے کہا، تمہارے والد میرے دوست تھے اس لیے میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے کڑک کر فرمایا، لیکن اے اللہ کے دشمن! میں تجھ سے لڑنا چاہتا ہوں۔

اب عمرو بن عبدِ وُدّ بپھر گیا اور اس نے آگے بڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہٗ پر تلوار کا وار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے اسے اپنی ڈھال پر روکا لیکن یہ وار اس زور کا تھا کہ تلوار ڈھال سے گزر کر ان کے ماتھے پر لگی اور وہ زخمی ہو گئے۔ زخم کھا کر شیر کی طرح جھپٹے اور عمرو پر ایسا وار کیا کہ تلوار اُس کے شانے کو کاٹتی ہوئی سینے تک اتر گئی اور وہ ڈھیر ہو گیا۔ اس کے گرتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زور سے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ اب عمرو کے ساتھی آگے بڑھے لیکن وہ بھی اللہ کے شیر کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور بھاگ نکلے۔[1] ان میں سے ایک نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی

[1] بھاگتے وقت عمرو کے ایک ساتھی عکرمہ بن ابی جہل کی بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنا نیزہ پیچھے ہی چھوڑ گیا۔ ایک روایت کے مطابق مشرکین کے اس دستے میں ایک شخص بنو عبدالدار کا منبہ بن عثمان بھی تھا وہ مسلمانوں کے ایک تیر سے سخت زخمی ہو گیا اور اسی زخم کی وجہ سے مکّہ جا کر فوت ہو گیا۔ (محمدؐ رسول اللہ از شیخ محمد رضا)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خندق میں گر پڑا۔ مسلمانوں نے اس کو تیر اور پتھر مار کر ہلاک کرنا چاہا لیکن اس نے پکار کر کہا، مجھے تیروں اور پتھروں سے مت مارو، میں شریفوں کی موت مرنا چاہتا ہوں۔ اس کی بات سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہٗ خندق میں اُترے اور اس کو اپنی تلوار سے قتل کر دیا۔ [1]

(سیرت ابنِ ہشام۔ محمد رسول اللہ از شیخ محمد رضا)

ایک روایت میں ہے کہ مشرکین نے رسولِ اکرم ﷺ کے پاس اپنا قاصد بھیج کر اس درخواست کے ساتھ دس ہزار درہم کی پیشکش کی کہ انہیں عمرو بن عبدِ وُدّ کی لاش دے دی جائے۔ حضور ﷺ نے یہ فرما کر لاش انہیں دے دی کہ ہم لاشوں (مردوں) کا معاوضہ نہیں لیتے۔

قریش کے نامی بہادروں خالد بن ولید اور عمرو بن العاص نے بھی کئی بار خندق عبور کر کے مسلمانوں سے رزم آرا ہونے کی کوشش کی مگر مسلمانوں کی زبردست مزاحمت کے باعث انہیں ہر بار ناکام واپس جانا پڑا۔ (اُس وقت تک ان دونوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔)

جنگ کی وجہ سے نمازیں قضا ہو گئیں:

غزوۂ خندق کے دوران میں کسی کسی دن مشرکین نے اس تسلسل کے ساتھ تیر اور پتھر برسائے کہ مسلمانوں کی کبھی کوئی ایک اور کبھی کئی نمازیں قضا ہو گئیں۔ صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن غروبِ آفتاب کے بعد حضرت عمرؓ کفار کو برا بھلا کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا، یا رسولَ اللہ! میں عصر کی نماز نہ پڑھنے پایا تھا کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، واللہ میں نے بھی نہیں پڑھی۔ پھر ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ بطحان میں اترے۔ آپؐ نے نماز کے لیے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ حضرت علیؓ نے یہی واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مشرکین پر بددعا کی کہ اے اللہ! ان مشرکین کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جس طرح انہوں نے ہم کو نمازِ وُسطیٰ (یعنی نمازِ عصر کی ادائیگی) کی مہلت نہ دی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی و کتاب الصلوٰۃ، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التغلیظ فی تفویت العصر)

مُسندِ احمد کی ایک روایت میں ہے کہ مسلسل لڑائی کی وجہ سے مسلمان ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں وقت پر نہ پڑھ سکے اور رسولِ اکرم ﷺ کو بھی یہ نمازیں پڑھنے کی مہلت نہ ملی چنانچہ آپؐ نے اپنے صحابہ سمیت یہ چاروں نمازیں یکجا (قضا) پڑھیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف عصر کی نماز قضا ہونے اور چار نمازیں قضا ہونے والے دو الگ الگ واقعے ہیں کسی دن ایک صورت پیش آئی اور کسی دن دوسری۔

(محمدؐ رسول اللہ از شیخ محمد رضا ص ۴۵۱۔ الرّحیق المختوم اردو ص ۴۹۷)

---

[1] ایک اور روایت میں ہے کہ نوفل بن عبداللہ کو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہٗ نے قتل کیا۔

(اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ جلد ۱۹ ص ۱۹۴ بحوالہ واقدی و زرقانی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنوقُریظہ کی غدّاری:

پیچھے ذکر آچکا ہے کہ یہودیوں کے دو بڑے قبیلے بنوقَینُقاع اور بنونَضیر اپنے کرتوتوں کی بناء پر مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیے گئے تھے۔ اُن کے جانے کے بعد مدینہ طیبّہ میں یہودیوں کا صرف ایک بڑا قبیلہ بنوقریظہ باقی رہ گیا تھا۔ یہ لوگ مدینہ منورہ کے جنوب مشرقی گوشے میں آباد تھے۔ ان سے مسلمانوں کا حلیفانہ معاہدہ تھا جس کی ایک شرط کے مطابق مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر شہر کا دِفاع کرنے کے پابند تھے۔ اسی لیے مسلمانوں نے حفاظتی تدبیر کے طور پر اپنے اہل وعیال اُس قلعے میں بھیجے تھے جو بنوقریظہ کے محلّے کے قریب تھا لیکن اُن بدبختوں نے عین اس موقع پر مارِ آستین کا کردار ادا کیا جب دشمنانِ اسلام کے متحدہ لشکر نے مدینہ منورہ کو گھیر رکھا تھا۔ اُن کو اس غداری پر (مدینہ سے خیبر جا کر آباد ہونے والے) بنونضیر کے سردار حُیَیّ بن اخطب نے آمادہ کیا۔ وہ خفیہ طور پر بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس آیا اور اس کو ترغیب دی کہ وہ حملہ آور لشکر (قریش) کے ساتھ اتحاد اور دوستی کر کے مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دے۔ کعب نے پہلے تو اُس کی بات ماننے میں تامّل کیا لیکن حُیَیّ نے جب اس سے کہا کہ "میں سارے عرب کو مدینہ پر چڑھا لایا ہوں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے پیروکاروں کو ختم کرنے کا یہ بہترین موقع ہے اگر اسے تم نے ہاتھ سے گنوا دیا تو پھر کبھی زندگی بھر ایسا موقع نہ پاسکو گے" تو کعب بن اسد نے اس کی بات مان لی اور اپنے قبیلے کو عہد شکنی یا غدّاری پر آمادہ کرلیا۔ ان لوگوں نے بڑی تیزی سے جنگ کی تیاری کی اور مسلمانوں پر پشت کی طرف سے حملہ کرنے کے لیے موقع کا انتظار کرنے لگے۔ اُدھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنوقریظہ کے عزمِ بد کی بروقت اطلاع مل گئی۔[1] آپؐ نے فوراً انصار کے چار سرداروں، حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت خوّات بن جبیر رضی اللہ عنہم کو اس اطلاع کی تصدیق کے لیے بنوقریظہ کی طرف بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ اگر بنوقریظہ اپنے عہد پر قائم ہوں تو واپس آ کر سب لوگوں کے سامنے علانیہ یہ خبر سنا دینا۔ اور اگر وہ اپنے عہد سے منحرف ہوگئے ہیں تو صرف مجھے آ کر کنایۃً بتا دینا۔ یہ اصحاب دیارِ بنی قریظہ میں پہنچے تو ان لوگوں کو جنگی تیاریوں میں مصروف پایا۔ انہوں نے کعب بن اسد اور ان کے دوسرے سرداروں سے گفتگو کی تو ان بدبختوں نے سخت بدتمیزی اور خباثت کا مظاہرہ کیا اور برملا کہہ دیا کہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان کوئی عہدوپیمان نہیں ہے۔ یہ اصحاب واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

---

[1] صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقریظہ کے طرزِ عمل اور عزائم کی تحقیق کے لیے حضرت زبیرؓ بن العوام کو ان کے دیار میں بھیجا۔ انہوں نے یہ کام بڑے عمدہ طریقے سے سرانجام دیا اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا، ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں۔

(بخاری کتاب المغازی وکتاب الجہاد باب فضل الطلیعۃ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے تو صرف اتنا کہا عضل وقارہ...... یہ اشارہ تھا سانحۂ رجیع کی طرف کہ جس طرح عضل وقارہ نے مبلغینِ اسلام کے ساتھ بدعہدی کی تھی اسی طرح کی بدعہدی اور غداری یہودِ بنی قریظہ کر رہے ہیں۔

جلد ہی بنو قریظہ کی غداری کی خبر عام مسلمانوں میں پھیل گئی اور ان کے لیے تشویش کا باعث بنی کیونکہ سامنے مشرکین کا جمِّ غفیر تھا اور پیچھے بنو قریظہ کے غدار جن کا حملہ روکنے کے لیے کوئی انتظام نہیں تھا جبکہ مسلمانوں نے جس قلعے میں اپنی عورتوں اور بچوں کو بٹھا رکھا تھا وہ دیارِ بنی قریظہ کے بالکل قریب تھا۔

غضب یہ ہوا کہ اس نازک موقع پر منافقین بھی کھل کھیلے انہوں نے یہ کہہ کر مسلمانوں میں بددلی پھیلانے کی کوشش کی کہ ہم کو تو قیصر و کسریٰ کے ملک فتح ہونے اور ان کے خزانوں پر متصرف ہونے کی خبریں دی جاتی تھیں اور یہاں یہ حالت ہے کہ جان کو خطرے میں ڈالے بغیر ہم رفعِ حاجت کے لیے بھی باہر نہیں نکل سکتے۔ بعض نے یہ کہہ کر اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت چاہی کہ ہمارے گھر دشمن کے سامنے کھلے پڑے ہیں اور ہمیں ان کی حفاظت کرنی ہے۔ غرض انہوں نے مسلمانوں میں انتشار اور دہشت پھیلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن مؤمنین کے ایمان اور اخلاص میں رخنہ ڈالنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اللہ کے یہ پاکباز بندے شروع سے لے کر آخیر تک کفار کے مقابلے میں ثابت قدم رہے۔

قرآنِ حکیم میں منافقین کے طرزِ عمل کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

"یاد کرو وہ وقت جب منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا، صاف صاف کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے جو وعدے کیے تھے وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھے جب کہ ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو! تمہارے لیے اب ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں، پلٹ چلو۔ جب ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبیؐ سے رخصت طلب کر رہا تھا کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے دراصل وہ (محاذِ جنگ) سے بھاگنا چاہتے تھے۔ (الاحزاب ۱۱۔۱۲)

اور مؤمنین صادقین کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

"اور سچے مومنوں نے جب حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول کی بات بالکل سچی تھی۔ اس واقعہ نے ان کے ایمان اور سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ (الاحزاب آیۃ۔۲۲)

بنو غطفان سے صلح کی گفتگو:

یہودِ بنی قریظہ کی غداری اور منافقین کی شرارتوں نے ایک موقع پر شہر میں سخت نازک صورتِ حال پیدا کر دی۔ اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے رسولِ اکرم ﷺ نے مناسب یہی سمجھا کہ محاصرین کے دو بڑے گروہوں کو ایک دوسرے سے توڑنے کی کوئی تدبیر کی جائے۔ چنانچہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے بنوغطفان کے دو بڑے سرداروں عُیَینہ بن حِصن فزاری اور ابوالحارث بن عمرو [1] کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو آپؐ نے ان کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ مدینہ کے پھلوں کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ لے کر واپس چلے جائیں تاہم حتمی بات کرنے سے پہلے آپؐ نے اس شرط کے بارے میں انصار سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ یہ معاملہ جب اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے سرداروں کے سامنے رکھا گیا تو حضرت سعدؓ بن معاذ رئیس اوس اور حضرت سعدؓ بن عبادہ رئیسِ خزرج دونوں نے عرض کیا ''یارسولَ اللہ! آپ جو فرما رہے ہیں یہ اللہ کا حکم ہے جس کو ماننے کے ہم پابند ہیں یا حضور ﷺ ہمیں بچانے کے لیے یہ تجویز فرما رہے ہیں۔''

حضور ﷺ نے فرمایا ''یہ اللہ کا حکم نہیں بلکہ میں تم لوگوں پر مشرکین کا دباؤ کم کرنے کے لیے ایسا کر رہا ہوں کیونکہ سارے عرب نے متحد ہو کر تم پر یلغار کر دی ہے۔''

اس پر دونوں سرداروں نے یک زبان ہو کر عرض کیا ''یارسولَ اللہ ﷺ! اگر آپ ہمیں صرف بچانے کی خاطر یہ معاہدہ کر رہے ہیں تو ہماری استدعا ہے کہ یہ شرط کسی صورت میں نہ مانیں۔ بنوغطفان تو ہم سے اس وقت بھی کھجور کی ایک گٹھلی تک خراج کے طور پر نہ لے سکے جب ہم مشرک تھے اور اب جبکہ ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہے یہ ہم سے کیا خراج لیں گے ہمارے اور ان کے درمیان اب صرف تلوار فیصلہ کرے گی۔''

حضور ﷺ نے فرمایا، اچھا تو تم جانو اور تمہارا کام (یا جو تمہاری رائے۔ فَاَنْتَ وَذَاکَ)

پھر حضور ﷺ نے بنوغطفان کے سرداروں سے کہہ دیا کہ اہلِ مدینہ تمہاری کوئی شرط ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

(سیرۃ ابنِ ہشام اردو جلد ۲ ص ۲۵۸۔ ضیاء النبیؐ ج ۴ ص ۵۰۔ ۵۱، نبیٔ رحمت حصہ اوّل ص ۲۵۶)

حضرت صفیہؓ بنت عبدالمُطّلب کی بہادری:

پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ لشکر کفار کے مدینہ پہنچنے سے پہلے آنحضور ﷺ نے خواتین اور بچوں کو انصار کی بعض گڑھیوں میں منتقل کر دیا تھا۔ ان میں ایک گڑھی یا قلعے کا نام فارع تھا۔ یہ قلعہ دیارِ بنی قریظہ کے بہت قریب تھا اور اس کی نگرانی پر بزرگ صحابی حضرت حسانؓ بن ثابت مامور تھے جب یہ خبر عام مسلمانوں میں پھیلی کہ یہودِ بنی قریظہ نے مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپنے کا منصوبہ بنایا ہے تو اس قلعے میں موجود خواتین خود اپنی حفاظت کے لیے ہر وقت مستعد رہنے لگیں کیونکہ بنوقریظہ کے محلّے اور اس قلعے کے درمیان مسلمانوں کا کوئی فوجی دستہ موجود نہ تھا ان پُر آشوب ایام میں ایک دن ایک یہودی اس طرف آ نکلا اور قلعے میں موجود لوگوں کی سُن گُن لینے لگا۔ حسنِ اتفاق سے حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنتِ عبدُالمُطّلب نے اس یہودی

[1] ''سیرت ابنِ ہشام'' میں اس کا نام حارث بن عرف بن ابو حارثہ بیان کیا گیا ہے اور اس کا تعلق بنومُرۃ سے بتایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ بنوفزارہ اور بنومُرّہ دونوں بنوغطفان ہی کے بطن تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو دیکھ لیا، وہ اپنی خداداد فراست سے سمجھ گئیں کہ یہ شخص جاسوس ہے، اگر اس نے بنوقریظہ کے شریرالنفس لوگوں کو جا کر بتا دیا کہ قلعے میں صرف عورتیں اور بچے ہیں تو ہوسکتا ہے وہ میدان خالی دیکھ کر قلعے پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے نگرانِ قلعہ حضرت حسانؓ سے کہا کہ باہر نکل کر اس یہودی کو قتل کر دیں۔

حضرت حسانؓ نے عذر کیا۔ اس کا سبب اہلِ سِیَر کے نزدیک ان کی جسمانی یا قلبی کمزوری تھی جو کسی مرض میں مبتلا رہنے کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے اس موقع پر یہ جواب دیا:

"اگر میں اس یہودی سے لڑنے کے قابل ہوتا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ ہوتا؟"

حضرت صفیہؓ حضرت حسانؓ کا جواب سن کر فوراً اُٹھیں، خیمے کی ایک چوب اکھاڑی قلعے سے باہر آئیں اور اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "الاِصابہ" میں لکھا ہے کہ یہودی کو قتل کرنے کے بعد انہوں حضرت حسانؓ سے کہا، جا کر اس کا سر کاٹ لاؤ، انہوں نے اس میں بھی عذر کیا تو حضرت صفیہؓ نے خود ہی اُس کا سر کاٹ کر قلعے سے نیچے پھینک دیا۔ یہودِ بنی قریظہ کو کٹا ہوا سر دیکھ کر یقین ہوگیا کہ قلعہ کے اندر بھی مسلمانوں کی فوج موجود ہے۔ چنانچہ انہیں قلعے پر حملہ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ علامہ ابنِ اثیرؒ جزری کا بیان ہے کہ حضرت صفیہؓ نے حضرت حسانؓ سے کہا: "اب جا کر مقتول یہودی کا سامان اتار لو" وہ بولے: "مجھے اس کی خواہش نہیں۔" ابنِ اثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی۔ چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ نے انہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا:

اس واقعہ کے بعد آنحضور ﷺ نے دوسَو اور تین سَو افراد پر مشتمل دو دستے اس علاقے میں مقرر فرما دیے تاکہ کسی اچانک صورتِ حال سے عہدہ برآ ہوسکیں۔

(سیرت ابنِ ہشام اردو جلد۲ ص ۲۶۵۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ جلد۱۹ ص ۱۹۵)

حضرت سعدؓ بن معاذ زخمی ہوگئے:

اثنائے جنگ میں ایک دن سیّدالاوس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہٗ زرہ پہنے ہاتھ میں حربہ لیے میدان جنگ کو روانہ ہوئے [1] راستے میں بنوحارثہ کی گڑھی میں ان کی والدہ کبشہؓ بنتِ رافع، اُمِ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس بیٹھی تھیں۔ حضرت سعدؓ ان کے سامنے سے

---

[1] اثنائے جنگ سے مراد یہ ہے کہ جب کُفار معمول کے مطابق خندق کے اُس پار سے مسلمانوں پر شدت سے تیر اور پتھر برسا رہے تھے اور مسلمان خندق کی دوسری طرف سے تیروں اور پتھروں ہی سے ان کو جواب دے رہے تھے۔ میدانِ جنگ سے مراد خندق کے دونوں طرف کا وہ علاقہ تھا جہاں فریقین کے درمیان تیروں اور پتھروں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گزرے تو وہ ایک رجزیہ شعر پڑھتے جاتے تھے جس کا مطلب کچھ یوں تھا:

''ذرا تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر، میدانِ وغا میں میری سواری کو پہنچ لینے دے، جب موت کی ساعت آ جائے تو موت کتنی اچھی معلوم ہوتی ہے۔''

ماں نے انہیں دیکھ کر آوازِ بلند کہا ''بیٹے دوڑ کر جا تو نے بہت دیر کر دی۔''

اتفاق سے جس ہاتھ میں حربہ تھا وہ زرہ سے باہر نکلا ہوا تھا۔ اُمُّ المومنینؓ نے فرمایا ''سعد کی ماں کاش سعد کی زِرہ لمبی ہوتی، ان کا ہاتھ باہر نکلا ہوا ہے۔'' اُمُّ المومنینؓ کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا، میدان میں پہنچے تو ایک مشرک حبان بن عبد مناف نے جو ابن العرقہ کے نام سے مشہور تھا تاک کر ان کے ننگے ہاتھ پر تیر مارا اور ساتھ ہی نعرہ بلند کیا ''خُذْهَا وَاَنَا ابْنُ الْعَرِقَه'' (لو میں ہوں ابنِ عرقہ)۔ اس کے تیر سے حضرت سعدؓ کی رگِ اکحل (ہفت اندام) کٹ گئی اور شدت سے خون جاری ہو گیا۔

حضور ﷺ کے سمعِ مبارک تک ابنِ عرقہ کے الفاظ پہنچے اور آپؐ نے حضرت سعدؓ کے زخمی ہونے کا حال سنا تو فرمایا ''عَرَّقَ اللّٰهُ وَجْهَكَ فِي النَّارِ'' (اللہ تیرا یعنی ابنِ عرقہ کا چہرہ آگ میں عرق آلود کرے) بروایتِ دیگر یہ الفاظ خود حضرت سعدؓ نے کہے۔ جنگ کے بعد حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت سعدؓ کے لیے مسجدِ نبویؐ کے صحن میں ایک طرف خیمہ نصب کرا دیا اور حضرت رُفیدہ اسلمیہؓ کو جو طبیبہ تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں، ان کی خدمت اور علاج کے لیے مامور فرمایا۔ حضور ﷺ خود بھی ہر روز ان کی عیادت کے لیے تشریف لاتے اور ان کی دلجوئی فرماتے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے ان کے زخم کو داغ دیا جس سے خون بہنا رُک گیا تاہم وہ پورے طور پر صحت یاب نہ ہوئے۔ اسی علالت کے دوران میں ایک دن انہوں نے بارگاہِ ایزدی میں دعا کی ''بارِ الٰہا! اگر قریش سے لڑائیوں کا سلسلہ باقی ہو تو مجھے اور مہلت دے دے میں ان لوگوں سے نبرد آزما ہونے کا متمنی ہوں جنہوں نے تیرے رسولِ برحق کو ستایا، جھٹلایا اور وطن سے نکال دیا اور اگر لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا ہے تو اس زخم سے مجھے شہادت نصیب کر، البتہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک بنو قریظہ کے معاملے میں میرا دل مطمئن نہ ہو جائے۔''

ابھی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بسترِ علالت ہی پر تھے کہ حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔ اس کی تفصیل اگلے صفحات میں آ رہی ہے۔

نُصرتِ خداوندی:

جن دنوں مشرکین کی طرف سے تیروں اور پتھروں کی مسلسل بارش اور یہودِ بنی قریظہ کی غدّاری نے مسلمانوں کے لیے سخت نازک صورتِ حال پیدا کر رکھی تھی، ایک دن نصرتِ خداوندی عجیب طریقے سے ظاہر ہوئی وہ یوں کہ ایک شب کو اچانک بنو غطفان کے بطن ''اشجع'' کے ایک صاحب نُعیم بن مسعود چپکے سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے مجھے قبولِ اسلام کی توفیق دی ہے لیکن ابھی تک نہ میری قوم کو اس کا علم ہے اور نہ قریشِ مکہ اور یہودِ بنی قریظہ کو جن سے میرے دوستانہ تعلقات ہیں۔ اس لڑائی کے سلسلے میں میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ارشاد فرمایئے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا، تم اکیلے آدمی ہو کوئی فوجی مہم تو ہم تمہارے سپرد نہیں کر سکتے البتہ اگر تم قبائل کے اس اجتماع اور بنو قریظہ کے ساتھ اس کے گٹھ جوڑ کا کوئی تدارک کر سکتے ہو تو کرو۔ اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ' یہ جنگ ہے اور جنگ میں ایسی تدبیر جائز ہے۔ حضرت نعیمؓ نے عرض کیا، یارسولَ اللہ! یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں آپ دیکھیں گے کہ یہ کس طرح منتشر ہوتے ہیں۔

حضور ﷺ سے رخصت ہو کر حضرت نعیمؓ یہودِ بنو قریظہ کے پاس پہنچے اور ان کو جمع کر کے اس طرح گفتگو کی طرح ڈالی:

نعیمؓ: "اے برادرانِ بنو قریظہ تم جانتے ہو کہ مجھے تمہارے ساتھ کس قدر محبت ہے۔"

بنو قریظہ: "ہاں ہم کو بخوبی علم ہے۔"

نعیمؓ: "قریش اور بنو غطفان محمدؐ سے لڑنے کے لیے آئے ہیں۔"

بنو قریظہ: "ہاں ہم بھی ان کی مدد کریں گے۔"

نعیمؓ: "لیکن تمہاری ان سے کیا نسبت، وہ تو تم سے دُور رہتے ہیں۔"

بنو قریظہ: "یہ درست ہے لیکن محمدؐ ان کے بھی اور ہمارے بھی دشمن ہیں۔ اگر ان کو غلبہ حاصل ہو گیا تو وہ انہیں چھوڑیں گے نہ ہمیں۔"

نعیمؓ: "یہ بھی تو سوچو کہ قریش اور غطفان کو مناسب موقع ملا تبھی وہ محمدؐ سے لڑیں گے ورنہ واپس چلے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ تو نہیں لے جائیں گے۔ تمہیں تو اسی جگہ مسلمانوں کے ساتھ رہنا ہے۔ خواہ مخواہ ان سے جھگڑا کیوں مول لیتے ہو؟"

بنو قریظہ: "تو پھر ہم کیا کریں؟"

نعیمؓ: "قریش اور بنو غطفان کا ساتھ چھوڑ دو اور لڑائی میں کسی کا ساتھ نہ دو۔"

بنو قریظہ: "لیکن ہم تو قریش سے قول وقرار کر چکے ہیں ان کو کیا منہ دکھائیں گے۔"

نعیمؓ: "قول وقرار تو تم نے مسلمانوں سے بھی کیا تھا۔ ذرا اپنے دل میں سوچو کہ قریش کامیابی سے مایوس ہو کر واپس چلے گئے تو یہاں تم اکیلے مسلمانوں کا مقابلہ کیسے کرو گے؟"

بنو قریظہ: "بلاشبہ تم سچ کہتے ہو لیکن اب ہم اس جھمیلے سے نکلنے کے لیے کیا تدبیر کریں۔"

نعیمؓ: "تم لوگ مجھے بہت عزیز ہو اس لیے میری مانو تو قریش اور بنو غطفان کے چند آدمی ضمانت کے طور پر اپنے یہاں رکھ لو۔ اگر قریش اور بنو غطفان بدعہدی کریں اور بلا حصولِ مقصد واپس چلے جائیں تو تمہارے پاس ان کے آدمی موجود ہوں گے۔ اگر مسلمانوں نے تمہارا قصد کیا تو اپنے آدمیوں کی خاطر وہ ضرور تمہاری مدد کو پہنچیں گے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنوقریظہ: ’’توریت کی قسم تمہارا مشورہ نہایت صائب ہے۔ ہم اسی کے مطابق عمل کریں گے۔‘‘

بنوقریظہ کی طرف سے مطمئن ہو کر حضرت نعیمؓ سردارِ قریش ابوسفیان کے پاس گئے اور اِن سے اس طرح گفتگو کی:

نعیمؓ: ’’مسلمانوں سے میری عداوت کا حال آپ کو معلوم ہے اور آپ کے میرے درمیان دوستی کا جو رشتہ ہے اس کا بھی آپ کو علم ہے۔‘‘

ابوسفیان: ’’ہاں ہاں ہمیں معلوم ہے اس کے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔‘‘

نعیمؓ: ’’ایک خبر میں نے سُنی ہے وہ آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔‘‘

ابوسفیان: ’’کہو وہ کیا ہے؟‘‘

نعیمؓ: ’’شرط یہ ہے کہ اس کو پوشیدہ رکھیں خصوصاً بنوقریظہ کے کانوں میں اس کی بھنک نہ پڑ جائے۔‘‘

ابوسفیان: ’’ہم تمہاری خبر کو پوشیدہ رکھیں گے اور کسی صورت میں اس کو افشا نہ کریں گے۔‘‘

نعیمؓ: ’’میں نے معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ بنوقریظہ نے آپ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیے ہیں وہ ان سے پھر گئے ہیں اور دوبارہ اپنے تعلقات مسلمانوں سے استوار کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ قریش اور بنوغطفان کے ستّر آدمی اپنے قبضہ میں کر کے ان کو محمدؐ کے پاس بھیج دیں تاکہ وہ ان کی گردن اڑا کر اپنا بدلہ لے لے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے محمدؐ کے پاس پیغام بھیج دیا ہے اور وہ بھی اس بات پر راضی ہے۔‘‘

ابوسفیان: ’’تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟‘‘

نعیمؓ: ’’میرا تو مشورہ یہ ہے کہ بنوقریظہ آپ سے ضمانت کے طور پر کچھ آدمی مانگیں تو صاف انکار کر دیں اور ان کے دامِ فریب میں ہرگز نہ آئیں۔‘‘

ابوسفیان: ’’تمہارا مشورہ قرینِ صواب اور مستحسن ہے ہم ایسا ہی کریں گے۔‘‘

قریش کی جانب سے دلجمعی ہونے کے بعد حضرت نعیمؓ بنوغطفان کے پاس گئے اور جو باتیں قریش سے کہی تھیں وہی ان سے کہیں۔ چونکہ وہ خود بھی بنوغطفان ہی سے تعلق رکھتے تھے اس لیے سب اہلِ قبیلہ نے متفق ہو کر ان کی تائید کی۔

جس دن یہ سب باتیں ہوئیں اتفاق سے وہ جمعہ کا دن تھا۔ اسی رات کو ابوسفیان نے بنوقریظہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم کو یہاں پڑے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں، آدمیوں اور مویشیوں کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ بہتر ہوگا کہ آج ہی رات کو جنگ کی تیاری کی جائے اور علی الصّباح ہم اور تم مل کر مسلمانوں سے فیصلہ کُن جنگ کریں۔ بنوقریظہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ کل یومِ شنبہ ہے اور اس دن ہم کوئی کام نہیں کرتے۔ اس کے بعد بھی ہم اسی صورت میں تمہارے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے جب تم اپنے قبیلہ کے ستر عمائد و اشراف کو ہمارے پاس بھیج دو گے کیونکہ ہمیں خدشہ ہے کہ محاصرہ طویل ہو جانے کی صورت میں تم گھبرا کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واپس چلے جاؤ گے اور ہم بے یارومددگار رہ جائیں گے۔ اگر مسلمان ہم پر آ پڑے تو پھر اپنے آدمیوں کی خاطر تم ہماری مدد کے لیے آ جاؤ گے بصورتِ دیگر تمہیں اتنی دُور سے بُلانا محال ہوگا۔

قریش نے جب بنوقریظہ کا جواب سنا تو اُن کے کان کھڑے ہوئے اور کہنے لگے واللہ جو کچھ نعیم نے کہا تھا وہ سچ نکلا۔ چنانچہ انہوں نے بنوقریظہ کو جواب بھیجا کہ ہم ہرگز اپنا کوئی آدمی تمہارے سپرد نہیں کریں گے اگر تمہیں ہمارے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑنا ہے تو بہتر ورنہ ہم سب چاہیں گے واپس چلے جائیں گے پھر تم جانو اور مسلمان۔ بنوقریظہ نے بنوغطفان کو بھی اپنے کچھ آدمی ضمانت میں دینے کے لیے پیغام بھیجا تو انہوں نے بھی کورا جواب دے دیا۔ اب بنوقریظہ برملا کہنے لگے کہ نعیم اشجعی نے جو کچھ ہمیں بتایا تھا وہ سب درست نکلا ہم قریش اور غطفانیوں کے ساتھ مل کر ہرگز مسلمانوں سے نہیں لڑیں گے۔ غرض دونوں حلیف ایک دوسرے سے بدظن ہوگئے اور ان میں سخت پھوٹ پڑ گئی۔ یہ سب کچھ حضرت نعیمؓ کی دانش و تدبیر کی بدولت ہوا۔ [1]

کفار محاصرہ اُٹھا کر بھاگ گئے:

جس وقت دشمنوں کے کیمپ میں پھوٹ پڑی، مدینہ منورہ کے محاصرے پر ۲۵ دن سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا اور محاصرین کو خوراک، پانی اور چارے کی فراہمی میں سخت مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ اس صورتِ حال سے وہ تنگ آ چکے تھے باہمی عدمِ اعتماد اور ناچاقی سے ان کے حوصلے بالکل پست ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے نعیمؓ بن مسعود کو رسولِ اکرم ﷺ کے پاس بھیج کر اہلِ حق کی مدد کی تھی اب اس کی نصرت ایک اور صورت میں ظاہر ہوئی۔ ایک نہایت تاریک سرد اور یخ بستہ رات کو نہایت تند و تیز آندھی آئی اس سے محاصرین کے خیمے اکھڑ گئے، چولھوں پر رکھے ہوئے دیگچے الٹ گئے اور ان کے بہت سے گھوڑے اور خچر ہلاک ہوگئے۔ یہ آندھی کیا تھی دشمنوں کے لیے عذابِ الٰہی تھا، اس نے اُن کو حواس باختہ کر دیا اور وہ راتوں رات محاصرہ اُٹھا کر اس طرح بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ صبح جب مسلمان اٹھے تو میدان میں دشمن کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اس وقت لسانِ رسالت پر یہ الفاظ آ گئے ''اب قریش تم پر کبھی چڑھائی نہ کر سکیں گے بلکہ اب تم ان پر چڑھائی کرو گے۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نصرت کا قرآنِ حکیم میں اس طرح ذکر فرمایا ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ جب لشکر تم پر

---

[1] غزوۂ احزاب کے بعد حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کا کھلم کھلا اعلان کر دیا اور اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر اپنے قبیلے کے بہت سے لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کیا چنانچہ جلد ہی بنو اشجع کا ایک وفد مدینہ منورہ گیا اور شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوا۔ حضرت نعیمؓ بھی اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے اور کئی غزوات میں حضور ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے باختلافِ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کی ابتداء میں وفات پائی یا جنگِ جمل میں شہادت پائی۔ (الاصابہ۔ اسدالغابہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چڑھ آئے تو ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔'' (الاحزاب آیۃ ۔۹)

غزوۂ احزاب کے شُہداء:

غزوۂ احزاب میں اگرچہ فریقین کے درمیان عمومی لڑائی تک نوبت نہیں پہنچی پھر بھی مسلمانوں کے باختلافِ روایت چھ یا دس آدمی شہید ہوئے ان اصحابؓ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ
۲۔ حضرت طفیل بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہُ
۳۔ حضرت کعب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہُ
۴۔ حضرت انس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہُ
۵۔ حضرت ثعلبہ بن غنمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ
۶۔ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہُ
۷۔ حضرت طفیل بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہُ (المشاہد ص ۱۱۲۔۱۱۳)

حافظ الدمیاطی نے ''الانساب'' میں ان تین اصحاب کو بھی شہدائے احزاب میں شمار کیا ہے۔

۸۔ حضرت قیس بن زید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہُ
۹۔ حضرت عبداللہ بن ابی خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہُ
۱۰۔ حضرت ابوسنان بن سیفی بن صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہُ

(ضیاء النبیؐ حصہ چہارم ص ۵۶)

کفار کے مقتولین:

غزوۂ احزاب میں کفار کے صرف تین آدمی مارے گئے

۱۔ عمرو بن عبدِ وُد
۲۔ نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ
۳۔ عثمان بن منبہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ بنی قُریظہ (ذیقعدہ ۵ ہجری)

کفار کے محاصرہ اٹھانے اور بھاگ جانے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ محاذِ جنگ سے واپس مدینہ (اندرونِ شہر) تشریف لائے تو ظہر کے وقت جبریل علیہ السلام یہ حکمِ الٰہی لے کر نازل ہوئے کہ ابھی بنو قریظہ کا معاملہ باقی ہے اس کو نمٹانے کے لیے فوراً ان کی طرف روانہ ہو جائیں۔ یہ حکم پاتے ہی حضور ﷺ نے ایک منادی کے ذریعے سارے شہر میں اعلان کرا دیا کہ جو شخص سننے اور ماننے والا ہے وہ نمازِ عصر دیارِ بنی قریظہ پر پہنچ کر پڑھے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے فوج کا ایک دستہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی قیادت میں ہراول کے طور پر بنو قریظہ کی طرف بھیج دیا۔ جب یہ دستہ دیارِ بنی قریظہ کے سامنے پہنچا تو یہودیوں نے سمجھا کہ شاید یہ لوگ ہمیں دھمکانے آئے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو یہ بتانے کے لیے کہ ہمیں تمہاری کوئی پروانہیں ہے ' اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر رسولِ اکرم ﷺ اور مسلمانوں پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی لیکن جب پورا اسلامی لشکر تیس گھوڑوں کے ساتھ آنحضور ﷺ کی قیادت میں ان کے سامنے نمودار ہوا تو وہ اپنی بستی میں محصور ہو کر بیٹھنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ لوگ نہایت نازک موقع پر عہد شکنی کر کے بدترین غدّاری کے مرتکب ہوئے تھے۔ اُن کی چھٹی حس یا ان کے دل کے چور نے انہیں یہ بات سجھا دی تھی کہ ایسی غدّاری کو کوئی قوم ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرتی اس لیے مسلمانوں سے مرعوب ہو کر انہیں ہتھیار اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی حالانکہ انہوں نے مقابلے کے لیے دو ہزار نیزے ڈیڑھ ہزار تلواریں ڈیڑھ ہزار ڈھالیں اور تین سو زِرہیں جمع کر رکھی تھیں۔ جب انہیں محصور ہوئے پچیس دن گزر گئے تو انہوں نے حضور ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ ابو لبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر انصاری کو ہمارے پاس بھیجیے ہم ان سے مشورہ کر کے کوئی فیصلہ کریں گے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو لبابہؓ کو ان کے پاس بھیج دیا (حضرت ابو لبابہؓ کے بنو قریظہ کے پاس جانے اور وہاں سے واپس آنے کا سارا واقعہ آگے الگ بیان کیا گیا ہے) اس کے بعد بنو قریظہ نے اس شرط پر ہتھیار رکھنے اور اپنے آپ کو رسولِ اکرم ﷺ کے حوالے کرنے پر آمادگی ظاہر کی کہ انکے معاملے میں رئیس الاوس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو فیصلہ کریں گے وہ انہیں منظور ہوگا۔

ان غداروں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اس امید پر حَکم بنایا تھا کہ وہ ان کا لحاظ کریں گے کیونکہ قبیلہ اَوس اور بنو قریظہ میں مدتوں سے حلیفانہ تعلقات قائم تھے۔ حضورؐ نے حضرت سعدؓ کو بلا بھیجا۔ وہ بیماری کی حالت میں ہی گدھے (یا خچر) پر سوار ہو کر موقع پر پہنچے۔ [1]

---

[1] اس موقع پر قبیلہ اَوس کے لوگوں نے حضرت سعدؓ کو گھیر لیا اور ان سے بااصرار کہا کہ بنو قریظہ سے اچھائی اور احسان کا سلوک کیجیے گا۔ حضرت سعدؓ پہلے تو خاموش رہے پھر فرمایا، اب وقت آ گیا ہے کہ سعد کو اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہ ہو۔ (الرَّحیق المختوم اردو ص ۵۱۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا "اپنے سردار کی تعظیم کے لیے اٹھو" پھر حضور علیہ السلام نے یہود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے فیصلہ کے منتظر ہیں۔ آپ نے عرض کی "تو میں یہ فیصلہ دیتا ہوں کہ ان کے لڑنے والے تمام مرد قتل کیے جائیں، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے املاک مسلمانوں پر تقسیم کر دیے جائیں۔" حضور علیہ السلام نے فرمایا "سعد تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا۔" چنانچہ اس فیصلے پر عمل کیا گیا اور حضرت سعدؓ اس وقت وہاں سے واپس آئے جب بنو قریظہ کا ایک ایک جنگجو غدار ان کے سامنے قتل ہو گیا ان میں بنو نضیر کا سردار حیی ابن اخطب بھی تھا۔ اسی نے خیبر سے یہاں آ کر بنو قریظہ کو غداری پر آمادہ کیا تھا اور اب تک دیارِ بنی قریظہ ہی میں مقیم تھا۔ اس شخص کی بیٹی صفیہؓ کو غزوۂ خیبر کے بعد اُمُّ المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توبہ:

دیارِ بنی قریظہ کے محاصرے کے دوران جلیل القدر صحابی حضرت ابولبابہ انصاریؓ کے احساسِ لغزش اور توبہ کا واقعہ پیش آیا۔ بیشتر اربابِ سیر نے اسے خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

یہودیوں کو اپنے استحکامات پر بڑا غرور تھا، لیکن پچیس دن کے محاصرے کے بعد ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ اس درمیان میں انہوں نے حضور علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر کو ہمارے پاس آنے کی اجازت دیجیے، تاکہ ہم ان سے مشورہ کر سکیں۔ حضرت ابولبابہؓ کو خاص طور پر بلانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ قبیلہ اوس کے خاندان بنی عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے تھے اور اس خاندان اور بنو قریظہ کے درمیان قدیم سے بڑے گہرے مراسم اور حلیفانہ تعلقات تھے۔ سرورِ عالمؐ نے بنو قریظہ کی درخواست قبول فرمالی اور حضرت ابولبابہؓ کو ان کے پاس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

حضرت ابولبابہؓ قلعہ کے اندر گئے تو یہودیوں نے ان کی بے حد عزت و تکریم کی۔ اثنائے مشورہ میں یہودیوں نے ان سے پوچھا کہ ہم ہتھیار ڈال کر قلعہ سے باہر نکلیں یا نہیں۔ حضرت ابولبابہؓ نے یہودیوں کو ہتھیار ڈالنے کا مشورہ دیا، لیکن ساتھ ہی اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا جس کا مطلب ان کو یہ بتانا تھا کہ تم لوگ غداری کی پاداش میں قتل کیے جاؤ گے۔ یہ اشارہ کر تو دیا مگر معاً احساس ہوا کہ میں نے مسلمانوں کا ایک جنگی راز فاش کر دیا۔ اب یہودی مایوسی کے عالم میں سر بکف ہو کر کوئی خطرناک قدم اٹھا بیٹھیں اور مسلمانوں کو کوئی ضرر پہنچ جائے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہو گی۔ اس خیال سے کانپ اُٹھے۔ اپنے آپ کو خدا اور خدا کے رسولؐ کی خیانت کا مرتکب سمجھا، بے اختیار اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھنے لگے، آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا جس نے ڈاڑھی کو تر کر دیا۔ قلعہ سے باہر نکلے تو سرورِ عالم علیہ السلام کو منہ دکھانے کی ہمت نہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑی۔ سیدھے مسجد نبویؐ میں پہنچے اور ایک موٹی زنجیر لے کر اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا۔ دن رات بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑاتے تھے کہ اے غفورٌ رّحیم میری خطا بخش دے۔ کھانا پینا بالکل ترک ہو گیا۔ صرف نماز اور حوائجِ ضروریہ کے لیے زنجیر کھول لیتے اور فارغ ہونے کے بعد اپنے آپ کو اپنی لڑکی سے بندھوا لیتے۔ سرورِ عالم ﷺ کو ان کا حال معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

''اب تو جو ہوا سو ہوا اگر ابولبابہؓ پہلے ہی میرے پاس آجاتے تو میں اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کے لیے دُعا کرتا۔''

حضرت ابولبابہؓ کو اپنے آپ پر وارد کی ہوئی سزا بھگتتے کئی روز گزر گئے۔ اسی دوران میں روتے روتے ان کی آنکھیں سوج گئیں، نظر کمزور ہو گئی اور کان بہرے ہو گئے۔ کبھی کبھی ان کی لڑکی ایک خرما ان کے منہ میں ڈال دیتی اور پانی کے دو گھونٹ پلا دیتی، اس کے سوا ان کی اور کوئی خوراک نہیں تھی۔ ایک دن ضعف و ناتوانی کے عالم میں بیہوش ہو کر گر گئے۔ اس وقت رحمتِ الٰہی کو جوش آ گیا اور مہبطِ وحی و رسالت ﷺ پر طلوعِ فجر سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ (الانفال۔۲۹)

ترجمہ اے ایمان والو! ''اگر تم خدا ترسی اختیار کرو گے تو اللہ تمہارے لیے کسوٹی بہم پہنچا دے گا اور تمہاری برائیوں کو تم سے دور کرے گا اور تمہارے قصور معاف کرے گا۔ اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔''

حضور ﷺ اس وقت اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہؓ کے حجرے میں تھے۔ نزولِ وحی پر آپؐ مُتَبَسِّمْ ہو گئے اور روئے انور پر بشاشت پھیل گئی۔ حضرت اُمِّ سلمہؓ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! اللہ آپ کو ہمیشہ ہنسائے معاملہ کیا ہے؟''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''ابولبابہؓ کی توبہ قبول ہو گئی۔''

حضرت اُمِّ سلمہؓ نے عرض کی: ''میرے ماں باپ آپؐ پر قربان اگر اجازت ہو تو یہ مژدہ ابولبابہؓ کو سنا دوں۔''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہاں اگر تم چاہو۔''

حضرت اُمِّ سلمہؓ کا حجرہ مسجد نبویؐ کے بالکل قریب تھا۔ انہوں نے وہیں سے پکار کر فرمایا: ''ابولبابہ مبارک ہو، تمہاری توبہ قبول ہو گئی۔'' کچھ اور لوگوں نے بھی اُمّ المؤمنینؓ کی بات سن لی اور ان کے ذریعے یہ خبر آناً فاناً سارے شہر میں پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق حضرت ابولبابہؓ کو مبارک دینے مسجد نبویؐ کی طرف لپکے۔ اِدھر حضرت ابولبابہؓ کو بھی ہوش آ گیا۔ لوگ انہیں کھولنے لگے تو سختی سے منع کر دیا اور کہا:

''جب تک رسول اللہ ﷺ مجھ خطا کار کو خود نہ کھولیں گے، میں اسی ستون

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بندھا رہوں گا۔"

رحمتِ عالم ﷺ نمازِ فجر کے لیے تشریف لائے تو اپنے دستِ مبارک سے حضرت ابولبابہؓ کو کھولا۔ وہ فرطِ مُسرّت سے بے خود ہو گئے اور حضور ﷺ کے پائے اقدس سے لپٹ کر عرض کی:

"یارسولَ اللہ ﷺ! میں اپنا سب گھر بار راہِ حق میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپؐ مجھے ہمیشہ کے لیے اپنے قدموں میں رہنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "صرف ایک تہائی مال کا صدقہ کرو۔"

حضرت ابولبابہؓ نے تعمیلِ ارشاد کی اور پھر زندگی بھر اپنے ہر قول و فعل میں غایت درجہ احتیاط سے کام لیتے رہے۔ یہاں تک کہ روایت حدیث سے بھی حتی الوسع احتراز کرتے تھے کہ مبادا ان کے منہ سے کوئی ایسا لفظ رسولِ اکرم ﷺ سے منسوب ہو جائے جو آپؐ نے فی الواقع ارشاد نہ فرمایا ہو۔ اس لیے ان کی مرویات کی تعداد بہت قلیل ہے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہُ نے کتنے دن اپنے آپ کو ستون سے باندھے رکھا؟ اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں کسی میں چھ دن، کسی میں آٹھ دن اور کسی میں پندرہ دن بیان ہوئے ہیں۔ مدت سے قطع نظر دیکھنے کی اصل چیز حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہُ کا جذبہ ہے۔ اس کی جتنی بھی ستائش کی جائے کم ہے۔ [1]

بنو قریظہ کے جن مردوں کو غداری کے جرم میں قتل کیا گیا، عام طور پر ان کی تعداد چھ سَو اور سات سَو کے درمیان یا سات سَو اور آٹھ سَو کے درمیان بیان کی جاتی ہے۔ ان سب کو مدینہ منورہ لا کر قتل کیا گیا۔ ایک عورت کے سوا اور کسی عورت کو قتل نہیں کیا گیا۔ بنانہ نامی اس یہودیہ کو حضرت خلادؓ بن سوید انصاری کے سر پر چکی کا پاٹ گرا کر شہید کرنے کے جرم میں (بطورِ قصاص) قتل کیا گیا۔ حضرت خلادؓ بڑے جلیل القدر صحابی تھے ان کا تعلق خزرج کے خاندان بنی حارثہ سے تھا۔ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے بیعتِ عقبہ میں اسلام قبول کیا۔ ہجرتِ نبویؐ کے بعد غزواتِ بدر، اُحد اور احزاب میں شریک ہوئے اور غزوۂ بنی قریظہ میں شہادت پائی۔

---

[1] حضرت ابولبابہؓ رفاعہ بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے ان کا تعلق قبیلہ اوس کے خاندان بنی عمرو بن عوف سے تھا۔ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے بیعتِ عقبۂ کبیرہ (۱۳ نبوت) میں اسلام لائے اور اپنے قبیلے کے نقیب بنائے گئے۔ بدر سمیت عہدِ رسالتؐ کے بیشتر غزوات میں شریک ہوئے۔ بعض موقعوں پر حضور ﷺ نے مدینہ سے باہر جاتے وقت ان کو اپنا جانشین بنایا۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر بنی عمرو بن عوف کا جھنڈا ان کے پاس تھا۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت وفات پائی (سالِ وفات کے بارے میں سخت اختلاف ہے) اپنے پیچھے دولڑکے سائب اور عبدالرحمٰن چھوڑے۔ ان سے مروی چند احادیث بھی کُتُبِ سِیَر میں موجود ہیں (طبقات ابنِ سعد، اُسدالغابہ، سِیَرُ انصار) حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات راقم الحروف کی تالیف "خیر البشر کے چالیس جاں نثار" میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ (طالب ہاشمی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہتھیار ڈالنے سے پہلے بنو قریظہ کے تین افراد نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا۔ ان کے نام ثعلبہ بن سعیہ، اسید بن سعیہ اور اسید بن عبید تھے ان کی جان اور مال جائداد سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ (کامل ابنِ اثیر ج ۲ ص ۳۰۳)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات:

بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ دینے کے چند دن بعد حضرت سعدؓ کی علالت خطرناک صورت اختیار کر گئی۔ داغے جانے کے بعد ان کے ہاتھ کے زخم سے خون کا بہنا تو رُک گیا تھا لیکن ہاتھ پھول گیا تھا۔

ایک دن ان کا زخم (خود بخود یا ایک بکری کا کُھر لگنے سے جو اُن کے خیمے میں آ گھسی تھی) اِس زور سے پھٹا کہ خون کا پرنالا جاری ہو گیا اور اُن پر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ حضور ﷺ کو اطلاع پہنچی تو آپ عالمِ اضطراب میں رِدائے مبارک گھسیٹتے ہوئے مسجد پہنچے اُس وقت حضرت سعدؓ کی روحِ مُطَہّرہ عالمِ بالا کو پرواز کر چکی تھی۔ حضور ﷺ کو سعدؓ کی موت کا شدید غم ہوا اور آپؐ اپنے اس جاں نثار اور محبوب صحابی کی نعش کو اپنی آغوشِ مبارک میں لے کر بیٹھ گئے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب رحمتِ عالم ﷺ حضرت سعدؓ کے خیمے میں پہنچے تو ابھی ان کے کچھ سانس باقی تھے۔ آپؐ نے ان کا سر اپنے زانو پر رکھ کر دعا کی:

> "الٰہی! تیری راہ میں سعد نے بڑی زحمت اٹھائی اس نے تیرے رسول کی تصدیق کی اور حقوقِ اسلام کو ادا کیا، اس کی روح کے ساتھ ایسا معاملہ کر جیسا اپنے کسی دوست کی روح کے ساتھ کرتا ہے۔"

حضرت سعدؓ نے حضور ﷺ کی آواز سن کر آنکھیں کھولیں اور **السَّلامُ عَلَیْکَ یَارَسُولَ اللہ** کہہ کر اپنا سر حضور ﷺ کے زانوئے مبارک سے علیحدہ کر لیا کہ اس حالت میں بھی آپؐ کا ادب ملحوظ تھا اب حضور ﷺ نے انہیں مسجدِ نبویؐ سے گھر منتقل کر دیا جہاں انہوں نے تھوڑی دیر کے بعد پیکِ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذ کی موت سے عرشِ رحمان ہل گیا۔ (صحیح بخاری ابواب المناقب و صحیح مسلم کتاب الفضائل)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھا تو اللہ تعالیٰ کے سینکڑوں پاکباز بندوں نے یہاں تک کہ خود رحمتِ عالم ﷺ نے اس کو کندھا دیا کچھ لوگوں نے کہا، جنازہ کس قدر ہلکا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں، جنازہ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۲۵ عن انسؓ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذ کی وفات پر ستر ہزار ایسے فرشتے زمین پر اترے جو اس سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترے تھے۔ (السیرۃ النبویہ ابنِ کثیر ج ۳ ص ۲۵۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔ نمازِ جنازہ خود حضور علیہ ﷺ نے پڑھائی۔ ان کو غزوۂ احزاب کے شُہداء میں شمار کیا جاتا ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ان کی والدہ حضرت کبشہ بنتِ رافع رضی اللہ عنہا بھی وفات پا گئیں۔ بڑی صابر اور حوصلہ مند خاتون تھیں ایک بیٹا غزوۂ اُحد میں شہید ہوا اور دوسرا احزاب میں۔ انہوں نے دونوں موقعوں پر کمال درجے کے صبر سے کام لیا۔

بنو اشجع کے وفد کی مدینہ منورہ میں آمد:

قبیلہ اشجع، بنو غطفان کا ایک بڑا بطن تھا۔ یہ لوگ نجد میں وادی القُریٰ اور جبالِ طے کے قریب آباد تھے۔ غزوۂ بنی قریظہ کے بعد ۵ھ ہجری میں بنو اشجع کا ایک وفد معاہدۂ صلح کے لیے مدینہ منورہ میں وارد ہوا۔ یہ وفد باختلافِ روایت ایک سَو یا اس سے زیادہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ [1] یہ لوگ مدینہ آ کر محلہ شعبِ سلع میں قیام پذیر ہوئے۔ حضور علیہ ﷺ کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو آپؐ نے اس بات کا انتظار نہ فرمایا کہ وہ خود بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر ہوں بلکہ آپؐ خود ان کے پاس تشریف لے گئے۔ خیر و عافیت پوچھی اور بڑی دیر تک کمال اخلاق اور محبت کے ساتھ ان سے گفتگو فرماتے رہے۔ پھر صحابہؓ سے فرمایا کہ اپنے مہمانوں کی کھجوروں سے تواضع کرو۔ وہ لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپؐ نے انہیں بڑی نرمی کے ساتھ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے جواب دیا۔ ''محمدؐ! ہم اسلام قبول کرنے کے لیے نہیں آئے، ہماری آمد کی غرض و غایت یہ ہے کہ آپ سے امن اور صلح کا معاہدہ کریں۔ کیونکہ آپؐ کی اور آپ کی قوم کی آئے دن کی لڑائیوں نے ہمیں سخت پریشان کر رکھا ہے۔''

رحمتِ عالم علیہ ﷺ نے خندہ پیشانی سے فرمایا ''جو تم کہتے ہو وہ ہمیں منظور ہے۔'' چنانچہ امن کا ایک معاہدہ لکھا گیا جس کو فریقین نے منظور کر لیا۔ اس دوران میں اہلِ وفد حضور علیہ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ سے اتنے متاثر ہو چکے تھے کہ معاہدۂ صلح معرضِ تحریر میں آنے کے معاً بعد وہ سب پکار اٹھے:

''اے محمد علیہ ﷺ! آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ کا دین برحق ہے۔''

چنانچہ سب کے سب دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو کر اپنے گھروں کو لوٹے۔

(طبقات ابنِ سعد)

---

[1] عرب مؤرخ علامہ محمد احمد باشمیل نے اپنی کتاب ''غزوۂ تبوک'' میں لکھا ہے کہ بنو اشجع کا وفد سات سَو آدمیوں پر مشتمل تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ غزوۂ احزاب میں اس قبیلے کا ایک دستہ بھی مشرکین کے لشکر میں شامل تھا لیکن غزوۂ بنی قریظہ کے بعد اس قبیلے کے لوگ ایمان لا کر اسلام کے دست و بازو بن گئے۔ فتح مکہ (رمضان ۸ھ ہجری) کے وقت لشکرِ اسلام مین یہ قبیلہ بھی شامل تھا۔ (غزوۂ تبوک ص ۲۹۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت
کا
چھٹا سال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سریّۂ قُرطاء یا سریّۂ محمد بن مَسلَمہ (مُحرّم ۶ ہجری)

القُرطاء یا قُرطاء کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ نجد کے ایک قبیلہ عامر بن صعصعہ کی ایک شاخ تھی جو مدینہ کے مشرق میں سات دن کی مسافت پر آباد تھی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ قیس عیلان کی ایک شاخ تھی جسے بنوعبد بن بکر کہا جاتا تھا تیسری روایت یہ ہے کہ قُرطاء ایک مقام تھا جو نجد کے علاقہ بکرات (اونچے پہاڑوں کا علاقہ) میں ضَرِیّہ نامی بستی کے قریب واقع تھا۔ یہاں بنوبکر بن کِلاب کی ایک شاخ آباد تھی اور اسی کی طرف یہ سریّہ بھیجا گیا تھا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری روایت ہی درست ہے۔ عامر بن صعصعہ، بنوعبد بن بکر اور بنوبکر بن کِلاب سب قیس عیلان ہی کی نسل سے تھے اور قرطاء کسی قبیلے کا نہیں بلکہ قبیلے کی جائے سکونت کا نام تھا اور اگر اسے قبیلہ سمجھا جائے تو پھر یہ قبیلے کا عرف ہے اصل نام نہیں مُحرّم ۶ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ ضَرِیّہ کے قریب آباد ایک قبیلہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت محمدؓ بن مسلمہ انصاری کو تیس سوار دے کر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ آنحضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق دن کو اپنے ساتھیوں سمیت پہاڑوں میں چھپ جاتے اور رات کو سفر کرتے۔ اسی طرح سفر کرتے کرتے انہوں نے دشمن کے گاؤں کو اچانک جا گھیرا۔ جن لوگوں نے مقابلہ کیا وہ مارے گئے (باختلافِ روایت دس یا بیس آدمی قتل ہوئے) باقی بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کے ایک سَو پچاس اونٹوں اور تین ہزار بکریوں پر قبضہ کر لیا۔ اتفاق سے اسی سریّہ میں بنوحنیفہ کے اسلام دشمن سردار ثمامہ بن اُثال مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ ثمامہ کے اپنے بیان کے مطابق وہ عمرہ کے لیے مکّہ جا رہے تھے۔ عرب کے لوگ زمانۂ جاہلیّت میں بھی حج اور عمرہ کیا کرتے تھے۔ (''سیرتِ حلبیہ'' میں ہے کہ وہ مسیلمہ کذّاب کے حکم پر بھیس بدل کر رسولِ اکرم ﷺ کو شہید کرنے کے ارادے سے نکلے تھے مگر حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کے دستے نے انہیں پکڑ لیا۔) ان میں سے کوئی بھی ان کو پہچانتا نہیں تھا۔ حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ اور ان کے ساتھی انیس دن مدینہ سے باہر رہ کر مُحرّم کے آخری دن مالِ غنیمت اور قیدی سمیت مدینہ واپس پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنے قیدی کو مسجدِ نبویؐ کے ایک ستون سے باندھ دیا اور خود رسولِ اکرم ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد آنحضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ مجاہدین کی کارکردگی پر اظہارِ خوشنودی فرمایا اور انہیں دعائے خیر دی پھر آپؐ نے قیدی پر نظر ڈالی اور صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''جانتے ہو یہ کون شخص ہے؟''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابہؓ نے عرض کیا۔ ''اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔''
فرمایا: ''یہ یمامہ کا رئیس ثمامہ بن اُثال ہے۔ اسلام کا بدترین دشمن (یا بروایتِ دیگر ایک مسلمان کا قاتل) یہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ اچھا فی الحال اسے باندھے رکھو مگر اس کے کھانے پینے کا اچھی طرح خیال رکھنا۔''
پھر حضور ﷺ نے (اسی وقت یا بروایتِ دیگر عشاء کی نماز کے بعد تشریف لاکر) ثمامہ سے پوچھا۔
''کہو ثمامہ کیا کہتے ہو۔''
ثمامہ نے جواب دیا: ''اے محمدؐ! اگر مجھے قتل کرو گے تو میں واقعی مجرم اور مباح الدم ہوں۔ (یا بروایتِ دیگر ایک جاندار یا ایک خونی کو قتل کرو گے) اور اگر رہا کردو گے تو مجھے شکر گزار اور احسان شناس پاؤ گے اور اگر زرِ فدیہ مطلوب ہو تو جی بھر کے مانگو، میں ادا کردوں گا۔''
یہ جواب سن کر آپؐ ثمامہ کو اسی طرح چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ دوسرے دن بھی رحمتِ عالم ﷺ اور ثمامہ کے مابین ایسی ہی گفتگو ہوئی اور حضور ﷺ کوئی فیصلہ کیے بغیر تشریف لے گئے۔ تیسرے دن پھر اسی قسم کے سوال و جواب ہو چکے تو خیر البشر ﷺ نے معاً فرمایا:

''اطلقوا ثمامة''

''ثمامہ کو رہا کر دو۔''
صحابۂ کرامؓ نے فوراً ان کی مُشکیں کھول دیں اور حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ''ثمامہ اب تم آزاد ہو جہاں تمہارا جی چاہے جا سکتے ہو۔''
رحمتِ عالم ﷺ کے حُسنِ سلوک سے ثمامہ اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے نہاں خانۂ دل سے شرک و کفر کی تاریکیاں یکسر کافور ہو گئیں۔ مسجد سے نکل کر دوڑتے ہوئے قریب کے ایک نخلستان میں گئے اور نہا دھو کر اُلٹے پاؤں مسجدِ نبوی میں آئے۔ سرورِ عالم ﷺ ابھی وہیں تشریف فرما تھے۔ ثمامہ نے حضور ﷺ کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھا اور پھر یوں عرض پیرا ہوئے:

''یا رسولَ اللہ ﷺ! خُدا کی قسم تھوڑی دیر پہلے تک دُنیا میں کوئی شخص میری نظر میں آپؐ سے زیادہ مبغوض نہیں تھا اور نہ میرے نزدیک آپؐ کے چہرے سے ناپسندیدہ کوئی اور چہرہ تھا لیکن اب دنیا میں آپؐ سے بڑھ کر مجھے کوئی اور محبوب نہیں اور نہ آپؐ کے رُخِ انور سے پیارا کسی اور کا چہرہ مجھے نظر آتا ہے۔ واللہ آج سے پہلے آپؐ کے دین سے بُرا دین میرے نزدیک کوئی اور نہ تھا لیکن اب اس دین سے بہتر اور اعلیٰ دین مجھے کوئی اور دکھائی نہیں دیتا۔ بخدا اس سے قبل (اس) بستی (مدینہ منورہ) سے زیادہ بُری بستی میرے نزدیک کوئی نہ تھی لیکن آج یہ شہر روئے زمین کے شہروں سے مجھے اچھا معلوم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے۔ اے خدا کے سچے رسول ﷺ! میں اپنے وطن سے عمرہ کی نیت سے چلا تھا۔ رستے میں یہ واقعہ پیش آ گیا۔ حق تعالیٰ نے اب مجھے نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب کر دیا ہے تو کیا میں اب بھی عمرہ کر سکتا ہوں۔"

سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا "ہاں ہاں تم عمرہ کر سکتے ہو بشرطیکہ مکہ میں تمہاری جان کو کوئی خطرہ نہ ہو" ثمامہؓ نے حضور ﷺ کو سلام کیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ثمامہؓ قبولِ اسلام کے بعد سیدھے مکہ معظمہ پہنچے۔ آدمی بڑے جی دار اور نڈر تھے۔ بے دھڑک عمرہ ادا کیا اور پھر اپنے اسلام کا بھی اظہار کر دیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ قریش کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے ان کے قبولِ اسلام کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی چنانچہ وہ مکہ پہنچے تو مشرکین ان کے عمرہ ادا کرنے میں مزاحم ہوئے اور کہا کہ تم صابی (بے دین اور لامذہب) ہو گئے ہو۔ ثمامہؓ نے ان کو منہ توڑ جواب دیا اور کہا کہ "صابی نہیں ہوا بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا ہوں۔ خدا کی قسم اب میری اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ بھی یمامہ سے مکہ نہیں آئے گا" اور واقعی انہوں نے جو کہا تھا اسے کر دکھایا۔ وطن واپس گئے تو مکہ کو غلہ کی ترسیل روک دی۔ ان کے اس اقدام نے مکہ میں قیامت برپا کر دی اور وہاں اناج کا کال پڑ گیا۔ قریش نے گھبرا کر ایک خط سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں مدینہ روانہ کیا۔ اس خط میں لکھا تھا۔ "محمدؐ باپوں کو تو تم نے جنگوں میں قتل کر ڈالا اب اُن کے بچوں کو بھوک سے مار رہے ہو حالانکہ لوگوں کو تم صلۂ رحمی کا حکم دیتے ہو۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری قوم بھوک سے تڑپ رہی ہو اور تم آرام سے مدینہ میں بیٹھے رہو۔ کیا اب یمامہ سے کوئی غلہ نہ آئے گا۔"

اس خط کا لب ولہجہ بڑا گستاخانہ تھا اور یہ مشرکینِ قریش کی بددماغی کی مُنہ بولتی تصویر تھا۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے چند سال پہلے بنی ہاشم کو شِعبِ ابی طالب میں مسلسل تین سال تک محصور رکھ کر ان پر جینا دوبھر کر دیا تھا۔ سرورِ عالم ﷺ چاہتے تو اس موقع پر قریش سے خوفناک انتقام لے سکتے تھے اور پھر اس خط کے مندرجات بھی خلافِ حقیقت تھے۔ نہ ثمامہؓ نے حضور ﷺ کے ایماء پر غلہ روکا تھا اور نہ کبھی حضور ﷺ نے جنگ میں قریش کے خلاف پیش قدمی کی تھی بلکہ وہ خود ہی بار بار مدینہ پر چڑھ کر آئے تھے۔ حضور ﷺ اس خط میں لکھی گئی خرافات کی سزا بھی مشرکینِ قریش کو دے سکتے تھے لیکن آپؐ رؤف ورحیم تھے آپؐ کی شانِ رحمۃٌ لّلعالمینی نے گوارا نہ کیا کہ یہ لوگ بھوک سے تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو جائیں۔ فوراً ثمامہؓ کو کہلا بھیجا کہ "غلہ نہ روکو" ثمامہؓ نے بلا حیل وحجت حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی اور حسبِ دستور مکہ کو غلہ بھیجنے لگے۔

سُورۃُ المُجَادلہ کا نُزول:

اِسی سال (۶ ہجری میں) سُورۃُ المُجَادلہ نازل ہوئی۔ اس کے نُزول کا سبب ایک خاص واقعہ تھا جسے "واقعۂ ظِہار" کہا جاتا ہے "ظِہار" ظہر سے مشتق ہے۔ ظہر کے لغوی معنی پیٹھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ہیں۔ عربی زبان میں یہ لفظ استعارے کے طور پر سواری کے لیے بولا جاتا ہے مثلاً سواری کے جانور کو ظہر کہا جاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیّت میں عرب لوگ بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کے لیے کہتے تھے کہ تجھ کو ظہر بنانا میرے اوپر ایسا حرام ہے جیسا اپنی ماں کو ظہر بنانا۔ اس مقصد کے لیے شوہر بالعموم اپنی بیوی کو مخاطب کرکے یہ الفاظ کہتا، اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ یعنی تو میرے اوپر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ تجھ سے مقاربت کرنا میرے لیے ایسا ہے جیسے میں اپنی ماں سے مقاربت کروں۔

ایسے الفاظ زبان سے نکالنا عربوں کی اصطلاح میں ظِہار کہلاتا تھا اور اسے طلاق سے بھی بڑھ کر بیوی سے قطعِ تعلّق کا اعلان سمجھا جاتا تھا کیونکہ طلاق کے بعد تو رجوع کی گنجائش ہو سکتی تھی لیکن ظِہار کے بعد رجوع کا کوئی امکان نہ رہتا تھا۔

سورۃ المجادلہ کے نزول سے کچھ پہلے ایک صاحب رسول ﷺ حضرت اوس بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غصے میں آکر اپنی اہلیہ حضرت خولہؓ بنتِ ثعلبہ[1] سے یہی الفاظ کہہ دیے اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ. حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ اسلام میں یہ ظِہار کا پہلا واقعہ تھا۔ جب حضرت اوسؓ کا غصّہ فرو ہوا تو سخت پریشان ہوئے کہ یہ کیا حرکت کر بیٹھا ہوں اور اب گھر کو بچانے کی کیا صورت ہوگی۔ اُدھر حضرت خولہؓ بھی سکتے میں آگئی تھیں۔ جب حضرت اوسؓ نے ان کے سامنے ندامت کا اظہار کیا تو بولیں:

> "گو تم نے طلاق نہیں دی لیکن میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ الفاظ کہنے کے بعد میرے اور تمہارے درمیان میاں بیوی کا رشتہ باقی رہ گیا ہے یا نہیں۔ اب تم

---

[1] حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت اوس بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی بنتِ عم تھیں اور اُن کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت اوسؓ بڑھاپے کی وجہ سے کچھ چڑچڑے ہوگئے تھے اور غصے میں آکر ان کو اپنی زبان پر قابو نہیں رہتا تھا۔ ان روایتوں کی روشنی میں حضرت اوسؓ کی جو صورت ہمارے سامنے آتی ہے وہ ایک شیخ کبیر (بہت ضعیف العمر آدمی) کی ہے۔ لیکن جب ہم حضرت اوسؓ بن صامت کے سوانحِ حیات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے وقت ان کی عمر صرف چوالیس (۴۴) برس کے لگ بھگ تھی (۳۴ھ ہجری میں وفات کے وقت ان کی عمر ۷۲ برس بتائی جاتی ہے اس لیے ۶ھ ہجری میں وہ ۴۴ برس کے ہوں گے) اس عمر میں ان کو ضعیف العمر نہیں کہا جا سکتا۔ صورتِ واقعہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُن کے مزاج میں غصّہ بہت زیادہ تھا اور وہ غصے میں آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ مدینہ منورہ پر اسلام کی بارانِ رحمت برسنے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ایک مسلمان نے اپنی بیوی سے ظِہار کیا۔

حضرت اوسؓ بن صامت اور حضرت خولہؓ بنتِ ثعلبہ دونوں کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج کے خاندان بنی عوف بن خزرج سے تھا۔ اسے خاندانِ بنی سالم بھی کہا جاتا ہے۔ دونوں غزوۂ بدر سے پہلے مشرّف بہ اسلام ہوئے اور انصار کے سابقین اوّلین میں شمار ہوئے۔ حضرت اوسؓ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم ﷺ کے ہم رکاب رہے۔ انہوں نے ۳۴ھ میں فلسطین کے شہر رملہ میں وفات پائی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور اس بات کا فیصلہ کراؤ۔"

حضرت اوسؓ نے کہا:

"مجھے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کرنے سے شرم آتی ہے۔ خدا کے لیے تم خود ہی حضور ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور تمام قصہ بیان کر کے آپؐ سے فتویٰ لو۔"

حضرت خولہؓ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ اس وقت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں تشریف فرما تھے۔

حضرت خولہؓ نے واقعہ بیان کر کے عرض کیا:

"یا رسولَ اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا میری اور میرے بچوں کی زندگی کو تباہی سے بچانے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"میرا خیال یہ ہے کہ تم اس پر حرام ہو گئی ہو۔"

ایک اور روایت کے مطابق آپؐ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

"ابھی تک اس مسئلے میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے۔"

حضور ﷺ کا جواب سن کر حضرت خولہؓ نالہ و فریاد کرنے لگیں اور بار بار عرض کرنے لگیں، یا رسول اللہ ﷺ! اوس میرا ابنِ عم ہے اس کی تند مزاجی کا آپ کو علم ہے اس نے غصے میں آ کر ایسی بات کہہ دی ہے جو میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ طلاق نہیں ہے۔ خدا کے لیے کوئی ایسی صورت بتائیں کہ میری، میرے شوہر اور بچوں کی زندگی تباہ ہونے سے بچ جائے۔ مگر ہر مرتبہ حضور ﷺ ان کو وہی جواب دیتے رہے لیکن خولہؓ مایوس نہ ہوئیں اور اپنی بات پر برابر اصرار کرتی رہیں پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی:

"الٰہی! میں تجھ سے اپنی سخت ترین مصیبت کی فریاد کرتی ہوں۔ اے اللہ! جو بات ہو ہمارے لیے رحمت کا باعث ہو اسے اپنی نبی کی زبان سے ظاہر فرما۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ منظر اتنا دردناک تھا کہ میں اور گھر کے سارے لوگ اشکبار ہو گئے۔

حضرت خولہؓ کا اصرار جاری تھا کہ یکا یک آنحضور ﷺ پر نزولِ وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"خولہ! ذرا انتظار کر شاید اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملے کا فیصلہ کر دیا ہے۔"

حضرت خولہؓ کے لیے یہ سخت امتحان کی گھڑی تھی۔ انہیں یہ ڈر مارے ڈالتا تھا کہ اگر بارگاہِ الٰہی سے میرے خلاف فیصلہ صادر ہوا تو میں اس صدمے سے جانبر نہ ہو سکوں گی لیکن جب انہوں نے حضور ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ کو متبسم پایا۔ اس سے ان کی ڈھارس بندھی اور وہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوشخبری سننے کے لیے کھڑی ہو گئیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"خولہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارا فیصلہ کر دیا۔"

پھر آپؐ نے سورۃ المجادلہ شروع سے اخیر تک پڑھی۔ اس کی پہلی ہی آیت حضرت خولہؓ کے بارے میں تھی:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ○

"اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تم سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے۔ اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

اس کے بعد اس سورۃ میں نازل ہونے والے احکام کے مطابق آپؐ نے حضرت خولہؓ سے فرمایا کہ اپنے شوہر سے کہو کہ ایک لونڈی یا غلام آزاد کریں۔

حضرت خولہؓ نے عرض کیا:

"یا رسولَ اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میرے خاوند کے پاس کوئی لونڈی یا غلام نہیں ہے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "تو پھر وہ مسلسل ساٹھ روزے رکھیں۔"

حضرت خولہؓ بولیں:

"یا رسولَ اللہ ﷺ! اوسؓ کا حال تو یہ ہے کہ دن میں تین مرتبہ کھائیں پئیں نہیں تو ان کی بینائی جواب دینے لگتی ہے۔"

آپؐ نے فرمایا۔ "اچھا تو ان سے کہو کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیں۔"

حضرت خولہؓ نے عرض کیا:

"یا رسولَ اللہ ﷺ! میرا شوہر اس کی بھی مقدرت نہیں رکھتا اِلّا یہ کہ آپ مدد فرمائیں۔"

(بعض روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت اوسؓ کو بلا کر یہ احکام دیے مگر انہوں نے ان میں سے کسی حکم کو بھی پورا کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔)

تب آنحضور ﷺ نے انہیں اتنا سامانِ خوراک عطا فرمایا جو ساٹھ آدمیوں کی دو وقت کی غذا کے لیے کافی تھا۔ حضرت اوسؓ نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا کر اپنے ظِہار کا کفارہ ادا کر دیا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ کفارہ کا نصف سامانِ خوراک حضور ﷺ نے عطا فرمایا اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نصف حضرت خولہؓ نے شوہر کو دیا۔

علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت خولہؓ حضور ﷺ سے رخصت ہو کر گھر آئیں تو حضرت اوسؓ کو دروازے پر اپنا منتظر پایا۔ انہوں نے بے تابی سے پوچھا:

''کیوں خولہ! رسول اللہ ﷺ نے کیا حکم دیا؟''

حضرت خولہؓ نے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ تم بہت خوش قسمت ہو، جاؤ اور ام المنذرؓ بنتِ قیس سے ایک بارِ شتر کھجوریں لے کر ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کر دو تو تمہارے ظِہار کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔''

حضرت اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فیصلے پر ناقابلِ بیان مُسرّت ہوئی اور انہوں نے کفارہ ادا کر کے آئندہ کے لیے ایسی بات منہ سے نہ نکالنے کا عہدہ کر لیا۔

(طبقات ابنِ سعد، مُسندِ احمد۔ ابوداؤد۔ ابنِ ابی حاتم۔ تفہیم القرآن)

سریۂ غمر مرزوق یا سریۂ عُکاشہؓ بن محصن (ربیع الآخر ۶ ہجری)

ربیع الاوّل (یا بروایتِ دیگر ربیع الآخر) ۶ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ کو خبر ملی کہ بنو اسد بن خزیمہ کی ایک جماعت نے چشمۂ غمر مرزوق کے قریب پڑاؤ ڈال رکھا ہے اور اس کا ارادہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت عکاشہؓ بن محصن کو چالیس سوار دے کر حکم دیا کہ فوراً جا کر ان شر پسندوں کی سرکوبی کریں۔ حضرت عکاشہؓ طوفانِ باد کی طرح ان لوگوں کے سر پر پہنچے بنو اسد کو مقابلے کی ہمت نہ پڑی اور وہ افراتفری کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت عکاشہؓ نے ان کے دو سَو اونٹ پکڑ لیے اور انہیں ساتھ لے کر کامیاب وکامران مدینہ منورہ واپس آئے۔ یہ مہم سریۂ عکاشہؓ بن محصن یا سریۂ غمرِ مرزوق کے نام سے مشہور ہے۔

(طبقات ابن سعد)

سریۂ ذوالقصّہ (ربیع الآخر ۶ ہجری):

ربیع الآخر ۶ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت محمدؓ بن مَسلمہ انصاری کو نَو آدمیوں کے ہمراہ ذُوالقصّہ روانہ فرمایا۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے ۲۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اِس مہم کا کیا مقصد تھا، مؤرخین کا اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے ان اصحاب کو تبلیغ و ہدایت کے لیے بھیجا تھا اور بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اُنہیں بنو ثعلبہ کی گوشمالی کے لیے روانہ کیا گیا تھا جو مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ قرینے سے پہلی روایت دُرست معلوم ہوتی ہے کیونکہ کسی باغی قبیلے کی سرکوبی کے لیے دس آدمیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ بہرصورت جب یہ اصحاب ذُوالقصّہ پہنچے تو بنو ثعلبہ نے سَو آدمی جمع کر کے مسلمانوں پر پہلے تیر برسائے اور پھر نیزے لے کر ان پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ حضرت محمدؓ بن مَسلمہ کے سوا سب کو شہید کر ڈالا۔ حضرت محمدؓ بن مَسلمہ صرف اس وجہ سے بچ گئے کہ اُن کے ٹخنے پر شدید چوٹ آ گئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کے صدمے سے وہ بے ہوش ہوگئے، دشمن نے مُردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اس واقعے کے بعد اتفاق سے ایک مسلمان اُدھر سے گزرا۔ اس نے حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کو اس حال میں دیکھا تو اس کی غیرتِ ایمانی نے گوارا نہ کیا کہ اپنے ایک مجروح مسلمان بھائی کو بے یارومددگار چھوڑ کر آگے بڑھ جائے۔ اُس نے حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کو کندھوں پر اٹھالیا اور طویل فاصلہ طے کرکے مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ نے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوکر اس سانحہ کی خبر دی تو آپ کو بہت دُکھ ہوا۔ (طبقات ابنِ سعد۔ سیرِ انصار)

سریّۂ ابوعبیدہ بن جرّاح رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ (ربیع الآخر ۶ ھ ہجری):

رسولِ اکرم ﷺ نے ۲۸ ربیع الآخر ۶ ھ کو چالیس مجاہدین کا ایک دستہ حضرت ابوعبیدہؓ بن جرّاح کی قیادت میں ذو القَصَّہ کی جانب روانہ کیا تاکہ حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ کو جو سانحہ پیش آیا تھا اس کا بدلہ لیا جاسکے۔ اسلامی فوج کے آنے کی خبر سن کر بنوثعلبہ پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ اُن کا صرف ایک آدمی پکڑا گیا جو مسلمان ہوگیا۔ البتہ بنوثعلبہ کے مویشی (اونٹ اور بکریاں) کثیر تعداد میں پیچھے رہ گئے تھے مسلمانوں نے ان پر قبضہ کرلیا اور انہیں مدینہ ہانک لائے۔ (طبقات ابنِ سعد)

دُومۃُ الجَندَل کی مہم (شعبان ۶ ھ ہجری):

۵ ھ ہجری کے واقعات میں ذکر آچکا ہے کہ دومۃ الجندل کا قصبہ مدینہ مُنَوَّرہ کے شمال میں تقریباً آٹھ سَو کلومیٹر دُور شام کی سرحد سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع تھا، یمن سے شام جانے والی تجارتی شاہراہ اس قصبے کے قریب سے گزرتی تھی۔ پچھلے سال جب آنحضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ دومۃ الجندل کے نواح میں آباد قبائل اس شاہراہ پر سفر کرنے والے تجارتی قافلوں پر ڈاکے ڈال رہے ہیں تو آپؐ ان کا قلع قمع کرنے کے لیے ایک ہزار صحابہ کے ہمراہ خود دومۃ الجندل تشریف لے گئے تھے لیکن آپؐ کے پہنچنے سے پہلے ہی تمام شریر قبائل منتشر ہوگئے تھے اور کسی کو اسلامی لشکر کا سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔ شعبان ۶ ھ ہجری میں حضور ﷺ کو پھر اطلاع ملی کہ دومۃ الجندل میں آباد عربوں کا ایک قبیلہ "بنوکلب" مدینہ سے شام اور شام سے مدینہ آنے جانے والے تجارتی قافلوں پر ڈاکے ڈال رہا ہے۔ اُس زمانے میں شام پر قیصرِ روم کی حکومت تھی اور وہاں کے باشندے بھی اپنے بادشاہ کے ہم مذہب یعنی عیسائی تھے۔ ان لوگوں سے میل جول کی وجہ سے دومۃ الجَندَل کے لوگ بھی عیسائی ہوگئے تھے۔ اب کی بار بنوکلب کے عیسائی قبیلے کے خلاف شکایت ملنے پر رسولِ اکرم ﷺ نے سات سَو صحابہ کا ایک لشکر تیار کیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہٗ کو اس کا امیر مقرر فرما کر دومۃ الجندل کی طرف جانے کا حکم دیا۔ جب وہ چلنے لگے تو حضور ﷺ نے ان کا عمامہ کھول ڈالا اور خود اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کے سر پر سیاہ عمامہ باندھا اور ان کی پیٹھ پر چھوٹا سا شملہ چھوڑ کر فرمایا، عبدالرحمٰن! عمامہ اسی طرح باندھا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرو کیونکہ یہ اچھا طریقہ ہے۔

پھر آپؐ نے ان کے ہاتھ میں فوج کا جھنڈا دیا اور فرمایا:

”بسم اللہ! اللہ کی راہ میں روانہ ہو جاؤ جو لوگ اللہ کی نافرمانی اور گناہ کے کاموں میں مشغول ہیں ان سے جا کر جہاد کرو لیکن کسی کو دھوکا نہ دینا، فریب نہ کرنا، بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور مریضوں کو نہ مارنا، دومۃ الجندل پہنچ کر پہلے بنوکلب کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ قبول کرلیں تو بہتر، اُن کے سردار کی بیٹی سے شادی کر لینا ورنہ ان سے جنگ کرنا۔“

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے دومۃ الجندل پہنچ کر بنوکلب کو بڑی نرمی اور پیار سے اسلام کی دعوت دی پہلے دن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ دوسرے دن پھر ان کو اسلام کی خوبیاں بتائیں لیکن وہ اپنا مذہب چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے۔ تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰنؓ نے پھر ان کو اللہ کے سچے دین کی طرف بلایا اور ساتھ ہی بتایا کہ اسی کے قبول کرنے میں تمہارا فائدہ ہے، اس دنیا میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔ اس مرتبہ قبیلے کے سردار اصبغ بن عمرو کلبی کا دل موم ہوگیا اور اس نے اسلام قبول کرلیا۔

اس کے ساتھ ہی قبیلے کے دوسرے لوگ بھی مسلمان ہوگئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ایک قاصد کے ہاتھ رسولِ پاک ﷺ کی خدمت میں ایک خط روانہ کیا جس میں لکھا کہ اصبغ اور اس کی قوم کے لوگ مسلمان ہوگئے ہیں۔

آپؐ نے اس کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کو لکھا کہ تم اصبغ کی بیٹی سے شادی کر لو۔ چنانچہ انہوں نے اصبغ کی بیٹی تماضر سے شادی کر لی اور اس کو رخصت کرا کے اپنے ساتھ مدینے لائے۔ اسی خاتون کے بطن سے نامور تابعی حضرت ابوسلمہؒ بن عبدالرحمٰنؓ پیدا ہوئے۔

(طبقات ابنِ سعد۔ تلقیح ابنِ جوزی)

ابورافع سَلّام بن ابی الحُقَیق نضری کا قتل (رمضان ۶ھ ہجری):

۶ھ ہجری کا ایک اہم واقعہ ابو رافع سلام بن ابی الحقیق نضری کا قتل ہے۔[1] یہ یہودی سردار اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ اس کا تعلق یہودِ بنی نضیر سے تھا جن کو آنحضور ﷺ نے ۴ھ ہجری میں مدینہ منوّرہ سے جلاوطن کردیا تھا۔ جلاوطنی کے بعد سلام بن ابی الحقیق نے اپنے قبیلے کے بیشتر افراد کے ساتھ خیبر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس نے غزوۂ احزاب کے موقع پر بعض دوسرے

---

[1] اس مہم کے زمانۂ وقوع کے بارے میں مختلف اقوال ہیں مثلاً جمادی الاخریٰ ۳ھ ہجری، ذی الحجہ ۴ھ ہجری، ذیقعدہ ۵ھ ہجری، ذی الحجہ ۵ھ ہجری، رمضان ۶ھ ہجری، بیشتر اہلِ سیر ومغازی نے رمضان ۶ھ ہجری والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ ان کے تتبع میں ہم نے بھی اس مہم یا سریّہ کا زمانۂ وقوع رمضان ۶ ہجری بیان کیا ہے۔
(تلقیح ابنِ جوزی ص ۳۔ محمد رسول اللہ شیخ محمد رضا ص ۲۸۳ سیَرِ انصار ج ۲ ص ۸۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہودی سرداروں کے ساتھ مل کر مشرکینِ مکّہ اور عرب کے کئی دوسرے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے جمع کیا تھا اور ان کی رسد کے علاوہ زرِ کثیر سے بھی مدد کی تھی۔

مسلمان جب غزوۂ بنی قریظہ سے فارغ ہوگئے تو قبیلۂ خزرج کے پانچ صحابہ حضرت عبداللہ بن عتیک، عبداللہ بن اُنیس، ابوقتادہ، اسود بن خزاعی اور مسعود بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہم آنحضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی اجازت چاہی کیونکہ وہ مسلمانوں کے خلاف بدستور سازشوں میں مشغول تھا ایک روایت کے مطابق وہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے لشکر جمع کرر ہا تھا۔ حضور ﷺ نے اُن کو اجازت دے دی اور حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو اُن کا امیر مقرر کر کے ہدایت فرمائی کہ کسی عورت اور بچّے کو نہ مارنا۔

یہ اصحاب خیبر پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا وہ ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے جب لوگ سو گئے اور گلیوں بازاروں میں سناٹا ہوگیا تو یہ اصحاب ابو رافع کے گھر کی طرف چلے جو ایک بلند قلعہ میں تھا۔ قلعہ کے قریب پہنچے تو حضرت ابنِ عتیکؓ نے اپنے ساتھیوں کو ایک محفوظ جگہ پر بٹھا دیا اور خود کسی حیلے سے پہریدار کو جُل دے کر قلعے کے اندر داخل ہوگئے۔ پھر ایک اور حیلے سے ابو رافع کے گھر میں داخل ہوئے اور کئی کمروں میں سے ہوتے ہوئے خاص ابو رافع کے کمرے میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیا۔ ان کی نظر کچھ کمزور تھی واپس آتے وقت چاندنی رات میں زینہ کے پاس پاؤں رپٹ گیا اور وہ لڑھکتے ہوئے کئی گز نیچے زمین پر آرہے۔ پاؤں پر سخت چوٹ لگی انہوں نے پاؤں اور پنڈلی کو اپنا عمامہ اتار کر اس سے کَس کر باندھا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر کوڑے کے ایک بڑے ڈھیر کے پیچھے اس طرح چھپ گئے کہ کوئی انہیں دیکھ نہ سکے۔ اُدھر ابو رافع کی عورت کے شور مچانے پر اہلِ قلعہ نے روشنی کر کے ابو رافع کے قاتل کو بہت ڈھونڈا لیکن وہ ان کے ہاتھ نہ آئے۔ صبح کے وقت جب ایک شخص نے قلعے کی دیوار پر چڑھ کر اعلان کیا کہ ابو رافع کا انتقال ہوگیا ہے تو حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو اطمینان ہوگیا کہ ابو رافع پر اُن کا وار کارگر رہا۔ اب وہ فوراً عازمِ مدینہ ہوگئے۔ ساتھیوں نے پورے سفر میں سواری پر لاد کر سہارا دیا کیونکہ چوٹ کی وجہ سے خود ان کے لیے چلنا پھرنا محال تھا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اپنا پاؤں پھیلاؤ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ آپؐ نے اس پر دستِ مبارک پھیرا تو وہ بالکل اچھے ہوگئے گویا چوٹ لگی ہی نہیں تھی۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۷۔۵۷۸ تلقیح ص ۳۰ سیر انصار ج ۲ ص ۸۶)

مہم کُرزؓ بن جابر فہری (شوال ۶ ہجری):

رسولِ اکرم ﷺ کے یسارؓ نامی ایک سوڈانی غلام کو عبادتِ الٰہی سے بہت شغف تھا۔ وہ بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کیا کرتے تھے اور اس کے تمام ارکان بھی نہایت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوش اسلوبی سے ادا کرتے تھے ایک دن آنحضور ﷺ نے اُن کو نماز پڑھتے دیکھا تو آپ کو ان کے نماز پڑھنے کا انداز اس قدر پسند آیا کہ آپؐ نے انہیں اُسی وقت آزاد کر دیا لیکن حضرت یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ سے اس قدر عقیدت اور محبت تھی کہ وہ آپؐ کی غلامی پر ہزار آزادیاں قربان کر سکتے تھے۔ انہوں نے بڑے عجز والحاح کے ساتھ عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اپنے شرفِ غلامی سے محروم نہ فرمایئے میں اپنی تمام زندگی آپ کی خدمت گزاری میں بسر کرنا چاہتا ہوں۔"

ان کا جذبۂ اخلاص دیکھ کر حضور ﷺ نے ان کو یہ خدمت تفویض کی کہ وہ آپؐ کے (صدقہ کے) اونٹ چرایا کریں۔ چنانچہ وہ قُبا سے مُتّصل ایک چراگاہ (ناحیۂ ذی الجدر) میں چلے گئے اور بڑے ذوق وشوق سے فرمانِ نبویؐ کی تعمیل میں مشغول رہنے لگے۔

شوّال ۶ ہجری میں قبیلہ عُکل اور عُرینہ کے آٹھ آدمی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ ایک روایت کے مطابق ان لوگوں کو عِظَمِ طحال (تلی بڑھ جانے) کا عارضہ تھا اور وہ اپنے وطن ہی سے بیمار آئے تھے ایک دوسرے قول کے مطابق ان کو مدینہ منورہ کی آب وہوا موافق نہ آئی اور ان کے پیٹ پھول گئے۔ حضور ﷺ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ تم ناحیۂ ذی الجدر میں چلے جاؤ، وہاں کی آب وہوا صحت بخش ہے اور ہمارے اونٹ اونٹنیاں بھی وہاں ہیں ان کا دودھ خوب پیو اِن شاءَ اللہ تمہاری صحت بحال ہو جائے گی۔

وہ لوگ وہاں چلے گئے۔ حضرت یسارؓ نے ان کو اپنے آقا ومولاؐ کے مہمان جان کر بڑے خلوص اور محبت سے اُن کی میزبانی کی۔ وہ لوگ چند دن میں تندرست وتوانا ہو گئے۔ اب بجائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے، اور رحمتِ عالم ﷺ اور حضرت یسارؓ کے ممنونِ احسان ہوتے انہوں نے اپنی بدطینتی کی بناء پر ارتداد اور دغابازی پر کمر باندھی۔ ایک دن عَلَی الصَّباح پندرہ اونٹ ہانک کر لے چلے۔ حضرت یسارؓ نے اُن کی یہ حرکت دیکھی تو انہیں اونٹ لے جانے سے منع کیا جب وہ باز نہ آئے تو اُن کے پیچھے دوڑے اور مزاحمت کرنے لگے۔ ان غدّاروں نے حضرت یسارؓ کو گرفتار کر لیا پھر بڑی بے رحمی سے اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور آنکھوں اور زبان میں کانٹے چبھوئے۔ اس صدمہ سے حضرت یسارؓ شہید ہو گئے۔

رسولِ اکرم ﷺ کو اس واردات کی خبر ہوئی تو آپ کو سخت دُکھ ہوا آپؐ نے حضرت کُرزؓ بن جابر فہری کو بیس سوار دے کر ان بدسرشت لٹیروں کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔

اثنائے راہ میں حضرت کرزؓ کو ایک عورت ملی جو اونٹ کا شانہ اٹھائے ہوئے تھی۔ حضرت کرزؓ نے اُس سے پوچھا کہ تم کو یہ کہاں سے ملا؟ اُس نے کہا کہ میں ادھر آرہی تھی کہ ایک جگہ چند آدمی ملے جو ایک اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت بنا رہے تھے۔ اس میں سے یہ شانہ انہوں نے مجھے دے دیا۔ یہ لوگ اگلے پڑاؤ میں مقیم ہیں۔ حضرت کُرزؓ نے برق رفتاری سے اُس طرف کا رُخ کیا اور ان لوگوں کو گرفتار کر کے اُن کی مشکیں باندھ لیں۔ پھر انہیں اور بقیہ چودہ اونٹوں کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ لے کر واپس آئے۔ حضور علیہ السلام اس وقت غابہ (جنگل یا چراگاہ) میں تشریف رکھتے تھے۔ جب ان غداروں کو حضور علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؐ نے حکم دیا کہ ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو انہوں نے یسارؓ کے ساتھ کیا۔ چنانچہ ان سب کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور آنکھوں میں سلائیاں پھیری گئیں پھر انہیں حرہ میں ڈال دیا گیا جہاں وہ سب تڑپ تڑپ کر واصلِ جہنم ہوئے۔ اس مہم کو سریۂ عرینیین" بھی کہا جاتا ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن حکیم کی یہ آیت ان ہی کے بارے میں نازل ہوئی:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ (المائدہ آیۃ ۳۳)

ترجمہ "یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں (مراد اس سے رہزنی اور ڈکیتی ہے) ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کیے جائیں یا سُولی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا زمین پر سے نکال دیے جائیں۔"

(طبقات ابنِ سعد ج ا ص ۴۳۶)

سریۂ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ (شوال ۶ ہجری):

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کے قتل کا ذکر پہلے آچکا ہے لیکن جس مقصد کے لیے اسے کیفرِ کردار تک پہنچایا گیا تھا، وہ پوری طرح حاصل نہ ہوسکا۔ کیونکہ اس کا جانشین اُسَیر بن رزام بھی ڈس کی گانٹھ ثابت ہوا اور اسلام دشمنی میں ابو رافع کے نقشِ قدم پر چلا۔ حضور علیہ السلام کو اس کی معاندانہ سرگرمیوں کی اطلاع ملی، تو آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو تحقیق کے لیے بھیجا کہ کیا اُسَیر واقعی لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کررہا ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے خفیہ طور پر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو جو اطلاعات پہنچی تھیں، وہ درست تھیں، چنانچہ انہوں نے واپس آکر تمام حالات بلاکم وکاست حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کر دیے۔ آپؐ نے شوال ۶ ہجری میں انہیں تیس سوار دے کر ہدایت فرمائی کہ خیبر جا کر اُسَیر کو اپنے ساتھ مدینہ لے آئیں تاکہ اس کے ساتھ دوٹوک گفتگو کی جائے۔ حضرت عبداللہؓ خیبر جا کر اُسَیر سے ملے اور اس سے ایسے حکیمانہ انداز سے گفتگو کی کہ وہ تیس یہودیوں کو لے کر ان کے ساتھ ہولیا۔ اثنائے راہ میں کوئی ایسی بات ہوئی کہ مسلمانوں اور یہودیوں میں تلوار چل گئی اور اُسَیر سمیت سارے یہودی مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے "رحمۃ للعالمین" میں لکھا ہے کہ یہ کشت و خون غلط فہمی کی بناء پر ہوا، یہودیوں نے سمجھا کہ مسلمان ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیال کیا کہ یہودیوں کی نیت میں فتور ہے۔ اسی بدگمانی کی بناء پر فریقین نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔" مولوی سعید انصاری مرحوم نے "سیرِ انصار" میں بیان کیا ہے کہ حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ نے واپسی کے سفر میں ہر یہودی پر ایک مسلمان کو متعین کیا، اُسیر کو کچھ شک ہوا اور اس نے پلٹنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مسلمانوں نے دھوکا بازی کے جرم میں سب کی گردنیں اڑا دیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ فی الواقع اُسیر کی نیت میں فتور آ گیا تھا وہ اور حضرت عبد اللہؓ ایک اونٹ پر سوار تھے اُسیر نے حضرت عبد اللہؓ کو قتل کرنے کے ارادے سے ان پر دو دفعہ تلوار چلائی لیکن وہ بچ گئے۔ جب اس نے تیسرا وار کیا، تو حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ یا ان کے ایک ساتھی حضرت عبد اللہؓ بن اُنیس نے جوابی وار کر کے اُس کا سر اُڑا دیا۔ اِس پر اُس کے ساتھی مسلمانوں سے الجھ پڑے مگر سب مارے گئے۔

("تلقیح" ابنِ جوزی۔ اسد الغابہ۔ بذل القوۃ)

سریۂ فدک (شعبان ۶ھ ہجری):

مدینہ سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر دُور شمال میں فدک کا قصبہ ہے خود تو یہ قصبہ یہودیوں کا مسکن تھا البتہ اس کے قریب ہی عربوں کا ایک قبیلہ بنو سعد بن بکر بھی آباد تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کو اِطلاع ملی کہ اس قبیلے کے لوگ خیبر کے یہودیوں کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اُکسا رہے ہیں اور خود بھی اُن کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے شعبان ۶ھ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو ایک سَو (بروایتِ دیگر دو سَو) سوار دے کر بنو سعد بن بکر کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے فدک پہنچ کر بنو سعد پر حملہ کیا تو وہ مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور اپنے مال مویشی چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کے پانچ سَو اونٹوں اور دو ہزار بکریوں پر قبضہ کر لیا اور انہیں ہانک کر مدینہ لے آئے۔ (تلقیح ص ۲۹)

سریۂ وادی القُریٰ یا سریۂ اُمِ قرفہ فزاریہ (رمضان ۶ھ ہجری):

بعض اہلِ سیر نے اس سریّہ کا زمانۂ وقوع رجب ۶ھ ہجری بیان کیا ہے لیکن جمہور اربابِ سیر کے نزدیک اس کا زمانۂ وقوع رمضان ۶ھ ہجری ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

رمضان ۶ھ ہجری میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام کی طرف جا رہے تھے۔ جب وہ وادی القُریٰ میں پہنچے تو بنو فزارہ کی ایک شاخ بنو بدر کے رہزنوں نے قافلے پر چھاپہ مارا اور سارا سامانِ تجارت لُوٹ لیا۔ حضرت زیدؓ کے ساتھ مسلمانوں کی بہت قلیل جمعیت تھی اسے رہزنوں کے ہاتھوں سخت اذیت اٹھانی پڑی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت زیدؓ کے نُو ساتھی شہید ہو گئے اور وہ خود بڑی مشکل سے جان بچا کر مدینہ منورہ پہنچے۔ انہوں نے آنحضور ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپؐ نے ایک مضبوط جیش (لشکر) ان کو دے کر رہزنوں کی گوشمالی پر مامور فرمایا۔ وہ بڑی احتیاط سے دن کو چھپتے اور رات کو سفر کرتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے منزلِ مقصود پر پہنچے اور بنوفزارہ پر یکا یک حملہ کر کے ان کے کئی آدمیوں کو مار ڈالا۔ باقی سب بھاگ گئے البتہ ان کی حکمران اُمِ قرفہ فاطمہ بنتِ ربیعہ بن بدر اور اس کی بیٹی کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ حضرت زیدؓ واپس مدینہ مُنوّرہ آئے تو رسولِ اکرم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی ـــ کے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ وہ فرماتی ہیں کہ زیدؓ نے میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو حضور ﷺ اس حالت میں باہر تشریف لے گئے کہ آپ کی چادر زمین پر گھسٹ رہی تھی۔ آپؐ نے جوشِ مسرّت میں زیدؓ کو اپنی بغل میں لے لیا، اُن کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر دیر تک زیدؓ سے اس مہم کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ (طبقات ابنِ سعد حصہ مغازی سریہ زید الٰی ام القرٰی ص ۶۵، تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۱۲، رحمۃٌ لِلعالمین جلد دوم)

غزوۂ بنی لحیان ۶ ھ ہجری:

یہ غزوہ باختلافِ روایت ربیع الاوّل یا جمادی الاولیٰ ۶ ھ ہجری میں پیش آیا۔ بنولحیان وہی قبیلہ تھا جو بڑی حد تک سانحۂ رجیع کا ذمہ دار تھا۔ اس کی تفصیل ۴ ھ ہجری کے واقعات میں بیان کی جا چکی ہے۔ ایک روایت کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے رجیع کے شہداء کا بدلہ لینے کے لیے ان ظالموں کی طرف جانے کا قصد فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق بنولحیان مسلمانوں کے خلاف کسی شرارت کے لیے جمع ہو رہے تھے (یہ لوگ مدینہ کے جنوب مشرق میں آباد تھے) حضور ﷺ کو ان کے اجتماع کی خبر ہوئی تو آپؐ نے حضرت ابنِ اُمِ مکتومؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور خود دوسو مجاہدین کے ہمراہ بنولحیان کی گوشمالی کے لیے روانہ ہوئے۔ مدینہ سے آپ نے بجانب شمال شام کا رخ کیا مگر کافی آگے جا کر آپ نے جنوب مشرق کی طرف بنولحیان کے علاقے کی طرف رُخ کر لیا۔ مقصد یہ تھا کہ دشمن پر اچانک حملہ کیا جائے لیکن ان کو کسی ذریعے سے مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع مل گئی اور وہ اپنی بستیوں سے بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ آپؐ نے ان کے علاقے میں دو دن قیام فرمایا۔ اس دوران میں صحابہ کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں آپؐ نے مختلف اطراف میں بھیجیں لیکن کسی جگہ بھی کافروں سے سامنا نہ ہوا۔ چودہ دن مدینہ سے باہر رہنے کے بعد آپؐ واپس تشریف لے آئے۔ (تلقیح ابن الجوزی ص ۲۸۔ سیرۃ النبویہ ابنِ کثیر ج ۳ ص ۲۸۵)

سریۂ جموم یا جموح (ربیع الآخر ۶ ھ ہجری):

ربیع الآخر ۶ ھ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنوسُلیم کسی شرارت کے لیے جموم کے قریب جمع ہو رہے ہیں۔ "جموم" بنوسلیم کے ایک چشمے اور نخلستان کا نام تھا جو مرُّ الظّہر ان (موجودہ وادیٔ فاطمہ) کے علاقے میں واقع تھا۔ حضور ﷺ نے ان کی گوشمالی کے لیے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہُ کو ایک مضبوط جَیش کے ساتھ روانہ فرمایا۔ حضرت زیدؓ بنوسلیم کے علاقے میں پہنچے تو اس قبیلے کے لوگ روپوش ہو گئے۔ اتفاق سے حضرت زیدؓ کو قبیلہ مُزینہ کی ایک عورت حلیمہ مل گئی جس نے بنوسُلیم کے قیام کی جگہ سے حضرت زیدؓ کو آگاہ کر دیا۔ حضرت زیدؓ نے اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقام کے گرد گھیرا ڈال کر بہت سے آدمیوں کو گرفتار کر لیا اور کثیر تعداد میں مویشیوں اور بکریوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان سب کو ساتھ لے کر انہوں نے مدینہ منورہ کو مراجعت کی۔ ایک روایت میں ہے کہ قیدیوں میں مسلمانوں کو بنوسُلیم کی قیام گاہ کا پتا بتانے والی عورت حلیمہ بھی شامل تھی۔ حضور ﷺ نے اس کو آزاد کر دیا اور اس کی شادی کر دی دوسری روایت ہے کہ حلیمہ اور اس کا خاوند دونوں قیدیوں میں شامل تھے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں کو آزاد کر دیا۔

(طبقات ابنِ سعد حصہ مغازی سریۂ جموم ص ۶۲، تلقیح ص ۲۹)

سَرِیّۂ عِیص (جُمادِی الاُولیٰ ۶ ہجری):

جمادی الاولیٰ ۶ ہجری میں آنحضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک قافلہ تجارتی سامان سے لدا پھندا شام سے واپس آرہا ہے۔ آپؐ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہٗ کو ایک سَو ستر سوار دے کر اس کی طرف بھیجا۔ حضرت زیدؓ نے بنوسُلیم کے علاقے میں واقع مقام عِیص پر اس قافلے کو جا گھیرا اور اس کے محافظوں کو گرفتار کر کے سامان سمیت مدینہ منورہ لے آئے۔ قیدیوں میں حضور ﷺ کے داماد ابوالعاص بن ربیع (حضرت زینبؓ کے شوہر) بھی تھے جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ابوالعاص گرفتار نہیں ہوئے بلکہ وہ اسلامی لشکر سے بچ کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پناہ حاصل کر لی پھر حضرت زینبؓ ہی کی سفارش پر حضور ﷺ نے نہ صرف ابوالعاص کا بلکہ سارے قافلے کا سامان واپس کر دیا اور قیدیوں کو بھی رہا کر دیا۔ اس قافلے کی قیادت ابوالعاص ہی کر رہے تھے۔ وہ یہ سامان لے کر مکّہ پہنچے۔ اسے ان کے مالکوں کے حوالے کیا اور ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ "اے اہلِ مکّہ سن لو کہ میں مسلمان ہوتا ہوں، خدا کی قسم اسلام قبول کرنے میں مجھے صرف یہ امر مانع تھا کہ تم مجھے خائن نہ سمجھو۔" اس کے بعد وہ ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ آگئے۔

(طبقات ابنِ سعد حصہ مغازی سریۂ عِیص ص ۶۳ تلقیح ص ۸۲۹)

سریۂ طَرَف (جُمادِی الاُخریٰ ۶ ہجری):

بعض روایتوں میں اس مہم کا نام "سریۂ طرق" آیا ہے۔ طَرَف یا طَرَق مدینہ منورہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر بجانبِ عراق ایک چشمہ تھا۔ اس کے گرد و نواح میں بنوثعلبہ آباد تھے رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ اس علاقے میں کچھ لوگ مسلمانوں کے خلاف شرارت کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ آپؐ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پندرہ مجاہدین کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ اُن لوگوں کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ملی تو وہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی بھاگ گئے حضرت زیدؓ طَرَف یا طَرَق پہنچے تو وہاں دشمن کا نام و نشان تک نہ پایا البتہ ان کو باختلافِ روایت چار یا بیس اونٹ ہاتھ آئے جنہیں لے کر وہ چار دن کے بعد مدینہ واپس آگئے۔

(تلقیح ص ۲۹۔ الرّحیق المختوم اردو ص ۵۲۵ ضیاء النبیؐ جلد چہارم ص ۱۱۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صُلح حُدَیبِیہ (ذیقعدہ ۶ھ ہجری)

غزوۂ احزاب کے کوئی ایک سال بعد ایک دن رسولِ اکرم ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ اپنے صحابۂ کرام کے ہمراہ مکّہ معظّمہ تشریف لے گئے ہیں وہاں امن وسلامتی کے ساتھ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے ہیں اور اس کے بعد سر کے بال منڈوائے ہیں۔ اس خواب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو بشارت دی تھی کہ آپ آیندہ کسی وقت (جو جلد آنے والا ہے) اپنے اصحاب کے ساتھ پُرامن ماحول میں عمرہ ادا کریں گے۔ چنانچہ آپؐ نے اپنا خواب صحابۂ کرام کو سنا کر خود بھی سفر کی تیاری شروع کر دی اور ان کو بھی تیار ہونے کی تلقین فرمائی۔ ساتھ ہی آپؐ نے اطرافِ مدینہ میں بھی اعلانِ عام کرا دیا کہ ہم آیندہ ذیقعدہ میں عمرہ کے لیے مکّہ معظّمہ جا رہے ہیں جو ہمارے ساتھ جانا چاہے وہ آجائے۔

بظاہر یہ ایک تحیّر خیز فیصلہ تھا کیونکہ قریشِ مکّہ سے مسلمانوں کے تعلّقات سخت کشیدہ تھے اور اس بات کا کوئی امکان دکھائی نہ دیتا تھا کہ مشرکینِ قریش مسلمانوں کا مکّہ معظّمہ میں داخلہ ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرلیں گے۔ تاہم جو مسلمان اللہ اور اللہ کے رسول پر سچا ایمان رکھتے تھے وہ تو حضور ﷺ کا اعلان سن کر فرطِ مَسَرّت سے جھوم اٹھے کیونکہ وہ پچھلے چھ سال سے بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے تڑپ رہے تھے لیکن منافقین نے اس سفر کو موت کے منہ میں جانے یا خودکشی کے مترادف سمجھا اور آپؐ کے ساتھ چلنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ ان کو پورا یقین تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ اور آپؐ کے ساتھ جانے والے مومنین اپنے اہل وعیال میں ہرگز پلٹ کر نہ آسکیں گے۔

ذیقعدہ ۶ھ ہجری کے آغاز میں آنحضور ﷺ صحابۂ کرامؓ کی ایک جمعیت کے ہمراہ مدینہ مُنوَّرہ سے مکّہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس جمعیت میں صحابۂ کرام کی تعدد چودہ سَو اور پندرہ سَو کے درمیان تھی۔ یہ مقدس قافلہ جب مدینہ منورہ سے تقریباً چھ میل دور ذُوالحُلَیفَہ کے مقام پر پہنچا تو سب نے عمرے کا احرام باندھا اور اپنی قربانی کے سَتّر جانوروں کی گردنوں میں ہَدی کی علامت کے طور پر قلادے ڈال دیے۔ عرب کے دستور کے مطابق ان زائرینِ حرم کے پاس میان میں پڑی ہوئی صرف ایک ایک تلوار تھی اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔ ازواجِ مُطَہّراتؓ میں سے صرف حضرت اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس مبارک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھیں۔

جب یہ قافلہ مکّہ سے تقریباً ساٹھ میل دور عُسفان کے مقام پر پہنچا تو مخبر نے (جسے حضور ﷺ نے قریش کے ارادوں اور ان کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کے لیے آگے بھیج رکھا تھا) آکر اطلاع دی کہ قریش کو آپ کی روانگی کی خبر پہنچ گئی ہے اور انہوں نے تہیہ کرلیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو کسی قیمت پر مکّہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ وہ جنگ کے لیے تیار ہو کر مکّہ سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھوڑی دُور ذی طوی کے مقام پر خیمہ زن ہوگئے ہیں (ذی طوی، حرم مکی کے شمال مشرق میں الزاہر کے مقام کے قریب ایک گھاٹی تھی اسی نام سے وہاں ایک کنواں بھی تھا اب یہ جگہ مکہ شہر کے اندر آ گئی ہے۔) انھوں نے اپنے حلیف قبائل ''احابیش'' کو بھی اپنی مدد کے لیے بلا لیا ہے [1] اور آپ کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے خالد بن ولید کو دو سو گھڑ سواروں کے ساتھ ''کُراعُ الغمیم'' کی طرف بھیج دیا ہے۔ [2]

یہ سن کر حضور علیہ ﷺ نے فرمایا:

''افسوس ہے قریش پر، جنگی جنون نے ان کو کھوکھلا کر دیا ہے پھر بھی انہوں نے اپنا رویہ نہیں بدلا، یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ وہ میرے اور عرب کے دوسرے قبائل کے درمیان حائل نہ ہوتے۔ اگر یہ قبائل میرا خاتمہ کر دیتے تو قریش کی مراد پوری ہو جاتی اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے اُن پر غالب کر دیتا تو وہ کثیر تعداد میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتے اور اگر اسلام قبول کرنے پر تیار نہ ہوتے تو جنگ کی راہ اختیار کر لیتے جس کی وہ قدرت رکھتے ہیں، قریش جو کچھ بھی سوچ رہے ہیں، واللہ میں اس دین کے لیے برابر جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کر دے یا میری زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔''

آنحضور علیہ ﷺ حتی الامکان کشت وخون سے بچنا چاہتے تھے اس لیے آپؐ نے مناسب یہی سمجھا کہ عام شاہراہ کو چھوڑ کر مکہ پہنچنے کے لیے کوئی ایسا راستہ اختیار کیا جائے جو کُراعُ الغمیم کو ایک طرف چھوڑ دے (جہاں خالد بن ولید نے اہلِ حق کو مکہ جانے سے روکنے کے لیے پڑاؤ ڈال رکھا تھا)

آپؐ نے اس معاملے میں اپنے ہم رکاب صحابہ سے مشورہ کیا تو سب کی رائے یہی ہوئی کہ مکہ پہنچنے کے لیے کوئی غیر معروف راستہ اختیار کیا جائے تاکہ خالد بن ولید کے مسلح دستے سے ٹکراؤ تک نوبت نہ پہنچے۔ اب آپؐ نے صحابہ سے پوچھا:

''کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو مکہ جانے والے تمام راستوں سے واقف ہو اور ہمیں کسی غیر معروف راستے سے مکہ پہنچا دے؟''

حضور علیہ ﷺ کا ارشاد سن کر آپؐ کے ایک صحابی حضرت ذکوان (ناجیہ) بن جُندب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ''یارسولَ اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ خدمت

---

1. ''احابیش''، حُبشی سے بنا ہے۔ حُبشی مکہ مکرمہ کے قریب ایک پہاڑی کا نام ہے اس پہاڑی کے قریب چند قبائل آباد تھے۔ ان کے مجموعے کو احابیش کہا جاتا تھا انہوں نے آپس میں حلیفانہ تعلقات قائم کر رکھے تھے اور قریش مکہ سے بھی حلیفانہ تعلق قائم کر رکھا تھا۔

2. خالد بن ولید اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ کُراعُ الْغَمِیْم عُسفان سے بجانب مکہ آٹھ میل کے فاصلے پر ایک مقام تھا۔ بعض نے اس کا نام کُراعُ الْغُمَیْم لکھا ہے۔ (جزیرۃ العرب از محمد رابع ندوی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں انجام دوں گا۔" چنانچہ وہ عام شاہراہ کے دائیں جانب ایک دشوار گزار راستے سے مسلمانوں کو مکی حدودِ حرم سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی یا سطحِ مرتفع پر لے گئے (اس جگہ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے اس سے نیچے اتر کر مکہ معظمہ کا نواحی علاقہ شروع ہوتا ہے) [1] یہاں حضور ﷺ کی اونٹنی قصواء یکایک بیٹھ گئی۔ لوگوں نے "حَلْ حَلْ" کہہ کر اسے اٹھانے کی بہت کوشش لیکن وہ اپنی جگہ پر جمی رہی۔ صحابہؓ نے کہا کہ قصواء اَڑ گئی ہے۔ حُضور ﷺ نے فرمایا:

"نہیں قصواء اَڑی نہیں نہ ایسی ضد کرنا اس کی عادت ہے بلکہ اسے اُس ذات نے روکا ہے جس نے (ابرہہ کے) ہاتھیوں کو (مکہ جانے سے) روکا تھا اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قریش مجھ سے جس بات کا بھی مطالبہ کریں گے میں اسے تسلیم کر لوں گا بشرطیکہ اس سے اللہ کی حُرمتیں پامال نہ ہوتی ہوں (یعنی ان کا مطالبہ اس قسم کا نہیں ہونا چاہیے جس میں اللہ کی حُرمتوں کا لحاظ نہ کیا گیا ہو)...... پھر آپؐ نے قصواء کو ڈانٹا تو وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی اور آپؐ پہاڑی سے ایک طرف ہٹ کر (راستے میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے) آگے روانہ ہوئے۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد حدیبیہ کا مقام آ گیا۔ آپؐ وہیں سواری سے اتر پڑے اور صحابہؓ کو وہیں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ یہ مقام عین مکی حرم کی سرحد پر واقع تھا (مکہ مکرمہ سے اس کا فاصلہ تقریباً تیرہ میل ہے۔ آج کل اس کا نام شُمَیسی ہے) [2] جب اُدھر خالد بن ولید کو پتا چلا کہ مسلمان راستہ تبدیل کر کے مکہ کی طرف جا رہے ہیں تو وہ اپنے دستے کو ساتھ لے کر کُراعُ الغَمِیم سے بسرعت تمام مکہ پہنچ گئے اور پھر مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے سے

---

[1] یہ حافظ ابنِ حجرؒ کی روایت ہے (الاصابہ ج ۶ ص ۲۲۲) بعض اربابِ سیر نے اس سلسلے میں ذکوان (ناجیہؓ) کی بجائے حضرت بریدہؓ بن حُصَیب اسلمی، حمزہؓ بن عمرو اسلمی اور عمروؓ بن عبدِ نُہم اسلمی کا نام لیا ہے۔ پہلے دو راستہ بھول گئے اور بالآخر عمرو بن عبدِنُہم نے رہبری کی خدمت انجام دی۔ (واللہ اعلم)

[2] حدیبیہ کے مقام پر اسی نام کا ایک کنواں تھا۔ اس میں تھوڑا سا پانی تھا صحابۂ کرامؓ اس کنوئیں سے تھوڑا تھوڑا پانی لیتے رہے پھر بھی یہ بہت جلد پانی سے خالی ہو گیا۔ حضور ﷺ کو پانی ختم ہونے کی خبر ہوئی تو آپ تشریف لائے اور کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ گئے۔ پھر آپؐ نے وضو کے لیے پانی منگایا اور کنوئیں میں کُلّی کر کے دعا فرمائی۔ دعا کے بعد آپؐ نے صحابہ سے فرمایا، اسے کچھ دیر کے لیے چھوڑ دو۔ صحابہؓ نے تعمیلِ ارشاد کی۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کنوئیں میں اتنا پانی ہو گیا کہ تمام صحابہؓ اور ان کے جانوروں نے سیر ہو کر پیا۔ (صحیح بخاری کتاب الصلح عن براءؓ بن عازب)

پھر رسولِ اکرم ﷺ آگے روانہ ہوئے تمام صحابۂ کرام بھی آپؐ کے ساتھ تھے تھوڑی دور جا کر حدیبیہ ہی کے علاقے میں ایک گڑھے کے پاس ٹھہر گئے جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ (آس پاس اور بھی کئی گڑھے تھے لیکن سب خشک تھے) گرمی کا موسم تھا لوگوں نے بہت جلد اس گڑھے کا پانی ختم کر دیا اور پھر حضور ﷺ سے پانی کی نایابی کی شکایت کی۔ آپؐ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور باختلافِ روایت ذکوانؓ (ناجیہ) بن جندب یا براءؓ بن عازب یا کسی اور صحابی کو دیا اور ان سے فرمایا کہ اسے اس گڑھے میں گاڑ دو۔ انہوں نے جونہی تیر گاڑا پانی جوش مارنے لگا۔ لوگوں نے پیا اور سب سیراب ہو گئے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۳۸۱) (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روکنے کے لیے حدیبیہ میں ان کی قیام گاہ کی نگرانی شروع کر دی۔

رسولِ اکرم ﷺ کا ارضِ حرم میں مشرکین کے ساتھ زور آزمائی کرنے کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ قریش اپنی ضد چھوڑ دیں اور ان کے ساتھ سارا معاملہ افہام و تفہیم کے ساتھ طے ہو جائے۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے ایک صحابی حضرت خِراش بن امیہ کعبی خزاعی کو یہ پیغام دے کر قریش کے پاس بھیجا کہ تم لوگ اپنے دلوں سے ہر قسم کے بُرے گمان اور اندیشے نکال دو ہم لوگ تم سے نہ لڑنا چاہتے ہیں اور نہ ہمارا ارادہ مکہ میں قیام کرنے کا ہے ہم عمرہ کر کے فوراً یہاں سے چلے جائیں گے۔ حضرت خِراش رضی اللہ عنہٗ مکہ میں بنومخزوم کے حلیف تھے اور تھوڑا ہی عرصہ پہلے مشرّف بہ اسلام ہوئے تھے۔ وہ ''ثعلب'' نامی (حضور ﷺ کے) ایک اونٹ پر سوار ہو کر مکہ گئے لیکن قریش نے اپنا رویّہ تبدیل کرنے کے بجائے اُن کے ساتھ سخت بدسلوکی کی۔ انہوں نے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور حضرت خراش رضی اللہ عنہٗ کو قتل کرنا چاہا لیکن احابیش کے بعض آدمیوں نے اُن کو قریش سے چھڑایا اور وہ بحالِ خراب حضور ﷺ کے پاس واپس آئے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں عروہ بن مسعود ثقفی کے جانے کے بعد قریش کے پاس بھیجا تھا۔ عروہ بن مسعود کی سفارت کا ذکر آگے آ رہا ہے۔
(اُسد الغابہ ترجمہ حضرت خراشؓ بن امیہ)

بُدَیل بن وَرقاء خُزاعی کی آمد:

تہامۂ حجاز میں جو عرب قبیلے آباد تھے ان میں خزاعہ کا بہت بڑا قبیلہ بھی تھا۔ تہامۂ حجاز اُس طویل میدانی علاقے کو کہتے ہیں جو حجاز کے پہاڑوں اور بحرِ احمر کے ساحل کے درمیان واقع ہے گویا یہ علاقہ حجاز کے کوہستانی خطے کے مغرب میں ہے اور ساحلِ سمندر کے مشرق میں۔ اس کا پڑاؤ اتنا بڑا ہوتا تھا جتنا حج کے زمانے میں پورے مِنٰی کی آبادی۔ اس قبیلے کی بہت سی شاخیں تھیں

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک چھوٹا مشکیزہ تھا جس سے آپؐ وضو کیا کرتے تھے۔ لوگ گھبرائے ہوئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے پوچھا، کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا، یا رسُول اللہ! ہمارے پاس پانی ختم ہوگیا سوائے اس کے جو آپ کے سامنے مشکیزے میں ہے۔ آپؐ نے مشکیزے کے منہ پر اپنا دستِ مبارک رکھا تو پانی آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے کی طرح جاری ہوگیا۔ پس ہم سب نے پانی پیا بھی اور وضو بھی کیا۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی۔ اس کی برکت سے خوب بارش ہوئی جس سے تمام گڑھے پانی سے بھر گئے اور پانی کی قلت دور ہوگئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو مختلف مقامات پر آباد تھیں۔ ان میں سے ایک شاخ ملّہ معظمہ کے قرب و جوار میں آباد تھی۔ اس شاخ کے سردار ایک پچانوے سالہ بزرگ بدوی بُدَیل [1] بن وَرقاء خزاعی تھے۔[1] وہ اس وقت (۶ ہجری) تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن ان کے اور رسولِ اکرم ﷺ کے درمیان بہت پہلے سے خوشگوار تعلقات تھے اور وہ وقتاً فوقتاً آپؐ سے ملاقات کے لیے آتے رہتے تھے۔ ان کے اثر و رسوخ کی وجہ سے بنو خزاعہ آنحضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کے دوست اور خیر خواہ تھے۔ بدیل نے جب سنا کہ رسولِ اکرم ﷺ اپنے جاں نثاروں کی ایک جمعیت کے ہمراہ حدیبیہ میں تشریف فرما ہیں تو اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپؐ سے پوچھا کہ آپ کے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟

حضور ﷺ نے فرمایا، ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے بلکہ ہمارا مقصد صرف عمرہ کی سعادت حاصل کرنا ہے۔ عمرہ ادا کرنے کے بعد ہم فوراً عازمِ مدینہ ہو جائیں گے۔ اگر قریش چاہیں تو ایک خاص مدت کے لیے ان سے صلح بھی کی جاسکتی ہے۔

بُدَیل نے حضور ﷺ کو بتایا کہ قریش نے ہر قیمت پر مسلمانوں کو ملّہ میں داخل ہونے سے روکنے کا حلف اٹھا رکھا ہے تاہم میں آپ کی بات قریش تک پہنچا دوں گا۔

چنانچہ بُدَیل نے ملّہ پہنچ کر قریش کے سرداروں کو رسولِ اکرم ﷺ کی باتوں سے آگاہ کیا اور ان کو مشورہ دیا کہ یہ لوگ زائرینِ حَرم ہیں، عمرہ ادا کر کے واپس چلے جائیں گے ان کا راستہ نہ روکو۔ قریش نے بُدَیل کے مشورے کو رَدّ کر دیا اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔

حُلَیس بن عَلقمہ کی آمد:

قریش نے اب ایک خاص مصلحت کے زیرِ تحت احابیش کے سردار حُلَیس بن عَلقمہ کو رسولِ پاک ﷺ کے پاس آپؐ کو واپس جانے پر آمادہ کرنے کے لیے بھیجا۔ مصلحت یہ تھی کہ

---

[1] حافظ ابنِ مَندہؒ اور حافظ ابونُعیمؒ نے لکھا ہے کہ حضرت بُدَیل قدیم الاسلام صحابی ہیں لیکن حافظ ابنِ عبد البرؒ نے ''الاستیعاب'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت بُدَیلؓ اور اُن کے فرزند عبد اللہؓ فتح ملّہ (رمضان ۸ ہجری) کے موقع پر مَرُّ الظّہر ان کے مقام پر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی وہ اسلامی لشکر کے مَرُّ الظّہر ان پہنچنے سے پہلے ہی وہاں آ گئے تھے۔ جمہور اربابِ سیر نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے ''اَلاِصابہ'' میں حضرت بُدَیلؓ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ قبولِ اسلام کے وقت حضرت بُدَیلؓ کی عمر ستانوے [97] برس کی تھی مگر ان کی ڈاڑھی کے بال بالکل سیاہ تھے آنحضور ﷺ کو ان کی عمر معلوم کر کے خوشگوار حیرت ہوئی اور آپ نے ان کو دعا دی ''اللہ تمہارے جمال اور بالوں کی سیاہی میں برکت دے اور اضافہ کرے۔'' فتح ملّہ کے وقت حضور ﷺ کے ساتھ تھے پھر حنین اور طائف کے معرکوں میں آپ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ تبوک کے سفر میں بھی حضور ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ حجۃ الوداع میں بھی حاضر تھے اس کے جلد ہی بعد وفات پائی۔ (الاستیعاب، اَلاِصابہ، اُسدُ الغابہ ترجمہ حضرت بُدَیلؓ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اکرم ﷺ اس کی بات کو رَد کر دینگے تو وہ ناراض ہو کر واپس آئے گا اور اپنے جنگجو قبیلوں کی پوری طاقت ہمارے پلڑے میں ڈال دے گا۔ اگر مسلمانوں سے لڑائی تک نوبت پہنچی تو ہماری متحدہ طاقت مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہوگی۔

آنحضور ﷺ نے جب حُلَیس کو اپنی لشکرگاہ کی طرف آتے دیکھا تو صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ اس کو ہدی (قربانی) کے اونٹوں کے سامنے سے گزارو۔ حلیس نے جب دیکھا کہ تمام مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں اور ہدی کے اونٹ گردنوں میں قلادے پہنے قطار در قطار کھڑے ہیں اور کہیں کسی جنگی کارروائی کا نام ونشان تک نہیں ہے تو اس نے رسولِ اکرم ﷺ سے کوئی بات کرنا ضروری نہ سمجھا بلکہ فوراً واپس جا کر قریش کے سرداروں سے صاف صاف کہہ دیا کہ مسلمان بیت اللہ کی عظمت کو مان کر اس کی زیارت کے لیے آئے ہیں، وہ سب احرام باندھے ہوئے ہیں اور قربانی کے جانور ان کے ساتھ ہیں وہ کسی سے لڑنا نہیں چاہتے۔ تم انہیں مت روکو اور عمرہ کر لینے دو۔ اگر روکو گے تو احابیش اس کام میں تمہارے ساتھ تعاون نہیں کریں گے۔ قریش نے پہلے تو حُلَیس کی باتوں پر بڑے غیظ وغضب کا اظہار کیا لیکن جب اس نے دھمکی دی کہ میں اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا تو انہوں نے اپنا رویہّ بدل لیا اور اس سے کہا کہ ہمیں کچھ مہلت دو تا کہ معاملے کے سارے پہلوؤں پر غور کر کے ہم کوئی مناسب فیصلہ کر سکیں۔

عُروَہ بن مسعود ثقفی کی آمد:

جس وقت قاصدوں کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری تھا، طائف کے مردِ دانا عُروہ بن مسعود ثقفی مکہ آئے ہوئے تھے اور قریش کے سرداروں کے پاس ہی بیٹھے تھے۔ اس وقت تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ نہ صرف اپنے قبیلے بنو ثقیف میں بڑی عزت اور اثر و رسوخ کے مالک تھے بلکہ قریشِ مکہ بھی انہیں بہت مانتے تھے (ایک روایت کے مطابق وہ ابوسفیان کے داماد تھے یوں وہ قریش سے رشتۂ قرابت بھی رکھتے تھے) قریش نے اب انہیں آنحضور ﷺ سے گفت و شنید کے لیے بھیجا۔ عروہ حضور ﷺ کے پاس گئے اور آپؐ کے سامنے بیٹھ کر گفتگو کا آغاز اس طرح کیا:

> ”اے محمد (ﷺ)! آپ مختلف قبائل کے لوگوں کو جمع کر کے اپنے قبیلے کے مقابلے میں لائے ہیں کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا قبیلہ تباہ ہو جائے۔ اس سے پہلے تو کسی عرب نے کبھی اپنی قوم کو تباہ نہیں کیا۔ لیکن قریش بھی دبنے والے نہیں انہوں نے چیتوں کی کھالیں اوڑھ کر حلف اٹھایا ہے کہ وہ آپ کو ہرگز اپنے شہر میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ مجھے تو یوں نظر آتا ہے کہ جنگ تک نوبت پہنچی یا کوئی مشکل صورتِ حال پیش آئی تو یہ جو بھیڑ آپ کے گرد نظر آ رہی ہے یہ آناً فاناً چھٹ جائے گی (یعنی آپ کے صحابہ آپ کو چھوڑ کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھاگ جائیں گے۔)"

حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور ﷺ کے پیچھے بیٹھے تھے انہیں عُروہ کی یہ بات سن کر سخت غصہ آیا اور انہوں نے کڑک کر کہا۔ کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ جا اپنے معبود لات کی شرمگاہ کو چاٹ (تجھے کیا خبر کہ رہ ورسمِ وفا کیا ہے)۔ شاید عُروہ نے بہت مدت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا تھا یا ان کی نظر کمزور ہوگئی تھی کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کو پہچان نہ سکے اور پوچھا، یہ کون ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ یہ ابوبکر بن ابی قُحافہ ہیں۔ یہ سنکر عُروہ بولے، اے ابوبکر! اگر تمہارا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا تو میں تمہاری بات کا نہایت سخت جواب دیتا۔

(حضرت ابوبکرؓ نے ایک دفعہ کسی خون بہا کے سلسلے میں عُروہ کی مالی مدد کی تھی، یہ ان کے اسی احسان کی طرف اشارہ تھا)

عربوں کی عادت تھی کہ وہ اثنائے گفتگو میں اپنے مُخاطب کی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے اس طرح وہ گرمجوشی یا خیر سگالی کے اظہار کے لیے کرتے تھے۔ عُروہ بھی دورانِ گفتگو میں بار بار حضور ﷺ کی ریشِ مبارک کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتے تھے۔ اس وقت حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہٗ چہرے پر ڈھاٹا باندھے، سر پر خود رکھے اور ہتھیار سجائے حضور ﷺ کی پشتِ مبارک کی جانب کھڑے تھے۔ ان کو عُروہ کا اندازِ تخاطب سخت ناگوار گزرا۔ جونہی عُروہ کا ہاتھ حضور ﷺ کی ریشِ مبارک کی طرف بڑھتا، مغیرہ اپنی تلوار کے قبضے سے اس کو پیچھے جھٹک دیتے۔ آخر ان کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا اور کڑک کر بولے:

"تجھے معلوم نہیں کس سے بات کر رہا ہے خبردار اب ہاتھ آگے نہ بڑھانا۔"

عُروہ نے ان کی آواز پہچان کر کہا "او دغا باز کیا تو میرے احسان کو بھول گیا۔"

(مغیرہؓ نے قبولِ اسلام سے پہلے چند آدمیوں کو قتل کر ڈالا تھا اور عُروہ نے ان کا خون بہا ادا کیا تھا یہ اسی احسان کی طرف اشارہ تھا)

حضور ﷺ نے عُروہ کی باتوں کا یہی جواب دیا کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے، عمرہ ادا کرکے فوراً واپس چلے جائیں گے۔ عُروہ نے واپس جا کر قریش کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ تقریر کی:

"اے برادرانِ قریش! میں دنیا کے بڑے بڑے فرمانرواؤں قیصرِ روم، کسرٰئ ایران، نجاشئ حبشہ کے درباروں میں گیا ہوں لیکن محمدؐ (ﷺ) کے ساتھی جس طرح اُن کے والہ وشیدا ہیں اور جس قدر اُن کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں، میں نے کسی بادشاہ کے دربار میں عقیدت اور وارفتگی کا یہ منظر نہیں دیکھا،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد (ﷺ) تھوکتے ہیں تو یہ لوگ ان کے لعاب کو اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں اور اپنے جسم اور چہرے پر مَل لیتے ہیں محمد (ﷺ) وضو کرتے ہیں تو یہ لوگ مستعمل پانی کے ایک ایک قطرے پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے آپس میں لڑ مریں گے۔ محمد (ﷺ) کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص اُسکی تعمیل کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتا ہے۔ ان کے سامنے کوئی شخص بلند آواز سے گفتگو نہیں کرتا اور نہ اُن کی طرف آنکھ بھر کر دیکھتا ہے۔ میری مانو تو محمد (ﷺ) سے صُلح کرلو۔"

قریش عروہ کی باتوں سے متاثر تو ہوئے لیکن صلح پر آمادہ نہ ہوئے۔

اشرارِ قریش کی فتنہ انگیزی:

ایک طرف تو رسولِ اکرم ﷺ اور قریش کے درمیان سفیروں کے ذریعے صلح کی گفت وشنید ہورہی تھی اور دوسری طرف قریش کا ایک طبقہ (جو زیادہ تر انتہا پسند جوشیلے نوجوانوں پر مشتمل تھا) یہ کوشش کررہا تھا کہ کسی طرح فریقین کے درمیان لڑائی چھڑ جائے۔ ان کو یہ زُعم تھا کہ لڑائی چھڑنے کی صورت میں وہ مسلمانوں کو کچل ڈالیں گے لیکن اہلِ عرب کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کے لیے وہ ایسی صورتِ حال پیدا کرنے چاہتے تھے کہ لڑائی کا آغاز مسلمانوں کی طرف سے ہو بالفاظِ دیگر وہ مشتعل ہو کر لڑائی چھیڑنے پر مجبور ہو جائیں اور قریش پر یہ الزام عائد نہ ہو کہ انہوں نے بیت اللہ کی زیارت کے لیے آنے والوں پر حملہ کیا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو مشتعل کرنے کے لیے انہوں نے دوتین مرتبہ سخت اشتعال انگیز حرکتیں کیں۔ ایک دفعہ ان کے چالیس پچاس آدمی رات کو دبے پاؤں آئے اور مسلمانوں کے پڑاؤ پر تیر اور پتھر برسانے لگے (بروایتِ دیگر وہ کسی مسلمان کو قتل کرنا چاہتے تھے تاکہ دوسرے مسلمان اس کا انتقام لینے کے لیے ہتھیار اٹھالیں) اِدھر پڑاؤ کے پہرے دار بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھے تھے انہوں نے تمام اشرار کو گرفتار کرلیا اور حضور ﷺ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپؐ کی شانِ رحیمی دیکھیے کہ سب کو معاف کر دیا۔ ایک اور موقع پر قریش کے اَسّی (۸۰) اشرار نمازِ فجر کے وقت حدیبیہ آئے اور ہنگامہ برپا کرنے کے لیے مسلمانوں کی صفوں میں گھُسنے کی کوشش کی۔ اس وقت حضرت محمد بن مَسلَمہ انصاری رضی اللہ عنہ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ پہرے داری کا فرض انجام دے رہے تھے انہوں نے اپنے حُسنِ تدبیر سے سارے اشرار کو گرفتار کرلیا مگر جب انہیں حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؐ نے انہیں بھی چھوڑ دیا۔ یوں آنحضور ﷺ کی حکمت اور صبر وضبط نے اشرار کی کسی چال کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عثمانِ غنیؓ سفیر رسول ﷺ بنتے ہیں:

عُروَہ بن مسعود کے واپس جانے کے بعد آنحضور ﷺ نے حضرت عمرِؓ فاروق رضی اللہ عنہٗ کو اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجنا چاہا مگر آپؐ نے جب ان سے مکہ جانے کے لیے فرمایا تو انہوں نے عرض کیا۔"یا رسولَ اللہ! قریش کو خاص میری ذات سے متعدد شکایات ہیں اس لیے میری کسی بات کو وہ خوشدلی کے ساتھ نہیں سنیں گے بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ میرے درپے آزار ہو جائیں۔ میرے خاندان (بنوعدی) کا مکہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو میری حمایت میں کھڑا ہو سکے۔

اگر مناسب سمجھیں تو عثمانؓ بن عفان کو قریش کے پاس بھیجیں کیونکہ ان کے بہت سے بااثر رشتے دار مکہ میں موجود ہیں"۔ [1]

حضرت عمرِؓ فاروق رضی اللہ عنہ کے اس معروضے کو ان کی تجویز سمجھا جائے یا ان کا مشورہ، حضور ﷺ نے اسے صائب جان کر قبول فرما لیا اور حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہٗ کو اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس مکہ بھیج دیا۔ قریش کے لیے آپ کا وہی پیغام تھا جو آپؐ ان کو پہلے بھیج چکے تھے یعنی ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے، ہمارا یہاں آنے کا مقصد صرف عمرہ ادا کرنا ہے اسی لیے ہم سب نے احرام باندھا ہوا ہے اور قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں عمرہ ادا کرنے کے بعد ہم جلد واپس چلے جائیں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ مکہ گئے تو ان کے ایک قریبی رشتے دار سعید بن عاص نے (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) ان کو اپنی پناہ میں لے لیا اور اپنے پاس ٹھہرایا۔ وہاں سے وہ رؤسائے قریش کے پاس گئے اور ان کو رسولِ اکرم ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ اس کے جواب میں قریش نے ان سے کہا کہ اگر آپ خود بیت اللہ کا طواف کرنا چاہیں تو کرلیں لیکن دوسرے مسلمانوں کو ہم کسی صورت میں مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کی پیشکش کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گے میں بھی نہیں کروں گا۔

قریش کی ہٹ دھرمی کے پیشِ نظر اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مکہ میں مزید ٹھہرنا بے فائدہ تھا لیکن قریش نے انہیں مکہ میں روک لیا یا ایسا طرزِ عمل اختیار کیا کہ وہ رکنے پر مجبور ہو گئے۔

---

[1] ابنِ اسحاقؒ کا بیان ہے کہ عُروہ بن مسعود کے جانے کے بعد حضور ﷺ نے حضرت خراشؓ بن امیہ خُزاعی کو اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا۔ (سیرۃ ابنِ ہشام) مگر بیشتر اربابِ سِیر کا بیان ہے کہ حضرت خراشؓ کو حضورؐ نے سب سے پہلے قریش کے پاس بھیجا تھا۔ اس کی تفصیل پیچھے آ چکی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک خطرناک افواہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکہ میں رکنے کا سبب کچھ بھی ہو، ان کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر نہایت خطرناک صورتِ حال پیدا کرنے کا باعث ہوئی۔ وہ اس طرح کہ مسلمانوں کے کیمپ میں حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر اُڑ گئی اگرچہ یہ خبر محض افواہ کی حیثیت رکھتی تھی لیکن یہ افواہ کہاں سے شروع ہوئی اسے کس نے انتہائی تیزی کے ساتھ پھیلایا اور مسلمانوں نے اس پر کیسے یقین کر لیا' یہ ایسے سوالات ہیں جن کا پورے یقین کے ساتھ حتمی طور پر کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ بعض اہلِ سیَر نے یہ قیاس ظاہر کیا ہے کہ یہ افواہ مشرکینِ قریش نے دانستہ پھیلائی تھی تاکہ مسلمانوں کو خوفزدہ یا مرعوب کیا جا سکے اور وہ بددِل ہو کر واپس چلے جائیں۔ بعض نے یہ امکان بھی ظاہر کیا ہے کہ اشرارِ قریش نے یہ افواہ بڑے اہتمام سے پھیلائی تاکہ مسلمان مشتعل ہو کر قریش سے لڑائی چھیڑ دیں۔ مسلمانوں کے لیے تو اس پر یقین کرنے کے لیے یہی بات کافی تھی کہ قریش اس سے پہلے حضور ﷺ کے ایک سفیر سے نہایت برا سلوک کر چکے تھے نیز یہ کہ وہ دو مرتبہ مسلمانوں کے کیمپ پر حملہ کرنے کی کوشش کر چکے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَیعتِ رِضوان

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ''قتلِ ناحق'' کی خبر سن کر مسلمان قریش سے مرعوب کیا ہوتے، اُن میں سخت بے چینی پھیل گئی اور غم وغصہ نے ان کو خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ مکہ میں داخل ہونے کے لیے قریش سے جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن اپنے سفیر کا قتل ایسا واقعہ نہیں تھا جس کو آپ نظر انداز کر دیتے یا برداشت کر لیتے۔ آپ نے اپنے ساتھ آنے والے تمام صحابہ کو جمع کیا اور کیکر کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر ان سے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے ہم مشرکینِ قریش سے خونِ عثمانؓ کا بدلہ لیے بغیر پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ تمام صحابۂ کرامؓ نے اس ذوق وشوق اور جوش وخروش سے حضور ﷺ کی بیعت کی گویا ان کے سینوں میں شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک رہے ہوں یا وہ راہِ حق میں سر کٹانے کے لیے تڑپ رہے ہوں کیونکہ بظاہر جو صورتِ حال تھی اس میں سرفروشی اور جاں نثاری کے جذبہ سے سرشار ہوئے بغیر یہ بیعت نہیں کی جا سکتی تھی۔ ذرا اندازہ کیجیے کہ مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے بھی کم ہے تلواروں کے سوا ان کے پاس کوئی دوسرا ہتھیار بھی نہیں۔ یہاں تک کہ اپنے بچاؤ کے لیے کسی کے پاس زرہ بھی نہیں وہ اپنے مرکز سے تقریباً تین سو میل دُور ہیں۔ ان کے مقابلے میں دشمن کئی ہزار مسلح جنگجو میدان میں لا سکتا ہے اپنی مدد کے لیے نواحی علاقوں سے اپنے حلیف یا دوست قبائل کو بھی بلا سکتا ہے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کی قوتِ ایمان کا یہ عالم ہے کہ سوائے ایک منافق کے کوئی دوسرا آدمی راہِ حق میں مرنے مارنے کی بیعت کرنے سے نہیں ہچکچاتا[1]۔ بیعت کے آخر میں حضور ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا پھر اس کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا...... ''یہ عثمان کی بیعت ہے۔''

یہی وہ بیعت ہے جو تاریخ اسلام میں ''بیعتِ رِضوان'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بیعت کرنے والوں کو بارگاہِ الٰہی سے خوشنودی کی لازوال سند عطا ہوئی۔ خوشنودی کا یہ مژدۂ جانفزا ان الفاظ میں سنایا گیا:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

(سورة الفتح آية ١٨)

ترجمہ: ''بے شک اللہ مومنوں سے خوش (راضی) ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے (اے نبیؐ) تم سے بیعت کر رہے تھے۔''

---

[1] بیعت نہ کرنے والے شخص کا نام جد بن قیس تھا۔ وہ مدینہ کا رہنے والا تھا بظاہر اس نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن فی الحقیقت وہ منافق تھا۔ بیعت کے وقت وہ ایک اونٹ کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بیعت کی فضیلت کے پیشِ نظر ہی آنحضور ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو اس میں شریک کیا تھا حالانکہ وہ خود اس موقع پر موجود نہیں تھے۔ جن صحابہ کو یہ بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا، جماعتِ صحابہ میں انہیں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

مُصالحت کے لیے وفدِ قریش کی آمد:

بیعت کی کارروائی کے جلد ہی بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کے قتل کی خبر غلط ثابت ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق خود قریش نے مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ عثمانؓ اپنے ابنِ عَم کے گھر زندہ و سلامت ہیں اور جلد واپس آرہے ہیں اور پھر بہت جلد حضرت عثمانؓ خود بھی بخیریت واپس آگئے۔ اُدھر قریشِ مکّہ کے طرزِ عمل میں قدرے تبدیلی کے آثار بایں صورت نمودار ہوئے کہ انہوں نے اپنا ایک وفد سہیل بن عمرو عامری کی قیادت میں مسلمانوں سے مصالحت کی بات چیت کرنے کے لیے بھیج دیا۔ وفد تین آدمیوں پر مشتمل تھا، سہیل کے دو ساتھی حویطب بن عبد العزّٰی اور مکرز بن حفص تھے۔ سہیل کا شمار قریش کے بااثر رُؤسا میں ہوتا تھا۔ اپنی طلاقتِ لِسانی اور زبان آوری کی بناء پر وہ خطیبِ قریش کے لقب سے مشہور تھے۔ سہیل کے دو جوان بیٹے عبد اللہؓ اور ابو جندلؓ......اور دو شادی شدہ بیٹیاں سہلہؓ اور اُمِ کلثومؓ دعوتِ توحید کے اوائل ہی میں قبولِ اسلام کا شرف حاصل کر چکے تھے لیکن سہیل اس معاملے میں ان سے پیچھے رہ گئے اور سالہا سال کے بعد ۸ ہجری میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے۔

اب رہا یہ سوال کہ قریش کے رَوِیّے میں تبدیلی اور اس وفد کے بھیجنے کی مُحرِّک کیا چیز تھی؟ بیعتِ رضوان میں مسلمانوں کا جوش و خروش اور عزم و استقامت یا مسلمانوں کے ساتھ حالتِ جنگ ختم کرنے کی خواہش، موَرّخین نے اس کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کی ہیں۔

بہرصورت اس وفد کی آمد سے یہ امید پیدا ہوگئی کہ قریش سے جنگ کی نوبت نہیں آئے گی اور ان کے ساتھ معاملات کسی اور صورت میں طے ہو جائیں گے۔

وفدِ قریش کے ساتھ حضور ﷺ کی گفت و شنید کا آغاز ہوا تو وفد کے قائد سہیل بن عمرو نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہمارے درمیان جو معاہدہ طے پائے اُسے معرضِ تحریر میں لایا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں پھر آپؐ نے کتابتِ معاہدہ کا کام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیا۔ جب وہ کاغذ اور قلم دوات لے کر لکھنے بیٹھے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا، لکھو:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

سہیل جھک کر بولے، ہم رحمٰن کو نہیں جانتے اس کی جگہ بِاسْمِكَ اللّٰھُمَّ لکھا جائے۔

حضور ﷺ نے متبسّم ہو کر حضرت علیؓ سے فرمایا، "اے برادر! جس طرح سہیل کہتے ہیں اسی طرح لکھ دو۔" حضرت علیؓ نے تعمیلِ ارشاد کی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب حضور ﷺ نے اُن سے فرمایا، آگے لکھو هٰذا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سُهَيْلَ بْنَ عَمْرٍو (یعنی یہ وہ معاہدہ ہے جس پر اللہ کے رسول محمد نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی۔)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جونہی یہ الفاظ لکھے، سہیل نے یہ کہتے ہوئے ان پر اعتراض جڑ دیا کہ سارا جھگڑا ہی تو اس بات کا ہے کہ ہم آپ کو رسول نہیں مانتے۔ صاحب! ہمیں یہ الفاظ منظور نہیں یہاں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی جگہ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ کے الفاظ لکھے جائیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

''میری رسالت تم لوگوں کی تصدیق کی محتاج نہیں تم مجھے جھٹلاتے ہو تو جھٹلاتے رہو۔ واللہ میں ابنِ عبد اللہ بھی ہوں اور اللہ کا رسول بھی تاہم میں تمہاری بات مان لیتا ہوں۔''

پھر آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے علی! ''رسول اللہ'' کی جگہ ''ابنِ عبد اللہ'' لکھ دو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں تو ''رسول اللہ'' کے الفاظ مٹانے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا۔''

حضور ﷺ نے فرمایا:

''اچھا تو کاغذ ادھر لاؤ۔''

جب معاہدہ کا کاغذ آپؐ کے سامنے رکھا گیا تو آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے ''رسول اللہ'' کے الفاظ مٹا دیے اور ان کی جگہ ''ابنِ عبد اللہ'' لکھوا دیا۔

یہ مرحلہ طے ہو جانے کے بعد معاہدۂ صلح یا صلحنامے کی شرائط طے کرنے کا آغاز ہوا۔

صلح نامے کی شرائط:

آنحضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

''اے علی! لکھو، قریش کو مسلمانوں کے عمرہ کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔''

سہیل پھر چمک کر بولے:

''خدا کی قسم ہم یہ نہیں مانیں گے کہ آپ لوگ اس سال عمرہ کے لیے مکہ میں داخل ہوں۔ اس طرح تو سارا عرب ہمیں بزدلی کا طعنہ دے گا۔ ہاں آئندہ سال مسلمان اس مقصد کے لیے مکہ آسکتے ہیں وہ تین دن سے زیادہ مکہ میں نہیں ٹھہریں گے ان تین دنوں میں قریش شہر خالی کر دیں گے۔ کسی مسلمان کے پاس نیام میں ڈالی ہوئی تلوار کے سوا اور کوئی ہتھیار نہ ہوگا۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ نے فرمایا: "چلو یونہی سہی" چنانچہ یہ شرط معرضِ تحریر میں آ گئی۔

سہیل نے کہا:

"اب یہ لکھوائیے کہ اہلِ مکّہ میں سے جو شخص اپنے ولی یا سرپرست کی اجازت کے بغیر بھاگ کر مدینہ چلا جائے گا قریش کے مطالبے پر مسلمانوں کو اُسے قریش کے پاس واپس ملّے بھیجنا ہوگا مگر جو شخص مسلمانوں میں سے اہلِ مکّہ کے قبضے میں آ جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا خواہ مسلمان اس کی واپسی کا مطالبہ کریں۔"

مسلمانوں کو یہ شرط بڑی عجیب معلوم ہوئی اور انہوں نے بیک زبان کہا۔

"یہ شرط قرینِ انصاف نہیں اور ہمیں ہرگز منظور نہیں۔"

مگر سہیل اس کو لکھوانے پر مُصر تھے...... ابھی اس بارے میں ردوقدح جاری تھی کہ ایک عجیب واقعہ رونما ہوا...... وہ یہ کہ سہیل کے ایک بیٹے ابوجندلؓ جنہیں انہوں نے اسلام لانے کے جرم میں پا بہ زنجیر کر کے ایک کوٹھڑی میں ڈال رکھا تھا، کسی طرح اپنے قید خانے سے نکل کر گرتے پڑتے حدیبیہ آ پہنچے۔ اُن کے ٹخنوں اور پنڈلیوں سے خون رس رہا تھا، پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور وہ پکار پکار کر مسلمانوں سے فریاد کر رہے تھے:۔

"مسلمانو! دیکھو اسلام لانے کے جُرم میں میرے والد نے میری یہ گت بنائی ہے کیا تم مجھے اس مصیبت سے نجات نہیں دلاؤ گے؟"

انہیں اس حال میں دیکھ کر مسلمانوں میں کہرام مچ گیا لیکن سہیل بپھر گئے اور کہنے لگے:

"اے محمد (ﷺ) اس صلح نامے کی تکمیل اسی صورت میں ہوگی کہ پہلے اس سَر پھرے کو واپس کیا جائے۔ شرائطِ صلح پورا کرنے کا یہ پہلا موقع ہے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"بھائی یہ شرط تو ابھی لکھی بھی نہیں گئی اس لیے ابوجندل پر اس کا اِطلاق کیسے ہو سکتا ہے؟"

سہیل نے بگڑ کر جواب دیا۔ "کچھ بھی ہو جب تک ابوجندل کو ہمارے حوالے نہیں کیا جائے گا ہم کسی شرط پر صلح نہیں کریں گے۔"

رسولِ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرامؓ نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ کسی طرح نہ مانے۔ بالآخر حضور ﷺ نے سہیل کی شرط مان لی اور فرمایا "اچھا تم ابوجندل کو اپنے ساتھ واپس لے جاؤ۔"

اس موقع پر حضرت ابوجندلؓ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور بآوازِ بلند پکارے:

"اے گروہِ مسلمین! ایک مسلمان کو پھر مشرکوں کے سپرد کر رہے ہو تا کہ وہ اس پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ سکیں۔ ذرا میرے جسم پر اُن کی مار کے نشانات دیکھو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ کس طرح ان سے خون کے دھارے بہہ رہے ہیں۔"

اتنے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ پیغمبر برحق نہیں ہیں؟" (یعنی آپ تو اللہ کے سچے نبی ہیں۔) آپؐ نے فرمایا "بے شک میں پیغمبر برحق ہوں۔"

حضرت عمرؓ نے پوچھا "کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟"

حضور ﷺ نے فرمایا۔"بے شک ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے پوچھا۔"(لڑائی ہونے کی صورت میں) کیا ہمارے مقتولین جنّت میں اور اُن کے مقتولین دوزخ میں نہیں جائیں گے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا۔"ہاں" (یعنی بے شک ایسا ہی ہوگا)

حضرت عمرؓ نے عرض کیا: "پھر ہم دین کے معاملے میں اُن سے کیوں دبیں اور واپس چلے جائیں خصوصاً ایسی حالت میں کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "ابنِ خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں، اُس کے حکم کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔ وہی میرا حامی و ناصر ہے۔ وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔"

حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔"کیا آپؐ نے ہم سے یہ بیان نہیں کیا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت اور طواف کریں گے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "کیا میں نے یہ کہا تھا کہ اِسی سال جائیں گے؟"

حضرت عمرؓ نے کہا: "جی نہیں آپؐ نے یہ تو نہیں فرمایا تھا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "(تو پھر یقین رکھو کہ) بے شک تم کعبہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔" (لیکن یہ ضروری نہیں کہ اِسی سال)

یہ سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہوگئے۔[1]

اب مظلوم ابوجندلؓ نے پھر فریاد کی:

"مسلمانو! تم مجھے اس لیے قریش کے حوالے کر رہے ہو کہ وہ مجھے دینِ حق سے برگشتہ کریں۔"

---

[1] حضرت عمرؓ نے اس قسم کی گفتگو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی کی اور ان کے جوابات سن کر خاموش ہوگئے۔ یہ مکالمہ حضور ﷺ سے گفتگو کرنے کے بعد ہوا یا اس سے پہلے اس کے بارے میں اربابِ سیَر میں اختلاف ہے۔ بہر صورت حضرت عمرؓ کو حضور ﷺ سے سوال و جواب کرنے پر عمر بھر پچھتاوا رہا اس کے کفارہ میں انہوں نے بے شمار نوافل ادا کرنے کے علاوہ بہت سے مجاہدے اور دوسرے اعمالِ خیر کیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسولِ اکرم ﷺ نے ابوجندلؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے ابوجندل! صبر کرو، ہمارے اس طرزِ عمل کا نتیجہ بہت جلد ظاہر ہونے کو ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کے لیے (نجات کا) کوئی راستہ ضرور پیدا کرے گا۔''

(یہ پیش گوئی آپ کنایۃً بر بنائے فراستِ پیمبری کر رہے تھے)

چنانچہ ابو جندلؓ کو اُن کے والد سہیل کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی متعلقہ شرط (شِق) معرضِ تحریر میں آ گئی۔

صلح نامے کی تکمیل:

اب تھوڑی بہت بحث و تمحیص کے بعد معاہدۂ صُلح کی باقی شرائط بھی طے ہوگئیں اور ان کو تحریری شکل بھی دے دی گئی۔ ان میں سے اوپر کی دو شِقوں کے علاوہ اہم شرائط یا شِقیں یہ تھیں:

۱۔ مسلمانوں اور قریشِ مکّہ کے درمیان دس سال تک جنگ بند رہے گی اور فریقین میں سے کوئی ایک دوسرے کے خلاف خفیہ یا علانیہ کسی قسم کی کارروائی نہیں کرے گا۔

۲۔ طائف جانے کے لیے مسلمان مکّے سے اور شام جانے کے لیے اہلِ مکّہ مدینے سے گزر سکیں گے ان پر کوئی ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

۳۔ قبائلِ عرب میں سے جو قبیلہ کسی ایک فریق کا حلیف بننا چاہے گا، اُسے اس کا اختیار ہوگا۔ اس صورت میں اس حلیف بننے والے قبیلے کے وہی حقوق و فرائض ہوں گے جو اصل فریق کے ہیں (یعنی جس فریق کے ساتھ اس نے حلیفانہ تعلّق قائم کیا ہے)

صلح نامے کی تکمیل اور کتابت کے بعد مسلمانوں کی طرف سے حضرت ابو بکر صِدِّیق، حضرت عُمرِ فاروق، حضرت عثمانِ غنی، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور حضرت محمد بن مَسلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور قریش کی طرف سے حویطب بن عبد العُزّٰی اور مکرز بن حفص نے اس پر اپنی گواہی ثبت کی۔

اصل دستاویز (صلح نامے) کی کتابت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی۔ اس کی ایک نقل حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ انصاری نے تیار کی۔ اصل دستاویز سہیل کے حوالے کر دی گئی اور نقل مسلمانوں کے پاس رہی۔

صلح نامے کی تکمیل ہوتے ہی بنو خُزاعہ نے اعلان کر دیا کہ ہم محمد ﷺ کے عہد و پیمان (معاہدے) میں داخل ہوتے ہیں (یہ قبیلہ جناب عبد المُطّلِب کے زمانے ہی سے بنو ہاشم کا حلیف چلا آ رہا تھا)۔ دوسری طرف بنو بکر نے قریش کا حلیف بننے کا اعلان کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آزردگی:

صلح نامہ تو معرضِ وجود میں آ گیا لیکن بیشتر صحابۂ کرامؓ اس سے مطمئن ہونے کے بجائے آزردہ ہو گئے۔ بالخصوص اس معاہدے کی دو شرطیں ان کو شدت کے ساتھ کھل رہی تھیں ایک تو یہ کہ وہ عمرہ ادا کیے بغیر واپس جانے پر مجبور ہو گئے تھے حالانکہ آنحضور ﷺ خواب میں مسلمانوں کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھ چکے تھے...... دوسری یہ کہ مسلمانوں کو تو پابند کر دیا گیا تھا کہ وہ مکّہ سے بھاگ کر مدینہ آنے والوں کو واپس کردیں گے (یعنی قریشِ مکّہ کے حوالے کر دیں گے) لیکن مشرکینِ مکّہ کو کھلی چھٹی دے دی گئی تھی کہ وہ مدینہ سے بھاگ کر جانے والوں کو واپس نہ کریں (یعنی مسلمانوں کے پاس واپس مدینہ نہ بھیجیں)

صحابۂ کرامؓ کی افسردگی اور آزردگی اپنی جگہ ٹھیک تھی کیونکہ یہ شرطیں بظاہر ان کی امنگوں اور ان کے مفاد کے خلاف معلوم ہوتی تھیں۔

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے جو گفتگو کی تھی وہ عام مسلمانوں کے جذبات ہی کی ترجمانی تھی لیکن اصل بات یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کی نگاہوں سے وہ مصالح پوشیدہ تھے جو ان شرطوں کو قبول کرتے وقت رسولِ اکرم ﷺ کے پیشِ نظر تھے اور جن کے نتیجے میں وہ مہتم بالشان انقلاب برپا ہونے والا تھا جسے حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی کھلی فتح قرار دیا، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ جہاں تک ان دو شرطوں کا تعلق ہے تو حضور ﷺ نے ان کے بارے میں جو توضیح فرمائی وہ یوں تھی:

۱۔ خواب میں یہ تصریح نہیں کی گئی تھی کہ اسی سال (۶ ہجری میں) مسلمان بیت اللہ کا طواف کریں گے البتہ اگلے سال ان کو یہ سعادت ضرور نصیب ہوگی۔ اہلِ مکّہ نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ وہ مسلمانوں کی مزاحمت نہیں کریں گے۔ اس خواب کے سچّا ہونے میں مسلمانوں کو کوئی شک نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ اوّل تو کسی صادق الایمان شخص کے اپنے دین سے منحرف ہونے کا کوئی امکان نہیں اگر خدانخواستہ کوئی شخص مرتد ہو کر بھاگ جاتا ہے اور مشرکینِ مکّہ کے پاس جا پہنچتا ہے تو وہ ہمارے کسی کام کا نہیں، اللہ اسے ہم سے دُور ہی رکھے۔ اور اگر مکّے والوں کا کوئی آدمی بھاگ کر ہمارے پاس آ جائے تو ہم اللہ کے بھروسے پر اسے واپس کر دیں گے۔ وہی اس کی خلاصی کا کوئی ذریعہ پیدا کر دے گا۔

صحابۂ کرامؓ کے رنج واندوہ اور ان کی دل شکستگی کی یہ کیفیت تھی کہ صلحنامہ سے فارغ ہونے کے بعد جب رسولِ اکرم ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ "اٹھو اور (یہیں) قربانی کر کے اپنے سر منڈوا دو" آپؐ نے تین مرتبہ یہ الفاظ فرمائے لیکن (بقولِ بعض اس امید میں کہ شاید کوئی دوسرا حکم مل جائے اور وہ ان کی دلجوئی اور تسلّی کا باعث ہو) کوئی بھی نہ اٹھا۔ اس پر حضور ﷺ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُمُّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور اُن کو اس صورتِ حال سے آگاہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا:

"یارسولَ اللہ ﷺ! اگر آپ ایسا چاہتے ہیں تو آپ باہر تشریف لے جائیں اور کسی سے کچھ کہے بغیر خود اپنا اونٹ ذبح فرمائیں اور پھر حجام کو بلا کر اپنا سر مُنڈوالیں۔"

چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ باہر تشریف لائے اور چپکے سے اپنا ہدی (قربانی) کا جانور ذبح کردیا اور پھر حجام کو بلا کر اپنا سر منڈوالیا۔ صحابۂ کرامؓ نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ جو حکم یا فیصلہ ہو چکا ہے وہ اب تبدیل ہونے والا نہیں ہے۔ اب وہ اٹھے اور (بسرعتِ تمام) اپنے ہدی کے جانوروں کو ذبح کیا پھر باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے یہاں تک کہ اِزدِحام (یا فرطِ غم) کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کردیں الغرض بعض لوگوں نے سر منڈوائے اور بعض نے بال ترشوالیے اور احرام سے نکل آئے۔

(صحیح بخاری کتاب الشروط، کتاب الحج، کتاب الصلح، کتاب المغازی، کتاب الجہاد وغیرہ)

سُورۃُ الفتح کا نزول:

دو ہفتے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ صحابۂ کرام کے ساتھ حدیبیہ سے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے جب آپؐ مکہ سے تقریباً ۲۵ میل کے فاصلے پر ضجنان (یا بقولِ بعض مکہ سے ۵۲ میل کے فاصلے پر کُراعِ الغمیم) کے مقام پر پہنچے تو سورۃ الفتح نازل ہوئی جس کی پہلی آیت ہی میں صلح حدیبیہ کو رسولِ اکرم ﷺ کی کھلی فتح قرار دیا گیا......ارشاد ہوا

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔

"اے نبیؐ، ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کردی۔"

اس کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور ان سے فرمایا، آج مجھ پر وہ چیز نازل ہوئی ہے جو میرے لیے دنیا ومافیہا سے بڑھ کر قیمتی ہے۔ پھر یہ سورۃ آپؐ نے تلاوت فرمائی پھر بھی بعض صحابہ کی حیرت دور نہ ہوئی کہ صلح حدیبیہ کو کس اعتبار سے فتح قرار دیا گیا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ نے حضور ﷺ سے پوچھا:

"یارسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟"

جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے یقیناً یہ فتح ہے (ابوداؤد، مسند احمد، طبری)

مدینہ پہنچ کر آنحضور ﷺ تک جب کسی صاحب کی یہ بات پہنچی کہ یہ کیسی فتح ہے کہ نہ ہمیں بیت اللہ کی زیارت کرنے دی گئی اور نہ ہمارے قربانی کے جانور آگے جاسکے وغیرہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ......تو آپؐ نے فرمایا:

''بڑی غلط بات کہی گئی ہے۔ حقیقت میں تو یہ بہت بڑی فتح ہے۔ تم مشرکوں کے گھر پر پہنچ گئے اور انہوں نے اگلے سال عمرہ کرنے کی درخواست کر کے تمہیں واپس جانے پر راضی کیا انہوں نے خود تم سے جنگ بند کر دینے اور صلح کر لینے کی خواہش کی حالانکہ ان کے دلوں میں تمہارے خلاف جس قدر کدورت ہے اس کو سب جانتے ہیں اللہ نے تم کو ان پر غلبہ عطا کر دیا ہے کیا تم کو یاد نہیں ہے جب اُحد میں تم بھاگے جا رہے تھے اور میں تمہیں پیچھے سے پکار رہا تھا، کیا وہ دن بھول گئے جب احزاب کی جنگ میں ہر طرف سے دشمن چڑھ آئے تھے اور کلیجے منہ کو آ رہے تھے۔''

(تفہیم القرآن جلد پنجم ص ۴۱۳ بحوالہ بیہقی بروایت عروہؓ بن زبیرؓ)

یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض اصحاب کے خیال میں فتح مبین سے مراد بیعتِ رضوان تھی لیکن جمہور اربابِ سیَر کے نزدیک بیعتِ رضوان ''صلح حدیبیہ'' کے مجموعی واقعہ ہی میں شامل ہے۔

صلح حُدیبیہ کے نتائج/فوائد:

صلح حدیبیہ کے جن اثرات، نتائج اور فوائد کی بناء پر اس کو کھلی فتح قرار دیا گیا ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ قریشِ مکہ نے پہلی مرتبہ مسلمانوں کا وجود ایک مساوی اور سیاسی قوت کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔

۲۔ قریشِ مکہ نے مسلمانوں کو زیارتِ بیت اللہ کا حق دے کر گویا ان کو مکہ میں داخل ہونے اور حج وعمرہ کرنے کا حق بھی دے دیا اور یہ تسلیم کر لیا کہ وہ صابی (بے دین) نہیں ہیں بلکہ ایک دین کے پیرو ہیں اور ان کا یہ دین (اسلام) بھی عرب کے دوسرے ادیان میں سے ایک دین ہے۔

۳۔ تمام قبائلِ عرب کو کھلی چھٹی مل گئی کہ وہ کسی خوف کے بغیر مسلمانوں سے بھی حلیفانہ تعلقات قائم کر سکتے تھے۔ پہلے ایسا کرنا قریش سے دشمنی کے مترادف تھا۔

۴۔ یہودِ خیبر اور قریشِ مکہ میں تفریق پیدا ہوگئی اِس معاہدۂ صلح کی موجودگی میں قریش مسلمانوں کے خلاف یہود کے ساتھ گٹھ جوڑ نہیں کر سکتے تھے یہود اور مسلمانوں کے درمیان جنگ ہونے کی صورت میں قریش اور ان کے حلیف غیر جانبدار رہنے کے پابند ہوگئے۔

۵۔ دس سال کے لیے جنگ بندی سے عمومی طور پر امن کی فضا قائم ہوگئی۔ تبلیغِ اسلام کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے ایسی ہی فضا مطلوب تھی۔ تجارت اور بعض دوسرے امور کے سلسلے میں مسلمانوں اور مشرکین کے آزادانہ میل جول کی بدولت مسلمانوں کی تعداد میں برق رفتاری سے اس قدر اضافہ ہوا کہ اس سے پہلے اس کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مشرکین جب مسلمانوں کے حسنِ معاملہ، حسنِ معاشرت، اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ خصائل کو دیکھتے تھے تو خود بخود ہی اسلام کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔ حدیبیہ کے موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ آنے والے اصحاب کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے بھی کم تھی لیکن صرف دو سال میں مسلمانوں کی تعداد میں اتنا اضافہ ہوگیا کہ رمضان ۸ ہجری میں آپ فتح مکّہ کے لیے روانہ ہوئے تو دس ہزار کا پُر جوش لشکر آپ کے ہم رِکاب تھا۔

۶۔ مدینہ منوّرہ کی نوزائیدہ اسلامی مملکت نے بین الاقوامی حیثیت اختیار کرلی۔ آنحضور ﷺ نے دنیا کے کئی فرماں رواؤں اور مختلف قبائل کے سرداروں کو تبلیغی خطوط بھیجے ان میں قیصرِ روم، کسریٰ ایران، نجاشی حبشہ اور مقوقسِ مصر جیسے بڑے بڑے حکمران بھی شامل تھے۔ بعض علاقوں کی طرف آپ نے اپنے سفیر یا مبلّغ بھی بھیجے۔ اس طرح نہ صرف عرب کے کونے کونے میں بلکہ دور ونزدیک کے کئی بیرونی ممالک میں بھی اسلام کا پیغام پہنچ گیا۔

۷۔ قریشِ مکّہ سے صلح ہو جانے کا یہ مطلب بھی تھا کہ مسلمانوں کو اب جنوب کی جانب سے کسی حملے یا شرارت کا خطرہ نہ رہا۔ اس کے نتیجے میں آئندہ چند ماہ کے اندر اندر مسلمانوں نے شمالی عرب کی تمام مخالف طاقتوں کو زیر کرلیا۔ پہلے خیبر، فدک، وادی القُریٰ، تیما اور تبوک کی یہودی آبادیاں مسخّر ہوئیں اس کے بعد وسطِ عرب کے وہ تمام قبیلے بھی جن کے یہود اور قریشِ مکّہ کے ساتھ گہرے تعلقات تھے، (حلقہ بگوشِ اسلام ہوکر یا ویسے ہی) مدینہ کی اسلامی حکومت کے مطیع ہوگئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت
کا
ساتواں سال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بین الاقوامی سطح پر تبلیغِ اسلام

بادشاہوں اور مقتدر امراء کے نام مکاتیبِ نبویؐ

خاتم الانبیاء والمرسلین جناب محمد مصطفی ﷺ کے امتیازی خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ جہاں دوسرے تمام انبیاء و رُسُل علیہم السلام جو آپؐ سے پہلے گزرے، خاص خاص علاقوں، بستیوں، ملکوں یا قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے وہاں آپ کو اللہ تعالیٰ نے کُرۂ ارض کے تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث فرمایا جیسا کہ سورۂ سبا میں ارشاد ہوا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَ۝ (سورۂ سبا آیۃ ۲۸)

ترجمہ: ”اور (اے نبیؐ) ہم نے آپ کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر (خوشخبری دینے والا) اور نذیر (اللہ سے ڈرانے والا) بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

آنحضور ﷺ کے اس منصبِ عظیم کا تقاضا تھا کہ دعوتِ حق کو سرزمینِ عرب تک ہی محدود نہ رکھا جائے بلکہ اسے دنیا کے دوسرے انسانوں (ممالک اور اقوام) تک بھی پہنچایا جائے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب حالات ذرا پُرسکون ہوئے اور کچھ اطمینان میسّر ہوا تو حضور ﷺ نے پڑوسی ملکوں کے فرمانرواؤں، صوبائی یا علاقائی حاکموں، مختلف قبائل کے امراء (شُیُوخ) اور مذہبی پیشواؤں کو خطوط کے ذریعے نہایت حکیمانہ انداز میں اسلام کی دعوت دی۔ ان مکاتیب کی ترسیل کا سلسلہ ذوالحجہ ۶ھ ہجری یا مُحَرَّم ۷ھ ہجری سے شروع ہو کر ۱۰ھ ہجری تک جاری رہا۔ بعض محققین کی تحقیق کے مطابق تاریخ نے ایسے کوئی دو اڑھائی سَو مکاتیبِ نبوی محفوظ کیے ہیں۔ چند مکاتیب نبویؐ اپنی اصلی حالت میں بھی دستیاب ہو چکے ہیں اور متعدد مکاتیب کے متون (مندرجات) مُحقّق ہو چکے ہیں۔[۱]

۱۔ آنحضور ﷺ کے مکاتیب، فرامین، معاہدات اور دوسری املا کرائی ہوئی تحریروں کے بارے میں جن اربابِ سیر و تاریخ نے تحقیق و جستجو کا حق ادا کیا ہے اور اس موضوع پر گرانقدر کتابیں تصنیف کیں، اُن میں سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

ا۔ محدّث ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی۔ مکاتیب النبیؐ (اس کا اردو ترجمہ ”فرامینِ نبویؐ“ کے نام سے مولانا محمد عبدالشہید نعمانی نے کیا ہے) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُہرِ نبویؐ:

رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے اصحابؓ کے سامنے دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت سلمان فارسیؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسولَ اللہ! بادشاہوں کا دستور ہے کہ وہ اپنے نام آئے ہوئے کسی خط کو اس وقت تک نہیں پڑھتے (یا اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے) جب تک اس پر بھیجنے والے کی مُہر نہ ہو اس لیے حضور ﷺ اپنی مُہر بنوالیں تاکہ مکاتیبِ نبویؐ پر ثبت کی جا سکے۔

حضور ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کا یہ صائب مشورہ قبول فرمالیا اور سونے کی انگشتری بنوائی جسے مہر کے طور پر استعمال کیا جاسکتا تھا لیکن بارگاہِ الٰہی سے مردوں کے لیے سونے کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا تو حضور ﷺ نے سونے کی انگشتری کی جگہ چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔ اس پر آپؐ نے تین الفاظ اس طرح کندہ کرائے کہ ''اللہ'' کا لفظ سب سے اوپر اس کے نیچے ''رسول'' کا لفظ اور اس کے نیچے ''محمدؐ'' کا لفظ تھا۔ نقش کی تحریر الٹی تھی جس کے الفاظ مہر لگانے پر سیدھے آتے تھے اور مہر کی صورت یوں بنتی تھی:

عہدِ رسالت میں یہ مہر حضور ﷺ کے تمام مراسلاتِ، فرامین، معاہدات اور پیغامات پر لگائی جاتی رہی۔ حضور ﷺ اس کو کبھی اپنے دائیں اور کبھی بائیں دستِ مبارک کی چھوٹی

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

۲۔ حافظ شمس الدین محمد بن علی بن طولونؒ۔ اعلام السائلین

۳۔ امام ابن حدیدہ انصاریؒ۔ المصباح المضی فی کتاب النبی الامی و رسلہ الی ملوک الارض من عربی و عجمی۔

۴۔ صاحبزادہ محمد عبدالمنعم خان ٹونکیؒ۔ رسالتِ نبویہ

۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ۔ اردو ترجمہ بنام سیاسی وثیقہ جات از ابویحیٰ امام خاں نوشہروی)

۶۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ بلاغِ مبین، مکاتیب سید المرسلین (دہلی)

۷۔ جناب محمد عبدالجلیل۔ فرمانِ نبوت (حیدر آباد دکن)

۸۔ جناب سید محبوب رضوی۔ مکتوباتِ نبویؐ

۹۔ جناب عون قاسم الشریف، دبلوماسیۃ محمد، سودان۔

۱۰۔ شمیم الدین۔ قلمدانِ رسالت مکتبہ رضویہ کراچی

۱۱۔ دکتور نثار احمد فاروقی۔ الرسالات النبویہ.......... (مشمولہ مجلہ نقوش۔ رسول نمبر جلد دوم)

۱۲۔ محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ بہاولپوری۔ فرامینِ مقدس۔ دہلی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انگشتِ مبارک میں پہنا کرتے۔ آپؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمرؓ فاروق اور حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اپنے ادوارِ خلافت میں اس کا استعمال جاری رکھا۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس مہر کی گمشدگی کا افسوناک سانحہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ امیر المومنین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہُ ایک دن اریس کے کنوئیں پر تشریف فرما تھے کہ یہ انگوٹھی اُن کی انگلی سے نکل کر کنوئیں میں گر گئی اور تلاشِ بسیار کے باوجود نہ ملی ایک روایت کے مطابق یہ سانحہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چھ سال بعد پیش آیا مگر ایک اور روایت میں اس کا وقوع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری سال میں بتایا گیا ہے۔ اُن کا سانحۂ شہادت بھی اسی سال پیش آیا۔ واللہ اعلم بِالصّواب

مکاتیبِ نبویؐ کا اُسلوبِ کتابت:

ہادیِ اکرم ﷺ نے بادشاہوں اور دوسرے مقتدر لوگوں کو دعوتِ اسلام کے جو خطوط املا کرائے ان میں ایک دو فقروں کے سوا بڑی حد تک یکسانی پائی جاتی ہے۔ ہر خط کے آغاز میں آپؐ "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" لکھواتے تھے۔ اس کے بعد آپؐ پہلے اپنا اسمِ مبارک منصبِ رسالت کے ساتھ اور مکتوب الیہ کا نام بعد میں لکھواتے تھے۔ مِنْ مُحَمَّد رسول اللّٰہ اِلٰی فلان (حالانکہ اس زمانے کے دستور کے مطابق بادشاہوں کے نام خطوط میں مکتوب الیہ بادشاہ کا نام پہلے اور خط بھیجنے والے کا نام بعد میں لکھا جاتا تھا)۔ حضور ﷺ کا مُخاطب اگر کوئی بادشاہ ہوتا تو اس کے نام یا لقب کے ساتھ یہ الفاظ لکھواتے:

"فلاں قوم یا ملک کا بڑا جیسے عظیم الرُّوم یا عظیم الفارس۔ غیر مسلم مکتوب الیہ کو مُخاطب کرتے وقت سَلَامٌ" عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (جس نے ہدایت کی پیروی کی اس پر سلام ہو)۔ سلام کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء لکھواتے پھر "امابعد" کے بعد اصل مضمون لکھواتے جو دعوتِ اسلام کے موزوں الفاظ پر مشتمل ہوتا۔ خطوط کو بالعموم سلام پر ختم فرماتے یا ایسے الفاظ پر جن میں مکتوب الیہ کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا گیا ہوتا۔ مکتوب کے آخری فقرے کے نیچے مُہرِ نبویؐ ثبت کی جاتی۔

اس کتاب (کے آیندہ صفحات) میں آٹھ مکاتیبِ نبویؐ کا اردو ترجمہ شامل کیا جا رہا ہے بہت سے اربابِ سیَر وتاریخ نے ان مکاتیب کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے ان میں زیادہ تر اصل حالت میں دستیاب ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کم از کم چھ خطوط باختلافِ روایت ذوالحجہ ۶ھ ہجری یا آغازِ مُحرّم ۷ھ ہجری میں روانہ کیے گئے۔ ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

مکتوب الیہ	مکتوبِ مبارک لے جانے والے صحابی کا اسمِ گرامی
۱۔ ہرقل شاہِ روم	حضرت دِحیہؓ بن خلیفہ کلبی
۲۔ مُقوقِس، حاکمِ مصر	حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

٣۔ کسریٰ (خسرو پرویز) شاہِ فارس — حضرت عبداللہؓ بن حذافہ
٤۔ نجاشی اصحم شاہِ حبشہ — حضرت عمروؓ بن امیہؓ ضمری
٥۔ مُنذر بن ساویٰ والیٔ بحرین — حضرت علاءؓ بن حضرمی
٦۔ ہوذہ بن علی حاکم یمامہ — حضرت سلیطؓ بن عمرو
٧۔ حارث بن ابی شمّر والیٔ حوران — حضرت شجاعؓ بن وہب
٨۔ جیفر وعبد پسرانِ جلندی — حضرت عمروؓ بن عاص

شاہِ روم ہرقل کے نام مکتوبِ نبویؐ:

قیصرِ روم ہرقل اوّل کے نام آنحضورﷺ نے جو خط بھیجا اس کا مضمون یہ تھا۔
(عربی سے اردو ترجمہ)

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ محمّد کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے ہرقل کی طرف جو روم کا بڑا (فرمانروا) ہے۔ سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد، میں تم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں، مسلمان ہو جاؤ سلامت رہو گے اور اللہ تم کو دوہرا اجر دے گا اور اگر تم نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا تو تمام اہلِ ملک کا گناہ تمہارے سر ہوگا۔ اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا معبود نہ بنائے اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔“

حضورﷺ نے یہ مکتوبِ گرامی حضرت دِحیہؓ بن خلیفہ کلبی کے سپرد کیا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ اسے بُصریٰ کے حاکم حارث بن ابی شمّر کے پاس پہنچا دیں وہ اسے ہرقل کے پاس بھیج دے گا۔[1] حضرت دحیہؓ یہ خط لے کر بُصریٰ کی جانب روانہ ہوئے تو راستے میں بنو جذام کے کچھ رہزنوں نے ان کو لوٹ لیا لیکن اسی قبیلے کے چند نومسلم حضرات نے ان کو رہزنوں کے ہاتھ سے چھڑایا اور ان کا لوٹا ہوا سامان بھی واپس دلا دیا۔ مگر حضرت دِحیہؓ آگے نہ گئے اور واپس جا کر حضورﷺ کی خدمت میں سارا واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے بنو جذام کی تادیب کے لیے ایک مہم روانہ کی (اس کی تفصیل سریۂ حسمیٰ کے عنوان کے تحت بیان کی گئی ہے)۔ غزوۂ خیبر کے کچھ عرصہ بعد حضورﷺ نے یہ مکتوبِ گرامی ہرقل کو پہنچانے کے لیے دوبارہ حضرت دِحیہؓ کے سپرد کیا وہ اسے

[1] بُصریٰ شام کے علاقے حوران کا ایک اہم شہر تھا۔ اس علاقے پر عرب کا ایک عیسائی خاندان حکومت کرتا تھا۔ یہ خاندان قیصرِ روم کا اطاعت گزار تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاکمِ بُصریٰ کے پاس لے گئے۔ ان دنوں ہرقل ایک نذر پوری کرنے بیت المقدس آیا ہوا تھا۔[1] حاکمِ بُصریٰ نے اپنے مصاحبِ خاص عدی بن حاتم کو حضرت دِحیہؓ کے ساتھ بیت المقدس بھیج دیا تا کہ وہ یہ خط ہرقل کو پہنچانے میں حضرت دِحیہؓ کی مدد کریں۔ جب یہ مکتوبِ گرامی ہرقل تک پہنچا اور اس نے اسے پڑھا تو اس نے حکم دیا کہ اگر رومی علاقے میں حجاز کے تاجروں کی کوئی جماعت آئی ہو تو اسے میرے سامنے حاضر کیا جائے۔

اتفاق سے اسی زمانے میں ابوسفیان (جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے) ایک تجارتی قافلہ لے کر شام گئے ہوئے تھے اور غزہ میں مقیم تھے۔ رومی افسر اس قافلے کو ساتھ لے کر ہرقل کے دربار میں حاضر ہوئے تو اس نے ترجمان کے واسطے سے ان لوگوں سے پوچھا:

''برادرانِ عرب! تم میں سے کون اس مدعیِ نبوّت کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے؟''

ابوسفیان نے آگے بڑھ کر کہا ''اِن میں سب سے زیادہ میں اس کا قریبی رشتہ دار ہوں۔''[2]

اس کے بعد ابوسفیان اور ہرقل کے درمیان وہ تاریخی مکالمہ ہوا جس کو اکثر اہلِ سِیَر نے نقل کیا ہے۔ ہم بھی اسے یہاں درج کرتے ہیں:

ہرقل: جو شخص تم میں پیغمبر ہونے کا دعوٰی کرتا ہے اسکا نسب کیسا ہے؟

ابوسفیان: وہ نہایت شریفُ النَّسَب ہے۔

ہرقل: اس سے پہلے اس کے خاندان میں کبھی کسی نے پیغمبر ہونے کا دعوٰی کیا؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: اس کے دین کو جن لوگوں نے قبول کیا، اُن کی کیا حیثیت ہے؟

ابوسفیان: زیادہ تر غریب اور کم حیثیت لوگوں نے اس کا دین قبول کیا ہے۔

ہرقل: اس کا دین قبول کرنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟

---

1. کچھ عرصہ پہلے ہرقل نے ایرانیوں کو تباہ کن شکست دی تھی اور ان سے صلیبِ مقدس (جس کو ایرانی اٹھا لے گئے تھے) واپس لے لی تھی۔ اس نے نذر مانی تھی کہ صلیبِ مقدس واپس مل گئی تو میں اسے ننگے پاؤں بیت المقدس جا کر دوبارہ نصب کروں گا۔ یہ نذر پوری کرنے کے لیے ہی وہ بیت المقدس آیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت دِحیہؓ نے حضور علیہ السلام کا مکتوبِ گرامی شام کے شہر حمص میں ہرقل کو پہنچایا تھا۔ اسوقت وہ بیت المقدس جاتے ہوئے عارضی طور پر حمص میں مقیم تھا اس کے بیتِ المقدس پہنچنے کے بعد بھی حضرت دِحیہؓ کی اس سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔

2. حضرت ابوسفیانؓ بن حرب بن امیہ کے پردادا عبدِشمس بن عبدِمناف، سرورِ عالم ﷺ کے پردادا ہاشم بن عبدِمناف کے حقیقی بھائی تھے۔ پھر وہ حضور علیہ السلام کے خسر بھی تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہؓ، حضرت ابوسفیانؓ ہی کی بیٹی تھیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوسفیان: بڑھ رہی رہے۔
ہرقل: کیا کوئی شخص اس کا دین قبول کرنے کے بعد اس سے پھر بھی گیا ہے؟
ابوسفیان: نہیں
ہرقل: کیا پیغمبری کے دعوٰی سے پہلے کبھی اس کو تم نے جھوٹ بولتے پایا ہے؟
ابوسفیان: نہیں
ہرقل: اس نے کبھی اپنے عہد و قرار کی خلاف ورزی بھی کی ہے؟
ابوسفیان: اب تک نہیں۔ مگر ابھی ہمارا اور اس کا ایک معاہدہ چل رہا ہے۔[1] دیکھیں وہ اسے نبھاتا ہے یا نہیں۔
ہرقل: کبھی اُس سے تمہاری لڑائی بھی ہوئی ہے؟
ابوسفیان: ہاں کئی لڑائیاں ہو چکی ہیں۔
ہرقل: اُن کا انجام کیا رہا؟
ابوسفیان: کبھی وہ جیتا کبھی ہم جیتے۔
ہرقل: وہ شخص کیا تعلیم دیتا ہے، اس کی دعوت کیا ہے؟
ابوسفیان: وہ کہتا ہے صرف ایک اللہ کو مانو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ دو، نماز پڑھو، بدکاری سے بچو، خیرات کرو، عزیز و اقارب اور اہلِ تعلق کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

ہرقل ابوسفیان کی گفتگو سے بہت متاثر ہوا اس نے برملا حضور ﷺ کی صداقت کا اعتراف کیا اور آپ ﷺ کی تعریف کی لیکن اپنی رعایا اور مذہبی پیشواؤں کے خوف سے اس کو اسلام کی دعوت قبول کرنے کا حوصلہ نہ پڑا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت دحیہؓ کی براہِ راست ہرقل سے ملاقات ہوئی تھی اور انہوں نے حضور ﷺ کا مکتوبِ گرامی کسی واسطے کے بغیر اس کو پہنچایا تھا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ہرقل نے تخلیہ میں حضرت دِحیہؓ سے ملاقات کی اور اُن سے کہا:

"میں جانتا ہوں کہ رسولِ عربیؐ اپنے دعوے میں سچے ہیں لیکن میں اپنی جان اور عمائدِ حکومت کے خوف سے علی الاعلان ان کا دین اختیار نہیں کر سکتا۔"

بعض اربابِ سیَر نے بیان کیا ہے کہ ہرقل نے حضرت دحیہؓ کو رخصت کرتے وقت کچھ تحائف بھی دیے تھے لیکن اس سلسلے کی روایات اتنی مستند نہیں ہیں کہ ان کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیا جائے لیکن ان کو یکسر مسترد کرنا بھی مناسب نہیں۔ اگر حضرت دِحیہؓ کی ہرقل سے براہِ راست ملاقات ہوئی ہوگی تو وہ حاکمِ بُصریٰ ہی کی وساطت سے ہوئی ہوگی۔ بہرحال حضرت دِحیہؓ کی یہ سفارت ایک حد تک اطمینان بخش رہی۔ چنانچہ غزوۂ تبوک ۹ ہجری کے موقع پر حضور ﷺ نے ہرقل کے پاس ایک اور سفارت بھیجنے کی ضرورت محسوس فرمائی تو اس دفعہ بھی

[1] اس سے مراد صلحنامۂ حدیبیہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے حضرت دِحیہؓ ہی کو سفیر بنایا اور اپنا ایک اور مکتوبِ گرامی ان کے ہاتھ ہرقل کے پاس بھیجا۔اس کا مضمون یہ تھا۔

(عربی سے اردو ترجمہ)

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے صاحبِ روم کے نام میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں اگر تم اسلام قبول کرلو تو تم دوسرے تمام مسلمانوں کی طرح ہو جاؤ گے۔ جو حقوق ان کو حاصل ہیں وہی تمہیں بھی حاصل ہوں گے اور جو ذمہ داریاں ان کی ہیں وہی تمہاری ہوں گی۔ اگر تم اسلام نہیں لاتے تو جزیہ دینا قبول کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔''جنگ کرو ان لوگوں سے جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان نہیں لاتے اور جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اس کو حرام نہیں سمجھتے اور نہ اُن لوگوں سے سچے دین کو قبول کرتے ہیں جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ مغلوب ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔ اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں تو پھر اپنی رعایا کو آزاد چھوڑ دو چاہے وہ اسلام قبول کرلیں، چاہے وہ جزیہ دینا منظور کرلیں۔'' (الوثائق السیاسیہ ص ۱۱۰۔ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ)

مُقوقِس مِصر کے نام مکتوبِ نبویؐ:

رحمتِ عالم ﷺ نے مصر کے مقوقس کے نام جو خط بھیجا اس کا مضمون یہ تھا۔

''بسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیم۔ محمدؐ کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ یہ خط مقوقس رئیسِ اعظم قبط کے نام ہے۔ سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرنے والا ہے۔ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ اسلام قبول کرلو تو سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تم کو دوگنا اجر دے گا۔ اور اگر انکار کرو گے تو تمام قبطیوں کا گناہ تمہارے سر ہوگا۔ اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے بعض اپنے بعض کو اللہ کے آگے پروردگار نہ بنائیں۔ اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم (اللہ کو وَحدَہٗ لاشریک) مانتے ہیں۔

مُہرِ نبوی ﷺ

ے ''رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی (ص ۲۴۶) از ڈاکٹر محمد حمید اللہ بحوالہ صبح الاعشیٰ قلقشندی، ''التنبیہ والاشراف'' مسعودی، السیرۃ النبویہ (دحلان) روض الانف سہیلی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُقوقِس مصر قیصرِ روم کی طرف سے مصر کا گورنر (والی) تھا۔ وہ اہلِ مِصر کا لاٹ پادری یا بطریق (Patriarch) بھی تھا یعنی حاکم ہونے کے علاوہ اہلِ مصر (قِبطیوں) کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا بھی تھا جسے عرب مُقوقِس کہتے تھے۔

حضور ﷺ نے مُقوقِس کو یہ خط پہنچانے کی ذمہ داری ایک بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہٗ کے سپرد فرمائی۔ مُقوقِس جس کا نام باختلافِ روایت بنیامین یا جریج بن متی یا مینا تھا، اس کا دارالحکومت ''اسکندریہ'' تھا۔

حضرت حاطبؓ اسکندریہ پہنچ کر مُقوقِس کے دربار میں گئے تو اس نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ حضور ﷺ کے نامۂ مبارک کو بڑی تعظیم سے آنکھوں سے لگایا اور اس کو اوّل تا آخر بغور پڑھا۔ اس موقع پر حضرت حاطبؓ اور مقوقس کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے:

حضرت حاطبؓ: تم سے پہلے یہاں ایک ایسا بادشاہ تھا جو خیال کرتا تھا کہ وہ خدا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا اور آخرت کے عذاب میں گرفتار کیا اور اس سے بدلہ لیا۔ پس تم دوسروں کے انجام کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔

مُقوقِس: ہم پہلے ہی ایک مذہب کے پیرو ہیں جس کو ہم اس وقت تک ترک نہیں کر سکتے، جب تک کوئی دوسرا مذہب اس سے اچھا نہ دیکھ لیں۔

حضرت حاطبؓ: ہم تم کو اسلام کی طرف بُلاتے ہیں جو اکمل ترین دین ہے۔ ہمارے نبیؐ نے جب لوگوں کو اس کی دعوت دی تو ان کی قوم قریش نے سخت مخالفت کی۔ اسی طرح یہودی بھی اس دین کے سخت دشمن ثابت ہوئے لیکن نصاریٰ اُن کی نسبت اس دین کے قریب تھے۔ خدا کی قسم جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے مسیح ابنِ مریمؑ کی بشارت دی تھی اسی طرح مسیح ابنِ مریمؑ نے محمد ﷺ کی بشارت دی۔ جس طرح نصاریٰ یہودیوں کو انجیل کی دعوت دیتے ہیں اسی طرح ہم تم کو قرآن کی طرف بُلاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی ہم عہد قوم ان کی اُمّت ہوتی ہے اور اس پر ان کا اتباع لازم ہے۔ چونکہ تم نے ایک نبی کا زمانہ پایا ہے۔ اس لیے تم پر فرض ہے کہ اس پر ایمان لاؤ۔ ہم تم کو دینِ عیسوی سے منحرف نہیں کرتے بلکہ فی الحقیقت اسی راہ پر لے جانا چاہتے ہیں۔

مُقوقِس حضرت حاطبؓ کی تقریر سے بہت متاثر ہوا لیکن عمائدِ حکومت کی بغاوت کے خوف سے اس کو دعوتِ حق قبول کرنے کی ہمت نہ پڑی تاہم اس نے حضور ﷺ کے نامۂ مبارک کو بڑے احترام کے ساتھ ہاتھی دانت کے ایک ڈبے میں بند کر کے اور مہر لگا کر اپنی کنیزِ خاص کی حفاظت میں دے دیا۔ دربار برخاست ہوا تو حضرت حاطبؓ کو دربار میں بُلایا اور ان سے پوچھا کہ اگر تمہارے پیغمبر سچے ہیں تو انہوں نے وطن چھوڑتے ہوئے اپنی قوم کے لیے بددعا کیوں نہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی۔ جب حضرت حاطبؓ نے اس کے جواب میں اس سے سوال کیا کہ حضرت عیسیٰ نے صلیب پر چڑھتے وقت اپنی قوم کے لیے بددعا کیوں نہ کی تو مقوقس نے لاجواب ہو کر حضرت حاطبؓ اور رسولِ اکرم ﷺ کی حکمت کا اعتراف کرلیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت حاطبؓ پانچ دن تک اسکندریہ میں مقیم رہے۔ جب وہاں سے چلنے لگے تو مقوقس نے انہیں نہایت عزت و احترام سے رخصت کیا، اور حضور ﷺ کے نام ایک خط کے علاوہ چند تحائف بھی سرورِ عالم ﷺ کے لیے حضرت حاطبؓ کے ساتھ کر دیے۔ بعض اہلِ سِیَر نے ان تحائف کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

۱۔ دو کنیزیں۔ ماریہ اور سیرین۔
۲۔ ایک کنیز۔ نام نامعلوم
۳۔ ''یعفور'' نام کا ایک گدھا
۴۔ ''دُلدُل'' نام کا ایک خچر
۵۔ ایک نیزہ
۶۔ ایک حُلّہ حریر (بعض روایات کے مطابق بہت سے قیمتی جوڑے)
۷۔ ایک ہزار مثقال سونا۔

ان کے علاوہ ایک سو مثقال سونا حضرت حاطبؓ کو بطور انعام یا رخصتانہ دیا۔

حضور ﷺ کے نام مقوقس کے خط کا مضمون یہ تھا:

''محمد بن عبد اللہ کے نام مقوقس عظیم قبط کی طرف سے۔ آپ پر سلام۔ امّا بعد۔ میں نے آپ کا خط پڑھا اس کے مضمون اور جس دین کی آپ نے دعوت دی ہے اس کو سمجھا۔ مجھے اس بات کا علم تھا کہ ایک نبی کا ظہور ہوگا لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ملک شام سے ظاہر ہوگا۔ میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا ہے میں آپ کو بطور ہدیہ دو کنیزیں بھیج رہا ہوں۔ اہلِ قبط کے نزدیک ان کی بڑی قدر و منزلت ہے ان کے ساتھ ایک خلعت اور ایک خچر بھی آپ کی سواری کے لیے ہے وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ (تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۳۷)

حضرت حاطبؓ نے مدینہ منورہ واپس آ کر یہ تحائف حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیے تو آپؐ نے ان کو قبول فرمالیا۔ ماریہ قبطیہؓ کو اپنی ملکِ یمین میں رکھا ان کے بطن سے حضور ﷺ کے صاحبزادے ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ سیرین حضرت حسانؓ بن ثابت کو عطا کی گئیں۔ ان کے بطن سے عبد الرحمٰن بن حسانؓ پیدا ہوئے۔ کنیز نامعلوم کو حضرت جہمؓ بن حذیفہ کو عنایت فرمایا۔ یعفور خاص سواری میں تھا۔ حضور ﷺ حجۃ الوداع کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں مرگیا۔ دُلدُل بھی کچھ عرصہ خاص سواری میں رہا۔ پھر حضورِ اکرم ﷺ نے اسے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کو دے دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہِ فارس (ایران) کِسریٰ (خسرو) پرویز کے نام مکتوبِ نبویؐ:

فارس (ایران) کے (بادشاہ) کِسریٰ (خسرو) پرویز کے نام آنحضور ﷺ کے نامۂ مبارک کا مضمون یہ تھا:

(عربی سے اردو ترجمہ)

"بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ. محمد رسول اللہ کی طرف سے کِسریٰ شاہِ فارس کے نام سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ وَحۡدَہٗ لاشَرِیک کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اور میں تمہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے روئے زمین کے تمام انسانوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں ہر زندہ شخص کو اللہ کا خوف دلاؤں اور کافروں کے متعلق اللہ کی بات پوری ہو کر رہے گی۔ اسلام قبول کرلے، سلامت رہے گا ورنہ مجوسیوں کا وبال تجھی پر پڑے گا۔

مہرِ نبوی ﷺ

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے یہ خط حضرت عبد اللہؓ بن حُذافہ سہمیؓ کے سپرد کرکے انہیں حکم دیا کہ وہ اسے بحرین کے گورنر کی وساطت سے کِسریٰ تک پہنچا دیں۔ حضرت عبد اللہؓ بن حُذافہ نے نہایت حسن وخوبی سے حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی اور مکتوبِ نبویؐ کو بحفاظتِ تمام حاکمِ بحرین تک پہنچا دیا۔

اہلِ سِیَر نے یہ وضاحت نہیں کی کہ حاکمِ بحرین نے یہ خط دے کر حضرت عبد اللہؓ ہی کو مدائن بھیجا یا اپنے کسی آدمی کے ہاتھ اسے پایۂ تخت روانہ کیا تھا بہرصورت یہ خط کِسریٰ تک پہنچ گیا۔ خسرو پرویز دوم نام کا یہ بادشاہ ہرمز کا چوتھا بیٹا اور خسرو اوّل معروف بہ نوشیروانِ عادل کا پوتا تھا۔ عرب اس کو کِسریٰ ابرویز کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کا زمانۂ حکومت ۵۹۰ عیسوی سے ۶۲۸ عیسوی تک ہے۔ اپنی حکومت کے پہلے ۲۵ سالوں میں اس نے اپنی سلطنت کو وسعت، شان و شوکت اور خوشحالی کے اعتبار سے انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔ اسی زمانے میں اس نے قیصرِ روم کو شکستوں پر شکستیں دے کر اس کا کچومر نکال دیا۔ اس کے بعد اس کے زوال کا آغاز ہو گیا اور قیصرِ روم نے اس کو شکستوں پر شکستیں دے کر اس کی سابقہ شان وشوکت کو قصۂ پارینہ بنا دیا۔ لیکن رسی جل گئی مگر بَل نہ گیا، کے مصداق پرویز کے تکبّر اور غرور میں کوئی کمی نہ آئی ۶۲۸ء کے ۷ ہجری کے ابتدائی مہینوں میں اسے رسولِ اکرم ﷺ کا مکتوبِ گرامی ملا تو اس نے اس کو نہایت بدتمیزی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ پھاڑ ڈالا اور متکبّرانہ انداز میں بولا، میرا ایک غلام مجھے ایسا خط لکھنے کی جرأت کرتا ہے یا یہ کہ میری رعایا میں سے ایک معمولی غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے۔ جب آنحضورﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا، اس نے میرے خط کو پھاڑا (پارہ پارہ کیا) ہے اللہ تعالیٰ اس کے ملک (سلطنت) کو پارہ پارہ کرے (دنیا نے دیکھا کہ لسانِ رسالت سے نکلی ہوئی یہ بات آیندہ چند سالوں کے اندر پوری ہوگئی) بدبخت پرویز نے نامۂ نبوی کو چاک کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اس نے یمن کے ایرانی گورنر باذان کو حکم بھیجا کہ دو دلیر (طاقتور) آدمیوں کو حجاز بھیجو جو وہاں کے مُدّعیِ نبوّت کو گرفتار کرکے میرے سامنے حاضر کریں۔

باذان کو یہ حکم ملا تو اس نے بابویہ (بروایتِ دیگر نابوہ) نامی حساب کتاب میں مہارت رکھنے والے ایک پڑھے لکھے ہوشیار آدمی کو خرخسرہ نامی ایک ایرانی کے ساتھ حضورﷺ کے نام ایک خط دے کر حجاز بھیجا۔ اس خط میں آپؐ سے کہا گیا تھا کہ ان دو آدمیوں کے ہمراہ فوراً کسریٰ کے دربار میں حاضر ہوں۔ باذان نے ان دونوں کو یہ ہدایت بھی کی کہ حجاز جا کر پہلے اس شخص سے گفتگو کرو اور مجھ سے اس کا حال بیان کرو۔ یہ دونوں یمن سے روانہ ہو کر پہلے طائف پہنچے اور لوگوں سے حضورﷺ کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ مدینہ میں ہیں۔ اُس وقت قریشِ مکّہ کے چند آدمی تجارت کے سلسلے میں طائف آئے ہوئے تھے۔ انہیں بابویہ اور خرخسرہ کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دی کہ کسریٰ مسلمانوں کا دشمن ہوگیا ہے اب وہ ان کو کچل ڈالے گا۔

بابویہ اور خرخسرہ دونوں طائف سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ پہنچے اور رسولِ اکرمﷺ کے روبرو حاضر ہو کر اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور حضورﷺ سے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا اثنائے گفتگو میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں گے تو باذان آپ کے حق میں کسریٰ سے ایسی سفارش کریں گے جس سے آپ کو فائدہ ہوگا اور اگر آپ نے ہمارے ساتھ چلنے سے انکار کیا تو کسریٰ آپ کو اور آپ کی ساری قوم کو ہلاک کر ڈالے گا اور آپ کے ملک کو بھی تباہ و برباد کر دے گا۔[1]

حضورﷺ نے ان کی باتیں سن کر فرمایا، تم اب جاؤ، کل میرے پاس آنا۔

مدینہ منورہ میں تو یہ کچھ ہو رہا تھا ادھر فارس (ایران) میں انقلاب برپا ہوگیا تھا خسرو پرویز کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کو قتل کرکے خود بادشاہ بن بیٹھا تھا۔

یہ واقعہ سہ شنبہ کی رات ۱۰ جمادی الاولیٰ ۷ ہجری کو پیش آیا۔ حضورﷺ کو اس کا علم

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ بابویہ اور خرخسرہ آنحضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی ڈاڑھیاں منڈی ہوئی تھیں اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں۔ حضورﷺ نے ان سے پوچھا، تمہیں کس نے ایسی صورت بنانے کا حکم دیا؟

انہوں نے کہا، ہمارے مالک (یعنی کسریٰ) نے۔

حضورﷺ نے فرمایا، میرے مالک (ربّ) نے تو مجھے ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں ترشوانے کا حکم دیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وحی کے ذریعے ہو گیا۔ دوسرے دن جب بابویہ اور خرخسرہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کو بتایا کہ تمہارے مالک (بادشاہ) کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا ہے۔ آپؐ نے ان کو خسرو پرویز کے قتل کی تاریخ اور وقت سے بھی آگاہ فرمادیا اور ہدایت کی کہ واپس جا کر باذان کو اس کے بادشاہ کی ہلاکت کی اطلاع دے دو۔

انہوں نے حیران ہو کر کہا، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں اگر یہ خبر غلط نکلی تو اس کا نتیجہ بہت خوفناک ہوگا۔

حضور ﷺ نے فرمایا، بے شک یہ خبر اس کو پہنچا دو اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دو کہ میرا دین اور میری حکومت کسریٰ کی سلطنت کی آخری سرحدوں تک پہنچے گی بلکہ ان سے بھی آگے بڑھ کر وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کوئی چوپایہ (اونٹ اور گھوڑا) پہنچ سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو یمن کی گورنری پر میری طرف سے برقرار رہو گے۔ جب وہ مدینہ منوّرہ سے چلنے لگے تو حضور ﷺ نے خرخسرہ کو سونے اور چاندی سے مرصّع ایک کمربند بطور تحفہ عنایت فرمایا۔

باذان کا قبولِ اسلام:

بابویہ اور خرخسرہ نے واپس جا کر باذان کو حضور ﷺ کے ارشادات سے آگاہ کیا تو اس نے کہا کہ یہ گفتگو کسی بادشاہ کی نہیں بلکہ ایک پیغمبر کی معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ خبر جو انہوں نے دی ہے صحیح نکلی تو میں سب سے پہلے ان پر ایمان لے آؤں گا۔ اور پھر بہت جلد فارس کے نئے بادشاہ شیرویہ کا فرمان باذان کے پاس پہنچ گیا جس سے اس خبر کی تصدیق ہوگئی۔ اب باذان نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور یمن میں اس کے ساتھ جتنے اہل فارس تھے وہ بھی اسلام لے آئے۔ باذان نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے قبولِ اسلام کی اطلاع حضور ﷺ کو دی تو آپؐ نے اسے اپنی طرف سے یمن کا حاکم مقرر فرمادیا۔ (طبقات ابنِ سعد ج ۱ ص ۲۶۰، تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۳۶۔۳۷)

نجاشی (شاہِ حبشہ) کے نام مکاتیبِ نبوی:

نجاشی (Negus) حبش (حبشہ) کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ حبش کا موجودہ نام ایتھوپیا (Ethopia) ہے۔ تاریخ و سیَر کی اکثر کتابوں میں نجاشی کے نام آنحضور ﷺ کے چار مکاتیب کا ذکر آتا ہے۔ ان میں سے تین کے متون (مندرجات) تو (معمولی اختلافِ لفظی کے ساتھ) دریافت ہو چکے ہیں البتہ ایک کا متن معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ خطوط نجاشی کو کب بھیجے گئے اور ان کو کون لے کر گیا؟ ان سوالوں کا جو جواب تاریخ و سیَر کی بیشتر کتابوں میں ملتا ہے اس میں خاصا ابہام پایا جاتا ہے۔ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے علامہ ابنِ جریر طبریؒ، حافظ ابن قیمؒ، علامہ قلقشندی (شہاب الدین ابوالعباس احمد بن علی) اور علامہ قسطلانی (ابوالعباس احمد بن محمد شافعی) کے حوالے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے حضور ﷺ کے ایک مکتوبِ گرامی بنام نجاشی کے متن کو اس طرح نقل کیا ہے۔ (اردو ترجمہ)

"محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی الاصحم شاہِ حبشہ کے نام، سلامتی ہو، اُس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، اما بعد۔ پس میں تعریف کرتا ہوں تم سے اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو بادشاہ ہے بہت پاک ہے (ہر عیب سے)، سلامتی والا ہے، امن دینے والا ہے اور نگہبان ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ حق تعالیٰ نے اپنے امر کو پاکباز اور باعصمت مریم کی طرف القاء کیا پس وہ عیسیٰ کے ساتھ حاملہ ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو اپنے امر کے ساتھ پیدا کیا جس طرح آدم کو اپنے یدِ قدرت سے پیدا کیا اور میں تجھ کو اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور اس کی اطاعت پر دوستی کی دعوت دیتا ہوں۔ تو میرا اتّباع کر اور مجھ پر اللہ کا جو کلام نازل ہوا ہے اس پر ایمان لا۔ میں اللہ کا رسول ہوں اور تجھ کو اور تیرے لشکروں کو اللہ عزّوجل کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں نے تجھے پیغامِ رسالت پہنچا دیا اور تجھ کو نصیحت کر چکا میری (خیر خواہانہ) نصیحت قبول کر۔ میں نے تمہارے پاس اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو بھیجا ہے جس کے ہمراہ چند اور مسلمان بھی ہیں۔ جب وہ تمہارے پاس آئے تو ان کی مہمانداری کرنا اور جبر اختیار نہ کرنا۔ سلام اُس پر جو راہِ ہدایت پر چلے۔"

مہرِ نبوی ﷺ

بہت سے اربابِ تاریخ و سِیَر نے لکھا ہے کہ آنحضور ﷺ نے یہ مکتوبِ مبارک صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ ہجری کے اواخر میں نجاشی کو بھیجا تھا اور اس کو لے جانے والے حضرت عمرو بن امیہؓ ضمری رضی اللہ عنہٗ تھے لیکن یہ بات بداہتہً غلط ہے کیونکہ حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھی ۶ بعدِ بعثت میں مکہ سے ہجرت کر کے حبش گئے تھے اور اُس وقت سے امن وسکون کے ساتھ وہاں زندگی گزار رہے تھے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضور ﷺ نے چودہ سال کے بعد نجاشی کو ان کی مہمانداری کے لیے فرمایا ہو اور پھر اُس وقت تو حضرت عمرو بن امیہؓ ضمری بھی حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئے تھے وہ تو کہیں گیارہ بارہ سال بعد شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے اس لیے یہ خط ان کے ہاتھ بھیجنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تبلیغی اور تعارفی نوعیت کا خط ۶ بعدِ بعثت میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ نجاشی اصحم کو بھیجا گیا تھا۔ یہ خط پا کر نجاشی نہ صرف صدقِ دل سے مسلمان ہو گیا بلکہ اس نے مسلمان مہاجرین کا بہت اعزاز و اکرام کیا اور پوری کوشش کی کہ انہیں حبش کے دورانِ قیام میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیان کیا جاتا ہے کہ جب نجاشی اصحم کو یہ خط دیا گیا تو وہ از راہِ ادب وتواضع تخت سے اتر کر فرش پر بیٹھ گیا اور اس مکتوبِ گرامی کو اپنی آنکھوں پر رکھا۔ اُس کے قبولِ اسلام کی تائید اُس خط سے بھی ہوتی ہے جو اُس نے آنحضور ﷺ کو آپؐ کے مکتوبِ گرامی کے جواب میں لکھا۔ سیرت اور تاریخ کی کئی کتابوں میں اس خط کا متن محفوظ ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

> بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. محمّد رسول اللہ کی خدمت میں نجاشی اصحم بن ابجر کی طرف سے۔ اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں، اُس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھ کو اسلام کی ہدایت دی لمّابعد یا رسول اللہ! آپ کا مکتوب مجھے ملا۔ اس میں آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت جو کچھ فرمایا ہے، آسمان اور زمین کے رَبّ کی قسم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رتبہ اس سے ذرّہ برابر زیادہ نہیں ہے وہ ویسے ہی تھے جیسے آپ نے فرمایا ہے اور جس چیز کو لے کر آپ مبعوث ہوئے اسے ہم نے پہچان لیا اور میں نے آپ کے ابنِ عَم اور ان کے ساتھیوں کی مہمانداری کی اور ان کے سامنے شہادت دی کہ آپ اللہ کے صادق اور مُصَدِّق رسول ہیں۔ میں نے آپ کے ابنِ عَم اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھ پر (آپ کی) بیعت کی اور اللہ رب العالمین کے سامنے سرِ اطاعت جھکا دیا (اسلام لایا) اور میں اپنے بیٹے ارہا بن اصحم بن ابجر کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں کیونکہ میں اپنی ذات کے سوا کسی کا مالک نہیں۔ آپ چاہیں کہ میں آپ کی خدمت میں آجاؤں تو حاضر ہو جاؤں گا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق ہے آپ پر اللہ کا سلام ہو یا رسولَ اللہ۔

(البدایہ والنّہایہ ج ۳ ص ۸۳)

طبریؒ کا بیان ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے ایک بحری جہاز کے ذریعے روانہ کیا بدقسمتی سے یہ جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور تمام مسافر جاں بحق ہو گئے لیکن بعض دوسرے مؤرخین کا بیان ہے کہ حبشہ کا وفد چند کشتیوں میں سوار تھا۔ ان میں سے کچھ کشتیاں ڈوب گئیں اور کچھ سلامت رہیں ان کے سوار بخیریت مدینہ پہنچ گئے اگر نجاشی نے یہ خط ۶ بعدِ بعثت میں لکھا تو پھر ارہا بن اصحم کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجنے سے متعلق فقرے الحاقی ہیں۔ اُس وقت حضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہ مکّہ میں ابتلا اور آزمائش کے دَور سے گزر رہے تھے۔ بہت سے مظلوم مسلمان خود پناہ لینے حبش پہنچے تھے ایسی صورتِ حال میں وہاں سے کسی وفد کا مکّہ آنا بعید از قیاس ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض مکاتیب کی کچھ عبارتیں ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہو گئی ہیں جس کی وجہ سے اِبہام پیدا ہوا ہے۔ حبش سے حبشی مسلمانوں کی ایک جماعت بارگاہِ رسالت میں ضرور حاضر ہوئی لیکن ہجرتِ نبوی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پہلے نہیں بلکہ ۷ ھ ہجری کے اوائل میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ (غزوۂ خیبر کے موقع پر) مدینہ پہنچی۔ (اس کا ذکر آگے آئے گا) اس لیے مذکورہ فقرے نجاشی کے کسی دوسرے خط کے ہیں جو اس نے ۶ ھ ہجری کے اواخر میں حضور علیہ السلام کو بھیجا۔[1]

بے محل نہ ہوگا اگر یہاں نامور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی رائے حضور علیہ السلام کے اُس مکتوبِ گرامی کے بارے میں یہاں درج کر دی جائے جس کی نقل اوپر دی گئی ہے وہ لکھتے ہیں:

"عام طور سے اسلامی مؤرخ اس خط کو ۶ ھ ہجری کے اواخر کے واقعات میں بیان کرتے ہیں..... مگر (اس) خط کا آخری فقرہ قابلِ غور ہے کہ:

"میں نے تمہارے پاس اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو بھیجا ہے جس کے ہمراہ چند مسلمان بھی ہیں جب وہ تیرے پاس آئے تو ان کی مہمانداری کر.........."

کیا یہ عبارت ۶ ھ ہجری میں لکھی جا سکتی ہے جبکہ ان مہاجرین کو حبشہ پہنچے ہوئے پندرہ سال ہونے کو آئے تھے؟ بظاہر یہ خط تعارف کی غرض سے حضرت جعفر طیار کو دیا گیا تھا جب وہ حبشہ جا رہے تھے۔ اگر سیرت نگاروں کی خاموشی کو کوئی مانع نہ قرار دیا جائے تو خط کے واقف کارانہ انداز سے یہ گمان ہوتا ہے کہ نبوت سے پہلے آنحضرت علیہ السلام خود حبشہ تشریف لے گئے اور مثل بعض دیگر ملکی تاجروں کے نجاشی سے شخصی تعارف حاصل کیا تھا۔ آپ کا مہاجرین سے چلتے وقت واقفانہ انداز میں فرمانا کہ حبش میں ایک ایسے بادشاہ کی حکمرانی ہے جس کے دور میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا، اس کی مزید تائید کر سکتا ہے۔ احادیث میں بعض وقت آنحضرت علیہ السلام کی زبان سے چند حبشی الفاظ بھی مروی ہیں۔" (رسولِ اکرم علیہ السلام کی سیاسی زندگی ص ۱۵۵-۱۵۶)

اس بات پر سب اہلِ تاریخ و سیَر کا اتفاق ہے کہ رسولِ اکرم علیہ السلام نے ۶ ھ ہجری کے اواخر میں ایک خط نجاشی کو ضرور بھیجا اور یہ خط لے جانے والے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ تھے۔ اختلاف صرف مکتوبِ مبارک کے متن میں ہے۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عمروؓ بن امیہ کے ہاتھ دو خط نجاشی کو بھیجے تھے ان میں ایک خط تبلیغی نوعیت کا تھا اور دوسرے خط میں اسے ہدایت فرمائی گئی تھی کہ وہ حضرت اُمِ حبیبہ بنتِ ابی سفیان رضی اللہ عنہا کا غائبانہ عقد آنحضور علیہ السلام سے کر دے۔[2] اس خط کا متن دستیاب نہیں ہوا البتہ تبلیغی نوعیت کے خط کا متن امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے حوالے سے اس طرح نقل کیا ہے (عربی سے اردو ترجمہ)

---

[1] بعض روایات سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مذکورہ خط نجاشی نے ۶ ھ ہجری یا ۷ ھ ہجری میں حضور علیہ السلام کے کسی مکتوبِ گرامی کے جواب میں لکھا ہو اور اس میں کسی دوسرے خط کے فقرے شامل ہو گئے ہوں لیکن یہ محض قیاس آرائی ہے وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

[2] حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو (اپنے باپ اور بھائیوں سے سالہا سال پہلے) یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ دعوتِ حق کی ابتداء ہی میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئیں اور ۶ بعدِ بعثت میں حضور علیہ السلام کے ایماء پر اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلی گئیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یہ خط ہے محمد نبی کا نجاشی اصحم شاہِ حبشہ کے نام۔ سلام اس پر جو راہِ ہدایت پر چلے اور اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس کے نہ بیوی ہے نہ بچہ اور یہ بھی کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اسی کا رسول ہوں۔ اسلام لاؤ تو سلامت رہو گے۔

اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ کر آپس میں اپنوں ہی کو رب بنائیں۔ اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔ اگر تم نے یہ دعوت قبول کرنے سے انکار کیا تو تمہاری قوم کے نصاریٰ کا وبال تمہاری گردن پر پڑے گا۔ مُہرِ نبوی

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

وہاں ان کے شوہر عبید اللہ نے مرتد ہو کر عیسائیت اختیار کر لی اور رندانہ زندگی بسر کرنے لگا۔ حضرت اُمِ حبیبہؓ کی لعنت ملامت بھی اس کو راہِ راست پر نہ لا سکی اور وہ گمراہی کی حالت ہی میں مر گیا۔ حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو اُن کی عدت پوری ہونے کے بعد آپؐ نے ان کو اپنی طرف سے نکاح کا پیغام بھیجا۔ اگرچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے ایک مکتوبِ مبارک میں نجاشی کو لکھا تھا کہ وہ حضرت اُمِ حبیبہؓ کا نکاح (غائبانہ) آپؐ سے کر دے لیکن اس وقت تک حضور ﷺ کے جو مکاتیب بنام نجاشی منظرِ عام پر آئے ہیں ان میں اس نکاح کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں۔ شاید یہ خط امتدادِ زمانہ نے نظر سے اوجھل کر دیا ہو یا پھر حضور ﷺ نے خط لے جانے والے قاصد کے ذریعے زبانی پیغام بھیجا ہو اور راویوں کو اس کے تحریری ہونے میں سہو ہوا ہو۔

علامہ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ کے حبش پہنچنے پر نجاشی نے اپنی ایک لونڈی کے ذریعے حضور ﷺ کا پیام حضرت اُمِ حبیبہؓ کو پہنچایا اور کہلا بھیجا کہ آپ کو منظور ہو تو اپنا کوئی وکیل مقرر کریں تاکہ نکاح کی تقریب انجام پائے۔ حضرت اُمِ حبیبہؓ نے پیام منظور کر لیا اور حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہٗ کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ شام کو نجاشی نے حضرت خالدؓ بن سعید، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حبش میں مقیم دوسرے بہت سے مسلمانوں کو بلایا اور ان کے سامنے خود خطبۂ نکاح پڑھ کر حقِ مہر میں چار سَو دینار حضرت خالدؓ بن سعید کے ہاتھ حضرت اُمِ حبیبہؓ کو بھیجے۔ زبیرؓ بن بکار کی روایت کے مطابق نجاشی نے اس موقع پر یہ خطبہ پڑھا:

"تمام تعریف اس اللہ پاک کی جو مالک ہے، مقدس ہے، امن کا دینے والا عزیز اور جبار ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور آپ وہی ہیں جن کی عیسیٰ ابنِ مریم علیہما السلام نے بشارت دی۔ امّا بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ میں ان کا نکاح اُمِ حبیبہ بنتِ ابی سفیان سے کر دوں سو میں نے وہ بات جس کی طرف آپؐ نے بلایا منظور کر لی اور میں نے اُمِ حبیبہ بنتِ ابی سفیان سے آپؐ کا نکاح کر دیا۔ اللہ رسول اللہ پر برکت نازل فرمائے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے امام مسلمؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ حضور ﷺ کا وہ خط ہے جو آپؐ نے نجاشی اصحم کی وفات کے بعد اس کے جانشین کو لکھا تھا لیکن ڈاکٹر صاحب کی یہ بات اس حقیقت کے پیشِ نظر ناقابلِ فہم ہے کہ اس مکتوبِ گرامی میں مکتوب الیہ کا نام واضح طور پر ''اصحم'' درج ہے اور پھر دوسرے اربابِ سِیَر میں سے اکثر نے یہی لکھا ہے کہ نجاشی اصحم ہی کو حضور ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہُ کے ذریعے خط بھیجا تھا اور نجاشی اصحم کا انتقال ۸ھ ہجری کے اواخر یا ۹ھ ہجری کے اوائل میں ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جس دن نجاشی اصحمہ (اصحم) کا انتقال ہوا حضور ﷺ کو اسی دن ان کے انتقال کی خبر وحی کے ذریعے مل گئی اور آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا:

''آج اللہ کے نیک بندے اصحمہ کا انتقال ہوگیا تم سب کھڑے ہو اور اپنے بھائی اصحمہ پر نماز پڑھو۔''

پس ہم نے آپ کے پیچھے صف بندی کی (گویا حضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ نے اصحمہؒ کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی) طبریؒ کا خیال ہے کہ یہ واقعہ ۹ھ ہجری میں پیش آیا لیکن بعض دوسرے مورخین نے اسے فتح مکہ (رمضان ۸ھ ہجری) سے پہلے کا واقعہ بتایا ہے واللہ اعلم بالصواب

حافظ ابنِ قیمؒ نے تو مسلم کی روایت کو راوی کا وہم قرار دیا ہے۔

ان مکتوبات کے علاوہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے حضور ﷺ کے ایک اور مکتوبِ گرامی بنام نجاشی کا ذکر کیا ہے جو ۱۹۳۸ء میں دمشق میں دستیاب ہوا۔ یہ مکتوبِ مبارک ساڑھے تیرہ انچ لمبی اور کوئی نو انچ چوڑی جھلی پر لکھا ہوا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر صاحب نے اس مکتوبِ گرامی کا عکس بھی اپنی تالیف ''رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' میں شامل کیا ہے اس مکتوبِ مبارک کی عبارت معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ اُس مکتوبِ گرامی کی عبارت سے مطابقت رکھتی ہے جس کے آخر میں یہ جملے ہیں:

''میں نے تمہارے پاس اپنے چچازاد بھائی جعفر کو بھیجا ہے جسکے ہمراہ چند اور مسلمان بھی آئے ہیں جب وہ تمہارے پاس آئے تو ان کی مہمانداری کرنا اور جبر اختیار نہ کرنا''

بعض جدید سیرت نگاروں کے خیال میں یہ وہ مکتوبِ گرامی ہے جو حضور ﷺ نے نجاشی اصحم کے جانشین کو بھیجا تھا کیونکہ اس میں نجاشی کا نام درج نہیں ہے (الرّحیق المختوم اردو ص ۵۷) لیکن خط میں مکتوب الیہ کے نام کا نہ ہونا ہمیں کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچاتا۔ ہوسکتا ہے کہ یہی مکتوبِ گرامی حضرت عمرو بن اُمیہؓ کے ہاتھ نجاشی اصحم کو بھیجا گیا ہو۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ خط تبلیغی نوعیت کا کیوں ہے جبکہ نجاشی اصحم پہلے ہی شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ مؤرخین نے اس سوال کے جواب میں مختلف قیاس آرائیاں کی ہیں مثلاً یہ کہ اس مکتوبِ گرامی میں محض رسمی طور پر دعوتِ اسلام کی تجدید کی گئی اور نجاشی نے یہ خط پاکر اسے سر آنکھوں پر رکھا اور حضرت جعفرؓ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ پر بیعت کی تجدید کی یا یہ کہ مذکورہ مکتوبِ مبارک ملنے پر نجاشی نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اس کے جواب میں ایک خط حضور ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ ان میں جو صورت بھی تسلیم کی جائے، کئی سوال پیدا ہوجاتے ہیں۔ اس لیے وثوق کے ساتھ کوئی نظریہ قائم نہیں کیا جاسکتا صحیح وہی ہے جو مولانا عبدالرؤف دانا پوریؒ نے اپنی تالیف اَصَحُّ السِّیَر میں لکھا ہے کہ ان خطوط کے واقعات میں رواۃ نے خلط ملط کر دیا ہے جس سے صحیح تحقیق مشکل ہوگئی ہے واللہ اعلم۔" (اصح السیر ص ۳۹۳)

مُنذر بن ساوی والیٔ بحرین کے نام مکتوبِ نبویؐ:

منذر بن ساوی، حکومتِ فارس (ایران) کی طرف سے بحرین کا والی (گورنر) تھا آنحضور ﷺ نے اس کو دعوتِ اسلام کا جو خط بھیجا اس کا مضمون یہ تھا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ محمد رسول اللہ کی جانب سے منذر بن ساوی کے نام سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ امّا بعد! میں تمہیں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کرلو تو سلامت رہوگے اور جو کچھ تمہارے ماتحت ہے اس کو اللہ تمہارے ہی سپرد کر دے گا اور جان لو کہ دینِ اسلام جلد ہی وہاں تک غلبہ حاصل کرلے گا جہاں تک گھوڑے اور اونٹ پہنچ سکتے ہیں۔

مُہرِ نبوی ﷺ

اس مکتوب مبارک کو حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ یمن لے گئے اور مُنذر کے سپُرد کیا۔

منذر بن ساوی نے حضور ﷺ کا مکتوبِ گرامی ملتے ہی اسلام قبول کرلیا۔ انہوں نے اپنے قبولِ اسلام کی اطلاع حضور ﷺ کو دی اور آپؐ سے دریافت کیا کہ میرے علاقے میں یہود اور مجوس (آتش پرست) بھی ہیں، اُن سے کیا سلوک کیا جائے اس کے جواب میں حضور ﷺ نے اُن کو یہ خط لکھا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ محمد رسول اللہ کی جانب سے مُنذر بن ساوی کی طرف تم پر سلام ہو میں تمہارے ساتھ اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں امّا بعد! میں تم کو اللہ عزّ وجلّ کی یاد دلاتا ہوں (سنو) جو شخص نصیحت قبول کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی کو فائدہ پہنچاتا ہے اور جس شخص نے میرے قاصدوں کی اطاعت اور پیروی کی اس نے حقیقت میں میری ہی اطاعت کی اور جو اُن کے ساتھ نیکی اور خیر خواہی کرتا ہے وہ میرے ساتھ نیکی اور خیر خواہی کرتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ میرے قاصدوں نے تمہارے طرزِ عمل کی بہت تعریف کی ہے۔ میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش منظور کر لی ہے۔ پس وہ املاک مسلمانوں کے قبضے میں چھوڑ دو جن کے ساتھ وہ ایمان لائے ہیں اور میں نے خطا کاروں کو معاف کر دیا ہے ان سے اسلام یا توبہ قبول کر لو۔ جب تک تم صالحیت کی راہ پر قائم رہو گے ہم تمہارے منصب سے تمہیں الگ نہیں کریں گے۔ جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہنا چاہے اس پر جزیہ واجب ہو گا۔" (زاد المعاد ج ۳ ص ۶۲۔۶۱)

مُہرِ نبوی ﷺ

منذرؓ بن ساوی زندگی کے آخری سانس تک صدقِ دل سے اسلام پر قائم رہے۔ ان کا انتقال آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دنوں میں ہوا۔ ان کے بعد حضرت علاءؓ بن حضرمی بحرین کے والی مقرر ہوئے۔

ہَوذہ بن علی حاکم یمامہ کے نام مکتوبِ نبویؐ:

آنحضور ﷺ نے "بنو حنیفہ" کے سردار ہوذہ بن علی والئ یمامہ کے نام جو خط لکھا اس کا مضمون یہ تھا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ محمد رسول اللہ کی طرف سے ہوذہ بن علی کی طرف اس پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تمہیں معلوم رہے کہ میرا دین گھوڑوں اور اونٹوں کی رسائی کی آخری حد تک پہنچے گا اور غالب آئے گا پس تمہیں، چاہیے کہ اسلام قبول کر لو اس طرح تم سلامت رہو گے اور اپنے علاقے پر تمہاری حاکمیت بھی برقرار رہے گی۔

مُہرِ نبوی ﷺ

ہوذہ بن علی کو یہ نامۂ مبارک پہنچانے کی ذمہ داری حضرت سَلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ انہوں نے یہ خط ہوذہ کو پہنچایا تو اس نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور مبارکباد دی۔ چند دن کے بعد اس نے حضور ﷺ کے نامۂ مبارک کے جواب میں آپ کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "آپ جس دین کی دعوت دیتے ہیں وہ بہت خوب اور عمدہ ہے مگر اپنی خطابت اور شاعری کی بناء پر عرب میں میری بھی بڑی عزت ہے اور اہلِ عرب میرا بہت پاس کرتے ہیں اگر آپ اپنے اقتدار میں مجھے بھی شریک کر لیں تو میں آپ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیروی کرنے پر تیار ہوں۔"

یہ خط اس نے حضرت سلیطؓ ہی کے سپرد کیا۔ جب وہ اس سے رخصت ہونے لگے تو اس نے ان کو چند تحائف دیے جن میں ہجر کا بنا ہوا عمدہ کپڑا بھی تھا۔ حضرت سلیطؓ یہ خط اور تحائف لے کر خدمتِ نبویؐ میں واپس آئے اور ہوذہ کا خط پڑھ کر حضور ﷺ کو سنایا۔ آپؐ نے خط سن کر فرمایا:

"اگر وہ بنجر زمین کا ایک ٹکڑا بھی مجھ سے طلب کرے گا تو میں اس کو نہیں دوں گا۔ وہ خود بھی تباہ ہوگا اور جو کچھ اس کی ملک میں ہے وہ بھی تباہ ہوگا۔"

حافظ ابنِ قیمؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ (رمضان ۸ھ ہجری) سے واپس تشریف لائے تو جبریل علیہ السلام نے آپ کو خبر دی کہ ہوذہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ آپ نے یہ خبر صحابہؓ کو دی اور فرمایا، اب یمامہ میں ایک کذاب مُدّعیِ نبوّت نمودار ہونے والا ہے جو میرے بعد قتل کیا جائے گا تم لوگ ہی اس کو قتل کرو گے۔ (زاد المعاد ج۳ ص ۶۳)

حارث بن ابی شمّر غسانی والیِ حوران کے نام مکتوبِ نبویؐ:

آنحضور ﷺ نے حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو دعوتِ اسلام کا خط دے کر حارث بن ابی شمّر غسانی کی طرف بھیجا جو قیصرِ روم کی طرف سے حوران کا حکمران تھا۔ اس نے رومیوں کے زیرِ اثر ہونے کی وجہ سے عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس کے نام حضور ﷺ کے مکتوبِ گرامی کا مضمون یہ تھا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ محمد رسول اللہ کی طرف سے حارث بن ابی شمّر کی جانب۔ سلامتی ہو ہر اس شخص پر جو راہِ ہدایت پر چلے، اور اس پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرے۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لاؤ۔ (تم نے ایسا کیا تو) تمہارا ملک تمہارے پاس باقی رہے گا۔"

حارث بن ابی شمّر نے حضور ﷺ کا مکتوبِ گرامی تو وصول کر لیا لیکن اس نے دعوتِ حق قبول نہ کی اور اپنے مذہب پر قائم رہا۔ اس کے مرنے کے بعد جبلہ بن ایہم حوران کا والی بنا۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ جبلہ کو بھی حضور ﷺ نے دعوتِ اسلام کا خط بھیجا تھا۔ بہرصورت حارث اور جبلہ دونوں نے دعوتِ حق قبول نہ کی۔ (اصح السیر ص ۳۹۶)

عُمان کے حکمرانوں کے نام مکتوبِ نبویؐ:

عُمان کا حکمران جیفر بن جلندی تھا مگر اس نے اپنے بھائی عبد بن جلندی کو بھی شریکِ حکومت کر رکھا تھا یا کم از کم وہ اس کو اپنا دست و بازو سمجھتا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے دعوتِ اسلام کا خط ان دونوں بھائیوں کے نام لکھا۔ اس کا مضمون یہ تھا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ محمد رسول اللہ کی طرف سے جلندی کے دونوں بیٹوں جیفر اور عبد کے نام۔ سلام ہو ہر اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے۔ میں روئے زمین کے تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں تا کہ ہر ذی حیات کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں اور اللہ کی حجت کافروں پر تمام ہو جائے۔ اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کرلیا تو ہم تمہیں ہی تمہارے ملک پر والی رکھیں گے اور اگر تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو پھر تمہارا ملک تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ گھوڑے (گھڑ سوار لشکر) تمہاری زمین پر یلغار کریں گے اور میری نبوت تمہارے ملک پر چھا جائے گی۔ (غالب آجائے گی)"

مہر نبوی ﷺ

یہ مکتوب گرامی حضرت اُبَیّ بن کعب انصاری نے تحریر کیا اور اسے حضرت عمرؓو بن عاص جیفر اور عبد کے پاس لے گئے۔ پہلے وہ چھوٹے بھائی عبد سے ملے جو بڑا نرم خو اور شائستہ مزاج تھا۔ اس کے ساتھ کئی دن تک رسولِ اکرم ﷺ، آپ کی دعوت اور بعض دوسرے امور کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی یہاں تک کہ وہ اسلام کی حقانیت کا قائل ہو گیا پھر وہ عبد کے ساتھ جیفر کے پاس گئے اور اسے مکتوبِ نبویؐ دیا اس نے کچھ بحث و تمحیص کے بعد دوسرے دن اپنے بھائی عبد کے ساتھ اسلام قبول کرلیا۔ ان کے ساتھ اور بہت سے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ جو اسلام نہیں لائے ان پر جزیہ مقرر کردیا گیا۔

(زاد المعاد ج ۲ ص ۶۲۔۶۳ محمد رسول اللہ ص ۵۳۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ ذی قَرَد یا غزوۂ غابہ

(مُحَرَّم ۷ھ ہجری)

جمہور اہلِ مغازی کے نزدیک یہ غزوہ صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ ہجری) سے پہلے پیش آیا لیکن اس غزوے کے بطلِ خاص حضرت سلمہ بن اَکْوَع رضی اللہ عنہٗ کی روایت کے مطابق یہ غزوۂ خیبر (مُحَرَّم ۷ھ ہجری) سے صرف تین دن پہلے پیش آیا۔ ان کی یہ روایت صحیح مُسلم میں موجود ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی یہ واقعہ اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کے آغاز میں اس کا وقوع غزوۂ خیبر سے تین دن پہلے بیان کیا ہے۔ اہلِ مغازی اس کا وقوع ربیع الاوّل ۶ھ ہجری بتاتے ہیں۔ ہم نے صحیحین کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوۂ ذی قَرَد۔ صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ ذی قَرَد)

اس غزوے کے حالات حدیث، مغازی اور سیرت کی متعدد کتابوں میں ملتے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

مدینہ منورہ سے تقریباً بارہ میل (۲۱ کلومیٹر) دُور شمال کی جانب ذی قرد نامی ایک آبشار یا چشمہ تھا اس کے ایک طرف بنوغطفان کا علاقہ اور اس سے مُتَّصِل مدینہ منورہ کی جانب کوہِ اُحد کی پشت پر ایک وسیع جنگل یا غابہ تھا۔ اس میں رسولِ اکرم ﷺ کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں۔ صلحِ حدیبیہ کے کچھ عرصہ بعد عیینہ بن حِصن فزاری نے چالیس سواروں کے گروہ کے ساتھ غابہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور گلّہ بان (یا اونٹنیوں کے محافظ) حضرت ذربن ابی ذرغفاری رضی اللہ عنہما کو شہید کر کے بیس شیردار اونٹنیاں ہانک کر لے چلا۔ اتفاق سے حضرت سلمہؓ بن اَکْوَعؓ اور حضرت رَبَاحؓ مولیٰ رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سوار وہاں آ نکلے۔ حضرت سلمہؓ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو حضور ﷺ کی محبت اور غیرتِ دینی نے انہیں شعلۂ جوّالہ بنا دیا انہوں نے حضرت رباحؓ کو گھوڑے پر سوار کر کے حضور ﷺ کو اطلاع دینے کے لیے ....مدینہ کی طرف روانہ کیا اور خود تنِ تنہا مشرکین سے لڑنے مرنے کا عزم کر لیا (یہ روایت مُسند امام احمدؒ بن حنبل کی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت سلمہؓ بن اکوع سے روایت ہے کہ ایک روز میں فجر کی اذان سے پہلے چلا، اتنے میں مجھ کو عبدالرحمٰن بن عوف کا غلام ملا اور اس نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں پکڑی گئیں،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے پوچھا، کس نے پکڑیں تو اس نے کہا بنو غطفان نے۔ اس کے بعد حضرت سلمہؓ نے جو واقعات بیان کیے وہ تقریباً وہی ہیں جو مُسنَدِ احمد بن حنبل میں درج ہیں)۔ حضرت سلمہؓ نے پہلے تو ایک قریبی ٹیلے پر چڑھ کر مدینہ کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ "یا صباحاہ" کا نعرہ لگایا۔ (یہ نعرہ امداد طلب کرنے کے موقع پر لگایا جاتا تھا اس کا مطلب ہے "اے صبح کی مصیبت") اور پھر اکیلے ہی درختوں کی آڑ لیکر چھاپہ ماروں پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر دی وہ بڑے شجاع اور غضب کے تیرانداز تھے۔ جب تیر چلاتے تو للکار کر یہ رجز پڑھتے:

اَنَا ابْنُ الْاَکْوَعِ وَالْیَوْمُ یَوْمُ الرُّضَّعِ

"میں ہوں اکوع کا بیٹا اور یہ چھٹی کا دودھ یاد کرانے کا دن ہے۔"

اگر دشمن کا کوئی سواران کا قصد کرتا تو وہ تاک کر اس کو اپنے تیر کا نشانہ بناتے اور یہ شعر پڑھتے۔

خُذْھَا وَاَنَا ابْنُ الْاَکْوَعِ وَالْیَوْمُ یَوْمُ الرُّضَّعِ

"اسے لے میں اکوع کا بیٹا ہوں اور یہ دن چھٹی کا دودھ یاد کرانے کا دن ہے۔"

اس اکیلے مردِ مجاہد نے غارت گروں کو ایسا زِچ کیا کہ وہ اپنی چوکڑی بھول گئے اور ساری اونٹنیاں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت سلمہؓ نے اونٹنیوں کو مدینہ کی طرف ہانک دیا اور خود ڈاکوؤں کا تعاقب جاری رکھا جو اپنی چادریں اور نیزے پھینکتے جاتے تھے اور اس اکیلے مرد مجاہد کے سامنے بھاگتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے تیس چادریں اور تیس نیزے پھینک دیے، حضرت سلمہؓ ہر چادر اور نیزے پر بطور علامت ایک پتھر رکھ دیتے تھے اور پھر ان کا تعاقب شروع کر دیتے تھے۔ جب چاشت سے کچھ زیادہ وقت ہوا تو عُیَینہ بن بدر فزاری کچھ مسلح سواروں کے ساتھ غارت گروں کی مدد کے لیے آ پہنچا۔ حضرت سلمہؓ ایک قریبی پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ عُیَینہ نے غطفانی ڈاکوؤں سے پوچھا "یہ کون شخص ہے؟" انہوں نے کہا، اس شخص نے ہمیں سخت تنگ کیا ہے اس نے صبح سے اس وقت تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا اور ہم سے سب کچھ چھین لیا ہے۔

عُیَینہ بولا۔ "اس کے پیچھے یقیناً کوئی جماعت ہے ورنہ وہ تنِ تنہا تمہارا تعاقب کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ اب تم اس کو گرفتار کرنے کی کوشش کرو۔" چنانچہ ان میں سے چار آدمی حضرت سلمہؓ کی طرف چلے جب وہ چوٹی پر حضرت سلمہؓ کے اتنے قریب پہنچے کہ ان کی آواز سن سکیں تو انہوں نے پکار کر کہا "کیا تمہیں معلوم ہے میں کون ہوں۔" غطفانیوں نے کہا تو کون ہے؟"

حضرت سلمہؓ نے کہا "میں اَکوَع کا بیٹا ہوں اُس ذاتِ پاک کی قسم جس نے محمد ﷺ کے روئے انور کو بزرگ بنایا تم میں سے کسی کی مجال نہیں کہ مجھ کو پکڑ سکے اور تم میں سے ایک بھی ایسا نہیں کہ اگر میں اسے ہلاک کرنا چاہوں تو وہ بچ جائے۔"

حضرت سلمہؓ اور ڈاکوؤں کے درمیان ابھی یہی سوال و جواب ہو رہے تھے کہ دُور سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرد اڑتی نظر آئی اور پھر درختوں کے جھنڈ سے تین شہسوار نمودار ہوئے جو حضرت سلمہؓ کی مدد کے لیے اپنے گھوڑے برق رفتاری سے دوڑاتے آ رہے تھے۔ یہ شہسوار اس امدادی دستے کا ہراول تھے جو رسولِ اکرم ﷺ نے ڈاکے کی اطلاع ملتے ہی لٹیروں کے تعاقب کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ سب سے آگے حضرت محرز بن نضلہ الملقب بہ اخرم اسدیؓ تھے۔ ان کے پیچھے حضرت ابوقتادہ انصاریؓ اور ان کے پیچھے کچھ دُور حضرت مقدادؓ بن عمرو الاسود کِندی تھے۔ اس وقت حضرت سلمہؓ فوراً پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اترے اور حضرت اخرمؓ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا ''اخرم آگے نہ بڑھو مجھے خطرہ ہے کہ لٹیرے تمہیں گھیر نہ لیں۔ تھوڑی دیر صبر کرو تاکہ حضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ آ جائیں۔''

حضرت اخرمؓ نے کہا ''اے سلمہ! اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور تم سمجھتے ہو کہ جنّت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو میری شہادت کے راستے میں حائل نہ ہو۔''

یہ جملے انہوں نے اس جوش اور جذبہ کے ساتھ کہے کہ حضرت سلمہؓ نے ان کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی۔ وہ گھوڑا اُڑاتے ہوئے عبدالرحمٰن فزاری کی طرف لپکے اور اس کے گھوڑے کے پاؤں پہلے ہی وار میں کاٹ ڈالے لیکن اس کے ساتھ ہی عبدالرحمٰن فزاری کا نیزہ بھی ان کے جگر کے پار ہو گیا اور وہ جامِ شہادت پی کر مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اب عبدالرحمٰن اپنے گھوڑے سے اتر کر حضرت اخرمؓ کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اتنے میں حضرت قتادہؓ گھوڑا دوڑاتے آ پہنچے اور اپنے نیزے سے عبدالرحمٰن کو جہنم واصل کر کے اسی وقت حضرت اخرمؓ کا بدلہ لے لیا۔ عین اسی وقت حضرت مقدادؓ بھی ابوقتادہؓ اور سلمہؓ سے آن ملے اور ان تینوں جانبازوں نے غارت گروں کو اپنے نیزوں کی نوکوں پر رکھ لیا۔ کچھ دیر میں حضور ﷺ کے بھیجے ہوئے کچھ اور سوار بھی پہنچ گئے۔ بدطینت لٹیروں نے اب بھاگنے ہی میں اپنی عافیت دیکھی تاہم مجاہدین نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا سورج غروب ہونے سے کچھ پہلے فزاری غارت گر ایک چشمے پر جمع ہو کر پانی پینے کا ارادہ کر رہے تھے کہ حضرت سلمہؓ للکارتے ہوئے ان کے سر پر جا پہنچے اس وقت حضرت سلمہؓ کے ساتھی بہت پیچھے رہ گئے تھے لیکن اللہ رے اس اکیلے شیر کی ہیبت کہ بیسیوں مسلح جنگجو پانی پیے بغیر ان کے سامنے بھاگ کھڑے ہوئے اور بہت دور ثنیہ ذی بیر میں جا کر پناہ لی۔ اب سورج بالکل غروب ہو گیا۔ حضرت سلمہؓ آگے ہی آگے بڑھتے گئے اتنے میں ایک فزاری غارت گر پر ان کی نظر پڑی انہوں نے اس کو تیر مارا اور یہ رجز پڑھا:

خُذْهَا وَاَنَا ابْنُ الْاَكْوَعِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ

اس نے جواب میں کہا: ''ابنِ اکوع کی ماں صبح نہ پائے۔''

حضرت سلمہؓ نے یہ کہتے ہوئے کہ ''ہاں اے اپنے نفس کے دشمن۔''

ایک دوسرا تیر اس پر جڑ دیا۔ وہ شخص سخت گھائل ہو کر وہاں سے غائب ہو گیا اور دو گھوڑے اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔ حضرت سلمہؓ دونوں گھوڑوں کو ہنکا کر واپس ذوقرد کے چشمہ پر پہنچے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں رسولِ اکرم ﷺ پانچ سَو مسلّح جاں نثاروں کے ساتھ رونق افروز تھے اور حضرت بلالؓ بن رباح ایک اونٹ ذبح کرکے اس کا جگر اور کوہان حضور ﷺ کے لیے آگ پر بھون رہے تھے۔ حضرت سلمہؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں یہ گھوڑے پیش کرتے ہوئے عرض کی:

"یا رسولَ اللہ ﷺ! اگر آپ مجھے سَو آدمی دے دیں تو میں فزاری غارت گروں کا نام و نشان مٹا ڈالوں گا یہاں تک کہ ان میں سے کوئی خبر دینے والا بھی نہیں بچے گا۔"

حضور ﷺ نے متبسّم ہو کر فرمایا "اے سلمہ! کیا تم واقعی ایسا کر گزرو گے۔" حضرت سلمہؓ نے بڑے جوش کے ساتھ کہا "یارسولَ اللہ ﷺ! اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو معزّز و مکرّم بنایا ہے میں ایسا ہی کروں گا۔" ان کا جوش و جذبہ دیکھ کر رحمتِ عالم ﷺ بشاش ہوگئے اور اس قدر ہنسے کہ آپ کے پچھلے دندانِ مبارک (ڈاڑھوں) سے نور کی شعاعیں پھوٹنے لگیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا "اے ابنِ اَکْوَعْ! جانے دو اور قابو پانے کے بعد درگزر کرو۔"

اتنے میں ایک غطفانی نے (قیاس ہے کہ وہ مسلمان ہوگا) آ کر خبر دی کہ فزاری غارت گر فلاں غطفانی کے پاس پہنچے تو ان کی مہمانداری کے لیے اس نے ایک اونٹ ذبح کیا وہ اس کی کھال اتار رہے تھے کہ اتفاقاً ایک غبار اٹھتا دیکھا، وہ سمجھے کہ رسول اللہ ﷺ کا لشکر آ رہا ہے۔ چنانچہ وہ اس ذبیحہ کو چھوڑ کر وہاں سے بھی بھاگ گئے۔ حضور ﷺ نے یہ خبر سن کر تبسّم فرمایا۔ صبح ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا:

"ہمارے سواروں میں سب سے بہترین ابوقتادہؓ ہیں، اور پیادوں میں سب سے بہتر سلمہؓ ہیں۔"

اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت سلمہؓ کو مالِ غنیمت میں سے سوار اور پیادہ دونوں کا حصہ دیا۔ کوچ نبوی ذی قرد سے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوا تو چشمِ فلک نے حضرت سلمہؓ کی عظمت و شان کا عجیب منظر دیکھا، رحمتِ عالم ﷺ نے کمال شفقت سے حضرت سلمہؓ کو اپنی سواری (ایک روایت کے مطابق عضباء نامی اونٹنی) پر اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا اور دوسرے سب صحابۂ کرامؓ اپنی اپنی سواریوں پر آپؐ کے جلو میں تھے۔ یہ مقدس قافلہ ابھی مدینہ منورہ سے کئی میل دور تھا کہ ایک انصاری صحابی، جن کو اپنی تیز رفتاری پر بڑا ناز تھا، بار بار آواز لگانے لگے، کیا کوئی مدینہ تک دوڑ میں میرا مقابلہ کرے گا" کیا کوئی دوڑ میں مجھ سے بازی لے جاسکتا ہے؟ حضرت سلمہؓ بن اَکْوَعْ کے کان میں یہ آواز پہنچی تو انہوں نے پکار کر ان صاحبؓ سے فرمایا "کیا تم کسی معزز شخص کی عزت نہیں کرتے؟ کیا تم کسی شریف آدمی سے نہیں ڈرتے؟"

انہوں نے کہا "رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی سے نہیں۔"

حضرت سلمہؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا "یا رسولَ اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کے ساتھ دوڑ لگاؤں۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ نے فرمایا، جو تمہاری مرضی۔

اب انہوں نے انصاری صحابی سے مخاطب ہو کر کہا: ''تیار ہو جاؤ میں تمہارے ساتھ دوڑ لگاؤں گا'' چنانچہ دونوں اپنی اپنی سواریوں سے کود پڑے اور مدینہ کی جانب دوڑنے لگے حضرت سلمہؓ کہتے ہیں کہ ''میں نے اسے تھوڑی دور تک مہلت دی اور اپنے آپ کو اُس سے پیچھے رکھا پھر میں دوڑ کر اس سے مل گیا اور اس کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ مار کر کہا خدا کی قسم اب میں تجھ سے آگے بڑھا، وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا، میرا بھی یہی خیال ہے پس مدینہ پہنچ کر میں اس سے آگے بڑھ گیا۔''

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمہؓ نہایت تیز رفتار تھے اور فی الواقع حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق بہترین پیادے تھے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے ''اَلاِصابہ'' میں لکھا ہے کہ وہ گھوڑے سے بھی زیادہ تیز دوڑتے تھے اور اگر کسی اسپ سوار سے مقابلہ پیش آ جاتا تو وہ اس سے آگے بڑھ جاتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ خیبر
(محرم ۷ھ ہجری)

غزوۂ خیبر عہدِ رسالت کے اہم غزوات میں شمار ہوتا ہے۔ جمہور اربابِ سیر و مغازی نے اس کا زمانۂ وقوع مُحرَّم ۷ھ ہجری بیان کیا ہے۔ خیبر، مدینہ منورہ کے شمال مشرق میں ۹۶ کلومیٹر کے فاصلے پر تیس مربع میل پر محیط ایک سرسبز اور شاداب حَرّہ ہے۔ (حرہ ایسے پتھریلے علاقے یا قطعۂ زمین کو کہا جاتا ہے جو سیاہ لاوے سے ڈھکا ہوا ہو یا جس میں جابجا لاوے سے جلی ہوئی پہاڑیاں اور چٹانیں ہوں۔) حَرَّہ خیبر کی زمین بڑی زرخیز تھی اس میں متعدد چشمے بے شمار باغات اور زرعی اراضی کے قطعات تھے۔ خاص خیبر نام کی بستی کی حیثیت آج کل تو محض ایک تاریخی قصبے کی ہے لیکن عہدِ رسالتؐ میں یہ یہودیوں کا بہت بڑا گڑھ تھا اور ان کی قوت و شوکت کا مرکز تھا۔ یہودیوں نے وہاں بڑے چھوٹے چودہ مستحکم قلعے بنا رکھے تھے جن کے نام یہ ہیں:

حِصنِ (قلعہ) ناعم، حِصن نطاۃ، حِصن صعب، حصن الزبیر، حصن الشق، حِصن البر، حِصنِ اُبَیّ، حِصنِ قموص، حِصنِ الوطیح، حِصن سلالم، حصن الکتیبہ، حِصنِ قصارہ، حِصنِ نزار، حِصنِ مربطہ۔ گویا خیبر کا شہر چودہ قلعوں کا مجموعہ تھا جس میں بَاِختلافِ روایت دس یا بیس ہزار جنگجو یہودی رہتے تھے۔ یہ لوگ ان قلعوں اور گڑھیوں کے علاوہ کثیر التعداد نخلستانوں، چراگاہوں، کھیتوں اور چشموں کے بھی مالک تھے۔ مال و دولت اور اسلحہ کی فراوانی نے ان کا دماغ آسمان پر چڑھا رکھا تھا۔ مدینہ منورہ سے یہودِ بنی قینقاع اور بنی نضیر کو جلاوطن کیا گیا تو انکی ایک کثیر تعداد خیبر ہی میں آ کر آباد ہوگئی تھی۔ یہ لوگ مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور ہر وقت ان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے۔ یہ خیبر کے یہودی ہی تھے جو سارے عرب کے مشرکین کو مدینہ منورہ پر چڑھا لائے تھے اور غزوۂ احزاب پیش آیا تھا (اس کی تفصیل پیچھے بیان کی جاچکی ہے)۔ بنو قُریظہ کو انہوں نے ہی مارِ آستین بننے پر آمادہ کیا تھا۔ خاص طور پر وہ یہودی جو مدینہ منورہ سے نکالے گئے تھے رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کے خلاف اپنے دل میں سخت کینہ رکھتے تھے اور اہلِ حق کو نقصان پہنچانے کے لیے نت نئی سازشوں کا تانا بانا بُنتے رہتے تھے۔

وہ جہاں مکہ کے مشرکینِ قریش کے ساتھ (مسلمانوں کے خلاف) ساز باز کرتے رہتے تھے وہاں مدینہ مُنَوَّرہ کے منافقین کو بھی برابر اس بات پر ابھارتے رہتے تھے کہ وہ مسلمانوں کے اندر رہ کر اُن کی جڑیں کاٹنے کی کوشش کرتے رہیں۔

صلح حدیبیہ کے بعد آنحضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ یہودِ خیبر بنو غطفان کو ساتھ ملا کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے بنو غطفان کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے خیبر کی آدھی پیداوار کا لالچ دیا تھا۔ اگرچہ عرصہ سے یہودِ خیبر کی فتنہ انگیزیوں کا خاتمہ کرنے کے لیے ان پر ضربِ کاری لگانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی لیکن حضور ﷺ نے ایسا قدم اٹھانے میں اس لیے تامّل فرمایا تھا کہ مشرکینِ قریش یہود کی مدد کرنے کے لیے کہیں پشت کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ نہ کر دیں لیکن اب قریش کے ساتھ معاہدۂ صلح ہونے کے نتیجے میں جنوبی (مکّہ کے) محاذ کی طرف سے مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہو گیا تھا اس لیے آنحضور ﷺ نے یہودِ خیبر کی سرکوبی کا فیصلہ کر لیا۔

خیبر کی طرف روانگی:

رسولِ اکرم ﷺ نے حدیبیہ سے واپس تشریف لا کر ذی الحجہ ٦ ہجری کا پورا اور مُحَرَّم ٧ ہجری کا کچھ حصّہ مدینہ منوّرہ میں قیام فرمایا اور پھر (تاریخ الخمیس کی روایت کے مطابق ۱۲ مُحَرَّم کو) اپنے اُن جاں نثاروں کے ساتھ خیبر کی جانب روانہ ہوئے جن کو حدیبیہ میں بیعتِ رضوان کا شرف حاصل ہوا تھا۔ ان جاں نثاروں یا لشکرِ اسلام کی تعداد کے بارے میں اربابِ سِیَر میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد چودہ سَو تھی جن کے ساتھ دو سَو گھوڑے تھے اور بعض کا بیان ہے کہ لشکرِ اسلام کی تعداد سولہ سَو (۱۶۰۰) تھی جن میں دو سَو گھڑ سوار تھے۔ صاحب اَصَحّ السِّیَر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ اونٹوں کی کثیر (بہت زیادہ) تعداد بھی لشکرِ اسلام کے ساتھ تھی۔ (اصح السیر ص ۱۸۵)

لشکرِ اسلام مدینہ منورہ سے چلنے لگا تو کچھ خواتین بھی اس کے ساتھ ہو لیں۔ آنحضور ﷺ کے استفسار پر انہوں نے عرض کیا کہ زخمیوں کی مرہم پٹی، مریضوں کی خبر گیری، میدانِ جنگ سے تیر اٹھانے، زخمیوں کو پانی پلانے اور دوسرے چھوٹے موٹے کاموں کی انجام دہی ہمارے ذمہ ہوگی۔ اس پر حضور ﷺ نے ان کو لشکر کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔ مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کا بیان ہے کہ ان خواتین کی تعداد بیس تھی۔ (نبیٔ رحمت حصہ دوم ص ۳۷)

صحیح مسلم میں ہے کہ اُمِّ زیاد اشجعیہؓ اور دوسری پانچ خواتین نے غزوۂ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کی مدد کی تھی۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵ مصر)

اُمّہات المؤمنین میں سے حضرت اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ عنہا کو اس سفر میں حضور ﷺ کی معیّت کا شرف حاصل ہوا۔

حضور ﷺ نے اپنے ایک جاں نثار حضرت سِباع بن عُرفُطہ غِفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔

مقدمۃ الجیش (ہراول) کا افسر حضور ﷺ نے حضرت عُکاشہ بن مِحصن اسدی رضی اللہ عنہ کو بنایا، حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو لشکر کے میمنہ کا اور میسرہ پر ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے صحابی کو امیر مقرر فرمایا۔ قبیلہ اشجع کے دو آدمیوں کو آپؐ نے رہبری کی ذمہ داری سونپی۔ یہ دونوں رہبر (Guide) خیبر کو جانے والے تمام راستوں سے بخوبی واقف تھے۔

حضرت عامرؓ بن اَکوَع کی حُدی خوانی:

اثنائے سفر میں ایک صاحب نے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنے کچھ اشعار سنایئے۔ حضرت عامرؓ بڑے خوش آواز شاعر تھے۔ وہ اپنی سواری سے اترے اور بڑے دلکش انداز میں حُدی خوانی شروع کر دی اس موقع پر انہوں نے جو اشعار پڑھے، حدیث اور سیرت و مغازی کی کتابوں میں ان کو تھوڑے بہت الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اس طرح نقل کیا گیا ہے:

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ مَا اقْتَفَیْنَا
وَ ثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَیْنَا
وَ اَنْزِلَنْ سَكِیْنَةً عَلَیْنَا
اِنَّا اِذَا صِیْحَ بِنَا اَتَیْنَا
وَبِالصِّیَاحِ عَوَّلُوْا عَلَیْنَا
وَاِنْ اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَیْنَا

ترجمہ: اے اللہ! اگر تو ہماری دستگیری نہ فرماتا تو نہ ہم صدقہ (خیرات) کرتے نہ نماز پڑھتے
ہم تجھ پر قربان جب تک ہم تیری اطاعت کریں ہمارے گناہ معاف کرتا رہ
اور جب دشمن سے مڈ بھیڑ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ
اور ہم پر تسکین نازل فرما جب ہمیں جنگ (جہاد) کے لیے پکارا جاتا ہے تو ہم حاضر ہو جاتے ہیں
اور للکار (چیخ پکار) میں لوگوں نے ہم پر اعتماد کیا ہے اور جس وقت وہ ہمیں کسی فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اس میں مبتلا ہونے سے انکار کر دیتے ہیں۔

حضرت عامرؓ کی حُدی خوانی سے اونٹ تیز تیز چلنے لگے اور لوگوں پر بھی کیف و سرور کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضور ﷺ نے ان کی آواز سنی تو آپؐ نے پوچھا، یہ کون حُدی خواں ہے؟ لوگوں نے عرض کیا، یہ عامر بن اَکوَع ہیں۔

آپؐ نے فرمایا، رَحِمَهُ اللّٰهُ اللہ اس پر رحم فرمائے۔ (یہ حضرت عامرؓ کے لیے مغفرت یا بخشش کی دعا تھی)۔ ایک اور روایت میں ''اللہ اس کی مغفرت فرمائے'' کے الفاظ بھی حضور ﷺ سے منسوب ہیں۔ صحابۂ کرامؓ کا یہ مشاہدہ تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ جنگ کے موقع پر کسی کے لیے خصوصیت کے ساتھ مغفرت کی دعا کرتے تو وہ ضرور شہید ہو جاتا تھا۔ اس مشاہدے یا تجربے کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیشِ نظر ایک صاحبؓ (بروایتِ دیگر حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہٗ) نے عرض کیا:

''یا رسولَ اللہ! اب تو ان (عامرؓ) کی شہادت واجب ہوگئی۔ ان سے فائدہ اٹھانے کا مزید موقع حضور علیہ السلام نے ہمیں کیوں عطا نہ فرمایا۔''

(صحیح بخاری کتاب المغازی۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوۂ خیبر زادالمعاد ج ۳ ص ۱۸۔۳۱۷)

اس روایت میں فائدہ کی تصریح نہیں کی گئی۔

وادیٔ رجیع میں عارضی قیام:

خیبر کے نواح میں رجیع نام کی ایک وادی تھی۔ اس میں ''رجیع'' نام کا ایک مقام بھی تھا (یہ ''رجیع'' مدینہ منورہ کے شمال میں تھا جبکہ وہ رجیع جہاں ۴ھ ہجری میں آٹھ صحابۂ کرامؓ کی شہادت اور حضرت خُبَیبؓ اور حضرت زیدؓ کی گرفتاری کا واقعہ پیش آیا تھا، مدینہ منورہ کے جنوب میں عسفان اور مکہ کے درمیان واقع تھا)

اس مقامِ رجیع کی اہمیّت یہ تھی کہ یہ یہودِ خیبر اور بنو غطفان کی آبادیوں کے درمیان واقع تھا۔ آنحضور علیہ السلام نے لشکر کو اسی مقام پر پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ مقصد یہ تھا کہ یہودِ خیبر کے حلیف بنو غطفان کو ان کی مدد کے لیے خیبر پہنچنے سے روکا جائے۔ چنانچہ جب بنو غطفان یہودِ خیبر کی درخواست پر ان کی مدد کے لیے نکلے تو لشکرِ اسلام کو سدِّ راہ پایا۔ ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ چُپ چاپ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ [1]

مقامِ صَہباء میں وُرودِ مسعود:

رجیع سے آگے بڑھ کر حضور علیہ السلام مقامِ صہباء میں پہنچے جو خیبر کے قریب واقع ہے۔

---

[1] اس سلسلے میں مؤرخین نے کئی روایات بیان کی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ راس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ نے یہودِ خیبر کو اطلاع دے دی کہ مسلمان تم پر حملہ کرنے کے لیے آرہے ہیں تمہارے مقابلے میں ان کی تعداد بھی بہت کم ہے اور ہتھیار بھی بہت تھوڑے ہیں، اُن کا ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ یہ اطلاع ملتے ہی یہودِ خیبر نے بنو غطفان کو اپنی مدد کے لیے بلا بھیجا۔ وہ لوگ چار ہزار کے لشکر کے ساتھ یہود کی مدد کو روانہ ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلمانوں کی ایسی دہشت طاری کی کہ وہ راستے ہی سے اپنے گھروں کو پلٹ گئے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ بنو غطفان کے لشکر کو اپنے پیچھے کچھ ایسی آوازیں سنائی دیں جن سے کسی ہنگامہ کا گمان ہوتا تھا انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں نے ان کے اہل وعیال اور مویشیوں پر حملہ کر دیا ہے اس لیے سراسیمہ ہو کر واپس چلے گئے۔

تیسری روایت یہ ہے کہ آنحضور علیہ السلام نے لشکرِ اسلام کا ایک دستہ بنو غطفان کی طرف بھیجا۔ مقصد یہ تھا کہ ان کو اہلِ خیبر کی مدد کے لیے جانے سے روکا جائے۔ جب یہ دستہ بنو غطفان کے علاقے میں پہنچا تو بچّوں اور عورتوں کے سوا کوئی ان کے سامنے نہ آیا۔ ان کے مرد یہودِ خیبر کی مدد کے لیے جارہے تھے۔ ان کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو وہ یہود کو اپنے حال پر چھوڑ کر اپنے گھروں کو واپس آگئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہاں آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی پھر آپؐ نے کھانا طلب فرمایا۔ ستوؤں کے سوا کھانے کے لیے اور کوئی چیز نہیں تھی وہی آپ کو پیش کر دیے گئے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی ستو کھائے اور گھول کر پیے اس کے بعد حضور ﷺ نمازِ مغرب کے لیے کھڑے ہوئے، آپؐ نے کُلّی کی، صحابہؓ نے بھی آپ کی تقلید کی اور پچھلے وضو کے ساتھ ہی نماز پڑھی۔ عشاء کا وقت ہوا تو آپؐ نے عشاء کی نماز ادا فرمائی اور رات صہباء ہی میں گزاری کیونکہ آپؐ رات کے وقت دشمن پر حملہ نہیں کیا کرتے تھے۔ مدینہ سے صہباء (یعنی نواحِ خیبر) تک کا فاصلہ لشکرِ اسلام نے تین دنوں میں طے کیا تھا۔

خیبر کے دامن میں:

صہباء میں نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد لشکرِ اسلام خیبر کی طرف بڑھا۔ یہودِ خیبر کو مسلمانوں کی آمد کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ صبح کو جب وہ اپنے پھاوڑے، کدال وغیرہ لے کر اپنے کھیتوں اور باغوں کی طرف آئے تو اسلامی لشکر کو اپنی طرف آتے دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے اور "محمد اپنے لشکر سمیت آ گئے محمد اپنے لشکر سمیت آ گئے" کہتے ہوئے شہر کی طرف بھاگے اور اپنے قلعوں میں جا کر پناہ لی۔

حضور ﷺ نے لشکر کے پڑاؤ کے لیے ایک ایسی جگہ کا انتخاب فرمایا جو خیبر کے قلعہ نطاۃ اور اس کی ذیلی گڑھیوں کے بالکل قریب تھی۔ اس پر حضرت حباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! اگر آپ نے یہاں اللہ کے حکم کے مطابق پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا ہے تو خیر اور اگر اس میں مشورہ کی گنجائش ہے تو میں کچھ گزارش کرنا چاہتا ہوں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "اس معاملے میں اللہ نے کوئی حکم نہیں دیا، تم جو کہنا چاہتے ہو بلا تکلف کہو۔" حضرت حبابؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! اس جگہ ہم قلعہ نطاۃ کے یہودیوں کے تیروں کی زد میں ہوں گے وہ ہم پر شبخون بھی مار سکتے ہیں پھر یہ جگہ نشیبی بھی ہے اور نم آلود بھی، مجاہدین کے بیمار ہونے کا خدشہ ہے۔ مناسب ہوگا اگر ہم کسی دوسری موزوں جگہ پڑاؤ ڈالیں۔"

حضور ﷺ نے حضرت حبابؓ کا مشورہ قبول فرمالیا اور آپؐ نے مقامِ رجیع کو (دورانِ جنگ میں) لشکر کا بڑا کیمپ یا پڑاؤ قرار دیا اور فرمایا کہ حملہ آور فوج کے دستے اسی کیمپ سے جایا کریں گے۔ چنانچہ سارا لشکر رجیع جا کر خیمہ زن ہو گیا اور وہاں فوراً ایک مسجد بھی تیار کر لی گئی۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ اس کیمپ کے ذمہ دار افسر تھے۔ (رحمۃ للعالمین حصہ اول بحوالہ تاریخ طبری و صحیح بخاری)

گویا "رجیع" جہاں اسلامی لشکر نے اثنائے راہ میں عارضی طور پر قیام کیا تھا، اب دورانِ جنگ میں اسلامی لشکر کی مستقل قیام گاہ قرار پایا۔ خیبر کے مختلف قلعوں پر حملہ کرنے کے لیے مجاہدین کے دستوں کو اسی جگہ سے روانہ کیا جاتا تھا۔

خیبر کے قلعوں کی تسخیر:

تین دن کے سفر کے بعد جو رات آئی اس میں حضور ﷺ نے اپنے صحابہؓ سمیت آرام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا۔ صبح کو آپؐ نے خیبر کی طرف دیکھتے ہوئے یہ دعا مانگی:

"اے اللہ! ساتوں آسمان اور جن چیزوں پر وہ سایہ فگن ہیں، ان سب کے رَبّ، اور ساتوں زمینوں اور وہ سب جن کو انہوں نے اپنے اوپر اٹھا رکھا ہے، ان کے پروردگار، اے شیاطین کے اور جن کو انہوں نے راہِ حق سے بھٹکایا ان سب کے رَبّ، اے ہواؤں کے اور جن کو وہ اڑا رہی ہیں ان سب کے پروردگار، .... ہم تجھ سے اس بستی کی خیر اور اس کے باشندوں کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور اس بستی کے شرّ اور اس کے باشندوں کے شرّ سے اور اس بستی میں جو کچھ ہے اس کے شرّ سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔"

اس کے بعد آپؐ نے مجاہدین کو قلعوں اور گڑھیوں پر (باری باری) حملہ کرنے کا حکم دیا (یعنی ایک فتح ہو جائے تو پھر دوسرے پر حملہ کیا جائے)

صحابۂ کرامؓ نے ان بڑے چھوٹے قلعوں پر کس ترتیب سے حملہ کیا، کس قلعے پر کس صحابی کی قیادت میں حملہ کیا گیا، یہ سب الگ الگ اور مجموعی طور پر کتنے عرصے میں فتح ہوئے، مشہور صحابی حضرت محمد بن مَسلَمہ اور حضرت عامر بن اَکوَع رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کس نے اور کیسے شہید کیا، یہودیوں کا نامور جنگجو سردار مرحب کس کے ہاتھ سے مارا گیا وغیرہ سوالوں کے محدّثین، مؤرّخین اور اربابِ سِیَر و تاریخ نے جو جوابات دیے ہیں، ان میں بہت اختلافات پائے جاتے ہیں جن کی تفصیل بیان کرنا پڑھنے والے کے ذہن کو اُلجھن میں ڈال سکتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے ہم جمہور محدّثین و اربابِ سِیَر ومغازی و تاریخ کی روایتوں کا خلاصہ بیان کرنے پر اکتفا کریں گے۔ وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے خیبر کے تمام بڑے چھوٹے قلعے ایک ایک کرکے کم وبیش ایک ماہ کے عرصے میں فتح کرلیے۔ ان میں سے بعض قلعے آسانی سے فتح ہوگئے اور بعض یہود کی سخت مزاحمت کے باعث بدشواری فتح ہوئے۔ بہرصورت یہود کو مکمل شکست ہوگئی۔ خیبر کے مختلف معرکوں میں ان کے ۹۳ آدمی مارے گئے جبکہ مسلمانوں کے شہداء کی تعداد عام طور پر ۱۵ بیان کی جاتی ہے لیکن بعض روایتوں میں ۱۶، ۱۸، ۱۹ اور ۲۳ بھی بیان کی گئی ہے (طبقات ابنِ سعد، زادالمعاد، سیرۃ ابنِ ہشام، الرّحیق المختوم) ان معرکوں کے دوران میں جو اہم واقعات پیش آئے یا جن واقعات کا اربابِ سیر ومغازی نے خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے، ان کو ہم بھی یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

حضرت محمودؓ بن مَسلَمہ انصاری کی شہادت:

غزوۂ خیبر کا آغاز قلعۂ ناعم پر حملے سے ہوا (بعض روایتوں میں قلعۂ نطاۃ کا نام لیا گیا ہے، ناعم، نطاۃ ہی کا ایک ذیلی قلعہ تھا)۔ اس قلعے پر حملہ کرنے والے دستے کے کمانڈر حضرت محمود بن مَسلَمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہودی قلعے کے اندر سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں پر تیر اور پتھر برساتے تھے اور مسلمان بھی ان کا جواب تیروں اور پتھروں سے دیتے تھے۔ یہ لڑائی کئی دن تک جاری رہی۔ شام کو مسلمان اپنے کیمپ میں واپس آجاتے تھے اور دوسرے دن علی الصباح آ کر لڑائی شروع کر دیتے۔ ایک روایت کے مطابق لڑائی کے آغاز میں رسولِ اکرم ﷺ بھی موقعِ جنگ پر تشریف لائے تھے اُس دن آپؐ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں، سرِ اقدس پر لوہے کی ٹوپی (خود) تھی اور ہاتھوں میں نیزہ اور ڈھال لیے ہوئے تھے۔ آپؐ اظرب نامی گھوڑے پر سوار تھے۔ اثنائے جنگ میں ایک دن حضرت محمود بن مَسلمہ رضی اللہ عنہ گرمی کی شدت کی وجہ سے قلعۂ ناعم کی ایک دیوار کے سائے میں ستانے کے لیے بیٹھ گئے۔ یہودیوں کے ایک سردار کنانہ بن ابی الحقیق (بروایتِ دیگر مرحب) نے انہیں دیکھ لیا اور ایک بھاری پتھر (ایک روایت کے مطابق چکی کا پاٹ) ان کے سر پر دے مارا۔ اس سے شدید زخمی ہوگئے اور پیشانی کی کھال چہرے پر اتر آئی۔ لوگ اٹھا کر حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئے آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے کھال کو اس کی جگہ پر لا کر کپڑے کی پٹی سے باندھ دیا لیکن حضرت محمود رضی اللہ عنہ کا زخم اتنا شدید تھا کہ وہ زخمی ہونے کے تین دن بعد رتبۂ شہادت پر فائز ہوگئے[1]۔ ان کی شہادت کے دوسرے دن قلعہ فتح ہوگیا اور ان پر پتھر گرانے والا یہودی بھی مارا گیا۔[2]

ایک حبشی چرواہے کی خوش بختی:

اربابِ سِیر نے غزوۂ خیبر کے حالات میں ایک حبشی چرواہے کا ایمان افروز واقعہ بیان کیا ہے۔ بقول علامہ ابنِ اثیرؒ ان (چرواہے) کا نام اسلم اور لقب اَسْوَدْ تھا وہ خیبر کے ایک یہودی کے غلام تھے اور اس کی بکریاں چَرایا کرتے تھے۔ جن ایام میں مجاہدینِ اسلام نے قلعۂ نطاۃ یا قلعۂ ناعم کا محاصرہ کر رکھا تھا اسلم نے اپنے مالک اور دوسرے یہودیوں کو لڑائی کی تیاری کرتے دیکھا تو ان سے پوچھا، آپ لوگ کس کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ایک شخص محمد جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی کہتا ہے ہم پر حملہ آور ہوا ہے ہم اسی سے لڑنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔

---

1. حضرت محمودؓ بن مَسلَمہ کا تعلق انصار کے قبیلہ اَوس کی شاخ بنو حارثہ سے تھا۔ نامور صحابی حضرت محمدؓ بن مَسلَمہ ان کے بھائی تھے۔ قیاس یہ ہے کہ وہ ہجرتِ نبویؐ کے قریبی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اس کے بعد غزوۂ خندق میں دادِ شجاعت دی۔ ۶ ہجری میں انہیں حدیبیہ میں بیعتِ رضوان کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ غزوۂ خیبر میں شہادت پائی۔

2. بعض روایتوں میں ہے کہ قلعۂ ناعم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر فتح ہوا اور مشہور یہودی سردار مرحب اور اس کا بھائی یاسر اسی قلعے میں مارے گئے لیکن بہت سی دوسری روایتوں کے مطابق مرحب اور یاسر القموص کے قلعے میں قتل ہوئے ہم نے انہی روایتوں کو ترجیح دی ہے تفصیل آگے آرہی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُن کی باتیں سن کر اسلم کے دل و دماغ کی عجیب کیفیت ہوئی اور وہ غائبانہ آنحضور ﷺ کے عقیدت مند ہو گئے۔ دوسرے دن صبح کو بکریاں لے کر قلعے سے باہر نکلے اور سیدھے حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پہنچ کر آپؐ سے پوچھا، آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا، میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ بناؤ اور مجھے اللہ کا رسول مانو۔

اسلم نے کہا، اگر میں اللہ اور آپ کی رسالت پر ایمان لاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟

حضور ﷺ نے فرمایا، جنّت ملے گی۔

یہ سن کر اسلم اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہو گئے اور عرض کیا:

''یا رسولَ اللہ ﷺ! میرا رنگ سیاہ ہے میرا چہرہ بدنما ہے، میرے جسم میں بدبُو ہے، میرے پاس کوئی مال بھی نہیں اگر میں اللہ کی راہ میں لڑوں اور مارا جاؤں تو کیا جنّت میں داخل ہو جاؤں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، بے شک تم جنّت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اب اسلمؓ یوں عرض پیرا ہوئے: یا رسولَ اللہ! یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کو مالک کے پاس پہنچا دوں۔

آپؐ نے فرمایا، بکریوں کو قلعہ کی طرف لے جا کر ہانک دو اور تھوڑی سی کنکریاں ان کے پیچھے پھینک دو اللہ تعالیٰ تجھ کو اس امانت سے سبکدوش کر دے گا۔

حضرت اسلمؓ نے ایسا ہی کیا اور بکریاں بھاگ کر قلعے کے اندر اپنے مالک کے گھر میں گھُس گئیں۔ اس کے بعد اسلمؓ ہتھیار لے کر مجاہدین میں شامل ہو گئے اور یہود کے خلاف مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کی نعش حضور ﷺ کے پاس لائی گئی تو آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اس کے چہرے کو حسین کر دیا اور اس کے بدن کی بدبو کو خوشبو سے بدل دیا اور اس کو جنت کی دو حوریں عطا کیں۔ حالانکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔ ایک روایت میں آپؐ سے یہ الفاظ بھی منسوب ہیں کہ اس نے عمل تھوڑا کیا اور اجر بہت پایا۔

اللہ اللہ ایک حبشی چرواہے کے یہ نصیب کہ ایک وقت کی نماز پڑھنے کا موقع بھی نہیں ملا اور سیدھے جنّت میں پہنچ گئے۔

ع ''یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔''

(زاد المعاد ج ۱ ص ۳۹۳ اُسد الغابہ ج ۱ ص ۱۰۷۔۱۰۸، السیرۃ النبویہ لابنِ کثیرؒ ج ۳ ص ۳۶۱ اَصح السیَر ص ۱۸۸)

اخلاصِ عمل کا تحیّر خیز نمونہ:

ایک اَعرابی (دیہاتی آدمی، بدّو) نے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور عرض کیا کہ میں بھی آپؐ کے ساتھ ہجرت کروں گا آپؐ نے ان کو بعض

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابۂ کرام کے سپرد کیا کہ اس کا خیال رکھیں۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر وہ حضورﷺ کے ساتھ خیبر آئے۔ خیبر کے کسی معرکے کی فتح کے سلسلے میں حضورﷺ نے مجاہدین میں مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو اُن صاحب کا حصہ بھی لگایا لیکن وہ اس وقت بارگاہِ نبویؐ میں حاضر نہیں تھے بلکہ آپ کا اونٹ چرانے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو اُن کے ساتھیوں نے ان کا حصہ ان کو دیا۔ انہوں نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ مالِ غنیمت میں سے آپ کا حصہ ہے جو رسول اللہﷺ نے آپ کو دیا ہے۔ وہ اسے لے کر حضورﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا۔ ''یارسول اللہﷺ! یہ کیا شے ہے؟

حضورﷺ نے فرمایا، یہ مالِ غنیمت میں سے تمہارا حصہ ہے۔

انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہﷺ! میں نے اس کی خاطر آپ کا اتباع نہیں کیا بلکہ اس لیے کیا کہ مجھے اِس جگہ (حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کوئی تیر لگے میری موت ہو جائے اور میں جنّت میں پہنچ جاؤں۔

(بروایتِ دیگر. راہِ حق میں میری گردان کی رگ کٹے اور مجھ کو جنّت ملے)

حضورﷺ نے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو اللہ یہ بھی عنایت کرے گا۔

اس کے بعد وہ خیبر کے ایک معرکے میں شریک ہوئے اور دشمن کے ہاتھ سے شہادت پائی اُن کی نعش حضورﷺ کے سامنے لائی گئی تو آپؐ نے دریافت فرمایا،

کیا یہ وہی شخص ہے (جس نے شہادت کی آرزو کی تھی)

صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا، جی ہاں وہی ہے۔

آپؐ نے فرمایا، یہ شخص اللہ کے نزدیک سچّا ثابت ہوا (یعنی اس نے جو بات کہی پورے اِخلاص کے ساتھ کہی) اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی خواہش کو سچ کر دکھایا۔

رسولِ اکرمﷺ نے اپنے جبۂ مبارک میں اس کی تکفین کی پھر اس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور اس کے لیے یہ دعا فرمائی:

''الٰہی تیرا یہ بندہ تیری راہ میں ہجرت کے لیے نکلا تھا اس نے تیری راہ میں شہادت پائی ہے اور میں اس کا گواہ ہوں۔''

(زادالمعاد۔ج ۱ص ۳۹۴، اصح السیر ص ۱۸۹۔۱۸۸)

حِصنِ القموص کی تسخیر:

خیبر کے اور سب قلعے تو ایک ایک کر کے فتح ہو گئے لیکن قلعۂ قموص ناقابلِ تسخیر معلوم ہو رہا تھا۔ فی الحقیقت بعض روایتوں کے مطابق یہ مستحکم ترین قلعہ تھا اور اس کا رئیس یہودیوں کا ایک نامی بہادر مرحب بن عنتر تھا جو ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ یہودیوں کے کئی دوسرے مانے ہوئے بہادر بھی قلعے کا دِفاع کر رہے تھے۔ قموص کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دورانِ محاصرہ میں رسولِ اکرم ﷺ کو دردِ شقیقہ کی شکایت ہوگئی تھی اس لیے آپؐ خود معرکہ میں نہیں جاتے تھے اور اپنے کسی مہاجر یا انصاری جاں نثار کی قیادت میں فوج روانہ فرماتے تھے۔ حضور ﷺ نے کئی اکابر صحابہ (بشمول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرِ فاروقؓ) کی قیادت میں فوج روانہ فرمائی لیکن قلعۂ قموص کی تسخیر میں کامیابی نہ ہوئی کیونکہ کاتبِ تقدیر نے اس قلعے کی فتح کسی اور کے نصیب میں لکھ رکھی تھی۔ جب محاصرہ طویل ہوگیا تو ایک دن حضور ﷺ نے فرمایا:

"کل میں جھنڈا اُس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ اس قلعے کو فتح کرائے گا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا ہوگا اور اپنی قوّتِ بازو سے اس قلعے پر قبضہ کرلے گا۔"

(ایک اور روایت میں حضور ﷺ سے یہ الفاظ بھی منسوب ہیں "وہ اللہ اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں۔"[1]

حضور ﷺ کے ارشاداتِ گرامی سن کر سب صحابۂ کرامؓ رات بھر بڑے اشتیاق سے انتظار کرتے رہے کہ دیکھیے کل کس خوش نصیب کو عَلَم عطا ہوتا ہے۔ دوسرے دن صبح کو حضور ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا، علی کہاں ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ ﷺ! اُن کو آشوبِ چشم کی تکلیف ہے اور آنکھوں میں درد کی وجہ سے وہ اپنی قیام گاہ سے باہر نکلنے کے قابل نہیں حضور ﷺ نے فرمایا، اُنہیں میرے پاس لاؤ۔

حضرت سَلمہؓ بن اَکوَع (بروایتِ دیگر حضرت محمد بن مَسلَمہ رضی اللہ عنہ) دوڑے گئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر حضور ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپؐ نے ان کا سر اپنی گود میں رکھا اور اپنا لعابِ دہن ان کی آنکھوں میں ڈال کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ آناً فاناً حضرت علیؓ کی آنکھیں ایسی اچھی ہوگئیں جیسے ان کو کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ اب حضور ﷺ نے انہیں عَلَم عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ قلعے پر حملہ کرو انہوں نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ! کیا دشمن کے اسلام قبول کرنے تک میں اس سے لڑتا رہوں؟

حضور ﷺ نے فرمایا: پہلے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دو اور بتاؤ کہ ایک مسلمان پر اللہ تعالیٰ کے کونسے حقوق واجب الادا ہوتے ہیں۔ اے علی! اگر تمہارے ذریعہ سے ایک شخص کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے دی تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوگی (یعنی بہت بڑی نعمت ہوگی۔)

---

[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے صحابۂ کرامؓ پر حضور ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بظاہر مذکورہ قلعے کے فاتح کے لیے حضور ﷺ نے بطورِ خاص یہ الفاظ اس لیے ارشاد فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قلعے کی تسخیر ایک خاص شخص کے مقدر میں لکھ رکھی ہے، دوسرے کسی کے ہاتھ پر یہ فتح نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ بھی اللہ اور رسول کے محبّ اور اللہ اور رسول کے محبوب ہوں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی سنکر حضرت علیؓ دوڑ کر قلعے کے قریب (میدانِ جنگ میں) پہنچ گئے۔

حضرت عامرؓ بن اَکوَع کی شہادت:

القموص پر حملے کا آغاز ہوا تو مرحب نے قلعے سے باہر نکل کر مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی اور ساتھ ہی یہ رجز پڑھا:

قَدْعَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبُ
شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ
اِذَا الْحُرُوْبُ اَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

(خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیاروں سے مُسَلَّح ہوں، بہادر ہوں اور جنگ آزمودہ ہوں جب لڑائی کی آگ بھڑکنے لگتی ہے تو میں بھی جوش سے بھڑک اٹھتا ہوں۔)

اس کے مقابلے کیلئے حضرت عامرؓ بن اَکوَع یہ رجز پڑھتے ہوئے اس کی طرف بڑھے:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ عَامِرٌ
شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُغَامِرٌ

(خیبر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں، ہتھیار بند، بہادر اور خطرات میں کود جانے والا۔)

مقابلہ شروع ہوا اور دونوں ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مرحب کی تلوار حضرت عامرؓ کی ڈھال پر پڑی۔ انہوں نے جھک کر اس کی پنڈلی پر وار کیا مگر ان کی تلوار چھوٹی تھی وہ لوٹ کر خود ان کی شہ رگ پر لگی اور اسے کاٹ ڈالا۔ اسی زخم سے وہ شہید ہو گئے[1] ان

---

[1] حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ چونکہ اپنی ہی تلوار سے شہید ہوئے تھے اس لیے بعض لوگوں نے اس پر خودکشی کا گمان کیا۔ حضرت سلمہؓ بن اکوع (ان کے اخیافی بھائی) کہتے ہیں کہ میں ایسی باتیں سن کر روتا ہوا بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، لوگ کہتے ہیں کہ عامر کے سب اعمال برباد ہو گئے (کیونکہ اس نے خودکشی کی ہے)

حضور ﷺ نے فرمایا: ''یہ کس نے کہا؟'' حضرت سلمہؓ نے عرض کیا: فلاں فلاں اصحاب نے''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''ان لوگوں نے غلط کہا''

پھر آپؐ نے اپنی دونوں انگلیوں کو جمع کر کے فرمایا:

''عامر کے لیے دوہرا (دو چند) ثواب ہے وہ اطاعتِ الٰہی میں کوشش کرنے والے اور جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے تھے۔ ان جیسے عرب کم ہی زمین پر چلے ہوں گے۔'' (صحیح بخاری کتاب المغازی وصحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوۂ خیبر)

ایک روایت کے مطابق حضرت عامرؓ فی الحقیقت سنان بن اکوع کے بیٹے تھے لیکن اپنے دادا کے نام کی نسبت سے عامر بن اکوع مشہور ہو گئے تھے ایک اور روایت میں ہے کہ اَکوَع ہی کا اصل نام سنان بن عبد اللہ بتایا گیا ہے۔ (اُسد الغابہ ج ۳ ترجمہ حضرت سلمہؓ بن اکوع المشاہد ص ۱۲۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد حضرت سلمہؓ بن اکوع مرحب کے مقابل ہوئے۔ لڑتے لڑتے ان کی پنڈلی پر شدید زخم آیا جس کی وجہ سے وہ واپس آنے پر مجبور ہو گئے۔ زخم اتنا خطرناک تھا کہ لوگوں کو ان کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ حضرت سلمہ حضور علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے تین دفعہ ان کے زخم پر دَم کیا۔ اس کی برکت سے ان کا زخم بالکل مندمل ہو گیا۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر عن سلمہؓ بن اکوع)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مرحب کا مقابلہ:

حضرت سلمہؓ کے زخمی ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ یہ رجز پڑھتے ہوئے مرحب کے مقابل ہوئے:

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہْ

کَلَیْثِ غَابَاتٍ کَرِیْہِ الْمَنْظَرَہْ

اُوْفِیْھِمْ بِالصَّاعِ کَیْلَ السَّنْدَرَہْ

"میں وہ ہوں جس کا نام اس کی ماں نے حیدر رکھا ہے
میں جنگل کے اُس شیر کی طرح ہوں جو ہیبت ناک ہوتا ہے
میں لوگوں کو ایک صاع کے بدلے میں اس سے بڑا پیمانہ دیتا ہوں (یا بہت بڑے پیالے سے ماپ کر دیتا ہوں)"

دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار کے دو دو وار کیے۔ حضرت علیؓ نے جو وار کیا وہ اس کے خود اور سر کو پھاڑتا چلا گیا اور جبڑوں تک اتر گیا پھر انہوں نے اس کا سر تن سے جُدا کر دیا۔[1]

(صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر حدیث ۱۸۰۷، طبری ص ۱۵۷۹)

---

1. بعض سیرت نگاروں نے اس سلسلے میں کئی روایات بیان کی ہیں مثلاً یہ کہ مرحب کو قتل کرنے سے پہلے حضرت علیؓ نے حارث اور عامر نامی "یہودی شہسواروں کو جہنم رسید کیا۔ یا یہ کہ لڑتے ہوئے حضرت علیؓ کی سپر (ڈھال) گر گئی۔ انہوں نے قلعے کا ایک دروازہ اکھاڑ کر اسے سپر بنا لیا یہاں تک کہ قلعہ فتح ہو گیا۔ بعد میں سات قوی آدمی اس دروازے کو پلٹنے کی کوشش کرتے رہے مگر ایسا نہ کر سکے۔ (اصح السیر ص ۱۹۲ بحوالہ مدارج النبوۃ) یہ دروازہ اتنا بھاری تھا کہ چالیس آدمیوں سے کم مل کر اس کو نہ اٹھا سکے۔ (کنز العمال ۱۵۔۱۲۰) ایک روایت میں اس کا وزن آٹھ سو من بتایا گیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ستر آدمی مل کر اس کو بمشکل حرکت دے سکے دروازہ اکھاڑنے کے واقعہ کو ابنِ کثیرؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۸۹۔۱۹۰)
لیکن مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں "یہ روایت مختلف طریقوں سے مروی ہے اور یہ مشہور واقعہ ہے۔ اور اس کا واقع ہونا مستبعد نہیں ہے، اگر اس کی صحت ثابت ہو جائے تو یہ عقائد اہلِ سُنّت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اہلِ سنت کے عقائد و علم کلام میں آتا ہے اِنَّ کَرَامَاتُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌ (اولیاء اللہ سے کرامات کا صدور حق ہے)
(المرتضیٰ۔ حاشیہ ص ۸۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرحب کے قتل کے بعد یاسر میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ اس کی للکار سن کر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ دوڑ کر اس کے مقابل ہوئے۔ ان کی والدہ حضرت صفیہ بنتِ عبد المطلب (حضور ﷺ کی پھوپھی) بھی میدان جنگ سے کچھ پرے حضور ﷺ کے پاس موجود تھیں انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا یہ (پہلتن، شہزور) یہودی میرے بیٹے کو قتل کر دے گا؟ آپؐ نے فرمایا نہیں! بلکہ آپ کا بیٹا اسے قتل کرے گا۔ اِنْ شَاءَ اللہ۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے پلک جھپکنے میں تلوار کے ایک ہی وار سے اس کو قتل کر دیا۔ حضرت محمدؓ بن مَسلمہ اور دوسرے مجاہدین بھی اس معرکے میں سربکف ہو کر لڑے اور کئی یہودی شہسواروں کو جہنم رسید کیا۔ یہاں تک کہ یہود کو مکمل شکست ہوئی اور قلعہ فتح ہو گیا۔ [1]
(ارشاد السیر ص ۱۹۲)

قیدی رئیسہ کو شرفِ زوجیت بخشنا:

جنگ کے بعد مالِ غنیمت اور تمام قیدیوں کو ایک جگہ جمع کیا گیا تا کہ آنحضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق ان کو تقسیم کیا جا سکے۔ قیدی عورتوں میں بنو نضیر کے مقتول سردار حُیَی بن اخطب کی بیٹی اور حصن القموص کے مقتول رئیس کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوہ صفیہ بھی تھیں ان کی رشتہ کی ایک بہن بھی ان کے ساتھ تھیں۔ چونکہ دونوں کا تعلق یہود کے دو معزز خاندانوں سے تھا، حضور ﷺ کے خادم حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ ان کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں پیش کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں ان کے قریبی رشتے داروں کی لاشیں پڑی تھیں۔

بی بی صفیہؓ نے حسرت سے ان لاشوں پر نظر ڈالی اور چُپ کی چُپ رہ گئیں۔ البتہ ان کی ساتھی بہن بے قابو ہو گئیں اور نہایت شدت سے گریہ وزاری اور سینہ کوبی شروع کر دی۔ جب حضرت بلالؓ نے انہیں نبیِ اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو سرکارِ دو عالم اس عورت کی گریہ وزاری سے متاثر ہوئے۔ بی بی صفیہؓ تو خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئیں اور اس عورت کو حضور ﷺ نے دوسری طرف لے جانے کا حکم دیا اور پھر بلالؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"بلال! تمہارے دل میں رحم نہیں ہے کہ ان عورتوں کو اس راستے سے لائے جہاں ان کے باپ اور بھائی خاک وخون میں لتھڑے پڑے ہیں۔"

جب مالِ غنیمت کی تقسیم ہونے لگی تو حضرت دِحیہ کلبیؓ نے بی بی صفیہؓ کو اپنے لیے پسند فرمایا۔ چونکہ وہ تمام اسیرانِ جنگ میں ذی وقعت تھیں اس لیے بعض صحابہؓ نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ ﷺ! صفیہؓ بنی قریظہ اور بنو نضیر کی رئیسہ ہے، خاندانی وقار اس کے بشرے

---

[1] سیرت ابن ہشام میں ہے کہ مرحب کو حضرت محمدؓ بن مَسلمہ نے قتل کیا لیکن صحیح مسلم میں قوی سند کے ساتھ مرحب کا قاتل حضرت علیؓ ہی کو بتایا گیا ہے۔ بیشتر سیرت نگاروں نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔
(صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر حدیث ۸۰۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے عیاں ہے، وہ ہمارے سردار (یعنی سرکارِ دو عالم ﷺ) کے لیے موزوں ہے۔" حضور ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرمالیا۔ دِحیہ کلبیؓ کو دوسری لونڈی (ایک روایت کے مطابق حضرت صفیہؓ کے ساتھ آنے والی ان کی بہن) عطا فرما کر حضرت صفیہؓ کو آزاد کر دیا اور انہیں یہ اختیار دیا کہ چاہے تو وہ اپنے گھر چلی جائیں یا پسند کریں تو آپؐ کے نکاح میں آجائیں۔

حضرت صفیہؓ نے حضور ﷺ کے نکاح میں آنا پسند کیا اور ان کے حسب منشا حضور ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔ ان کی آزادی یا عتق کو ان کا حقِ مہر ٹھہرایا گیا۔ اسی موقع پر انہوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا اس طرح قیدی رئیسہ نہ صرف آزادی اور نعمت اسلام سے بہرہ یاب ہوگئیں بلکہ ان کو ازواجِ مُطَہّرات اور اُمّہاتُ المؤمنینؓ میں شامل ہونے کا عظیم الشان شرف بھی حاصل ہوگیا۔ (صحیح بخاری کتاب النّکاح و المغازی و البیوع، صحیح مسلم کتاب النکاح ج ۱ ص ۵۴۶، طبقات ابنِ سعد ج ۸ جز نساء ص ۸۶)

حضرت جعفرؓ اور اشعری صحابہؓ کی آمد:

فتح خیبر کے بعد ابھی رسولِ اکرم ﷺ نے مالِ غنیمت تقسیم نہیں فرمایا تھا کہ آپؐ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء کے ساتھ خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء بھی تھے اُم المؤمنین حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی ان اصحاب کے ساتھ آئی تھیں۔[۱] لیکن وہ مدینہ منورہ میں رُک گئیں اور یہ سب اصحاب مدینہ منورہ سے خیبر آ کر بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے۔[۲]

جیسا کہ پیچھے ذکر آچکا ہے، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب بہت سے دوسرے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ ۶ بعدِ بعثت میں مکّہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے اور اسی وقت سے وہیں مقیم تھے۔ جہاں تک حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا تعلق ہے ان کا قصہ بڑا عجیب ہے۔ حضور ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے بعد وہ اپنے دو بھائیوں اور قبیلہ اشعر کے پچاس مسلمانوں کے ساتھ اپنے وطن یمن سے ایک کشتی کے ذریعے سوئے حجاز روانہ ہوئے۔ ان کا مقصد مدینہ منورہ جا کر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہونا تھا۔ سُوءِ اتفاق سے بادِ مخالف نے اُن کی کشتی کو ساحلِ حجاز کے بجائے ساحلِ حبشہ کی ایک بندرگاہ پر پہنچا دیا۔ ان کو وہاں مجبوراً اترنا پڑا۔ حبشہ کے اندر جا کر ان کی

۱۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے سیرۃ النبیؐ میں لکھا ہے کہ نجاشی نے حضرت اُمِ حبیبہؓ کو (ان کے حضور ﷺ سے غائبانہ نکاح کے بعد) حضرت شُرَحبیلؓ بن حَسَنہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شُرَحبیلؓ بھی حضرت جعفرؓ کے اُن رفقاء میں سے تھے جو ان کے ساتھ حبش سے مدینہ منورہ اور پھر خیبر پہنچے۔ ہوسکتا ہے نجاشی نے ان کو بطورِ خاص حضرت اُمِ حبیبہؓ کی حفاظت اور نگرانی کے لیے کہا ہو۔

۲۔ الشیخ محمد الخضری بکؒ کا بیان ہے کہ اشعری اصحاب اور عورتوں بچوں کے علاوہ حضرت جعفرؓ کی جماعت ۱۶ مردوں پر مشتمل تھی۔ (تاریخ خضری ۱۔۱۲۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملاقات حضرت جعفرؓ سے ہوئی اور ان کی ترغیب پر تمام اشعری اصحاب بھی حبشہ ہی میں مقیم ہوگئے اب سب اکٹھے ہی (حضرت اُمِ حبیبہؓ سمیت) حبشہ سے مدینہ منوّرہ پہنچے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضور ﷺ غزوۂ خیبر پر تشریف لے گئے ہیں۔ ان اصحاب نے حضرت اُمِ حبیبہؓ اور اپنے ساتھ آنے والی دوسری خواتین کو مدینہ منورہ چھوڑا اور خود خیبر جا کر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوگئے۔ حضور ﷺ کو ان کی آمد سے بے حد مسرّت ہوئی اور آپؐ نے ان کا پُرتپاک استقبال کیا۔ خاص طور پر حضرت جعفرؓ کی مراجعت نے آپ کو بے حد مسرور کیا۔ اپنے اس بھائی سے آپ کو بہت محبت تھی (تقریباً چودہ سال کی جدائی کے بعد آپؐ کی ان سے ملاقات ہوئی تھی) آپؐ نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا:

> ''واللہ میں نہیں جانتا کہ مجھے کس چیز کی زیادہ خوشی ہوئی ہے خیبر کی فتح کی یا جعفرؓ کی آمد کی۔'' (صحیح بخاری ج ا ص ۴۴۳)

ایک یہودیہ کی ناپاک سازش:

یہودِ خیبر سے زرعی اراضی اور باغوں کی پیداوار کی بٹائی کا معاہدہ ہوچکا تو یہودیوں کے ایک سردار سلام بن مِشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے رسولِ اکرم ﷺ کو زہر دینے کی ناپاک سازش کی۔ وہ یوں کہ اس نے ایک بھُنی ہوئی بکری حضور ﷺ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کی۔ اِس کے گوشت میں اُس نے زہر ملا دیا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ زینب نے بھُنا ہوا زہر آلود گوشت حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ اُس نے کسی ذریعے سے معلوم کرلیا تھا کہ حضور ﷺ بکری کے بازو (دست یا شانے) کا گوشت بہت پسند فرماتے ہیں چنانچہ اس نے بطورِ خاص بازو کے گوشت میں زیادہ مقدار میں زہر ملایا تھا۔ حضور ﷺ نے زینب کا ہدیہ قبول فرمالیا۔ یہ گوشت جب حضور ﷺ کے سامنے دسترخوان پر رکھا گیا تو اس وقت جو صحابہ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر تھے آپؐ نے سب کو کھانے کی دعوت دے کر اپنے ساتھ شریک کرلیا لیکن آپ نے جونہی گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اسے دہنِ مبارک میں رکھ کر چبایا آپ نے اسے نگلنے کے بجائے تھوک دیا اور فرمایا، اس کھانے میں زہر ہے۔ یہ سنتے ہی سب صحابہؓ کھانے سے دستکش ہوگئے البتہ اس اثناء میں ایک صحابی حضرت دشر بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہما گوشت کا ایک لقمہ نگل چکے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ گوشت کا مزا مجھے بھی خراب معلوم ہوا تھا لیکن رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے لقمہ اُگلنا ادب کے خلاف سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس زہر کے اثر سے بیمار ہوگئے اور ایک روایت کے مطابق وہیں جاں بحق ہوگئے۔ لیکن بعض نے لکھا ہے کہ ایک سال بیمار رہنے کے بعد وفات پائی۔ [1]

---

[1] حضرت دشر بن براء انصاری رضی اللہ عنہما کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے ان کا تعلق خزرج کے خاندان بنی سَلمہ سے تھا۔ ہجرتِ نبویؐ سے ایک سال پہلے اپنے والدِ گرامی حضرت براءؓ بن معرور کے ساتھ مکہ جا کر اسلام قبول کیا۔ پھر بیعتِ عقبہ کبیرہ میں شریک ہوئے۔ ہجرتِ نبویؐ کے بعد بدر، اُحد، احزاب اور خیبر کے غزوات میں شریک ہوئے بڑے فیاض تھے۔ حضور ﷺ نے ان کو جد بن قیس کی جگہ بنوسَلمہ کا سردار بنایا تھا۔
(اُسد الغابہ ج۔ ا ص ۲۵۳ الاستیعاب ج ا ص ۶۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زینب بنت حارث کے انجام کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اسکو بلا کر باز پرس کی تو اُس نے اپنے جرم کا اقبال کیا اور کہا کہ میں نے اس لیے زہر دیا کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو زہر آپ پر اثر نہ کرے گا اور اگر آپ پیغمبر نہیں ہیں تو ہم کو آپ سے نجات مل جائے گی۔ اب میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔ پھر اس نے کلمۂ شہادت پڑھا تو حضور ﷺ نے اس کو معاف فرما دیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو حضرت بشرؓ کے قصاص میں قتل کرا دیا۔

تیسری روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے زینب کو حضرت بشرؓ کے وارثوں کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے اس کو حضرت بشرؓ کے قصاص میں قتل کر دیا۔ واللہ اعلم

(تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۵۲۔ المشاہد ص ۱۳۲-۱۳۳)

امام زہریؒ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے تین سال بعد جب حضور ﷺ نے وفات پائی تو آپ فرماتے تھے کہ خیبر کے زہر کا اثر ہم پر غالب ہے۔ گویا حضور ﷺ شہید فوت ہوئے۔

(اصح السیر ص ۳۰۲)

مفتوح یہودیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک:

جب خیبر کے سارے قلعے ایک ایک کر کے فتح ہوتے گئے اور یہودیوں کو اپنی تباہی کا کامل یقین ہو گیا تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے گڑگڑا کر حضور ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ہمیں خیبر ہی میں قیام کی اجازت دے دیں۔ ہمیں کاشتکاری اور باغبانی کا پُشت ہا پُشت سے طویل تجربہ ہے اور ہمیں یہاں کی زمین سے بھی مسلمانوں (اہلِ مدینہ) کی نسبت زیادہ واقفیت ہے۔ ہم کھیتوں اور باغوں میں کام کریں گے اور نصف پیداوار آپ کو پیش کر دیا کریں گے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا ارادہ تھا کہ ان لوگوں کو خیبر سے جلا وطن کر دیا جائے لیکن جب انہوں نے بہت مِنّت سماجت کی تو آپ کو ان پر رحم آ گیا اور آپؐ نے ان کو اس شرط پر خیبر میں رہنے کی اجازت دے دی کہ غلّہ اور پھلوں کی تمام پیداوار کا نصف مسلمانوں کو ملے گا اور نصف اہلِ خیبر (یہود) کو اور جب تک ہم چاہیں گے یہ معاہدہ برقرار رہے گا۔ (صحیح بخاری کتاب فرض الخمس وکتاب المغازی، صحیح مسلم باب المساقات والمعاملات بجزء من التمر)

بعد میں آنحضور ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو پیداوار کی تقسیم کے لیے خیبر بھیجا۔ انہوں نے اندازہ کر کے ساری پیداوار کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا پھر یہود سے کہا کہ جو حصہ تم چاہو، لے لو۔ یہ دیکھ کر ان لوگوں کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے:

''یہی وہ انصاف ہے جس پر زمین اور آسمان قائم ہیں''۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہٗ اگلے سال جنگِ موتہ میں شہید ہو گئے۔ ان کے بعد پیداوار کی تقسیم کا کام حضرت جبار بن صخر رضی اللہ عنہٗ انجام دینے لگے۔

(سیرۃ ابنِ ہشام ج ۲ ص ۴۱۹۔ فتوح البلدان ص ۳۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوہریرہؓ کی بارگاہِ رسالت میں حاضری: ۷ھ

سیّدنا حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اصحابِ رسولؐ میں اس اعتبار سے ایک خاص مقام حاصل ہے کہ ان سے مروی احادیث کی تعداد (۵۳۷۴) کسی بھی دوسرے صحابیؓ یا صحابیہؓ سے مروی احادیث سے زیادہ ہے۔ وہ پہلی بار غزوۂ خیبر کے زمانے میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے پہلے اپنے وطن سے مدینہ منورہ پہنچے وہاں معلوم ہوا کہ حضور علیہ خیبر تشریف لے گئے ہیں یہ سن کر خیبر پہنچ گئے بارگاہِ نبویؐ میں اپنی حاضری کا واقعہ انہوں نے خود اس طرح بیان کیا ہے:

''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب خیبر کی فتح کے بعد آپ ابھی خیبر ہی میں تشریف فرما تھے اور مالِ غنیمت تقسیم ہو رہا تھا پس میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! مجھے بھی حصہ دلایئے۔ سعید بن عاص کے بیٹوں میں سے کسی نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! اس کو نہ دیجیے میں نے کہا، یہ ابنِ قوقل کا قاتل ہے۔ اس پر سعید بن عاص کے بیٹے نے کہا، اس پہاڑی بلّے پر تعجب ہے جو ہمارے پاس ضائن (دوس کے علاقے کی ایک پہاڑی) سے اتر کر یہاں آیا ہے وہ مجھ پر ایک مردِ مسلم کے قتل کا عیب دھرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں (مرتبۂ شہادت) کی عزت بخشی اور مجھے اس کے ہاتھوں ذلیل نہیں ہونے دیا۔[1]

(بخاری ج ۲ کتاب المغازی غزوۂ خیبر)

---

[1] اس روایت میں سعید بن عاص کے جس بیٹے کا ذکر آیا ہے ان کا نام ''ابانؓ بن سعید'' تھا ابنِ قوقل سے مراد حضرت نعمانؓ بن قوقل خزرجی انصاری ہے۔ وہ غزوۂ اُحد (۳ ہجری) میں حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے شہید ہو گئے تھے۔ ابانؓ اس وقت کفر کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے تھے۔ بعد ازاں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ یہ جو انہوں نے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے مارے جانے والے مسلم کو اللہ نے عزت بخشی اور مجھے اس کے ہاتھوں ذلیل ہونے سے بچا لیا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ نعمان بن قوقل رضی اللہ عنہٗ مجھ کافر کے ہاتھ سے قتل ہو کر رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے اور جنت کے حقدار بن گئے اور اگر میں ان کے ہاتھ سے مارا جاتا تو (اپنے کفر کی وجہ سے) سیدھا جہنم میں جاتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ چونکہ غزوۂ خیبر میں عملاً حصہ نہیں لے سکے اس لیے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ انہیں مالِ غنیمت سے حصہ ملا یا نہیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں مالِ غنیمت سے کچھ نہیں ملا۔ البتہ حضور ﷺ نے انہیں بطور انعام یا عطیہ ضرور کچھ نہ کچھ مرحمت فرمایا۔ اسی طرح حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو بھی خیبر کی غنیمت سے حصہ نہیں دیا گیا کیونکہ وہ فتح خیبر کے بعد نجد سے خیبر پہنچے تھے البتہ ان کو بھی حضور ﷺ نے بطور انعام یا عطیہ کچھ مرحمت فرمایا۔ (اُسد الغابہ تذکرہ ابان بن سعید۔ بذل القوۃ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اموالِ غنیمت کی تقسیم:

فتح خیبر کے نتیجے میں مسلمانوں کو زرعی اراضی اور نخلستانوں (باغوں) کے علاوہ سونے چاندی کے زیورات، کپڑے کے تھانوں (گانٹھوں)، بھیڑ بکریوں، اونٹوں، گدھوں، مختلف اشیائے خورونوش (اناج، کھجور، گھی، شہد، تیل، چربی وغیرہ) اور دیگر بے شمار اشیاء کی صورت میں کثیر مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ مزید برآں مختلف نوع کے اسلحہ کی کثیر مقدار مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ اس میں سینکڑوں نیزے، تلواریں، عربی کمانیں (مع ترکشوں کے) زرہیں، خود یہاں تک کہ کچھ منجنیقیں اور دبابے بھی شامل تھے۔

مالِ غنیمت کی فراوانی کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے کیا جا سکتا ہے کہ "ہم نے پیٹ بھر کر (کھانا) نہیں کھایا (یعنی ہم آسودہ نہیں ہوئے) جب تک خیبر فتح نہ ہوا۔" اسی طرح اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ الفاظ منسوب ہیں کہ انہوں نے فرمایا "اب ہم پیٹ بھر کر کھجور کھا سکیں گے۔" (صحیح بخاری ج ۳ ص ۶۰۹)

مزروعہ زمینوں اور نخلستانوں کی پیداوار کے بارے میں حضور ﷺ نے جو فیصلہ کیا اس کا ذکر پیچھے آچکا ہے (آپؐ نے تمام پیداوار کے نصف سالانہ حصے کے عوض یہود کو بطور اجیر خیبر میں رہنے کی اجازت دے دی۔) دوسرے اموالِ غنیمت سے خمس نکال کر باقی سب کچھ حضور ﷺ نے صحابۂ کرامؓ میں تقسیم فرما دیا۔ یہ وہ صحابۂ کرام تھے جنہوں نے حدیبیہ میں بیعتِ رضوان کا شرف حاصل کیا تھا اور پھر غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے تھے۔ جو لوگ جنگ میں شریک نہیں تھے ان میں سے کسی کو حصہ نہیں دیا سوائے اُن کشتی والوں کے جو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ —— کے ساتھ حبش سے آئے تھے یعنی حضور ﷺ نے غزوۂ خیبر میں حصہ لینے والے صحابہ کے ساتھ اصحابِ سفینہ (کشتی والے صحابہ) کا بھی حصہ لگایا۔

خیبر کے خمس میں سے جو مال باقی بچا، اس میں سے آپؐ اپنی ازواجِ مطہراتؓ کو اسّی وسق کھجور اور بیس وسق جَو سالانہ دے دیا کرتے تھے [1] (یہ مقدار ہر زوجہ مطہرہ کے لیے مقرر تھی) اور باقی خیرات کر دیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر و صحیح مسلم کتاب البیوع)

حبشہ سے ایک وفد کی آمد:

پیچھے ذکر آچکا ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مہاجرینِ حبشہ کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے۔ بعض اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کے نومسلموں کی ایک جماعت بھی مدینہ منورہ پہنچی۔ یہ

---

[1] وسق ایک اونٹ کے لادنے بھر کا وزن ہوتا تھا جو گیہوں کے وزن کے اعتبار سے ۱۳۰ کلو ۵۰۰ گرام یعنی تقریباً ساڑھے تین من کے برابر ہوتا تھا (جزیرۃ العرب ص ۳۱۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگ حضرت جعفرؓ اور دوسرے مہاجرینِ حبشہ کی تبلیغ سے (اور اپنے بادشاہ نجاشی اصحمہ کے تتبع میں) مسلمان ہوئے تھے اور ان کو رسولِ اکرم ﷺ کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا۔ یہی اشتیاق انہیں حبش سے مدینہ منورہ کھینچ لایا تھا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے یہ تمام اصحاب عیسائی تھے۔ اس جماعت کے ارکان کی تعداد کے بارے میں دو مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس میں چالیس افراد تھے اور دوسری روایت کے مطابق یہ بہتر (۷۲) افراد پر مشتمل تھی۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

جس وقت یہ تمام اصحاب مدینہ منورہ پہنچے، رسولِ اکرم ﷺ غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حبشہ سے ان کے ساتھ آنے والے "مہاجرینِ حبشہ" نے تو خیبر جا کر بارگاہِ رسالت میں شرفِ باریابی حاصل کیا لیکن اہلِ حبشہ کا وفد مدینہ منورہ ہی میں ٹھہر گیا۔ حضور ﷺ خیبر سے واپس تشریف لائے تو اہلِ حبشہ آپؐ کی زیارت سے شاد کام ہوئے۔ ان میں سے متعدد اصحاب نے مدینہ منورہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ حبشہ کے وفد میں جو اصحاب شامل تھے ان میں سے چند کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

ابرہہؓ، ذومخمرؓ، ادریسؓ، اشرف حبشیؓ، بحیر الحبشیؓ، تمامؓ، تمیم الحبشیؓ، درید الراہبؓ، ذودجنؓ، ذومناحب، ذومہدم، نافع، عامر الشامی

بعض مفسرین نے سورۃ المائدہ اور سورۃ القصص کی کچھ آیتوں کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ آیتیں انہی اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ کچھ دوسرے مفسرین نے ان آیتوں کا موقعِ نزول اس سے مختلف بیان کیا ہے۔ بعض روایتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیات اسلام قبول کرنے والے عام اہلِ کتاب صحابہ سے متعلق ہیں (یعنی ان صحابہ سے جو قبولِ اسلام سے پہلے یہودی یا عیسائی تھے۔)

سورۃ المائدہ اور سورۃ القصص کی مذکورہ آیات یہ ہیں:۔

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (۸۲) وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (۸۳) (المائدہ۔ آیہ ۸۲۔۸۳)

ترجمہ: "ایمان لانے والوں میں آپ دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور ان میں غرورِ نفس نہیں ہے جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اُترا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو آپ دیکھتے ہیں کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔
وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار ہم ایمان لائے ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔"

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ (۵۲) وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ (۵۳) اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ۔

(القصص آیات۔۵۲۔۵۳۔۵۴)

ترجمہ: "جن لوگوں کو اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور جب یہ اُن کو سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ واقعی حق ہے ہمارے ربّ کی طرف سے ہم تو پہلے ہی سے مسلم ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر (ثابت قدمی) کے بدلے میں دوبار (دوہرا) اجر دیا جائے گا۔ وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

(... ج ا ص ۱۷، اسد الغابہ ج ا ص ۲۲، اہلِ کتاب صحابہ و تابعین ص ۳۰۔۳ تا ۳۴)

یہودِ فدک کے ساتھ معاہدۂ صلح

فدک مدینہ منورہ کے شمال مشرق میں خیبر سے کچھ فاصلے پر ایک سرسبز اور شاداب قصبہ تھا جو ... ایک خالص یہودی شہر تھا۔ اس کی آبادی خالص یہودیوں کے علاوہ ان ... بنی سعد بن بکر کے ان افراد پر مشتمل تھی جنہوں نے یہودیت اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے اپنے شہر کو ایک (چھوٹی سی) مستقل ریاست کی شکل دے رکھی تھی۔ یہاں زرعی اراضی کے علاوہ زیادہ تر کھجور اور کچھ دوسرے پھلوں کے بہت سے باغات تھے اور پانی کے چشموں نے ... فدک کو ایک شاداب نخلستان بنا دیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہاں کے باشندے کمبل بننے میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور بعض لوگوں نے تو اسے اپنا پیشہ بنا لیا تھا رسول اکرم ﷺ نے خیبر پر لشکر کشی فرمائی تو آپؐ نے خیبر پہنچ کر اپنے ایک جاں نثار حضرت مُحیّصہ بن مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو اہلِ فدک کے پاس اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا۔ اہلِ فدک نے اسلام کا پیغام سن تو لیا مگر اس کے قبول کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیا۔ دراصل ان کا خیال تھا کہ مسلمان خیبر کے یہودی "سورماؤں" سے شکست کھا کر بھاگ جائیں گے اس طرح اُن کی جان چھوٹ جائے گی مگر جب حضور ﷺ نے خیبر فتح کر لیا تو فدک کے یہودیوں کی امیدیں خاک میں مل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئیں اورانہوں نے مسلمانوں سے صلح کر لینے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔ چنانچہ ان کا ایک سردار یوشع بن نون یہودِ فدک کا ایک وفد لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نصف فدک کی پیشکش کر کے آپ کے ساتھ صلح کی خواہش کی۔ آپؐ نے اسکی پیشکش قبول فرمالی۔ اس طرح یہودِ فدک سے صلح کا معاہدہ ہو گیا۔

یہودِ فدک کی پیشکش اور صلح کی شرائط کے بارے میں ابنِ ہشام اور بعض دوسرے مؤرّخین نے جو کچھ لکھا ہے اس میں ابہام پایا جاتا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق اہلِ فدک سے جس شرط پر صلح ہوئی وہ اہلِ خیبر سے صلح کی شرط سے مماثلت رکھتی تھی یعنی یہودی فدک ہی میں مقیم رہیں گے اور اس کی تمام پیداوار کا نصف ہر سال حضور ﷺ کو دیا کریں گے۔ اس کے برعکس دوسرے اربابِ سیر نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اہلِ فدک کے ساتھ اس شرط پر صلح ہوئی کہ فدک کی نصف زمین اہلِ فدک (یہود) کی ملکیت میں رہے گی اور نصفِ ثانی کے مالک آنحضور ﷺ ہوں گے۔ (''نصف'' میں زرعی زمین، باغات اور چشمے سبھی چیزیں شامل تھیں) اس طرح آدھا فدک رسولِ اکرم ﷺ کا خالصہ ہو گیا کیونکہ اس پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی اس کی آمدنی آپؐ بنو ہاشم کے بچوں کی تربیت، اس خاندان کی بیوہ خواتین کے نکاحِ ثانی، اور مسافروں پر نیز اپنے اور مسلمانوں کے مفاد میں جہاں مناسب سمجھتے (مثلاً ازواجِ مطہرّاتؓ کے مصارف، نادار مہاجرین اور بنو ہاشم کے یتامیٰ ومساکین کی اعانت یا مجاہدین کے لیے اسلحہ یا سواری کے جانوروں کی خریداری پر) صَرف فرماتے تھے حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب یہودیوں کو فدک سے جلاوطن کرنا ناگزیر ہو گیا تو جب تک ان کی ملکیتی اراضی (فدک کے نصف) کی قیمت بیت المال سے ادا نہ کی گئی، ان کو نکالا نہیں گیا۔ یہ قیمت پچاس ہزار درہم سے زیادہ تھی۔ (سیرۃ الحلبیہ ج ۲ ص ۱۸۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ وادیِ القُریٰ

وادیُ القُریٰ وہی وادی ہے جو قومِ ثمود کی طرف منسوب ہے۔ قومِ ثمود کے ذکر کے ساتھ اس کا ذکر قرآنِ حکیم میں اس طرح آیا ہے:

"اور (اللہ نے) ثمود کے ساتھ کیا کیا جو وادی (قُریٰ) میں پتھر تراشتے اور گھر بناتے تھے۔" (الفجر۔۹۔ الشعراء۔ ۱۴۹)

یہ طویل اور وسیع وادی مدینہ منورہ کے شمال میں شام کے رُخ پر گئی ہے۔ اس میں بہت سے دیہات آباد ہیں اسی لیے اس کا نام وادیِ القُریٰ (بہت سے گاؤں والی وادی) مشہور ہوگیا۔ اس کا شمار عرب کے سرسبز اور شاداب علاقوں میں ہوتا ہے۔ اس میں متعدد چشمے اور کنوئیں بھی موجود ہیں۔ غزوۂ وادیِ القُریٰ حضور ﷺ کی خیبر سے واپسی کے سفر کے دوران میں پیش آیا بعض مورّخین نے غزوۂ خیبر اور غزوۂ وادیِ القُریٰ کو ایک ہی غزوہ قرار دیا ہے کیونکہ ابھی آپ ﷺ کی خیبر سے واپسی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ مؤرّخین نے یہ تصریح نہیں کی کہ وادیِ القُریٰ کے کس قصبے یا گاؤں کے لوگوں کے ساتھ یہ معرکہ پیش آیا۔ البتہ بعض تحریروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خیبر اور تیماء کے درمیان یہ ایک نو آبادی تھی جس کو حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے یہودیوں نے آباد کیا تھا اور اس نے اُن کے مرکز کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ عرب کے کچھ لوگ بھی ان کے ساتھ آ کر شامل ہوگئے تھے۔ انہوں نے غالباً اس اِدّعاء کے ساتھ اس نو آبادی کا نام "وادیِ القُریٰ" رکھ دیا کہ یہ وادی کے سارے دیہات کی نمائندگی کرتی ہے۔

آنحضور ﷺ خیبر سے فارغ ہو کر اپنے جاں نثاروں کے ساتھ وادیِ القُریٰ کے قریب پہنچے تو وہاں کے یہودیوں کو لڑائی کے لیے تیار پایا انہوں نے اسلامی لشکر کو دیکھتے ہی اس پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ مدعم نامی حضور ﷺ کا ایک غلام ایک تیر لگنے سے مارا گیا۔ لوگوں نے کہا، اسے جنّت مبارک ہو مگر حضور ﷺ نے فرمایا، ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس نے خیبر کے اموالِ غنیمت میں سے ان کی تقسیم سے پہلے ایک چادر چُرالی تھی (جو اس کے جائز حصے میں نہ آتی تھی) وہ آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی سن کر سب صحابہؓ کو اطمینانِ قلبی حاصل ہوا کہ ان میں سے کسی نے اموالِ غنیمت میں سے کوئی چیز حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر نہیں لی تھی البتہ ایک صاحب نے چمڑے کے ایک یا دو تسمے یہ کہہ کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے کہ یا رسولَ اللہ ﷺ! میں نے ان کو ایک حقیر شے سمجھ کر اپنے طور پر ہی لے لیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، یہ ایک تسمہ آگ کا ہے (یا دو تسمے آگ کے ہیں) (اچھا ہوا کہ تم نے واپس کر دیے)۔ (صحیح بخاری ۲۔ ۶۰۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہودیوں کا جارحانہ رویہ دیکھ کر حضور ﷺ نے صحابہ کو بھی جنگ کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا۔ پھر اُن کی صف بندی کر کے پورے لشکر کا بڑا علم حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا۔ ان کے علاوہ ایک جھنڈا حضرت سہل بن حُنَیف انصاری رضی اللہ عنہ کو، ایک جھنڈا حضرت حباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ کو اور ایک جھنڈا حضرت عباد بن بِشر انصاری رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد آپؐ نے وادِی القُریٰ کے باشندوں کو اس عہد کے ساتھ اسلام کی دعوت دی کہ اگر انہوں نے یہ دعوت قبول کر لی تو ان کے مال و جان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا اور وہ بالکل محفوظ رہیں گے لیکن ان بدبخت لوگوں نے دعوتِ حق قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ چار دن تک جاری رہا۔ چوتھے دن ایک یہودی جنگجو تلوار ہلاتا میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ حضرت زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ دوڑ کر اسکے مقابلے میں گئے اور آناً فاناً اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر ایک اور یہودی جنگجو میدان میں آیا۔ اس کو بھی حضرت زبیرؓ نے جہنم واصل کیا۔ اس کے بعد دشمن کا تیسرا جنگجو میدان میں نکلا، اُسے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ٹھکانے لگا دیا۔ اس طرح یہودیوں کے گیارہ جنگجو یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ جب ان کا ایک آدمی مارا جاتا تو رسولِ اکرم ﷺ اہلِ وادِی القُریٰ کو اسلام کی دعوت دیتے تھے (لیکن وہ قبول نہیں کرتے تھے) جب نماز کا وقت آتا تو حضور ﷺ صحابہ کو نماز پڑھاتے اور پھر پلٹ کر یہود کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف بلاتے مگر وہ لڑنے پر بضد رہے اس طرح لڑتے لڑتے شام ہوگئی اور لڑائی رات بھر کے لیے رُک گئی۔ اگلے دن صبح ہوتے ہی آپؐ پھر لڑائی کے لیے تیار ہوئے لیکن آفتاب ابھی نیزہ برابر بھی بلند نہ ہوا تھا کہ اہلِ وادِی القُریٰ نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور اپنا سارا مال اسباب مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ اس کثیر مال اسباب (غنیمت) کو حضور ﷺ نے صحابۂ کرام میں تقسیم فرما دیا البتہ زرعی اراضی اور باغات کو یہود کے ہاتھ میں رہنے دیا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ ہر سال اہلِ خیبر کی طرح اپنی تمام پیداوار کا نصف مسلمانوں کو دیا کریں گے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمروؓ بن سعید بن عاص کو وادی القُریٰ کا حاکم (گورنر) مقرر فرمایا۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۱۴۷۔۱۴۶)

سریۂ حِسْمیٰ (یا حُسْمیٰ)

صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ ہجری) کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے ہمسایہ ممالک کے بادشاہوں اور عرب کے کچھ مقتدر لوگوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے (ان کی تفصیل الگ بیان کی گئی ہے) ان میں ایک مکتوبِ گرامی ہرقل (شاہِ روم) کے نام بھی تھا۔ یہ مکتوبِ گرامی حضور ﷺ نے اپنے ایک جاں نثار حضرت دِحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور انہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہدایت فرمائی کہ اسے بُصریٰ کے حاکم کو پہنچا دیں وہ اسے ہرقل کے پاس بھیج دے گا۔ حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ یہ مکتوب گرامی لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے تو کچھ مالِ تجارت بھی ساتھ لے لیا۔ جب وہ قبیلہ جذام کے علاقے میں پہنچے تو اس قبیلے کے چند افراد نے (جنہوں نے رہزنی کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا) حضرت دِحیہؓ پر حملہ کیا اور ان سے سامانِ تجارت چھین لیا۔ اس قبیلے کے کچھ خاندان مسلمان ہو چکے تھے۔ انہیں پتا چلا تو وہ دوڑے آئے اور حضرت دِحیہؓ کا جو سامان رہزنوں نے چھینا تھا، ڈاکوؤں کے ہاتھ سے چھڑا کر انہیں واپس دے دیا لیکن حضرت دِحیہؓ رہزنوں کی حرکت پر اس قدر غضبناک ہوئے کہ بصریٰ جانے کے بجائے واپس مدینہ منورہ آ گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے فوراً حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں پانچ سَو مجاہدین پر مشتمل ایک تعزیری مہم بنو جذام کی طرف روانہ فرمائی۔ ؎1

''بنو جذام'' ایک قحطانی قبیلہ تھا جو زید بن کہلان کی نسل سے تھا۔ یہ لوگ حِسمیٰ (یا حُسمیٰ) نامی ایک پہاڑی سلسلے (بروایت دیگر وادی القُریٰ کے شمال میں ایک علاقے) میں آباد تھے۔ ان کی آبادی مدینہ منورہ سے سَو سَوا سَو میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ حضرت زیدؓ نے مدینہ سے حِسمیٰ تک کا سفر بڑی احتیاط کے ساتھ طے کیا۔ وہ دن کو اپنے ساتھی سواروں سمیت پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے اور رات کو سفر کرتے تھے۔ اس طرح حِسمیٰ پہنچنے تک دشمن کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ حضرت زیدؓ نے ان پر اچانک حملہ کر دیا اور ان کی خوب گوشمالی کی۔ بنو جذام کا سردار ھُنَید بن عُوص اپنے بیٹے سمیت مارا گیا۔ مجاہدین کو مالِ غنیمت میں ایک ہزار اونٹ پانچ ہزار بھیڑ بکریاں اور بہت سے قیدی ہاتھ آئے۔ جس وقت یہ مالِ غنیمت مدینہ منورہ پہنچا تو اِس سے پہلے کہ اسے تقسیم کیا جائے بنو جذام کے مسلمان ہو جانے والے افراد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ ...... درخواست کی کہ ان کے قبیلے پر رحم کیا جائے اور سارے قیدی مال مویشیوں سمیت چھوڑ دیے جائیں۔ چونکہ ان لوگوں نے حضرت دِحیہؓ کی مدد بھی کی تھی اس لیے حضور ﷺ نے ان کی سفارش منظور فرمالی اور تمام قیدی رہا کرنے اور مالِ غنیمت واپس کرنے کا حکم دیا۔

بعض مؤرخین نے اس مہم کا زمانہ وقوع جمادی الآخر ۷ ہجری بیان کیا ہے لیکن مشہور

؎1 بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت دِحیہ رضی اللہ عنہ کے قافلے پر اس وقت ڈاکا پڑا جب وہ سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آ رہے تھے اور تعزیری (تادیبی) مہم آنحضور ﷺ نے جمادی الآخر ۷ ہجری میں روانہ فرمائی لیکن نامور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب ''رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' میں قوی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ڈاکے کا واقعہ اُس وقت پیش آیا جب حضرت دِحیہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا مکتوبِ گرامی لیکر جا رہے تھے (نہ کہ اُن کی واپسی پر) اور تعزیری مہم آپؐ نے صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ ہجری) غزوہ خیبر (محرم ۷ ہجری) کے درمیانی عرصے میں روانہ فرمائی۔

(رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور صفحہ ۲۳۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے لکھا ہے کہ یہ سریہ صلحِ حدیبیہ اور غزوۂ خیبر کے درمیانی عرصے میں کسی وقت پیش آیا۔

اہلِ تیماء سے مُصالحت:

تیماء، مدینہ منورہ کے شمال مشرق میں (اور فدک کے شمال میں) صحرائے نفود کے کنارے پر ایک نخلستانی بستی ہے۔[1] عہدِ رسالت میں یہ ایک یہودی شہر تھا جسے یہودِ بنی عادیا نے ایک چھوٹی سی خود مختار ریاست بنا رکھا تھا اور اسے تیماء الیہود کہا جاتا تھا۔ وہاں کھجور وغیرہ کے متعدد باغات تھے۔

جب اہلِ تیماء کو معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے خیبر، فدک اور وادی القُریٰ کے یہود کے ساتھ ایسا اور ایسا معاملہ کیا ہے تو ان کو مسلمانوں کے خلاف رزم آرا ہونے کی ہمت نہ پڑی اور انہوں نے آنحضور ﷺ کی اطاعت قبول کرنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی چنانچہ انہوں نے از خود حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں آدمی بھیج کر صلح کی پیشکش کی۔ آپ نے ان کی پیش کش قبول فرمائی اور ان کی زمینیں باغات اور مال جائداد انہی کے قبضے میں رہنے دیے۔ اہلِ تیماء کی پیشکش کیا تھی اور ان سے کن شرائط پر مصالحت ہوئی، اس کے بارے میں مؤرخین کے بیانات میں ابہام پایا جاتا ہے۔ بعض نے ان شرائط کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ اہلِ تیماء نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی زمینوں کا خراج اور حسبِ ضابطہ فی کس جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔ (ضیاء النبیؐ ج ۴ ص ۳۰۱) بعض کا بیان ہے کہ اہلِ تیماء کے لیے وہی شرائط رکھی گئیں جو اہلِ فدک کے لیے رکھی گئی تھیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹ ص ۱۷۲)

بعض نے لکھا ہے کہ اہلِ تیماء کے ساتھ صلح کا جو معاہدہ ہوا اس کے الفاظ یہ تھے ''یہ تحریر ہے محمد رسول اللہ کی طرف سے بنی عادیاء کے حق میں۔ ان کے لیے ذمہ (امان) ہے اور ان پر جزیہ ہے۔ ان پر نہ تو کوئی زیادتی ہوگی اور نہ انہیں جلاوطن کیا جائے گا ہر آنے والا دن اس عہد کو دوام بخشے گا اور ہر آنے والی رات اسے اپنے حال پر قائم رکھے گی۔ کاتب تحریر خالد بن سعید (فرامینِ نبویؐ ص ۶۲ تا ۶۶، الرّحیق المختوم اردو ص ۶۱۱) قیاس یہی ہے کہ اہلِ تیماء نے جزیہ دینے کا عہد کر کے حضور ﷺ کی اطاعت قبول کر لی چنانچہ آپ نے ان پر حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو والی مقرر فرما دیا۔ (محمد رسولؐ اللہ از محمد رضا ص ۵۵۲)

---

[1] مدینہ منورہ سے تیماء کے فاصلے کے بارے میں مؤرخین نے مختلف قیاس آرائیاں کی ہیں مثلاً یہ مدینہ اور شام کے درمیان سے سات مرحلہ کے فاصلے پر واقع ہے (محمد رسول اللہ از محمد رضا ص ۵۵۲) یہ مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر شام کی جانب واقع ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹ ص ۱۷۲ بحوالہ وفاء الوفا) تیماء خیبر سے کچھ دور واقع ہے (سیرتِ احمد مجتبیٰ ص ۲۰۵) مدینہ سے تیماء کا فاصلہ ۴۲۲ کلومیٹر اور خیبر کا فاصلہ ۱۷۳ کلومیٹر ہے۔
(جزیرۃ العرب ص ۳۱۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن سہل کے قتل کا مقدمہ (۷ ہجری):

غزوۂ خیبر کے کچھ عرصہ بعد کا ذکر ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے دو صحابی حضرت عبداللہ بن سہل انصاریؓ اور حضرت مُحَیِّصَہ بن مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے ایک کام سے خیبر گئے۔ حضرت مُحَیِّصَہ رشتے میں حضرت عبداللہؓ کے چچا تھے اور دونوں انصار کے قبیلہ اوس کی شاخ بنو حارثہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کی یہود سے صلح تھی اور ایک روایت کے مطابق ان دونوں کے خیبر جانے کا مقصد کھجوروں کی بٹائی کرنا تھا۔ قیامِ خیبر کے دوران میں ایک دن حضرت عبداللہؓ اپنے چچا سے جدا ہوگئے۔ وہ اکیلے ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ کسی نے انہیں شہید کر ڈالا۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ کسی نے اُن کی گردن توڑ کر پانی کے ایک چشمے میں ڈال دیا۔ حضرت مُحَیِّصَہؓ کو ان کی لاش ملی تو اُن کو خیبر ہی میں دفن کر دیا اور مدینہ واپس آ کر اپنے بڑے بھائی حضرت حُوَیِّصَہؓ اور دوسرے بھتیجے حضرت عبدالرحمٰنؓ [1] (برادر حضرت عبداللہؓ شہید) کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں استغاثہ دائر کیا جس میں اس شک کا اظہار کیا کہ حضرت عبداللہؓ کو یہودیوں نے قتل کیا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کا آغاز حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کیا حالانکہ وہ عمر میں چھوٹے تھے اور ان کے عَمَّین (دونوں چچے) بھی ساتھ تھے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

"کَبِّر۔ کَبِّر"

(یعنی بڑے کو بولنے دو...... بڑے کو بولنے دو)

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰنؓ خاموش ہوگئے اور حضرت حُوَیِّصَہؓ اور حضرت مُحَیِّصَہؓ نے گفتگو شروع کی۔

حضور ﷺ نے ان سے فرمایا:

"کیا تم قسم کھا سکتے ہو کہ عبداللہؓ یہودیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے؟ اسی طرح قاتل کو پکڑ کر تمہارے حوالے کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سہل انصاری قبیلہ اوس کی شاخ بنو حارثہ سے تھے۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ حافظ ابونعیمؒ کہتے ہیں کہ وہ بدر کے بعد کے تمام غزوات میں بھی رسولِ کریم ﷺ کے ہم رکاب رہے۔ حضرت عُمَرِ فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت عتبہؓ بن غزوان کی وفات کے بعد بصرہ کا حاکم بنایا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ ان کے چچا حضرت مُحَیِّصَہؓ بن مسعود بھی بڑے مخلص صحابی تھے۔ اُحُد، خندق اور دوسرے غزوات میں شریک تھے۔ انہوں نے بھی امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ ان کے بڑے بھائی حضرت حُوَیِّصَہؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہوا البتہ قبولِ اسلام میں حضرت مُحَیِّصَہؓ کو سبقت حاصل ہے۔ چھوٹے بھائی حضرت مُحَیِّصَہؓ کے ساتھ یہ بھی اُحُد اور بعد کے غزوات میں آنحضور ﷺ کے ہم رکاب رہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے عرض کیا:

"یا رسولَ اللہ ﷺ! ہم کس طرح قسَم کھائیں نہ ہم وہاں موجود تھے اور نہ ہم نے انہیں قتل ہوتے دیکھا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: (تو دوسری صورت یہ ہے کہ یہودیوں سے اپنی بے گناہی پر حلف لیا جائے مگر) یہودی تو پچاس قسمیں کھا کر بری الذمہ ہو جائیں گے۔

انہوں نے عرض کیا: یا رسولَ اللہ ﷺ! ہم کافروں کی قسموں پر کیسے اعتبار کریں؟

خیبر میں صرف یہودی آباد تھے اور بظاہر یہ اُنہی کی کارستانی تھی لیکن کوئی موقع کی شہادت موجود نہیں تھی اس لیے حضور ﷺ نے یہودیوں سے باز پرس نہ فرمائی اور حضرت عبد اللہؓ بن سہل شہید کا خون بہا اپنے پاس سے دے دیا۔ (قتل کی دِیَت سَو اونٹ ہوتی ہے)

(صحیح بخاری کتاب الجہاد، صحیح مسلم کتاب القسامۃ)

اس مقدمے کو عہدِ رسالت کے واقعات میں خاص اہمیت حاصل ہے اس لیے کہ رسولِ کریم ﷺ کے فیصلہ نے ہمیشہ کے لیے یہ نظیر قائم کر دی کہ قتل کے مقدمہ میں جب تک موقع کی (معتبر) شہادت موجود نہ ہو، شک کی بناء پر کسی سے قِصاص نہیں لیا جا سکتا اور جب تک مدعی قسم اٹھا کر کسی فرد یا جماعت کو قاتل قرار نہ دیں کسی کو بغیر تحقیق کے قتل کے جرم میں نہیں پکڑا جا سکتا۔ یہ واقعہ صحابۂ کرامؓ کے بلند کردار کی بھی ایک مثال ہے کہ سخت غم زدہ ہونے اور یہودیوں کے قاتل ہونے کا یقین ہونے کے باوجود قسم اٹھانے پر تیار نہ ہوئے کیونکہ وہ موقعِ واردات پر موجود نہیں تھے۔

معاہدۂ صُلح سے خواتین کا اِستثناء:

صلح حدیبیہ کے کچھ عرصہ بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا حدیبیہ کے معاہدۂ صُلح کا اِطلاق اُن مسلمان خواتین پر بھی ہوتا ہے جو مکّے سے مدینہ منورہ مسلمانوں کے پاس آ جائیں اور کیا مسلمان ان کو بھی واپس بھیجنے کے پابند ہیں۔ مسلمانوں کا موقف یہ تھا کہ معاہدے کی اس شق کا اطلاق خواتین پر نہیں ہوتا مگر مشرکینِ مکّہ کا اصرار تھا کہ خواتین پر بھی اِس معاہدے کی متعلقہ شِق کا اطلاق ہوتا ہے۔ آخر اس قضیّے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے (سورۃ المُمتَحِنہ نازل فرما کر) مسلمانوں کے حق میں کر دیا اور مؤمنات مہاجرات (مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آنے والی مسلمان خواتین) حدیبیہ کے معاہدۂ صلح سے واضح طور پر مستثنیٰ ہو گئیں۔ اس سلسلے میں حضرت اُمِ کلثومؓ بنتِ عُقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ بہت مشہور ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت اُمِ کلثومؓ کا والد عُقبہ بن ابی مُعَیط (مقتولِ بَدر) اسلام کا بدترین دشمن تھا لیکن اس کی اہلیہ اروٰیؓ بنتِ کُریز اور بیٹی اُمِ کلثومؓ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت پاکیزہ فطرت سے نوازا تھا انہوں نے سخت نامساعد حالات میں اسلام قبول کرلیا اور عقبہ کی مخالفت کی کچھ پروا نہ کی۔

رسولِ اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابۂ کرامؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت اُمِ کلثومؓ کا دل بھی ہجرت کے لیے تڑپ اٹھا لیکن ابھی وہ نا کتخدا تھیں، باپ اور بھائی کڑی نگرانی رکھتے تھے اس لیے انہیں مدت تک ہجرت کا موقع نہ مل سکا۔ باپ عُقبہ بن ابی مُعَیط غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عاصمؓ بن ثابت بن ابی الافلح انصاری کے ہاتھ سے جہنم واصل ہوا تو بھائیوں نے اُن کی نگرانی اور سخت کر دی۔ وہ وقتاً فوقتاً سرورِ عالم ﷺ اور دینِ حق کے خلاف زبان درازی کرتے رہتے تھے۔ حضرت اُمِ کلثومؓ ان کی باتیں سنتیں اور دل مسوس کر رہ جاتیں۔ عورت ذات تھیں اور تو کچھ نہ کرسکتی تھیں بس ہر وقت یہ دعا کرتی رہتی تھیں کہ خداوندِ کریم انہیں اِس ناپاک ماحول سے نجات دے اور وہ اڑ کر اپنے آقا و مولاؐ کے قدموں میں جا پہنچیں۔ اتفاق سے صلح حدیبیہ کے کچھ عرصہ بعد انہیں گھر سے نکلنے کا موقع مل گیا وہ بنی خُزاعہ کے ایک شریف النفس آدمی کے ساتھ پاپیادہ ہی مدینہ کی طرف چل دیں اور دن رات سفر کرتے ہوئے سرورِ عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔ جب گھر والوں کو اُن کے فرار کا علم ہوا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ ان کے دو بھائیوں ولید بن عُقبہ اور عمارہ بن عُقبہ کو سخت غصہ آیا اور وہ اپنی بہن کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ خوش قسمتی سے حضرت اُمِ کلثومؓ انہیں راستہ میں نہ مل سکیں۔ دونوں بھائی سیدھے مدینہ پہنچے اور حضور ﷺ کے پاس جا کر آپؐ سے مطالبہ کیا کہ صُلحنامۂ حدیبیہ کی اس شرط کو پورا کیجیے کہ قریش کا کوئی آدمی مدینہ آئے گا تو واپس کردیا جائے گا۔

اُدھر حضرت اُمِ کلثومؓ نے فریاد کی کہ "یا رسول اللہ! مجھے اپنے در سے نہ دھتکاریے۔ میں ایک کمزور عورت ہوں اور مشرکین میں واپس جا کر میرا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا۔" فی الحقیقت معاہدے میں عورتوں کا کوئی ذکر نہ تھا اور یہ کافروں کی کٹ حجتی تھی کہ وہ اس معاہدے کو عورتوں پر بھی لاگو کرنے کا مطالبہ کررہے تھے۔ اسوقت بارگاہِ الٰہی سے یہ حکم نازل ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ

(الممتحنہ۔۱۰)

ترجمہ: "اے مومنو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو اُن کو جانچ لو اللہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ ایمان پر ہیں تو ان کو کافروں کے حوالے نہ کرو۔"

اس حکمِ خداوندی کے مطابق حضور ﷺ نے حضرت اُمِ کلثومؓ کو واپس کرنے سے انکار کر دیا اور اُن کے بھائی بے نیلِ مرام مکّہ کو لوٹ گئے۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت اروٰیؓ بنتِ کُرَیز بھی مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئیں۔ یہ اروٰیؓ آنحضور ﷺ کی حقیقی پھوپھی اُمِ حکیم بیضا بنتِ عَبدُ المُطّلِب کی بیٹی تھی۔ اس نسبت سے وہ حضور ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ان کا پہلا نکاح عَفّان بن ابی العاص سے ہوا تھا۔ ان سے اروٰی کے بیٹے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ عَفّان کی وفات کے بعد ان کا نکاح عُقبہ بن ابی مُعَیط سے ہوا۔ اُمِ کلثوم اسی کی صُلب سے تھیں۔ اس نسبت سے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہُ، حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے اخیافی بھائی تھے۔

سورۃُ المتحنہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ فیصلہ بھی کر دیا کہ کوئی مسلمان عورت کسی کافر کے نکاح میں نہیں رہ سکتی اور کوئی مشرک عورت کسی مسلمان کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ ذات الرِّقاع (۷ھ ہجری)

بعض روایتوں میں اس غزوے کا نام غزوۂ نجد، غزوۂ بنی محارب اور غزوۂ بنی ثعلبہ بھی آیا ہے۔ اس غزوے کے زمانۂ وقوع کے بارے میں اربابِ سیر میں سخت اختلاف ہے۔ مختلف روایتوں میں اس کا سالِ وقوع ۴۔۵۔۶ اور ۷ ہجری بیان کیا گیا ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق یہ غزوہ ۷ھ ہجری میں پیش آیا۔ ہمارے اس موقف کی بنیاد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی وہ روایات ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ غزوہ فتح خیبر کے بعد پیش آیا اور غزوۂ خیبر کے سالِ وقوع ۷ھ ہجری پر سب کا اتفاق ہے البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ غزوہ ۷ھ ہجری کے کس مہینے میں پیش آیا۔ بہت سے اربابِ سیر نے اس کا وقوع محرّم کے مہینے میں اور بعض نے جمادی الاولیٰ میں بیان کیا ہے۔ اس لیے غزوۂ ذات الرِّقاع کے بارے میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ۷ھ ہجری میں غزوۂ خیبر کے جلد ہی بعد کسی وقت پیش آیا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس غزوے میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما شریک تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر کے اختتام سے کچھ ہی پہلے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے (یہ خدمتِ نبویؐ میں ان کی پہلی حاضری تھی) اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہٗ اس وقت آنحضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب خیبر فتح ہو چکا تھا۔

کُتبِ سیر و مغازی میں اس غزوے کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں، اُن کا خلاصہ یہ ہے:

رسولِ اکرمﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو غطفان کچھ اور قبیلوں (بنو محارب، بنو ثعلبہ اور بنوانمار) کو اپنے ساتھ ملا کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپؐ نے باختلاف روایت حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ یا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہٗ کو اپنا نائب بنا کر مدینہ میں چھوڑا اور چار سَو (بروایتِ دیگر سات سَو) صحابہؓ کو ساتھ لے کر آپؐ سرکش قبائل کی سرکوبی کے لیے نجد کی طرف روانہ ہوئے۔

مدینہ سے دو دن کے فاصلے پر آپؐ نے بنو غطفان کے علاقے میں ایک ایسے میدان میں پڑاؤ ڈالا جس کے اردگرد سیاہ سفید اور سُرخ رنگ کی پہاڑیاں تھیں۔ اسلامی لشکر کی آمد کی خبر سن کر بنو غطفان اور دوسرے قبائل منتشر ہوگئے اور کوئی لڑائی پیش نہ آئی۔ البتہ آپؐ نے اس موقع پر صلوٰۃِ خوف (حالتِ جنگ والی نماز) پڑھائی۔ صحیح بخاری میں اس نماز کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے کہ نماز کی اقامت کہی گئی اور اسلامی لشکر دو جماعتوں میں تقسیم ہوگیا۔ حضورﷺ نے ایک جماعت کو دو رکعت نماز پڑھائی جبکہ دوسری جماعت ہتھیار سنبھالے دشمن کے امکانی حملے کے مقابلے کے لیے کھڑی رہی۔ پھر پہلی جماعت پیچھے چلی گئی اور آپؐ نے دوسری جماعت کو دو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکعت نماز پڑھائی بروایتِ دیگر آپؐ نے دونوں جماعتوں کو ایک ایک رکعت نماز پڑھائی اور ایک ایک رکعت دونوں جماعتوں نے الگ الگ پڑھی۔ ذات الرِّقاع کے سفر میں مسلمانوں کو سخت مشکلوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ راستہ پتھریلا اور دشوار گزار تھا اور اس میں جگہ جگہ خاردار جھاڑیاں اور درخت تھے۔ ایسے راستے میں بیشتر مجاہدین پاپیادہ چلنے پر مجبور تھے کیونکہ لشکر میں سواری کے جانور بہت کم تھے۔ چھ چھ آدمیوں کے پاس ایک ایک اونٹ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے اس طرح اُن کے پاؤں زخمی ہوگئے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہُ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیّت میں (غزوہ کے لیے) نکلے۔ ہم چھ آدمیوں کے پاس ایک ہی اونٹ تھا جس پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ اس سے ہمارے پاؤں چھلنی ہوگئے۔ میرے دونوں پاؤں زخمی ہوگئے یہاں تک کہ ناخن جھڑنے لگے۔ چنانچہ ہم لوگ اپنے پاؤں پر کپڑے کی دھجیاں (چیتھڑے) لپیٹے رہتے تھے۔ اسی لیے اس غزوے کا نام ذات الرِّقاع (چیتھڑوں والا) پڑ گیا۔[1]

(صحیح بخاری جلد۲ ص۵۹۲، صحیح مسلم جلد۲ ص۱۱۸ غزوہ ذات الرِّقاع)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ (جو رسولِ اکرم ﷺ کی معیّت میں پہلی بار کسی غزوے میں شریک ہوئے) کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ نجد میں صلوٰۃ خوف پڑھی۔ (صحیح بخاری جلد۲ ص۲۹۳)

چاہ کُن را چاہ درپیش:

صلحنامۂ حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ قریشِ مکّہ کا کوئی آدمی (اگرچہ اس نے اسلام قبول کرلیا ہو) اُن کے پاس سے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلا جائے گا تو آپؐ اُسے قریش کے پاس واپس بھیج دیں گے لیکن مسلمانوں کا کوئی آدمی اُن کے پاس سے بھاگ کر قریش کے پاس چلا جائے گا تو قریش اُسے مسلمانوں کے پاس واپس نہیں بھیجیں گے۔

بظاہر یہ شرط مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھی اور مشرکینِ قُریش اسے منوا کر بہت خوش تھے۔ فی الحقیقت وہ اسے اپنی بہت بڑی کامیابی سمجھ رہے تھے لیکن تدبیر کُند بندہ...... تقدیر زند خندہ۔ حالات کچھ ایسی صورت اختیار کرگئے کہ قریشِ مکّہ رسولِ اکرم ﷺ سے اس شرط کی تنسیخ

---

[1] پروفیسر ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ مرحوم نے لکھا ہے کہ:

"ذات الرِّقاع کے لفظی معنی ہیں دھجیوں اور ٹکڑوں والی۔ اس سے مراد غطفان کا وہ میدان ہے جس کے گرد رنگ برنگ کی پہاڑیاں تھیں اور جن کی وجہ سے یہ مہم ذات الرِّقاع (کے نام سے) مشہور ہوگئی۔" (نقوش لاہور رسول نمبر ج۴ ص۱۰۱ حاشیہ ۱۰۷)

یہ درست ہے کہ بعض سیرت نگاروں نے "ذات الرِّقاع" نام کی یہی توجیہ کی ہے لیکن ہم نے اس پر صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے۔ قریشِ مکّہ کیوں اس طرح مجبور ہوئے؟ یہ بڑی دلچسپ داستان ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ طائف کے بنو ثقیف کے ایک فرزند ابو بَصیر عُتبہ بن اُسید نے قریش کے خاندان بنو زُہرہ سے حلیفانہ تعلق قائم کر کے مکّہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرصہ سے اہلِ مکّہ کو دعوتِ توحید دے رہے تھے۔ ابو بَصیر نے اس دعوت کی آواز کانوں میں پڑتے ہی اسے قبول کر لیا۔ مشرکینِ مکّہ کے نزدیک یہ ایک ناقابلِ معافی جُرم تھا۔ جو شخص اسلام قبول کرتا وہ اُن کے قہر وغضب کا نشانہ بن جاتا۔ اُن کو ابو بَصیر عُتبہ کے قبولِ اسلام کا علم ہوا تو انہوں نے ابو بَصیرؓ کو قیدِ محن میں ڈال دیا جہاں وہ کئی سال تک مصائب و آلام کی چکی میں پستے رہے۔

۶ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو ابوبَصیرؓ ایک دن موقع پا کر کفّار کی قید سے بھاگ نکلے اور چھپتے چھپاتے مدینہ منورہ پہنچ کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جا حاضر ہوئے۔ مشرکینِ مکّہ حضرت ابو بَصیرؓ کے فرار سے بہت سیخ پا ہوئے جب انہوں نے سنا کہ وہ مدینہ پہنچ گئے ہیں تو فوراً دو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجے کہ آپ معاہدہ کے مطابق ہمارا آدمی واپس کر دیں۔

حضرت ابو بَصیر کو مکّہ واپس بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ پھر مشرکین کے پنجۂ ستم میں گرفتار ہو جائیں لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عہد و پیمان کی پابندی کو ایمان کا حصہ قرار دیتے تھے اس لیے آپؐ نے حضرت ابو بَصیرؓ سے فرمایا۔

> ”ابو بَصیر تمہیں معلوم ہے کہ صلحنامہ کی شرط کے مطابق میں تمہیں اپنے پاس نہیں روک سکتا۔ اگر روکوں تو یہ عہد شکنی ہو گی جو ہمارے دین میں جائز نہیں اس لیے اس وقت تم واپس جاؤ۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کی رہائی کی کوئی صورت پیدا کر دے گا۔“

حضرت ابو بَصیرؓ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! آپ مجھے پھر مشرکین کے پاس بھیجتے ہیں کہ وہ مجھے راہِ حق سے برگشتہ کر دیں۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ابو بَصیر جاؤ اللہ تعالیٰ جلد ہی تمہاری اور دوسرے مسلمانوں کی گلو خلاصی کا کوئی سامان کر دے گا۔“

حضرت ابو بَصیرؓ ارشادِ نبوی کی تعمیل میں قریش کے آدمیوں کے ساتھ چل پڑے۔ ذوالحُلَیفہ پہنچ کر ان کے دونوں نگران کھجوریں کھانے کے لیے ٹھہر گئے۔ حضرت ابو بَصیرؓ نے ان میں سے ایک سے کہا:۔

> ”جانِ برادر! تمہاری یہ تلوار بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔
> تلوار کا مالک اپنی تلوار کی تعریف سن کر بہت خوش ہوا اور کہا ”بیشک یہ تلوار بہت اچھی ہے، میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔“

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوبصیرؓ نے کہا "ذرا دکھانا تو۔"

اس نے جھٹ تلوار نیام سے کھینچی اور حضرت ابوبصیرؓ کے ہاتھ میں دے دی۔ ابوبصیرؓ حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں قریش کے آدمیوں کے ساتھ تو آ گئے تھے لیکن انہوں نے سالہا سال تک کفار کے پنجۂ ستم میں رہ کر جو سختیاں جھیلی تھیں اُن کے پیشِ نظر وہ کسی قیمت پر بھی اپنے آپ کو دوبارہ ان کے حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے چنانچہ تلوار ہاتھ میں آتے ہی انہوں نے اس کے مالک کا سر اڑا دیا۔ دوسرا خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلا اور مدینہ جا کر مسجدِ نبویؐ میں پہنچا جہاں سرورِ عالم ﷺ رونق افروز تھے۔ حضور ﷺ نے اس کو بدحواس دیکھ کر پوچھا "تم پریشان کیوں ہو اور واپس کیسے آ گئے؟" اس نے سارا واقعہ بیان کیا اتنے میں حضرت ابوبصیرؓ بھی بارگاہِ رسالت میں آ پہنچے۔ انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! آپ نے معاہدہ کی شرط پوری کر دی اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔ اللہ نے مجھے ہمت دی کہ میں آزاد ہو گیا۔"

قریش کے آدمی کو قتل کر کے حضرت ابوبصیرؓ کا اس طرح واپس آنا قریش کو مشتعل کرنے کا باعث ہو سکتا تھا اس لیے آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

"یہ شخص (ابوبصیرؓ) بھی جنگ کے شعلے بھڑکانے کا آلہ ہے اگر اس کو چند مددگار اور ساتھی مل جائیں۔"

حضرت ابوبصیرؓ نے سرورِ عالم ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سنے تو انہیں یقین ہو گیا کہ مدینہ میں میرا رہنا ممکن نہیں۔ چپکے سے وہاں سے کھسک گئے اور ساحلی مقامات کا رُخ کیا۔

حضرت ابوبصیر عتبہؓ نے ایک ساحلی مقام "عیص" کو اپنا مستقر بنا لیا۔ اس کے قریب ہی وہ راستہ تھا جس پر سے قریش کے تجارتی قافلے شام آتے جاتے تھے۔ چند دن بعد اسی طرح کے ایک اور ستم رسیدہ صحابی حضرت ابوجندلؓ بن سہیل بھی مشرکینِ مکہ کی قید سے فرار ہو کر عیص پہنچ گئے۔ اب دوسرے بلاکشانِ اسلام کے لیے بھی راستہ کھل گیا جسے موقع ملتا، قریشِ مکہ کے پنجۂ ستم سے بھاگ کر سیدھا عیص پہنچ جاتا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت ابوبصیر کے پاس ایسے مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد جمع ہو گئی۔ اب انہوں نے مشرکینِ مکہ سے انتقام لینے کی ایک عجیب تجویز سوچی۔ قریش کا کوئی تجارتی قافلہ ادھر سے گزرتا تو یہ لوگ اس پر حملہ کر کے تباہی مچا دیتے۔ مشرکینِ قریش حضرت ابوبصیرؓ کے ان چھاپوں سے سخت پریشان ہوئے کیونکہ ان کی تجارت معرضِ خطر میں پڑ گئی تھی۔ آخر انہوں نے عاجز آ کر رحمتِ عالم ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آئندہ جو مسلمان بھاگ جائے گا، وہ آزاد ہے آپ اسے واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔ ساتھ ہی انہوں نے صلۂ رحمی کا واسطہ دے کر آپ سے درخواست کی کہ عیص میں مقیم مسلمانوں کو روکیے کہ وہ ہمارے تجارتی قافلوں پر حملے نہ کریں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ نے قریش کی استدعا قبول فرمالی اور عیص میں مقیم آزاد مسلمانوں کو لکھ بھیجا کہ ابوبَصیر عتبہ اور ابوجندلؓ مدینہ آجائیں اور باقی لوگ منتشر ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ جب حضور ﷺ کا فرمانِ مبارک حضرت ابوبَصیرؓ کو ملا تو وہ اُسوقت بسترِ مرگ پر تھے اور زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔ فرمانِ نبویؐ ہاتھ میں لے کر پڑھنے لگے اور پڑھتے پڑھتے ہی اس کو سرآنکھوں پر رکھے ہوئے عالمِ بالا کو سدھار گئے۔

اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْن.

حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور عیص ہی میں سپردِ خاک کردیا۔ پھر اُن کے مرقد کے قریب ہی ایک مسجد یادگار کے طور پر تعمیر کرادی۔ اس کے بعد ابوجندلؓ تو مدینہ منورہ آگئے اور دوسرے مسلمان اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

(صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ زادالمعاد۔ سیرۃ ابن ہشام)

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبَصیرؓ نے مشرکینِ قریش کو زِچ کرنے کے لیے جو طرزِ عمل اختیار کیا، وہ اُن کا جذباتی فیصلہ تھا لیکن رحمتِ عالم ﷺ کے مکتوبِ مبارک سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ آپؐ نے انسانی نفسیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُن کی آزادانہ روش کو معاف فرما دیا تھا۔ اس لیے ان کو اپنے پاس مدینہ منورہ بلا بھیجا تھا۔ اگر اُن کی زندگی وفا کرتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ارشادِ نبوی کی تعمیل نہ کرتے اور بعد کے غزوات میں حضور ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل نہ کرتے۔

مشرکینِ قریش نے معاہدے کی جس شِق کو اپنی بڑی کامیابی سمجھا تھا وہی اُن کے لیے "چاہ کن را چاہ درپیش" کا مصداق ثابت ہوئی گویا وہ اپنے ہی کھودے ہوئے کنوئیں میں خود گر گئے یا اپنے ہی بچھائے ہوئے جال میں خود پھنس گئے۔ بلاشبہ ایسے ہی واقعات کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے صلحنامہ حدیبیہ کو مسلمانوں کی فتحِ مبین قرار دیا تھا۔

تُربہ کی مہم (شعبان ۷ ہجری):

شعبان ۷ ہجری میں رسولِ پاک ﷺ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ ہوازن کے کچھ لوگ تُربہ کے مقام پر جمع ہیں اور قبیلہ غطفان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ تربہ، مکّہ کے جنوب مغرب میں چالیس پچاس میل دور ایک پہاڑی مقام تھا۔ آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تیس سوار دے کر ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ طوفان کی طرح ان لوگوں کے سر پر جا پہنچے۔ دشمنوں کو مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑی اور وہ مسلمانوں کو دیکھتے ہی بھاگ گئے۔ (طبقات ابنِ سعد ج ا ص ۴۵۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سریۂ بنی کِلاب (شعبان ۷ھ ہجری):

شعبان ۷ھ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فوج کا ایک دستہ دے کر بنوکِلاب کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ یہ قبیلہ نجد میں آباد تھا اور بنومحارب و بنوانمار کو ساتھ ملا کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی سخت گوشمالی کی۔ ان کے کچھ آدمی مارے گئے اور کچھ مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے باقی اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ (تلقیح ص ۳۱، رحمۃ للعالمین جلد ۲)

سریۂ بنی مُرّہ (شعبان ۷ھ ہجری):

آنحضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ فدک کے نواح میں آباد بنومُرّہ مسلمانوں کے خلاف شرّ و فساد پر آمادہ ہیں۔ آپؐ نے حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کو تیس مجاہدین کے ہمراہ ان کی گوشمالی کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت بشیرؓ ان کے علاقے میں پہنچے تو وہ خفیف سی لڑائی کے بعد منتشر ہو گئے اور مسلمانوں نے ان کے بہت سے مویشیوں پر قبضہ کر لیا لیکن رات کو دشمن نے کثیر تعداد میں جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے جم کر مقابلہ کیا لیکن دشمن بہت زیادہ تھے اس لیے بہت سے مجاہدین شہید ہو گئے۔ حضرت بشیرؓ خود بھی سخت زخمی ہو گئے اور ان کے کچھ ساتھی انہیں اٹھا کر بڑی مشکل سے واپس آئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت بشیرؓ کے سارے ساتھی شہید ہو گئے اور خود انہوں نے سخت زخمی حالت میں فدک کے یہودیوں کے پاس پناہ لی (یہودیوں کی مسلمانوں کے ساتھ صلح تھی) جب اُن کے زخم مندمل ہو گئے تو وہ مدینہ واپس آئے۔

(طبقات ابنِ سعد ج ۱ ص ۳۶۰، الرّحیق المختوم اردو ص ۶۱۸)

سریہ، میفعہ (رمضان ۷ھ ہجری):

رمضان ۷ھ ہجری میں سرورِ عالم ﷺ کو اطلاع ملی کہ دو قبائل بنوعُوال اور بنوعبد بن ثعلبہ میفعہ کے مقام پر جمع ہوئے ہیں اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ میفعہ مدینے سے ۹۶ میل دور علاقہ نجد میں بطنِ نخل سے کچھ آگے نقرہ کی طرف ایک وادی کا نام تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت غالبؓ بن عبد اللہ کو ایک سو تیس سواروں کی معیت میں ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ شوریدہ سر قبیلوں نے مقابلہ کیا لیکن سخت شکست کھائی اور مسلمانوں کو اونٹوں اور بکریوں کی صورت میں بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ علامہ ابنِ سعدؒ اور ابنِ جوزی کا بیان ہے کہ مجاہدین میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل تھے۔ اثنائے جنگ میں وہ ایک شخص اُسامہ بن نہیک بن مرداس [1] کی طرف تلوار لے کر بڑھے تو اس نے بلند آواز سے کہا،

---

[1] امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے محدثین اور مؤرخین نے لکھا کہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا واقعہ ایک اور سریہ میں پیش آیا تھا جس کی قیادت خود حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کر رہے تھے۔ ہم نے اس سریہ کا بھی الگ ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ کس موقع پر پیش آیا؟ اس بارے میں تو بلاشبہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لا الٰہ اِلَّا اللہ۔ حضرت اسامہؓ سمجھے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے کلمۂ توحید پڑھ رہا ہے۔ انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ جب یہ مہم واپس آئی اور حضور ﷺ کو اس واقعہ کا پتا چلا تو آپؐ ناراض ہوئے اور حضرت اُسامہؓ سے فرمایا ہَلْ شَقَقْتَ قَلْبَہٗ (کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟) اس پر حضرت اُسامہ نے توبہ کی اور آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔

مہم حرقہ (حرقات) رمضان ۷ ہجری:

رمضان المبارک ۷ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ نے حِبُّ النبیؐ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ایک مہم کا امیر بنا کر حرقہ (حرقاتِ جہینہ) کی طرف بھیجا۔ اس مہم میں ناتجربہ کاری کے باعث اُن سے ایک غلطی سرزد ہوگئی جس پر وہ ہمیشہ متاسّف اور نادم رہے۔ صحیح بخاری میں خود اُن سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو حرقہ کی طرف بھیجا۔ صبح کو دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہوا تو وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں نے اور ایک انصاری نے ایک شخص کا پیچھا کیا جب وہ ہماری زد میں آ گیا تو کلمۂ شہادت پڑھنے لگا۔ اس پر میرے ساتھی نے ہاتھ روک لیا لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا۔ جب ہم مدینہ واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا، اُسامہ تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا حالانکہ وہ کلمۂ شہادت پڑھتا تھا۔ میں نے عرض کیا، یا رسولؐ اللہ! اس نے محض جان بچانے کے لیے ایسا کیا تھا۔ آپؐ نے میرا عذر قبول نہ فرمایا اور بار بار اپنا یہ ارشاد دہراتے رہے کہ تم نے ایک شخص کو کلمۂ شہادت پڑھنے کے باوجود قتل کر دیا۔ اس پر مجھ کو اس قدر ندامت ہوئی کہ دل میں کہنے لگا، کاش میں آج سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی)

صحیح مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت اُسامہؓ نے قتل کا یہ جواز پیش کیا کہ اُس شخص نے اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا، کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا، قیامت کے دن جب وہ کلمہ لے کر آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟ اس پر حضرت اسامہؓ نے سخت ندامت محسوس کی۔

بعض اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ یہ واقعہ "سریۂ میفعہ" میں پیش آیا تھا جو حضرت غالبؓ بن عبداللہ لیثی کی قیادت میں بھیجا گیا تھا۔ اس کا ذکر ہم نے الگ کیا ہے۔

(تلقیح ابنِ جوزی، طبقات ابنِ سعد، الرّحیق المختوم)

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

اربابِ سِیَر میں اختلاف ہے لیکن اصل واقعہ کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ صحیحین میں اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ حضرت اُسامہؓ کی عمر اُس وقت صرف پندرہ برس کی تھی اور وہ پہلی مرتبہ جہاد کے میدان میں اُترے تھے۔ ان سے یہ لغزش محض ناتجربہ کاری کی وجہ سے ہوگئی۔ اس پر وہ ساری عمر متاسّف رہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سریۂ حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہٗ (شوّال ۷ھ ہجری):

شوّال ۷ھ ہجری میں حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ عیینہ بن حصن فزاری نے بنو غطفان کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ خیبر اور وادی القریٰ کے درمیان ایک مقام پر ڈیرہ ڈال رکھا ہے[1] اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ آپ ؐ نے حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہٗ کو تین سو مجاہدین کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اسلامی لشکر رات کو سفر کرتا اور دن میں چھپ رہتا۔ اس طرح وہ اچانک دشمن کے سر پر پہنچ گیا۔ دشمن حواس باختہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا البتہ اس کے چند اونٹ اور دو آدمی مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے۔ وہ انہیں لے کر مدینہ منورہ آئے تو دونوں قیدیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (طبقات ابن سعد ج ا ص ۴۶۱)

---

[1] طبقات ابنِ سعد میں اس مقام کا نام ''اِلجناب'' آیا ہے۔ لیکن الرحیق المختوم (اردو) میں اس جگہ کا نام یمن وجبار بیان کیا گیا ہے اور اسے بنو فزارہ اور بنو عذرہ کا ایک علاقہ بتایا گیا ہے۔ وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّواب
(الرحیق المختوم ص ۶۱۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عُمْرَۃُ الْقَضَاء (ذیقعدہ ۷ھ ہجری)

جیسا کہ پیچھے ذکر آچکا ہے، صلحنامہ حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ ہجری) میں قریش نے تسلیم کر لیا تھا کہ مسلمان اگلے سال (۷ھ ہجری میں) عمرہ کے لیے مکہ میں داخل ہوسکیں گے اور تین روز تک شہر میں قیام کرسکیں گے ان میں سے کسی شخص کے پاس تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہ ہوگا۔ چنانچہ جب ذیقعدہ ۷ھ ہجری کا چاند ہوگیا تو رسولِ اکرم ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو حکم دیا کہ عمرہ کی تیاری کریں اور کوئی بھی شخص جو حدیبیہ میں حاضر تھا پیچھے نہ رہ جائے۔ حضور ﷺ کے حکم کے مطابق وہ تمام اصحاب جو حدیبیہ میں آپؐ کے ہمراہ تھے (سوائے ان کے جو غزوۂ خیبر میں شہید ہوچکے تھے یا گزشتہ ایک سال میں فوت ہوگئے تھے) مکہ جانے کے لیے تیار ہوگئے۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ان کے ساتھ ہولیے یوں عمرہ کے لیے جانے والے قافلے کی تعداد دو ہزار تک پہنچ گئی جبکہ اصحابِ حدیبیہ کی تعداد چودہ سَو کے لگ بھگ تھی۔ عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے۔ قافلے میں دو سَو گھڑ سوار تھے اور ہَدی (قربانی) کے ساتھ (بروایتِ دیگر ستر) اونٹ بھی ساتھ تھے۔ حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق نیام میں پڑی ہوئی تلواروں کے علاوہ بنظرِ احتیاط دوسرے تمام ہتھیار (نیزے، تیر، زرہ، سپر، ڈھال وغیرہ) بھی ساتھ لے لیے گئے۔

مدینہ منورہ سے چلتے وقت آنحضور ﷺ نے باختلافِ روایت حضرت عویف بن اضبط دیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت ابورُہم غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا کر پیچھے چھوڑا۔

ذُوالْحُلَیْفَہ پہنچ کر رسولِ اکرم ﷺ اور آپؐ کے ہم رکاب صحابۂ کرامؓ نے عمرہ کا احرام باندھا اور تلبیہ پڑھتے ہوئے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مکہ سے چند میل کے فاصلے پر بطنِ یاجج میں پہنچے تو میانوں میں پڑی ہوئی تلواروں کے سوا باقی سب ہتھیار وہیں رکھ دیے گئے اور حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دوسَو اصحاب ان کی حفاظت کے لیے مامور کردیے گئے۔ خیال یہ تھا کہ جب دوسرے مسلمانوں نے امن وامان کی فضا میں عمرہ ادا کرلیا اور کسی طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ڈالی گئی تو ان میں سے کچھ آدمی بطنِ یاجج آجائیں گے اور حضرت اوسؓ بن خولی اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ معظمہ آکر عمرہ کرلیں گے۔

یہ مقدس قافلہ جب مکہ معظمہ کے قریب پہنچا تو مشرکینِ قریش اپنے گھروں سے نکل کر حرمِ کعبہ کے شمال میں واقع جَبَلِ قُعَیْقِعَان پر جا بیٹھے۔ مسلمانوں نے بڑے جوش وخروش اور دلی خوشی کے ساتھ عمرہ ادا کیا اور اپنے سر کے بال منڈوائے یا ترشوائے پھر قربانی کے جانور مروہ کے پاس ذبح کردیے۔ مسلمان تین دن مکہ میں مقیم رہے اس دوران میں عمرہ ادا کرلینے والے دو سَو اصحاب کو بطنِ یاجج بھیج دیا گیا تاکہ وہ ہتھیاروں کی حفاظت کریں اور اوسؓ بن خولی کو ان کے ساتھیوں سمیت مکہ بھیج دیں تاکہ وہ بھی عمرہ ادا کرلیں۔ چنانچہ ان دوسَو اصحاب نے بھی مکہ آکر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمرہ کی سعادت حاصل کر لی۔

چوتھے دن مشرکین کے چند نمائندوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا کہ اپنے صاحب سے کہو کہ اب مکہ سے رخصت ہو جائیں کیونکہ شرط کے مطابق مسلمانوں نے تین دن یہاں قیام کر لیا ہے۔ اہلِ حق سے بڑھ کر عہد پورا کرنے والا کون ہوسکتا تھا، وہ پہلے ہی کوچ کی تیاری کر رہے تھے چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ سب مسلمانوں کو ساتھ لے کر عازمِ مدینہ ہو گئے۔ چونکہ یہ عمرہ صلحنامۂ حدیبیہ کے مطابق کیا گیا تھا اور ایسی صلح یا مصالحت کو عربی زبان میں قضاء یا مقاضاۃ کہا جاتا ہے اس لیے اس کو عمرۃ القضاء کہتے ہیں۔ بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ عمرہ چونکہ پچھلے سال کے عمرے کی قضا کے طور پر ادا کیا گیا اس لیے عمرۃ القضاء مشہور ہو گیا۔

اس عمرے کو عمرۃ القضاء کے علاوہ عمرۂ صلح، عمرۂ قضیہ اور عمرۂ قِصاص بھی کہا جاتا ہے۔
(زاد المعاد ج ۲ ص ۱۵۱، فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۰)

ایک عجیب تنازع (تنازعہ):

عمرۃ القضاء کے بعد رسولِ اکرم ﷺ مکہ سے روانہ ہوئے۔ تو ایک عجیب اثر میں ڈوبا ہوا منظر سامنے آیا۔ حضرت حمزہؓ شہیدِ اُحد کی یتیم بچی اُمامہؓ (جو اپنی والدہ سلمیٰؓ بنتِ عمیس کے ساتھ مکہ میں مقیم تھیں) یا عمی یا عمی (میرے چچا میرے چچا) اور بروایتِ دیگر یا اخی یا اخی (میرے بھائی میرے بھائی) کہتی ہوئی حضور ﷺ کی طرف دوڑیں (حضرت حمزہؓ حضور ﷺ کے چچا بھی تھے اور رضاعی و خالہ زاد بھائی بھی، اس اعتبار سے اُمامہؓ آپؐ کی بنتِ عمؐ بھی تھیں اور بھتیجی بھی) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اٹھا لیا اور لا کر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا کہ یہ تمہاری بنتِ عم ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت زیدؓ بن حارثہ نے بھی اپنے الگ الگ دعوے حضور ﷺ کے سامنے پیش کیے۔ حضرت جعفرؓ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی حقیقی خالہ اسماءؓ بنتِ عمیس میری اہلیہ ہے۔ حضرت زیدؓ کہتے تھے کہ حمزہ میرے دینی (مواخاتی) بھائی تھے اس لیے اس کی پرورش اور تربیت میرے ذمہ ہے۔ اللہ اللہ یہ ناز اور محبت کا جھگڑا اُس معاشرے میں ہو رہا تھا جس میں اسلام سے پہلے بچیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فیصلہ صادر فرمایا کہ اُمامہؓ کی سرپرستی کے حقدار جعفرؓ ہیں کیونکہ ان کے گھر اُمامہ کی خالہ ہیں اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت جعفرؓ اُمامہؓ کو اپنے گھر لے آئے اور اپنی اہلیہ (اُمامہؓ کی خالہ) کے سپرد کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن عاص کا قبولِ اسلام

۷ ہجری کے اہم واقعات میں ایک اہم واقعہ حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن عاص کا دائرہ اسلام میں آنا ہے۔ یہ دونوں اصحاب مشرکینِ مکّہ میں خاص مقام رکھتے تھے۔ حضرت خالدؓ قریش کے چوٹی کے بہادروں اور زیرک لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمروؓ بن عاص کا شمار بھی قریش کے دلاوروں اور اصحابِ تدبیر و سیاست میں ہوتا تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد ان دونوں بزرگوں نے جو شاندار کارنامے انجام دیے ہماری تاریخ ان کی تابناکی سے تا ابَد جگمگاتی رہے گی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس اہم واقعہ کی تفصیل یہاں بیان کر دیں:

پیچھے ذکر آچکا ہے کہ جب رسولِ اکرم ﷺ عمرۃ القضاء کے لیے مکّہ میں داخل ہوئے تو مکّہ کے بیشتر لوگ شہر سے باہر نکل گئے۔ ان میں حضرت خالدؓ بن ولید بھی شامل تھے۔ مکّہ کے سہ روزہ قیام کے دوران میں آنحضور ﷺ نے حضرت خالدؓ کے حقیقی بھائی ولیدؓ بن ولید سے (جو بڑے مخلص مسلمان تھے) فرمایا:

"افسوس خالد میرے پاس نہیں آیا۔ اگر وہ آتا تو ہم اُس کا پُر تپاک خیر مقدم کرتے۔ خالد جیسے زیرک آدمی کو تو اسلام سے دور نہیں رہنا چاہئے۔"

ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ نے حضرت خالدؓ کے قبولِ اسلام کے لیے دعا بھی فرمائی۔

حضرت ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھائی کے سچے خیر خواہ تھے انہوں نے مدینہ واپس جا کر حضرت خالدؓ کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا:

"بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ مجھے حیرت ہے کہ تم اسلام کے اس قدر خلاف کیوں ہو حالانکہ تم جیسا دانا اور فہیم شخص اسلام کی حقانیت سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تمہارے بارے میں دریافت کیا کہ خالد کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! خالد کو اللہ ہی لائے تو لائے۔ آپؐ نے فرمایا، خالد جیسا (زیرک) آدمی اسلام کی حقیقت سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفار سے نبرد آزما ہوتا تو یہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہوتا، اے بھائی! تم بہت عرصہ تک گمراہ رہ چکے ہو۔ اب حق کو پہچانو اور اسلام کا دامن تھام لو۔"

اس خط نے حضرت خالدؓ کو اسلام کی طرف مائل کر دیا اور وہ چند دن کے بعد آستانہ رسالت پر حاضر ہو کر مشرّف بہ ایمان ہو گئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے خود اپنے قبولِ اسلام کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرگزشت اس طرح بیان کی ہے:۔

”ولید کے خط نے میرے دل پر پڑے ہوئے ظلمت کے پردے چاک کر دیے اور میں اسلام کی طرف راغب ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے میرے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اس نے مجھے بے حد مسرور کیا اور میں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ میں نے انہی ایام میں ایک خواب دیکھا کہ میں ایک تنگ اور ویران جگہ سے نکل کر ایک وسیع شاداب اور پُر بہار میدان میں آ گیا ہوں...... (یہ خواب دیکھنے کے بعد) جب میں مدینہ جانے کے لیے بالکل تیار ہوگیا تو پہلے صفوان بن امیہؓ اور عِکرمہ بن ابی جہل سے ملا اور ان سے کہا کہ محمد (ﷺ) کو عرب اور عجم پر غلبہ حاصل ہو رہا ہے اگر ہم بھی اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیں تو جو مرتبہ اور مقام ان کو ملنے والا ہے ہم بھی اس میں حصہ دار بن جائیں گے۔ ان دونوں نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر میں اپنے دوست عثمان بن طلحہ سے ملا اور اس سے کہا، عثمان! ہمارا حال اس لومڑی کی طرح ہے جو اپنے بھٹ میں چھپی بیٹھی ہے اگر اس بھٹ میں پانی چھوڑ دیا جائے تو وہ بھٹ سے نکلنے پر مجبور ہو جاتی ہے ہمیں نظر آ رہا ہے کہ مسلمان ہم پر غالب آ جائیں گے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ یہ وقت آنے سے پہلے ہم حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں۔

میں نے یہ باتیں عثمان سے بڑے تذبذب کے بعد کہی تھیں کیونکہ اس کا باپ اور چار بھائی جنگِ اُحد میں مارے جا چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی صفوان اور عِکرمہ کی طرح میری بات نہیں مانے گا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب عثمان نے بلا تامّل میری تجویز مان لی۔ اگلے دن ہم دونوں علی الصّباح عازمِ مدینہ ہوگئے۔ ہدہ کے مقام پر ہماری ملاقات عمرو بن العاص سے ہوئی جو حبشہ سے آ رہے تھے انہوں نے مجھ سے کہا، ابوسلیمان کدھر کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا، خدا کی قسم خوب پانسہ پڑا، مجھے یقین ہوگیا ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور میں اسلام قبول کرنے کے لیے ان کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ عمرو بن العاص نے کہا، میں بھی یہی ارادہ کرکے مدینہ جا رہا ہوں چنانچہ ہم اکٹھے مدینہ پہنچے، رسول اللہ ﷺ کو ہمارے آنے کی خبر ہوئی تو آپ بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں سے فرمایا، مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہارے سامنے ڈال دیے ہیں۔ میں نے نئے کپڑے پہنے اور کاشانۂ رسالت کی طرف روانہ ہوا راستے میں مجھ کو میرا بھائی (ولید) ملا اس نے کہا، جلدی چلو رسول اللہ ﷺ تمہارے آنے سے بہت خوش ہیں اور تمہارا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتظار فرما رہے ہیں۔ چنانچہ ہم سب عجلت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ہمیں دیکھا تو متبسم ہوگئے میں نے قریب پہنچ کر سلام کیا آپؐ نے بڑی گرمجوشی سے جواب دیا۔ میں نے عرض کیا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں ہدایت نصیب کی۔ مجھے یہی امید تھی کہ تمہاری فراست ایک دن ضرور تمہیں سیدھا راستہ دکھائے گی۔

میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! مجھ سے کئی بار آپ کے خلاف لڑنے کا گناہ سرزد ہو چکا ہے آپ اللہ سے میرے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا، اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں کو کالعدم کر دیتا ہے میں نے (حیرت سے) کہا، واقعی یا رسولَ اللہ؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں۔ اس کے بعد آپؐ نے دعا کی، الٰہی! خالد سے ماضی میں تیرے دین کی مخالفت کرنے میں جو لغزشیں سرزد ہوئیں ان کو معاف فرما۔

میرے بعد عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے قبولِ اسلام کے بعد مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی اس طرح انہیں ہجرت کا شرف بھی حاصل ہوگیا۔ یہ واقعہ فتح مکّہ سے چھ ماہ پہلے کا ہے۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ جب میں شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو چکا تو حضور ﷺ نے سکونت کے لیے مجھے ایک مکان عنایت فرمایا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:۔

> "جب ہم لوگ غزوۂ احزاب سے واپس (مکّہ) آئے تو میں نے اپنے تمام زیرِ اثر لوگوں کو بلا بھیجا جب وہ آ گئے تو میں نے ان سے کہا، خدا کی قسم تم لوگ باور کرلو کہ محمد (ﷺ) کی بات تمام باتوں پر سربلند ہوگی؛ اس میں کسی تذبذب اور شک کی گنجائش نہیں میری ایک رائے ہے معلوم نہیں تم اس کو کیسا سمجھتے ہو۔ انہوں نے پوچھا کیا رائے ہے؟ میں نے کہا، میرا خیال ہے کہ ہم لوگ نجاشی کے پاس حبش جا کر مقیم ہو جائیں اگر محمد (ﷺ) ہماری قوم پر غالب آ گئے تو ہم لوگ وہیں نجاشی کے پاس ٹھہر جائیں گے کیونکہ نجاشی کے پاس رہنا محمد (ﷺ) کے ماتحت ہو کر رہنے سے بہتر ہے اور اگر ہماری قوم محمد (ﷺ) پر غالب آ گئی تو ہمارے ساتھ اس کا برتاؤ اچھا ہی ہوگا کیونکہ ہم معزّز لوگ ہیں۔"

میری رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ پھر باہمی مشورہ سے طے پایا کہ ہم اپنے ساتھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں کی بہترین سوغات چمڑا لے جائیں اور اسے نجاشی کی خدمت میں پیش کریں۔ اس سے وہ خوش ہو جائے گا۔ چنانچہ ہم بہت سا چمڑا لے کر حبشہ پہنچے۔ ابھی ہم حبشہ ہی میں تھے کہ عمروؓ بن اُمیہ ضمری بھی وہاں پہنچ گئے۔ انہیں رسول اللہ ﷺ نے کسی ضرورت سے بادشاہ کے پاس بھیجا تھا۔ ہمیں ان کی آمد کا حال معلوم ہوا تو ہم نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے حسبِ معمول اس کو سجدہ کیا۔ اس نے مجھے خوش آمدید کہا اور پوچھا، کیا اپنے ملک کا کوئی تحفہ لائے؟ میں نے کہا، حضور! بہت سا چمڑا تحفہ میں لایا ہوں۔ یہ کہہ کر جو چمڑا ہم ساتھ لے کر گئے تھے اس کو پیش کیا۔ اس نے بہت پسند کیا۔ پھر میں نے عرض کیا "جہاں پناہ! آپ کے پاس ہمارے دشمن کا بھیجا ہوا ایک آدمی آیا ہے جسے ہم نے دربار سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے، آپ اسے قتل کے لیے ہمارے حوالے کر دیں، اس نے ہمارے بہت سے اشراف و اکابر کو تکلیفیں پہنچائی ہیں"۔ میری بات سن کر نجاشی بہت غضبناک ہوا اور اپنا ہاتھ کھینچ کر اس زور سے اپنی ناک پر مارا کہ میں سمجھا ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ (بادشاہ کا ردِّعمل دیکھ کر) میں اس قدر نادم ہوا کہ زمین میں سما جانا چاہتا تھا۔ پھر میں نے عرض کیا، اے شاہِ عالی جاہ! اگر میں یہ جانتا کہ میری بات آپ کو ناگوار گزرے گی تو میں یہ ہرگز منہ سے نہ نکالتا۔

بادشاہ نے کہا، تم ایک ایسے شخص کو مجھ سے قتل کرنے کے لیے مانگتے ہو جو اس ہستی کا قاصد ہے جس کے پاس ناموسِ اکبر آتا ہے، وہی ناموسِ اکبر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔

میں نے عرض کیا، عالی جاہا! کیا واقعی وہ ایسا ہے؟

بادشاہ نے کہا، عمرو، تم پر افسوس ہے، میری مانو تو اس کی پیروی اختیار کر لو خدا کی قسم وہ حق پر ہے اور وہ اسی طرح اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئے گا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آئے تھے۔ میں نے کہا، تو پھر آپ محمد (ﷺ) کی طرف سے مجھ سے اسلام کی بیعت لے لیجیے۔ چنانچہ نجاشی نے ہاتھ بڑھا دیا اور میں نے اسلام کی بیعت کر لی۔ یہاں سے جب میں اپنے ساتھیوں کے پاس واپس گیا تو میرے خیالات میں یکسر انقلاب آچکا تھا لیکن میں نے ان پر اس کا اظہار نہیں کیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر (باقاعدہ) قبولِ اسلام کے لیے عازمِ مدینہ ہوا۔ راستے میں خالدؓ بن ولید مل گئے وہ مکہ سے آرہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا، اے ابا سلیمان! (حضرت خالدؓ کی کنیت) کہاں کا قصد ہے؟ خالد نے جواب دیا، واللہ! خوب پانسہ پڑا، یہ صاحب (آنحضور) یقیناً نبی ہیں اس لیے میں اسلام قبول کرنے جا رہا ہوں۔ آخر ہم کب تک کفر کی ظلمت میں بھٹکتے رہیں گے۔ میں نے کہا، واللہ! میں بھی اسی ارادہ سے جا رہا ہوں چنانچہ ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے خالد نے آپ کی بیعت کی پھر میں نے قریب ہو کر عرض کیا، یا رسولَ اللہ! میں آپ کی بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں لیکن میرے پچھلے گناہ معاف فرما دیجیے آپ نے فرمایا،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمرو! بیعت کرلو، اسلام پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ ہجرت بھی ماقبل کے گناہوں کو منقطع کر دیتی ہے۔ آپ کا ارشاد سن کر میں مطمئن ہو گیا فوراً آپ ﷺ کی بیعت کی اور مکّہ چلا گیا۔ چند دن کے بعد مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گیا۔ (مسندِ احمد۔ مستدرک حاکم)

حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضرت خالدؓ اور حضرت عمروؓ بن عاص کے ساتھ اسلام قبول کیا، وہ کعبہ شریف کے کلید بردار تھے۔ اور ان کا شمار بھی قریش کے اکابر میں ہوتا تھا۔

سریۂ اخرمؓ بن ابی العوجاء (ذوالحجہ ۷ھ ہجری):

ذوالحجہ ۷ھ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت اخرم بن ابی العوجاء سُلمی کو پچاس مجاہدین کا قائد بنا کر بنوسُلیم کی طرف بھیجا۔ اس مہم کا مقصد کیا تھا؟ اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بنوسُلیم کی ایک جمعیت مسلمانوں کے خلاف جنگ چھیڑنے کا منصوبہ بنا رہی تھی دوسری یہ کہ آپ ﷺ نے یہ دستہ بنوسُلیم کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے روانہ کیا۔ جب یہ دستہ بنوسُلیم کے علاقے میں پہنچا تو کفّار نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مسلمانوں نے بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا لیکن ان پر اتنا شدید دباؤ تھا کہ بیشتر مجاہدین شہید ہو گئے اور امیرِ لشکر حضرت اخرمؓ بن ابی العوجاء زخمی ہو گئے اس کے باوجود مسلمانوں نے دشمن کے دو آدمی گرفتار کر لیے اور حضرت اخرمؓ کو ساتھ لے کر واپس مدینہ منورہ آئے۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت اخرمؓ کے سوا دستے کے سارے مجاہد شہید ہو گئے اور حضرت اخرمؓ زخمی حالت میں بڑی مصیبت اور مشقت برداشت کر کے یکم صفر ۸ھ ہجری کو مدینہ منورہ پہنچے۔ واللہ اعلم

(طبقات ابنِ سعد ج ۱ ص ۴۶۵، بذل القوۃ سرایا، ۷ھ ہجری، محمد رسول اللہ از شیخ محمد رضا ص ۵۵۹، الرّحیق المختوم اردو ۶۲۴۔۶۲۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت
کا
آٹھواں سال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سریۂ کدید (صفر ۸ھ ہجری)

صفر ۸ھ ہجری میں سرورِ عالم ﷺ نے حضرت غالبؓ بن عبد اللہ لَیثی کو بَاِختلاف روایت دس، چودہ یا ساٹھ صحابہ کی معیت میں بنو مُلَوِّح کی سرکوبی کے لیے کدید کی طرف بھیجا۔ یہ مقام مکّہ سے ۴۲ میل دور عُسفان اور قدید کے درمیان واقع تھا۔ وہاں قبیلہ یعمر شداخ کی شاخ بَنُو مُلَوِّح کے کچھ لوگ شرارت کے لیے جمع ہوئے تھے۔ مجاہدین کو راستے میں قدید کے مقام پر بنو مُلَوِّح کا ایک سردار حارث بن مالک بن برصاء ملا۔ انہوں نے اس کو گرفتار کرلیا اس نے کہا، میں تو مسلمان ہونے کے ارادہ سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہا ہوں (بروایتِ دیگر میں تو مسلمان ہوکر آیا ہوں۔) حضرت غالبؓ نے اس سے کہا، اگر تم سچے ہو تو تم کو ایک رات کی قید سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر تمہاری بات غلط ہے تو تمہارے گرفتار رہنے سے ہم کو اطمینان رہے گا۔ چنانچہ اس کو ایک رباط میں باندھ کر ایک مجاہد کو اس کی نگرانی پر مقرر کر دیا اور کدید کی طرف آگے بڑھے۔ غروبِ آفتاب کے وقت کدید کے قریب پہنچے۔ حضرت غالبؓ دشمن کی نقل وحرکت کا جائزہ لینے کے لیے آبادی کے قریب ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے اور منہ کے بَل لیٹ کر دشمن کی ٹوہ لینے لگے۔ اتنے میں ایک شخص آبادی سے نکلا۔ اس کو حضرت غالبؓ کا سایہ نظر پڑا تو اُس کو شک ہوا کہ ٹیلے پر کوئی شخص موجود ہے پھر خیال آیا کہ شاید کوئی کتا ہو، گھر واپس جا کر بیوی سے کہنے لگا، ذرا دیکھو ہمارے تمام برتن تو گھر میں محفوظ ہیں اس نے کہا، سب محفوظ ہیں کسی نے ان کو نہیں چھوا۔ اب اس شخص کو یقین ہوگیا کہ ٹیلے پر ضرور کوئی دشمن موجود ہے چنانچہ اس نے ٹیلے کی طرف دو تیر چلائے ایک حضرت غالبؓ کے شانے پر لگا اور دوسرا پہلو میں لیکن وہ بے حس و حرکت لیٹے رہے اور آہستگی کے ساتھ دونوں تیر جسم سے نکال دیے۔ تیر چلانے کے بعد اس شخص کو ٹیلے پر کوئی حرکت نظر نہ آئی تو اس کا شک دور ہوگیا اور اس نے بیوی سے کہا، میں نے دو تیر مارے دونوں لگے اگر کوئی جاندار چیز ہوتی تو حرکت کرتی۔

ادھر جب حضرت غالبؓ نے دیکھا کہ آبادی کے سب لوگ سو گئے ہیں تو اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور ان کو لے کر آبادی پر شب خون مارا۔ جب تک اور کسی طرف سے ان کو مدد پہنچتی، مسلمانوں نے اُن کے مویشی ہانک لیے اور حارث بن مالک کو ساتھ لے کر نکل آئے۔ (طبقات ابنِ سعد ج۔ا صفحہ ۴۶۷) ایک روایت یہ بھی ہے کہ بنو مُلَوِّح کے چند آدمی مارے گئے اور ان کی عورتیں قیدی بنالی گئیں۔ حضرت غالبؓ قیدیوں اور مالِ غنیمت کو لے کر

ا علامہ ابنِ ہشامؒ کا بیان ہے کہ سرورِ عالم ﷺ نے یہ مُہم فتح مکہ (رمضان ۸ھ ہجری) کے بعد روانہ کی تھی لیکن دوسرے تمام اہلِ سیَر نے لکھا ہے کہ یہ سریہ صفر ۸ھ ہجری میں (فتح مکہ سے پہلے) پیش آیا تھا اور یہی صحیح ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مظفر و منصور مدینہ واپس آئے۔ یہ مہم "سریّۂ کَدِیدَ کے نام سے مشہور ہے بعض نے اسے سریّۂ غالبؓ بن عبداللہ لیثی کا نام بھی دیا ہے۔[1]

(بذل القوۃ)

سریّۂ غالبؓ بن عبداللہ لیثی یا مہم بنی مُرّہ:

سریّۂ کدید کے بعد آنحضورﷺ نے اسی مہینے (صفر ۸ھ ہجری) میں حضرت غالبؓ بن عبداللہ لیثی کو دوسَو مجاہدین کے ساتھ بنومُرّہ کی شاخ بنو مُصاب کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ فدک میں آباد تھے اور شعبان ۷ھ ہجری میں انہوں نے حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہٗ اور اُن کے ساتھیوں کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔ اب یہ مہم ان کو سزا دینے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ مشرکین نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن سخت شکست کھائی۔ اُن کے چند آدمی مارے گئے اور وہ اپنے بہت سے مویشی (اونٹ اور بکریاں) چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مجاہدین نے ان پر قبضہ کر لیا۔ ہر مجاہد کے حصے میں دس اونٹ آئے یا ان کے برابر سَو بکریاں آئیں۔ (طبقات ابنِ سعد۔ بذل القوۃ)

سریّۂ ذات الاَطلاح (اطلح)

یا

مہم کعبؓ بن عُمیر غِفاری

ربیع الاوّل ۸ھ ہجری میں آنحضورﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو قضاعہ کے ایک گروہ نے فساد برپا کرنے پر کمر باندھی ہے اور ذات الاطلاح (یا ذات اطلح) (وادیِ القریٰ کے آگے سرحدِ شام کے قریب ایک مقام) میں جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ آپؐ نے پندرہ مجاہدوں کا ایک دستہ حضرت کعبؓ بن عمیر غفاری کی قیادت میں ان کی جانب روانہ فرمایا۔ (ایک روایت میں ہے کہ حضورﷺ نے یہ جماعت تبلیغ کے لیے روانہ فرمائی تھی)۔ یہ اصحاب رات کو چلتے اور دن کو کسی محفوظ جگہ قیام کرتے تھے یہاں تک کہ وہ ذات الاطلاح کے قریب پہنچ گئے

---

[1] مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری نے اس مہم کو سریّۂ قُدَیدکا نام دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ سریہ صفر یا ربیع الاوّل ۷ھ ہجری میں پیش آیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنومُلَوّح نے بشر بن سُوید کے رفقاء کو قتل کر دیا تھا اسی کا انتقام لینے کے لیے حضورﷺ نے حضرت غالبؓ بن عبداللہ کو بھیجا۔ انہوں نے چھاپہ مار کر بہت سے افراد کو قتل کر ڈالا اور ڈھور ڈنگر ہانک لائے۔ پھر مشرکینِ بنومُلَوّح نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کا تعاقب کیا جب ان کے قریب پہنچے تو بارش شروع ہو گئی اور زبردست سیلاب آ گیا جو فریقین کے درمیان حائل ہو گیا اس طرح مسلمان بخیر و عافیت واپس آ گئے۔ (الرّحیق المختوم اردو ص ۶۱۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنو قضاعہ کے ایک مخبر نے ان کو اطلاع دی کہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔ یہ سن کر اُن کے بہت سے مسلح سوار مسلمانوں کی جائے قیام کے قریب پہنچ گئے۔ حضرت کعبؓ بن عمیر نے اُن کو اسلام کی دعوت دی۔ اُن بدبختوں نے یہ دعوت قبول کرنے کے بجائے اس کا جواب تیروں سے دیا۔ مسلمانوں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا لیکن دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس کے ہاتھوں ایک کے سوا سارے مجاہد شہید ہو گئے۔ جو ایک مجاہد زندہ بچے وہ بھی سخت زخمی تھے۔ وہ رات کی سردی میں گرتے پڑتے مصیبت جھیلتے مدینہ منورہ پہنچے اور حضور ﷺ کو اس سانحہ کی اطلاع دی۔ آپ کو بہت دُکھ ہوا اور قاتلوں کو سزا دینے کے لیے آپؐ نے دوسرا سریّہ بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ اسی اثناء میں خبر ملی کہ مفسدہ پرداز منتشر ہو گئے ہیں اس پر آپ نے دوسرے سریّہ کی روانگی متوی کر دی۔

علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ سریّۂ ذات الاطلاح میں زندہ بچ جانے والے مجاہد امیرِ سریّہ کعبؓ بن عمیر تھے لیکن اس سانحہ کے بعد حضرت کعبؓ بن عمیر یکسر پردۂ خفا میں چلے جاتے ہیں' ان کا نام کسی واقعہ میں نہیں آتا۔ اس سے یہی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ حضرت کعبؓ اس سانحہ میں شہید ہو گئے تھے۔ ابنِ اسحاقؒ نے یہی خیال ظاہر کیا ہے۔

(طبقات ابنِ سعدؒ۔ محمد رسول اللہ، شیخ محمد رضا۔ المشاہد رحمان علی خان، بذل القوۃ)

سریّۂ شجاعؓ بن وہب اَسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ یا مہم سیّ

ربیع الاوّل ۸ھ ہجری میں سرورِ عالم ﷺ کو خبر ملی کہ بنو ہوازن کی ایک شاخ بنو عامر کے لوگ، مسلمانوں کے خلاف لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ بنو عامر مدینہ منورہ سے پانچ منزل کی مسافت پر مکّہ اور بصرہ کی راہ میں نجد کے ایک مقام سیّ میں آباد تھے جہاں اسی نام کا ایک چشمہ یا کنواں ان کے قبضے میں تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت شجاعؓ بن وہب اَسدی کو چوبیس مجاہدین دے کر ان لوگوں کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ حضرت شجاعؓ اور ان کے ساتھیوں نے مدینہ سے سیّ تک کا سفر نہایت رازداری کے ساتھ طے کیا۔ وہ دن کو پہاڑوں، ریت کے ٹیلوں یا درختوں کی آڑ میں چھپ رہتے اور رات کو برق رفتاری سے سفر کرتے۔ اس طرح وہ اچانک بنو عامر کے سر پر جا پہنچے۔ بنو عامر مسلمانوں کو یکا یک اپنے سر پر دیکھ کر بوکھلا گئے اور بدحواسی کے عالم میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں دوسرے مال واسباب کے علاوہ اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی ایک کثیر تعداد بھی ہاتھ آئی جسے وہ ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو ہر ایک مجاہد کے حصے میں پندرہ پندرہ اونٹ آئے۔ بعض مجاہدین نے اپنے حصے کے کچھ اونٹوں کے بدلے میں بھیڑ بکریاں لے لیں۔ مبادلہ کی غرض سے ایک اونٹ کو بیس بھیڑ بکریوں کے مساوی قرار دیا گیا۔

(طبقات ابنِ سعد۔ الاستیعاب۔ بذل القوۃ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معرکۂ مُوْتہ

(جمادی الاولیٰ ۸ ھ ہجری)

''موتہ'' کا تلفظ مُوْ تہ (م پر پیش اور واؤ ساکن) اور مُؤ تہ (م پر پیش اور واؤ پر ہمزہ اور جزم) دونوں طرح کیا جاتا ہے۔

یہ جنوبی اُردن کی سرحد پر بحرِ مردار کے جنوب مشرق میں ایک آبادی کا نام ہے۔ بیت المَقدِس سے اس کا فاصلہ تقریباً ۳۵ کلومیٹر اور کرک سے بارہ کلومیٹر (بجانبِ جنوب) ہے۔ مدینہ منورہ سے اس کی مسافت گیارہ سَو کلومیٹر ہے۔ جمادی الاولیٰ ۸ ھ ہجری میں موتہ کے قریب غیر مسلم (عیسائی اور بت پرست) عرب قبائل اور رومیوں کے بہت بڑے متحدہ لشکر اور ایک چھوٹے سے اسلامی لشکر کے درمیان خونریز لڑائی ہوئی۔ بعض محدّثین (بشمول امام بخاریؒ) نے اس لڑائی کو غزوہ کا نام دیا ہے لیکن بیشتر اربابِ سِیر اور مؤرّخین نے اس کا ذکر سریّہ ہی کے نام سے کیا ہے۔

پس منظر:

صلح حدیبیہ کے بعد حضورِ اکرم ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرف تبلیغی دعوت نامے ارسال فرمائے تھے۔ ان میں ایک خط اپنے ایک جاں نثار حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہٗ کے ہاتھ بُصریٰ کے (نصرانی عرب) حاکم کے نام بھی بھیجا جو رومی سلطنت کے تابع تھا۔ حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہٗ مُؤتہ کے مقام پر پہنچے تو قیصرِ روم کی طرف سے بلقاء کے (عیسائی عرب) حاکم شُرَحبِیل بن عمرو غسانی نے ان کو گرفتار کر کے نہایت بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ قاصد یا سفیر کا قتل کسی مذہب یا قانون میں جائز نہیں۔ حضور ﷺ کو اپنے قاصد کی مظلومانہ شہادت کی خبر ملی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا اور آپؐ نے جمادی الاولیٰ ۸ ھ ہجری میں حارثؓ بن عُمیر کے خون کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار مجاہدین حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں مدینہ سے روانہ فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ اگر لڑائی میں زیدؓ بن حارثہ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب امیرِ لشکر ہوں گے اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہؓ بن رواحہ انصاری لشکر کی قیادت کریں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو مناسب سمجھیں امیر بنا لیں۔ [1]

---

[1] ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضرت جعفرؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ امید نہیں تھی کہ آپ زید کو مجھ پر امیر بنائیں گے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''جعفر! اس بات کو جانے دو، تم نہیں جانتے کہ اللہ کے نزدیک بہتر کیا ہے۔''

(طبقات ابنِ سعد قسم اول ج ۳ ص ۳۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضورﷺ نے صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ اس لشکر کی مدینہ منورہ سے کچھ دور ثنیۃ الوداع تک مشایعت فرمائی (بعض محدثین کرام نے غالباً اسی بناء پر مؤتہ کے معرکے کو غزوہ کہا ہے) مدینہ منورہ کو واپس جانے سے پہلے آپؐ نے لشکر کو یہ وصیت بھی فرمائی کہ پہلے حارث بن عمیر کے قتل کی جگہ پہنچ کر وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ یہ دعوت قبول کر لیں تو بہتر ورنہ اللہ سے مدد طلب کر کے ان سے جنگ کرو۔ اس وصیت کے علاوہ آپؐ نے لشکر کو امیرِ لشکر کے ذریعے تاکید کی کہ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں اللہ کے منکرین سے جہاد کرنا، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، ان کے درخت نہ کاٹنا، نہ ان کے گھر مسمار کرنا، عہد شکنی نہ کرنا، کوئی کھجور کا درخت نہ کاٹنا اور نہ اُن لوگوں سے کوئی تعرض کرنا جو اپنی عبادت گاہوں میں گوشہ نشین ہیں۔
(محمد رسول اللہؐ از محمد رضا)

میدانِ جہاد میں:

شرحبیل بن عمرو غسانی کو مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر ملی تو اس نے بھی زور شور سے مقابلے کی تیاری کی اس نے ایک طرف تو اپنے حلیف عرب قبائل بہراء، بلقین، بلی، لخم اور جذام کو ساتھ ملا کر ایک بڑا لشکر جمع کر لیا اور ساتھ ہی ہرقل سے مدد مانگ بھیجی جو بلقاء کے علاقے میں مآب کے مقام پر ایک زبردست لشکر کے ساتھ موجود تھا۔ اس نے تقریباً ایک لاکھ رومی جنگجو شرحبیل کی مدد کے لیے بھیج دیے۔ اسلامی لشکر نے حدودِ شام میں داخل ہو کر معان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تو انہیں غنیم کی کثیر تعداد اور جنگی تیاریوں کا علم ہوا۔ بعض اصحاب نے رائے دی کہ رسولِ اکرمﷺ کو ان حالات کی اطلاع دی جائے۔ اس موقع پر حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ نے للکار کر فرمایا:

> ''اے لوگو! کس بات سے گھبرا رہے ہو، تمہارا مطلوب و مقصود تو راہِ حق میں اپنی جانیں قربان کرنا ہے۔ مسلمان کبھی مادی قوت اور آدمیوں کی کثرت کے بل پر نہیں لڑتے وہ صرف دینِ حق کی خاطر لڑتے ہیں جس نے انہیں عزت بخشی ہے۔ آگے بڑھو اور دو کامیابیوں میں سے ایک حاصل کر لو، شہادت یا فتح۔''

حضرت عبد اللہؓ کی تقریر نے تمام مجاہدین کے دلوں میں شوقِ شہادت کے شعلے بھڑکا دیے اور وہ موتہ پہنچ کر ایک لاکھ رومیوں اور ہزاروں عرب عیسائیوں کی مہیب طاغوتی قوت سے بھڑ گئے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن:

مجاہدینِ اسلام اور دشمن کی فوج میں ایک اور ساٹھ کی نسبت تھی لیکن مجاہدین سر بکف ہو کر اس شان سے لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکار اٹھی۔ انہوں نے کشتوں کے پشتے لگا دیے مگر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دشمن کا ٹڈی دل کسی طرح کم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ امیرِ لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہُ جو خود بھی مصروفِ جہاد تھے اور لشکر کو بھی لڑا رہے تھے، عین اُس وقت مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہوگئے جب لڑائی پورے شباب پر تھی۔ ان کے فرشِ خاک پر گرتے ہی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہُ نے آگے بڑھ کر پرچمِ اسلام اپنے ہاتھ میں لیا اور گھوڑے سے کود کر اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر تلوار چلاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

یَا حَبَّذَا الْجَنَّۃُ وَ اقْتِرَابُھَا
طَیِّبَۃٌ وَبَارِدٌ اَشْرَابُھَا
وَالرُّوْمُ رُوْمٌ قَدْدَنَا عَذَابُھَا
کَافِرَۃٌ بَعِیْدَۃٌ اَنْسَابُھَا
عَلَیَّ اِذْلَاقَیْتُھَا ضِرَابُھَا

ترجمہ: ''جنت کیا ہی اچھی ہے اور اس کی قربت کتنی پیاری ہے اور اس کا پانی کتنا ٹھنڈا ہے۔
رومی وہ لوگ ہیں جن کے عذاب کا وقت قریب آ گیا ہے، یہ کافر ہیں اور ان کے نسب ناموں میں گڑ بڑ ہے مجھ پر فرض تھا کہ جب وہ میرے سامنے آئیں تو ان پر وار کروں۔''

حضرت جعفرؓ پر ہر طرف سے تیروں، تلواروں اور برچھیوں کی بارش ہو رہی تھی لیکن وہ زخم پر زخم کھاتے آگے ہی بڑھتے جاتے تھے۔ اس حالت میں بھی جو دشمن ان کے سامنے آتا اس کو چشم زدن میں ٹھکانے لگا دیتے تھے۔ آخر دشمنوں نے نرغہ کرکے ان کا ایک ہاتھ شہید کر ڈالا۔ انہوں نے فوراً عَلم دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ دوسرا ہاتھ بھی شہید ہوگیا تو عَلم کو سینے سے چمٹا لیا۔ اسی حالت میں دشمن کا ایک نیزہ اُن کے سینے کے پار ہوگیا اور وہ زمین پر گر گئے۔ اس وقت ان کے جسم پر نوّے سے زیادہ زخم تھے۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت عبداللہؓ بن رواحہ لشکر کے قائد بنے۔ کہا جاتا ہے انہوں نے تین دن سے کوئی غذا نہ کھائی تھی، شہادت سے کچھ دیر پہلے ان کے سامنے گوشت رکھا گیا تاکہ کھا کر پوری قوت سے لڑنے کے قابل ہوسکیں، ابھی پہلا لقمہ ہی منہ میں رکھا تھا کہ حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر سُنی۔ انہوں نے وہ لقمہ فوراً اگل دیا اور اپنے نفس سے مخاطب ہوکر کہا، ''جعفر دنیا سے کوچ کر گئے اور تو ابھی تک دنیا میں مشغول ہے۔'' پھر شمشیر بدست عَلم سنبھال کر صفِ جنگاہ میں گھس گئے۔

لڑتے لڑتے انگلی میں شدید زخم آیا جس سے وہ لٹک گئی، حضرت عبداللہؓ گھوڑے سے اتر پڑے اور پاؤں سے اس انگلی کو دبا کر ہاتھ کھینچا۔ اس طرح وہ جسم سے الگ ہوگئی۔ خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے سخت ناتوانی محسوس کی اور دل میں کچھ تردّد سا پیدا ہوا کہ کیسے لڑوں، لیکن یہ تردّد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فوراً ہی دُور ہوگیا اور انہوں نے اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''اے نفس! یہ تردّد اگر بیوی کے لیے ہے تو اس کو طلاق، اگر غلاموں کی وجہ سے ہے، تو وہ سب آزاد، اگر باغ اور زراعت کی وجہ سے ہے تو وہ سب اللہ کے راستہ میں صدقہ کرتا ہوں۔'' اس کے بعد پھر مردانہ وار تلوار چلاتے اور رجز یہ اشعار پڑھتے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے۔ اسی دوران میں دشمن کے ایک سپاہی نے تاک کر ان کے سینے میں برچھی ماری جس سے زمین پر گر گئے اور سینے سے خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ خون کو اپنے چہرے پر مَلا اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

''مسلمانو! اپنے بھائی کے گوشت کو بچاؤ۔''

(یعنی دشمن میری لاش کو خراب نہ کرنے پائیں)

چنانچہ بہت سے مجاہدین نے کفار کو پیچھے دھکیل کر ان کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اسی اثناء میں ان کی روح روضۂ رضوان کو سدھار گئی۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مسلمانوں کی فتح:

حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کو امیرِ لشکر منتخب کیا۔ انہوں نے غازیانِ دین کو مجتمع کر کے ایسا بھرپور حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

صحیح بخاری میں حضرت اَنسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ جس وقت مؤتہ کے میدان میں مسلمان موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہے تھے، سینکڑوں میل دُور مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ مسجدِ نبویؐ کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپؐ کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

''نشان (عَلَم) لیا زیدؓ نے اور وہ (لڑتے لڑتے) شہید ہوئے، نشان لیا اب جعفرؓ نے (اور کچھ دیر بعد) وہ بھی شہید ہوئے۔ نشان لیا اب عبد اللہؓ بن رواحہ نے اور وہ بھی (لڑتے لڑتے) شہید ہوئے۔ اب نشان لیا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اور اُس کو فتح دی گئی۔''

(صحیح بخاری ۲/۶۱۱ باب غزوۂ مُوتہ)

اُسی دن سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہُ کا لقب سیف اللہ (اللہ کی تلوار) پڑ گیا

حضرت خالدؓ بن ولید کا بیان ہے کہ معرکۂ مُوتہ میں میرے ہاتھ سے نَو تلواریں ٹوٹیں آخر میں صرف ایک (چھوٹی سی) یمنی تلوار میرے پاس باقی رہ گئی۔

معرکۂ مُوتہ کے وقت میدانِ جنگ کا نقشہ (منظر) حضور ﷺ کے سامنے کر دیا گیا تھا یا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کو وحی کے ذریعے پل پل کی خبر دی جا رہی تھی، صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو اس بات پر سب اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے کہ مجاہدین کے مدینہ واپس آنے سے کافی دن پہلے حضور علیہ السلام نے حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شہادت کی خبر صحابہ کو دے دی تھی اور حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر فتح کا ذکر بھی کر دیا تھا۔ اس واقعہ کو حضور علیہ السلام کے معجزات میں شمار کیا جاتا ہے۔

مُؤتہ کے خونریز معرکے میں مسلمانوں کے صرف بارہ آدمی شہید ہوئے جبکہ دشمن کے سینکڑوں آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے۔

شُہداء کے بچوں کی دلداری:

حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسلام کے جانباز سپاہی اور آنحضور علیہ السلام کے جاں نثار اور نہایت محبوب اصحاب تھے۔ ان کی شہادت سے آپ کو بے حد صدمہ پہنچا اور آپؐ نے ان کی شہادت کی خبر صحابہ کو سناتے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

اِخْوَانِيْ وَ مُؤْنِسَانِيْ و مُحَدِّثَانِي.

''وہ میرے بھائی، میرے مونس اور میرے جلیس تھے۔''

(اُسدُ الغابہ ج ۱، تذکرہ حضرت جعفر بن ابی طالب)

علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کی ایک بیٹی شفیق والد کا سایہ سر سے اٹھ جانے پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں تو حضور علیہ السلام پر بھی رِقّت طاری ہوگئی اور آپ اس قدر روئے کہ گلوگرفتہ ہوگئے (پھر غم زدہ بچی کو تسلی دی) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہُ نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ! یہ کیا ہے، آپؐ نے فرمایا، یہ جذبۂ محبت ہے۔

(طبقات ابنِ سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۳۲)

سیرۃ ابنِ ہشام میں ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت جعفرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کی اہلیہ سے فرمایا کہ جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی تو آپؐ نے آبدیدہ ہو کر بچوں کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر سنائی۔ پھر اپنے گھر جا کر ازواجِ مُطہّرات سے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا پکاؤ، آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام تین دن تک حضرت جعفرؓ کے بچوں کو کھانا کھلاتے رہے۔ (سیرت ابنِ ہشام ج ۲ ص ۳۸۰-۳۸۱)

حضرت جعفرؓ کا اعزاز:

حضرت جعفرؓ کی شہادت کے سلسلے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جعفر کے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں کے عوض دو نئے بازو (شہپر) عطا کیے ہیں جن سے وہ جنّت میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں چاہیں پرواز کرتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، جعفر جنّت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھرتے ہیں چنانچہ وہ طیار (اڑنے والے) اور ذوالجناحین کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۴۱۵، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۰)

اسلامی لشکر کی مدینہ منورہ کو مراجعت:

دشمن کے ٹڈی دل کو پسپا کرنے کے بعد لشکرِ اسلام واپس مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو رسولِ اکرم ﷺ نے اہلِ مدینہ کے ساتھ آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ اس موقع پر ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا وہ یہ کہ بعض اہلِ مدینہ نے مجاہدین پر مٹی پھینکی اور اُن کو بھگوڑا کہا لیکن حضور ﷺ نے ان اصحاب کی تردید کی اور فرمایا ''یہ بھاگنے والے نہیں بلکہ (بار بار) حملہ کرنے والے ہیں۔'' اس سے پہلے حضور ﷺ مسلمانوں کو فاتح قرار دے چکے تھے۔ اصل میں بعض اہلِ مدینہ نے غلط فہمی کی بناء پر مسلمانوں کے میدانِ جنگ سے ہٹ آنے کو اللہ کے راستے سے ان کا فرار قرار دیا تھا۔ یہ درست ہے کہ دشمن کی کثیر تعداد اور بے پناہ ساز و سامان کے علاوہ مسلمانوں کی مرکز سے دُوری کی بناء پر دشمن کو زیر نہ کیا جاسکا لیکن تین ہزار مجاہدین کی قلیل تعداد کا تقریباً دو لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل دشمن کو زبردست نقصان پہنچا کر پسپا ہونے پر مجبور کر دینا یقیناً مجاہدین کی فتح تھی اور آنحضور ﷺ نے بھی اس کو فتح قرار دیا تھا۔ اگر بالفرض چند مجاہدین سے میدانِ جنگ چھوڑنے کی لغزش سرزد ہو بھی گئی تھی (جیسا کہ بعض مؤرخین کا خیال ہے) تو اسے سارے جیش کا فرار ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (نبیِ رحمت ص ۵۴۔۵۵، اصح السیر ص ۲۳۸)

سریّۂ ذات السلاسل:

رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ وادی القریٰ کے قریب ایک مقام پر بنو قضاعہ کا ایک گروہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے جمع ہوا ہے یہ مقام مدینہ سے دس یوم کی مسافت پر واقع تھا۔ جمادی الآخر ۸ھ ہجری میں آپؐ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو تین سَو مہاجرین و انصار کے ہمراہ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمروؓ کی دادی بنو قضاعہ سے تھی اور وہ اس علاقے سے خوب واقف تھے اسی لیے حضور ﷺ نے اس مہم کی قیادت کے لیے انہیں بطورِ خاص منتخب کیا۔ حضرت عمروؓ مفسدین کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ سے کمک مانگ بھیجی۔ آپؐ نے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو دوسَو آدمی دے کر ان کی مدد کے لیے بھیجا۔

حضرت ابوعبیدہؓ کے پہنچنے پر مہم کی اِمارت کے بارے میں اختلاف پیدا ہوگیا لیکن بالآخر حضرت عمروؓ کی اِمارت پر اتفاق ہوگیا۔ مجاہدین نے دشمن پر کاری ضربیں لگا کر اسے منتشر کر دیا اور حضرت عمروؓ بن العاص مظفر و منصور مدینہ واپس آئے۔ (طبقات ابنِ سعد ج ۱ ص ۴۷۲)

ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ دراصل حضور ﷺ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو قبائل بَلّی و عذرہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف اشاعتِ اسلام کے لیے بھیجا تھا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہیں چنانچہ حضرت عمروؓ نے دربارِ رسالت سے امداد طلب کی اور یہ سریّہ پیش آیا۔ مجاہدینِ اسلام بَلیّ عذرہ اور بلقین کی آبادیوں کو مُسخّر کرتے ہوئے علاقے کی آخری حد تک جا پہنچے۔ راستے میں دشمن کے صرف ایک لشکر سے مقابلہ ہوا جو شکست کھا کر بھاگ گیا۔ (اُسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۶۱)

یہ سریّہ ''ذات السَّلاسِل'' کے نام سے کیوں مشہور ہوا؟ مؤرخین نے اس کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں ایک یہ کہ السلاسل وادی القُریٰ کے قریب قبیلۂ جذام کے علاقے میں ایک کنوئیں یا چشمے کا نام تھا جو مدینہ منورہ سے دس میل کے فاصلے پر واقع تھا یہ سریّہ چونکہ اس پانی کے قریب ہوا تھا اس لیے ذات السّلاسل کہلایا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فتنہ پردازوں نے اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ لیا تھا تاکہ جم کر لڑ سکیں اسی لیے یہ سریّہ ''زنجیروں والی لڑائی'' یعنی ذات السَّلاسل کے نام سے مشہور ہو گیا۔

تیسری روایت یہ ہے کہ اُس علاقے میں ریت کے ٹیلوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور پاؤں کی زنجیر کی طرح قدم آگے بڑھانے میں رکاوٹ بنتے ہیں اس لیے انہیں السلاسل کہا جاتا ہے چونکہ لڑائی اسی علاقے میں ہوئی اس لیے یہ سریّہ ذات السَّلاسل کے نام سے مشہور ہو گیا۔ (سیرۃ ابنِ ہشام۔ زاد المعاد، بذل القوۃ)

سریّۂ سِیفُ البَحر یا جَیشُ الخَبَط

(رجب ۸ ھ ہجری)

رجب ۸ ھ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ نے تین سَو مجاہدین کا ایک لشکر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی قیادت میں مشہور عرب قبیلے بنو جہینہ کے علاقے کی طرف روانہ کیا۔ اس مہم کے مقصد کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں ایک یہ کہ کچھ عرصہ سے بنو جہینہ کی شرارتوں کی خبریں مل رہی تھیں ان کی سرکوبی کرنا مقصود تھا۔ دوسری یہ کہ قریش کے ایک بڑے قافلے پر نظر رکھنا یا اس کی توجہ منتشر کرنا مقصود تھا۔ اس لشکر میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے ذی رتبہ بزرگوں کے علاوہ مدینہ کے نامور سخی حضرت قیس بن سعد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہُ بھی شامل تھے۔ اُن کے والد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہُ بھی سخاوت اور اِنفاق فی سبیل اللہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ بنو جہینہ کا علاقہ مدینہ منورہ سے پانچ روز کے فاصلے پر ساحلِ سمندر پر واقع تھا اسی لیے اس کو سریّۂ سِیفُ البحر کہا گیا ہے۔ (سِیفُ البحر کے معنی ساحلِ سمندر کے ہیں)۔ جیش الخبط یا سریّۂ خَبَط اس کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس مہم کے دوران میں رسد ختم ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں کو درختوں کے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی تھی۔ خَبَط درخت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے پتوں کو کہتے ہیں جو لاٹھی وغیرہ سے جھاڑے جاتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ مجاہدین نے ساحلِ سمندر پر قیام کیا تو ان کا سامانِ رسد ختم ہوگیا اور وہ درختوں کے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانے پر مجبور ہوگئے۔ حضرت قیسؓ نے یہ حالت دیکھی تو انہوں نے تین مرتبہ تین تین اونٹ قرض لے کر ذبح کرائے اور لشکر کے لیے خوراک فراہم کی۔ علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرِ فاروقؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ (امیرِ لشکر) سے کہا کہ ان کو روکا جائے ورنہ وہ اپنے باپ کا مال اسی طرح صَرف کر دیں گے چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے انہیں مزید اونٹ ذبح کرانے سے منع کر دیا۔

حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ انصاری سے روایت ہے کہ اسی مہم کے دوران میں جب پتے کھا کھا کر ہمارے کلّے زخمی ہوگئے تو ایک دن سمندر کی موجوں نے ایک بہت بڑا آبی جانور ہماری طرف کنارے پر لا پھینکا جسے عنبر کہتے ہیں (یہ وہیل یا کوئی دوسری بڑی مچھلی تھی) ہم لوگوں نے (جو تعداد میں تین سَو تھے) نصف مہینہ تک اس کے گوشت پر گزارا کیا اور ہم سب کے سب موٹے تازے ہوگئے۔ اس مچھلی کی جسامت کا یہ حال تھا کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے اس کی پسلی نصب کرنے کا حکم دیا اور پھر سب سے طویل قامت آدمی (حضرت قیس بن سعدؓ) کو ایک بلند قامت اونٹ پر سوار کر کے اس کے نیچے سے گزارا گیا۔ وہ بے تکلف گزر گئے اور پسلی ان کے سر سے اونچی رہی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے لوگوں کو اس کی آنکھ کے گڑھے میں بیٹھنے کا حکم دیا چنانچہ تیرہ اصحاب آسانی سے اس میں بیٹھ گئے۔ مدینہ کو واپس ہوتے ہوئے ہم لوگوں نے بچے ہوئے گوشت کو بطور زادِ راہ ساتھ لے لیا۔ مدینہ پہنچ کر ہم نے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں سارا واقعہ عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری شکم پروری کے لیے اسے پیدا فرما دیا اگر اس کا کچھ گوشت ساتھ لائے ہو تو مجھے بھی کھلاؤ۔ ہم نے حضور ﷺ کی خدمت میں گوشت پیش کیا اور آپؐ نے اسے تناول فرمایا۔

حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ سریّۂ سیف البحر سے واپس آ کر صحابہؓ نے حضرت قیسؓ بن سعدؓ کے اونٹ ذبح کرانے کا واقعہ حضور ﷺ کو سنایا تو آپؐ نے فرمایا ''فیاضی اور سخاوت اس گھرانے کا خاصہ ہے۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ مہم سیفُ البَحر سے واپس آ کر حضرت قیسؓ نے اپنے والدِ گرامی حضرت سعدؓ بن عبادہ کو مسلمانوں کی فاقہ کشی کا حال سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ اونٹ ذبح کراتے۔ جواب دیا میں نے ایسا ہی کیا لیکن دوسرے دن مسلمانوں کا پھر وہی حال تھا، حضرت سعدؓ نے فرمایا، اور اونٹ ذبح کراتے، عرض کیا میں نے دو بار ایسا ہی کیا لیکن اس کے بعد مسلمان پھر بھوک میں مبتلا ہوگئے۔ فرمایا کہ پھر ذبح کراتے۔ حضرت قیسؓ (بصد حسرت) بولے کہ مجھے روک دیا گیا۔

علامہ ابنِ اثیرؒ نے ''اُسدُ الغابہ'' میں بیان کیا ہے۔ کہ جیش الخبط کے سلسلے میں کسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے حضرت سعدؓ بن عبادہ کو بتایا کہ حضرت قیسؓ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروقؓ کے ایماء پر مزید اونٹ ذبح کرانے سے روکا گیا تھا کیونکہ وہ کہتے تھے کہ وہ اپنے باپ کا مال اسی طرح صَرف کر دیں گے۔ یہ سن کر حضرت سعدؓ بن عبادہ فوراً رسولِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپؐ کی پُشت مبارک کے پیچھے کھڑے ہو کر کہا ''ابنِ ابوقُحافہ اور ابنِ خطّاب کی طرف سے کوئی جواب دے کہ وہ میرے بیٹے کو بخیل کیوں بنانا چاہتے ہیں؟'' یہ حضرت سعدؓ کی طرف سے اللہ کی راہ میں بے دریغ مال صَرف کرنے کے جذبہ کا اظہار تھا۔ جواب طلب کرنا تو محض جملۂ معترضہ تھا۔

(صحیح بخاری باب غزوۂ سِیف البحر۔ زاد المعاد ج ا ص ۴۱۷، طبقات ج ا ص ۴۷۳)

سریّۂ خضرہ (شعبان ۸ ھ ہجری):

شعبان ۸ ھ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ کو خبر ملی کہ بنو غطفان کے کچھ شریروں نے نجد کے ایک مقام خُضرہ (یا خِضرہ) میں اجتماع کیا ہے اور وہ مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کو پندرہ مجاہدین کے ساتھ اُن کی گوشمالی کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت ابوقتادہؓ نے مدینہ منورہ سے خضرہ کا فاصلہ چھپ چھپا کر ایسی ہوشیاری سے طے کیا کہ دشمن کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ جب وہ اچانک غطفانی مفسدوں کے سر پر جا پہنچے تو وہ بوکھلا اٹھے۔ بعض آدمیوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن جلد ہی ہمت ہار کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوقتادہؓ کو کثیر مالِ غنیمت ہاتھ لگا جن میں چند قیدیوں کے علاوہ دو ہزار بکریاں اور دو سَو اونٹ بھی تھے انہوں نے اس کا خُمس نکال کر باقی سارا مالِ غنیمت سب مجاہدین میں بحصۂ مساوی تقسیم کر دیا۔ اس مہم کو سریّۂ محارب بھی کہا جاتا ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ا ص ۴۷۳)

سریّۂ ابی قتادہؓ (رمضان ۸ ھ ہجری):

حضرت ابوقتادہؓ سریّۂ خضرہ محارب سے واپس آئے تو آنحضور ﷺ نے آغازِ رمضان ۸ ھ ہجری میں انہیں آٹھ مجاہدین کے ساتھ بطنِ اِضَم کی جانب روانہ فرمایا۔ (اِضَم مدینہ سے تین منزلوں کے فاصلے پر ایک وادی یا پہاڑ کا نام ہے۔ بقولِ بعض یہ ایک چشمہ کا نام تھا)۔ اس وقت رسولِ اکرم ﷺ مکّہ پر پرچمِ توحید لہرانے کا پختہ ارادہ فرما چکے تھے۔ بعض اربابِ سِیَر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اِضَم کی جانب مہم بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس طرف متوجہ رہیں اور مکّہ پر لشکر کشی کا خیال کسی کو نہ آئے۔ حضرت ابوقتادہ اپنی جمعیت کے ساتھ ذی خُشب کے مقام پر پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ رسولِ اکرم ﷺ مجاہدین کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مکّہ کی جانب چل پڑے ہیں چنانچہ حضرت ابوقتادہؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر سقیا کے مقام پر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے یوں یہ مہم انجام کو پہنچ گئی۔ (عہدِ نبوت کے ماہ و سال ص ۱۰۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی مسلمان کا قتلِ ناحق ناقابلِ معافی جرم ہے:

سریۂ ابی قتادہؓ میں عسکری نوعیت کا تو کوئی واقعہ پیش نہیں آیا البتہ اس میں ایک مسلمان کے خونِ ناحق کا واقعہ رسولِ اکرم ﷺ کی ناراضی کا باعث بن گیا۔ واقعہ یہ تھا کہ حضرت ابوقتادہؓ اور ان کے رفقاء کو راستے میں ایک مسلمان عامر بن اضبط اشجعی ملے انہوں نے سب کو اسلامی طریقے سے سلام کیا لیکن حضرت ابوقتادہؓ کے ایک ساتھی نے انہیں کسی ذاتی رنجش کی بناء پر قتل کر دیا اور ان کے اونٹ اور دوسرے سامان پر قبضہ کرلیا۔ جب لوگ سقیا کے مقام پر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ سخت ناراض ہوئے۔ قاتل نے جب آپؐ سے دعائے مغفرت کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا، اللہ تمہیں نہ بخشے تاکہ آ۔بندہ دوسرے لوگ کسی مسلمان کو قتل کر دینے میں لاپروائی سے کام نہ لیں۔ علامہ ابنِ اثیرؒ نے مؤرخ طبری کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان صاحب (قاتل) نے آنحضور ﷺ کے سامنے ہی وفات پائی۔ ان کی نعش زمین میں کئی بار دفن کی گئی مگر ہر مرتبہ زمین نے انہیں باہر اُگل دیا۔ اس پر آنحضور ﷺ کے حکم سے لاش کو دو پہاڑوں کے درمیان ڈال کر اس پر پتھر ڈال دیے گئے۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا معمولاً تو زمین بُرے سے بُرے آدمی کو بھی اپنے اندر سمو لیتی ہے لیکن اس شخص نے (ناحق) ایک مسلمان کو قتل کیا تھا پس اللہ تعالیٰ نے اپنی ناراضی کا اظہار بایں انداز فرمایا۔ بعض اربابِ سِیَر نے ان صاحب کا نام محلّمؓ بن جثامہ لکھا ہے لیکن حافظ ابنِ عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ یہ شخص محلّم بن جثامہ نہیں تھا کیونکہ وہ سالہا سال بعد ابنِ زبیرؓ کے عہدِ خلافت میں فوت ہوئے۔ آخری عمر میں وہ حمص میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے عامر بن اضبط الاشجعی کی دِیَت میں ان کے وارثوں کو سَو اونٹ دیے۔ (اُسدُ الغابہ۔ الاستیعاب۔ محمد رسول اللہؐ شیخ محمد رضا مصری)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنوبکر اور قریشِ مکّہ کی عہد شکنی

ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ اور قریشِ مکّہ کے مابین "صُلحنامہ حدیبیہ" معرضِ تحریر میں آیا۔ اس معاہدۂ صلح کی ایک شرط یہ تھی کہ جو عرب قبیلہ قریشِ مکّہ کا حلیف ہوگا، مسلمان اور ان کے حلیف اس کو قریش کی طرح ہی سمجھیں گے اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ اسی طرح جو قبیلہ مسلمانوں کا حلیف ہوگا، قریشِ مکّہ اور اس کے حلیف اس کو مسلمانوں کے برابر ہی سمجھیں گے اور اس پر کوئی زیادتی نہیں کریں گے۔

اس صُلحنامہ کے بعد بنوخزاعہ نے مسلمانوں سے حلیفانہ تعلّقات قائم کر لیے اور بنوبکر نے قریشِ مکّہ سے۔ مگر ابھی اس معاہدے پر دو سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ بنوبکر اور قریشِ مکّہ نے اس شرط کو توڑ ڈالا۔ ہوا یوں کہ شعبان ۸ھ ہجری میں قریش کی شہ پاکر بنوبکر کی ایک شاخ بنونفاثہ نے بنوخزاعہ کو غافل پاکر ان پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ وادیِ مکّہ کے اسفل میں وتیر نامی ایک چشمے کے قریب آباد تھے۔ بنونفاثہ نے ان پر شبخون مار کر بیس خزاعیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بنوخزاعہ کے دوسرے لوگ وہاں سے بھاگے مگر بنوبکر کی دوسری شاخ بنوالدیل نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا اس کام میں مشرکینِ قریش نے بھی ان کی مدد کی اور ان کے بعض آدمیوں نے چہروں پر نقاب ڈال کر بنوخزاعہ کے قتل و غارت میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ بنوخزاعہ کے لوگوں نے حرم شریف میں پناہ لی مگر ان ظالموں نے وہاں بھی ان کو نہ چھوڑا۔ اس طرح وہ نہ صرف عہد شکنی کے مرتکب ہوئے بلکہ انہوں نے بیت اللہ شریف کی حُرمت کو بھی پامال کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب بنوخزاعہ نے حرم شریف میں پناہ لی تو بنوبکر کے بعض لوگوں نے اپنے سردار نوفل بن معاویہ سے کہا کہ حرم میں خونریزی نہ کرو مگر نوفل بن معاویہ نے جوشِ انتقام میں ان سے کہا، اے بنوبکر! تم حرم میں چوریاں کر سکتے ہو تو خون کیوں نہیں بہا سکتے؟ اپنے دیرینہ دشمن کا صفایا کرنے کا یہ بہترین موقع ہے چنانچہ بنوبکر نے بے دریغ بنوخزاعہ کا قتلِ عام کیا۔
(سیرۃ ابنِ ہشام ص ۴۶۰)

بنوخزاعہ کی بارگاہِ رسالتؐ میں فریاد:

اس سانحہ کے بعد مظلوم بنوخزاعہ نے چالیس آدمیوں کا ایک وفد مرتب کیا یہ وفد عمروؓ بن سالم کی سرکردگی میں مدینہ منورہ پہنچا۔ اسوقت رسولِ اکرم ﷺ صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ مسجدِ نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔

وفد سیدھا مسجدِ نبویؐ میں پہنچا اور حضور ﷺ کا نام لے کر دہائیاں دینی شروع کر دیں پھر عمروؓ بن سالم نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ کے ذمہ میں ہیں، آپ کے حلیف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے کے بدلے میں ہمارا خون گلی کوچوں میں پانی کی طرح بہایا گیا ہے۔ اب تو حرمِ کعبہ میں بھی ہمیں امان نہیں ملتی۔ پھر انہوں نے چند دردناک اشعار کی صورت میں اپنی فریاد پیش کی۔ ان میں سے کچھ اشعار کا ترجمہ (مفہوم) یہ ہے:

اے اللہ! ہم محمد (ﷺ) کو وہ قدیم وعدہ یاد دلاتے ہیں جو ہمارے اور ان کے آباؤ اجداد کے درمیان طے پایا تھا۔ [1]

اے محمد (ﷺ) اُس وقت آپ لوگ اولاد تھے اور ہم جننے والے [2] پھر ہم نے صلح کر لی (اسلام قبول کیا) اور اس سے دست کش نہیں ہوئے۔

قریش نے وعدہ خلافی کی اور اس پکے عہد کو، جو آپ سے کیا تھا، توڑ ڈالا، مقام کداء میں گھات لگا کر انہوں نے گمان کیا کہ ہم کسی کو مدد کے لیے نہیں بلا سکیں گے حالانکہ وہ بڑے ذلیل اور تعداد میں قلیل ہیں۔

انہوں نے ہم کو وتیر میں سوتے ہوئے آلیا (ہم پر شب خون مارا) [3] اور ہم کو رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا۔

اے اللہ کے رسولؐ! ہماری پُر زور مدد فرمائیے۔ اللہ کے بندوں کو ہماری مدد کے لے بلائیے ان میں اللہ کے رسول بھی ہوں ہتھیار سجائے ہوئے۔

اگر ان کی توہین کی جائے تو ان کا چہرہ تمتما اٹھتا ہے اور وہ ایسے لشکرِ جرار کے ساتھ حملہ کرتے ہیں جو جھاگ بھرے سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا ہے۔

(سیرت ابنِ ہشام ص ۴۶۴)

رسولِ اکرم ﷺ نے بنوخزاعہ کی فریاد سن کر بے حد دُکھ کا اظہار فرمایا اور فریادیوں سے دریافت کیا۔

"کیا بنوبکر کے تمام قبائل اس قتل و غارت میں شریک تھے؟"

انہوں نے عرض کیا۔ "نہیں، صرف بنونفاثہ اور بنی الدِّیل شریک تھے اور

---

[1] جناب عبدالمطلب کے زمانے میں بنو ہاشم اور بنوخزاعہ کے درمیان باہم دوستی کا معاہدہ ہوا تھا یہاں اسی معاہدے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

[2] آنحضور ﷺ کے اجداد میں سے بعض کی مائیں اور بیویاں بنوخزاعہ سے تھیں اس شعر میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (الرحیق المختوم ۲۔۳ ص ۶۳۸، ضیاء النبیؐ ج ۴ ص ۴۰۹)

[3] ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خیال میں "وتیر" ایک سفید زمین تھی (رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۳۷۳) پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کے خیال میں وتیر ایک کنواں تھا بنوخزاعہ اس کے قریب سو رہے تھے۔ (ضیاء النبیؐ ج ۴ ص ۴۰۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوفل بن معاویہ ان کا سرغنہ تھا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا۔ "اے عمرو بن سالم! (اطمینان رکھو) ہم تمہاری مدد کریں گے۔"[1] ارشادِ نبویؐ سنکر وفد نے اطمینان سے وطن کو مراجعت کی۔

ابنِ جریر طبریؒ اور ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ اس وفد کے جانے کے بعد بُدیلؓ بن ورقاء خزاعی چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ آئے اور سیدھے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بھی بنو بکر اور مشرکینِ قریش کی ستم رانیوں کی لرزہ خیز داستان آپ کو سنائی اور آخر میں عرض کیا کہ ہم پر یہ ظلم اس لیے ہوا ہے کہ ہم مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ قیاس یہ ہے کہ سرورِ عالم ﷺ نے ان کو بھی تسلّی دی اور وہ مطمئن ہو کر واپس گئے۔

(سیرۃ ابنِ ہشام ص ۶۵-۴۶۴ و دیگر کتب سیرت)

رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قریشِ مکّہ کو پیغام:

بنی خزاعہ کے وفد کے جانے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے ایک صحابی[2] کو بطور سفیر یہ پیغام دے کر قریشِ مکّہ کے پاس بھیجا کہ ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک قبول کرلو۔

۱۔ بنو خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا (دِیت) دو

۲۔ یا بنو بکر کی حمایت (حلیفانہ تعلق) سے دستکش ہو جاؤ۔

۳۔ یا معاہدۂ حدیبیہ کی تنسیخ کا اعلان کردو۔

حضور ﷺ کے سفیر نے مکّہ جا کر قریش کے سامنے یہ شرطیں رکھیں تو ان میں سے بعض نے کہا کہ پہلی اور دوسری شرط نامنظور، ہاں معاہدۂ حدیبیہ کو کالعدم قرار دیے جانے پر ہم راضی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے قریش کی طرف سے یہ جواب دیا اس کا نام قرطہ بن عمرو (یا عبدِ عمرو) تھا اس نے پہلی تجویز نامنظور کرنے کی وجہ یہ بیان کی کہ اس طرح (یعنی دِیت دینے کی صورت میں) ہم کنگال ہو جائیں گے۔ دوسری تجویز مسترد کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ بنونفاثہ

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ کے سامنے بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا آپؐ نے فرمایا "یہ بادل بنو کعب کی مدد کا مینہ برسائے گا (یا بادل کا یہ ٹکڑا بنو کعب کو مدد کی خوشخبری سنا رہا ہے)"۔ بنو کعب بنو خزاعہ ہی کا ایک خاندان تھا ایک اور روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ نے یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے۔

"اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں ان (بنوخزاعہ) کا ایسا ہی دِفاع کروں گا جیسا کہ میں اپنی ذات و اپنے اہلِ خانہ کا کرتا ہوں۔"

(سیرۃ ابنِ ہشام ج ۲ ص ۶۵ محمد رسول اللہ از شیخ محمد رضا ص ۵۹۳)

[2] ایک روایت میں ان صاحب رسول ﷺ کا نام ضمرہ بتایا گیا ہے لیکن ان کا نسب نامہ وغیرہ بیان نہیں کیا گیا۔ ضمرہ نام کے کئی صحابہ ہیں معلوم نہیں کن ضمرہؓ نے یہ خدمت انجام دی کیونکہ کسی ضمرہ کے ترجمہ میں اس سفارت کا ذکر نہیں ہے۔ (شرح مواہب اللدنیہ از زرقانی ج ۲۔ ص ۳۴۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرب کے تمام قبیلوں سے بڑھ کر کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں اس لیے ان سے حلیفانہ تعلق ختم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ باتیں مشرکینِ قریش کے ایک گروہ کے سامنے ہوئیں جو صحنِ حرم میں مجلس جمائے بیٹھا تھا۔ دوسرے حاضرینِ مجلس نے قرطہ کے جواب پر کوئی اعتراض نہ کیا اس لیے اسے سارے قریش کی طرف سے سمجھا گیا۔ ایک روایت میں قریش کے چند پُرجوش نوجوانوں کی بدتمیزی کا ذکر بھی آیا ہے انہوں نے حضور ﷺ کے سفیر سے متکبّرانہ لہجے میں کہا، ہم محمد ——— کے محکوم نہیں ہیں جو ہمارے جی میں آیا ہم نے کیا۔ سفیر نے واپس جا کر حضور ﷺ کو قریش کا جواب سنایا تو آپؐ نے فرمایا، یہ لوگ اب حد سے بڑھ گئے ہیں اور ان کی زیادتیاں ناقابلِ برداشت ہوگئی ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے مکّہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔

(نبیٔ رحمت ص ۴۵۸، ضیاء النبیؐ ج ۴ ص ۴۱۱)

تجدیدِ معاہدہ کے لیے ابوسفیان کی ناکام مساعی:

رسولِ اکرم ﷺ کے سفیر کی مراجعت کے بعد قریش کے عمائد کو خیال آیا کہ مدینہ سے آنے والے سفیر کو ایسا جواب دے کر ہم نے سخت غلطی کی ہے اور اس کے بہت برے نتائج نکل سکتے ہیں۔ چنانچہ سردارِ قریش ابوسفیان (جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے) دوسرے عمائد کے مشورہ سے فوراً تجدیدِ معاہدہ کے لیے عازمِ مدینہ ہوگئے۔

مدینہ منورہ پہنچ کر ابوسفیان سیدھے اپنی بیٹی اُمّ المؤمنین حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے۔ ان کے حجرے میں ایک طرف رسولِ اکرم ﷺ کا بسترِ مبارک بچھا ہوا تھا۔ ابوسفیان نے چاہا کہ اس پر بیٹھ کر آرام سے باتیں کریں مگر اُمّ المؤمنینؓ نے فوراً بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان قدرے ناراض ہوکر بولے بیٹی کیا یہ بستر تمہارے باپ کے لائق نہیں؟"

انہوں نے فرمایا، یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اس پر ایک مشرک کیسے بیٹھ سکتا ہے۔

ابوسفیان خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے اور وہاں سے نکل کر مسجدِ نبویؐ میں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پہنچے اور عرض کیا، میں صلحنامہ حدیبیہ کی تجدید کے لیے آیا ہوں۔ حضور ﷺ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنا روئے انور دوسری طرف پھیر لیا۔ وہ مایوس ہوکر باری باری حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرِ فاروقؓ، حضرت عثمانِ غنیؓ، حضرت علیؓ اور رئیسِ خزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ وہ رسولِ اکرم (ﷺ) کے پاس تجدیدِ معاہدہ کے لیے سفارش کریں مگر ان سب بزرگوں نے ان کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان جب اس مقصد کی خاطر حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے درِ دولت پر گئے تو وہاں سیّدہ فاطمۃ الزّہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی موجود تھیں اور ان کے صاحبزادے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی تھے جو ابھی بچے تھے اور گھٹنے گھسیٹ کر چل رہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے (کھیل رہے تھے)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کا جواب (کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی کام کا عزم فرما لیتے ہیں تو ہماری مجال نہیں کہ اس میں آپؐ کے سامنے لب کشائی کرسکیں) سن کر ابوسفیان حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا، اے بنتِ محمد! کیا یہ ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے اس صاحبزادے سے کہیں کہ وہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے (امن وامان) کا اعلان کردے اس طرح وہ قیامت تک سارے عرب کا سردار بن جائے گا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

> ''واللہ میرا یہ فرزند ابھی اس عمر کو نہیں پہنچا کہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے (امن وامان) کا اعلان کرے اور پھر رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے (یعنی آپؐ کی اجازت کے بغیر) کوئی کسی کو پناہ (امان) دے بھی نہیں سکتا۔''

ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے خود حضرت فاطمہؓ سے بھی درخواست کی کہ وہ اپنے پدرِ گرامیؐ کے پاس سفارش کریں مگر انہوں نے بھی ایسا کرنے کی ہامی نہ بھری۔ بالآخر ہر طرف سے مایوس ہوکر ابوسفیان مسجدِ نبویؐ میں پہنچے اور بآوازِ بلند یہ اعلان کیا کہ میں صلحنامۂ حدیبیہ کی تجدید کرتا ہوں اور اس کی مدت بڑھاتا ہوں۔

یہ یک طرفہ اعلان کرکے وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور عازمِ مکّہ ہوگئے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے ابوسفیان کے اعلان کو مطلق کوئی اہمیت نہ دی اور صحابہؓ کو جہاد کے لیے تیاری کرنے کا حکم دیا مگر چند مخصوص صحابہ کے سوا کسی کو یہ نہ بتایا کہ آپ کس مہم پر جانا چاہتے ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابنِ کثیر جلد۳ ص۵۳۰، محمد رسول اللہ از محمد رضا ص۹۶۔۵۹۵)

مکّہ پر لشکر کشی کی تیاری مکمل ہوگئی:

رسولِ اکرم ﷺ نے ایک طرف تو انصار اور مہاجرین کو جہاد کے لیے تیاری کرنے کا حکم دیا اور دوسری طرف قُرب وجوار کے حلیف قبائل کے پاس اپنے قاصد یہ پیغام دے کر بھیجے کہ وہ بھی جہاد کے لیے تیار ہوکر رمضان المبارک کے آغاز میں مدینہ منورہ پہنچ جائیں۔ جو حلیف یا دوست قبائل جنوب کی جانب مدینہ سے بہت دور مکّہ کے راستے میں آباد تھے ان کے لیے آپ کی ہدایت یہ تھی کہ وہ اپنے اپنے مقام پر رہیں اور جب اسلامی لشکر ان کے قریب سے گزرے تو وہ اس میں شامل ہو جائیں۔ قریب قریب سبھی اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ اس کارروائی میں حضور ﷺ نے یہ احتیاط برتی کہ چند خاص صحابہؓ کے سوا اور کسی کو معلوم نہ ہو کہ آپؐ کا ارادہ کیا ہے اور کہاں کا قصد ہے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ قریش کو اہلِ حق کے عزم وقصد کا علم نہ ہو بصورتِ دیگر زبردست جنگ اور خونریزی کا امکان تھا جسے حضور ﷺ روکنا چاہتے تھے۔ جن صحابۂ کرامؓ کو آپؐ نے اپنے ارادے سے آگاہ کیا ان کو بھی تاکید کردی کہ فی الحال اِخفا سے کام لیں۔ انہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایام میں حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

عصرِ حاضر کے بعض اربابِ علم و دانش نے اس معاملے کو اخفاء میں رکھنے کے نظریہ کی تغلیط کی ہے۔ مولانا خالد مسعود مدیر تدبّر لاہور نے ان اصحاب کی ترجمانی یوں کی ہے:

"جس بڑے پیمانے پر لشکرکشی کا انتظام کیا گیا وہ عرب کی تاریخ میں اپنی مثال آپ تھا ڈیڑھ دو درجن قبائل کی طرف فرستادے بھیج کر پیشِ نظر مہم میں شرکت کے لیے متحرک کیا گیا سورۂ فتح کی آیت نمبر ۱۷ کی رو سے معلوم ہوتا ہے، مسلمانوں کے ہر قابلِ جنگ فرد پر لازم کیا گیا تھا کہ وہ اس مہم سے پیچھے نہ رہے۔ صرف معذور و مریض افراد کو مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ مختلف علاقوں اور قبائل سے ہزاروں افراد کا مسلّح ہو کر خاص تاریخوں میں یکجا ہو جانا ایک ایسا غیر معمولی واقعہ ہے جس کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ اپنی نوعیت کے اعتبار ہی سے ایسے واقعہ کی دھوم مچ جاتی ہے اور خاص طور پر ان لوگوں کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں جن کے خلاف کسی کارروائی کا امکان ہوتا ہے۔ (تدبر لاہور شمارہ نمبر ۵۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ ص ۴۰)

بظاہر تو یہ بات معقول نظر آتی ہے کہ اتنے بڑے واقعہ کو (جس میں ایک بڑے لشکر کو تقریباً تین سَو میل کی مسافت اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعے طے کرنی پڑے) اخفاء میں رکھنا ممکن نہیں تھا لیکن تمام یا بیشتر سیرت نگاروں کے "نظریۂ اخفا یا راز داری" کو یکسر مسترد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قیاس یہ ہے کہ حضور علیہ السلام قریش کو مقابلے کی تیاری کے لیے کم سے کم وقت دینا چاہتے تھے اس لیے آپؐ نے جہاد کی تیاری کے دنوں میں "مکّہ پر لشکرکشی کا اعلانِ عام" نہیں فرمایا بلکہ لوگوں کو صرف جہاد کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا تھا۔ دوست قبائل کو بھی آپؐ نے ایسا ہی پیغام بھیجا مطلب یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے قریش کو اپنی نقل و حرکت اور منزلِ مقصود سے بے خبر رکھا جائے۔

بہرصورت رمضان المبارک ۸ھ ہجری کے آغاز میں مہاجرین اور انصار جہاد پر جانے کے لیے بالکل تیار ہوگئے اور آس پاس کے چند قبائل بھی تیار ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ یوں مکّہ پر لشکرکشی کی تیاری مکمل ہوگئی۔ اس سے پہلے کہ ہم آگے چلیں، حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے واقعہ کی تفصیل بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا خط قریشِ مکّہ کی طرف:

مشہور بدری صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ یمن کے رہنے والے تھے اور قبولِ اسلام سے پہلے انہوں نے قریش سے حلیفانہ تعلّق قائم کر کے مکّہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ وہ دعوتِ توحید کے اوائل ہی میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوگئے تھے۔ ۱۳ھ نبوت میں مدینہ کو ہجرت کرتے وقت وہ اپنے اہل و عیال کو اپنے ساتھ نہیں لا سکے تھے۔ جن ایام میں مکّہ پر لشکرکشی کی تیاری ہو رہی تھی اُن کو مکّہ میں مقیم اپنے اہل و عیال کی سلامتی کے بارے میں سخت خطرہ لاحق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگیا۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ اگر میں قریش کو مسلمانوں کی لشکر کشی کی بروقت اطلاع دے دوں تو وہ میرے ممنونِ احسان ہو جائیں گے اور میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک خط لکھ کر مکّہ جانے والی ایک عورت کے سپرد کیا اور اُسے تاکید کی کہ اسے ہر حال میں پوشیدہ رکھنا اور مکّہ پہنچ کر اس خط کو عکرمہ بن ابوجہل کے ہاتھ میں دینا۔ اس کام کے عوض حضرت حاطبؓ نے اس عورت کو دس دینار دیے۔ یہ عورت خط لے کر روانہ ہوئی تو سرورِ عالم ﷺ کو وحی کے ذریعے اس واقعہ کا علم ہوگیا اور آپؐ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ بن العوّام اور حضرت مقدادؓ بن اسود کو حکم دیا کہ وہ اس عورت کا تعاقب کریں اور اس سے خط چھین لائیں۔ ان تینوں شہسواروں نے اس عورت کو روضۂ خاخ کے مقام پر جا پکڑا اور خط چھین کر واپس آئے۔ یہ خط حضور ﷺ کے سامنے پڑھا گیا تو آپؐ نے حضرت حاطبؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"حاطب یہ کیا معاملہ ہے؟"

انہوں نے عرض کیا: "یا رسولَ اللہ! میرے معاملہ میں جلدی نہ فرمائیے، خدا کی قسم میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دین کو تبدیل نہیں کیا اور نہ نفاق اور ارتداد کو اپنے دل میں جگہ دی ہے۔ میں غریب الوطن یمن کا رہنے والا ہوں، قریش کا حلیف ہوں اور قریشی نہیں ہوں۔ مکّے میں میرا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا اس لیے میں نے سوچا کہ اپنا کوئی حق قریش پر ثابت کر دوں تاکہ وہ میرے اہل وعیال کی حمایت اور حفاظت کریں۔[1] اسی غرض نے مجھے خط لکھنے پر آمادہ کیا اور کوئی بات نہیں۔"

یہ سُن کر حضور ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ حاطبؓ نے سچ سچ بیان کر دیا۔ حضرت عمرِ فاروقؓ بھی اس مجلس میں موجود تھے، ان کو جوش آ گیا اور بولے۔ "یا رسولَ اللہ! اگر اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں نہیں اے عمر......! حاطبؓ غزوۂ بدر میں شریک ہو چکا ہے۔ تمہیں کیا خبر، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو دیکھ کر کہہ دیا ہو کہ تم خواہ کچھ بھی کرو میں نے تمہیں بخش دیا (بروایتِ دیگر میں تمہیں بخش دوں گا۔)

(سیرۃ ابنِ ہشام ج ۲ ص ۳۹۷، زاد المعاد ج۔ ص ۴۲۱ و دیگر کتبِ سیرت)

رحمتِ عالم ﷺ کا ارشادِ مبارک سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

صحیح بخاری میں یہ واقعہ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کی زبانی اس طرح منقول ہے "رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو، زبیرؓ کو اور مقدادؓ بن اسود کو بھیجا اور فرمایا کہ تم لوگ روضۂ خاخ جاؤ وہاں ایک نقاب پوش (عورت) ہے۔ اس کے پاس ایک خط ہے۔ اس کو چھین لاؤ۔ ہم لوگ گھوڑے اُڑاتے ہوئے

---

[1] ایک روایت کے مطابق حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیوی بچوں کے علاوہ اُن کے بھائی اور ان کی والدہ بھی مکّہ میں تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئے۔ روضۂ خاخ میں وہ نقاب پوش عورت ملی۔ ہم نے کہا، خط نکال۔ بولی میرے پاس کوئی خط نہیں، ہم نے کہا خود ہی نکال دے ورنہ تیری تلاشی لی جائے گی۔ (یعنی تجھے برہنہ کر دیا جائے گا) اس نے (سر کی) چوٹی (یا کمر) سے خط نکالا۔ ہم اس کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مکّہ کے چند مشرکوں کے نام تھا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے بعض امور کی خبر درج تھی۔ آپؐ نے (حاطبؓ سے) پوچھا، اے حاطب یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یا رسولَ اللہ! عجلت نہ فرمایئے، میں قریش کا حلیف تھا...... قریشی نہ تھا، آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کے مکّہ میں قرابت دار موجود ہیں جو ان کے اہل وعیال اور مال کی حفاظت کریں گے، میں نے چاہا تھا کہ اگرچہ ان میں میرا نسب نہیں ہے لہٰذا ان کے ساتھ کوئی ایسا احسان کروں جس سے وہ میرے قرابت داروں کی حمایت کریں۔ (واللہ) یہ کام میں نے نہ تو کفر کی بناء پر کیا نہ ارتداد کی وجہ سے اور نہ رضا بالکفر کی بناء پر۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، انہوں نے سچ سچ کہہ دیا۔ عمرؓ بولے، یا رسولَ اللہ اجازت ہو تو اس منافق کی گردن ماردوں۔ آپؐ نے فرمایا، وہ بدر میں شریک رہ چکے ہیں اور تم کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ نے اہلِ بدر پر مطلع ہو کر یہ فرما دیا ہے کہ تم جو چاہو کرو، میں نے تمہاری مغفرت کر دی۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے خط کا مضمون سننے کے بعد حضرت حاطبؓ کو مسجد سے نکال دینے کا حکم دیا۔ کچھ صحابہؓ حضرت حاطبؓ کو کشاں کشاں لے چلے۔ اس حالت میں حضرت حاطبؓ بے بسی کے عالم میں پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے جاتے کہ شاید حضور ﷺ ان پر نظرِ کرم فرمائیں۔ اور پھر واقعی حضورؐ کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا۔ آپؐ نے فرمایا، حاطبؓ کو میرے پاس لاؤ۔ جب وہ حضور ﷺ کے سامنے ندامت سے سر جھکائے کھڑے تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تمہارا قصور معاف کیا۔ اب اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت کی دعا مانگو۔ آئندہ ایسا کام کبھی نہ کرنا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت حاطبؓ نے جس عورت کو خط دیا تھا اس کا نام سارّہ تھا۔ وہ ابوعمر بن صیفی بن ہاشم کی لونڈی تھی۔ گانا بجانا اور نوحہ کرنا اس کا پیشہ تھا۔ فتح مکّہ سے کچھ عرصہ پہلے حضور ﷺ سے کچھ مالی مدد حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ آئی۔ سرورِ عالم ﷺ اور صحابہ مہاجرین نے نقد رقم اور کپڑوں کی صورت میں بقدرِ استطاعت اس کی امداد کی اور زادِ راہ اور سواری بھی مہیا کر دی جب وہ چلنے لگی تو حضرت حاطبؓ نے علیحدگی میں یہ خط اس کو دے دیا۔

ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ مکّہ کا ایک مشرک شاعر ابنِ خطل سرورِ عالم ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کی ہجو کہہ کر سارہ کو یاد کرا دیتا تھا جسے وہ ترنم سے گایا کرتی تھی۔ اسی لیے حضور ﷺ نے اس کو واجب القتل (مباح الدم) قرار دیا تھا۔ فتح مکّہ کے دن حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر ڈالا۔ لیکن ابنِ ہشام اور علامہ ابوالفتح فتح الدین محمد صاحب "عیون الاثر" نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے سارّہ کو معاف فرما دیا اور وہ سعادت اندوزِ اسلام ہوگئی۔ اس کی وفات چند سال بعد حضرت عمرِؓ فاروقؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے عہدِ خلافت میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ کسی سوار کے گھوڑے کی جھپٹ میں آ گئی۔ واللہ اعلم

صحیح بخاری (کتاب التفسیر) میں ہے کہ حضرت حاطبؓ والے واقعہ کے بعد قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَآءَكُم مِّنَ ٱلْحَقِّ. (سورۃ ممتحنہ رکوع ۱)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کو دوستانہ (محبت آمیز) پیغام بھیجتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو دینِ حق آیا ہے اس کا انہوں نے انکار کیا ہے۔"

اسلامی لشکر کی مدینہ منورہ سے روانگی:

جنگی تیاریاں مکمل ہوتے ہی رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے ایک جاں نثار حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہٗ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔[1] جمہور اربابِ سِیَر کی تحقیق کے مطابق آنحضور ﷺ ۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو مجاہدین کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکّہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اس لشکر کی تعداد کے بارے میں دو مشہور روایتیں یہ ہیں:

(۱) اس لشکر کی تعداد سات آٹھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ راستے میں کئی حلیف یا دوست قبائل بھی اس میں شامل ہوگئے اور مکّہ پہنچتے پہنچتے اس کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔

(۲) یہ لشکر دس ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔ راستے میں مختلف قبیلوں کے دو ہزار افراد اور آن ملے اور مکّہ پہنچتے پہنچتے اس لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہوگئی۔

جمہور اربابِ سِیَر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے بعض سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے مکّہ پر لشکر کشی کو خفیہ رکھنے کے لیے عام راستے سے ہٹ کر نامعلوم اور چکر دار راستہ اختیار فرمایا لیکن جو اصحاب لشکر کشی کو خفیہ رکھے جانے کے قائل نہیں، ان کا موقف

---

[1] ایک اور روایت میں نابینا صحابی حضرت ابنِ اُمِ مکتومؓ کا نام بھی آیا ہے لیکن بعض اہل علم نے دونوں روایتوں میں مطابقت اس طرح پیدا کی ہے کہ نماز پڑھانے کی ذمہ داری حضرت ابنِ اُمِ مکتومؓ کے سپرد کی گئی اور انتظامی امور چلانے کی حضرت ابورہمؓ کے۔

حضرت اَبُو رُہم کا نام کلثومؓ بن حصین تھا۔ ان کا تعلق بنوغِفار سے تھا۔ حضور ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد اسلام لائے۔ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور سینے پر تیر کھا کر زخمی ہوگئے حضور ﷺ نے زخم پر اپنا لعابِ دہن لگایا چونکہ سینہ کو نحر کہا جاتا ہے اس لیے اسی نسبت سے منحور کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ بیعتِ رضوان، غزوۂ خیبر، محاصرۂ طائف اور غزوۂ تبوک میں شریک ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ حضور ﷺ ان پر بہت شفیق تھے۔ عمرۃ القضا اور فتح مکہ کے لیے تشریف لے گئے تو دونوں موقعوں پر حضرت اَبُو رُہمؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔ ان سے دو حدیثیں مروی ہیں۔ سالِ وفات کسی سیرت نگار نے بیان نہیں کیا۔ سیر الصحابہ جلد سوم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسب ذیل ہے:

"بعض سیرت نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے مکہ جانے کا جو راستہ اختیار کیا وہ دشمن کو اندھیرے میں رکھنے کے لیے نہایت غیر معروف اختیار کیا گیا۔ حقائق اس بیان کے منافی ہیں۔ نہ صرف یہ کہ لوگوں کو منزل کا علم تھا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو روانگی کا پورا ٹائم ٹیبل اور سفر کی تمام منزلیں بھی بتا دی گئی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ منورہ سے ۱۰ رمضان ۸ھ ہجری کو جب مجاہدین مکہ کو روانہ ہوئے تو ان کی تعداد ساڑھے سات ہزار تھی۔ مدینہ اور مکہ کے درمیان مختلف منزلوں پر اردگرد کے قبائل کے مسلمان ان میں شامل ہوتے گئے حتیٰ کہ مکہ کے قریب مَرُّ الظّہران کی منزل پر پہنچتے پہنچتے لشکر کی تعداد دس ہزار ہو چکی تھی۔ جو قبائل راستے میں شامل ہوئے ان میں غِفار، اَشجع، بنوسُلیم، خُزاعہ اور بنوضمرہ کے نام آتے ہیں۔ عام زندگی میں بھی جب تک پوری منصوبہ بندی کر کے مہم کے نظام الاوقات سے لوگوں کو آگاہ نہ کر دیا جائے اس میں ان کی شرکت کو یقینی نہیں بنایا جاسکتا۔ یہاں تو معاملہ طاقتور دشمن پر حملہ کا تھا، راستے کے قبائل کو نظام الاوقات سے بے خبر رکھ کر کوچ کے دوران ان کی شمولیت کی توقع کیسے کی جاسکتی تھی جبکہ یہ سارا سفر سات آٹھ دن میں طے کیا گیا۔"

(سہ ماہی تدبر لاہور شمارہ ۵ ستمبر ۱۹۹۵ مقالہ فتح مکہ از مولانا خالد مسعود سے اقتباس)

لشکرِ اسلام مکہ کے راستے میں:

اسلامی لشکر نے مدینہ منورہ سے چل کر پہلا پڑاؤ سات میل دُور صلصل کے مقام پر ڈالا۔ یہاں حضور ﷺ نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو دو سو سوار دے کر لشکر کے آگے چلنے کا حکم دیا۔ دوسرے دن لشکر تیزی سے آگے روانہ ہوا۔ جب یہ الابوآء کے مقام پر یا بروایتِ دیگر العرج اور السقیا کے درمیان کسی مقام پر پہنچا[1] تو آپؐ کے بڑے چچا کے بیٹے ابوسفیان مغیرہ بن حارث بن عبد المطلب اور پھوپھی زاد بھائی عبد اللہ بن ابی امیہ نے لشکر میں آ کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی لیکن حضور ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا (ملنے سے انکار کر دیا) کیونکہ ان دونوں نے آپ کو بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ ابوسفیان مغیرہ نے نہ صرف

---

[1] الابوآء، العرج اور السقیا (موجودہ نام ام البرک) مدینہ سے مکہ جانے والے قدیم راستے پر واقع ہیں۔ الابواء کا مدینہ منورہ سے فاصلہ تقریباً دو سو کلومیٹر، العرج کا تقریباً ۱۴۰ کلومیٹر اور السقیا کا ۱۸۰ کلومیٹر ہے۔ ایک روایت کے مطابق ابوسفیان، مغیرہ اور عبد اللہ بن ابی امیہ "عقاب" کے مقام پر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔

(جزیرۃ العرب ص ۳۱۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینِ حق کی سخت مخالفت کی تھی بلکہ آپؐ کے خلاف بہت سے ہجویہ اشعار بھی کہے تھے اسی طرح عبداللہ بن ابی امیہ نے بھی اسلام اور داعیِ اسلام ﷺ کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ اس موقع پر اُمّ المؤمنین حضرت اُمِ سَلَمہ رضی اللہ عنہا کو ان پر رحم آ گیا اور انہوں نے حضور ﷺ سے سفارش کی کہ اپنے چچا زاد بھائی کو اپنے دروازے سے مایوس نہ لوٹائیے۔ (عبداللہ بن ابی امیہ حضور کی پھوپھی عاتکہ بنتِ عبدالمطلب کے بیٹے اور حضرت اُمِ سَلَمہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی تھے)۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان مغیرہ کے ساتھ ان کا چھوٹا بیٹا بھی تھا۔ حضور ﷺ نے شرفِ باریابی بخشنے سے انکار فرمایا تو انہوں نے مایوسی کے عالم میں کہا کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے میرا قصور معاف نہ کیا تو میں اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر عرب کے ریگستان (صحرا) میں چلا جاؤں گا اور وہاں ہم دونوں باپ بیٹا بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیں گے۔ ابوسفیان مغیرہ اور عبداللہ بن امیہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہٗ سے بھی اسی طرح کی قرابت داری تھی جیسی حضور ﷺ سے تھی۔ حضرت علیؓ کو بھی ان پر رحم آ گیا اور انہوں نے ان کو مشورہ دیا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے روئے مبارک کے سامنے کی طرف آؤ اور وہی کہو جو حضرت یُوسُف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کہا تھا:

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ۔ (۱۲ : ۹۱)

''اللہ کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور بے شک ہم ہی خطا کار تھے۔''

دونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے مشورے پر عمل کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ.

(سورۃ یوسف آیۃ. ۹۲)

''آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

دونوں اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ (جعفر بن ابی سفیان مغیرہؓ نے بھی والد کی تقلید کی)۔ ابوسفیان مغیرہ رضی اللہ عنہٗ نے اس موقع پر حضور ﷺ کی مدح میں چند اشعار کہے جن میں اپنے زمانۂ جاہلیت میں کہے گئے ہجویہ اشعار کی معذرت کی۔ قبولِ اسلام کے بعد دونوں نہایت سچے اور پکے مسلمان رہے۔ عبداللہ بن ابی امیہ فتحِ مکہ، غزوۂ حُنین اور محاصرۂ طائف میں حضور ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ محاصرۂ طائف ہی کے دوران میں دشمن کا ایک تیر لگنے سے شہید ہو گئے۔ (اُسدُ الغابہ ج۵ ص ۱۶۲۔۱۶۱)

حضرت ابوسفیان مغیرہ رضی اللہ عنہٗ نے قبولِ اسلام سے پہلے حضور ﷺ کے ساتھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سالہا سال تک جو معاندانہ رویّہ اختیار کیے رکھا اس پر اتنے شرمسار تھے کہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد جب تک جیے، حضور ﷺ کی بے پایاں شفقت کے باوجود کبھی آپ ﷺ کے سامنے سر نہیں اٹھایا۔ فتح مکّہ، غزوۂ حنین اور محاصرۂ طائف میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں میں انتشار پھیلا تو وہ ان معدودے چند جاں نثاروں میں تھے جو میدانِ جنگ میں حضور ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے اس پر حضور ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی اور فرمایا، مجھے اُمید ہے تم حمزہؓ کے جانشین ہوگے۔ مسلمان ہونے کے بعد نہایت پاکبازانہ زندگی گزاری اور جہاں تک ہوسکا، اپنا دامن کبھی کسی گناہ سے آلودہ نہیں کیا۔ ۱۵ھ میں وفات پائی۔ امیر المؤمنین حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہُ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

(اُسدُ الغابہ ج ۱۱ص ۱۳۶۔۱۳۴۔ زادالمعاد ج ۲ص ۱۶۳۔۱۶۲)

لشکرِ اسلام اَلْجُحفَہ کے مقام پر پہنچا [1] تو آنحضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اسلام قبول کر کے اپنے اہل و عیال سمیت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ مکّہ سے ہجرت کر آئے تھے یہاں سے انہوں نے اپنے اہل و عیال مع ساز و سامان مدینہ منورہ بھیج دیے اور خودِ حضور ﷺ کے ساتھ شریکِ سفر ہوگئے۔

مَرُّ الظَّہر ان میں اسلامی لشکر کا پڑاؤ:

لشکرِ اسلام نے مکّہ سے ایک منزل ادھر مَرُّ الظَّہر ان کے مقام پر رات کو پڑاؤ ڈالا۔ [2] قریش کو بھی مسلمانوں کی نقل و حرکت کی سُن گُن مل گئی لیکن یہ بات ان کے سان گمان میں بھی نہیں تھی کہ حضور ﷺ کے ساتھ اتنا لشکرِ جرار آیا ہے۔ ابوسفیان، بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام کے ساتھ تجسّس کے لیے نکلے۔ مَرُّ الظَّہر ان کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ جگہ جگہ آگ روشن ہے اور دور دور تک لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی یہ شان دیکھ کر سناٹے میں آگئے۔ ادھر

---

[1] الجحفہ مدینہ مُنوّرہ سے ۲۴۸ کلومیٹر اور مکہ معظمہ سے ۱۷۳ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اب یہاں کوئی آبادی نہیں ہے۔ پہلے یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان راستے کی ایک منزل بھی تھی اور مصر سے آنے والے حُجّاج کی میقات بھی تھی جہاں سے ان کو احرام باندھنا ہوتا تھا (جزیرۃ العرب ص ۲۶۴)

[2] مُرّالظّہران مکّہ کے شمال میں تقریباً ۲۴ کلومیٹر کے فاصلے پر یہ ایک نخلستانی علاقہ ہے (ایک منزل تقریباً بارہ تا سولہ میل کے برابر ہوتی ہے) اب اس کا نام ''وادی فاطمہ'' ہے (یہ نسبت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنتِ رسول اللہ ﷺ کی طرف نہیں بلکہ سَو ڈیڑھ سَو سال قبل ترکی عہد میں فاطمہ نامی ایک دولت مند عورت کی طرف ہے) کہا جاتا ہے کہ مکّہ اور مدینہ کے درمیان کا قدیم راستہ اسی طرف سے گزرتا تھا۔ آجکل یہاں تھوڑی سی آبادی ہے جو کاشت کرتی ہے اور یہاں کی زمین کی شادابی سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ مکّہ مکرمہ میں تازہ سبزیاں اور نباتاتی اشیاء یہیں سے پہنچائی جاتی ہیں۔ مکّہ کے لوگ یہاں پکنک کی غرض سے آیا کرتے ہیں۔

(جزیرۃ العرب ص ۲۴۷ از مولانا محمد رابع ندوی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمِ رسول ﷺ حضرت عباسؓ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر فوج کے مکّہ میں داخل ہونے سے پہلے اہلِ مکّہ نے امان طلب نہ کی تو ان کو سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یہ سوچ کر اپنے لشکر سے باہر نکلے کہ مکّہ جانے والا کوئی آدمی مل جائے تو اس کے ہاتھ قریش کو پیام بھیج دیں کہ مسلمان مکّہ پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں اگر سلامتی منظور ہے تو آ کر امان طلب کرلو۔ اتفاق سے وہ اُسی طرف گئے جہاں ابوسفیان اپنے ساتھیوں سے باتیں کر رہے تھے۔

حضرت عباسؓ آواز پہچان کر پکارے ''ابوسفیان'' انہوں نے کہا، ابوالفضل ہیں؟ فرمایا ''ہاں'' ابوسفیان بولے ''میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ یہاں کہاں؟ حضرت عباسؓ نے فرمایا'' یہ مسلمانوں کی فوج ہے اور مکّہ پر قبضہ کرنے کا عزم رکھتی ہے'' ابوسفیان پریشان ہوگئے اور کہا ''پھر آپ ہی کوئی تدبیر بتائیں ''حضرت ابوالفضل عباسؓ اور ابوسفیان میں بہت دوستی تھی انہیں ابوسفیان پر رحم آ گیا، ان کے ساتھیوں کو واپس بھیج دیا اور خود ابوسفیان کو اپنے خچر پر بٹھا کر حضور ﷺ کی خدمت میں لے چلے، راستے میں حضرت عمرؓ مل گئے انہوں نے ابوسفیان کو پہچان لیا اور یہ کہہ کر ان پر جھپٹے کہ او دشمنِ خدا، شکر ہے کہ اللہ نے کسی ذمہ داری کے بغیر ہمیں تجھ پر قابو دے دیا۔ مگر حضرت عباسؓ ان کو لے کر تیزی سے حضور ﷺ کے خیمۂ مبارک میں داخل ہوگئے اور عرض کی ''یارسولَ اللہ ﷺ! میں نے ابوسفیان کو پناہ دی ہے۔''

اتنے میں حضرت عمرؓ بھی پہنچ گئے اور حضور ﷺ سے ابوسفیان کا سر قلم کرنے کی اجازت طلب کی۔ لیکن حضرت عباسؓ ان کی ڈھال بن گئے۔ حضرت عمرؓ نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت عباسؓ کو غصہ آ گیا اور بولے ''عمر اگر بنو عدی (حضرت عمرؓ کا خاندان) کا کوئی آدمی ہوتا تو تم اس کے قتل پر اتنا اصرار نہ کرتے لیکن تم کو بنو عبدِ مناف کی کیا پروا، حضرت عمرؓ نے جواب دیا ''عباس! واللہ جب آپ اسلام لائے تو مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اپنے باپ خطّاب کے قبول اسلام پر بھی نہ ہوتی۔''

اب حضور ﷺ نے دونوں کو خاموش کرا دیا اور حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو اس وقت اپنے خیمے میں لے جا کر سلاؤ۔ صبح ہونے پر ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔

صبح ہوئی تو حضرت عباسؓ، ابوسفیان کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا ''ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ خدائے واحد پر ایمان لاؤ'' انہوں نے جواب میں عرض کیا ''میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کتنے حلیم اور نیک ہیں خدا کی قسم اگر خدا کے سوا کوئی اور ذات پرستش کے لائق ہوتی تو آج میری مدد کرتی۔ پھر ارشاد ہوا ''ابوسفیان کتنے افسوس کا مقام ہے، کیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کا رسول مانو۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کس قدر شریف، حلیم الطبع اور صلۂ رحمی کرنے والے ہیں۔ سچ پوچھیں تو ابھی اس معاملہ (رسالت) کے بارے میں میرا دل مطمئن نہیں۔"

علامہ ابنِ ہشامؒ کہتے ہیں کہ اس جواب پر حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو ڈانٹ پلائی کہ جاہلی عصبیت کو چھوڑو اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ، اس پر انہوں نے فوراً کلمۂ توحید پڑھ کر اپنے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا اقرار کر لیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابوسفیان فتحِ مکہ سے دو دن پہلے اسلام لائے۔ حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ وہ فتحِ مکہ سے قبل کی رات کو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ایک دلچسپ روایت بیان کی ہے لکھتے ہیں کہ ابوسفیان حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ مسلمان آپؐ کے قریب پہنچنے کے لیے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے ہیں اس وقت ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں بھی ان کے مقابلے کے لیے ایک زبردست فوج جمع کروں گا، عین اُسی وقت حضور ﷺ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا "اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تمہیں ذلیل کرے گا" ابوسفیان حیران رہ گئے اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔ پھر عرض کیا "خدا کی قسم میرے دل کا حال اللہ نے آپ پر روشن کر دیا، بلاشبہ آپ رسولِ برحق ہیں۔ لیکن ابھی دل وسوسوں سے پاک نہیں تھا چند لمحے بعد خیال آیا "نہ جانے محمدؐ کس سبب سے ہم پر غالب آ رہے ہیں" اسی وقت حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی مدد سے غالب ہوں" اب حضرت ابوسفیان کا دل ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک ہو گیا اور وہ سچے دل سے کلمۂ شہادت پڑھ کر سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ حضور ﷺ کو اُن کے قبولِ اسلام پر بڑی مسرت ہوئی اور آپؐ نے نہ صرف ان کی جان بخشی فرمائی بلکہ یہ اعلانِ عام بھی فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس سے کوئی باز پرس نہیں، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو بھی امن ہے اور جو مسجدِ حرام میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن ہے (سوائے چند مباح الدم اشتہاری مجرموں کے) اور جو ہتھیار نہ اٹھائے اس کو بھی امن ہے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابوسفیانؓ کو پہاڑی کی چوٹی پر لے جا کر ذرا افواجِ الٰہی کی شان اور جلال کا منظر دکھاؤ۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے انہیں لے جا کر ایک مناسب جگہ پر کھڑا کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد لشکرِ اسلام کے دستے بڑی سج دھج کے ساتھ گزرنے شروع ہوئے۔ سب سے پہلے بنو غفار پرچم اڑاتے گزرے، پھر جہینہ، ہذیم اور سُلیم سرتاپا مسلح نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہوئے گزرے، سب سے آخر میں انصارِ مدینہ اس شان سے نمودار ہوئے کہ حضرت ابوسفیان ششدر ہو گئے اور حضرت عباسؓ سے پوچھا "یہ کون لوگ ہیں" انہوں نے بتایا کہ یہ اہلِ مدینہ ہیں۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سید الانصار حضرت سعدؓ بن عبادہ عَلَم بدست برابر سے گزرے، حضرت ابوسفیانؓ پر نظر پڑی تو بے اختیار پکار اٹھے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ اَلْیَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْحُرْمَةُ اَلْیَوْمَ اَذَلَّ اللّٰہُ قُرَیْشًا[1]

''آج قتل وغارت اور مار دھاڑ کا دن ہے آج حرمت حلال کر لی جائے گی آج اللہ قریش کو ذلیل کر دے گا۔''

حضرت ابوسفیان یہ سن کر گھبرا گئے اور انصار کے بعد جب خود آفتاب رسالتؐ کا دستہ نمودار ہوا تو حضور ﷺ سے مخاطب ہو کر عرض پیرا ہوئے ''یارسول اللہ! اپنی قوم پر رحم فرمائیے آپ نیکوکار اور رحیم ہیں، سعد بن عبادہ ابھی کہہ گئے ہیں کہ آج حرم میں خونریزی کی جائے گی۔ یہ سُن کر رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا:

''اے ابا سفیان! سعد نے غلط کہا ہے آج کا دن وہ دن ہے جس میں کعبہ کی عظمت دوبالا ہوگی۔ آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا، آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزّت بخشے گا۔''

پھر حضور ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا (بروایتِ دیگران کے پاس آدمی بھیجا) اور حکم دیا کہ جھنڈا اپنے بیٹے قیس کو دے دو۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوسفیانؓ مطمئن ہو گئے اور مکّہ جا کر لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی پُرزور تلقین کی اور حضور ﷺ کے اعلانِ امن سے بھی ان کو آگاہ کیا۔

(سیرۃ ابنِ ہشام ج ۲ ص ۴۰۹، زاد المعاد ج ۱ ص ۴۲۳)

اوپر ذکر آچکا ہے کہ ابوسفیانؓ کے ساتھ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا بھی مَرُّ الظَّھران پہنچے تھے۔ حضرت ابوسفیانؓ کے ساتھ یہ دونوں بھی اسی جگہ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے (بلکہ ایک روایت کے مطابق ان دونوں نے ابوسفیان کے کلمۂ توحید پڑھنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا)۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حکیمؓ بن حزام کے مکان کو بھی دارالامان قرار دیا یعنی جو شخص ان کے مکان میں داخل ہو جائے اس کو بھی امان ہے۔

(صحیح مسلم ج ۵ ص ۶۰، ضیاء النبیؐ ج ۴ ص ۴۳۲)

اس سلسلے میں وارد ہونے والی عام روایات کے برعکس ایک نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ قریش نے ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیلؓ بن ورقا پر مشتمل وفد خود تشکیل دیا تھا اور اسے حضور ﷺ کی خدمت میں عفوِ عام طلب کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ یہ تینوں اصحاب کبیر السن تھے۔ حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت حکیمؓ بن حزام کی عمر ستّر برس سے اوپر تھی جبکہ حضرت بدیلؓ بن ورقا اٹھانوے برس کے پیٹے میں تھے)۔

---

[1] بعض روایتوں میں اَلْحُرْمَة کی جگہ ''اَلْکَعْبَة'' کا لفظ آیا ہے مطلب ایک ہی ہے یعنی آج حرم شریف یا کعبہ شریف کی حُرمت کا لحاظ نہ ہوگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عام روایات کا تجزیہ کرتے ہوئے مولانا خالد مسعود مدیر مجلّہ تدبر لکھتے ہیں کہ:

''طبقات ابنِ سعد کی روایت یہ ہے کہ قریش کو مسلمانوں کے لشکرِ جرار کے متوقع حملہ سے سخت پریشانی لاحق تھی۔ انہوں نے ابوسفیان کو بھیجا کہ اگر وہ نبی ﷺ سے ملاقات کر پائیں تو اہلِ مکہ کے لیے عفوِ عام کے طالب ہوں۔ (کچھ اور روایتوں کا حوالہ دیتے ہوئے) ان روایات سے معلوم ہوا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عفوِ عام طلب کرنے کے لیے یہ وفد خود تشکیل دیا تھا یہ لوگ مَرُّ الظَّہران گئے تو پہلے خود اسلام قبول کیا اور پھر اہلِ مکہ کو نبی ﷺ کی اطاعت قبول کرنے کی دعوت دینے کے لیے واپس مکہ گئے اور یہ نوید لے کر گئے کہ ہر اس شخص کو امان حاصل ہے جو اسلامی لشکر کا مقابلہ نہ کرے اور ہتھیار نہ اٹھائے۔

(مجلّہ تدبرؔ لاہور شمارہ نمبر ۵۱ ستمبر ۱۹۹۵ء ص ۴۴۔۴۵)

لشکرِ اسلام کی ترتیبِ نو:

لشکرِ اسلام مَرُّ الظَّہران سے چل کر ذُوطُویٰ کے مقام پر پہنچا [۱] تو رسولِ اکرم ﷺ نے لشکر کی ترتیبِ نو اس طرح فرمائی کہ میمنہ (داہنے) بازو کی قیادت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہُ کے سپرد فرمائی اور ان کو حکم دیا کہ شہر مکہ میں اس کے زیریں حصے (جنوب کی جانب) سے داخل ہوں۔ میمنہ میں جُہینہ، غِفار، سُلَیم، مُزَینہ، اسلم اور کچھ دوسرے عرب قبائل شامل تھے۔ مَیسرہ (بائیں بازو) کا قائد آپؐ نے حضرت زبیر بن العوّام رضی اللہ عنہُ کو بنایا اور ان کو مکہ کے بالائی حصے (شمال کی جانب) سے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا اور ہدایت فرمائی کہ الحُجون میں آپ کا جھنڈا گاڑ کر آپؐ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں۔ [۲]

حضرت قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہُ کو حضور ﷺ نے انصارِ مدینہ کا امیر مقرر فرمایا اور انہیں شہر کے غربی گوشے سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ (پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ حضور ﷺ نے پہلے انصارِ مدینہ کی قیادت حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہُ کو تفویض فرمائی تھی لیکن بعد میں آپؐ نے ان سے جھنڈا لے کر ان کے فرزند حضرت قیس رضی اللہ عنہُ کے سپرد کر دیا تھا۔)

۱۔ ذوطُویٰ دراصل ایک کنوئیں کا نام تھا۔ اس کے اردگرد کا علاقہ بھی اسی نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت یہ جگہ شہر (مکہ) سے باہر تھی۔ اب شہر کے محلے جرول اور الزاہر اس کے پاس واقع ہیں۔

۲۔ الحُجون، معلاۃ (جنت المعلےٰ) سے متصل ایک پہاڑی ہے اسی لیے اس کے سامنے کا محلّہ بھی اسی نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ قبلِ اسلام مکہ کی آبادی اس سمت میں اسی حد تک تھی۔ (جزیرۃ العرب ص ۲۲۸۔۲۲۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے مہاجرین کا سالار مقرر فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ شمال مغرب کی جانب سے جبلِ ہندی (قُعیقِعان) کے بالمقابل مکہ میں داخل ہوں (حیاتِ محمدؐ۔ محمد حسین ہیکل) بروایتِ دیگران کو مشرق کی جانب سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا (اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ جلد ۹ ص ۲۱۰)

ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابوعبیدہؓ کو پیدل فوج کا افسر بنایا گیا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ وہ غیر مسلح لوگوں پر امیر مقرر کیے گئے۔ (اَصَحُّ السِّیَر ص ۲۵۵)

آنحضور ﷺ نے خود شہر میں داخل ہونے کے لیے کداء کا راستہ منتخب فرمایا۔ کداء حَجُون کی پہاڑی سے متّصل وہ پہاڑی راستہ ہے۔ جو بیرونِ مکہ (بالائی) سے اندرونِ مکہ کو اترتا ہے۔ (حج اور عمرہ کے لیے اسی طرف سے مکہ میں داخل ہونے کو مستحب قرار دیا گیا ہے)

لشکر کے سارے حصوں کی ترتیب ایسی تھی کہ ضرورت پڑنے پر وہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے تھے۔

لشکرِ اسلام کی ترتیبِ نو مکمل ہو چکی اور مکہ میں داخل ہونے کے لیے تمام فوجی دستوں کے راستے متعیّن ہو چکے تو حضور ﷺ نے ان سب کو سخت تاکیدی حکم دیا کہ جب تک ان کی مزاحمت نہ ہو وہ اپنی تلواریں نیاموں سے ہرگز نہ نکالیں، جب تک ان پر کسی طرف سے حملہ نہ ہو، وہ کسی پر حملہ نہ کریں۔ یہ حضور ﷺ کا عمومی حکم تھا جو سارے فوجی دستوں پر لاگو ہوتا تھا لیکن بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ایسا حکم آپؐ نے صرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہی کو دیا تھا (بدیں الفاظ کہ اگر قریش کا کوئی آدمی ان کے راستے میں مزاحم ہو تو اسے کاٹ کر رکھ دو)۔ اگر اس سلسلے کی تمام روایتوں کو پیشِ نظر رکھا جائے تو صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے تمام کمانڈروں کو خونریزی سے بچنے کی تاکید فرمائی تھی تاوقتیکہ وہ اس پر مجبور نہ ہو جائیں یعنی ان کی مسلّح مزاحمت کی جائے یا ان پر پہلے حملہ کیا جائے۔

(اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ ج ۱۹ ص ۲۱۰۔ ضیاء النبی ج ۴ ص ۴۳۸)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکّۂ معظّمہ میں اسلامی لشکر کا داخلہ

۲۰ (بروایتِ دیگر ۲۱) رمضان المبارک ۸ھ ہجری کو لشکرِ اسلام کے تمام دستے اپنے اپنے پرچم اڑاتے مکّۂ معظّمہ میں داخل ہوگئے۔ قریشِ مکّہ پر بحیثیتِ مجموعی ہیبتِ حق طاری ہو چکی تھی۔ اُن کے چند جوشیلے افراد کے سوا کسی کو مجاہدینِ اسلام کی مزاحمت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مزاحمت کرنے والوں میں عِکرَمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہؔ اور عمرو بن سہیل جیسے اکابرِ قریش بھی شامل تھے انہوں نے اپنے حلیف قبائل بنوبکر، بنوہذیل اور بنو حارث کے مشرکین کے ایک گروہ کو ساتھ ملا کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہُ کے دستے پر تیر برسانے شروع کر دیے اور پھر اپنی تلواریں بے نیام کر کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہُ نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے آناً فاناً ان لوگوں کو کچل ڈالا۔ ان کے باختلافِ روایت بارہ، تیرہ، پندرہ، اٹھائیس یا چونتیس آدمی مارے گئے اور باقی جان بچا کر بھاگ گئے (ایک روایت میں مقتول مشرکین کی تعداد ستر بھی بتائی گئی ہے واللہ اعلم بالصّواب) بھاگنے والوں میں عِکرمہ، صفوان اور عمرو بھی تھے۔ مسلمانوں کے صرف دو آدمی حضرت کُرز بن جابر فہری اور حضرت خُنَیْس الاُشعَر بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہما شہید ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق وہ اپنے لشکر سے بچھڑ کر راستہ بھٹک گئے۔ بہت سے مشرکین نے انہیں گھیر کر شہید کر ڈالا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ مشرکین کے ساتھ لڑائی میں شہید ہوئے۔ ایک روایت میں شہداء کی تعداد تین بتائی گئی ہے تیسرے شہید کا نام سلمہؓ بن میلاء الجہنی بیان کیا گیا ہے واللہ اعلم۔ مشرکین سے نبٹنے کے بعد حضرت خالدؓ کوہِ صفا پر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

بہت سے اربابِ سِیَر نے بیان کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہُ سے باز پرس فرمائی کہ یہ خونریزی کیوں کی گئی۔ حضرت خالدؓ نے صورتِ واقعہ بیان کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو اللہ کا فیصلہ ہے وہی بہتر ہے۔"

(سیرت ابنِ ہشام ج ۴ص، زاد المعاد ج ۱ ص ۸۔۴۰۷، طبقات ابنِ سعد ج ۱ص ۴۷۴ المشاہد ص ۱۶۲ و دیگر کتبِ سیرت)

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکّہ معظّمہ میں وُرُودِ مسعود:

مکّہ معظّمہ سارے عرب کا روحانی اور سیاسی مرکز تھا۔ اس کو کفر و شرک کے علَمبرداروں سے چھین کر اس پر پرچمِ اسلام بلند کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اور پرچمِ اسلام بلند کرنے والی وہ مقدس ہستی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے داعیِ توحید بنا کر دنیا میں بھیجا تھا۔ مگر کفر و شرک کے متوالوں نے دعوتِ توحید دینے کے جرم میں اس پر اس قدر مظالم ڈھائے کہ بالآخر حکمِ الٰہی کے مطابق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے اور اس پر ایمان لانے والوں کو اپنی مرزبوم سے ہجرت کرنی پڑی تھی۔ آج ان داعی توحید ﷺ کے جلو میں ہزاروں مسلح جاں نثار تھے اور اُن کو اتنی (مادّی) قوت حاصل ہوگئی تھی کہ وہ تمام جبابرۂ قریش کو تباہ و برباد کر سکتے تھے۔ اگر وہ ان ظالموں کا قتلِ عام کرتے اور ان کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجاتے ہوئے شہر میں داخل ہوتے تو ہر اعتبار سے حق بجانب تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے داعیِ توحید کو رحمۃً لِلعالمین اور حاملِ خُلقِ عظیم بھی بنایا تھا۔ آنحضور ﷺ اس شان سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے کہ اپنی ناقہ قصوا پر رکھے ہوئے ایک معمولی سے کجاوے میں جلوہ افروز تھے، سرِ اقدس پر سیاہ عمامہ تھا اور ایک معمولی سی چادر شانوں پر تھی۔ سرِ اقدس تواضع اور عبدیت کے غلبہ سے ربِّ ذوالجلال کے حضور اس قدر جھکا ہوا تھا کہ ریشِ مبارک کجاوے کو چھونے لگی تھی۔ اس وقت آپؐ سورۂ فتح ترجیع کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے۔ اونٹنی پر اپنے پیچھے آپؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ عنہٗ (شہیدِ موتہ) کے نوجوان فرزند حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہٗ کو بطور ردیف بٹھا رکھا تھا۔ مختر رسول نگری مرحوم نے اس منظر کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

مکّے میں اس شکوہ سے داخل ہوئے نبیؐ
ذکرِ خدا زبان پہ گردن جھکی ہوئی
کوئی ادا بھی فخر و مباہات کی نہ تھی
یہ انتہائے عجز کا منظر تھا دیدنی

اُشتر پہ اک مجسّمۂ انکسار تھا
خیرالوریٰؐ کے ساتھ اسامہؓ سوار تھا

جَآءَ الحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ:

رسولِ اکرم ﷺ ذُوطویٰ سے چل کر حجون کے محلّے میں پہنچے تو وہیں رک گئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہٗ نے پہلے ہی وہاں پہنچ کر آپؐ کا جھنڈا گاڑ دیا تھا۔ اسی جگہ آپؐ کا خیمہ بھی لگایا گیا۔ جب اسلامی لشکر کے دوسرے دستے بھی کامیابی سے شہر میں داخل ہوگئے تو حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق سب حجون میں یکجا ہوگئے۔ پھر آپؐ ان سب کو ساتھ لے کر حرمِ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حرم شریف میں داخل ہو کر پہلے آپؐ نے حجرِ اسود کا استلام کیا اس کے بعد اپنی سواری (ناقہ) پر بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ اس روز آپ احرام کی حالت میں نہ تھے اس لیے صرف طواف پر اکتفا کیا۔ بیت اللہ شریف کے اطراف میں تین سو ساٹھ بُت نصب تھے۔ حضور ﷺ کے دستِ مبارک میں ایک کمان تھی آپؐ اس کمان سے ان بُتوں کو کونچتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۖ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○ (۱۷: ۸۱)

''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا تحقیق باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے ساتھ ہی یہ بُت ایک ایک کر کے زمین بوس ہوتے جاتے تھے (زاد المعاد ج ا ص ۴۲۴) بعض روایتوں میں ہے کہ آپ اس کمان سے یہ آیت پڑھتے ہوئے جس بت کی طرف اشارہ کرتے وہ زمین پر گر جاتا (منہ کی طرف اشارہ ہوتا تو بت منہ کے بل گرتا اور پیٹھ کی طرف اشارہ ہوتا تو بت پیٹھ کے بَل گرتا۔) (اَصَحُّ السِّیَر ص ۲۵۸)

بعض سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ اسی روز مکّہ کے دوسرے بڑے بڑے بُت بھی توڑ ڈالے گئے ان میں سے دو بت اساف اور نائلہ کوہِ صفا پر نصب تھے۔ قریش عرصۂ دراز سے ان کی پرستش کرتے آرہے تھے۔ ایک بہت بڑا بُت ہُبل بیت اللہ شریف کے دروازے کے قریب نصب تھا۔ قریش نے اس کو بھی اپنا معبود بنا رکھا تھا۔ جب اُسے توڑا گیا تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہُ نے حضرت ابوسفیانؓ کو یاد دلایا کہ یہی وہ معبود ہے جس پر تجھ کو ناز تھا اور تم اُحُد کے دن اعلُ ھُبل کہہ کر اس کی بڑائی کا اعلان کرتے تھے۔ ابوسفیانؓ بولے اب ان باتوں کو چھوڑو اگر محمد ﷺ کے اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہوتا تو وہ اپنے پرستاروں کی مدد کرتا۔ کعبہ کی دیوار کے ساتھ کچھ بُت زیادہ بلندی پر نصب تھے ان کو گرانے کے لیے حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے کندھوں پر سوار کیا انہوں نے ان کو توڑا اور گرا دیا۔ (اصح السیر ص ۲۵۹)

کعبہ تمام مَطلَعِ انوار ہو گیا:

اطرافِ بیت اللہ کے بُتوں کو گرانے اور طواف پورا کرنے کے بعد آنحضور ﷺ سواری سے اترے اور بآوازِ بلند تکبیر کہی ساتھ ہی تمام صحابۂ کرامؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا پھر حضور ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد آبِ زم زم پیا اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہُ [1] کو بلا کر

---

[1] حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی پیچھے (حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہجرتِ مدینہ کے ضمن میں) بیان کیے جا چکے ہیں۔ یہ وہی عثمانؓ بن طلحہ ہیں جن کے خاندان میں خانہ کعبہ کی کلید برداری کا منصب مدت سے چلا آرہا تھا۔ ہجرتِ نبوی سے چند سال پہلے (جب عثمان شرف اسلام سے بہرہ ور نہیں ہوئے تھے) ایک دن حضور ﷺ نے کعبہ کے اندر جانا چاہا تو عثمان نے لپک کر دروازہ بند کر دیا اور اس پر قفل لگا دیا اس پر حضور ﷺ نے ان سے فرمایا ''اے عثمانؓ! وہ دن آنے والا ہے جب تم درِ کعبہ کی چابی میرے قبضے میں دیکھو گے اس دن میں جسے چاہوں گا اسے چابی دے دوں گا۔'' عثمان بولے ''وہ دن قریش کی ذلت اور رسوائی کا دن ہوگا جس دن کلیدِ کعبہ تمہارے ہاتھ میں ہوگی'' حضور ﷺ نے فرمایا، وہی دن تو قریش کی عظمت و جلال کا دن ہوگا۔ اس واقعہ کے چند سال بعد (فتحِ مکّہ سے پہلے عثمانؓ مشرف بہ اسلام ہوگئے اور مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے) فتح مکّہ کے موقع پر جو صحابۂ کرام حضور ﷺ کے ہمرکاب تھے، حضرت عثمانؓ بن طلحہ بھی ان میں شامل تھے۔ جب حضور ﷺ نے ان کو چابی لانے کا حکم دیا تو انہیں وہ دن یاد آگیا جب انہوں نے حضور ﷺ کو کعبے میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ اب وہ دن یاد کر کے انہیں سخت ندامت محسوس ہو رہی تھی اور ساتھ ہی ان کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ آج خانۂ کعبہ کی کلید برداری کا منصب ان کے خاندان سے کسی دوسرے خاندان کو منتقل ہو جائے گا۔

(فتح الباری کتاب المغازی پ ۱۷ ص ۳۹۔ الاصابہ ج ۸ ص ۱۰۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا کہ خانۂ کعبہ کے دروازے کی چابی لاؤ۔ وہ چابی لانے کے لیے اپنے گھر کی طرف دوڑے۔ جب ان کے واپس آنے میں کافی دیر ہوگئی تو حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بلال جاؤ اور دیکھو کہ عثمان کو کسی نے چابی لانے سے منع تو نہیں کر دیا۔ حضرت بلالؓ، حضرت عثمانؓ کے گھر گئے تو انہوں نے دیکھا کہ عثمان اپنی والدہ بی بی سلافہ سے بار بار چابی طلب کر رہے ہیں اور وہ انکار کر رہی ہیں (اس وقت تک وہ اسلام نہیں لائی تھیں) آخر حضرت عثمانؓ نے ذرا سختی سے کام لیا (اپنے لب ولہجہ میں سختی پیدا کی) تو انہوں نے چابی دے دی اور حضرت عثمانؓ نے اس کو لا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اب کعبہ کا دروازہ کھولا گیا اور حضور ﷺ حضرت اسامہ، حضرت بلال اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں کعبے کے اندر داخل ہوئے تو آپؐ نے دیکھا کہ دیواروں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصویریں بنی ہوئی ہیں اور ان کے ہاتھوں میں فال گیری یا قُمار کے تیر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ ان کافروں کو غارت کرے، یہ دونوں اللہ کے عظیم المرتبت پیغمبر ہیں واللہ انہوں نے کبھی جوا نہیں کھیلا (یا کبھی ان تیروں سے فال نکالنے کا کام نہیں کیا)۔ پھر آپؐ کے حکم سے یہ تصویریں مٹا دی گئیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ کعبہ کے اندر بھی کچھ بت رکھے ہوئے تھے اور لکڑی کے بنے ہوئے دو کبوتر بھی تھے۔ آپؐ نے ان کو بھی توڑ ڈالا۔ تصویروں اور بتوں سے کعبے کو پاک کرنے کے بعد آپؐ نے اسے دھلوایا پھر اندر سے دروازہ بند کر لیا اور دروازے کے مقابل کی دیوار سے تین ہاتھ کے فاصلے پر آپ نے (شکرانے کی) نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپؐ نے بیت اللہ کے اندرونی حصے کا چکر لگایا اور اس کے تمام کونوں اور گوشوں پر توحید وتکبیر کے کلمات کہے۔ یوں کعبۃ اللہ جسے مشرکین نے سالہا سال سے بُت کدہ بنا رکھا تھا، ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو کر مطلعِ انوار بن گیا۔ پھر آپؐ نے بیت اللہ کا دروازہ کھول دیا۔ سامنے قریشِ مکّہ سر جھکائے مسجدِ حرام میں صف در صف کھڑے تھے۔ آپؐ نے دروازے کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر ان کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

> ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی۔ تنہا تمام جتھوں کو شکست دی۔ یاد رکھو کہ تمام مفاخر، خون اور مال کے دعوے سب میرے قدموں کے نیچے ہیں البتہ بیت اللہ کی تولیت (بروایتِ دیگر کلید برداری) اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت باقی رہے گی۔ اے قریش کے لوگو! اب جاہلیّت کے غرور اور باپ دادا کے حوالے سے دوسروں پر برتری کے دعوے کو اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیا ہے۔ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔“

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

"یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْاط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌo

(الحجرات آیۃ ۱۳۔ زادالمعادج اص ۴۲۴)

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔"

کوئی مواخذہ ہے نہ اب کوئی انتقام:

حضور ﷺ کے خطبہ کے دوران قریش کے پورے مجمع پر سناٹا چھایا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُن کا ہر فرد پتھر کا ایک مجسمہ ہے اس وقت ان کو اپنی وہ شرمناک زیادتیاں یاد آرہی تھیں جو انہوں نے رحمتِ عالم ﷺ اور آپؐ پر ایمان لانے والوں پر روا رکھی تھیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو آپؐ پر گالیوں اور بہتانوں کے تیر برسایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھاتے تھے، وہ بھی تھے جو آپؐ کے صحنِ خانہ میں غلاظت پھینکا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو تبلیغ کے اوقات میں آپ پر پتھر اور خاک دھول پھینکا کرتے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ کو اور آپؐ سے ہمدردی رکھنے والے بنو ہاشم اور بنو مطّلب کے لوگوں کو تین برس تک شِعبِ ابی طالب میں قید رکھا تھا، وہ بھی تھے جو اہلِ ایمان کو جھلستی ہوئی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر بھاری پتھر رکھ دیا کرتے تھے۔ یہ وہی تو تھے جنہوں نے آپ کو اور آپؐ کے صحابہ کو اپنا وطن اور گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ وہی تو تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ہجرتِ مدینہ کے بعد بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور شہرِ نبی ﷺ پر بار بار حملے کیے۔ آج یہ لوگ مکمل طور پر رسولِ اکرم ﷺ کے قبضے میں تھے اور آپ کا ایک ہلکا سا اشارہ ان کو خاک و خون میں لوٹا سکتا تھا۔ چنانچہ جب حضور ﷺ نے ان سے مُرسلانہ جلال کے ساتھ پوچھا:

"قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں۔"

تو اُن کی زبانوں سے رحم کی بھیک مانگنے کے سوا کچھ نہ نکلا اور رحم کی یہ بھیک انہوں نے ان الفاظ میں مانگی:

اَخٌ "کَرِیْمٌ" وَّابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍo

"آپ کریم بھائی ہیں اور ہمارے کریم بھائی کے فرزند ہیں۔"

ان کا جواب سن کر رحمتِ عالم ﷺ کا دریائے کرم جوش میں آگیا اور آپؐ نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"آج میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ:

لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُاللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اِذْھَبُوْا وَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُo

"یعنی آج تم پر کوئی الزام نہیں (کوئی باز پرس نہیں، کوئی مواخذہ نہیں، کوئی سرزنش نہیں) اللہ تمہیں معاف فرمائے وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے جاؤ تم سب آزاد ہو۔"[1]

رحمتِ عالم ﷺ کے اس عدیم الشان کریمانہ سلوک کا اثر قریشِ مکہ پر یہ ہوا کہ اُن کے دل ودماغ سے کفر وشرک کا زنگ آناً فاناً دور ہوگیا، وہ اسلام اور داعیِ اسلام ﷺ کی صداقت کے قائل ہوگئے اور حضور ﷺ کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کرنے کے لیے بے تاب ہوگئے۔ ایک روایت کے مطابق شام ہونے تک قریب قریب سارے اہلِ مکہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے۔

عفوِ عام کے اعلان کے بعد (یا بروایتِ دیگر اعلان سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ یا رسولَ اللہ! ہمارے (بنو ہاشم) کے لیے سقایہ (حُجّاج کو پانی پلانے کے اعزاز) کے ساتھ حجابہ (خانۂ کعبہ کی دربانی یا کلید برداری) کا اعزاز بھی ہمیں عطا فرمائیں۔

رسولِ اکرم ﷺ نے بوجوہ اس درخواست کو قبول نہ فرمایا بلکہ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا، عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ ان کو بلایا گیا تو حضور ﷺ نے خانۂ کعبہ کے دروازے کی کُنجی ان کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا۔ "عثمان! یہ لو اپنی کُنجی۔ آج حُسنِ سلوک اور پاسِ وفا کا دن ہے۔ یہ کُنجی ہمیشہ ہمیشہ تمہارے (خاندان عبدالدّار) کے پاس رہے گی اور تم لوگوں سے وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا۔"

حجابت یا کعبہ کی دربانی/کلید برداری کا منصب مدت سے بنوعبدالدّار کے پاس چلا آرہا تھا اور حضور ﷺ کے نزدیک خانۂ کعبہ کی حجابت یا کلید برداری بنوعبدالدّار کا استحقاق تھا۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہٗ اسی خاندان کے ایک فرد تھے۔ حضور ﷺ نے "حق بحقدار رسید" کے مصداق کُنجی انہیں عطا فرما دی لیکن جب آپؐ مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے تو حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہٗ بھی آپؐ کے ساتھ مدینہ واپس چلے گئے اور درِ کعبہ کی کُنجی اپنے خاندان کے کسی

---

[1] ان میں وہ چند لوگ شامل نہیں تھے جن کو حضور ﷺ نے بعض گھناؤنے جرائم کی پاداش میں مباح الدم یعنی واجب القتل قرار دیا تھا ان میں سے بھی اکثر کو حضور ﷺ نے بعد میں معاف فرما دیا ان لوگوں کا ذکر الگ آرہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے فرد کو دے دی جو مکّہ میں مستقلاً مقیم تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد وہ مدینہ سے مکّہ آ گئے اور بیت اللہ کی کلید برداری کے فرائض سنبھال لیے یہیں ۴۲ھ ہجری میں وفات پائی۔

کعبے کی چھت پر حضرت بلالؓ کی اذان:

فتح مکّہ کے دن ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں اس وقت کعبہ کے صحن (یا حطیم) میں ابوسفیانؓ بن حرب، عتاب ابن اَسید اور حارث بن ہشام بیٹھے ہوئے تھے۔ اذان کی آواز سن کر عتاب نے کہا، اچھا ہوا اللہ نے یہ آواز سننے سے پہلے ہی میرے باپ (اسید) کو دنیا سے اٹھا لیا ورنہ یہ آواز اس کے لیے اذیّت کا باعث ہوتی۔

حارث بن ہشام نے کہا، اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ (رسولِ اکرم ﷺ) حق پر ہیں تو میں ضرور ان کا پیروکار بن جاتا (عتاب اور حارث ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) ابوسفیانؓ (جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے) بولے، واللہ میں کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ میں کوئی بات منہ سے نکالوں گا تو یہ کنکریاں بھی اس کی خبر محمد ﷺ کو دے دیں گی۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ رسولِ اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا، ابھی تم لوگوں نے جو باتیں کی ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے ان پر مُطّلع کر دیا ہے۔ پھر آپؐ نے ان تینوں کی گفتگو دہرا دی اس پر عتاب اور حارث بول اٹھے:

> ''ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں واللہ ہمارے پاس کوئی اور آدمی موجود نہیں تھا جو یہ باتیں سن کر آپ کو بتاتا۔''

اس طرح دونوں اسی وقت شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔

(البدایہ وَالنّہایہ ص ۳۲۷، اصح السیّر ص ۲۶۲)

شکرانے کی نماز:

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کے وقت اپنی چچا زاد بہن اُمِّ ہانی بنتِ ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں آپؐ نے غسل فرمایا اور پھر اللہ تعالیٰ کے شکرانہ میں آٹھ رکعت نماز پڑھی (کسی نے اس کو فتح کی نماز سمجھا اور کسی نے چاشت کی نماز)۔

(صحیح بخاری باب منزل الرّسولؐ یوم الفتح وزاد المعاد ج ا ص ۴۲۵)

ایک اور روایت میں حضرت اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ میں چاشت کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی۔ میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا۔ میں نے سلام کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے (پردے کی اوٹ سے) پوچھا، یہ کون ہے؟ میں نے کہا، میں اُمِّ ہانی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اُمِّ ہانی کو مرحبا۔ جب آپ غسل سے فارغ ہوئے تو آپ نے کھڑے ہو کر اور ایک کپڑا اوڑھ کر آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ جب آپؐ نماز سے فارغ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے تو میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ! علی (حضرت اُمِ ہانیؓ کے بھائی) کہتے ہیں کہ میں فلاں (فلاں) کو قتل کروں گا حالانکہ میں اُس (اُن) کو پناہ دے چکی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے اُمِ ہانی! جس کو تم نے پناہ دی اس کو ہم نے بھی پناہ دی۔ [1]
(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد عن اُمِ ہانی و صحیح مسلم باب استحباب صلوٰۃ الضحیٰ)

بیعتِ عامّہ:

فتح مکّہ کے دوسرے دن لوگوں کا ایک بڑا ہجوم رسولِ اکرم ﷺ سے اسلام پر بیعت کرنے کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ ان سے بیعت لینے کے لیے کوہِ صفا پر تشریف لائے اور وہاں بیٹھ کر پہلے وہاں پر موجود تمام مردوں سے اللہ اور رسول کی سمع و طاعت پر بیعت لی۔
حضور ﷺ مردوں کو بیعت کر کے فارغ ہوگئے تو آپؐ نے عورتوں سے بیعت لی۔
چونکہ آپ محرم عورتوں کے سوا کسی غیر عورت سے مصافحہ نہیں کرتے تھے اور نہ اسے ہاتھ لگاتے تھے اس لیے ان سے بیعت لینے کا یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ پانی سے بھرا ہوا ایک برتن اپنے سامنے رکھوا لیتے تھے پھر بیعت کرنے والی عورتوں سے یہ اقرار لیتے تھے کہ وہ

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی۔
۲۔ چوری نہ کریں گی۔
۳۔ زنا نہ کریں گی۔
۴۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔
۵۔ کسی پر بہتان نہ باندھیں گی۔

اس کے بعد آپ اپنا دستِ مبارک پانی میں ڈالتے اور نکال لیتے پھر عورتیں اس پانی میں اپنا ہاتھ ڈالتیں اور نکال لیتیں۔
بعد میں بیعت لینے کا طریقہ یہ ہوگیا کہ آپؐ عورتوں سے مذکورہ بالا باتوں کا اقرار لے کر ان سے فرماتے، جاؤ بیعت ہوگئی۔
ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

---

[1] حضرت اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا نے کس کو پناہ دی، وہ ایک آدمی تھا یا دو تھے اور کون تھے؟ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ ایک آدمی تھا اور بعض کہتے ہیں کہ دو تھے اور یہ دونوں اُمِ ہانیؓ کے دیور تھے۔ (الرّحیق المختوم ص ۶۵۵) ایک اور روایت میں ان دونوں کو بنومخزوم کے دو آدمی (حارث بن ہشام اور زہیر بن ابی امیہ) کہا گیا ہے اس واقعہ کے بعد دونوں پکّے مسلمان ہوگئے (المشاہد ص ۲۰۶) حضرت اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ وہ فتح مکّہ کے دن مسلمان ہوئیں اور دوسری یہ کہ وہ قدیم الاسلام تھیں اور فتح مکّہ تک اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھیں۔ (المشاہد ص ۲۰۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذریعے عورتوں سے بیعت لی وہ یوں کہ حضرت عمرؓ رسولِ اکرم ﷺ کے وہ الفاظ دہراتے جاتے تھے جو آپؐ عورتوں سے بیعت لیتے وقت فرماتے تھے مثلاً یہ کہ ''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گی، چوری نہ کرو گی وغیرہ۔
(روض الانف ج ۲ ص ۲۷۷)

عورتیں ان باتوں کا اقرار کرتی تھیں اور بیعت ہو جاتی تھی۔ ان عورتوں میں ہند بنتِ عتبہ (زوجۂ ابی سفیانؓ) بھی تھیں انہوں نے بیعت کرتے وقت گستاخی کو چھوتی ہوئی بے باکی کا مظاہرہ کیا لیکن حضور ﷺ نے ان کی بیعت قبول فرمالی اوران کی خطائیں معاف فرمادیں۔

اکثر اربابِ سِیَر نے ہند بنتِ عتبہ کے قبولِ اسلام کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی ایجاز کے بجائے اِطناب سے کام لیا جائے:

ہند بنتِ عتبہ کا قبولِ اسلام:

ہند بنتِ عتبہ (بن ربیعہ بن عبدِ شمس بن عبدِ مناف) کو اسلام اور داعیِ اسلام ﷺ سے سخت عناد تھا۔ غزوۂ بدر میں ان کا والد عتبہ اور چچا شیبہ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے باپ اور چچا کے قتل نے ان کے دل میں جذبۂ انتقام کے شعلے بھڑکا دیے تھے۔ غزوۂ اُحد میں انہوں نے عمِ رسول ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے ساتھ جو کچھ کیا اس کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔ فتح مکّہ سے کچھ پہلے ان کے شوہر ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کیا تو ان کو اس قدر غصہ آیا کہ جب وہ گھر لوٹے تو ہند نے ان کی مونچھیں پکڑ کر سخت لعنت ملامت کی یہاں تک کہ اپنی قوم کو ان کی جان لینے پر ابھارا۔ لیکن فتح مکّہ کے بعد وہ بھی دوسری عورتوں کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے پر مجبور ہوگئیں مگر اپنی مذموم حرکتیں یاد تھیں اور دل میں خوف تھا کہ حضور ﷺ ان کو معاف نہیں کریں گے اسی لیے انہوں نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال رکھی تھی اور اپنی ہیئت تبدیل کیے ہوئے تھیں۔ اس موقع پر رسولِ اکرم ﷺ اور ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ یوں تھی:

رسولِ اکرم ﷺ: عہد کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گی۔

ہند: واللہ یہ عہد آپ نے مردوں سے نہیں لیا تاہم ہمیں منظور ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ: اور چوری نہ کرو گی۔

ہند: میں نے اپنے شوہر ابوسفیان کے مال میں سے وقتاً فوقتاً (اس کی اجازت کے بغیر) خرچ کیا ہے میں نہیں جانتی تھی کہ ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز۔

رسولِ اکرم ﷺ: یہ چوری نہیں بشرطیکہ معروف کے ساتھ خرچ کیا جائے۔

اس موقع پر ابوسفیانؓ نے (جو وہیں موجود تھے) کہا، جو کچھ تم نے میرے مال سے لیا، وہ تمہارے لیے حلال ہے۔ حضور ﷺ نے متبسم ہوکر ہند سے فرمایا، اچھا تم عتبہ کی بیٹی ہند ہو؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہند: ہاں یا رسول اللہ ﷺ ماضی میں مجھ سے جو قصور سرزد ہوئے انہیں معاف فرمائیے اللہ آپ کو معاف فرمائے۔

رسول اکرم ﷺ: اور زنا نہ کرو گی۔

ہند: یا رسول اللہ! کیا کوئی حُرہ (آزاد عورت) (یا بروایتِ دیگر کوئی شریف عورت) زنا بھی کرسکتی ہے؟

رسول اکرم ﷺ: اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی۔

ہند: ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے ان کو قتل کر ڈالا۔ اب آپ جانیں اور وہ جانیں۔

(ہند کا ایک بیٹا حنظلہ بن ابی سفیان غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ ہند نے اسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہند کا یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ بہت ہنسے۔)

رسول اکرم ﷺ: اور کسی پر بہتان نہ لگاؤ گی۔

ہند: واللہ بہتان تراشی بہت بُری اور ذلیل حرکت ہے۔ بعض موقعوں پر چشم پوشی اور درگزر سے کام لینا زیادہ کارگر ہوا کرتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ: اور میری نافرمانی نہیں کرو گی۔

ہند: واللہ ہم اس مجلس میں یہ بات دل میں لے کر نہیں بیٹھی ہیں کہ کسی معروف بات میں آپ کی نافرمانی کریں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اپنے اس مکالمے میں بی بی ہند رضی اللہ عنہا کا اندازِ گفتگو بیباکانہ بلکہ گستاخانہ تھا لیکن حضور ﷺ کا دامنِ کرم بڑا کشادہ تھا۔ آپؐ نے ہند کے تمام قصور معاف فرما دیے اور ان کی بیعت قبول فرمالی۔ آپؐ کی شانِ عفو وکرم دیکھ کر ہند صدقِ دل سے مسلمان ہوگئیں اور ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ ''یا رسولَ اللہ! ایک وہ دن تھا کہ آپ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی دشمن نہ تھا اور ایک آج کا دن ہے کہ دنیا میں میرے لیے آپ سے بڑھ کر کوئی محبوب ومحترم نہیں۔''

اس کے بعد حضرت ہندؓ نے گھر جا کر اپنے معبود بُت (بروایتِ دیگر بُتوں) کو یہ کہہ کر توڑ ڈالا ''افسوس میں نے اتنی عمر تمہارے دھوکے میں ضائع کی''

قبولِ اسلام کے بعد حضرت ہند رضی اللہ عنہا کی زندگی یکسر خدمتِ اسلام کے لیے وقف ہوگئی۔ عہدِ فاروقی میں انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ شام میں رومیوں کے خلاف جہاد میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ حصہ لیا اور یوں قبولِ اسلام سے پہلے کی زندگی کا کفارہ ادا کر دیا۔

(صحیح بخاری ابواب المناقب ذکر ہند بنتِ عتبہ۔ طبقات ج ۸ ص ۱۸۲۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۳۔ نبیِ رحمت حصہ دوم ص ۷۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتح کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کا دوسرا خطبہ:

فتح مکہ کے اگلے روز رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنوخزاعہ کے ایک آدمی نے بنولیث کا ایک آدمی قتل کر دیا ہے کیونکہ بنولیث کے ہاتھوں ایک خزاعی زمانۂ جاہلیت میں مارا گیا تھا۔[1] حضور ﷺ نے اس انتقامی کارروائی کو سخت ناپسند فرمایا اور اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کے سامنے حمد وثناء کے بعد یہ خطبہ دیا:

> ''لوگو! اللہ نے مکہ کو اُسی دن حرم (حرمت والا شہر) بنایا جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس لیے وہ اللہ کی دی ہوئی حُرمت کی وجہ سے قیامت تک حرم رہے گا۔ بے شک اللہ نے مکہ سے (اصحاب) فیل کو روک دیا تھا لیکن اس نے اپنے رسول اور مسلمانوں کو اہلِ مکہ پر غالب کر دیا۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ نہ مجھ سے پہلے کبھی کسی کے لیے خونریزی حلال ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی۔ میرے لیے بھی اسے صِرف کچھ دیر (دن کی ایک ساعت) کے لیے حلال کیا گیا لیکن آج پھر اسکی حُرمت ویسی ہی قائم ہوگئی جس طرح کل تھی۔ کوئی شخص جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ یہاں خون بہائے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ خبر اُن کو پہنچا دیں جو غائب ہیں۔''

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہاں کا کانٹا نہ کاٹا جائے، نہ شکار بھگایا جائے، نہ یہاں کی گری پڑی چیز اٹھائی جائے۔ البتہ اس کا اعلان (تعارف) کرنے والا شخص اس کو اٹھا سکتا ہے۔ نہ یہاں کی گھاس اکھاڑی جائے۔ اس پر حضرت عباسؓ نے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ! اِذخر گھاس کے کاٹنے پر اس حکم کا اطلاق نہ کیا جائے کیونکہ یہ لوہاروں اور گھروں کی ضرورت کی شے ہے۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا ''مگر اِذخر'' یعنی اِذخر گھاس کو کاٹنے کی اجازت ہوگی۔

اسی موقع پر حضور ﷺ نے بنوخزاعہ کو تنبیہ کی کہ ''اپنا ہاتھ قتل سے روکو تم نے جو قتل کیا ہے میں اس کی دِیَت لازماً ادا کروں گا۔ اگر آج کے بعد کسی نے کوئی قتل کیا تو مقتول کے وارثوں کو اختیار ہوگا کہ قاتل کا خون بہائیں (یعنی اس کو قِصاص میں قتل کر دیں) یا اس سے دِیَت لیں۔ یہ بھی سُن لو کہ غلطی سے قتل ہونے والا اسی مقتول کی مانند ہے جو لاٹھی یا کوڑے سے عمداً مارا گیا ہو۔ قتلِ خطا میں پوری دِیَت ادا کرنی ہوگی یعنی سَو اونٹ جن میں چالیس گابھن اونٹنیاں ہوں۔''

---

[1] بعض روایتوں میں بنولیث کے بجائے بنو ہذیل کا نام آیا ہے یعنی زمانۂ جاہلیت میں بنو ہذیل کے ابن الاثوع نامی ایک شخص نے بنوخزاعہ کے احمر نامی شخص کو قتل کر دیا تھا فتح مکہ کے بعد خراش بن امیہ خزاعی نے ابن الاثوع ہذلی کو قتل کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قتلِ خطا اور اس کی دِیت سے متعلق خطبے کا آخری حصہ بیشتر اربابِ سیَر نے پہلے دن کے خطبے میں شامل کیا ہے لیکن انہوں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ جب قتل کے واقعہ کی اطلاع آنحضور ﷺ کو فتح کے دوسرے دن دی گئی پھر اس سے پہلے (فتح کے دن کے) خطبے سے آپؐ کے اس ارشاد کا کیا ربط ہوسکتا ہے۔ غالباً کسی غلط فہمی کی بناء پر اس کو پہلے خطبے میں شامل کر دیا گیا ہے۔

خطبہ ختم ہوا تو یمن کے ایک صاحب ابوشاہؓ نے اٹھ کر عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ خطبہ مجھے لکھوا دیجئے۔

حضور ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور یہ خطبہ لکھوا کر انہیں دے دیا۔

(صحیح بخاری کتاب العلم باب کتابۃ العلم، صحیح مسلم کتاب الحج باب تحریم مکہ، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۴۳)

اکثر سیرت نگاروں نے حضور ﷺ کے (اوپر دیے گئے) صرف اسی (ایک) خطبے کا ذکر کیا ہے جو آپؐ نے فتح کے دوسرے دن دیا یعنی فتح کے بعد یہ دوسرا خطبہ تھا۔ پہلا خطبہ آپؐ نے فتح کے دن دیا۔ لیکن کئی سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے دوسرے دن آنحضور ﷺ نے دو خطبے دیے۔ اس مبینہ دوسرے خطبے کا جو متن انہوں نے دیا ہے، اس میں وہی باتیں ہیں جو آپؐ دوسرے دن کے خطبے میں پہلے فرما چکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو کسی غلط فہمی کی بناء پر یہ سمجھا گیا کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد تین خطبے دیے یعنی ایک فتح کے دن اور دو فتح کے دوسرے دن یا دوسرے دن کے خطبے میں جو باتیں آپؐ نے ارشاد فرمائیں، ان کو بعد میں اُسی دن بعض اصحاب سے گفتگو کے دوران میں آپؐ نے دہرایا ہو اور اس کو دوسرا خطبہ سمجھ لیا گیا ہو۔ واللہ اعلم بہرصورت یہ کوئی اعتقادی مسئلہ نہیں۔

مُباحُ الدَّم مجرمین کی روداد:

رسولِ اکرم ﷺ نے فتحِ مکہ کے موقع پر جن افراد کو بعض گھناؤنے جرائم کی پاداش میں مباح الدم (واجب القتل) قرار دیا، علامہ ابنِ قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی تعداد نو لکھی ہے مگر بعض دوسرے اہلِ سیر نے ان کی تعداد گیارہ سے لے کر سترہ تک بیان کی ہے ان میں کچھ وہ تھے جو اسلام لانے کے بعد مُرتد ہوگئے تھے۔ کوئی ایسا تھا جس نے کسی مسلمان کو فریب دے کر قتل کیا تھا۔ کسی نے آپؐ کی شان میں ہجویہ اشعار کہنے اور ان کو مختلف ذرائع سے لوگوں میں پھیلانے کو اپنا شغل بنا رکھا تھا اور کچھ نے دینِ حق اور اہلِ حق کے خلاف مختلف نوعیت کے بدترین جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔ ان میں سے بیشتر کو آنحضور ﷺ نے معاف فرما دیا البتہ ناقابلِ عفو جرائم کے مرتکب بعض مجرمین کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا گیا ایسے تمام مباح الدم مجرمین جن کا ذکر مختلف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایات میں آیا ہے ان کی سزا یا معافی کی مختصر روداد حسب ذیل ہے:

ا۔ عبداللہ بن خطل:

اس کا اصل نام عبد العزّٰی تھا فتح مکہ سے پہلے مدینہ منورہ آ کر اسلام قبول کیا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کا نام عبدالعزّٰی سے بدل کر عبداللہ کر دیا۔ پھر اس کو بعض قبائل سے صدقات وصول کرنے کے لیے مُحَصِّل بنا کر بھیجا اور ایک انصاری کو اس کی خدمت کے لیے اس کے ساتھ کر دیا۔ انہوں نے راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ عبداللہ نے اپنے انصاری خادم کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور خود سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ خادم نے کھانا تیار نہیں کیا بلکہ سویا پڑا ہے۔ عبداللہ نے غصہ میں آ کر اس کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر واپس مکہ بھاگ گیا۔ یہ شخص شاعر تھا اس کے بعد وہ حضور ﷺ کی ہجو میں اشعار کہنے لگا اور یہ اشعار اپنی دو باندیوں کے ذریعے لوگوں میں پھیلانے لگا۔ وہ لوگوں کے سامنے یہ اشعار لہک لہک کر گایا کرتی تھیں۔ فتح مکہ کے دن یہ شخص زرہ پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا اور برچھی ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ میں محمد (ﷺ) کو بزورِ قوت مکہ میں داخل نہ ہونے دوں گا۔ لیکن مجاہدینِ اسلام کو دیکھ کر اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اور وہ بھاگ کر کعبہ کے پردہ میں چھپ گیا (بروایتِ دیگر کعبہ کے پردوں یا غلافِ کعبہ سے چمٹ گیا۔) حضور ﷺ نے کعبہ کا طواف کیا اور آپ کو ابنِ خطل کی کعبہ میں موجودگی کا علم ہوا تو آپؐ نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دو کیونکہ کعبہ کسی بدکار مجرم کو پناہ نہیں دیتا اور نہ حد قائم کرنے سے روکتا ہے چنانچہ حضور ﷺ کے دو صحابہؓ نے اسے قتل کر دیا۔ (اصح السیر ص ۲۶۳)

۲۔ مِقیَس بن صُبابہ لیثی:

اس کے بھائی ہشام بن صبابہ لیثی نے مدینہ آ کر اسلام قبول کیا تھا۔ ایک غزوے میں ایک انصاری نے لاعلمی میں انہیں مشرک سمجھ کر شہید کر ڈالا۔ مقیس کو اپنے بھائی کے قتل کی خبر ملی تو وہ مدینہ آیا اور اسلام قبول کر کے اپنے بھائی کی دِیَت کا خواہاں ہوا حضور ﷺ نے قتلِ خطا کرنے والے انصاری سے اس کو دِیَت دلوا دی اس نے دِیَت پانے کے باوجود انصاری کو موقع پا کر شہید کر ڈالا اور بھاگ کر مکہ چلا گیا۔ وہاں جا کر وہ اپنے دین سے بھی پھر گیا۔ حضور ﷺ نے اس کو مُباح الدّم قرار دیا۔ فتح مکہ کے دن حضرت نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہٗ نے اس کو قتل کر دیا۔ (الاصابہ ج ۶ تذکرہ ہشام بن صبابہ نمبر ۸۹۶۵)

۳۔ حویرث بن نُقید:

بعض نے اس کا نام حویرث بن نُقید (یا حارث بن نفیل) لکھا ہے مکی عہدِ رسالت میں یہ شخص مکہ میں نہ صرف مسلمانوں کو سخت اذیتیں دیتا رہتا تھا بلکہ ان کے آقا و مولا ﷺ کی ہجو بھی کرتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ عمِ رسول حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ آنحضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت اُمِ کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما کو مکے سے مدینہ لے جا رہے تھے کہ راستے میں حویرث مل گیا اس بدبخت نے اپنے عصا سے اُس اونٹ کو کچو کے دیے جس پر دونوں صاحبزادیاں سوار تھیں۔ اونٹ بھڑکا اور دونوں صاحبزادیاں زمین پر گر پڑیں۔ چوٹیں تو آئیں لیکن اللہ نے جانیں بچا لیں۔ یہی حویرث حضرت زینبؓ بنتِ رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی میں بھی ہبار بن الاسود کے ساتھ شریک تھا۔ حضور ﷺ نے اس کے ایسے ہی کرتوتوں کی بناء پر اس کو واجب القتل قرار دیا تھا۔ فتح مکہ کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے اس کو ڈھونڈ کر جہنم واصل کر دیا۔

۴۔ عِکرمہ بن ابی جہل:

مکہ میں انہوں نے اپنے دشمنِ اسلام باپ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو اذیتیں پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ہجرتِ نبویؐ کے بعد غزوۂ بدر میں باپ کے ساتھ بڑے جوش و خروش سے اہلِ حق سے لڑے۔ باپ تو لڑائی میں مارا گیا لیکن وہ بچ نکلے۔ اس کے بعد اُحد اور احزاب میں مسلمانوں کے خلاف لڑے۔ فتح مکہ سے پہلے بنو بکر کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے حلیف قبیلے بنوخزاعہ کے بہت سے افراد کو ناحق قتل کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر جن مشرکین نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہٗ کے دستے کی مزاحمت کی ان میں عکرمہ بھی شامل تھے۔ فتح مکہ کے بعد ان کی اہلیہ اُمِ حکیم بنتِ حارث بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مُشرّف بہ اسلام ہو گئیں لیکن عکرمہ نے مکہ سے راہِ فرار اختیار کی اور یمن جانے کی نیت سے ساحلِ بحر پر پہنچ گئے۔ ادھر ان کی اہلیہ نے ان کے لیے حضور ﷺ سے امان حاصل کر لی۔ پھر وہ ساحلِ بحر پر پہنچ کر عکرمہ کو اپنے ساتھ لائیں اور حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے ان کے ماضی کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور گلے لگا کر معافی کی نوید سنائی۔ حضور ﷺ کی شانِ عفو و کرم نے عکرمہ کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ سچے دل سے مسلمان ہو گئے اور باقی زندگی راہِ حق میں جہاد کرتے ہوئے گزار دی۔

۵۔ صفوان بن اُمیہ:

حالتِ کُفر میں آنحضور ﷺ سے سخت عداوت رکھتے تھے۔ مکہ میں انہوں نے اہلِ حق کو بہت ستایا تھا۔ ہجرتِ نبوی کے بعد بھی انکا معاندانہ رَویّہ برقرار رہا اسی لیے حضور ﷺ نے ان کو مباح الدم قرار دیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد ان کے چچا زاد بھائی عمیر بن وہب جُمَحی رضی اللہ عنہٗ نے ان کی سفارش کی۔ اس وقت صفوان ملک سے باہر جانے کے لیے ساحلِ سمندر پر پہنچ چکے تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمیرؓ کی سفارش پر صفوان کو معاف کرنے کا عندیہ دیا تو وہ صفوان کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساحلِ بحر سے مکہ واپس لائے۔ صفوان نے قبولِ اسلام کے لیے دو ماہ کی مہلت طلب کی حضور ﷺ نے چار ماہ کی مہلت دے دی لیکن وہ حضور ﷺ کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر میعاد سے پہلے ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ ان کا اسلام مثالی اور بہترین رہا۔ عہدِ فاروقی میں شام میں رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں سرفروشانہ حصہ لیا اور حالت کفر کی زندگی کا کفارہ ادا کر دیا۔

۶۔ وحشی بن حرب:

انہوں نے غزوۂ اُحد میں عمِ رسول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہُ کو شہید کیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ حضور ﷺ نے یہ حکم دے کر انہیں معاف فرما دیا کہ میرے سامنے نہ آیا کرو۔

۷۔ ہبّار بن اسوَد:

حالتِ کفر میں انہوں نے ایک نہایت گھناؤنا جرم کیا تھا، وہ یہ کہ انہوں نے ہجرت کے وقت حضرت زینبؓ بنتِ رسول اللہ ﷺ کے پہلو پر نیزے سے حملہ کیا یا بروایتِ دیگر ان کی سواری کو زور سے کونچا دیا جس سے سواری سرپٹ دوڑ پڑی اور سیدہ رضی اللہ عنہا زمین (ایک چٹان) پر گر پڑیں اس کے نتیجے میں ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ فتح مکہ کے وقت وہ شہر سے بھاگ گئے اور اِدھر اُدھر چھپتے رہے آخر ایک دن یکایک حضور ﷺ کے سامنے حاضر ہو گئے کلمۂ شہادت پڑھا اور اپنے گناہوں پر سخت ندامت کا اظہار کیا۔ اس پر حضور ﷺ کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا اور آپؐ نے فرمایا:

> ”میں تمہیں معاف کرتا ہوں، تم نے اسلام قبول کر لیا ہے، اللہ تمہارے ساتھ بہتر سلوک کرے اسلام پچھلے گناہوں کی سزا معاف کر دیتا ہے۔“

(الاِصابہ نمبر ۸۹۳۰ ترجمہ ہبار بن الاسود)

۸۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح:

پڑھے لکھے آدمی تھے اور قریش کے داناؤں میں شمار ہوتے تھے۔ فتح مکہ سے پہلے مدینہ آ کر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ حضور ﷺ نے انہیں کاتبِ وحی مقرر کر دیا۔ شیطان کے جھانسے میں آ کر وحی کے بارے میں بعض غلط باتیں لوگوں میں پھیلائیں۔ حضور ﷺ نے بازپرس کی تو بھاگ کر مکہ چلے گئے اور مرتد ہو گئے اسی لیے واجب القتل قرار دیے گئے۔ وہ سیّدنا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہُ کے رضاعی بھائی تھے۔ فتح مکہ کے بعد وہ انہیں ساتھ لے کر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور ان کی جان بخشی کی سفارش کی۔ حضور ﷺ دیر تک خاموش رہے۔ پھر انہیں معاف فرما دیا۔ عبداللہ دوبارہ سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اسلام کی کئی شاندار خدمات انجام دیں اور گزشتہ زندگی کا کفارہ ادا کر دیا۔

(المشاہد ص ۱۹۰۔۱۸۹، اصح السیر ص ۲۶۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔۱۰ حارث بن ہشام مخزومی ، زہیر بن ابی امیہ مخزومی:

ان دونوں نے فتح مکّہ کے دن حضرت اُمِ ہانیؓ کے گھر پناہ لی۔ان کی سفارش پر حضور علیہ ﷺ نے انہیں معاف فرما دیا۔(محمد رسول اللہ از شیخ محمد رضا)

۱۱۔ کعب بن زہیر مُزنی:

قادر الکلام شاعر تھے۔اپنے اشعار میں حضور علیہ ﷺ کی ہجو کی تھی اور واجب القتل قرار پائے تھے۔فتحِ مکّہ کے بعد جگہ جگہ چھپتے پھرتے تھے آخر ۹ ہجری میں چہرے کو کپڑے سے چھپا کر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا پھر حضور علیہ ﷺ کی مدح میں اپنا مشہور قصیدہ ''بَانَت سُعاد'' پڑھا۔آپؐ نے ان کی خطائیں معاف کر دیں اوراظہارِ خوشنودی کے طور پر اپنی چادر عنایت فرمائی۔

مذکورہ گیارہ افراد کے علاوہ بعض سیرت نگاروں نے واجب القتل افراد (ذکور) کی فہرست میں حارث بن طُلاطلہ اور عبد اللہ بن زِبَعریٰ (زِبَعرٰی) کا اضافہ کیا ہے۔اوّل الذکر کو حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے قتل کر دیا اور مؤخر الذکر کو حضور علیہ ﷺ نے معاف فرما دیا۔ان افرادِ ذکور کے علاوہ اربابِ سِیَر نے کچھ عورتوں کے نام بھی لیے ہیں جن کو ان کی اسلام سے شدید دشمنی کی بناء پر واجب القتل قرار دیا گیا تھا۔کسی نے ان کی تعداد تین کسی نے چار اور کسی نے چھ لکھی ہے۔ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ ہند بنتِ عُتبہَ (زوجہٗ ابی سفیانؓ): ان کی بارگاہِ رسالت میں حاضری اور سعادت اندوزیِ اسلام کا حال پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔

۲۔ اُمِ سَعد: فتح مکّہ کے دن قتل ہوئی اس کے تفصیلی حالات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔(مدارج النبوۃ)

۳۔ سارّہ: یہ وہی خاتون ہے جس کے ذریعے حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے قریشِ مکّہ کو خط بھیجنا چاہا تھا۔فتح کے دن (کسی کی سفارش سے) امان پا کر مسلمان ہوگئی۔(المشاہد ص ۲۰۵ بحوالہ سیرۃ ابنِ ہشام وعیون الاثر)

۴۔ قَرِتنا: ابنِ خَطَل کی لونڈی تھی اور رسولِ اکرم علیہ ﷺ کی شان میں کہے ہوئے اس کے ہجویہ اشعار گا گا کر لوگوں کو سنایا کرتی تھی۔فتح مکّہ کے دن روپوش ہوگئی پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوگئی اور عفوِ تقصیر کی مستحق قرار پائی۔

۵۔۶ قریبہ وارنب (یا ازبت): یہ دونوں بھی ابنِ خَطَل کی کنیزیں تھیں اور اس کے ہجویہ اشعار گا کر لوگوں کو آنحضور علیہ ﷺ کے خلاف اکسایا کرتی تھیں۔فتح کے دن دونوں قتل کی گئیں۔(اَصَحُّ السِّیَر ص ۲۶۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانی دشمن جاں نثار بن گیا:

بنولیث کے ایک صاحب فضالہ بن عُمیر رسولِ اکرم ﷺ کے جانی دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن جب حضور ﷺ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، فضالہ آپؐ کو شہید کرنے کے ارادے سے آپؐ کی طرف بڑھے۔ قریب پہنچے تو حضور ﷺ نے فرمایا، فضالہ ہے؟ انہوں نے کہا، جی ہاں یارسولَ اللہ! آپؐ نے فرمایا، اس وقت تمہارے دل میں کیا آرہا تھا۔

انہوں نے کہا۔ "کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا تھا۔" اُن کا جواب سن کر حضور ﷺ ہنس پڑے اور استغفراللہ کہہ کر اپنا دستِ مبارک ان کے سینے پر رکھا۔ اس کے ساتھ ہی فضالہ کے دل کی دنیا بدل گئی۔

وہ کیا نظر تھی جس نے مُقدّر بدل دیا
اِک آن میں فضالہ کو یکسر بدل دیا

(محشرؔ رسول نگری)۔

خود فضالہ کا بیان ہے کہ ابھی رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سینے سے ہٹایا بھی نہیں تھا کہ میرا دل آپؐ کی محبت سے معمور ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں آپؐ سے بڑھ کر میرے لیے کوئی محبوب نہ رہا۔ (دینِ حق کو سچے دل سے قبول کرنے کے بعد) جب میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں مجھے وہ عورت ملی جس سے میں خوش گپیاں کیا کرتا تھا اس نے معمول کے مطابق مجھے بلایا مگر میں نے یہ کہہ کر اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا کہ اللہ اور اسلام اس کی اجازت نہیں دیتے۔ (سیرت ابنِ ہشام ج ۲ص ۴۱۷۔ زادالمعاد ج ۱ص ۴۲۶)

میرا جینا مرنا انصار کے ساتھ ہے:

فتحِ مکہ کی تکمیل ہو چکی تو انصار کے دل میں اندیشہ پیدا ہوا کہ شاید رسول اللہ ﷺ اب مکہ ہی میں قیام فرمائیں۔ وہ آپس میں ایسی ہی باتیں کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے آپ کا شہر اور وطن فتح فرما دیا ہے اب آپؐ یہیں سکونت اختیار فرمائیں گے اور مدینہ واپس نہ ہوں گے۔ آنحضور ﷺ اُس وقت کوہِ صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا میں مشغول تھے۔ دعا سے فارغ ہو کر آپؐ نے انصار سے پوچھا، تم لوگوں نے کیا بات کی ہے؟ انہوں نے جھجکتے جھجکتے ندامت کے ساتھ عرض کیا کہ ہم نے یہ اور یہ بات کی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، معاذ اللہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے، میرا جینا اور مرنا اب تمہارے ساتھ ہے۔ (سیرت ابنِ ہشام ج ۲ص ۴۱۶)

یہی نہیں بلکہ حضور ﷺ نے اپنے کسی مہاجر صحابی کے لیے بھی پسند نہ فرمایا کہ وہ مکہ میں اپنی چھوڑی ہوئی کسی جائداد پر اپنا حق جتائے یا مکہ میں رہنے کا خیال دل میں لائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوری کا ایک مقدمہ:

رسولِ اکرم ﷺ کے قیامِ مکّہ کے دوران میں بنومخزوم کی ایک خاتون فاطمہ بنتِ اسود پر چوری کا مقدمہ قائم ہوا۔

(باختلافِ روایت انہوں نے کسی کا زیور چوری کرلیا یا حضور ﷺ کے کاشانۂ اقدس سے ایک چادر چُرالی اور پکڑی گئیں۔)

بنومخزوم کے لوگ گھبرائے ہوئے حِبُّ النبیؐ حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کے پاس پہنچے اور ان سے درخواست کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس خاتون کی سفارش کریں۔ حضرت اُسامہؓ نے ان کی بات مان لی اور حضور ﷺ سے التجا کی کہ وہ اس خاتون سے رعایت فرمائیں۔ ان کی بات سُن کر سرورِ عالم ﷺ کے روئے انور پر تکدر کے آثار پیدا ہوئے اور آپؐ نے فرمایا۔

"کیا تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کے بارے میں (رعایت کی) گفتگو کرتے ہو؟"

حضور ﷺ کا ارشاد سن کر حضرت اُسامہؓ لرز اٹھے اور عرض کیا۔

"یا رسولَ اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میرے لیے مغفرت طلب فرمایئے۔"

شام ہوئی تو حضور ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"امّا بعد! پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی شریف (معزز یا امیر) آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور (معمولی) آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ قسم اُس ذات کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر فاطمہؓ بنتِ محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"

چنانچہ فاطمہؓ بنتِ اسود مخزومیہ پر حد جاری کی گئی اور ان کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد ان کی زندگی میں یکسر انقلاب آ گیا اور انہوں نے اپنی توبہ کو نہایت پرہیزگاری اور استقامت کے ساتھ نباہا۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ کبھی کبھی آیا کرتی تھیں اور میں ان کی حاجت رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا کرتی تھی۔

(صحیح بخاری۔ کتاب المغازی ابواب غزوۂ فتح مکّہ و کتاب الحدود باب کراہیۃ الشفاعت فی الحدو صحیح مسلم کتاب الحدود)

ہجرت کا دور گزر چکا:

فتح مکّہ کے بعد بنوسُلیم کے دو بھائی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یارسول اللہ! ہم آپ سے ہجرت پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔" رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہجرت کا دور تو گزر چکا ہے۔" (یعنی فتح مکہ سے پہلے جو لوگ اسلام قبول کر کے اپنے وطن سے مدینہ آ گئے وہی ہجرت کے ثواب کے حقدار ہیں۔)

دونوں بھائیوں نے عرض کیا: "تو پھر یارسول اللہ! ہم کس بات پر بیعت کریں؟"

حضور ﷺ نے فرمایا: "اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ پر بیعت کرو۔"

چنانچہ دونوں بھائیوں نے اسی بات پر حضور ﷺ کی بیعت کی اور پھر انہوں نے عمر بھر جہاد فی سبیل اللہ کو اپنی زندگی کا شعار بنائے رکھا۔ ان دونوں بھائیوں کے نام ابومعبد مجالدؓ بن مسعود اور مجاشعؓ بن مسعود تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی ابواب فتح مکہ۔ اُسد الغابہ لابنِ اثیر)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
کے والد
حضرت ابوقحافہ کا قبولِ اسلام

مکہ معظمہ پر پرچمِ اسلام بلند ہوا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد حضرت ابوقحافہ تقریباً نوے برس کے شیخِ کبیر تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُن کو گھر سے اپنی گود میں اٹھا کر (بروایتِ دیگر سہارا دے کر) رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں لائے۔ حضور ﷺ نے اُن کے ضعفِ پیری اور نابینائی کو دیکھ کر فرمایا، اے ابوبکر! آپ نے انہیں یہاں آنے کی زحمت کیوں دی، میں خود اِن کے پاس پہنچ جاتا۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت ابوقحافہ کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا، اسلام لائیں (آتشِ دوزخ سے) بچ جائیں گے۔ وہ فوراً مشرّف بہ اسلام ہو گئے۔

خادمِ رسول اللہ ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

"ابوبکر صدیقؓ اپنے والد ابی قحافہ کو فتح مکہ کے دن گود میں اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے اور اُن کو آپؐ کے سامنے بٹھا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا، اگر آپ ان بزرگ کو گھر ہی میں رہنے دیتے تو یقیناً ہم خود ان کے پاس جاتے۔ پھر ابوقحافہ اسلام لائے۔ ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید برّاق تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا، اِن بالوں کا رنگ بدل دیں مگر سیاہ رنگ سے پرہیز کریں۔ حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ اسلام میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خضاب لگایا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سریۂ سعدؓ بن زید اشہلی:

رمضان المبارک ۸ ہجری کے تیسرے عشرے میں رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت سعدؓ بن زید اشہلی انصاری کو اوس اور خزرج کے بُت ''مناۃ'' کو توڑنے پر مامور فرمایا۔ مناۃ کی مورت مُشَلّل میں قُدید کے پاس ساحلِ بحر کے قریب نصب تھی۔ زمانۂ جاہلیّت میں اَوس اور خزرج کے نزدیک اس کی حیثیت ایک دیبی (دیوی) کی تھی اور وہ حج میں احرام اتارنے کی رسم یہیں ادا کیا کرتے تھے۔ یاقوت حموی نے ''معجم'' میں لکھا ہے کہ مناۃ پتھر کی ایک چٹان تھی۔ شاہانِ غسان اس کو نذرانے بھیجا کرتے تھے اور ازد کے رؤسا اس کے پجاری تھے اور اس کے معبد کا انتظام انہی کے ہاتھ میں تھا۔

حضرت سعدؓ بن زید بیس سواروں کے ساتھ مناۃ کے مندر میں پہنچے تو بڑے پجاری نے پوچھا، کس مقصد کیلئے یہاں آئے ہو؟ حضرت سعدؓ نے جواب دیا، مناۃ کو منہدم کرنے کے لیے۔

پجاری نے کہا، تم جانو اور تمہارا کام، اس کا نتیجہ بھی تمہیں ہی بھگتنا ہوگا۔ حضرت سعدؓ نے مناۃ کی مورت کو گرایا تو اندر سے ایک سیاہ فام برہنہ عورت سینہ کوبی کرتی اور شور مچاتی باہر نکلی۔ پجاری نے اس کو دیکھ کر کہا:

''اے مناۃ! اپنے غصے کو کچھ روک (قابو میں رکھ) حضرت سعدؓ سمجھ گئے کہ پجاری نے لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے پاکھنڈ پھیلا رکھا ہے انہوں نے اس عورت کو قتل کر دیا۔ پجاری خوفزدہ ہوکر کہیں دبک گیا۔

حضرت سعدؓ اس مہم کو انجام دے کر رمضان کی آخری تاریخوں میں واپس آ گئے۔
(تلقیح ابنِ جوزی ص ۳۴، طبقات ابنِ سعد ج ۲ قسم ا ص ۱۰۶)

سریۂ خالدؓ بن ولید:

۲۵ رمضان المبارک ۸ ہجری کو آنحضور ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو عُزّیٰ نامی بُت منہدم کرنے پر مامور فرمایا۔ یہ بُت مکّہ معظمہ سے دس میل کے فاصلے پر ایک باغ ''بُستانِ عامر'' (بروایتِ دیگر ایک بت خانہ) میں نصب تھا اور قریشِ کنانہ کا مرجع عقیدت تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ تیس سواروں کے ساتھ وہاں پہنچے اور اس بُت کو توڑ ڈالا۔ واپس آئے تو حضور ﷺ نے پوچھا، تم نے وہاں کچھ دیکھا بھی تھا۔ انہوں نے عرض کیا، نہیں یارسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا، پھر جاؤ۔ وہ دوبارہ وہاں گئے۔ اس مرتبہ بت خانے کے کھنڈروں سے بھیانک شکل کی ایک عورت شور مچاتی نکلی۔ حضرت خالدؓ نے اسے قتل کر ڈالا۔ دراصل یہی عورتیں بُت خانوں میں شرک اور بداخلاقی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی جڑ ہوتی تھیں۔ اب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے واپس جا کر حضور ﷺ کو اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں اب تم نے کام پورا کیا؟ یہی (مقتولہ) عُزّیٰ تھی اب کبھی اسکی پرستش نہیں ہوگی۔ [1]

سریّۂ بنی جذیمہ (۸ ہجری):

حضرت خالدؓ بن ولید عُزّیٰ کے انہدام سے فارغ ہو کر واپس آئے تو رسولِ اکرم ﷺ نے انہیں تین سو پچاس صحابہؓ کے ساتھ دعوتِ اسلام کی غرض سے بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، یہ قبیلہ بنو کنانہ کی ایک شاخ تھا جو یلملم کی جانب مکّہ سے ایک دن کی مسافت پر آباد تھے۔ حضرت خالدؓ نے حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ لوگ پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ان میں سے کچھ آدمی ناواقفیت کی وجہ سے صحیح الفاظ میں اپنے اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور اَسلَمنَا (ہم اسلام لائے) کے بجائے ''صَبَانا'' (یعنی ہم نے دین تبدیل کر لیا ہے) کہا۔ اس سے فی الحقیقت ان کی مراد یہ تھی کہ ہم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر نیا دین (اسلام) قبول کر لیا ہے۔ چونکہ مشرکینِ قریش مسلمانوں کو صابی کہا کرتے تھے اس لیے بنو جذیمہ کے ان لوگوں نے بھی اپنے اسلام کا اظہار اپنے آپ کو ''صابی'' کہہ کر کیا۔ حضرت خالدؓ نے سمجھا کہ یہ لوگ اپنے ''بے دین'' ہونے کا اظہار کر رہے ہیں چنانچہ اُنہوں نے اُن کو قتل کرا دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت خالدؓ نے بنو جذیمہ کے تمام لوگوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھیوں میں بانٹ دیا اور پھر اُن کے قتل کا حکم دیا لیکن حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف، حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ، حضرت ابو قتادہؓ اور بہت سے دوسرے صحابہؓ نے اپنے قیدی چھوڑ دیے البتہ بنو سُلَیم نے اپنے قیدیوں کو قتل کر ڈالا۔

سرورِ عالم ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ کو بہت افسوس ہوا اور آپ نے تین مرتبہ آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ ''اے اللہ، خالد بن ولید نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بری ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجہَہٗ کو اُن سب کی دِیَت (خون بہا) دے کر بھیجا۔ وہ بنو جذیمہ کے پاس گئے اور جتنے لوگ قتل ہوئے تھے اُن سب کا خون بہا ادا کیا حتّٰی کہ اگر کسی کا کُتّا بھی مارا گیا تھا تو اس کا بھی معاوضہ دیا۔ اس کے بعد جتنا مال بچ رہا وہ ویسے ہی (تالیفِ قلب کے طور پر) اُن لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب سریّۂ بنی جذیمہ، طبقات حصہ مغازی ص ۱۰۷ اُسدُ الغابہ ج ۲ ص ۱۱۲)

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عُزّیٰ کا بت خانہ ۲۵/ رمضان المبارک سے پہلے مسمار کر دیا تھا البتہ اس عورت (عُزّیٰ) کو انہوں نے ۲۵ رمضان المبارک کو قتل کیا۔ (ضیاء النبی ج ۴ ص ۴۷۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سریۂ عمروؓ بن عاص یا سریۂ سُواع:

سُواع قبیلۂ ہُذیل کا بُت تھا جو مکّہ معظمہ سے تین میل دُور ایک مقام ''رُہاط'' میں نصب تھا۔ فتح مکّہ کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو اس کے گرانے پر مامور فرمایا۔ وہ جب وہاں گئے تو سُواع کے مجاور نے پوچھا، تم کس غرض سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا، سُواع کو ڈھانے کے لیے۔ مجاور نے بڑی تحدّی کے ساتھ کہا، تم ایسا نہیں کر سکتے، سُواع خود اپنی حفاظت کرے گا۔ حضرت عمروؓ نے فرمایا، تمہاری عقل پر افسوس ہے بھلا ایک بت جو نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ سن سکتا ہے، وہ اپنی حفاظت کیا کرے گا؟ پھر انہوں نے آناً فاناً سُواع کو زمین بوس کر دیا اور مجاور سے کہا، تم نے اس کی بے بسی دیکھ لی۔ وہ یہ واقعہ دیکھ کر اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا۔ (طبقات ابنِ سعد حصہ مغازی ص ۱۰۵، تلقیح ص ۲۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ حُنین

مکّہ معظمہ پر پرچم اسلام بلند ہوئے ہفتہ عشرہ بھی نہیں گزرا تھا کہ چالیس پچاس میل دُور نجد کے علاقے میں ایک خطرناک فتنے نے سر ابھارا۔ اس فتنے کی صورت یہ تھی کہ عرب کا ایک جنگجو قبیلہ بنوہوازن یکایک مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ عدنانی قبیلہ صدہا بطون کا منبع تھا۔ یہ لوگ نجد طائف اور اس کے نواحی علاقوں میں آباد تھے۔ انہوں نے بعض دوسرے قبیلوں، ثقیف، جُشم، ہلال اور نصر وغیرہ کو بھی اپنے ساتھ ملالیا (ان میں سے کچھ بنو ہوازن ہی کے بطون تھے)۔ یہ سب مل کر مسلمانوں سے معرکہ آرا ہونے کے لیے زور شور سے تیاریاں کرنے لگے۔ آنحضورﷺ کو ان کی سرگرمیوں کی اطلاع ملی تو آپؐ نے ایک صاحب کو صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا۔[1] انہوں نے چند دن مفسدین کے اندر رہ کر اُن کے ارادوں اور جنگی قوت وغیرہ سے متعلق ہر قسم کی معلومات جمع کیں اور واپس مدینہ آ کر حضورﷺ کو فراہم کر دیں۔ آپؐ نے اس خطرناک فتنے کے استیصال کی طرف فوراً توجہ فرمائی اور مسلمانوں کو لڑائی کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا۔

مسلمانوں کے خلاف لڑنے مرنے کیلئے ان لوگوں کے یکا یک تیار ہونے کے محرِّکات کیا تھے؟ اہلِ سیَر نے ان کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کی ہیں اِن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ یہ لوگ نہ صرف کعبہ کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانا چاہتے تھے بلکہ ان کو بُت شکنی کی سزا بھی دینا چاہتے تھے۔

۲۔ مختلف قسم کی اشیا کی خرید وفروخت کے لیے ان کے نزدیک (مذہبی مرکز ہونے کے علاوہ مکّہ) بہترین منڈی کی حیثیت بھی رکھتا تھا۔ وہ اس منڈی کے ہاتھ سے نکل جانے کو برداشت نہ کر سکے۔

۳۔ وہ اس اندیشے میں مبتلا ہو گئے کہ مسلمان اب ان کے علاقوں پر بھی قبضہ کرنے اور ان کو مطیع کرنے کی کوشش کریں گے۔

۴۔ مسلمانوں کو شکست دے کر وہ اس تمام جائداد (باغات، اراضی وغیرہ) پر قبضہ کر لیں گے جو طائف اور اس کے نواح کے زرخیز علاقے میں تھی۔

۵۔ مکّہ پر اہلِ حق کے استیلا کا مطلب ان کے نزدیک یہ تھا کہ ان کے آباؤ اجداد کا مذہب اور جاہلی نظام خطرے میں پڑ گیا ہے۔ اس مذہب اور نظام کو بچانے کے لیے اسلام اور مسلمانوں کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔

۶۔ وہ اپنے زعم میں مسلمانوں کو شکست دے کر یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ شجاعت وشہامت

---

[1] بعض روایتوں میں ان کا نام حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ بتایا گیا ہے۔ (اصح السیر ص ۲۸۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور غیرت وحمیّت کے اعتبار سے ان کو قریش پر برتری حاصل ہے۔

قطع نظر اس کے کہ ان لوگوں کی شورش کے حقیقی اسباب کیا تھے، یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں نے بڑے اہتمام سے جنگ کی تیاری کی تھی اور ہزارہا جنگجوؤں پر مشتمل ایک زبردست لشکر مرتّب کرلیا تھا۔ انہوں نے اپنے اہل وعیال اور مال مویشی بھی ساتھ لے لیے تھے تاکہ ان میں سے کوئی شخص اپنی عورتوں کی عزت وناموس اور مال ومتاع کے خیال سے میدانِ جنگ سے فرار نہ ہو۔ اس لشکر کی قیادت بنو ہوازن کا ایک رئیس مالک بن عوف نضری کر رہا تھا جو تیس سال کا پُرجوش جوان تھا۔ اس نے بنوجُشم کے سردار اور اپنے زمانے کے نامور شہسوار دُرید بن صِمّہ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ اگرچہ وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا (بعض روایتوں کے مطابق اس کی عمر ایک سوبیس سال بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوچکی تھی) اور اس کی بینائی بھی جاتی رہی تھی لیکن ابھی تک اس کو بہت دانا اور صائب الرّائے سمجھا جاتا تھا اسی لیے اس کے مشوروں اور وسیع معلومات سے فائدہ اٹھانے کے لیے مالک بن عوف اس کو میدانِ جنگ میں لے آیا تھا۔ اس لشکر نے اوطاس کی وادی میں پڑاؤ ڈالا۔ لشکر میں شریک لوگوں کے اہل وعیال اور مال مویشی بھی ان کے ساتھ تھے۔ درید بن صِمّہ نے اونٹوں، بکریوں اور گدھوں کی آوازیں اور بچوں کے رونے چلانے کی آوازیں سنیں تو اس نے مالک بن عوف کو بلا کر اس سے پوچھا کہ تم مویشیوں اور عورتوں بچوں کو کیوں اپنے ساتھ لے آئے ہو۔ اس نے کہا، میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ لوگ جم کر لڑسکیں۔

دُرَید نے کہا، جب کسی لشکر کے پاؤں اکھڑ جائیں تو کوئی شے اس کے لیے روک نہیں بن سکتی، شکست ہوئی تو مال وعیال مصیبت کا باعث بن جائیں گے۔

اب دُرَید نے پوچھا، بنوکعب اور بنوکِلاب بھی آئے ہیں یا نہیں؟

مالک نے کہا، اُن میں سے کوئی نہیں آیا۔

دُرَید نے کہا، آج اگر شرف اور عزت کا دن ہوتا تو بنوکعب اور بنوکِلاب ہرگز غیر حاضر نہ ہوتے۔

اس کے بعد دونوں کے درمیان کچھ اور سوال وجواب ہوئے پھر دُرَید نے مالک کو حتمی مشورہ دیا کہ عورتوں، بچوں اور مال مویشیوں کو خطرے میں نہ ڈالو اور ان کو اپنے علاقے میں کسی محفوظ مقام پر ٹھہراؤ۔ اگر تمہیں فتح ہوئی تو یہ سب تم سے آملیں گے۔ شکست ہوئی تو تمہارے اہل وعیال اور مال مویشی بہر حال بچ جائیں گے۔

مالک بن عوف نے دُرَید کا مشورہ یہ کہہ کر رد کردیا۔ ''واللہ میں ایسا نہیں کرسکتا، تم بوڑھے ہوچکے ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہوگئی ہے'' پھر اس نے بنوہوازن کو دھمکی دی کہ میری اطاعت کرو ورنہ میں خودکشی کرلوں گا۔ چونکہ دُرید بن صِمّہ بہت کبیر السن تھا اس لیے بنوہوازن نے مالک بن عوف سے یکجہتی کا اظہار کیا اور اس کو یقین دلایا کہ وہ اس کی قیادت پر راضی ہیں۔ اس پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دُرَید نے کہا کہ یہ ایسی جنگ ہے جس میں نہ تو میں حقیقی معنوں میں شریک ہوں اور نہ اس سے یکسر الگ ہوں اس کے بعد بنوہوازن کا لشکر آگے بڑھ کر وادیٔ حُنین میں جا ٹھہرا۔[1] وہاں ان

---

[1] حُنین کسی وادی یا میدان کا نام ہے یا یہ لڑائی کسی اور بناء پر ''غزوۂ حنین'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور اگر یہ کوئی وادی یا میدان ہے تو کہاں واقع ہے؟ ان سوالوں کا جواب مختلف سیرت نگاروں نے اپنے اپنے قیاس کے مطابق دیا ہے نامور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی تصنیف ''رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' میں لکھتے ہیں۔ ''یہ (حُنین) اُس وقت بھی ایک غیر آباد مقام ہوگا اور خلافِ توقع دشمن سے مقابلے کے باعث اسے شہرت حاصل ہوگئی اور قرآن میں بھی اس کا ذکر آگیا اور آج بھی یہ حنین لاپتہ ہے۔ گزشتہ ہزار سوا ہزار برس سے جو مفسرؒ، مؤرخ، جغرافیہ نویس، اور دیگر مؤلف اس کا ذکر کرتے آئے ہیں، اُن میں اس بارے میں باہم اختلاف ہے۔ کوئی اسے مکّے سے ایک دن کی مسافت پر بتاتا ہے تو کوئی چار دن کی...... یہ حنین غالباً مکّے سے طائف جانے کے راستے پر سیدھے راستہ کی جگہ نیم دائرہ چکر بنانے پر پڑتا ہوگا۔ یہ قرینِ قیاس نہیں کہ مکّے سے صرف ایک دن کے فاصلے پر دشمن کا لشکر آگیا ہو اور آنحضرت ﷺ بے خبر رہے ہوں یقیناً چار دن کی مسافت یعنی چالیس پچاس میل یا اس سے بھی کوئی زائد مسافت پر یہ معرکہ ہوا ہوگا۔ (ص ۸۴-۳۸۳)

اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ''ایک دن یا ایک رات کی مسافت'' کی اصطلاح عرب میں ۱۲ تا ۱۶ میل کے ایسے فاصلے کے لیے استعمال کی جاتی تھی جو ایک دن میں پاپیادہ طے کیا جاتا تھا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ وادیٔ اوطاس ہی کا دوسرا نام وادیٔ حنین ہے لیکن حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ حنین ایک دوسری وادی ہے جو ذوالمجاز کے بازو میں واقع ہے وہاں سے عرفات ہوتے ہوئے مکّے کا فاصلہ دس میل سے زیادہ ہے۔ (فتح الباری ۸/ ۲۷،۴۲)

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ وادیٔ حنین اور مکّہ معظمہ کے درمیان تین راتوں کی مسافت ہے۔ (طبقات ابنِ سعد حصہ اوّل ص [illegible])

طائف کے راستہ میں ذوالمجاز کے برابر حنین ایک وادی ہے اس کے اور مکّہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ (محمد رسول اللہؐ از شیخ محمد رضا ص ۲۳۲)

مولانا محمد رابع حسنی ندوی نے اپنی تالیف ''جزیرۃ العرب'' میں لکھا ہے:

''مکّہ مکرمہ سے شمال مشرقی جانب طائف کے لیے جو راستہ جاتا ہے اس راستہ پر یہ (حنین) ایک وسیع میدان ملتا ہے جس کے اطراف میں پہاڑیاں ہیں اور اس سے گزرنے کے بعد الشرائع نامی بستی ملتی ہے اس میدان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں غزوۂ حنین ہوا تھا اسکو وادیٔ اوطاس بھی کہا جاتا ہے۔'' (جزیرۃ العرب ص ۲۷۴)

ایک خیال یہ بھی ہے کہ غزوۂ حنین جبل اوطاس کی پُر پیچ وادیوں میں ہوا۔ جبلِ اوطاس طائف کے شمال مشرق میں کوئی تیس چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۸ ص ۶۹۷)

بعض جدید سیرت نگاروں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حُنین کسی مقام کا نام نہیں ہے ورنہ سورۂ توبہ کی پچیسویں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں نے مختلف گھاٹیوں، تنگ راستوں اور جگہ جگہ چٹانوں کی آڑ میں کمین گاہیں اور مورچے بنالیے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّہ معظّمہ سے روانگی:

فتح کے بعد رسول اکرم ﷺ نے باختلافِ روایت پندرہ یا اٹھارہ دن مکّہ معظمہ میں قیام فرمایا اور ۶ شوال ۸ ھ ہجری کو آپؐ نے بنو ہوازن اور ان کے حلیفوں کی سرکوبی کیلئے مکّہ مکرمہ سے کوچ فرمایا۔ روانگی سے پہلے آپؐ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہُ کو مکّہ کا امیر مقرر فرمایا اور لوگوں کو دینی احکام اور شرعی قوانین سکھانے کے لیے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مکّہ میں چھوڑ دیا۔ حضرت عتابؓ بن اُسید (بن ابی عیص بن امیہ بن عبدِ شمس بن عبدِ مناف بن قصیّ) کا تعلق بنو امیّہ سے تھا۔ اگرچہ ان کی عمر بیس برس سے کچھ اوپر تھی اور وہ تازہ تازہ (فتح مکّہ کے دن) اسلام لائے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے اوصافِ حمیدہ سے نوازا تھا کہ حضور ﷺ نے ان کو مکّہ معظمہ کا پہلا امیر مقرر کرنے کے لیے منتخب فرمایا۔ حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عتابؓ کے اخراجات کے لیے دو درہم روزانہ مقرر فرمائے اور وہ اسی پر قانع رہے۔

حضور ﷺ کے ہم رکاب لشکر میں دس ہزار تو وہ اصحاب تھے جو مدینہ منورہ سے آپؐ کے ساتھ آئے تھے، ان کے علاوہ دو ہزار مکّہ کے باشندے بھی تھے۔ ان میں اکثر نئے نئے مسلمان ہوئے تھے (یعنی فتح مکّہ کے موقع پر اسلام لائے تھے) اور کچھ ایسے بھی تھے جو ابھی تک حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئے تھے۔ اتنے بڑے لشکر کے لیے نہ صرف کثیر مقدار میں اسلحہ کی ضرورت تھی بلکہ رسد اور دوسری ضروریات کے لیے بھی کافی روپیہ کی ضرورت تھی۔ آپ کو بتایا گیا کہ بنُو جمح کے رئیس صفوان بن امیّہ کے پاس دولت کی ریل پیل کے علاوہ اسلحہ کا بڑا ذخیرہ بھی ہے۔ صفوان ابھی

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

آیت میں "مَوَاطِنَ" کے بعد وَمُوطِن حُنَین آتا۔ لیکن مواطن (میدانِ جنگ) کے بجائے "یوم" کا لفظ آیا ہے اور یوم سے "ایّام العرب" مراد ہیں جو جنگ ہائے عرب کے لیے معروف ہیں اس لیے صرف اتنی بات قرآن سے صاف ہو جاتی ہے کہ "حنین کی جنگ یا حُنین کا دن"۔ "حنین" کی نسبت تیرافگنی سے ہے عربی لغات میں "الحنانہ" (ح ن ن) تیراندازی کے وقت کمان کی تانت کھینچنے سے نکلنے والی آواز اور ہوا سے گزرتے تیر کی سنسناہٹ کو کہتے ہیں۔ آواز دینے والا تیر بھی الحنان کہلاتا ہے۔ غزوۂ حنین میں بنو ہوازن نے جس طرح مسلمانوں پر تیر برسائے اور اس سے جو کیفیت پیدا ہوئی اسی کی نسبت سے اس دن کو یومِ حنین کہا گیا۔ یہ حَن (ح ن ن) کا اسمِ تصغیر ہے جو اُس تکلیف وہ احساسِ حقارت کا مفہوم ادا کرنے کے لیے بنایا گیا جو بنو ہوازن کے ماہر تیراندازوں کے تیروں کی بارش سے پیدا ہوا۔

(سیرت احمد مجتبیٰ ج ۳ ص ۳۵۰ بحوالہ رسول اکرمؐ کی جنگی اسکیم عبدالباری ص ۹۰۔۱۸۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک اسلام نہیں لائے تھے اور حضور ﷺ کی عطا کی ہوئی مہلت کے چار مہینے گزار رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ان سے عاریتاً اسلحہ اور روپیہ طلب کیا تو انہوں نے معقول مقدار میں اسلحہ فراہم کیا اس میں سَو یا اس سے زیادہ زرہیں بھی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے پچاس ہزار درہم بھی حضور ﷺ کو بطورِ قرض دیے اور کچھ سواریاں بھی مہیّا کیں۔

(سیرت ابنِ ہشام ج ۲ ص ۴۴۰، موطا امام مالک ص ۷ا۱، زاد المعاد ج ۲ ص ۳۱۹)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس موقع پر عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور حویطب بن عبد العزّٰی سے بھی چالیس چالیس ہزار درہم بطور قرض لیے۔

(اُسُد الغابہ ترجمہ عبد اللہ بن ابی ربیعہ۔ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۹۳)

عبد اللہؓ بن ابی ربیعہ اور حویطبؓ بن عبد العزّٰی دونوں مکّہ کے رئیس تھے۔ ان دونوں کو فتح مکّہ کے بعد قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔

مکّہ سے چلتے وقت ایک صاحب (یا کچھ اصحاب) کے منہ سے نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے یا یہ کہ آج ہم (اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ) ہرگز مغلوب نہیں ہو سکتے۔

یہ بات ان کے منہ سے اس لیے نکلی تھی کہ اس سے پہلے کسی غزوے میں کبھی اتنی تعداد میں فوج اکٹھی نہیں ہوئی تھی یہ پہلا موقع تھا کہ اسلامی لشکر بارہ ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کو ان کی یہ نازش پسند نہ آئی اور اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کو بتا دیا کہ کثرتِ تعداد پر ان کا غرّہ حُنین کے دن ان کے کسی کام نہ آیا۔ (سورۂ توبہ آیت ۲۵)

جاہلی رسموں سے احتراز کی تلقین:

زمانۂ جاہلیت میں بعض قبائل کو بیر کے ایک بڑے اور سرسبز درخت سے بڑی عقیدت تھی۔ اسے ''ذاتِ انواط'' کہا جاتا تھا۔ اس درخت کے عقیدت مند لوگ برکت حاصل کرنے کے لیے اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے۔ اس کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے اور ایک دن اس کے نیچے اور آس پاس قیام کر کے میلہ لگاتے تھے۔ اسلامی لشکر میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل تھے جو قبولِ اسلام سے پہلے اس درخت کے عقیدت مند تھے وہ تھوڑے ہی دن پہلے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے اور اسلام اُن کے ذہنوں میں پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا۔ دورانِ سفر میں ان کو یہ درخت نظر آیا تو انہوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی ''یا رسول اللہ! جیسا اُن (مشرکین) کا ''ذاتِ نواط'' تھا ویسا ہی ''ذاتِ نواط'' ہمارے لیے بھی بنوا دیجیے۔''

حضور ﷺ نے ان کی یہ عجیب درخواست سن کر فرمایا، اللہ اکبر! اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، تم نے مجھ سے ویسی ہی فرمائش کی ہے جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کی تھی کہ:

اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰـهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ. (الاعراف: ۱۳۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی "ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دیجیے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔"
بے شک تم اپنی پیشرو قوموں کے طور طریقوں کی پیروی کرو گے۔

(ترمذی ۲/۴۱، سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۴۴۲)

میدانِ کارزار میں:

اسلامی لشکر چار دن کے سفر کے بعد ۹ شوال ۸ھ ہجری کی رات کو وادیٔ حنین میں پہنچا۔ دشمن اس سے پہلے ہی وہاں پہنچ کر موزوں مقامات پر کمین گاہیں اور مورچے قائم کر چکا تھا۔ ۱۰ شوال کی صبح کے دھندلکے میں حضور ﷺ نے لشکر کی ترتیب قائم فرمائی اور اس کے مختلف حصوں پر افسر اور علمبردار مقرر فرمائے۔ پھر اس کو دشمن کی طرف آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اسلامی لشکر نے جونہی نشیب میں اتر کر آگے بڑھنا شروع کیا اس پر مختلف اطراف سے تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے ماہر تیر اندازوں کے اس غیر متوقع بھرپور حملے سے مسلمانوں میں افراتفری پھیل گئی۔ رسولِ اکرم ﷺ اور چند صحابہؓ کے سوا اکثر مسلمان تیروں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لیے میدانِ جنگ سے اِدھر اُدھر ہوگئے۔ [1] بھگدڑ اور افراتفری کے اس عالم میں آنحضور ﷺ چند جاں نثاروں کے ساتھ میدانِ کارزار میں کوہِ استقامت بن کر کھڑے تھے اپنے خچر کو آگے بڑھنے کے لیے ایڑ لگاتے ہوئے آپ بآوازِ بلند فرما رہے تھے:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ...... أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

"میں نبی ہوں اس میں کچھ جھوٹ نہیں ...... میں عبد المطلب کا فرزند ہوں

اس وقت حضرت ابوسفیان مغیرہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے زین کا پچھلا حصہ پکڑ رکھا

---

[1] اس نازک موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ باختلاف روایت نو، دس، بارہ یا اسی مہاجرین وانصار ثابت قدم رہے۔
بعض رواتوں میں غزوۂ حنین کے ابتدائی حالات مختلف انداز میں بیان کیے گئے ہیں مثلاً صحیح بخاری میں اس غزوہ سے متعلق حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسلمانوں نے کفار پر حملہ کیا۔ وہ حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد ہم مالِ غنیمت لوٹنے میں مشغول ہوگئے تو دشمن نے ہم پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۰ حدیث ۱۴۵۰)

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حنین میں مشرکین نے نہایت عمدہ صف بندی کی تھی۔ پہلے گھڑ سواروں کی صف، پھر پیادوں کی صف، ان کے پیچھے عورتیں پھر بھیڑ بکریاں اور ان کے پیچھے اونٹ تھے۔ ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ ہماری فوج میں ایک جانب کے سواروں کے امیر خالد بن ولید تھے مگر یکایک ہمارے سوار (دشمن کی تیر اندازی کی وجہ سے) پسپا ہونے لگے۔ دیہاتی (اعراب) بھی بھاگے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ڈانٹا اور اے مہاجرین! اے انصار! کہہ کر ان کو بلایا۔ مسلمانوں نے کفار پر حملہ کیا، وہ تاب نہ لا کر بھاگے۔ مسلمان مالِ غنیمت لوٹنے میں مشغول ہوگئے۔ اس وقت کفار نے تیروں کی ایسی بوچھاڑ کی کہ مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی (صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۳ ص ۷۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ نے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی دونوں خچر کو تیز چلنے اور آگے بڑھنے سے روک رہے تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ سے فرمایا، اصحابِ سمرہ (یعنی کیکر کے درخت کے نیچے بیعتِ رضوان کرنے والوں) کو پکاریے۔ حضرت عباسؓ کی آواز خاصی بلند تھی انہوں نے بآوازِ بلند پکارا، اے اصحابِ سمرہ! اے گروہ انصار! کہاں ہو؟ حضور ﷺ خود بھی بنفسِ نفیس آواز دے رہے تھے، اے مہاجرین اے انصار کی جماعت! آنحضور ﷺ اور حضرت عباسؓ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دائیں بائیں ہر طرف سے لوگ اس طرح میدانِ جنگ کی طرف پلٹے جس طرح گائے اپنے بچوں کی طرف آتی ہے (یا بروایتِ دیگر اونٹ اپنے بچوں کی طرف دوڑتا ہے) اب مسلمانوں نے کفار پر نہایت جوش وخروش سے ایسا تند وتیز حملہ کیا کہ ان کے قدم اُکھڑ گئے۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے زمین سے مٹھی بھر خاک لے کر دشمن کی طرف پھینک دی۔ اس سے دشمن کے ہر آدمی نے ایسا محسوس کیا کہ اس کی آنکھ مٹی سے بھر گئی ہے۔ آناً فاناً دشمن شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا اور تقریباً ستر لاشیں میدان میں چھوڑ گیا۔ صحابہ میں سے صرف چار نے شہادت پائی۔ چھ ہزار اسیرانِ جنگ کے علاوہ مالِ غنیمت میں ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بکریاں اور ۴ ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ (ایک اوقیہ کا وزن ۳۴ گرام یا تقریباً پونے تین تولہ کے برابر ہوتا ہے) قرآنِ حکیم میں غزوۂ حنین کا ذکر اس طرح آیا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ (۲۵) ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ○

(سورۂ توبہ: ۲۵-۲۶)

ترجمہ: ''اللہ بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے اور غزوۂ حنین کے دن جب تم کو اپنی کثرتِ تعداد کا غرّہ تھا تو کوئی چیز تمہارے کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول اور مومنوں پر نازل فرمائی اور ایسے لشکر نازل فرمائے جو تمہیں نظر نہ آتے تھے اور اُن لوگوں کو جو منکرِ حق تھے، سزا دی اور منکرینِ حق کی یہی سزا ہے۔''

شکست کھانے کے بعد کفّار دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے ایک گروہ بھاگ کر اوطاس کی گھاٹی میں چلا گیا اور دوسرے نے بھاگ کر طائف میں پناہ لی ایک اور روایت میں ہے کہ کچھ شکست خوردہ مشرکین بطنِ نخلہ کی طرف چلے گئے۔ ان لوگوں کو شکست خوردہ لشکر کا تیسرا گروہ کہا جاسکتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سریۂ اَوطاس یا سریۂ ابی عامر اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

جیسا کہ پیچھے بیان ہوا ہے، حنین میں شکست کھانے والے مشرکین کا ایک گروہ اوطاس کی وادی میں جا ٹھہرا تھا جہاں بنو ہوازن اور بنو ثقیف کا مال اسباب پڑا تھا۔ اس گروہ کی سرکوبی کے لیے رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو مامور فرمایا اور کچھ فوج دے کر انہیں اوطاس کی جانب روانہ فرمایا۔ اس فوج میں کئی جلیل القدر صحابہ حضرت زبیرؓ بن العوّام، حضرت سلمہؓ بن الاکوع اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (حضرت ابو عامرؓ [1] کے برادر زادے) وغیرہ بھی شامل تھے۔

حضرت ابو عامرؓ اس شان سے مشرکین سے نبرد آزما ہوئے کہ سریہ کی امارت کا حق ادا کردیا۔ انہوں نے ایک ایک کر کے نو مشرکوں کو جہنم واصل کیا۔

آخر میں حارث بن جُشم کے دو بیٹوں علاء اور اوفی نے ان کو اپنے تیروں کی زد میں لے لیا ان میں سے ایک کا تیر حضرت ابو عامرؓ کے گھٹنے میں لگا۔ ایک اور روایت کے مطابق ایک تیر اُن کے سینے میں بھی لگا اور وہ زمین پر گر گئے۔ ان کا یہ زخم جان لیوا ثابت ہوا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

> "جب ہم لوگوں نے حنین کے بھگوڑوں کا تعاقب کیا اور مقام اوطاس میں ان کو جا لیا تو فریقین میں (خونریز) لڑائی شروع ہوگئی اثنائے جنگ میں بنی جُشم کے ایک شخص نے ابو عامرؓ کے زانو پر تیر مارا۔ وہ (شدید زخمی ہوکر) زمین پر گر گئے۔ میں ان کے پاس گیا اور پوچھا، چچا جان! آپ کو کس نے تیر مارا؟ انہوں نے انگلی سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ شخص ہے۔ میں فوراً اس شخص کی طرف لپکا۔ وہ مجھ کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ میں بھی اس کے پیچھے یہ کہتا ہوا دوڑا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ مردوں کے مقابلہ سے جان چُرا کر بھاگتا ہے۔ آخر وہ غیرت کھا کر رُک گیا اور تلوار نکال کر میرے مقابل ہوا۔ میں نے اس کو قتل کر ڈالا پھر میں واپس آیا اور ابو عامر کو خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دشمن کو ہلاک کر ڈالا۔ تیر ابھی تک ابو عامرؓ کے زانو میں پیوست تھا انہوں نے کہا، میرے زانو سے تیر نکالو۔ تیر نکالتے ہی ابو عامرؓ کے زخم سے خون

---

[1] حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہٗ اکابرِ صحابہ میں تھے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے چچا تھے۔ غزوۂ خیبر (محرم ۷ ہجری) کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور بنو اشعر کے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اپنے وطن یمن سے مدینہ منورہ پہنچے۔ فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں رسولِ اکرم ﷺ کے ہم رکاب تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا فوارہ اُچھلا (اور اس قدر خون نکلا کہ ان کے جسم میں کچھ نہ رہا اور زخم سے پانی نکلنے لگا)۔ حضرت ابو عامرؓ کو جانبری کی امید نہ رہی تو انہوں نے مجھ سے کہا، میرے بھتیجے میرا اسلام رسولُ اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کرنا اور آپؐ سے میری مغفرت کے لیے دعا کرنے کی استدعا کرنا۔ پھر انہوں نے عَلَمِ اِمارت میرے ہاتھ میں دیا اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اَوطاس کی جنگ میں اللہ نے ہمیں فتح عطا کی۔ واپس (مدینہ منورہ) آ کر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لڑائی کا سارا حال بیان کیا اور ابو عامرؓ کا سلام اور پیغام بھی آپؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت پانی منگوا کر وضو فرمایا دو رکعت نماز پڑھی اور پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی، اے اللہ! ابو عامر کی مغفرت فرما اور قیامت کے دن اپنی مخلوق میں اس کو سربلند فرما۔ اس کے بعد میں نے اپنے لیے بھی دعا کی درخواست کی تو آپؐ نے یوں دُعا کی، اے اللہ! عبداللہ بن قیس (حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا اصل نام) کی خطائیں بخش دے اور قیامت کے دن اس کا (جنّت میں) باعزتِ داخلہ فرما۔"

(صحیح بخاری کتاب المغازی غزوۂ اوطاس۔ سیرت ابنِ کثیر ج ۳ ص ۴۶۰)

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ شہادت کے وقت حضرت ابو عامرؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو یہ وصیّت بھی کی تھی کہ میرے اسلحہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دینا۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰؓ نے اُن کا گھوڑا ہتھیار اور دوسرے متروکات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ حضور ﷺ نے یہ سب چیزیں ان کے بیٹے کو مرحمت فرما دیں۔

(طبقات ابنِ سعد ۲ ج ۴ ص ۵۷۵)

مشرکین کو شکست دینے کے بعد مجاہدین نے ان کے تمام مال اسباب پر قبضہ کر لیا۔ حضور ﷺ نے اس غنیمت کو بھی حُنین کے مالِ غنیمت میں شامل کر دیا۔ سارے مالِ غنیمت کی تقسیم کا حال آگے آ رہا ہے۔

دُرَید بن صِمّہ کا قتل:

بہت سے اربابِ سِیَر نے غزوۂ حُنین سے متعلق مختلف واقعات بیان کرتے ہوئے بنو جُشم کے سردار دُرَید بن صِمّہ کے قتل کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے۔ یہ شخص اپنے زمانے کا مانا ہوا شہسوار تھا اور بیسیوں لڑائیوں میں حصہ لے چکا تھا لیکن اب بہت بوڑھا اور نابینا ہو چکا تھا۔ تاہم اپنے جنگی تجربوں کی بناء پر اس کو نہ صرف بنو جُشم میں بلکہ دوسرے عرب قبائل میں اب بھی بڑی اہمیّت حاصل تھی اور عسکری نوعیت کے معاملات میں وہ بالعموم اس کے مشوروں پر عمل کرتے تھے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالک بن عوف نے نہ صرف اس کے جنگی تجربوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے بلکہ (شاید) اس خیال سے بھی اس کو اپنے ساتھ لے لیا تھا کہ اس کی موجودگی میں بنو جشم اور دوسرے قبیلے قدم جما کر لڑیں گے (یہ الگ بات ہے کہ بعد میں اس نے دُرید کے مشوروں کو کوئی اہمیت نہ دی)۔ معرکۂ حُنین میں کُفار کو شکست ہوئی تو جیسا کہ پیچھے بیان کیا جاچکا ہے، ان کے تین گروہ ہو گئے ایک نے بھاگ کر طائف میں پناہ لی دوسرا وادیٔ اوطاس کی طرف بھاگ گیا اور کچھ بھگوڑے وادیٔ نخلہ کی طرف چلے گئے۔

درید بن صمہ کے قتل کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ دُرَید اُس گروہ میں شامل تھا جو وادیٔ اوطاس کی طرف گیا تھا۔ وہاں اس کو حضرت ابو عامر اشعریؓ نے قتل کیا۔ اس کے بیٹے سلمہ نے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے حضرت ابو عامرؓ کو تیر مارا جس سے ان کی شہادت واقع ہوگئی۔ (اَصحّ السیّر ص ۲۸۶ بحوالہ بخاری وابنِ اسحاق)

دوسری روایت یہ ہے کہ دُرَید ان بھگوڑوں میں شامل تھا جو وادیٔ نخلہ کی طرف گئے تھے۔ ان کے تعاقب میں جو مجاہدین گئے ان میں ایک صاحب ربیعہؓ بن رفیع سُلمی بھی تھے (وہ تاریخ میں ابنُ الدّغِنہ یا ابنُ الدُّغُنّہ کے نام سے مشہور ہیں) انہوں نے دُرَید بن صمہ کے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور اس کو بٹھا دیا۔ دُرَید نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے اپنا اور اپنے قبیلے (بنو سُلیم) کا نام بتا کر اس پر تلوار کا وار کیا تو تلوار اچٹ گئی۔ دُرید نے کہا، تیری ماں نے تجھے بہت برے ہتھیار دیے میری یہ تلوار پیچھے سے نکال لے اور اس سے مجھے مار، ہڈیوں سے اوپر اور دماغ سے نیچے وار کر۔ میں لوگوں کو اسی طرح قتل کیا کرتا تھا۔ اور جب تو اپنی ماں کے پاس جائے تو اس سے کہنا کہ میں نے دُرید بن صمہ کو قتل کر ڈالا۔ خدا کی قسم بہت دن ایسے آئے جب تیرے خاندان کی عورتیں ایسا کرنے سے منع کیا کرتی تھیں۔ اب حضرت ربیعہؓ نے دُرید کو قتل کر دیا۔
(اُسدُ الغابہ ترجمہ ربیعہ بن رفیع اسلمی)

ذُوالکفّین کی تباہی (شوّال ۸ ہجری):

فتح مکّہ کے بعد حضرت طُفیل بن عمرو دَوسی رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اُن کے قبیلے میں ابھی تک ایک بُت خانہ موجود ہے جس میں ذوالکفین نام کا ایک بُت نصب ہے۔ دَوس کے جو لوگ دولتِ ایمان سے محروم ہیں وہ بڑے ذوق وشوق سے اس کی پرستش کرتے ہیں اگر آپ اجازت دیں تو اس بت خانے کو مسمار کر دوں۔ ارشاد ہوا ہاں اس کو منہدم کر دو۔ حضور ﷺ نے حنین کی لڑائی کے بعد طائف روانہ ہونے سے پہلے حضرت طفیلؓ بن عمرو کو ذوالکفین کا بُت خانہ منہدم کرنے کے لیے روانہ فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ اس بُت خانے کو ڈھانے میں اپنی قوم سے مدد لینا اور اس کام سے فارغ ہو کر طائف میں ہم سے آملنا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت طفیل اپنے قبیلے کے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے وطن پہنچے اور قبیلے کے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، ان کی مدد سے ذوالکفین کو منہدم کر دیا۔ پھر بت کو جو لکڑی سے تراشا گیا تھا آگ لگا دی۔ اُس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

يَاذَا الْكَفَيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَا
مِيْلَادُنَا اَقْدَمُ مِنْ مِيْلَادِكَا
اِنِّيْ حَشَوْتُ النَّارَ فِيْ فُؤَادِكَا [1]

یعنی اے ذوالکفین! میں تیری پرستش کرنے والوں میں سے نہیں ہوں،
میری پیدائش تیری پیدائش سے بہت پہلے کی ہے
میں نے تیرے دل میں آگ بھر دی ہے۔

بُت خانے اور بُت کو تباہ کر کے حضرت طفیلؓ اپنی قوم کے چار سَو آدمیوں کے ساتھ بسرعتِ تمام طائف پہنچے اس وقت حضور ﷺ کو طائف پہنچے چار دن گزرے تھے۔ حضرت طفیلؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ذوالکفین کی بربادی کا حال سنایا تو آپ ﷺ بہت مسرور ہوئے۔

علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ ذوالکفین مشرکینِ دَوس کے ایک بزرگ عمرو بن حممہ (یاحممہ) کا چوبی بت تھا۔

(طبقات ابنِ سعد حصہ اوّل ص ۳۴۷، اُسدُ الغابہ ترجمہ طفیل بن عمرو دوسی، محمدؐ رسول اللہ ص ۶۴۱)

---

[1] بعض روایتوں میں خَشِيْتُ آیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ طائف (شوّال ۸ھ ہجری)

حُنین کی لڑائی میں شکست کھا کر جو لوگ طائف کی طرف بھاگے ان میں زیادہ تعداد بنوہوازن اور بنوثقیف کی تھی۔ ان لوگوں کو پورا یقین تھا کہ مسلمان ان کا تعاقب کیے بغیر نہیں رہیں گے اس لیے انہوں نے طائف شہر کے دروازے بند کرکے قلعہ کے اندر سال بھر کی خوراک اور دوسری اشیائے ضرورت جمع کرلیں اور جنگ کے لیے تیار ہوگئے۔

اِدھر رسولِ اکرم ﷺ نے حنین اور اوطاس سے حاصل ہونے والے اموالِ غنیمت اور جنگی قیدیوں کو فوراً تقسیم نہیں فرمایا بلکہ ان کو الجِعرّانہ بھیج دیا۔ (یہ مقام مکّہ کے شمال میں ۲۷ کلومیٹر کے فاصلے پر طائف کے راستے میں واقع ہے) اموالِ غنیمت کی حفاظت اور قیدیوں کو مناسب خوراک اور لباس مہیا کرنے کی ذمہ داری آپؐ نے حضرت مسعودؓ بن عَمرو غِفاری کے سپرد کی۔ اس کے بعد آپؐ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر کا ہراول (مُقدّمۃُ الجَیش) ایک ہزار جانبازوں پر مشتمل تھا اور اس کی قیادت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہٗ کر رہے تھے۔ حضور ﷺ طائف کے قریب پہنچے تو دشمن کو قلعہ بند پایا۔ آپؐ نے قلعہ کے پاس ہی پڑاؤ ڈال دیا۔ قلعہ والوں نے مسلمانوں کو تیروں کی زد میں پاکر اس شدت سے تیر برسائے کہ بہت سے صحابہ مجروح اور کچھ شہید ہوگئے۔ اس پر حضور ﷺ نے لشکر کو قدرے بلندی پر دوسری جگہ (جہاں آج کل مسجدِ طائف ہے) منتقل کردیا اور شہر کا سختی کے ساتھ محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ کتنے دن جاری رہا، اسکے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ کی روایت ہے کہ ہم نے چالیس دن طائف کو محصور رکھا۔ اربابِ سِیَر میں کسی نے محاصرے کی مدت ایک ماہ، کسی نے بیس دن، کسی نے اٹھارہ دن، بعض نے پندرہ دن اور کسی نے پچیس تیس دن لکھی ہے۔[۱] دورانِ محاصرہ میں مسلمانوں نے قلعے پر بار بار حملے کیے لیکن محصورین قلعے کی برجیوں سے مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کا مینہ برسا دیتے تھے اس سے مسلمان پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

مسلمانوں نے شہر پناہ میں شگاف ڈالنے کے لیے منجنیق اور دبابے بھی استعمال کیے لیکن

---

۱ ان روایات کے مآخذ حسب ذیل ہیں۔
صحیح مسلم مع شرح نووی ج۔۳ ص ۷۷ (۴۰ دن) مغازی الرّسولؐ واقدی (ایک ماہ)
تاریخ ابنِ خلدون ج ۱ ص ۱۷۰ (۲۰ روز) الوفا ابنِ جوزی ص ۷۴۳ (۱۸ دن)
فتوح البلدان البلاذری ص ۹۳ (پندرہ دن)
نبیِّ رحمتؐ مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ، حصہ دوم ص ۸۸ (پچیس تیس دن)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنداں کامیابی نہ ہوئی۔[1] ایک دن دبابے کی آڑ میں مسلمانوں کا ایک دستہ فصیلِ شہر تک پہنچ گیا مگر دشمن نے لوہے کے ٹکڑے آگ میں سرخ کر کے دبابے پر پھینکے اس سے مجاہدین دبابے کے نیچے سے باہر آنے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے باہر آتے ہی دشمن نے ان پر بے تحاشا تیر برسانے شروع کر دیے جن سے کئی صحابہ شہید ہو گئے۔

جب محاصرہ طول پکڑ گیا تو رسولِ اکرم ﷺ نے (شاید جنگی حکمتِ عملی کے طور پر) حکم دیا کہ اہلِ طائف کے انگور کے باغات کاٹ دیے جائیں۔ اہلِ طائف کی معیشت کا زیادہ تر انحصار انہی باغات پر تھا، مجاہدین نے باغات کو کاٹنا شروع کیا تو وہ بے چین ہو گئے اور انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو پیغام بھیجا کہ اگر مسلمانوں نے ہمارے باغوں کو برباد کر دیا تو ہم دانے دانے کے محتاج ہو جائیں گے۔ ان سے اللہ اور قرابت کا واسطہ دے کر درخواست کریں کہ ہمارے باغوں کو برباد نہ کریں۔ ان دونوں بزرگوں بلکہ متعدد دوسرے قریشی صحابہ کی بھی بنوثقیف سے قرابت داری تھی۔ حضور ﷺ کے سامنے اہلِ طائف کی درخواست پیش ہوئی تو آپؐ نے از راہِ کرم اس کو منظور کر لیا اور فرمایا:

"بے شک میں اللہ کے واسطے تم پر رحم کرتے ہوئے ان درختوں (انگور کی بیلوں) کو چھوڑے دیتا ہوں۔"

پھر رسولِ اکرم ﷺ نے ایک منادی کے ذریعے اعلان فرمایا کہ جو غلام قلعے سے اتر کر ہمارے پاس آ جائے گا اُسے آزاد کر دیا جائے گا۔ یہ اعلان سن کر باختلافِ روایت دس، انیس یا تیئیس غلام طائف سے نکل کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے آپؐ نے ان سب کو آزاد کر دیا اور ہر آدمی کو ایک مسلمان کے سپرد کر کے اس کے کھانے پینے کی ذمہ داری اُسی مسلمان پر ڈال دی۔ ان آدمیوں کے بارے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کے آزاد کیے ہوئے لوگ ہیں۔

ان آزاد کیے گئے غلاموں میں مشہور صحابی حضرت ابوبکرہ نُفیع بن مسروح رضی اللہ عنہُ بھی تھے۔ وہ آزاد ہونے کے باوجود عمر بھر اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کا غلام ہی کہتے رہے۔ بڑے عالم و فاضل تھے ان سے ۱۳۳ احادیث مروی ہیں۔

محاصرے کا خاتمہ:

دورانِ محاصرہ ایک دن رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا کہ میں نے

---

[1] منجنیق۔ ایک قسم کی توپ تھی جس سے پتھر کے گولے پھینکے جاتے تھے۔ نبیِؐ رحمت (ص ۸۸) دبابہ۔ ایک قسم کا آلہ ہوتا تھا جو لکڑی اور چمڑے سے بنایا جاتا تھا محاصرہ کرنے والے دشمن کے تیروں سے بچنے کے لیے اسکی آڑ لے کر محصور شہر کی فصیل تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ (اصح السیر ص ۲۸۹ بحوالہ البدایہ وَالنّہایہ)

ایک روایت کے مطابق ایک دن منجنیق کے گولوں سے فصیل میں شگاف پڑ گیا تھا۔ مسلمانوں نے دبابے کی آڑ میں اس شگاف تک پہنچنے کی کوشش کی مگر دشمن کی بے پناہ تیر باری کی وجہ سے انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۳۳۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک خواب دیکھا کہ دودھ (بروایتِ دیگر مکھن) سے بھرا ہوا ایک بڑا پیالہ مجھ کو دیا گیا۔ اتنے میں ایک مرغ آیا اور اس نے چونچ مار کر اس پیالے کو گرا دیا اور جو کچھ اس پیالے میں تھا سب زمین پر گر گیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے (جو تعبیر رؤیا میں خاص مہارت رکھتے تھے) عرض کیا، یا رسولَ اللہ! اس خواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ طائف ابھی فتح نہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت نوفل بن معاویۃ الدیلی رضی اللہ عنہٗ سے اس معاملے میں مشورہ کیا تو انہوں نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ! اہلِ طائف کی مثال ایک ایسی لومڑی جیسی ہے جو اپنے بھٹ میں گھس گئی ہو، اگر اس کو پکڑنے کے لیے کوشش جاری رکھی جائے تو ضرور پکڑلی جائے گی اور اگر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو کسی قسم کے نقصان کا اِمکان بھی نہیں ہے۔ اس خواب کے علاوہ کچھ اور اُمور بھی حضور ﷺ کے پیشِ نظر تھے چنانچہ آپؐ نے حضرت عُمرؓ فاروق رضی اللہ عنہٗ کو بلا کر حکم دیا کہ محاصرہ اٹھانے اور کوچ کرنے کا اعلان کر دیں انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی تو بہت سے اصحاب نے اس اعلان پر حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ طائف کی تسخیر کے بغیر ہم کیسے چلے جائیں؟ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا، اچھا تو پھر کل لڑائی کرو۔ دوسرے دن انہوں نے بڑے جوش سے قلعے پر حملہ کیا مگر اس کے نتیجے میں ان کو بہت نقصان اٹھانا پڑا (بہت سے صحابہ مجروح ہوگئے) شام کو حضور ﷺ نے اعلان فرمایا کہ اِنْ شَاءَ اللہ کل صبح ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔ اب سب نے خوشی کا اظہار کیا اور سفر کی تیاری کرنے لگے۔ دوسرے دن کوچ کرتے وقت انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! ثقیف کے تیروں نے ہمیں بہت نقصان پہنچایا آپ اُن کے لیے بددُعا کیجیے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے بددعا کے بجائے یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَّاتِ بِهِمْ.

(اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھیج۔)

اس کے بعد لشکرِ اسلام نے محاصرہ اٹھا کر طائف سے کوچ کر دیا۔ اس وقت آپؐ نے مجاہدین کو ہدایت فرمائی کہ یوں کہو:

اٰئِبُوْنَ، تَآئِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ.

"ہم پلٹنے والے، توبہ کرنے والے، اپنے رَبّ کی عبادت کرنے والے اور اُسی کی حمد کرنے والے ہیں۔"

محاصرۂ طائف میں بارہ صحابۂ کرامؓ نے جامِ شہادت پیا ان میں سات کا تعلق قریش کی مختلف شاخوں سے تھا۔ چار انصاری تھے اور ایک کا تعلق بنولیث سے تھا۔ شُہدا میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ اور اُمُّ المؤمنین حضرت اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہٗ بھی شامل تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محاصرہ اٹھانے کے اسباب:

آنحضور ﷺ نے طائف کو فتح کیے بغیر اس کا محاصرہ کیوں اٹھالیا؟ اربابِ سِیَر نے اس کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کی ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ حضور ﷺ کو خواب میں محاصرہ اٹھانے کا اشارہ ہوا۔ اس کے علاوہ یہ سبب بھی ہوسکتا ہے کہ ماہِ شوّال ختم ہونے والا تھا۔ اس کے بعد آنے والا مہینہ (ذیقعدہ) حُرمت والا مہینہ تھا جس میں جِدال وقِتال ممنوع ہے۔ اس لیے ذیقعدہ شروع ہونے سے پہلے محاصرہ ختم کردیا گیا۔

۲۔ محاصرے کی طوالت ملک کے امن وامان پر برا اثر ڈال سکتی تھی۔ لیکن اکثر اہلِ سِیَر نے اس قیاس کو اس بناء پر قبول نہیں کیا کہ فقہا کی رائے میں اگر کوئی غزوہ شہرِ (ماہِ) حرام کے آغاز سے پہلے شروع ہوچکا ہو تو یہ شہرِ حرام میں بھی جاری رہ سکتا ہے۔

۳۔ طائف کو مزید جانوں کی قربانی دے کر فتح کرنے سے یہ بہتر سمجھا گیا کہ اہلِ طائف پر معاشی دباؤ ڈال کر انہیں اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا جائے چنانچہ آپؐ نے بنوثقیف کے بعض حریف قبائل کو جو حلقہ بگوشِ اسلام ہوچکے تھے، اہلِ طائف پر تسلسل کے ساتھ معاشی دباؤ ڈالنے پر مامور فرمایا۔

۴۔ اہلِ طائف نے جس طرح لجاجت کے ساتھ حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے باغوں کو برباد نہ کیا جائے اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان میں کمزوری کے آثار پیدا ہوگئے ہیں اور دوسرے عرب قبائل کے قبولِ اسلام کے بعد ان کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ زیادہ عرصے تک اپنے موقف پر ڈٹے رہیں یا اپنی انفرادیت کو قائم رکھ سکیں۔

(سیرۃ ابنِ ہشام ج ۲ ص ۴۸۳-۴۷۸، زاد المعاد ج ۱ ص ۴۵۷، تلقیح ابن جوزی ص ۳۵، فتوح البلدان بلاذری ص ۹۴-۹۳، الرّحیق المختوم ص ۴۷۶، دائرہ معارفِ اسلامیہ (اردو) ج ۱۲ ص ۳۹۵)

مالِ غنیمت کی تقسیم:

اسلامی لشکر نے طائف سے کوچ کرکے ۵ ذیقعدہ ۸ ہجری کو جِعرانہ[1] میں پڑاؤ ڈالا۔ یہاں حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق حُنین اور اوطاس کے سارے اموالِ غنیمت جمع کردیے گئے تھے اور ان کی حفاظت پر صحابہؓ کی ایک جماعت مامور کردی گئی تھی۔ جِعرانہ میں پہلے تو کئی دن تک

---

[1] اَلجِعِرّانہ یا اَلجِعْرانہ، مکّہ معظمہ کے شمال میں ۲۷ کلومیٹر کے فاصلے پر پانی کی ایک جگہ تھی۔ اس مقام کا نام بولنے میں جِعْرانہ ("ج" مکسور "ع" ساکن اور "را" مفتوح) اور جِعِرّانہ ("ج" مکسور "ع" مکسور اور "را" مشدّد) دونوں طرح آتا ہے۔ حضور ﷺ نے حنین اور اوطاس کے غزووں کے فوراً بعد تمام اموالِ غنیمت یہاں بھجوا دیے تھے اور ہدایت فرمائی تھی کہ انہیں اس وقت تک حفاظت سے رکھا جائے جب تک آپ خود جعرانہ آکر ان کی مناسب تقسیم کا اہتمام کریں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور علیہ السلام شکست خوردہ بنو ہوازن کا انتظار کرتے رہے کہ وہ اسلام قبول کر کے یا اپنی عورتیں اور بچے چھڑانے آپؐ کے پاس آئیں مگر جب وہ نہ آئے تو (ایک روایت کے مطابق دس دن کے بعد) آپؐ نے تمام اموالِ غنیمت (خمس نکال کر) صحابہ میں تقسیم فرما دیے۔ ان اموال کی تفصیل یہ ہے۔

- عورتیں اور بچے — چھ ہزار
- اونٹ — چوبیس ہزار
- بکریاں — چالیس ہزار
- چاندی — چار ہزار اوقیہ (ایک اوقیہ ۳۴ گرام یا پونے تین تولہ کے برابر ہوتا ہے)

عام تقسیم سے پہلے حضور علیہ السلام نے مؤلفۃ القلوب کو خصوصی (بڑے) حصے عطا فرمائے۔

مُؤَلَّفَۃُ الْقُلُوب وہ قریشی (مکی) اور غیر قریشی با رسوخ عرب سردار تھے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ان کو خصوصی حصہ دینے سے مقصود یہ تھا کہ وہ مضبوطی سے اسلام پر جم جائیں اور دوسرے لوگ بھی انہیں دیکھ کر اسلام کی طرف راغب ہوں۔ آنحضور علیہ السلام نے جن اصحابؓ کو مُؤَلَّفَۃُ الْقُلُوب میں شامل فرمایا ان کی تعداد اور بعض کے ناموں کے بارے میں اختلاف ہے البتہ حضرت ابوسفیان بن حرب، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت حکیم بن حِزام، حضرت حویطب بن عبد العُزّٰی، حضرت حارث بن ہشام، حضرت سہیل بن عمرو، حضرت اقرع بن حابس تمیمی اور حضرت عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مؤلفۃ القلوب ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

مؤلفۃ القلوب کو حضور علیہ السلام نے (مالِ خمس میں سے) چالیس سے لے کر سو اونٹ یا اس سے بھی زیادہ فی کس عطا فرمائے۔ بعض کو اونٹوں کے علاوہ چاندی کی ایک خاص مقدار بھی عطا فرمائی (مثلاً حضرت ابوسفیانؓ، حضرت یزید بن ابی سفیانؓ اور حضرت معاویہؓ کو سو سو اونٹوں کے علاوہ چالیس چالیس اوقیہ چاندی بھی عطا ہوئی) بنو سُلَیم کے ایک سردار اور مشہور شاعر عباسؓ بن مرداس کو چالیس اونٹ ملے۔ انہوں نے دوسرے سرداروں کے مقابلے میں اپنا حصہ کم دیکھ کر ایک قصیدے میں شکوہ کیا۔ حضور علیہ السلام نے یہ قصیدہ سنا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اس کی زبان کاٹ دو۔" حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا، میرے ساتھ چلو۔ راستے میں حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا، اے علی! کیا آپ میری زبان کاٹیں گے۔ انہوں نے فرمایا، تم میرے ساتھ چلے آؤ میں رسول اللہ علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ غرض وہ حضرت عباسؓ کو اونٹوں کے گلّے میں لے گئے اور ان سے فرمایا۔ "اس گلّے میں سے اپنی پسند کے سو اونٹ چُن لو۔" اب حضرت عباسؓ حضور علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب سمجھے۔ انہوں نے سو اونٹ چُن لیے اور خوش ہو گئے۔

مُؤَلَّفَۃُ الْقُلُوب کو دینے کے بعد حضور علیہ السلام نے (حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہُ سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حساب لگوا کر) دوسرے مجاہدین میں مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔ پیادہ فوج کے ہر مجاہد کے حصے میں چار اونٹ اور چالیس بکریاں آئیں اور رسالے (سوار فوج) کے ہر مجاہد کو بارہ اونٹ اور ایک سَو بیس بکریاں ملیں۔

وفدِ ہوازن کی آمد:

اتفاق کی بات کہ جونہی مالِ غنیمت کی تقسیم مکمل ہوئی، بنو ہوازن کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگیا۔ یہ وفد چودہ آدمیوں پر مشتمل تھا اور اس کے قائد زُہیَر بن صُرد تھے۔ ایک روایت کے مطابق اراکینِ وفد جعرانہ آنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضری کے موقع پر قبولِ اسلام اور بیعت کا شرف حاصل کیا۔

رحمتِ عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں باریابی کے بعد زہیر بن صرد کھڑے ہوئے اور یوں عرض پیرا ہوئے:۔

"یا رسولَ اللہ! ہمارے قبیلے کا شرف کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ جن عورتوں کو آپ نے باندیوں کی حیثیت سے مجاہدین میں تقسیم فرما دیا ہے ان میں سے کچھ (دُور کے رشتے سے) آپ کی خالائیں ہوتی ہیں اور کچھ پھوپھیاں۔ بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے آپ کو بچپن میں پالا اور کھلایا۔ ہماری عورتوں نے اگر نعمان بن منذر اور حارث غسانی کو دودھ پلایا ہوتا اور ان کو ہمارے اوپر وہی اختیار حاصل ہوتا جو آج آپ کو ہم پر حاصل ہے تو وہ اس مصیبت میں ضرور ہماری مدد کرتے اور آپ کی شان تو اُن سے کہیں بلند ہے۔ آپؐ سب سے بہتر اور افضل قرابت دار ہیں۔ آپ کی صلۂ رحمی کا ہر طرف چرچا ہے ہم پر احسان فرمائیے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔"

رسولِ اکرم ﷺ: "اے اہلِ ہوازن! میں نے تمہارا بہت انتظار کیا مگر تم نے بہت دیر کر دی اور میں نے تمام مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میرے ساتھ کون کون ہیں۔ مجھے سب سے زیادہ وہ بات پسند ہے جو سچی ہو اب یہ بتاؤ کہ تم لوگ اپنا مال واسباب لینا پسند کرتے ہو یا اپنی اولاد اور عورتیں؟"

زہیرؓ بن صرد: "یا رسولَ اللہ ﷺ! آپ کی مہربانی ہے کہ آپؐ نے ہمیں مال واسباب اور اہل وعیال میں سے ایک چیز لینے کا اختیار دیا ہے۔ اونٹ، بکریاں، چاندی وغیرہ مال میں شامل ہیں اور اہل وعیال عزت وناموس میں۔ شُرَفاء ناموس کے مقابلے میں مال کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ آپ از راہِ احسان ہماری اولاد اور عورتیں ہمیں عنایت فرما دیجیے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسولِ اکرم ﷺ: ”اے اہلِ ہوازن! جو چیز میرے اور بنو ہاشم کے حصے میں آئی ہے مجھے اس پر اختیار ہے اس لیے وہ سب تمہارا ہے لیکن جو کچھ دوسرے مسلمانوں کو دے دیا گیا ہے اس پر میرا اختیار نہیں۔ کل صبح کی نماز کے بعد تم لوگ کھڑے ہو کر یہ کہنا کہ ہم مسلمانوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کو سفارشی بناتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے مسلمانوں کو سفارشی بناتے ہیں کہ ہماری عورتیں اور بچے جنہیں آپ نے لونڈی اور غلام بنایا ہے ہمیں واپس کر دیں۔ اور دیکھو! ان لوگوں کے سامنے یہ درخواست پیش کرنے سے پہلے اپنے قبولِ اسلام کا اظہار ضرور کر دینا۔ میں بھی ان لوگوں سے عورتوں اور بچوں کی رہائی کی سفارش اور تحریک کروں گا۔

دوسرے دن آنحضور ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو زہیرؓ نے کھڑے ہو کر آپ کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کے سامنے اپنی درخواست پیش کی۔ اس پر رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا، میرے حصے اور بنو ہاشم کے حصے کے اسیر تمہیں واپس کیے جاتے ہیں اور دوسرے لوگوں سے میں تمہارے لیے سفارش کرتا ہوں۔ اے لوگو! بنی ہوازن تمہارے بھائی ہیں وہ اسلام کے شَرف سے بہرہ ور ہو چکے ہیں۔

آپ کا ارشاد سن کر مہاجرین اور انصار سب نے بیک زبان عرض کیا۔

”ہمارے حصّے کا جو کچھ ہے وہ سب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔“

بنی سُلَیم، بنی فزارہ اور بنی تمیم کے بعض (ایک روایت کے مطابق تین اور ایک دوسری روایت کے مطابق صرف عیینہ بن حصن فزاری) اپنے حصے کے قیدی رہا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اس پر حضور ﷺ نے ان سے فرمایا:

”یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے ہیں انہوں نے اپنی اولاد اور عورتوں کو مال و اسباب پر ترجیح دی اس لیے اگر کسی کے پاس ایسے قیدی ہوں تو وہ ان کو خوش دِلی سے بنو ہوازن کے حوالے کر دے اور اگر وہ اس پر راضی نہیں پھر بھی یہ قیدی ان کو واپس کر دے اس کو ہر حصہ کے بدلے میں چھ حصے اس پہلے مالِ غنیمت سے ملیں گے جو اللہ تعالیٰ ہمیں عنایت فرمائے گا۔“

اب ان لوگوں نے بھی عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپؐ کی خاطر اپنے قیدی خوش دِلی سے بنو ہوازن کے حوالے کرتے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

”مجھے معلوم نہیں کہ تم میں سے کون اس پر راضی ہے اور کون راضی نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس وقت تم لوگ واپس جاؤ، اور اپنے سردار اور رئیس میرے پاس بھیجو تا کہ وہ مجھے صحیح صورتِ حال سے آگاہ کریں۔"

غرض سب نے بنو ہوازن کی عورتوں اور بچوں کو خوشی خوشی واپس کر دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ بنو ہوازن کی اسیر ہونے والی خواتین میں رسولِ اکرم ﷺ کی رضاعی (دودھ شریک) بہن شیماءؓ بھی شامل تھیں۔ [1] انہیں حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں آپ کی رضاعی بہن، حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیماء ہوں۔"

آپؐ نے پوچھا، تمہارے پاس اس بات کی کیا شہادت ہے؟

بی بی شیماءؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میری والدہ آپ کو دودھ پلاتی تھیں اور میں آپ کو کھلایا کرتی تھی۔ ایک دن جب میں نے آپ کو اپنی پُشت پر اٹھا رکھا تھا تو آپؐ نے میری پیٹھ میں دانت سے کاٹ لیا تھا اس کا نشان اب تک موجود ہے۔

یہ کہہ کر انہوں نے قمیص کا دامن اٹھا کر وہ نشان حضور ﷺ کو دکھا دیا، آپؐ کو یہ نشان دیکھ کر ان کی بات پر یقین آ گیا اور آپؐ نے اپنی رِدائے مبارک ان کے لیے بچھا دی اور فرمایا، آؤ اس پر بیٹھو پھر آپؐ نے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ فرمایا:

"اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو میں تمہارا بھائی ہی ہوں تمہاری عزت اور توقیر میں فرق نہ آنے دوں گا اور اگر تم اپنے قبیلہ میں واپس جانا چاہتی ہو تو اس کا بھی تم کو اختیار ہے میں تحائف اور سامان کے ساتھ عزت سے رخصت کر دوں گا۔"

بی بی شیماءؓ نے عرض کیا، آپ مجھے جو کچھ عطا کرنا چاہیں کر دیں اور مجھے میری قوم میں واپس بھیج دیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا، مجھے منظور ہے۔

پھر آپؐ نے بی بی شیماءؓ کو ایک باندی، بکریوں کا ایک ریوڑ اور تین غلام عطا فرمائے اور وہ ہنسی خوشی رخصت ہوئیں۔ رخصت ہونے سے پہلے بی بی شیماءؓ کے قبولِ اسلام پر سب اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے اس لیے وہ صحابیات میں شُمار ہوتی ہیں۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۴۴۹)

---

[1] بی بی شیماء رضی اللہ عنہا کا تعلق بنو سعد بن بکر سے تھا۔ یہ قبیلہ بنو ہوازن ہی کا ایک بطن تھا۔ ان کا اصل نام حذافہ (بروایتِ دیگر خدامہ) تھا اور لقب شیماء تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کو ہدایت فرمائی تھی کہ اگر نجدیوں پر قابو پالو تو بنو سعد بن بکر کے کسی قیدی پر سختی نہ کرنا۔ حضرت شیماء گرفتار ہوئیں تو انہوں نے صحابہ کو بتایا کہ میں تمہارے صاحب کی دودھ شریک بہن ہوں لیکن کسی نے ان کی بات پر یقین نہ کیا اور ان کو رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے پیش کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۶۴، زاد المعاد ج ۱ ص ۴۴۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انصارؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس:

جیسا کہ پیچھے ذکر آیا ہے، جنگِ حنین کے بعد حضور ﷺ نے غنائم جنگ سے زیادہ حصہ قریش کے نو مسلموں کو دیا کیونکہ ان کی تالیفِ قلب مقصود تھی۔ انصار کے بعض نوجوان اس حکمتِ نبوی کو نہ سمجھے اور انہوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ ابھی تک ہماری تلواروں سے مشرکین کا خون ٹپکتا ہے لیکن مالِ غنیمت سارا قریش ہی لے گئے۔

حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے تمام انصارؓ کو ایک جگہ جمع کیا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”اے گروہِ انصار! کیا تم نے واقعی یہ کہا کہ قریش ہماری تلواروں سے مغلوب ہوئے لیکن مالِ غنیمت کا وافر حصہ قریش ہی کو دیا گیا۔“

انصار کے بزرگ اصحاب نے عرض کیا۔ ”یا رسولَ اللہ! فی الواقع ہمارے بعض نوجوانوں نے ایسی باتیں کہی ہیں لیکن ہم میں سے کسی سمجھ دار اور ذمہ دار آدمی کے منہ سے ایسی بات نہیں نکلی۔“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”یا معشرِ انصار! کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے میں تمہیں کفر و شرک کی بھول بھلیوں سے نکال کر طریقِ حق پر لایا اور جنت کا مستحق بنایا، تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے میں نے تم میں اتفاق پیدا کیا، تم مفلس تھے تم کو تونگر کیا، تم قبائلِ عرب میں حقارت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے، میں نے تمہیں عزت دی۔“

رسولِ کریم ﷺ کے ہر ارشاد پر انصارؓ بے ساختہ کہتے جاتے تھے۔ ”بیشک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا احسان بہت بڑا ہے۔“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”تم بھی اپنے احسانات بیان کرو۔“

انصارؓ نے عرض کی۔ ”یا رسولَ اللہ! ہم کیا عرض کریں۔“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”تم کہو تجھے اپنے گھر سے نکالا گیا ہم نے اپنے گھر میں پناہ دی، تیرا کوئی مددگار نہیں تھا ہم نے تیری مدد کی، تو محتاج تھا ہم نے تجھے غنی کیا، ساری دنیا نے تجھے جھٹلایا ہم نے تیری صداقت کی دل و جان سے گواہی دی۔ تم یہ جواب دیتے جاؤ گے اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو لیکن اے گروہِ انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ دوسرے لوگ اونٹ، بکریاں اور مال و دولت اپنے گھروں کو لے جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔“

رسولِ کریم ﷺ کے ارشادات سن کر انصارؓ کے قلب و جگر کے ٹکڑے اڑ گئے۔ روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اور وہ بے اختیار پکار اٹھے۔ ”ہم کو صرف محمد رسول اللہ ﷺ درکار ہیں۔“

پھر حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”انصار میرے ہیں اور میں انصار کا ہوں۔ اے اللہ! انصار اور انصار کے لڑکوں پر رحم فرما۔“ پھر فرمایا قریش کو اس لیے زیادہ مال دیا گیا ہے کہ ان کی تالیفِ قلب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جائے کیونکہ ابھی وہ جدید الاسلام ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا حق زیادہ ہے۔"

انصار نے سرورِ عالم ﷺ کی معیت میں مدینہ منورہ کو مراجعت کی تو فرطِ مسرت سے ان کے قدم زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۷ حدیث نمبر ۱۴۶۱، مدارج النبوۃ ص ۴۷۰)

عُمرہ جعرانہ:

حُنین کے اموالِ غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو کر رسولِ اکرم ﷺ نے عمرہ کے لیے احرام باندھ لیا۔ جعرانہ اہلِ طائف کا میقات تھا اور مکّہ سے ایک منزل کے فاصلے پر تھا۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ عشاء کی نماز جعرانہ میں پڑھ کر روانہ ہوئے اور فجر کی نماز مکّہ معظمہ میں پڑھی گویا جعرانہ سے مکّہ تک کا سفر رات کے وقت طے ہوا۔ عمرہ ادا کرنے کے بعد آپؐ واپس جعرانہ تشریف لے آئے اور اگلے دن صبح کو اپنے جاں نثاروں کے ساتھ آپؐ نے مدینہ منورہ کا قصد فرمایا۔ (اصح السیر ص ۳۰۳، نبیؐ رحمت حصہ دوم ص ۹۵)

حضرت عروہؓ بن مسعود ثقفی کا واقعۂ شہادت:

اثنائے راہ میں (مدینہ پہنچنے سے قبل) طائف کے رئیس (اور مردِ دانا) عروہ بن مسعود ثقفی آنحضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد انہوں نے عرض کیا "یا رسولَ اللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے قبیلہ کو حق کی دعوت دُوں۔"

بنوثقیف بڑے جنگجو اور مغرور لوگ تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "تمہاری سنگدل قوم تم سے لڑے گی" (یا بروایتِ دیگر تمہاری قوم تم کو قتل کر دے گی) انہوں نے عرض کیا یا رسولَ اللہ! بنوثقیف میرا بہت احترام کرتے ہیں یہاں تک کہ اگر میں سو رہا ہوں تو مجھے بیدار بھی نہیں کرتے کہ مبادا مجھے تکلیف ہو۔ ان کی بات سن کر حضور ﷺ نے انہیں تبلیغ حق کی اجازت دے دی۔

سعادت اندوزِ اسلام ہو کر حضرت عروہؓ بن مسعود عشاء کے قریب طائف پہنچے۔ بنوثقیف ان کی آمد کی خبر سن کر ملاقات کے لیے آئے اور جاہلیّت کے طریقے پر ان کو سلام کیا، انہوں نے اس پر سختی سے اعتراض کیا اور کہا کہ تم کو اہلِ جنّت کی طرح سلام کرنا چاہئے اور السّلامُ علیکم کہنا چاہیے پھر انہوں نے بنوثقیف کو اسلام کی دعوت دی۔ اس پر وہ بھڑک اُٹھے اور حضرت عروہؓ کو سخت سست کہہ کر چلے گئے۔

صبح کو حضرت عروہؓ نے اپنے مکان کے بالا خانے میں کھڑے ہو کر فجر کی اذان دی۔ اس کو سن کر بنوثقیف مشتعل ہو گئے اور حضرت عروہؓ کا رتبہ و احترام بالائے طاق رکھ کر ان پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ) کے ایک شخص اوس بن عوف نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ ان کی رگِ اکحل میں پیوست ہو گیا۔ یہ تیر پیغامِ قضا ثابت ہوا۔ جب ان کی جانبری کی کوئی اُمید نہ رہی تو ان کے اہلِ خاندان ہتھیار باندھ کر ان کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ کا بدلہ ضرور لیں گے خواہ ہمارا بچہ بچہ مارا جائے، جبتک ہم بنو مالک کے دس سردار قتل نہ کرلیں گے ہم کو چین نہ آئے گا۔

حضرت عروہؓ نیک نفسی میں اپنی مثال آپ تھے انہوں نے فرمایا ''یہ تو اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص احسان ہے کہ اس نے مجھے رتبہ شہادت پر فائز کیا، میرے بدلہ میں کسی کو قتل نہ کرو میں نے اپنا خون معاف کیا۔ میری تو اب صرف یہ آرزو ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے ان ساتھیوں کے پاس دفن کرنا جو محاصرہ طائف کے دوران میں شہید ہوئے۔''

ایک اور روایت میں ان سے یہ الفاظ بھی منسوب ہیں ''میرے بارے میں جنگ و جدل نہ کرو میں نے تم لوگوں میں مُصالحت باہمی کے لیے اپنا خون معاف کر دیا، میرا قتل تو اللہ تعالیٰ کی نوازش ہے، اس کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اپنی جان راہِ حق میں قربان کرنے کی توفیق دی، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جنہوں نے مجھے اس بات کی خبر دی تھی کہ تمہاری قوم تمہیں قتل کر ڈالے گی۔'' اس وصیّت کے بعد حضرت عروہؓ نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اہلِ خاندان نے طائف کے گنجِ شہیداں میں سپردِ خاک کر کے ان کی آخری تمنا پوری کر دی۔

رحمتِ عالم ﷺ کو حضرت عروہؓ بن مسعود کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا ''عروہؓ کی مثال صاحبِ یٰسین جیسی ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو حق کی طرف بلایا اور قوم نے ان کو مار ڈالا۔'' (سیرت ابنِ ہشام ج ۲ ص ۳۳۵، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۶۱۶)

مدینۂ منورہ میں وُرُودِ مسعود:

جعرانہ میں آنحضور ﷺ کے قیام کی مدت میں اہلِ سیَر میں اختلاف ہے کسی نے چودہ دن لکھا ہے اور کسی نے سترہ دن۔ اسی طرح آپؐ کے مدینہ منورہ واپس پہنچنے کی تاریخ میں بھی اختلاف ہے ابنِ اسحاقؒ کے بیان کے مطابق آپؐ ذیقعدہ (۸ ہجری) ہی میں یا اوائل ذی الحجہ (۸ ہجری) میں مدینہ طیبّہ واپس تشریف لائے۔ ابنِ ہشامؒ کہتے ہیں کہ جب آپؐ مدینہ واپس پہنچے تو ذیقعدہ (۸ ہجری) میں چھ دن باقی تھے۔ (اصح السیَر ص ۳۰۴)

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ جعرانہ سے ۱۹ ذیقعدہ ۸ ہجری کو روانہ ہوئے اور ۲۷ ذیقعدہ (۸ ہجری) کو مدینہ طیبّہ پہنچے۔ اس طرح فتح مکہ، غزوۂ حنین، محاصرۂ طائف اور جانے آنے کے سفر میں کل دو مہینے سولہ دن صَرف ہوئے۔ (عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۳۰۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت
کا
نواں سال

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبائلِ عرب کے وُفود بارگاہِ رسالتؐ میں

عہدِ رسالت میں عرب کے مختلف قبائل کے وُفود کی رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری اور آپؐ کا ان کے ساتھ حُسنِ سلوک سیرتِ طیبہ کا ایک اہم باب ہے۔ وفد (اَلْوَفْدُ) وافد کی جمع ہے اور وُفود اسکی جمع الجمع ہے۔ اردو زبان میں ''وفد'' صیغۂ واحد میں استعمال ہوتا ہے۔

وفد کے لغوی معنی ہیں مشترکہ مقصد کے لیے بھیجے جانے والے لوگوں کی جماعت (ڈیپوٹیشن Deputation یا سفارت) یا وہ لوگ جو اکٹھے کسی شہر میں جائیں یا ایسے لوگ جو کسی مشترکہ غرض کے لیے کسی حاکم یا سربراہِ مملکت کے پاس جائیں۔

اربابِ سِیَر نے اصطلاحی طور پر خاص موقعوں پر کسی خاص مقصد کے لیے فردِ واحد کی بارگاہِ رسالت میں حاضری کو بھی وَفد کا عنوان دیا ہے۔

عہدِ رسالت میں عرب کے کونے کونے سے مختلف قبائل اور علاقوں کے وُفود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، کچھ اسلام قبول کرنے کے لیے، کچھ دعوتِ اسلام قبول کرنے کے بعد احکامِ دین سیکھنے اور حضور ﷺ کی زیارت و بیعت سے مشرّف ہونے کے لیے اور کچھ صلح وامن کے معاہدے کرنے کے لیے۔ کچھ وفود ہجرتِ نبویؐ سے پہلے مکّہ آ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہجرت کے بعد وفود کی آمد کا سلسلہ ۵ھ ہجری میں شروع ہوا اور ۱۰ھ ہجری کے اواخر (ایک روایت کے مطابق ۱۱ھ ہجری کے اوائل) تک جاری رہا۔ فتحِ مکّہ (رمضان المبارک ۸ھ ہجری) کے بعد قبائلِ عرب کے وفود تسلسل کے ساتھ مدینہ منورہ آنے لگے۔ ۹ھ ہجری میں تو اس کثرت سے وفود آئے کہ بیشتر اربابِ سِیَر نے اس سال کا نام ہی ''عام الوفود'' رکھ دیا۔ (عربی زبان میں ''سال'' (Year) کو ''عام'' کہا جاتا ہے)

بعض مؤرّخین نے ۱۰ھ ہجری کو بھی ''عام الوفود'' کہا ہے کیونکہ اس سال کے دوران میں بھی بکثرت وفود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اگرچہ اربابِ سِیَر نے فتحِ مکّہ کے بعد آنے والے وفود کو زیادہ اہمیت دی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے مکّہ آنے والے وفود کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں بالخصوص ۱۳ھ بعدِ بعثت میں ''یثرب'' سے آنے والے وفد انصار کی اہمیت عہدِ رسالت کے تمام وفود سے زیادہ ہے۔ اس وفد نے لَیْلَۃُ الْعَقَبہ میں حضور ﷺ سے جو پیمانِ وفا باندھا، اُس کو نباہنے کے لیے انصارِ مدینہ نے جو بے مثال قربانیاں دیں انہوں نے تاریخ کا رُخ موڑ کر رکھ دیا۔ اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں آ چکی ہے۔ عہدِ رسالت میں کتنے وفود مجموعی طور پر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اُن کی تعداد کے بارے میں اربابِ سِیَر میں اختلاف ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے پندرہ سے لے کر ایک سَو پانچ تک تعداد بیان کی ہے۔ عرب کی وسیع و عریض سرزمین کے مختلف گوشوں (دیہات، صحراؤں اور شہروں) میں آباد جن قبائل نے یہ وفود بھیجے ان کے نام یہ ہیں:

بنو سَلیم، بنو دَوس، بنو ازدِشنُواَہ، بنو غِفار، بنو اَوس و بنو خزرَج، بنو اَشعَر، بنو اَرحَب، بنو مُزَینہ، بنو غطفان، بنو اَشجع، بنو باہلہ، بنو خشین، بنو جذام، بنو بلھجیم، بنو جہینہ، بنو خزاعہ، بنو ہوازن، بنو ثمالہ، بنو حدّان، بنو ثعلبہ، بنو مہرہ، بنو صداء، بنو ربیعہ، بنو اسلم، بنو ہلال، بنو بکر بن وائل، بنو عبد بن عدی، بنو جَرم، بنو سعد العشیرہ، بنو ازد، بنو عُقَیل، بنو رؤاس، بنو حیشان، بنو تغلب، بنو قشیر بن کعب، بنو کِلاب، بنو طے، بنو فزارہ، بنو حِمیَر، بنو کِنانہ، بنو سعد ہذیم، بنو عُریض، بنو صدف، بنو جعدہ، بنو مُرّہ، بنو شیبان، بنو بکّا، بنو بارِق، بنو اَسَد، بنو تجیب، بنو تمیم، بنو بلی، بنو عذرہ، بنو ثقیف، بنو سعد بن بکر، بنو کلب، بنو بہراء، بنو عبد القیس، بنو لیث، بنو کندہ، بنو عامر بن صعصعہ، بنو رباب، بنو زبید، بنو مراد، بنو رہاء، بنو محارب، بنو خثعم، بنو حنیفہ، بنو عبس، بنو حارث بن کعب، بنو غسان، بنو غامد، بنو سلامان، بنو خولان، بنو بجیلہ، بنو نخع ان کے علاوہ بعض کتابوں میں کچھ اور قبائل کے نام اور حبشہ سے آنے والے دو وفود کا ذکر بھی ملتا ہے۔ بعض اہلِ سِیَر نے انفرادی حیثیت میں آنے والے کچھ معروف اور غیر معروف (گمنام) اصحاب کا ذکر بھی "وفد" کے عنوان سے کیا ہے۔[1]

ان قبائل کے وفود کے حالات (جو مختلف کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں) پڑھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں قبائلِ عرب کی ذہنی کیفیت کیا تھی اور ہادیِ اکرم خاتمَ الانبیاء وَالمرسلین ﷺ کا اندازِ تبلیغ و ہدایت کیا تھا۔ آپؐ ہر وفد کے ساتھ بلا لحاظ اِس کے کہ وہ کس غرض سے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوا، ایسے حُسنِ اخلاق اور شفقت سے پیش آتے تھے کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں اس سے ضرور متاثر ہوتا تھا۔ جن لوگوں کو قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہو جاتی وہ واپس جا کر اپنی قوم میں اس تندہی اور خلوص کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کرتے کہ کوئی تیرہ بخت ہی اسلام لانے سے محروم رہ جاتا۔ جو لوگ پہلے ہی شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے ہوتے، وہ بارگاہِ نبویؐ سے احکامِ دین سیکھ کر واپس جاتے تو ساری عمر اوامر و نواہی کی پابندی میں گزار دیتے۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے چند سال بعد قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیے اور ساری دنیا میں اسلام کا بول بالا کر دیا۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہُ۔

ہجرتِ نبویؐ سے پہلے مکّہ آ کر حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے والے بعض وفود کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔ یہاں چند اور وُفود کا ذکر کیا جاتا ہے جو فتحِ مکّہ کے بعد (بالخصوص ۹ ہجری اور ۱۰ ہجری میں) بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اس سے مجموعی طور پر ایسے تمام وفود سے رحمتِ عالم ﷺ کے عمومی سلوک اور ارکانِ وفود پر اس کے اثرات کا کسی حد تک اندازہ ہو سکے گا۔

---

[1] ان تمام وفود کے تفصیلی حالات جاننے کے لیے مؤلف کی تالیف "وفودِ عرب بارگاہِ نبوی میں" ملاحظہ فرمائیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفدِ بنی تمیم (محرم ۹ھ ہجری):

بروایتِ ابنِ ہشام، بنوتمیم کا وفد ۹ھ ہجری میں جاہلی ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ مدینہ منورہ آیا۔ یہ وفد باختلافِ روایت ستر، اسی یا نوے آدمیوں پر مشتمل تھا اور اس میں قبیلہ تمیم (کی مختلف شاخوں کے) بڑے بڑے رؤسا، شعلہ بیان خطیب اور بلند پایہ شاعر شامل تھے۔ ان میں اقرع بن حابس، زبرِقان بن بدر، عُطارد بن حاجب اور قیس بن عاصم کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ وفدِ بنوتمیم کے وُرُودِ مدینہ کے بارے میں ایک روایت تو یہ ہے کہ وہ بھی دوسرے وفود کی طرح اظہارِ اطاعت کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا (یہ الگ بات ہے کہ اس سلسلے میں اس وفد نے بعض نامعقول شرائط پیش کیں)

دوسری روایت یہ ہے (جو امام بخاریؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے نقل کی ہے) کہ محرم ۹ھ ہجری میں حضور ﷺ نے ایک مہم بنوتمیم کے ایک خانوادے بنوعنبر کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمائی کیونکہ ان لوگوں نے خود بھی خراج ادا کرنے سے انکار کیا تھا اور دوسرے قبیلوں کو بھی منع کیا تھا۔ [1] بنوعنبر کے لوگ اسلامی لشکر کو دیکھ کر بھاگ گئے۔ مسلمان ان کے باسٹھ افراد کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ لے آئے۔ بنوتمیم نے ان قیدیوں کو چھڑانے کے لیے اقرع بن حابس کی قیادت میں اپنے سرکردہ آدمیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا۔ صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو، اس بات پر سب اہلِ سیَر کا اتفاق ہے کہ یہ وفد بڑے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ مدینہ آیا۔ "تفسیر مواہب الرحمٰن" (مولوی سید امیر علیؒ) میں رئیسِ وفد اقرع بن حابس تمیمی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "اُس وقت مجھ میں جہالت اور بدویت موجود تھی اور میں اپنی بے تمیزی سے کاشانۂ نبوی کے سامنے پہنچ کے چلایا، اے محمد! باہر نکل کر ہمارے پاس آؤ۔"

---

[1] یہ مہم تاریخ میں "سریۂ عیینہ بن حصن فزاری" کے نام سے مشہور ہے اس کا پس منظر یہ تھا کہ آنحضور ﷺ نے حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ کو قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ بنوکعب سے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ لوگ صدقات دینے کے لیے تیار تھے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے مویشی بھی جمع کر لیے تھے کہ ان کے پڑوس میں آباد بنوتمیم نے بزورِ قوت ان کو صدقات دینے سے روک دیا۔ حضرت بشرؓ بن سفیان نے مدینہ آ کر آنحضور ﷺ کی خدمت میں سارا واقعہ عرض کیا تو آپؐ نے پچاس سواروں کا ایک دستہ عیینہ بن حصن فزاری کی قیادت میں بنوتمیم کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ اس دستے میں شامل تمام سوار عرب کے مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے ان میں مہاجرین اور انصار کے کوئی صاحب نہیں تھے۔ حضرت عیینہ نے بنوتمیم کے علاقے تک کا سفر اس طرح طے کیا کہ دن کو کسی محفوظ جگہ پر چھپ رہتے اور رات کو سفر کرتے۔ جب وہ اچانک بنوتمیم (کی مجرم شاخ) کے سر پر جا پہنچے تو انہوں نے بھاگنے ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔ مسلمان ان کے گیارہ مرد، اکیس عورتیں اور تیس بچے پکڑ کر مدینہ لے آئے بنوتمیم کا وفد اقرع بن حابس کی قیادت میں ان کو چھڑانے کے لیے مدینہ آیا۔

(السیرۃ نبویہ از احمد بن زینی دحلان ج ۲ ص ۳۳۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ کو ان کا اکھڑ پن ناگوار تو گزرا لیکن آپ سراپا عفو و کرم تھے۔ باہر تشریف لا کر ان سے نہایت خندہ پیشانی سے ملاقات فرمائی۔ اَقرَع نے کہا ''محمد! میں وہ ہوں کہ خدا کی قسم میری مدح انسان کی عزت کو بڑھا دیتی ہے اور میری ہجو انسان کو داغ لگا دیتی ہے۔'' حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اقرعؓ اب بھی خاموش نہ ہوئے اور کہا ''ہم سب سے زیادہ معزز ہیں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''تم سے زیادہ معزز یوسف علیہ السلام بن یعقوب علیہ السلام تھے'' اقرع اب اپنے اصل رنگ پر آئے اور کہا ''محمد! ہم آپ سے مفاخرت کرنا چاہتے ہیں، اپنے شعراء اور خطباء کو اجازت دیں کہ وہ ہمارے شعراء اور خطباء کا مقابلہ کریں۔ بقول ابنِ اثیر صاحبِ ''اُسدُ الغابہ'' حضور ﷺ نے فرمایا ''میں فخاری اور شعر بازی کے لیے مبعوث نہیں ہوا لیکن اگر تم اسی کے لیے آئے ہو تو یونہی سہی تم اپنا کمال دکھاؤ ہم جواب دیں گے۔''

یہ سن کر وفد کے ایک رکن عُطارد بن حاجب تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوگئے۔ یہ صاحب زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے اور بہت اونچے درجے کے خطیب تھے ایک دفعہ وہ کِسریٰ (شاہِ ایران) کے دربار میں اپنی خطابت کے جوہر دکھا کر کمخواب کا خلعت حاصل کر چکے تھے اور اس وقت وہ یہی حُلّہ پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا:

''تعریف اُس خدا کی جس نے ہمیں تاج و تخت کا مالک بنایا اور ہم کو بڑی دولت دی۔ ہمارے خزانے سونے چاندی سے بھرے ہوئے ہیں جن کو ہم نیک کاموں میں بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں۔ خدا نے ہم کو اہلِ مشرق میں سب سے زیادہ عزت دی، ہماری تعداد سب سے زیادہ کی، ہمارے لیے سامانِ حرب مہیا کرنا آسان کر دیا۔ کیا ہم سب سے بڑھ کر صاحبِ فضل اور صاحبِ سیادت نہیں ہیں؟ اگر کوئی ہمارے فخر میں مقابلہ کرنا چاہے تو وہ بتائے کہ کیا یہ باتیں اُس میں ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اپنی مفاخرت میں طویل تقریر کر سکتے ہیں لیکن خودستائی کرتے ہوئے ہمیں شرم آتی ہے۔ ہمارا دعوٰی ہے کہ انسانوں میں کوئی ہمارا ہمسر نہیں ہے اگر کسی اور کو یہ دعوٰی ہو تو وہ ہمارے قول سے اچھا قول اور ہمارے حالات سے اچھے حالات پیش کرے۔ اب مجھ کو جو کہنا تھا کہہ چکا۔''

عطارد یہ تقریر کر کے بیٹھ گئے تو حضور ﷺ نے ان کا جواب دینے کے لیے حضرت ثابتؓ بن قیس انصاری کو اشارہ کیا۔ انہوں نے یہ خطبہ دیا:۔

''تعریف اس خدائے بزرگ و برتر کی جس نے زمین و آسمان پیدا کیے ان پر اپنا حکم جاری کیا۔ اپنی کرسی اور علم کو وسعت دی۔ وہ قادرِ مطلق ہے جو کچھ ہوتا ہے اسی کی قدرت سے ہوتا ہے اس کی قدرتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی مخلوق میں سے ہمارے لیے ایک پیغمبر مبعوث کیا جو سب سے بڑھ کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شریف النفس ہے، سب سے بڑھ کر راست گو اور سب سے زیادہ بلند اخلاق ہے۔ پھر اس پیغمبر پر ایک کتاب نازل کی اور اپنی خلقت کا اسے امانت دار بنایا۔ اور یہی وہ پیغمبر ہے جس کو اللہ نے سارے عالَم سے برگزیدہ کیا پھر اس نے لوگوں کو حق کی طرف بلایا تو اس کی قوم اور اقرباء میں سے پہلے مہاجرین نے حق قبول کیا جو نسب میں افضل ہیں۔ ان کے چہرے سب سے زیادہ روشن ہیں اور ان کے اعمال سب سے اچھے ہیں۔ پھر ان کے بعد سارے عرب میں سے ہم گروہِ انصار نے دعوتِ حق پر لبیک کہا۔ لہٰذا ہم اللہ کے انصار اور اس کے رسول ﷺ کے وزیر ہیں اور لوگ جب تک ایمان نہ لائیں اور لا الٰہ الّا اللہ نہ کہیں، ہم ان سے لڑتے رہیں گے اور جو کوئی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو ماننے سے انکار کرے گا ہم اس کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کریں گے اور جہاد کرنا ہمارے لیے کوئی دشوار کام نہیں ہے لیکن جب کوئی اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لے آئے تو اس کا مال اور اس کا خون سب محفوظ ہو جاتا ہے۔ بس جو کچھ مجھے کہنا تھا کہہ چکا اب میں بارگاہِ الٰہی میں تمام مؤمنین اور مؤمنات کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔"

تقریریں ہو چکیں تو شعر و شاعری کی باری آئی۔ بنوتمیم کی طرف سے زِبرِقان بن بدر کھڑے ہوئے وہ ایک اونچے درجے کے شاعر تھے۔ انہوں نے بڑے جوش سے اپنی قوم کی شان میں ایک پُر زور قصیدہ پڑھا جس میں خودستائی، تعلّی اور نخوت کے سوا کچھ نہ تھا تاہم اس کے زورِ بیان اور فصاحت و بلاغت میں کوئی کلام نہ تھا۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے "اَلْاِصَابَہ" میں لکھا ہے کہ زِبرِقان کے اشعار سن کر خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا" یعنی کسی کسی کلام میں جادو ہوتا ہے۔

زِبرِقان بیٹھے تو حضور ﷺ نے حضرت حسانؓ بن ثابت انصاری کو حکم دیا کہ وہ زِبرِقان کو جواب دیں۔

حضرت حسانؓ اقلیمِ سخن کے بادشاہ تھے۔ زمانۂ جاہلیّت میں غسّانی بادشاہوں کے درباروں میں اپنے حُسنِ کلام اور طلاقتِ لِسانی کا لوہا منوا چکے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد ان کی شاعری کے جوہر اور بھی چمک گئے تھے کیونکہ انہوں نے محض رضائے الٰہی کو اپنا مقصود بنا لیا تھا اور اپنی شاعری کو مِدحتِ رسولؐ یا مشرکین کے کفریہ شعروں کے جواب کے لیے وقف کر دیا تھا۔

انہوں نے اٹھ کر زِبرِقان ہی کے بحر اور قافیہ میں فی البدیہہ ایسے فصیح اور بلیغ اشعار سنائے کہ بنوتمیم انگشت بدنداں ہو گئے۔ اور رئیسِ وفد اقرع بن حابس کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے:

"باپ کی قسم محمد (ﷺ) کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر ہے اور ان کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاعر ہمارے شاعر سے افضل ہے۔ ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ دلکش (اثر انگیز) ہیں اور ان کی زبان ہماری زبان سے زیادہ شیریں ہے (اُن کے الفاظ ہمارے الفاظ سے زیادہ شیریں ہیں۔)"

تمام اہلِ وفد نے اپنے امیر کی اس رائے سے اتفاق کیا اور پھر سب نے کلمۂ شہادت پڑھ کر اپنے ہاتھ رحمتِ عالم ﷺ کے دستِ مبارک میں دے دیے۔[1] اس کے ساتھ ہی حضرت اقرعؓ بن حابس اور دوسرے ارکینِ وفد کی درخواست پر حضور ﷺ نے بنو تمیم (بنی عنبر) کے تمام قیدی بھی رہا کر دیے۔

یہ لوگ چند دن مدینہ منورہ میں ٹھہرے۔ دورانِ قیام میں انہوں نے قرآن اور عقائدِ دین کی تعلیم حاصل کی۔ جب یہ وفد مدینہ منورہ سے رخصت ہونے لگا تو حضور ﷺ نے اس کے تمام ارکان کو انعام و اکرام سے نوازا (ایک روایت کے مطابق یہ انعام چاندی کی صورت میں تھا۔)

بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ بنو تمیم کے وفد نے اپنی آمد کے موقع پر جس اکھڑپن کا مظاہرہ کیا اس کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الحُجرَات آیۃ ۴-۵)

ترجمہ: "(اے نبی) جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اگر وہ تمہارے باہر آنے تک صبر کرتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ درگزر کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔"

وفدِ نصارٰی نجران:

نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر حجاز اور یمن کے درمیان ایک چھوٹی سی ریاست تھی جو سارے عرب میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ اس ریاست میں ۷۳ گاؤں اور قصبے شامل تھے جن میں تقریباً سوا لاکھ قابلِ جنگ مرد میدان میں آسکتے تھے۔ یہ ساری ریاست بڑی سرسبز اور شاداب تھی اس کے باشندے عیسائی عرب تھے۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق بنو حارث بن کعب (ایک جنگجو عرب قبیلے) سے تھا۔ زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت کی بدولت یہ لوگ بڑے خوشحال تھے یہاں ایک عظیم الشان گرجا تھا جس کا ایک قُبّہ تین سو کھالوں

[1] ایک روایت میں ہے کہ حضرت اقرعؓ بن حابس اس واقعہ سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے لیکن جاہلی خُو بُو ابھی تک ان میں باقی تھی اس لیے مدینہ منورہ آ کر انہوں نے حضور ﷺ کو بلانے کے لیے نامناسب طرزِ عمل اختیار کیا۔ (الرّحیق المختوم اردو ص ۶۸۳ حاشیہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے گنبد کی شکل کا بنایا گیا تھا۔ اہلِ نجران نے اس گرجے کو دار الامن قرار دے رکھا تھا۔ جو شخص اس کی حدود میں داخل ہو جاتا ، اُسے مامون سمجھا جاتا۔ ریاست کی تمام آبادی تین سرداروں کے زیرِ حکم تھی۔ ایک ''عاقب'' کہلاتا تھا جس کی حیثیت امیرِ قوم کی تھی۔ دوسرا ''سیّد'' کہلاتا تھا جو ان کے تمدنی اور سیاسی امور کا نگران تھا۔ تیسرا ''اُسقف'' تھا جو ریاست کا دینی پیشوا تھا۔

فتح مکّہ کے بعد آنحضور ﷺ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ثقفی کو تبلیغِ اسلام کے لیے نجران بھیجا مگر ان کی تبلیغی مساعی کا نجران کے نصاریٰ نے کوئی اثر قبول نہ کیا بلکہ الٹا اُن پر طرح طرح کے اعتراضات کیے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے واپس آ کر حضور ﷺ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا تو آپؐ نے اُسقفِ نجران کے نام ایک مکتوب ارسال فرمایا جس کا مضمون یہ تھا۔

''بنامِ اِلٰہِ ابراہیمؑ ، اسحٰقؑ و یعقوبؑ ، محمد نبی رسول اللہ کی طرف سے نجران کے اُسقف کے نام۔ تم اسلام لے آؤ میں تمہارے سامنے اِلٰہِ ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کی حمد بیان کرتا ہوں اور حمد کے بعد تمہیں بندوں کی عبادت چھوڑ اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں اور بندوں کی حکمرانی سے ہٹا کر اللہ کی حکمرانی کی دعوت دیتا ہوں اگر تم کو یہ منظور نہیں تو جِزیہ ادا کرو اور اگر جِزیہ دینا بھی منظور نہیں تو لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ وَالسَّلام۔''

اس نامۂ مبارک کے موصول ہونے پر اہلِ نجران نے ۹ ہجری میں ساٹھ آدمیوں پر مشتمل اپنا ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا۔ اس وفد میں اُسقف ، سیّد اور عاقب سمیت نجران کے بڑے بڑے معزّزین اور شرفاء شامل تھے۔ ان لوگوں کے لیے مسجدِ نبوی کے صحن میں خیمے لگا دیے گئے اور انہوں نے وہیں قیام کیا۔ یہ لوگ غالباً اتوار کے دن مدینہ منورہ پہنچے تھے جو ان کا یومِ عبادت تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے طریقے پر مسجدِ نبویؐ میں نماز پڑھنی چاہی تو صحابہؓ نے اعتراض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''پڑھنے دو'' اجازت ملنے پر انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی نماز پڑھی۔ ان لوگوں نے خاصی مدت مدینہ منورہ میں قیام کیا، اس دوران میں حضور ﷺ ان کو برابر حق کی طرف بلاتے رہے اور ان کے طرح طرح کے سوالوں کا جواب وحی کی رو سے دیتے رہے لیکن ان لوگوں کی زبان پر ایک ہی رَٹ تھی ''میں نہ مانوں''............... مفسّرین نے لکھا ہے کہ سورۂ آلِ عمران کی ابتدائی اسّی آیتیں وفدِ نجران کے قیام کے دوران ہی میں نازل ہوئیں۔ ایک دن حضور ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ صلیب کے پجاری ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہو حالانکہ ان کی حالت اللہ کے نزدیک آدم علیہ السلام جیسی تھی اور وہ بھی ان کی طرح مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ پھر وہ خدا کس طرح ہو گئے۔ اہلِ وفد نے حضور ﷺ کی کوئی بات نہ مانی اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برابر کٹ حجتیاں کرتے رہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَـٰذِبِينَ ۝ (آل عمران:آیہ ٦١)

ترجمہ: ''اور جو کوئی تم سے علم آئے پیچھے بھی جھگڑا کرتا ہے اس سے کہہ دو کہ آؤ ہم اپنے بچوں، مردوں اور عورتوں کو بلا لیتے ہیں۔ تم اپنے بچوں، مردوں اور عورتوں کو بُلا لو۔ پھر ان کے ساتھ ہم اور تم خدا سے دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت پڑے۔''

چنانچہ اتمام حجت کے طور پر حضور ﷺ حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ساتھ لے کر عیسائیوں سے مباہلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ (بعض روایات کے مطابق اس موقع پر حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ کو بھی حضور ﷺ نے اپنے ساتھ لیا تھا۔) عیسائیوں کو مباہلہ کرنے کی ہمت نہ پڑی کیونکہ ان میں سے بعض دور اندیش لوگوں نے رائے دی کہ اگر یہ واقعی نبی ہیں تو ہم لوگ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہم نہ مباہلہ کرتے ہیں اور نہ اسلام قبول کرتے ہیں البتہ ہمیں جو یہ دینا منظور ہے۔ آپ ہمارے ساتھ ایک دیانت دار آدمی کو بھیج دیں جس کو خراج کی رقم جو آپ مقرر کریں گے، ادا کر دیا کریں گے۔ حضور ﷺ نے ان کی بات مان لی اور فریقین کے درمیان معاہدۂ صلح طے پا گیا۔ اس سلسلے میں رسولِ اکرم ﷺ نے اُن کو جو وثیقہ لکھوا کر دیا، اُس کا مضمون یہ تھا:

''یہ وہ تحریر ہے جو محمد النبی الامی رسول اللہ نے اہلِ نجران کے لیے تحریر کی کہ یہ لوگ (اہلِ نجران) اُن کے زیرِ فرمان رہیں گے۔ زمین کی پیداوار، دینار و درہم اور غلاموں کے بارے میں وہ اُن (رسول اللہ ﷺ) کے حکم کی تعمیل کریں گے اور سب (چیزوں) کو چھوڑ کر دو ہزار حُلّوں پر ان سے معاملہ کر لیا گیا ہے۔ رجب میں ہزار حُلّے اور صفر میں ہزار حُلّے اور اس سلسلے کی تمام شرائط ذکر کر دیں۔''

ابو سفیان گواہ ہیں

اس مکتوب کے علاوہ آنحضور ﷺ نے اہلِ نجران کے لیے ایک اور مکتوب بھی تحریر کروا دیا تھا جس کا مضمون یہ تھا:

''رسول اللہ ﷺ نے اُسقُف بنی الحارث بن کعب اور نجران کے دوسرے اُسقُفوں، کاہنوں، راہبوں اور ان کے متبعین کے لیے تحریر کیا۔ جو کچھ ان کے قبضہ میں ہے کم یا زیادہ اور ان کی عبادت گاہیں اور گرجے سب ان کے قبضے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں رہیں گے۔ ان کو اپنی رہبانیت پر قائم رہنے کی اجازت ہوگی اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی پناہ میں رہیں گے کسی اُسقُف کو اس کے منصب سے اور کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے اور کسی کاہن کو اس کی کہانت سے معزول نہیں کیا جائے گا ان کے حقوق اور اقتدار میں اور جو جو کچھ وہ کرتے چلے آئے ہیں اس میں تغیر و تبدّل نہیں ہوگا بشرطیکہ رعایا کے خیر خواہ اور خیر اندیش رہیں نہ ظالم کا ساتھ دیں اور نہ خود ظلم کریں۔"

مغیرہ نے تحریر کیا۔

جب یہ وفد رخصت ہونے لگا تو حضور ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہُ کو جزیہ کی وصولی کے لیے ان کے ساتھ کر دیا اور فرمایا، یہ ہماری اُمّت کے امین ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ نجران سے یکے بعد دیگرے دو وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے پہلا وفد تین ارکان پر مشتمل تھا اور اسی وفد کے ساتھ بحث کے دوران میں آیت مباہلہ نازل ہوئی تھی۔ دوسرا وفد جو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا اس کے بعد آیا اور وہ بھی حضور ﷺ سے فرمانِ امن لے کر واپس گیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷۰ حدیث ۱۵۰۵، طبقات ابنِ سعد ج ۱ ص ۳۵۷۔۳۵۸، زاد المعاد ج ۳ ص ۱۲۷ وغیرہ)

وفدِ بنی سعد بن بکر:

۹ ھ ہجری میں بنوسعد بن بکر نے اپنے سردار (بروایتِ دیگر قبیلے کے ایک سربرآوردہ آدمی) ضِمام بن ثعلبہ کو مدینہ بھیجا تا کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ سے اسلام کے بارے میں براہِ راست گفتگو کریں۔ اس سے پہلے حضور ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کو اس قبیلے میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا تھا۔ ضِمام بڑے دانا اور معاملہ فہم آدمی تھے وہ بدوی سادگی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے اور اپنی اونٹنی کی مہار پکڑے بلا تکلف مسجدِ نبوی میں جا گھُسے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت صحابۂ کرامؓ کے حلقے میں تشریف فرما تھے۔ ضِمام نے سانڈنی کو ایک کونے میں بٹھایا اور مجمع کے قریب پہنچ کر سلام وکلام کے بغیر یوں گویا ہوئے:

"آپ لوگوں میں محمد (ﷺ) یا بروایتِ دیگر ابنِ عَبْدُ الْمُطَّلِب کون صاحب ہیں؟"

صحابہؓ نے حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ گورے رنگ کے جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔"

ضِمام نے کہا "اے ابنِ عَبْدُ الْمُطَّلِب! آپ کا داعی ہمارے پاس آیا تھا۔ اس نے چند باتیں آپ کی طرف سے ہمارے سامنے پیش کیں! میں ان کی آپ سے تصدیق کرانا چاہتا ہوں۔ آپ میرے بدوی لہجے کی درشتی سے دل میں غبار تو نہ لائیے گا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ نے فرمایا "تم جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو بلا تکلف پوچھو۔"

ضِمام: "آپ کے داعی نے ہم سے کہا کہ آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ اللہ نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔"

رسولِ اکرم ﷺ: "اس نے سچ کہا۔"

ضِمام: "آسمان کس نے بنایا؟"

رسول اکرم ﷺ: "اللہ نے"

ضِمام: "اور زمین"؟

رسول اکرم ﷺ: "اللہ نے"

ضِمام: "اچھا تو ان پہاڑوں کو کس نے قائم کیا اور ان میں قسم قسم کی چیزیں کس نے بنائیں۔"

رسول اکرم ﷺ: "اللہ نے۔"

یہ سُن کر ضِمام بولے: "اُسی کی قسم جس نے زمین و آسمان بنائے اور ان پہاڑوں کو قائم کیا۔ سچ بتایئے کیا واقعی اللہ نے آپ کو رسول بنایا ہے؟"

رسول اکرم ﷺ: "ہاں"

ضِمام: "آپ کے داعی نے یہ بھی کہا تھا کہ دن رات میں ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں۔"

رسول اکرم ﷺ: "اس نے سچ کہا۔"

ضِمام: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا سچ بتایئے کیا واقعی اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟"

رسول اکرم ﷺ: "ہاں"

ضِمام: "آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا تھا کہ ہمارے مالوں پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔"

رسول اکرم ﷺ: اس نے سچ کہا۔"

ضِمام: "اس ذات کی قسم سچ بتایئے کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے۔"

رسول اکرم ﷺ: "ہاں"

ضِمام: "آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا تھا کہ ہمارے ذمہ ایک سال میں ماہِ رمضان کے روزے ہیں۔"

رسول اکرم ﷺ: "اس نے سچ کہا۔"

ضِمام: "اس ذات کی قسم سچ بتایئے کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے۔"

رسول اکرم ﷺ: "ہاں"

ضِمام: "آپ کے قاصد نے ہم سے یہ بھی کہا کہ جس شخص کو استطاعت ہو اس پر بیت اللہ کا حج کرنا بھی فرض ہے۔"

رسول اکرم ﷺ: "اس نے سچ کہا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سوال وجواب ہو چکے تو ضِمام نے کلمۂ شہادت پڑھا اور عرض کیا:۔

"یا رسولَ اللہ ﷺ! میری قوم نے مجھے اپنا قاصد بنا کر آپ کی خدمت میں بھیجا ہے میرا نام ضِمام بن ثعلبہ ہے اور میں بنو سعد بن بکر کا بھائی ہوں۔ اس ذاتِ برحق کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنایا ہے۔ جو باتیں آپ نے ارشاد فرمائی ہیں، میں ان میں نہ کمی کروں گا اور نہ زیادتی۔"

یہ کہہ کر انہوں نے نہایت ادب سے سلام کیا اور اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس موقع پر رحمتِ عالم ﷺ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"اگر یہ شخص سچ کہہ رہا ہے تو ضرور جنّت میں داخل ہو گا۔"

حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہٗ بھی اس وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے ان کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے "میں نے ضِمام سے بہتر اور اثر انگیز گفتگو کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔"

ضِمامؓ اپنے قبیلے میں واپس گئے تو انہوں نے قبیلے کے بتوں لات اور عُزّیٰ سے علی الاعلان بریّت کا اظہار کیا اور ان کو ذلیل اور خوار کہا اس پر قبیلے کے لوگ بڑے جز بز ہوئے لیکن ضِمام نے ان کے سامنے اسلام کے محاسن ایسے دلنشین انداز میں بیان کیے کہ شام تک سارا قبیلہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ (طبقات ابنِ سعد ج ا ص ۲۹۹، اسد الغابہ ج ۳ ص ۴۲۔۴۳)

وفدِ بنی کِلاب:

۹ھ ہجری میں بنو کلاب کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔[۱] یہ تیرہ آدمی تھے۔ ان میں عرب کے نامور شاعر حضرت لبیدؓ بن ربیعہ بھی شامل تھے۔[۲]

انہوں نے حضور ﷺ کو اسلامی طریقے کے مطابق سلام کیا اور یوں عرض پیرا ہوئے:

---

[۱] بنو کِلاب کا نام متعدد عدنانی قبائل کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس وفد کے ارکان کِلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ کی اولاد سے تھے۔ یہ قبیلہ بنو ہوازن کا ایک بطن تھا۔

[۲] ابو عقیل لبیدؓ بن ربیعہ بن عامر بن مالک بن جعفر بن کِلاب کا شمار عرب کے فحول شعراء میں ہوتا ہے۔ وہ ان سات باکمال شعراء میں سے ایک تھے جن کے قصائد زمانہ جاہلیت میں اہلِ مکّہ نے کعبہ میں آویزاں کر رکھے تھے۔ قبولِ اسلام کے وقت ان کی عمر باختلافِ روایت نوے یا ۱۱۳ برس کی تھی حالتِ اسلام میں وہ ۳۲ یا ایک دوسری روایت کے مطابق ۵۵ برس جیے۔ قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے شاعری ترک کر دی تھی اور ایک یا دو کے سوا کوئی شعر نہیں کہا۔ ان کی عظمت کی اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ خود رسولِ اکرم ﷺ نے ان کے ایک مصرع کی تعریف فرمائی اور ایک مرتبہ فرزدق جیسا نامی شاعر ان کا ایک شعر سن کر بے اختیار سجدے میں گر پڑا۔ (ان کے تفصیلی حالات کے لیے مؤلف کی کتاب "رحمتِ دارین کے سو شیدائی" کی طرف رجوع کیجیے۔)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یارسولَ اللہ! آپ کی طرف سے ضحاکؓ بن سفیان[1] ہمارے پاس اللہ کی کتاب اور آپ کی وہ سنت لے کر پہنچے جس کا آپؐ نے انہیں حکم دیا ہے اور انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا پس ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو قبول کرلیا۔ انہوں (ضحاکؓ بن سفیان) نے ہمارے اغنیا سے صدقہ لیا اور اسے ہمارے فقراء (غربا و مساکین) میں تقسیم کردیا۔"

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے سے پہلے ہی اسلام قبول کرلیا تھا اور وہ صرف حضور ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ آئے تھے لیکن بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے حاضری کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا پہلی صورت میں قبولِ اسلام اور حاضری کے درمیان بہت تھوڑا وقفہ ہوگا۔

(الاستیعاب ج ا ص ۲۳۵، اسد الغابہ ج ۷ ترجمہ لبید بن ربیعہ، غزوۂ تبوک باشمیل ص ۲۸۷ تا ۲۸۹)

وفدِ بنی عامر بن صعصعہ:

عامر بن صعصعہ کا قبیلہ بنو ہوازن کا ایک بطن تھا اور بنو ہوازن قیس عیلان سے تھے۔ یہ لوگ نجد میں آباد تھے پھر طائف کے ایک حصے تک پہنچ گئے۔ سردیاں نجد میں اور گرمیاں طائف میں گزارتے تھے۔ ۹ ہجری میں اس قبیلے کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا۔ یہ وفد سولہ ارکان پر مشتمل تھا جن میں ان کے تین بڑے سردار عامر بن طفیل، اربد بن قیس (یا ربیعہ) اور جبار بن سلمیٰ بھی شامل تھے۔ عامر بن طفیل اور اربد بن قیس دونوں نہایت بدطینت آدمی تھے وہ رسول اکرم ﷺ کو خفیہ طور پر اچانک شہید کردینے کا منصوبہ بنا کر آئے تھے۔ البتہ جبار بن سلمیٰ اور قبیلہ کے دوسرے لوگ صدقِ دل سے حق کے طالب تھے۔ عامر اور اربد خاندانِ سلول کے ہاں مہمان ہوئے۔ جبار بن سلمیٰ تیرہ آدمیوں کے ساتھ حضرت کعبؓ بن مالک کے مہمان بنے۔ حضرت کعبؓ ان کو لے کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ بنو عامر نے اثنائے گفتگو میں حضور ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا "اَنتَ سَیّدُنا" آپ ہمارے آقا ہیں۔

آپؐ نے فرمایا "السّیدُ اللہُ" آقا خدا ہے۔ انہوں نے پھر عرض کی حضور ﷺ ہم میں سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر فیاض ہیں۔ ارشاد ہوا، بات منہ سے نکالتے وقت خیال رکھو کہ شیطان تم کو ہنکا نہ لے جائے۔ (یعنی تکلف اور تملّق بھی ناپسندیدہ چیز ہے)۔ اس کے بعد

---

[1] حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہٗ کا شمار اپنے عہد کے نامور بہادروں اور رسول اکرم ﷺ کے نہایت مخلص جاں نثاروں میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق قبیلہ عامر بن صعصعہ کی شاخ بنی کلاب سے تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں بنی کلاب کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ ان کو بہت سے موقعوں پر حضور ﷺ کے پیچھے شمشیر بدست کھڑے ہو کر آپ کی حفاظت کا فرض انجام دینا پڑا اس لیے "سیافِ رسولؐ" کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ ۱۱ ہجری میں مرتدین کے خلاف لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے مؤلف کی کتاب "خیر البشرؐ کے چالیس جاں نثار")

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبارؓ اور ان کے ساتھی مشرف بہ ایمان ہو گئے۔

عامر بن طفیل اور اربد نے حضور ﷺ سے الگ ملاقات کی۔ عامر نے کہا: "محمد! تین باتیں ہیں، دیہاتی علاقوں پر تم حکومت کرو اور شہر میرے قبضے میں ہوں۔ اگر یہ نہیں تو اپنے بعد مجھے اپنا جانشین نامزد کر جاؤ اگر یہ بھی منظور نہیں تو میں بنو غطفان کا لشکر لے کر مدینہ پر ہلّہ بول دوں گا۔"

عامر اور اربد نے یہ سازش تیار کی تھی کہ عامر حضور ﷺ کو گفت وشنید میں مشغول رکھے گا اور اربد آپؐ کو شہید کر ڈالے گا۔ اب جو عامر نے اربد کو دیکھا تو اس میں ہلنے جلنے کی سکت بھی نہ پائی۔ جلالِ نبوت نے اس کی تمام قوت سلب کر لی تھی۔ حضور ﷺ نے عامر کی شرطیں ردّ کر دیں تو دونوں اٹھ کر چلے آئے۔ اس وقت حضور ﷺ نے بارگاہِ رب العزّت میں دعا کی کہ الٰہی ان کے شرّ سے بچانا۔

اللہ کی قدرت عامر بن طفیل کو واپس جاتے ہوئے طاعونی پھوڑا نکل آیا۔ اس نے بنوسلول کی ایک عورت کے ہاں پناہ لی اور اسی کے گھر میں تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اس کے کہنے پر اس کو گھوڑے پر بٹھایا گیا (تاکہ بستر پر مرنے کی ذلت سے بچ جائے) لیکن وہ گھوڑے کی پشت پر یا زمین پر گر کر آناً فاناً مر گیا۔ اربد اونٹ پر جا رہا تھا کہ اس پر آسمانی بجلی گری اور وہ اپنے اونٹ سمیت جل کر بھسم ہو گیا۔

(طبقات ابنِ سعد ج ۱ ص ۳۱۰-۳۱۱، اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ جلد ۱۸ ص ۸۲)

وفدِ بنی مُرّہ:

۹ھ ہجری میں سرورِ عالم ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنومُرّہ کا ایک تیرہ رُکنی وفد آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے سربراہ حارثؓ بن عوف تھے۔ ان لوگوں نے قبولِ اسلام اور حضور ﷺ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس موقع پر حضرت حارثؓ بن عوف نے عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ ﷺ! ہم لُوَیّ بن غالب کی اولاد ہیں یوں ہمارا قریش سے قریبی تعلق ہے۔"

ان کی بات سن کر سرورِ عالم ﷺ نے متبسّم ہو کر ان سے پوچھا تمہارے اہل وعیال اب کہاں مقیم ہیں؟"

انہوں نے عرض کیا۔ "سلاح اور اسکے نواح میں۔"

حضور ﷺ نے پوچھا۔ "تمہارے علاقے کا کیا حال ہے؟"

انہوں نے عرض کیا۔ "خشک سالی کا شکار ہے۔ آپ ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ خشک سالی دُور کر دے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رحمتِ عالم ﷺ نے دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اسْقِھِمُ الْغَیْثَ.

''اے اللہ انہیں بارش سے سیراب کر۔''

جب یہ وفد مدینہ منورہ سے رخصت ہونے لگا تو حضورِ اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قائدِ وفد حضرت حارثؓ بن عوف کو بارہ اوقیہ اور وفد کے دوسرے ہر رکن کو دس دس اوقیہ چاندی عطا کی۔

جب یہ اصحاب اپنے وطن پہنچے تو معلوم ہوا کہ اسی دن اُن کے علاقے میں بارش ہوئی تھی جس دن رسولِ اکرم ﷺ نے دعا کی تھی۔ (زاد المعاد ج ۳ ص ۶۶۱)

وفدِ بنی طے:

یمن میں طے نہایت نامور قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کے سربرآوردہ رؤسا زید الخیل اور عدی بن حاتم طائی تھے۔ ان کے حدودِ حکومت الگ الگ تھے۔ یہ دونوں الگ الگ ہی مختلف موقعوں پر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔

زید الخیل زمانۂ جاہلیّت کے مشہور شاعر اور خطیب تھے۔ وجاہت، فیاضی اور بہادری میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اصل نام زید بن مہلہل تھا مگر اپنی شہسواری کی وجہ سے زید الخیل کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

۹ھ ہجری میں پندرہ آدمیوں کا ایک وفد لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور ساتھیوں سمیت صدقِ دل سے اسلام قبول کیا۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت زیدؓ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا، ''یارسولَ اللہ! میں نَو دن کی دشوار گزار مسافت طے کر کے آیا ہوں سفر میں میری سواری تھک گئی میری راتیں جاگتے گزریں اور دن پیاس کی حالت میں۔ میں نے یہ ساری مشقت صرف دو باتیں دریافت کرنے کے لیے برداشت کی۔''

حضور ﷺ نے پوچھا، تمہارا نام کیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا۔ ''زید الخیل''

آپؐ نے فرمایا، نہیں تم زید الخیر ہو۔ جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو۔ انہوں نے عرض کیا، جو شخص اللہ کو چاہتا ہے اس کی کیا علامت ہے اور جو اللہ کو نہیں چاہتا اس کی کیا علامت ہے؟

(بروایت دیگر جسے اللہ چاہتا ہے اور جسے نہیں چاہتا اس کی کیا علامت ہے؟)

حضور ﷺ نے فرمایا، تم زندگی کے شب و روز کیسے گزارتے تھے؟

انہوں نے عرض کیا، میں نیکی اور نیکی کرنے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کو پسند کرتا تھا اگر میں اس پر عمل کرتا تھا تو اس سے طمانیت ہوتی تھی (کہ اس کا اجر ملے گا) اور جب یہ عمل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھوٹ جاتا تھا تو غمگین ہو جاتا تھا۔

حضور ﷺ نے فرمایا، جو اللہ کو چاہتا ہے اور جو نہیں چاہتا اس کی یہی علامت ہے (یا جسے اللہ چاہتا ہے اور جسے نہیں چاہتا اس کی یہی علامت ہے) اگر اللہ اس کے خلاف تمہارے لیے کچھ چاہتا تو تم کو اس کے لیے تیار کرتا پھر اس کو اس کی پروانہ ہوتی کہ تم کس وادی میں ہلاک ہو گے۔"

جب یہ وفد رخصت ہونے لگا تو حضور ﷺ نے وفد کے عام اراکین کو پانچ پانچ اوقیے چاندی عطا فرمائی اور حضرت زید الخیرؓ کو بارہ اوقیے چاندی اور عمدہ خوشبو عنایت فرمائی۔

علاوہ ازیں آپؐ نے ایک تحریری فرمان کے ذریعے اُن کو فید (طے کے ایک پہاڑ سلمٰی کے مشرق میں ایک مقام) اور اس کے آس پاس کی اراضی بھی بطور جاگیر عطا فرمائی نیز حضرت زیدؓ کے بارے میں فرمایا، عرب کے جس بھی آدمی کے فضل و کمال کا مجھ سے ذکر کیا گیا جب وہ مجھ سے ملا تو میں نے اسے اس سے کم ہی پایا جتنا اس کے بارے میں کہا گیا تھا لیکن زید الخیل اس سے مستثنیٰ ہے اس میں جو خصائص موجود تھے وہ سب مجھے نہیں بتائے گئے۔

زید شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد مدینہ سے سوئے وطن روانہ ہوئے تو راستے میں بخار آنے لگا۔ ایک روایت کے مطابق راستے میں نجد کے ایک چشمے فردہ کے قریب فوت ہو گئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ گھر پہنچ کر فوت ہوئے بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہُ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ واللہ اعلم بِالصّواب۔

(سیرت النبی کامل ابنِ ہشام ص ۱۲۷، اُسدُ الغابہ ج ۲ ص ۶۴۲-۶۴۱، الاستیعاب ج ۱ ص ۱۹۹)

وفدِ بنی حنیفہ:

بنو حنیفہ عرب کا ایک بڑا قبیلہ تھا جو ربیعہ بن نزار بن مَعَد بن عدنان کی اولاد سے تھا یہ لوگ یمامہ (نجد) میں آباد تھے اور عرب کے زبردست جنگجو قبائل میں شمار ہوتے تھے۔ ۹ ہجری (یا بروایتِ دیگر ۱۰ ہجری) میں بنو حنیفہ کا چودہ یا سترہ ارکان پر مشتمل ایک وفد نجد سے مدینہ منورہ آیا۔ اس میں مسیلمہ کذّاب بھی شامل تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ مسیلمہ کذاب (بن ثمامہ بن کبیر بن حبیب بن حارث) بنو حنیفہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مدینہ آیا۔ رسولِ اکرم ﷺ (ازراہِ مہمان نوازی) حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کو ساتھ لے کر اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ مسیلمہ اپنے ساتھیوں کے درمیان موجود تھا۔ حضور ﷺ اس کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور گفتگو فرمائی۔ مسیلمہ نے کہا، اے محمد (ﷺ) اگر تم مجھے اپنے بعد اپنا جانشین بنانے کا وعدہ کرو (بالفاظِ دیگر اپنا خلیفہ نامزد کر دو) تو میں تمہارا اتباع کروں گا۔

اس کے جواب میں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا، خلافت تو بڑی چیز ہے میں تجھ کو یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھڑی دینا بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ اللہ نے تیری نسبت جو فیصلہ کر دیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ میں تیرا انجام خواب میں دیکھ چکا ہوں اور زیادہ گفتگو کی ضرورت ہو تو ثابت بن قیس موجود ہیں اُن سے پوچھ میں اب جاتا ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۲۸، فتح الباری ۸۔ص ۸۷ تا ۹۳)

ابنِ اسحاقؒ نے بنو حنیفہ کے ایک شیخ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ بنو حنیفہ کا وفد مدینہ پہنچا تو وہ لوگ مسیلمہ کو (اپنے خیموں میں سامان اور سواریوں کی حفاظت کے لیے) پیچھے چھوڑ گئے اور خود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے حضور علیہ السلام نے ان میں سے ہر ایک کو چاندی کے پانچ اوقیے عطا فرمائے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اپنے ایک ساتھی کو سامان اور سواریوں کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اس کے لیے بھی اتنا ہی عطیہ دینے کا حکم دیا جتنا انہیں دیا تھا اور فرمایا، وہ (تمہاری سواریوں اور سامان کی حفاظت کرنے کی وجہ سے) بُرے مقام پر نہیں ہے۔

وہ لوگ مسیلمہ کا حصہ لے کر اس کے پاس گئے اور اس کو حضور علیہ السلام کا ارشاد سنایا تو وہ بدبخت کہنے لگا کہ اُن (حضور علیہ السلام) کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بعد یہ کام (کارِ نبوّت) میرے سپرد ہونے والا ہے (یا یہ کہ میں نبوّت میں ان کا شریک ہوں) ابنِ اسحاقؒ کا بیان ہے کہ مسیلمہ نے حضور علیہ السلام کے پاس خط بھی بھیجا تھا جس کا مضمون یہ تھا:

> "مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف۔ اما بعد! میں اس معاملہ (امرِ نبوّت) میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہوں تو نصف اختیار میرا ہے اور نصف قُریش کا اور قریش ایسی قوم ہے جو عدل نہیں کرتی۔"

حضور علیہ السلام نے اس کے جواب میں یہ گرامی نامہ بھیجا:

> "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذّاب کو۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے اما بعد! زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے اور آخرت کی بھلائی پرہیز گاروں کے لیے ہے۔"

مسیلمہ کذّاب کا خط دو قاصد لائے تھے۔ وہ اسی کے پیروکار تھے۔ حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اگر قاصدوں کو قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔

(اَصَحُّ السِّیَر ص ۴۱۶ بحوالہ ابنِ اسحاقؒ)

مسیلمہ نے اپنے وطن میں نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کر رکھا تھا اور ہزاروں لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت خالدؓ بن ولید اس کی سرکوبی پر مامور ہوئے انہوں نے یمامہ (نجد) کے مقام پر خونریز لڑائی کے بعد اسے تباہ کن شکست دی اسی لڑائی میں وہ جہنّم واصل ہوا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفدِ بَلِی

ربیع الاوّل ۹ھ ہجری میں قبیلہ بَلِی کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا۔ حضرت رُویفعؓ بن ثابت بلوی نے جو ان کے ہم قوم تھے۔ ان کو اپنے ہاں ٹھہرایا، پھر ان کو ساتھ لے کر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسولَ اللہ! یہ میری قوم کے لوگ ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، مرحبا ہے تم کو اور تمہاری قوم کو...... تمام ارکانِ وفد اسی وقت مشرّف بہ اسلام ہوگئے۔ اور حضور ﷺ کی بیعت کرلی اس پر حضور ﷺ نے فرمایا، سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے تم کو اسلام کی ہدایت کی، جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین پر مرا وہ جہنمی ہے۔

اس وفد کے سردار ابوالضباب (یا ابوالضبیب) تھے۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ! مجھے لوگوں کو کھانا کھلانے کا بہت شوق ہے، کیا اس میں میرے لیے کوئی اجر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں ہر اچھا کام جو تم کرو امیر کے لیے ہو یا غریب کے لیے، تمہیں صدقہ کا ثواب ملے گا۔

پھر انہوں نے پوچھا، یا رسولَ اللہ! ضیافت یا مہمانداری کی مدت کیا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا، تین دن اس کے بعد جو ہو وہ صدقہ ہے اور مہمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن کے بعد تمہارے یہاں ٹھہرا رہے۔

اس کے بعد ابوالضبابؓ نے دریافت کیا کہ میدان اور جنگلوں میں گم شدہ بکری بھیڑ مل جائے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا، وہ تمہاری ہوگی یا تمہارے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔

انہوں نے پوچھا اور گم شدہ اونٹ کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اس کو تم نہیں لے سکتے اس کو چھوڑ دو تا کہ اس کا مالک تلاش کرلے۔

(طبقات ابنِ سعد ج ۱ ص ۳۴۳، اصح السِیَر ص ۴۴۱)

وفدِ بنی لیث:

۹ھ ہجری میں غزوۂ تبوک سے پہلے بنولیث کا ایک وفد نجد سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اس وفد کے قائد مالک بن حویرث لیثی تھے یہ وفد بیس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ان اصحاب نے اسلام قبول کیا اور مدینہ منورہ میں ایک مہینہ قیام کیا۔ حضور ﷺ نے ان لوگوں کو نماز سکھائی (بروایتِ دیگر احکامِ دین بھی سکھائے) جب وہ واپس جانے لگے تو حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ وطن پہنچ کر اپنے قبیلے والوں کو بھی نماز پڑھنا سکھائیں۔

(اُسدُ الغابہ اردو ج ۸ ص ۲۲، عہد نبوت کے ماہ وسال ص ۳۱۵)

سریۂ قُطبہ بن عامر انصاری (صفر ۹ھ ہجری):

رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ خثعم کی ایک شاخ کے لوگ آمادۂ فساد ہیں۔ یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگ مکّہ کے شمال میں دو دن کی مسافت پر موضع بیشہ کے قریب آباد تھے۔ آپؐ نے صفر ۹ھ ہجری میں حضرت قُطبہ بن عامر انصاریؓ کو بیس مجاہدین کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ ان کے پاس دس اونٹ تھے جس پر باری باری سوار ہوتے تھے مجاہدین نے منزلِ مقصود پر پہنچ کر سرکش قبیلے پر حملہ کیا تو فریقین کے درمیان شدید لڑائی ہوئی جس میں بنوخثعم کو شکست فاش ہوئی۔ مسلمانوں کو کافی مالِ غنیمت حاصل ہوا جسے لے کر وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو خمس نکال کر ہر مجاہد کے حصے میں چار اونٹ یا دس (بروایتِ دیگر بیس) بکریاں آئیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہٗ نے اس لڑائی میں شہادت پائی لیکن بیشتر سیرت نگاروں نے ان کی وفات حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں بیان کی ہے۔ [1]
(تلقیح ص ۳۵، الاستیعاب ج ۲ ص ۵۳۲، اُسد الغابہ ج ۷ ص ۲۷۷)

سریۂ ضحّاکؓ بن سفیان کِلابی (ربیع الاوّل ۹ھ ہجری):

ایک روایت کے مطابق یہ سریہ بنوکِلاب کو اسلام کی دعوت دینے کے سلسلے میں ہوا۔ دوسری روایت کے مطابق حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنوکِلاب کی ایک شاخ قُرطاء کے لوگ مسلمانوں پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپؐ نے ربیع الاوّل ۹ھ ہجری میں حضرت ضحّاکؓ بن سفیان کلابی کی قیادت میں ایک چھوٹا سا لشکر ان کی طرف بھیجا۔ قُرطیوں سے ان کا آمنا سامنا نجد کے ایک مقام زج ولا پر ہوا۔ ضحاکؓ نے ان کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے قبول نہ کی۔ اس پر فریقین میں سخت لڑائی ہوئی جس میں قُرطیوں کو شکست فاش ہوئی۔ ان کا ایک آدمی مارا گیا اور ان کے بہت سے مال ومتاع پر بھی مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ (طبقات ابنِ سعد ج ۱ ص ۵۰۱)

سریۂ علقمہ بن مُجزّز مُدلِجی (ربیع الآخر ۹ھ ہجری):

رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ حبشہ کے بدقماش لوگوں کا ایک گروہ ساحلِ جدہ کے قریب جمع ہوگیا ہے اور وہ جدہ یا مکّہ معظمہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے (ایک روایت میں ہے کہ یہ لوگ بحری ڈاکو تھے)

آنحضور ﷺ نے حضرت علقمہؓ بن مُجزّز مُدلِجی کو تین سَو مجاہدین کا ایک دستہ دے کر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ حبشیوں نے مجاہدینِ اسلام کو دیکھا تو انہوں نے خوفزدہ ہو کر راہِ فرار اختیار کی اور ایک جزیرے میں پناہ لی۔ حضرت علقمہؓ ان کا تعاقب کرتے ہوئے اس

---

[1] حضرت قُطبہؓ بن عامر بن حدیدہ انصاری کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق خزرج کے خاندان بنوسلمہ سے تھا۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ وثانیہ میں شریک تھے نیز عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم ﷺ کے ہم رکاب رہے غزوۂ اُحد میں نَو زخم کھائے۔ ابنِ اثیرؒ نے وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں فوت ہوئے۔ (اسد الغابہ ترجمہ قطبہؓ بن عامر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جزیرے تک بھی پہنچ گئے مگر حبشی وہاں سے بھی بھاگ کر لاپتہ ہوگئے۔ یوں حضرت علقمہؓ اس مہم سے کامیاب وکامران واپس آئے۔ ۱ (فتح الباری ۸۔ص ۵۹، طبقات ابنِ سعد ج ا ص ۵۰۱)

سریۂ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ:

اس سریہ کو سریۂ بنی طے اور سریۂ الفُلس بھی کہا جاتا ہے۔ ''بنوطے'' یمن کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ اس کے کچھ لوگوں نے دینِ عیسوی اختیار کر لیا تھا۔ ان میں قبیلے کے سردار نامور سخی حاتم طائی کے بیٹے عدی بھی شامل تھے۔ لیکن قبیلے کے بہت سے لوگ بُت پرست تھے اور فُلس (یا فُلُس) نامی ایک بت کی پرستش کرتے تھے۔ ۲ ربیع الآخر ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو ڈیڑھ سو سوار سو اونٹ اور پچاس گھوڑے دے کر فُلس کو منہدم کرنے کے لیے بنوطے کی طرف بھیجا۔ عدی بن حاتم طائی اسلامی لشکر کی آمد کی خبر ملتے ہی اپنے اہل وعیال سمیت شام کی طرف بھاگ گئے۔ البتہ ان کی بہن سفانہ بنتِ حاتم پیچھے رہ گئیں۔ ادھر حضرت علیؓ

---

۱ اس سلسلے میں بعض اہلِ سیَر نے ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ حضرت علقمہؓ کے واپسی سفر کے دوران میں بعض مجاہدین نے ان سے کہا کہ وہ بہت جلد اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں اس لیے ہمیں لشکر سے پہلے جانے کی اجازت دی جائے۔ حضرت علقمہؓ نے اجازت دے دی اور پہلے جانے والے مجاہدین کا امیر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہٗ کو مقرر کر دیا ان کے مزاج میں ظرافت تھی۔ اثنائے راہ میں جب اُن کے ساتھیوں نے تاپنے اور کھانا پکانے کے لیے آگ جلائی تو حضرت عبداللہؓ نے ان سے کہا، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ اس پر جب کچھ مجاہد اپنے امیر کے حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہوئے تو حضرت عبداللہؓ نے ان سے کہا، بیٹھ جاؤ میں تو تمہارے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔ جب یہ دستہ واپس مدینہ منورہ پہنچا اور اس واقعہ کا ذکر آنحضور ﷺ کے سامنے کیا تو آپؐ نے فرمایا، کوئی شخص معصیت کا حکم دے تو نہ مانو (یعنی اطاعتِ امیر ہمیشہ نیک اور جائز کاموں میں ہوتی ہے)

(محمدؐ رسول اللہ شیخ محمد رضا ص ۳۹-۶۴۸۔ ضیاء النبی ج ۴ ص ۵۷۲)

لیکن اس روایت میں ابہام پایا جاتا ہے کیونکہ مولانا عبدالرّؤف دانا پوری نے ''اصح السیَر'' میں لکھا ہے کہ ''راستہ میں علقمہ بن مجزز نے آگ جلوائی اور عجلت کرنے والوں سے کہا کہ تم لوگ آگ میں داخل ہو جاؤ جب کچھ لوگ آگ میں جانے کے لیے مستعد معلوم ہوئے تو علقمہ نے کہا ٹھہرو ہم نے تو مذاق سے کہا تھا..................

مولانا شاہ عبدالحق صاحب لکھتے ہیں کہ یہ قصہ اسی طرح مواہب لدنیہ میں حاکم اور ابنِ ماجہ سے منقول ہے۔ حضرت ابی سعید خدریؓ کی یہ روایت ہے۔ ابنِ خزیمہ اور ابنِ حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔'' (اصح السیر ص ۳۱۲)

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے اپنی کتاب ''رحمۃ للعالمین جلد دوم میں اس سریہ کو ''سریۂ عبداللہؓ بن حذافہ'' کا نام دیا ہے اور حضرت علقمہؓ کا ذکر ہی نہیں کیا (یعنی اس سریہ کے امیر عبداللہؓ بن حذافہ تھے)

۲ بعض روایتوں میں اس بُت کا نام ''قُلس'' بھی آیا ہے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ''قُلس'' قبیلہ طے کا بڑا بت خانہ تھا۔ گویا یہ ان کی عبادت گاہ تھی جس میں اور بھی بہت سے بت رکھے ہوں گے۔ (اصح السیَر ص ۳۱۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے بنو طے پر حملہ کر کے فلس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس کے استھان کو بھی گرا دیا۔ یہاں انہیں قیدیوں، چوپایوں (اونٹوں بھیڑ بکریوں) اور چاندی کی ایک معقول مقدار ہاتھ آئی۔ مالِ غنیمت میں تین تلواریں "رسُوب" "المِخْذَم" اور "الیمانی" اور تین زرہیں بھی تھیں۔ قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی اور عدی بن حاتم کی بہن سفانہ بنتِ حاتم بھی شامل تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ مظفر ومنصور مدینہ منورہ واپس آئے تو تینوں تلواریں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں اور باقی اموالِ غنیمت (آلِ حاتم کے سوا) خمس نکال کر احکامِ الٰہی کے مطابق مجاہدین میں تقسیم کر دیے گئے۔ (طبقات ابنِ سعد ج ۱ ص ۵۰۲، تلقیح ابن جوزی ص ۳۵)

قدرت کے رنگ نیارے ہیں۔ عدی بن حاتم کا فرار اور سفانہ بنتِ حاتم کی مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتاری ان کے حق میں رحمت ثابت ہوئی۔ دونوں کو قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا اور یوں حضرت عدی بن حاتم کو صحابۂ کرامؓ اور بی بی سفانہ بنتِ حاتم کو صحابیاتؓ میں شامل ہونے کی عظیم سعادت بھی نصیب ہوگئی۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہٗ نے اسلام کیسے قبول کیا، یہ ایک ایمان افروز داستان ہے جسے حضرت عدی رضی اللہ عنہٗ نے خود بیان کیا ہے۔ اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

حضرت عدیؓ بن حاتم طائی کا قبولِ اسلام:

حضرت عدی بن حاتم طائی نے بارگاہِ رسالت میں اپنی حاضری اور قبولِ اسلام کا حال اس طرح بیان کیا ہے:

"رسول اللہ ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے بعد ہر طرف سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے مگر مجھے اپنے دین کی صداقت پر پورا یقین تھا۔ اُدھر رسول اللہ ﷺ کی فتوحات کا دائرہ روز بروز وسیع ہونے لگا۔ اب میں اپنی حکومت اور دین کے بارے میں خطرہ محسوس کرنے لگا۔ اسی زمانے میں ایک شخص مدینہ سے آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ محمد (ﷺ) نے میرے بارے میں فرمایا ہے کہ کسی دن بنو طے کے سردار عدی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہوگا۔ یہ سن کر میں پریشان ہوگیا اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ ہر وقت سامانِ سفر تیار رکھے اور جونہی اسلامی لشکر کی آمد کی خبر سنے مجھے آگاہ کر دے۔ ایک دن وہ غلام دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور مجھے بتایا کہ مسلمانوں کا لشکر ہمارے علاقے کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔ گھوڑوں پر زینیں کسی ہوئی تھیں بروایتِ دیگر اونٹوں پر کجاوے بندھے ہوئے تھے اور سامانِ سفر بھی بندھا ہوا تھا۔ میں نے اپنے اہل وعیال کو ساتھ لیا اور سیدھا شام کا رُخ کیا جہاں میری عیسائی برادری آباد تھی۔ وہاں میں نے جوشیہ (ایک بستی) میں اقامت اختیار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر لی۔ گھر سے روانہ ہوتے وقت جو افراتفری مچی، اس میں میری بہن مجھ سے بچھڑ گئی اور مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہوگئی۔‘‘

ادھر اسلامی لشکر مدینہ منورہ واپس آیا اور سفانہ کو رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا تو اس نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ازراہِ احسان مجھے رہا کر دیجیے۔ میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں میرا باپ فوت ہو چکا ہے اور میرا نگران بھاگ گیا ہے حضور ﷺ نے پوچھا، تمہارا نگران کون تھا؟ سفانہ نے جواب دیا، عدی بن حاتم طائی میرا بھائی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، وہی عدی جس نے اللہ اور رسول سے فرار اختیار کیا؟ یہ فرما کر آپ تشریف لے گئے دوسرے دن حضور ﷺ پھر ادھر سے گزرے تو سفانہ نے پھر وہی درخواست کی مگر آپؐ نے کوئی فیصلہ صادر نہ فرمایا۔ تیسرے دن اس نے پھر اپنی رہائی کی استدعا کی۔ اب حضور ﷺ نے اس کی درخواست منظور فرما لی اور اسے رہا کرنے کا حکم دیا لیکن ساتھ ہی سفانہ سے ارشاد فرمایا، ابھی یہاں سے چلنے میں جلدی نہ کرو، جب تمہاری قوم کا کوئی قابلِ اعتماد آدمی مِل جائے تو مجھے اطلاع دو۔[1]

تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ بَلّی یا قضاعہ کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا سفانہ نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ اس وفد کی واپسی کے وقت مجھے اس کے ساتھ بھیج دیجیے۔ چنانچہ آپؐ نے سفانہ کے مرتبے کے مطابق سواری، لباس اور زادِ راہ کا انتظام کر کے اسے اہلِ وفد کے ساتھ بھیج دیا یہ لوگ سرزمینِ شام کی طرف جا رہے تھے جہاں عدی بن حاتم نے وطن سے فرار کے بعد پناہ لی تھی۔ سفانہ کو علم تھا کہ عدی شام کے ایک قصبے جوشیہ میں مقیم ہیں۔ وہ سانڈنی پر سوار سیدھی جوشیہ پہنچی۔ پھر کیا ہوا......؟ عدی بن حاتم کی زبانی سنیے۔

’’ایک دن جوشیہ میں ایک سانڈنی ہمارے گھر کے سامنے آ کر رکی۔ محمل میں ایک نقاب پوش عورت بیٹھی تھی۔ مجھے شک گزرا کہ یہ میری بہن ہے لیکن پھر خیال آیا کہ اُسے تو مسلمان اسیر کر کے لے گئے ہیں وہ اس اہتمام سے کیسے یہاں آ سکتی ہے۔ معاً محمل کا پردہ اٹھا اور یہ الفاظ میرے کانوں میں پڑے۔ ظالم، قاطعِ رحم، تُف ہے تجھ پر، اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے آیا اور حاتم کی بیٹی کو تنہا چھوڑ دیا۔‘‘

بہن کی باتیں سن کر میں سخت شرمندہ ہوا۔ اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور بڑی لجاجت کے ساتھ اس سے معافی مانگی۔ وہ خاموش ہوگئی پھر سواری سے اتر کر کچھ دیر آرام کر چکی تو میں نے پوچھا، تم نے صاحبِ قریش کو کیسا پایا؟

بہن نے جواب دیا، جس قدر جلد ہو سکے تم جا کر اُن سے ملو وہ نبی ہیں تو اُن

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ سفانہ نے اسی موقع پر اسلام قبول کر لیا۔ اور اُن کی درخواست پر حضور ﷺ نے بنو طے کے دوسرے تمام قیدیوں کو بھی بِلا معاوضہ رہا کر دیا۔ (عہدِ نبویؐ کے ماہ وسال ص ۱۰۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ملنے میں سبقت کرنا تمہارے لیے (دنیا اور آخرت میں) سرخروئی کا موجب ہوگا اور اگر بادشاہ ہیں تو بھی ان سے ملنا تمہاری قدر ومنزلت میں اضافہ کا باعث ہوگا۔

میں نے بہن کی باتیں سنیں تو صاحبِ قریش (ﷺ) سے ملنے کا پختہ ارادہ کرلیا اور سفر کی تیاری شروع کردی جب تیاری مکمل ہوگئی تو گھوڑے پر زین کسی اور سیدھا مدینے کا رُخ کیا۔''

مدینہ منورہ پہنچ کر عدی مسجدِ نبوی میں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان کا نام پوچھا اور پھر ان کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں پکڑ کر کاشانۂ اقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک بوڑھی عورت اور پھر ایک نوعمر لڑکے نے آپ کو روک لیا۔ اور دیر تک آپؐ سے باتیں کرتے رہے جب انہوں نے ازخود گفتگو ختم کی تو حضور ﷺ آگے روانہ ہوئے۔ عدی یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور دل میں خیال کیا کہ یہ طرزِ عمل کسی دنیا دار بادشاہ کا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ گھر پہنچ کر حضور ﷺ نے عدی کو بہ اصرار چمڑے کے گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھ گئے۔

عدی کو پختہ یقین ہوگیا کہ یہ کوئی دنیا دار بادشاہ نہیں ہیں اس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ اور عدی کے درمیان اس طرح گفتگو ہوئی:

رسولِ اکرم ﷺ: اے عدی! تم آج تک دینِ اسلام سے بھاگتے رہے حالانکہ یہ دین ہر قدم پر سلامتی کا ضامن ہے۔

عدی: میں دینِ عیسوی کا پیرو ہوں اور میرا دین بھی سلامتی کی ضمانت دیتا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ: میں تمہارے دین کو تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔

عدی: (حیرت سے) کیا آپ میرے دین کا مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں؟

رسولِ اکرم ﷺ: بے شک، کیا تم رکوسی نہیں ہو اور اپنی قوم کے سردار کی حیثیت سے اپنے اہلِ قبیلہ سے پیداوار کا چوتھا حصہ نہیں لیتے؟

عدی: جی ہاں، میں رکوسی ہوں اور اپنے علاقے کی پیداوار کا چوتھا حصہ وصول کرتا ہوں۔

رسولِ اکرم ﷺ: کیا ''چوتھ'' دینِ عیسوی میں جائز ہے؟

عدی سے اس سوال کا کوئی جواب بن نہ پڑا کیونکہ لوگوں سے چوتھ وصول کرنا دینِ عیسوی میں واقعی ناجائز تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب حضور ﷺ نے ان سے فرمایا:

"اے عدی! تمہارا یہ خیال تمہیں دینِ حق (اسلام) قبول کرنے سے روک رہا ہے کہ مسلمان ایک فلاکت زدہ قوم ہیں اور کوئی ان کا پُرسانِ حال نہیں لیکن وہ زمانہ جلد آنے والا ہے کہ یہی مسلمان کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں پر قابض ہو جائیں گے۔

عدی: (حیرت زدہ ہوکر) کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں پر؟

رسولِ اکرم ﷺ: ہاں، کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں پر۔ اور (مسلمانوں کے پاس) مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ لوگوں کو دیا جائے گا اور وہ لینے سے انکار کریں گے اور کسریٰ کے قصرِ ابیض پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوگا۔

(حضرت عدیؓ سے روایت ہے کہ چند سال بعد یہ سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے وقوع پذیر ہوا اور جس لشکر نے کسریٰ کے دارالحکومت مدائن اور اس کے قصرِ ابیض پر قبضہ کیا، میں خود اس میں شامل تھا۔)

پھر رسولِ اکرم ﷺ نے اُن سے پوچھا، اے عدی! تم نے حیرہ بھی دیکھا ہے؟

عدی: میں کبھی حیرہ گیا تو نہیں البتہ اس کا نام ضرور سنا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ: اے عدی! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، وہ وقت آنے والا ہے جب (اسلام کی برکت سے) ایک محمل نشین عورت تنہا (کسی محافظ کے بغیر) حیرہ سے آکر کعبہ کا طواف کرے گی اور کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔

(حضرت عدیؓ کہتے ہیں کہ چند سال کے بعد میں نے بعینہٖ یہی منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک محمل نشین عورت نے تنہا حیرہ سے آکر کعبہ کا طواف کیا اور پھر تنہا ہی وطن کو مراجعت کی)

اس گفتگو کے بعد عدی فوراً مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ آنحضور ﷺ کو ان کے قبولِ اسلام پر بہت خوشی ہوئی اور آپؐ نے انہیں اپنی طرف سے قبیلہ طے کی امارت پر ممتاز فرمایا۔

(سیرت ابنِ ہشام ج۲ ص ۳۷۰۔۳۶۸، مُسندِ احمد ج۴ ص ۲۵۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ تبوک (رجب ۹ھ ہجری)

یوں تو عرب میں بارش ویسے ہی کم ہوتی ہے لیکن ۹ھ ہجری میں تو خشک سالی نے قیامت ڈھا دی اور سارے ملک میں قحط کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ مدینہ باغوں کا شہر تھا لیکن قحط اور گرمی کی شدت سے اہل مدینہ بھی پناہ مانگ رہے تھے۔ لے دے کے ان کی امیدیں اپنے نخلستانوں سے وابستہ تھیں جن میں کھجور کے درختوں پر پھل گدرا چکے تھے اور ان کے اتارنے کا وقت قریب آ پہنچا تھا۔ یہی دن تھے کہ مدینہ میں وارد ہونے والے بعض تاجروں کی زبانی مسلمان یہ خبر سن کر چونک اٹھے کہ رومیوں کا ایک زبردست لشکر اپنے زیرِ اثر غسانی حکمرانوں کے ساتھ مل کر عرب پر دھاوا بولنے کے لیے پر تول رہا ہے اور عرب اور شام کی درمیانی سرحد پر آباد بعض دوسرے عرب عیسائی قبیلے لخم، جذام، عاملہ وغیرہ بھی رومیوں کے ساتھ مل گئے ہیں۔ [1] سرورِ عالم ﷺ نے یہ خبریں سنیں تو آپؐ نے فیصلہ کیا کہ رومیوں کو عرب کی سرزمین پر قدم نہ رکھنے دیا جائے اور آگے بڑھ کر شام کی سرحد پر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ آپؐ نے عرب کے تمام قبیلوں کو اطلاع بھیجی کہ قیصرِ روم کے مقابلے کے لیے فوراً مدینہ پہنچو ساتھ ہی آپؐ نے اہلِ مدینہ کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔ حضور ﷺ عام طور پر کسی مہم پر روانہ ہوتے وقت اپنی منزلِ مقصود ظاہر نہیں کرتے تھے لیکن اس موقع پر آپؐ نے لوگوں کو صاف الفاظ میں اپنی منزلِ مقصود بھی بتا دی۔

مسلمانوں کے لیے یہ سخت آزمائش کا وقت تھا، کھجور کی تیار فصل، ہولناک گرمی، تپتے ہوئے بے آب و گیاہ صحراؤں کا طویل سفر، خوراک، پانی اور سواریوں کی قِلت ہر چیز ان کی نظر کے سامنے

---

[1] بعض سیرت نگاروں کا یہ لکھنا صحیح نہیں کہ اس قسم کی خبریں افواہ کی حیثیت رکھتی تھیں یا غیر مصدقہ تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رومی سلطنت سے کشمکش کا آغاز مکّہ کی فتح سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد شام کی سرحد کے قریب بعض عیسائی عرب قبائل سے (جو سلطنتِ روم کے زیرِ اثر تھے) مجاہدین اور مبلّغینِ اسلام کی جھڑپیں ہو چکی تھیں۔ معرکۂ مُوتہ بھی اسی کشمکش کا ایک حصہ تھا۔ اس معرکے میں صرف تین ہزار مجاہدینِ اسلام نے ایک لاکھ سے زیادہ رومیوں کے لشکر کو جس طرح پسپا کیا تھا اس سے قیصرِ روم کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ اس کے پڑوس میں فارس (ایران) کی طرح ایک اور حریف طاقت ابھر رہی ہے جو اس کی سلطنت کے لیے زبردست خطرہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کے تدارک کے لیے اس نے عرب پر حملہ کرنے کے لیے فوجی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی قدم اٹھاتا، رسولِ اکرم ﷺ نے دشمن سے اس کے علاقے کی سرحد پر پہنچ کر (یا اس کے علاقے کے اندر گھس کر) نبرد آزما ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ سیاسی اور عسکری نقطۂ نگاہ سے یہ ایک ایسا مدبّرانہ فیصلہ تھا جس نے ایک طرف تو رومی فرمانروا کو مرعوب کر دیا اور دوسری طرف سارے عرب پر مجاہدینِ اسلام یا اہلِ حق کی دھاک بٹھا دی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی لیکن انہوں نے حضور ﷺ کے ارشاد پر بغیر کسی حیل و حجت کے لبیک کہا اور ہمہ تن جہاد کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ مارِ آستین منافقوں نے انہیں بہکانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ تو اپنی جانیں، مال اور اولاد سب کچھ اللہ کی راہ میں وقف کر چکے تھے، انہوں نے منافقین کی باتوں کو پائے اِستحقار سے ٹھکرا دیا اور جہاد کی تیاری میں برابر مشغول رہے۔ جب باہر کے قبیلے بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے تو بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ اتنے بڑے لشکر کو خوراک، ہتھیار اور سواریاں مہیا کرنے کے لیے کثیر روپے اور سامان کی ضرورت تھی اس لیے حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں دل کھول کر مال اور سامان دینے کی ترغیب دی۔ اس موقع پر ایثار و اخلاص کے حیرت انگیز مناظر دیکھنے میں آئے۔ سب صحابہ کرامؓ نے اپنی استطاعت بلکہ استطاعت سے بڑھ کر قربانی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے اپنا آدھا مال و اسباب راہِ حق میں پیش کر دیا، حضرت عثمانِ غنیؓ نے ایک ہزار دینار اور سینکڑوں اونٹ پالان سمیت پیش کیے۔ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ مال و دولت کا ایک انبار لے کر حاضر ہوئے۔

عاصمؓ بن عدی نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں۔ خواتین نے اپنے زیور اتار کر اللہ کی راہ میں دے دیے۔ اسی طرح سبھی صحابہؓ و صحابیاتؓ نے اِنفاق فی سبیل اللہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن حضرت ابوبکر صِدّیقؓ ان سب سے بازی لے گئے انہوں نے اپنے گھر کا سارا مال اسباب لا کر بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا اور گھر میں جھاڑو پھیر دی۔ حضور ﷺ نے پوچھا:

"ابوبکر! اہل و عیال کے لیے کیا رکھا؟"

عرض کی:

"اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ"

"بس اُن کے لیے اللہ اور اس کا رسول باقی ہیں۔"

حضرت عمرِ فاروقؓ کا بیان ہے کہ جس وقت لشکرِ تبوک کے لیے اِنفاق کا ارشاد ہوا، میں خوب مال دار تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ اگر ابوبکر سے آگے بڑھ سکتا ہوں تو وہ یہی موقع ہے چنانچہ میں گھر گیا اور اپنے مال اسباب کا نصف لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

"عمر! بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا۔"

میں نے عرض کیا "اسی قدر"

اس کے بعد ابوبکرؓ آئے ان کے پاس جو کچھ تھا سب اٹھا لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

"ابوبکر! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا۔"

انہوں نے عرض کیا "میں نے اُن کے لیے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو چھوڑا ہے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب مجھ کو یقین ہوگیا کہ میں ابوبکرؓ سے کبھی بازی نہیں لے جاسکتا۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اس ایمان افروز واقعہ کو ان الفاظ میں نظم کیا ہے۔

اِک دن رسولِ پاکؐ نے اصحاب سے کہا * دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم میں مالدار
اِرشاد سُن کے فرطِ طرب سے عمرؓ اٹھے * اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صِدّیق سے ضرور * بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار
لائے غرض کہ مال رسولِ امیںؐ کے پاس * ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار
پوچھا حضورؐ سرورِ عالمؐ نے اے عُمرؓ * اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟ * مُسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گذار
کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملتِ بیضا پہ ہے نثار
اتنے میں وہ رفیقِ نُبوّت بھی آگیا * جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت * ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
ملکِ یمین و درہم و دینار و رَخت و جنس * اسپِ قمر سم و شُتر و قاطر و حمار
بولے حُضورؐ چاہیے فکرِ عیال بھی * کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر * اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار
پروانے کو چراغ ہے بُلبُل کو پھول بس
صِدّیق کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

(بانگِ درا)

فقراءِ صحابہ کا جذبۂ اِنفاق فی سبیل اللہ:

غزوۂ تبوک کے موقع پر جہاں ذی استطاعت صحابۂ کرامؓ نے دل کھول کر مالی قربانی دی اور بعض نے اپنی استطاعت سے بھی بڑھ کر اِنفاق فی سبیل اللہ کا مظاہرہ کیا وہاں فقراء صحابہ (غریب اور مسکین صحابہ) بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں رہے اور ایمان افروز ایثار کی مثالیں پیش کیں۔ حضرت ابوخثیمہ رضی اللہ عنہٗ مزدوری کر کے اپنے اہل وعیال کا پیٹ پالتے تھے۔ ایک دن انہوں نے مزدوری کر کے ایک صاع (۲ کلو ۱۷۶ گرام) کھجور کمائی۔ آنحضورﷺ نے لوگوں کو راہِ حق میں مال دینے کی ترغیب دی تو انہوں نے وہ ساری کھجور اللہ کی راہ میں پیش کر دی۔ اسی طرح ایک غریب صحابی حضرت ابو عُقیل اُنیفی انصاری رضی اللہ عنہٗ نے رات بھر ایک یہودی کے باغ کی سینچائی کی۔ وہ کنوئیں سے ڈول نکالتے تھے۔ ڈول میں سے پانی مَشک میں ڈالتے تھے اور پھر یہ مشک پیٹھ پر لاد کر پودوں کو پانی دیتے تھے۔ ساری رات کی اس مشقت کے عوض ان کو صبح کے وقت دو صاع کھجور ملی۔ انہوں نے ایک صاع اپنے گھر والوں کو دے دی اور دوسرا صاع

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر رسولِ اکرم ﷺ کے پاس لے گئے اور عرض کیا کہ میں یہ کھجوریں اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ اسی طرح کئی اور غریب صحابہ نے اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر چھوٹی موٹی رقمیں پیش کیں یا محنت مزدوری کر کے جو اجرت حاصل کی، اسے اللہ کی راہ میں دے دیا۔ حضور ﷺ ان اصحاب کے اخلاص کی قدر کرتے ہوئے بظاہر حقیر نظر آنے والی ان اشیاء کو بخوشی قبول فرما لیتے بلکہ دوسرے بڑے بڑے صدقات کے اوپر رکھتے۔ منافقین (کنجوس دولت مند) ان غریب لیکن مخلص صحابہ کا مذاق اڑاتے اور جو کچھ وہ راہِ حق میں پیش کرتے اس پر آوازے کستے کہ لو یہ ٹڈی کی ٹانگ بھی آ گئی ہے کہ اس سے روم کے قلعے فتح کیے جائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

(سورۂ توبہ ۷۹۔۸۰)

ترجمہ: ''یہ منافقین (کنجوس دولت مند) ایسے ہیں جو برضا و رغبت صدقات دینے والے اہلِ ایمان کی مالی قربانیوں پر باتیں چھانٹتے ہیں اور اُن لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس (اللہ کی راہ میں دینے کے لیے) اس کے سوا کچھ نہیں ہے جو وہ اپنے اوپر مشقت برداشت کر کے دیتے ہیں۔ اللہ ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اے نبی تم خواہ ایسے لوگوں کے لیے معافی کی درخواست کرو یا نہ کرو، اگر تم ستر مرتبہ بھی انہیں معاف کر دینے کی درخواست کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور اللہ فاسق لوگوں کو راہِ نجات نہیں دکھاتا۔''

رونے والے مخلصین:

چند نادار صحابہؓ جن کی تعداد عام طور پر سات بیان کی جاتی ہے، بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے سفرِ جہاد کے لیے سواری کا سوال کیا۔ آپؐ نے اس کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ان کو سواری مہیا کرنے سے معذرت کی۔ یہ لوگ بڑے پکے اور مخلص مسلمان تھے اور اپنے سینوں میں اپنے آقا و مولا ﷺ کے ہم رکاب ہو کر جہاد میں شریک ہونے کی بے پناہ تڑپ رکھتے تھے لیکن سفر بڑا طویل اور پُر صعوبت تھا۔ سواریوں اور زادِ راہ کے بغیر اس کا طے کرنا ممکن نہ تھا۔ حضور ﷺ کا جواب سن کر ان کو شدید قلق ہوا اور اپنی محرومی پر وہ بے اختیار رونے لگے۔ ان کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جذبہٗ اخلاص بارگاہِ الٰہی میں اتنا مقبول ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فریضۂ جہاد کو ساقط فرما دیا اور ارشاد ہوا:

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ O (سورۂ توبہ آیۃ ۹۲)

ترجمہ: ''اور نہ اُن (بے سروسامان) لوگوں پر الزام ہے جو اے نبی تمہارے پاس (اس لیے) آئے کہ تم ان کو سواری دو اور تم نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس پر تم کو سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے کہ ان کے پاس خرچ (سامانِ سفرِ جہاد فراہم کرنے کے لیے مال) موجود نہ تھا، ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔'' (نبیٔ رحمت حصہ دوم ص ۱۰۵)

ان نادار صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مُغَفَّل مُزَنی اور حضرت ابولیلیٰ عبدالرحمٰنؓ بن کعب بھی شامل تھے۔ اتفاق سے راستے میں ان کو حضرت یامینؓ بن عمیر نضری مل گئے[1]۔ انہوں نے ان دونوں سے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے سامانِ سفر مانگا تھا لیکن نہیں ملا اور ہم میں اتنی مقدرت نہیں کہ اپنے پاس سے سامان فراہم کریں۔ حضرت یامینؓ نے انہیں تسلی دی اور پھر دو سواریاں اور کچھ زادِ راہ پیش کیا۔ یہ حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے۔ ابنِ ہشام کی روایت کے مطابق حضرت یامینؓ نے ان کو ایک اونٹنی اور تھوڑی سی کھجوریں پیش کیں اسی مختصر سامان کے ساتھ وہ دونوں غزوۂ تبوک میں شریک ہو گئے۔

(سیرت ابنِ ہشام اردو ج ۲ ص ۶۲۳)

ایک روایت میں ہے کہ پانچ باقی رونے والوں کے لیے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور حضرت عثمانِ غنیؓ نے سواریوں کا انتظام کر دیا اور وہ بھی لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۳)

عُلبہ بن زید رضی اللہ عنہٗ کا صدقہ:

حضرت عُلبہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہٗ ایک نادار صحابی تھے (حافظ ابنِ قیمؒ نے ''زادالمعاد'' میں ان کا نام علیہ بن یزید بیان کیا ہے لیکن حافظ ابنِ حجرؒ نے ''الاصابہ'' میں اور علامہ ابنِ اثیرؒ نے اُسدُ الغابہ میں عُلبہ بن زید لکھا ہے)۔ ان کے دل میں جہاد کی بے پناہ تڑپ تھی لیکن نہ سواری خریدنے کی طاقت تھی اور نہ دوسرا سامانِ سفر فراہم کرنے کی مقدرت۔ رسول اکرم ﷺ نے بھی سواری مہیا کرنے سے معذرت کر دی تو اپنی بے بسی پر سخت غم زدہ ہوئے۔ حضور ﷺ

[1] حضرت یامین بن عمیر رضی اللہ عنہٗ کا شمار اہلِ کتاب صحابہ میں ہوتا ہے یعنی وہ صحابہ جو قبولِ اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے۔ حضرت یامینؓ کا تعلق یہودی قبیلہ بنی نضیر سے تھا۔ (اہلِ کتاب صحابہ وتابعین ص ۹۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو اِنفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب یا جہاد کیلیے تیاری کرنے کا حکم دیتے تو حضرت علبہؓ دل مسوس کر رہ جاتے۔ ایک رات کو نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھی اس کے بعد بہت روئے اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کی، الٰہی! میرے پاس نہ مال ہے اور نہ کوئی اور سامان کہ صدقہ دوں یا سفر کی تیاری کروں۔ ہاں میرے پاس جو زمین ہے وہ میں سارے مسلمانوں کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔ بروایتِ دیگر اپنی آبرو، جان اور عزت تیری راہ میں صدقہ کرتا ہوں جو شخص تیری مخلوق میں سے چاہے اس کو لے لے۔ صبح کو (نماز فجر کے بعد) حضور ﷺ نے پوچھا رات کس نے صدقہ کیا ہے؟ حضرت علبہؓ خاموش رہے حضور ﷺ نے پھر پوچھا اور پھر پوچھا تو انہوں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ میں نے بارگاہِ الٰہی میں یہ صدقہ پیش کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، بے شک اللہ نے تمہارا صدقہ قبول کر لیا۔

(اُسدُ الغابہ ج ۷ ترجمہ عُلبہؓ بن زید۔ زاد المعاد ج ۲ ص ۳۴، اصحُ السِّیَر ص ۳۲۰)

وہ لوگ جو پیچھے رہ گئے:

چار قسم کے ایسے لوگ تھے جو غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے اور پیچھے رہ گئے:

۱۔ ایسے ضعیف، بیمار اور نادار اصحاب جو خلوصِ دل کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے وفادار تھے مگر اپنے ضعف اور بیماری کی وجہ سے جہاد میں حصہ لینے کے قابل نہ تھے۔ نادار اصحاب میں زادِ راہ اور سواری فراہم کرنے کی استطاعت نہ تھی اس لیے دل پر پتھر رکھ کر پیچھے رہنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔ (التوبہ: ۹۲)

۲۔ وہ ذی استطاعت اصحاب جو سچے اور پکے مسلمان تھے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے وفادار تھے مگر محض سستی، کاہلی، ارادے کی کمزوری اور ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کی وجہ سے شریکِ جہاد نہ ہو سکے اور پیچھے رہ گئے۔ انہوں نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا (ان کے امتحان وابتلا کا حال الگ بیان کیا گیا ہے) اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی معاف فرما دیا۔ (التوبہ آیات ۸۲ تا ۱۰۴ و ۱۱۸)

۳۔ مدینہ کے رہنے والے وہ منافقین جنہوں نے جھوٹے عذر (بہانے) تراش کر حضور ﷺ سے پیچھے رہنے کی اجازت حاصل کر لی وہ خود بھی جہاد فی سبیل اللہ کے اجر وثواب سے محروم ہوئے اور دوسروں کو بھی بہکا کر اس سے محروم کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ ان کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

> ”جن لوگوں کو (ان کی بہانہ سازی) پر پیچھے رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی وہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دینے پر بہت خوش ہوئے۔ انہیں یہ بات پسند نہیں تھی کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کریں (یہی نہیں بلکہ) انہوں نے اوروں کو بھی یہ کہہ کر بہکایا کہ ”اس سخت گرمی میں نہ نکلو“ ان سے کہو کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے کاش ان کو اس کا شعور ہوتا۔" (التوبہ۔۸۱)

منافقین کا طرزِ عمل ہر اعتبار سے انتہائی شرمناک تھا۔ اگر کوئی ذی استطاعت مسلمان اپنی حیثیت کے مطابق یا اپنی استطاعت سے بڑھ کر مال اور سامان پیش کرتا تو یہ اُس پر ریاکاری کا بہتان لگاتے۔ اور اگر کوئی نادار مسلمان مزدوری کر کے جنس یا نقدی کی قلیل مقدار راہِ حق میں پیش کرتا تو یہ اس کا مذاق اڑاتے کہ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ منافقین اپنی مجلسوں میں بھی آنحضورﷺ اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے اور کہتے، اِن مسلمانوں نے معلوم نہیں رومیوں کو کیا سمجھ رکھا ہے، یہ سورما جو لڑنے چلے ہیں کل رومیوں نے ان کو زنجیروں میں جکڑا ہوگا۔ اس طرح کی فقرے بازی کر کے خوب قہقہے لگاتے تھے۔ بہانے تراشنے میں یہ لوگ شرم وحیا سے بھی عاری ہوگئے تھے ان میں سے ایک شخص جد بن قیس نے حضورﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا، "میں ایک حسن پرست آدمی ہوں میرے اہلِ قبیلہ میری اس کمزوری سے واقف ہیں کہ عورت کے معاملہ میں میرے لیے اپنے اوپر قابو رکھنا محال ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ رومی عورتوں کو دیکھ کر میں ٹھوکر کھا جاؤں گا لہٰذا مجھ کو فتنے میں نہ ڈالیے اور اس جہاد میں شریک ہونے سے مجھ کو معذور رکھیے۔"

بعض منافقین (دکھاوے کے لیے) کہتے تھے کہ ہم مال سے مدد کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن فی الحال جنگی خدمت انجام دینے سے معذرت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں ان سب کی سخت مذمت کی ہے اور اُن کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔

۴۔ مدینہ منورہ کے اطراف میں رہنے والے وہ دیہاتی اور صحرائی عرب (باشندے) جنہیں عام طور پر بَدّو کہا جاتا ہے، رسولِ اکرمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طرح طرح کے عذر کیے تاکہ انہیں بھی جہاد میں شریک نہ ہونے اور پیچھے رہنے کی اجازت دی جائے۔ ان کے بارے میں ارشاد ہوا۔

"بدوی عربوں میں سے بھی بہت سے لوگ آئے اور اپنے عذر بیان کیے اور پیچھے رہنے کی اجازت طلب کی اس طرح وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹا عہد کیا تھا، گھر میں بیٹھے رہے۔ ان میں سے جن جن لوگوں نے کفر کا طریقہ اختیار کیا ہے عنقریب وہ دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔" (التوبہ آیۃ:۹۰)

سازش گاہ جلا دی گئی:

غزوۂ تبوک کی تیاری کے دنوں میں رسولِ اکرمﷺ کو خبر ملی کہ منافقین کا ایک گروہ سویلم یہودی کے مکان پر جمع ہوتا ہے اور وہاں یہ لوگ اہلِ مدینہ کو غزوۂ تبوک پر جانے سے روکنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے منصوبے بناتے ہیں۔ آنحضورﷺ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہٗ کو چند آدمیوں کے ساتھ یہ حکم دے کر بھیجا کہ اس سازش گاہ (بیت سویلم) کو جلادو۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی اور سویلم کے گھر کو فوراً جا کر حوالۂ آتش کر دیا۔ جو منافقین وہاں موجود تھے وہ دیوار یا چھت پر سے کود کر بھاگ گئے۔ ان میں سے ایک منافق ضحاک بن خلیفہ کی (کودنے کے نتیجہ میں) ٹانگ ٹوٹ گئی۔ (سیرت النّبی کامل ابنِ ہشام ص ۶۲۲۔ اَصَحُّ السِّیَر ص ۳۲۲)

مسجدِ ضِرار کی تعمیر:

اسی زمانے میں منافقین نے ایک شرانگیز حرکت یہ کی کہ مسجدِ قُباء کے قریب ایک اور نام نہاد مسجد تعمیر کرلی۔ اس سے پہلے مدینہ منورہ میں دو مسجدیں موجود تھیں، ایک شہر کے اندر مسجدِ نبوی اور دوسری مضافات میں مسجدِ قُباء۔ یہ دو مسجدیں اہلِ مدینہ کی ضرورت کے لیے کافی تھیں۔ اس تیسری مسجد کی تعمیر کا مقصد دعوتِ حق کو نقصان پہنچانے کے لیے منافقین کو ایک مرکز مہیا کرنا تھا لیکن منافقین نے اس کی ضرورت ثابت کرنے کے لیے رسولِ اکرمﷺ کے سامنے یہ موقف اختیار کیا کہ سردی کی راتوں اور بارش میں لوگوں کو (خصوصاً بوڑھوں اور معذوروں کو) جو مسجدِ نبوی اور مسجدِ قُباء سے دور رہتے ہیں، پانچوں وقت حاضری دینا مشکل ہوتا ہے اس لیے ان کی آسانی کے لیے ہم تیسری مسجد بنا رہے ہیں۔

جب یہ مسجد بن کر تیار ہوئی تو منافقین حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے درخواست کی کہ آپ ایک دفعہ خود اس مسجد میں تشریف لا کر نماز پڑھا دیں۔ اس سے ان کا مقصد تعمیر مسجد کو معتبر حیثیت دلانا تھا لیکن آپؐ نے یہ فرما کر ان کو ٹال دیا کہ میں اس وقت رومیوں کا مقابلہ کرنے کی تیاری میں مشغول ہوں۔ اس مہم سے واپس آ کر دیکھوں گا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

لشکرِ اسلام کی مدینہ سے روانگی:

جب قیصرِ روم سے نبرد آزما ہونے کے لیے لشکر جمع ہوگیا تو رجب ۹ھ ہجری میں آنحضورﷺ نے حضرت محمد بن مَسلَمہ انصاری رضی اللہ عنہٗ کو مدینہ منورہ کا حاکم (یا اپنا نائب) مقرر فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے لیے مدینہ منورہ ہی میں رہنے کی ہدایت فرمائی۔ پھر آپؐ تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں دس ہزار گھڑ سوار تھے۔ اونٹوں کی اتنی کمی تھی کہ ایک ایک اونٹ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں آیا اس پر یہ اصحاب باری باری سوار ہوتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی دلجوئی:

لشکرِ اسلام کی روانگی کے بعد منافقین نے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے بارے میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ کوئی کہتا کہ رسول اللہﷺ کی طبیعت میں حضرت علیؓ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے میں کچھ گرانی ہے کوئی کہتا کہ وہ طویل سفر، شدید گرمی اور راستے کی تکلیفوں کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے اس لیے حضور علیہ السلام نے انہیں پیچھے چھوڑا۔ حضرت علیؓ نے اپنے بارے میں اس قسم کی لغو باتیں سنیں تو ان کو بہت رنج ہوا۔ انہوں نے اپنے ہتھیار لیے اور مدینہ سے تین میل دُور جُرف کے مقام پر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر منافقین کی ہفوات کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا، ''اے علی! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰؑ کے ساتھ ہارونؑ تھے البتہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔'' (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ تبوک)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ منورہ میں حضرت علیؓ کو اپنا نائب یا خلیفہ بنایا تو انہوں نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے مذکورہ بالا الفاظ ارشاد فرمائے۔

(البدایہ وَ النّہایہ ج ۷ ص ۲۲۵)

پُرصُعُوبت سفر:

لشکرِ اسلام کی آخری منزل شام کی سرحد کے قریب تبوک کا مقام تھا جو مدینہ منورہ کے شمال میں ۶۸۶ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ۶۸۶ کلومیٹر کا یہ سفر نہایت پُرصعوبت تھا۔ گرمی کی شدت قیامت ڈھا رہی تھی۔ راستے میں مجاہدین کو کئی ایسے ریتلے میدانوں سے گزرنا پڑا جہاں زہریلی ہوائیں چلتی تھیں۔ توشے، پانی اور سواریوں کی قِلّت اس پر مستزاد۔ بعض موقعوں پر مجاہدین کو بھوک پیاس سے مجبور ہو کر درختوں کے پتے کھانے پڑے اور اونٹوں کو (ان کی محدود تعداد کے باوجود) ذبح کرنا پڑا تا کہ ان کے معدے اور آنتوں کے اندر سے جو پانی نکلے اسے استعمال کیا جائے۔ ایسی ہی صعوبتوں کی وجہ سے اس مہم کو ''جیشِ عُسرت'' (تنگی کا لشکر) بھی کہا جاتا ہے۔ سلام ہو مجاہدین پر جنھوں نے تمام صعوبتیں ہنسی خوشی بَرداشت کیں اور راہِ حق میں بلا کشی اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی روشن مثال قائم کی جس سے تاریخِ اسلام کے اوراق ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔ (صحیح بخاری غزوۂ تبوک، غزوۂ تبوک باشمیل ص ۱۲۷۔۱۳۲)

ایک مغضوب قوم کا علاقہ:

اثنائے راہ میں لشکرِ اسلام کا گزر حُجر یعنی دیارِ ثمود یا مدائنِ صالح سے ہوا۔ ثمود وہی قوم تھی جس پر حضرت صالح علیہ السلام کے زمانے میں عذابِ الٰہی نازل ہوا تھا۔ اسی قوم نے وادی القُرٰی کے اندر چٹانیں تراش تراش کر عالی شان مکانات بنائے تھے۔ لشکر کچھ دیر کے لیے وہاں رکا تو حضور علیہ السلام نے مجاہدین کو حکم دیا کہ اس عذاب زدہ علاقے کا پانی نہ پینا اور نہ نماز کے لیے اس پانی سے وضو کرنا۔

بعض اصحاب نے عرض کیا کہ ہم نے تو پانی بھر لیا اور آٹا بھی گوندھ لیا ہے آپؐ نے فرمایا پانی بہادو اور جو آٹا تم نے گوندھ لیا ہے اُسے اونٹوں کو کھلا دو، خود اس میں سے بالکل نہ کھاؤ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے گوندھا ہوا آٹا پھینکنے کا حکم دیا)۔ پانی صرف اُسی کنوئیں سے لو جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ (اس کنوئیں کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ اور یہ ''بئر ناقہ'' کے نام سے مشہور ہے۔)

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ حِجر سے گزرے تو آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ ان ظالموں (عذاب سے ہلاک ہونے والے لوگوں) کے بیوت (مکانات، جائے سکونت یا بستی) میں داخل نہ ہونا کہ کہیں تم پر بھی وہی مصیبت نہ آ جائے جو ان پر آئی تھی ہاں مگر روتے ہوئے۔ پھر آپؐ نے چادر سے اپنا سر ڈھانپ لیا اور اپنی سواری کو تیزی سے چلاتے ہوئے اس (معذّب) علاقے (وادی) سے نکل گئے۔

(صحیح بخاری باب نزول النبیؐ الحجر ۲/ ۶۳۷، زاد المعاد ج ۲ ص ۳-۴، سیرت ابنِ ہشام ج ۲ ص ۵۲۲، اصح السیّر ص ۳۲۴)

حضرت ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہُ کا جذبۂ ایمان:

حضرت ابوخیثمہ مالک بن قیس انصاری (عجلانی خزرجی) رضی اللہ عنہُ نہایت مخلص مسلمان اور رسولِ اکرم ﷺ کے جاں نثار تھے لیکن حضور ﷺ کے مدینہ منورہ سے سوئے تبوک روانہ ہوتے وقت وہ کسی وجہ سے آپؐ کی ہم رکابی کا شرف حاصل نہ کر سکے اور مدینہ منورہ میں پیچھے رہ گئے۔ لشکرِ اسلام کی روانگی کے بعد ایک دن جب آسمان آگ برسا رہا تھا اور جھلسا دینے والی لُو چل رہی تھی حضرت ابوخیثمہؓ گھر آئے۔ ان کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں نے ان کی پذیرائی کے لیے اپنے اپنے کمروں کو خوب سجا رکھا تھا ان میں پانی کا اتنا چھڑکاؤ کیا تھا کہ وہ ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ ساتھ ہی ٹھنڈے پانی اور عمدہ عمدہ کھانوں کا بندوبست کر رکھا تھا۔ حضرت ابوخیثمہؓ نے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر ٹھنڈے کمروں اور کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھا تو اُن کے دل سے ہُوک اُٹھی کہ یہ کہاں کا انصاف اور کہاں کا دین ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو اس قیامت کی گرمی اور آگ برساتی لُو کے جھکڑوں میں تانبے کی طرح تپتے ہوئے بے آب و گیاہ صحراؤں میں پُر صعوبت سفر کر رہے ہوں اور میں یہاں ٹھنڈے کمروں میں میٹھے سرد پانی، لذیذ کھانوں اور اپنی بیویوں کی باتوں سے لطف اندوز ہوتا رہوں۔ خدا کی قسم میں ان کمروں میں داخل ہونے کا اسی وقت حقدار ہوں گا جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس مہم میں شریک ہو کر فریضۂ جہاد ادا کر لوں اور پھر بعافیت واپس آ جاؤں۔ یہ خیالات اُن کے دل و دماغ پر اس طرح چھائے کہ اُسی وقت زادِ سفر لیا اور اونٹ پر سوار ہو کر تنِ تنہا تبوک کی طرف چل پڑے۔ دس دن کے پُر صعوبت سفر کے بعد وہ تبوک کے قریب جا پہنچے جہاں لشکرِ اسلام نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ صحابہ نے ایک شتر سوار کو دُور سے آتے دیکھا تو رسولِ اکرم ﷺ کو اطلاع دی۔ آپؐ نے فرمایا، ہو سکتا ہے کہ یہ شتر سوار ابوخیثمہ ہو۔ جلد ہی ابوخیثمہؓ پڑاؤ میں پہنچ گئے۔ اسی وقت اونٹ سے اتر کر حضور ﷺ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور پھر سارا واقعہ سنایا آپؐ نے ان کے جذبۂ ایمان کی تحسین فرمائی اور ان کے لیے دعائے خیر و برکت کی۔ (الاکتفاء ج ۲ ص ۸۰-۳۷۹)

بارانِ رحمت:

لشکرِ اسلام دیارِ ثمود (حِجر) سے آگے روانہ ہوا تو لوگوں کو پانی کی شدید قلّت کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے آنحضور ﷺ سے اس کی شکایت کی اور اپنی دشواری بیان کی۔ آپؐ اٹھے اور دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت بادل کا ایک ٹکڑا بھیج دیا جس سے اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ سیراب ہو گئے اور ضرورت کا پانی مشکیزوں اور برتنوں میں بھر کر اپنے ساتھ بھی لے لیا۔ (سیرت ابنِ ہشام ج ۲ ص ۵۲۲)

اونٹنی کی گمشدگی:

بلادِ ثمود سے آگے ایک جگہ آنحضور ﷺ کی اونٹنی قصوا گم ہو گئی۔ ہر چند اس کو تلاش کیا گیا، نہ ملی۔ لشکر میں چند منافقین بھی اہلِ حق کی جاسوسی کے لیے شامل ہو گئے تھے ان میں ایک شخص زید بن لُصیب (یا لصیت) بھی تھا، اس نے یہ یاوہ گوئی کی کہ محمد (ﷺ) اپنی اونٹنی کی خبر تو جانتے نہیں، آسمان کی خبر کیسے جان سکتے ہیں (یا یہ کہ آسمان کی خبریں تو دیتے ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے)

حضور ﷺ کو اُس کی اس یاوہ گوئی کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا، میں وہی باتیں جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے بتاتا ہے اب اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ اونٹنی وادی کے فلاں دَرّے میں ہے۔ اس کی مہار ایک درخت کے ساتھ اَٹکی ہوئی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی سن کر متعدد صحابۂ کرامؓ آپؐ کے بتائے ہوئے مقام کی طرف اٹھ دوڑے وہاں پہنچ کر انہوں نے اونٹنی کو اسی حالت میں پایا۔ اس کی مہار درخت سے اتاری اور اسے ساتھ لا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ (اُسدُ الغابہ ج ۲ ترجمہ حضرت حارث بن خزمہ۔ اصح السیر ص ۳۲۴)

راستے کے کچھ متفرق واقعات:

دورانِ سفر میں رسولِ اکرم ﷺ ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے رہے۔ اثنائے راہ میں ایک موقع پر زادِ راہ کی شدید قلِت پیدا ہو گئی اور لوگوں پر فاقے گزرنے لگے۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ جس کسی کے پاس تھوڑی بہت کھانے کی کوئی چیز ہے وہ میرے پاس لے آئے سب لوگوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ کوئی مٹھی بھر جَو یا گیہوں یا کھجور لایا اور کوئی روٹی کے ٹکڑے ہی لے آیا۔ حضور ﷺ نے یہ سب چیزیں ایک دسترخوان پر رکھوا دیں پھر آپؐ نے برکت کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء میں اتنی برکت دی کہ سب لوگوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا پھر بھی اتنا بچ گیا کہ سب لوگوں نے اپنے اپنے برتن اور تھیلے بھر لیے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ (کارساز، معبود، برکت دینے والا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور تنگی دینے والا) نہیں اور یہ کہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ) میں اللہ کا رسول ہوں جو شخص بغیر شک کے ان دو کلمات کے ساتھ اللہ سے ملے گا تو وہ جنّت میں داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان)

اثنائے سفر میں ایک دن فجر سے قبل حضور ﷺ قضائے حاجت کے لیے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے ساتھ پڑاؤ سے دُور تشریف لے گئے۔ واپسی میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ لوگوں کو فجر کی نماز کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہوا۔ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امام بنا کر نماز شروع کردی۔ حضور ﷺ وضو کر کے واپس تشریف لائے تو ایک رکعت نماز ادا کی جاچکی تھی۔ حضور ﷺ نے نماز کی ایک رکعت جماعت کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے پیچھے ادا کی اور ایک رکعت اُن کے سلام پھیرنے کے بعد تنہا پڑھی۔ نماز کے بعد جب لوگوں نے حضور ﷺ کو مقتدی کی حیثیت سے دیکھا تو خوفِ خدا سے کانپ اٹھے اور استغفار کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے سلام پھیر کر لوگوں کی پریشانی دیکھی تو فرمایا، تم نے اچھا کیا۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ تبوک)

لشکرِ اسلام کا تبوک میں وُرُود:

تقریباً دو ہفتے کے پُرصعوبت سفر کے بعد لشکرِ اسلام نے تبوک میں پڑاؤ ڈالا۔ یہاں پہنچ کر آنحضور ﷺ کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ قیصرِ روم اور اس کے حامی (زیرِ اثر) قبائل نے سرحد سے فوجیں ہٹالی ہیں اور اب مقابلے کے لیے کوئی دشمن موجود نہیں ہے۔ ہوا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک جرار لشکر کے ساتھ آمد کی خبر نے قیصرِ روم اور اس کے حلیفوں پر ہیبت طاری کردی۔ ابھی معرکۂ مُوتہ کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ قیصر اس معرکے میں صرف تین ہزار مسلمانوں کے ہاتھوں ایک لاکھ سے زیادہ رومیوں اور ان کے حلیفوں کا حشر دیکھ چکا تھا۔ اب اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ تیس ہزار مجاہدین کی خدائی فوج کا سامنا کرتا۔ اسی لیے اس نے عرب پر حملہ آور ہونے کا خیال ترک کرنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔ قیصرِ روم کے طرح دے جانے کے باوجود آنحضور ﷺ نے کچھ عرصہ تبوک میں قیام کرنا مناسب سمجھا۔ جمہور اربابِ سِیَر نے تبوک میں آپؐ کی مدتِ قیام بیس دن بیان کی ہے۔ اس مدت میں آپؐ نے اردگرد کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو سلطنتِ روم کے زیرِ اثر تھیں، عرب کی مملکتِ اسلامیہ کی باجگذار اور مطیع بنالیا ان میں اَیلہ، مقنا، جَربا، اَذرُح اور دُومۃُ الجندل کی ریاستیں خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ اَیلہ کے عیسائی رئیس یوحنا بن رؤبہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جزیہ دینے کا اقرار کیا اور یوں مملکتِ اسلامیہ کی اطاعت قبول کرلی۔ حضور ﷺ نے پروانۂ امن لکھوا کر اس کو عطا کیا۔ اس میں، سمندر میں اہلِ ایلہ (اور ان کے حلیفوں) کی کشتیوں اور خشکی میں ان کے قافلوں کی حفاظت کی ضمانت دی گئی۔ اسی طرح جرباء اور اَذرُح کے نصرانی رؤسا نے بھی بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اظہارِ اطاعت کیا۔ حضور ﷺ نے ان پر جزیہ عائد کیا جو انہوں نے بخوشی ہر سال رجب میں دینے کا عہد کیا اس کے عوض حضور ﷺ نے امان نامہ لکھوا کر ان کے حوالے کیا۔ مقنا کے باشندوں نے بھی گھوڑوں، زرہوں اور پھلوں وغیرہ کا چوتھا حصہ جزیہ کے طور پر دینا منظور کر لیا اور یوں مملکتِ اسلامیہ کی متابعت اختیار کر لی۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۱۷۱، اَصَحُّ السِّیَر ص ۳۲۸)

دُومۃُ الجندل کی فتح:

مذکورہ بالا ریاستوں کے علاوہ کچھ اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور سرحد کے نزدیک آباد قبائل نے کسی مزاحمت کے بغیر اطاعت قبول کر لی البتہ دومۃ الجندل کی طاقتور ریاست نے مملکتِ اسلامیہ کی اطاعت سے اعراض کیا۔ اس کا حکمران اُکَیدِر بن عبد الملک عرب قبیلے بنو کِندہ سے تعلّق رکھتا تھا۔ اس کی ریاست میں بنو کلب کے جنگجو قبیلے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی اکثریت تھی۔ رومیوں سے میل جول رکھنے کی وجہ سے اس ریاست کے سارے باشندے اپنے حکمران سمیت حلقہ بگوشِ نصرانیت ہو گئے تھے۔ آنحضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہُ کو چار سو سوار دے کر دومۃ الجندل کی تسخیر کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت خالدؓ دومۃ الجندل کے قریب پہنچے تو اُکیدر اپنے بھائی حسان اور بہت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ شکار پر نکلا ہوا تھا۔ جنگل ہی میں ان لوگوں کی مُڈ بھیڑ حضرت خالدؓ سے ہو گئی۔ حسان لڑائی میں مارا گیا اور اُکیدر کو حضرت خالدؓ نے گرفتار کر لیا۔ باقی لوگوں نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی۔ حضرت خالدؓ نے اُکیدر کو آنحضور ﷺ کے سامنے پیش کیا تو اس نے آپؐ کو دو ہزار اونٹ، آٹھ سَو گھوڑے، چار سَو زرہیں اور چار سَو نیزے دینے کی پیشکش کی جو آپؐ نے قبول فرمالی۔ اُکیدر نے حضور ﷺ کی اطاعت کرنے اور سالانہ جِزیہ دینے کا عہد بھی کیا اس کے عوض آپؐ نے اس کو امان نامہ لکھوا کر عطا فرمایا یوں وہ دومۃ الجندل کی حکومت پر اسلامی مملکت کے ایک باجگزار رئیس کی حیثیت سے بحال ہو گیا۔ [1]
(اَصَحُّ السِّیَر ص ۳۳۰-۳۲۹، غزوۂ تبوک محمد احمد باشمیل ص ۱۷۴ تا ۱۸۳)

یہ حسرت ہے کہ جائے جان مقتل میں:

اصحابِ صُفہ میں ایک نوجوان عبد اللہ ذُو البِجَادَینؓ کو اللہ تعالیٰ نے کمال درجے کا جوشِ ایمان اور قلبِ گداز عطا فرمایا تھا۔ اُن کے وقت کا بیشتر حصہ رسولِ اکرم ﷺ سے قرآن پڑھنے اور بآوازِ بلند اس کی تلاوت کرنے میں صَرف ہوتا تھا۔ آنحضور ﷺ ان کے اخلاص اور سوزِ قلب کی وجہ سے ان پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ آپؐ غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو عبد اللہ ذوالبجادین بھی لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے۔ چلتے وقت یا اثنائے راہ میں وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''یا رسولَ اللہ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے رتبۂ شہادت پر فائز کرے۔''

---

[1] بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ اُکیدر نے اُس وقت اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں وہ مرتد ہو گیا اور ارتداد ہی کی حالت میں مجاہدینِ اسلام کے ہاتھوں مارا گیا۔ (غزوۂ تبوک باشمیل ص ۱۸۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ نے فرمایا "جاؤ کسی درخت کی چھال اتار لاؤ۔" جب وہ چھال اتار کر لائے تو حضور ﷺ نے وہ چھال ان کے بازو پر باندھ دی اور فرمایا "میں عبداللہ کا خون کافروں پر حرام کرتا ہوں" حضرت عبداللہؓ نے عرض کی "یا رسولَ اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ میرا خون کافروں پر حرام کر رہے ہیں لیکن میں تو راہِ خدا میں شہادت پانے کا طلبگار ہوں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا "جب تم راہِ خدا میں جہاد کی نیت سے نکل آئے اور پھر لڑائی سے پہلے تمہیں بخار آ جائے اور اس بخار سے تم وفات پا جاؤ تب بھی تم شہید ہی ہوگے۔" [1]

حضرت عبداللہ حضور ﷺ کا ارشادِ مبارک سُن کر مطمئن ہوگئے۔ خدا کی قدرت لشکرِ اسلام جب تبوک پہنچا تو حضرت عبداللہؓ کو شدید بخار آ گیا اور اس بخار سے وہ لشکر گاہ میں عالمِ بقا کو سدھار گئے۔ تدفین رات کے وقت عمل میں آئی۔ اس وقت چشمِ فلک نے عجیب منظر دیکھا۔ حضرت بِلال حبشیؓ کے ہاتھ میں مشعل تھی اور اسکی روشنی میں سرورِ کون و مکاںؐ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرِ فاروقؓ کے ساتھ مل کر قبر کھود رہے تھے۔ جب قبر کُھد چکی تو حضور پُر نور ﷺ نے اپنے دونوں رفیقوں کی مدد سے حضرت عبداللہؓ کی میّت کو لحد میں رکھا۔ اس وقت آپؐ ان سے فرما رہے تھے۔

"اَدْنِيَا اِلَىٰ اَخَاكُمَا (اپنے بھائی کا ادب ملحوظ رکھو)۔ جب قبر پر مٹی ڈالی جا چکی تو ختم المرسلین ﷺ نے دعا مانگی۔ "الٰہی میں اس سے راضی تھا تو بھی اس سے راضی ہو۔"

فقیہِ اُمّت حضرت عبداللہؓ بن مسعود بھی اس موقع پر موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا سُن کر میرا جی چاہا کہ اے کاش! عبداللہ ذوالبجادینؓ کی بجائے مجھے موت آ جاتی (یعنی اس قبر والے کی جگہ میں ہوتا کہ خود حضور ﷺ اپنے دستِ مبارک سے مجھے دفن کرتے اور میرے لیے اسی طرح دعا کرتے۔)

حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ کی تدفین جس شان سے ہوئی اس سے ان کی جلالتِ قدر اور بارگاہِ رسالت میں ان کی محبوبیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عقبہؓ بن عامر سے روایت ہے

---

[1] نوجوان عبداللہؓ کا تعلق بنومُزینہ سے تھا۔ اصل نام عبدالعزّیٰ بن عبدِنہم تھا۔ بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ چچا نے محبت اور شفقت سے پرورش کی۔ سلیم الفطرت بھتیجے نے عنفوانِ شباب ہی میں اسلام قبول کر لیا۔ کافر چچا کو معلوم ہوا تو اس نے سب کچھ چھین کر (یہاں تک بدن کے کپڑے بھی اتروا کر) گھر سے نکال دیا۔ ماں کے پاس گئے تو اس نے ایک چادر دی انہوں نے اس کے دو ٹکڑے کیے ایک کا تہبند بنایا اور ایک کی چادر اسی حالت میں مدینہ منورہ پہنچے۔ نمازِ فجر حضور ﷺ کے پیچھے پڑھی نماز کے بعد حضور ﷺ نے انہیں دیکھا تو نام پوچھا انہوں نے نام بتایا تو آپؐ نے فرمایا آج سے تم عبد اللہ ذُو الْبِجَا دَيْن (دو چادروں والے) ہو۔ تم میرے قریب قیام کرو۔ وہ اصحابِ صُفہ میں شامل ہو گئے اور زیادہ وقت آستانۂ نبوی پر گزارنے لگے۔ تلاوتِ قرآن میں ان کی بلند آہنگی کو دیکھ کر ایک دن حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ سے کہا، یا رسول اللہ! یہ ریا کار معلوم ہوتا ہے آپؐ نے فرمایا، نہیں یہ سوزِ قلب رکھنے والوں میں ہے۔ (اُسدُ الغابہ ترجمہ عبداللہ ذوالبجادینؓ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ ذوالبجادینؓ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص بارگاہِ الٰہی میں سچے دِل سے فریاد کرتا ہے۔ (اُسدُ الغابہ ج ۳ ص ۱۲۳، سیرۃ ابنِ ہشام ج ۳ ص ۲۲۵)

تبوک سے مدینہ کی طرف کوچ:

رسولِ اکرم ﷺ نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا۔ اس مقام تک تیس ہزار مجاہدین کی آمد ہی دشمنانِ اسلام پر ہیبت حق طاری کرنے کے لیے کافی تھی۔ رومیوں کو ان پُر جوش مجاہدین کا سامنا کرنے کی ہمت کیا ہوتی، سرحد کے قریب آباد اُن کے حلیف یا زیرِ اثر قبائل اور چھوٹی چھوٹی متعدد ریاستوں پر بھی اسلامی سلطنت کا اقتدار قائم ہوگیا۔ چونکہ اس پُر صعوبت سفر یا غزوے کا جو مقصد تھا وہ جنگ کے بغیر ہی حاصل ہوگیا اس لیے حضور ﷺ نے شام کے اندر گھس کر رومیوں کا تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا اور بیس دن کے بعد آپؐ نے لشکرِ اسلام کو مدینہ کی طرف واپس کوچ کرنے کا حکم دیا۔

ایک ناپاک سازش:

واپسی سفر کے دوران میں جب لشکر ایک ایسے مقام کے قریب پہنچا جہاں سے راستہ پہاڑوں اور گھاٹیوں کے اندر سے ہو کر گزرتا تھا تو بعض (ایک روایت کے مطابق بارہ) منافقین نے رسولِ پاک ﷺ کو شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا۔ انہوں نے آپس میں طے کیا کہ جب رات کو حضور ﷺ کسی گھاٹی سے گزریں تو آپؐ کو کھڈ میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ جب رات کو حضور ﷺ حضرت عمار بن یاسر اور حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک گھاٹی سے گزر رہے تھے، یہ منافقین چہروں پر ڈھاٹے باندھے اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے آپؐ کی طرف بڑھے۔ اس وقت حضرت عمارؓ نے حضور ﷺ کی اونٹنی کی مہار تھام رکھی تھی اور حضرت حُذیفہؓ اس کو ہانک رہے تھے۔ حضور ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں نے منافقین کے قدموں کی چاپ سنی یا حضور ﷺ کو وحی کے ذریعے ان بدبختوں کے منصوبے کا علم ہوگیا، جو بھی صورت تھی، حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہٗ شیر کی طرح ان پر جھپٹے تاکہ ان کے اونٹوں کو مار مار کر ان کے منہ پھیر دیں مگر وہ حضرت حذیفہؓ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر بھاگ نکلے۔ (ایک روایت میں ہے کہ حضرت حُذیفہؓ نے کچھ اونٹوں کے منہ پر اپنی ڈھال سے ضربیں لگائیں۔) یہ دیکھ کر منافقین ڈر گئے اور تیزی سے بھاگ کر لشکریوں میں جا ملے۔ یوں ان کی ناپاک سازش ناکام ہوگئی اس واقعہ کے بارے میں قرآنِ حکیم میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا. (التوبہ۔ ۷۴)

ترجمہ "وہ اسلام لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جسے کر نہ سکے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسجدِ ضرار کا انہدام:

پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ منافقین نے قُباء کے قریب ایک نام نہاد مسجد اس غرض کے لیے بنائی تھی کہ ان کو اہلِ حق کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے ایک مرکز مل جائے وہ حضور ﷺ کے پاس یہ درخواست لے کر آئے تھے کہ آپؐ چل کر اس میں نماز پڑھا دیں لیکن حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ غزوۂ تبوک سے واپس آ کر دیکھوں گا۔ آپؐ کے مدینہ سے تبوک تشریف لے جانے کے بعد منافقین اس نام نہاد مسجد میں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کے منصوبے بناتے رہے۔ ان کو پورا یقین تھا کہ قیصرِ روم لشکرِ اسلام کو تباہ کر ڈالے گا جونہی یہ خبر آئے گی وہ عبداللہ بن اُبیّ کے سر پر تاج رکھ کر اُس کو اپنا بادشاہ بنالیں گے مگر۔

ع تدبیر کُند بندہ تقدیر زند خندہ

واپسی پر جب رسولِ اکرم ﷺ ذی اَوان کے مقام پر پہنچے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ط وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ط وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ O لَاتَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ط لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ط وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ O (التوبہ:۱۰۷،۱۰۸)

ترجمہ: ”کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کے لیے کہ (دعوتِ حق) کو نقصان پہنچائیں اور (اللہ کی بندگی کرنے کے بجائے) کفر کریں اور اہلِ ایمان کے درمیان پھوٹ ڈالیں اور اس (نام نہاد عبادت گاہ کو) اس شخص کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف برسرِ پیکار ہو چکا ہے۔ وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا کسی دوسری چیز کا نہ تھا مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔ آپ ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہوں البتہ وہ مسجد (جو) اوّل روز سے تقوٰی پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے موزوں ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔“

یہ آیتیں نازل ہوتے ہی حضور ﷺ نے چند صحابہ کو یہ حکم دے کر مدینہ بھیج دیا کہ آپؐ کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے اس مسجدِ ضرار کو منہدم کر دیں۔ چنانچہ وہ دوڑے گئے اور اس نام نہاد مسجد کو پہلے گرایا اور پھر اسے جلا کر خاکستر کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدینہ منوّرہ میں وُرُودِ مسعود:

رسولِ اکرم ﷺ اور آپؐ کے جاں نثار جب حدودِ مدینہ میں داخل ہوئے تو آپؐ نے کوہِ اُحد کی طرف دیکھ کر فرمایا:

"یہ رہا کوہِ اُحد جو ہم سے محبت کرتا ہے اور جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔"

ادھر اہلِ مدینہ بڑی بے تابی سے آپؐ کا انتظار کر رہے تھے۔ اُن کو حضور ﷺ کے حدودِ مدینہ میں داخل ہونے کی خبر ملی تو وہ فرطِ مَسَرّت سے بے خود ہو گئے۔ عورتیں، بچے اور بچیاں اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئیں اور یہ نغمہ الاپ کر اپنے آقا و مولا ﷺ کا استقبال کیا:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

(زاد المعاد ج ۳/۱۰)

"ہم پر ثنیۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے۔ اے ہم میں مبعوث ہونے والے آپ ایسے امر کے ساتھ آئے ہیں جس کی اطاعت فرض ہے۔"[1]

رسولِ اکرم ﷺ رجب ۹ ہجری میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے۔ تبوک تک کا سفر پندرہ دن میں طے ہوا۔ بیس دن تبوک میں قیام رہا پھر واپسی سفر میں پندرہ دن صَرف ہوئے اسطرح اس مہم میں پورے پچاس دن صرف ہوئے۔ واپسی کا سفر رمضان المبارک کے مہینے میں ختم ہوا۔ یہ عہدِ رسالت کا آخری غزوہ تھا۔

رسولِ اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ آپؐ جب کسی سفر سے واپس مدینہ منورہ تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجدِ نبوی میں دو رکعت نماز (نفل) پڑھتے۔ تبوک سے واپس تشریف لا کر بھی آپؐ شہر میں داخل ہوئے تو معمول کے مطابق مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی۔ حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو عمِ رسول حضرت عباس بن عبدُ المُطّلِب رضی اللہ عنہٗ نے عرض کیا، "یا رسولَ اللہ! میں نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے اگر اجازت ہو تو اسے پیش کروں۔"

حضور ﷺ نے اجازت دے دی اور حضرت عباسؓ نے بڑے ذوق وشوق سے یہ قصیدہ پڑھا۔ اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ یہ اشعار اس وقت گائے گئے جب رسولِ اکرم ﷺ مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔ ان روایتوں پر اعتماد کرنے والوں کے اپنے دلائل ہیں (دیکھیے رحمۃٌ لِلعالمین ج ۱ ص ۱۰۶) جن سیرت نگاروں کا یہ موقف ہے کہ یہ اشعار حضور ﷺ کی تبوک سے واپسی پر پڑھے گئے ان کے بھی اپنے دلائل ہیں (اصحّ السِّیَر ص ۳۳۶) ہوسکتا ہے کہ یہ اشعار دونوں موقعوں پر پڑھے گئے ہوں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ أَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ أَشْرَقَتِ الْأَرْضُ
فَضَاءَتْ بِنُوْرِکَ الْأُفُقُ
فَنَحْنُ فِیْ ذٰلِکَ الضِّیَاءِ وَ فِی النُّوْرِ
وَ سُبُلَ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

(یا رسول اللہ) جب آپ کی ولادت ہوئی تو ساری زمین روشن ہوگئی اور آسمان کے کنارے بھی آپ کے نور سے جگمگانے لگے۔

اور ہم آپ کے اس نور و ضیاء میں ہدایت کے راستوں کو طے کر رہے ہیں۔

اس کے بعد بہت سے وہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے جو غزوے میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر منافقین تھے اور ان کی تعداد اسّی سے زیادہ تھی۔ انہوں نے طرح طرح کے عذر پیش کیے اور قسمیں کھائیں۔ حضور ﷺ نے از راہِ ترحّم ان کا ظاہر قبول کرتے ہوئے ان سے بیعت لی ان کے لیے استغفار کیا اور ان کا باطن اللہ کے سپرد کر دیا۔ [1]
(اصح السیر ص ۳۳۶)

مؤمنین جو کسی عذر کے بغیر غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے:

لشکرِ اسلام کے روانہ ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں منافقین اور معذورین کے علاوہ یا تو وہ صحابہ پیچھے رہ گئے جن کو حضور ﷺ نے کوئی ذمہ داری سپرد فرمائی مثلاً حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ اور حضرت محمد بن مَسلَمہ انصاری رضی اللہ عنہٗ یا چند ایسے صحابہ جو یوں تو نہایت مخلص اور پکے مسلمان تھے مگر محض سہل انگاری اور کاہلی کی وجہ سے حضور ﷺ کی ہم رِکابی کا شرف حاصل نہ کر سکے۔ عام طور پر اربابِ سیر نے ایسے تین اصحاب حضرت کعبؓ بن مالک، حضرت ہلالؓ بن امیہؓ اور مرارہؓ بن ربیع کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے لیکن بعض مفسرین اور محدثین نے ایسے اصحاب کی تعداد دس بیان کی ہے۔ ان سب کو بعد میں شدت سے احساس ہوگیا کہ ان کی (جہاد میں شریک نہ ہونے کی) لغزش اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی ناراضی کا باعث ہوئی۔ ان میں

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ تبوک سے واپسی پر مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو وہ لوگ جو اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے، کثیر تعداد میں آپ سے ملاقات کے لیے آنے لگے لیکن آپ نے ان سے رُخِ انور پھیر لیا اور صحابہ کو بھی حکم دیا کہ کوئی ان سے گفتگو نہ کرے اور نہ ان کے پاس بیٹھے۔ چنانچہ تمام سچے مسلمانوں نے (جن میں ان کے اہلِ خانہ، قریبی بھائی بند اور بزرگ بھی شامل تھے) ان کا معاشرتی بائیکاٹ کر دیا۔ کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ اس دوران میں وہ رو رو کر معافی کی التجائیں کرتے رہے اور اپنے عذرات کی صداقت پر قسمیں کھاتے رہے آخر حضور ﷺ نے ان پر رحم فرمایا، ان سے از سرِ نو بیعت لی اور انکی مغفرت کے لیے دعا کی۔
(ضیاء النبی ج ۴ ص ۶۳۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مذکورہ تین صحابہ کے علاوہ سات نے اس سے پہلے کہ ان سے کوئی باز پرس ہوتی، اپنے آپ کو چند ستونوں سے باندھ لیا اور کہا کہ جب تک ہمیں اللہ اور اللہ کا رسول معاف نہ کریں گے، ہم نہ کچھ کھائیں پئیں گے نہ سوئیں گے اور نہ اپنے آپ کو کھولیں گے۔ حضور ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد لوگوں سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ رکھا ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ ابولُبابہ بن عبدالمنذر ر [1] اور ان کے ساتھی ہیں جو غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے انہوں نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک ان کو معاف نہیں کیا جاتا، ان پر خواب وخور حرام ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، جب تک اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہ فرمائے میں انہیں نہ کھولوں گا۔ چنانچہ یہ اصحاب کئی روز تک بے آب ودانہ اور بے خواب بندھے رہے یہاں تک کہ بے ہوش کر گر پڑے (حوائج ضروریہ کے لیے ان کو عارضی طور پر کھول دیا جاتا تھا) آخر رحمتِ الٰہی جوش میں آ گئی اور یہ آیات نازل ہوئیں:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًاط عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (التوبہ: ۱۰۲ تا ۱۰۴)

---

[1] حضرت ابولُبابہ کا اصل نام رفاعہ تھا۔ ان کا تعلق انصار کے قبیلہ اُوس کی شاخ بنی عمرو بن عوف سے تھا۔ انصار کے سابقین اوّلین میں سے ہیں اور بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ عقبۂ ثانیہ میں اسلام لائے اور اپنے قبیلے کے نقیب بنائے گئے۔ غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد اور تبوک سے پہلے ہونے والے دوسرے غزوات میں برابر شریک رہے غزوۂ تبوک میں بغیر کسی عذرِ شرعی کے محض تساہل کی بناء پر شریک نہ ہو سکے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

مُسنَدِ احمد بن حنبل (ج ۳ ص ۴۵۲) میں ان کا ستون سے باندھے جانے کا واقعہ غزوۂ بنی قریظہ کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس روایت میں ہے کہ جن ایام میں حضور ﷺ نے بنو قریظہ کے محلے کا محاصرہ کر رکھا تھا، حضرت ابولبابہؓ نے یہودیوں کو اشارتاً بتا دیا کہ انہیں (غداری کے جرم میں) قتل کر دیا جائے گا۔ بعد میں خیال آیا کہ میں نے ایسا کر کے اللہ اور رسول سے خیانت کی ہے چنانچہ اپنے آپ کو سزا دینے کے لیے مسجدِ نبویؐ کے ایک ستون سے باندھ لیا۔ ان کی بیٹی نماز اور حوائج ضروریہ کے لیے زنجیر کھول دیتی تھی اور پھر باندھ دیتی تھی۔ بہت دنوں کے بعد ان کی توبہ قبول ہوگئی اور حضور ﷺ نے خود انہیں اپنے دستِ مبارک سے کھولا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: ”کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا ہے ان کا عمل ملا جُلا ہے، کچھ نیک ہے اور کچھ بد۔ بعید نہیں کہ اللہ ان پر پھر مہربان ہو جائے کیونکہ وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اے نبیؐ! تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو کیونکہ تمہاری دعا اُن کے لیے وجہِ تسکین ہوگی اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی خیرات کو قبولیت عطا کرتا ہے اور یہ کہ اللہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔“

جب ان اصحاب کو (ہوش میں لا کر) بتایا گیا کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے انہیں معاف فرما دیا ہے تو انہوں نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا کہ ہم اپنی لغزش کے کفارہ میں اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں دینا چاہتے ہیں مگر آپؐ نے فرمایا، نہیں صرف ایک تہائی ہی کافی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت اپنا تہائی مال اللہ کی راہ میں وقف کر دیا۔

(تفہیم القرآن جلد دوم ص ۲۳۰، ضیاء النبیؐ جلد چہارم ص ۶۳۴)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین مخلص صحابہ کا امتحان و اِبتلاء

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مالک بن کعب انصاریؓ، حضرت ہلال بن امیہؓ انصاری اور حضرت مرارہ بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہم نے اپنے آپ کو ستونوں سے نہیں باندھا اور رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صاف صاف اقرار کر لیا کہ ہمارے پاس کوئی عذر نہیں ہے، ہم جانے کی پوری قدرت رکھتے تھے بس اپنی سستی اور کاہلی کی بناء پر جہاد میں شریک نہ ہو سکے اب اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید رکھتے ہیں۔ یہ تینوں بھی سچے مومن تھے اور اس سے پہلے راہِ حق میں بیش بہا خدمات انجام دے چکے تھے۔ آخر الذکر دونوں اصحاب تو غزوۂ بدر میں بھی شریک ہو چکے تھے اور ان کا اِخلاص فی الدین کسی بھی نوعیت کے شک وشبہ سے بالاتر تھا۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہٗ اگرچہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے لیکن اس کے بعد (اور تبوک سے پہلے کے) تمام غزوات میں حضور ﷺ کے ہم رِکاب رہے تھے۔ ان خدمات کے باوجود ان کی لغزش پر سخت گرفت کی گئی اور ان کو نہایت کڑے امتحان و اِبتلا سے گزرنا پڑا۔ اس امتحان و آزمائش کا قصہ حدیث و سیرت کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یہ قصہ خود حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہٗ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہٗ سے بیان کیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے اور مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر لوگوں سے ملاقات کے لیے بیٹھے تو پیچھے رہنے والے اسّی سے زیادہ منافقین آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے عذرات بیان کیے۔ آپؐ نے ان کے ظاہری عذرات کو قبول کرتے ہوئے ان کے باطن کو اللہ پر چھوڑ دیا اور فرمایا، اللہ تمہیں معاف کرے۔ پھر میں نے آگے بڑھ کر آپؐ کو سلام کیا۔ آپؐ نے مسکرا کر مجھ سے پوچھا، تم کو کس چیز نے روکا تھا۔ میں نے عرض کیا، خدا کی قسم اگر اس وقت میں اہلِ دنیا میں سے کسی شخص کے سامنے حاضر ہوا ہوتا تو کوئی جھوٹا سچا عذر بنا کر اس کو راضی کرنے کی کوشش کرتا لیکن بخدا آپؐ کے بارے میں میرا یقین ہے کہ اگر کوئی جھوٹا عذر بیان کر کے میں نے آپ کو راضی کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو پھر مجھ سے ناراض کر دے گا۔ سچی بات یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے میں بالکل تندرست و توانا تھا۔[1]

---

[1] حضرت کعبؓ ان دنوں بہت آسودہ حال تھے۔ سفر کے لیے انہوں نے دو اونٹنیاں بھی خرید لی تھیں اور دوسرا سامان بھی مہیا کر لیا تھا لیکن لشکرِ اسلام کے کوچ کے وقت تساہل میں مبتلا ہو گئے کہ ایسی بھی کیا جلدی ہے کل جا ملوں گا۔ اسی حیص بیص میں کئی دن گزر گئے یہاں تک کہ انہیں حضور ﷺ کے تبوک پہنچنے کی خبر ملی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے تبوک پہنچ کر بطورِ خاص دریافت فرمایا" .... (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جانے پر پوری طرح قادر تھا محض میرے نفس کی سستی نے مجھے شرکتِ جہاد سے محروم رکھا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا، یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی۔ اچھا اب جاؤ اور اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ یہی صورت مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہؓ کے ساتھ پیش آئی۔ میں اٹھ کر اپنے قبیلے کے لوگوں میں جا بیٹھا یہاں لوگوں نے مجھے ملامت کی کہ تم نے کوئی عذر کیوں نہ پیش کر دیا مگر میں اپنی سچائی پر قائم رہا۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے تمام مسلمانوں کو منع کر دیا کہ کوئی ہم تینوں سے بات نہ کرے۔ اُس دن سے زمین باوجود اپنی وسعت کے مجھے تنگ معلوم ہونے لگی، ہر شخص مجھ سے اجتناب کرتا تھا اور مجھے یہ فکر کھائے جاتی تھی کہ اس حال میں مر گیا تو حضور ﷺ جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھیں گے اور خدانخواستہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا تو میں مسلمانوں کے نزدیک ہمیشہ مردود رہوں گا۔ غرض میں نے پچاس دن سخت ابتلاء اور کرب کی حالت میں گزارے۔ میرے دونوں ساتھی تو شروع ہی سے اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ میں گھر سے نکل کر مسجد میں جاتا، نماز میں شریک ہوتا اور حضور ﷺ کی مجلس میں بھی حاضر ہوتا لیکن نہ حضور ﷺ اور نہ کوئی دوسرا مسلمان مجھ سے کوئی بات کرتا۔ میں حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپؐ منہ پھیر لیتے اور میری جانب سے اِعراض فرماتے۔ ایک دن میں اپنے پڑوسی ابنِ عم ابوقتادہ کی دیوار پر چڑھا اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے قسم دے کر ان سے پوچھا "ابوقتادہ تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔" ابوقتادہ اس کے جواب میں بھی خاموش رہے۔ میں نے تین بار اپنے الفاظ کی تکرار کی تو وہ صرف اتنا بولے "اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔" یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اسی دوران میں ایک دن میں مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ ایک قِبطی عیسائی ملا وہ غسان کے بادشاہ کا خط میرے نام لایا تھا جس میں شاہِ غسان نے لکھا تھا۔

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ بدسلوکی کی ہے اب میرے پاس چلے آؤ اور دیکھو کہ یہاں تمہاری کیسی عزت ہوتی ہے۔"

میں نے خط پڑھ کر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھا کہ مجھے یہ روزِ بد بھی دیکھنا تھا کہ ایک کافر مجھے راہِ حق سے ہٹانا چاہتا ہے اور میرے آقا سے جدا کرنا چاہتا ہے۔ میں نے گھر پہنچ کر یہ خط نذرِ آتش کر دیا۔ مقاطعہ کے چالیسویں روز حضور ﷺ نے مجھے پیغام بھیجا کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ، میں نے قاصد سے پوچھا کیا طلاق دیدوں؟ اس نے کہا "نہیں بلکہ اس سے الگ

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

کہ کعب بن مالک نظر نہیں آئے کیا بات ہوئی؟ ایک صاحب نے کہا، شاید اس کو اپنے مال و منال کی کشش نے روکا۔ حضرت معاذ بن جَبَل رضی اللہ عنہٗ نے ان کی بات کی تردید کرتے ہوئے عرض کیا، یا رسولَ اللہ! جہاں تک ہمیں علم ہے کعب بھلا آدمی ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے سکوت فرمایا اور کچھ نہ بولے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہو۔" میں نے فوراً اپنی بیوی کو اس کے میکے بھیج دیا پچاسویں دن میں صبح کی نماز پڑھ کر اپنے گھر کی چھت پر لیٹا ہوا تھا، زندگی مجھ پر دوبھر ہو رہی تھی اور سخت بے چین تھا کہ یکایک کوہِ سلع کی چوٹی سے کسی نے پکار کر کہا "کعب، بشارت ہو" میں یہ الفاظ سنتے ہی سجدے میں گر گیا اور فرطِ مَسَرّت سے رونے لگا، بعد میں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد میری اور میرے دونوں ساتھیوں کی معافی کا اعلان فرما دیا تھا اور پہاڑ کی چوٹی سے پکارنے والے نے مجھے اسی کی اطلاع دی تھی۔ اس کے بعد ایک صاحب گھوڑا دوڑاتے میرے پاس آئے اور مجھے بشارت دی میں نے اپنے دونوں کپڑے ان کی نذر کر دیئے خود کسی سے مانگ کر کپڑے پہنے اور سیدھا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت جو لوگ وہاں موجود تھے سب مجھے مبارک باد دینے دوڑے۔ سب سے پہلے طلحہ نے بڑھ کر مبارک باد دی اور مصافحہ کیا میں ان کے اخلاق اور گرم جوشی کو کبھی نہ بھولوں گا۔ میں نے حضور ﷺ کو سلام کیا تو آپؐ کے رُخِ انور پر بشاشت پھیل گئی اور وہ چاند کی طرح چمکنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا:

"کعب تمہاری زندگی میں ایسا مبارک دن کبھی نہیں آیا۔ تمہیں مبارک ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔"

میں نے عرض کیا۔ "یارسولؐ اللہ! میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میں اپنی تمام جائداد اور مال صدقہ کرتا ہوں۔" حضور ﷺ نے فرمایا:

"نہیں اس میں تنگی ہے اپنے مال کا ایک حصہ صدقہ کرو۔"

میں نے خیبر کا حصہ راہِ حق میں دے دیا اور کہا "اللہ نے میری راست گوئی کی وجہ سے مجھے نجات دی، اِنْ شَاءَ اللہ مرتے دم تک میں راست گوئی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑوں گا۔"

حضرت مرارہؓ اور حضرت ہلالؓ کی توبہ بھی اسی طرح قبول ہوگئی۔ قرآنِ کریم میں اس واقعہ کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ط حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ط ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ O (التوبہ: آیۃ ۱۱۸)

ترجمہ: "اور ان تین شخصوں پر بھی، جن کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین باوجود وسعت کے ان پر تنگ ہوگئی اور جو اپنی جانوں سے بھی بیزار ہوگئے اور سمجھ گئے کہ اللہ کے سوا اور کسی کے پاس پناہ نہیں، تو اللہ ان پر مہربان ہوا کہ توبہ کیے رہیں۔ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت کعبؓ اس واقعہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اسلام لانے کے بعد اللہ نے مجھ پر کوئی ایسا احسان نہیں کیا جس کی وقعت میرے دل میں اس سچائی سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ ہو جس کا اظہار میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا۔ اگر میں جھوٹ بولتا تو اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح جھوٹ بولنے والے ہلاک ہوئے یعنی منافقین۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ تبوک، صحیح مسلم کتاب التوبہ باب حدیث توبۃ کعبؓ)

وفدِ بنی ثقیف:

پیچھے ذکر آچکا ہے کہ طائف کا محاصرہ اٹھاتے وقت رسولِ اکرم ﷺ نے دعا کی تھی کہ الٰہی بنوثقیف کو ہدایت دے اور انہیں میرے پاس بھیج۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور آپؐ کے مدینہ منورہ واپس تشریف لانے کے بعد ایک ہی سال کے اندر حالات نے ایسی صورت اختیار کی کہ اہلِ طائف (بنوثقیف) بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے پر مجبور ہوگئے۔ ۱؎ ثقیف عرب کا بڑا طاقتور، خوشحال اور جنگجو قبیلہ تھا۔ ان کے وفد کی بارگاہِ رسالت میں حاضری تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کے تبوک سے واپس تشریف لانے کے بعد رمضان المبارک ۹ھ ہجری میں اہلِ طائف نے اپنے چند ذی اثر اور زیرک آدمیوں کا ایک وفد مرتب کیا جو چھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ان کے نام یہ ہیں:

عبدِ یالیل بن عمرو (قائدِ وفد)، حکم بن عمر، شرحبیل بن غیلان، عثمان بن ابی العاص، اوس بن عوف اور بہز بن خرشہ...... ایک اور روایت میں وفد کے ارکان کی تعداد انیس بتائی گئی ہے

۱؎ جن حالات میں اہلِ طائف مدینہ منورہ آنے پر مجبور ہوئے، ان کے بارے میں نامور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی کتاب ''رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''غالباً مسلمانانِ مکہ نے طائف سے معاشی و اخلاقی قطع تعلق کر لیا ہوگا۔ اس معاشی دباؤ کو طائف کتنے دنوں سہار سکتا۔ جبکہ اس کے چوطرف اسلام تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا؟ چند ماہ بعد آخر انہوں نے بھی آنحضرتؐ سے دوستی کے حصول کے لیے ایک وفد مدینہ بھیجا۔''

دائرۂ معارف اسلامیہ (اردو)'' میں بیان کیا گیا ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے (طائف کا) مزید محاصرہ رکھنے کے بجائے ثقیف کے بعض حریف قبائل کو جو مسلمان ہوگئے تھے، اس پر مامور کیا کہ طائف پر معاشی دباؤ ڈالتے رہیں۔ سال بھر بھی نہ گزرا تھا کہ اہلِ طائف نے پریشان ہو کر اطاعت قبول کر لی۔'' (جلد ۱۲)

علامہ شبلی نعمانیؒ نے ''سیرۃ النبیؐ'' میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے طائف سے تشریف لانے کے بعد صخرؓ بن عیلہ رئیسِ احمس نے اس عہد کے ساتھ طائف کا محاصرہ کر لیا کہ جب تک اہلِ طائف رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت قبول نہیں کریں گے وہ محاصرہ جاری رکھے گا۔ آخر اہلِ طائف نے اطاعت قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ حضرت صخرؓ نے حضور ﷺ کو اطلاع دی تو آپؐ نے لوگوں کو مسجدِ نبویؐ میں جمع کیا اور بنواحمس کے لیے دس بار دعا فرمائی۔

(سیرۃ النبی حصہ دوم ص ۴۵ بحوالہ ابوداؤد باب اقطاع الارضین)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن میں عبدِ یالیل کا بیٹا کنانہ بھی شامل تھا۔ بیشتر اربابِ سیَر نے اس وفد کو چھ رُکنی قرار دیا ہے۔ عبدِ یالیل کی قیادت میں جب یہ وفد مدینہ کے قریب مقام ذی حرض میں پہنچا تو ان کی ملاقات حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے ہوئی جو وہاں اونٹ چرا رہے تھے۔ انہیں وفد کے آنے کی غرض و غایت معلوم ہوئی تو اس قدر خوش ہوئے کہ حضور ﷺ کو اطلاع دینے کے لیے مدینہ کی طرف دوڑ پڑے۔ راستے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا ''خیر تو ہے اس طرح بے تحاشا کیوں بھاگ رہے ہو؟'' حضرت مغیرہؓ نے واقعہ بیان کیا تو صدیقؓ اکبر نے انہیں قسم دے کر کہا کہ یہ خوش خبری مجھ کو پہنچانے دو۔ چنانچہ انہوں نے جب حضور ﷺ کو بنو ثقیف کے آنے کی اطلاع دی تو آپ بھی بے حد مسرور ہوئے اور حکم دیا کہ ان لوگوں کو مسجدِ نبویؐ کے ایک گوشے میں خیمہ نصب کر کے ٹھہرایا جائے تاکہ قرآن کی آواز ان کے کانوں میں پڑتی رہے اور مسلمانوں کی نماز میں محویت دیکھ کر ان پر اثر پڑے۔ یہ لوگ فی الواقع حضور ﷺ کی اس تدبیر سے اسلام سے بڑے متاثر ہوئے۔ سرورِ عالم ﷺ خود بھی عشاء کی نماز کے بعد ان کے پاس تشریف لے جاتے اور بڑی دیر تک ان سے گفتگو فرماتے رہتے۔ ایک دن انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ آپ ہم سے تو اپنی رسالت کا اقرار کرانا چاہتے ہیں لیکن خود آپ خطبے میں اپنا نام نہیں لیتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ''میں سب سے پہلے اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ نے مجھے نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے اور اس کی طرف سے میں خلقت کی ہدایت اور اصلاح کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔''

اثنائے گفتگو میں ان لوگوں نے جو مطالبے کیے یا شرطیں پیش کیں ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ہمارے ہاں مرد عام طور پر مجرّد رہتے ہیں اس لیے ہمیں زنا کاری کی اجازت دی جائے۔

۲۔ سود تو ہمارا اپنا مال ہوتا ہے اس لیے ہمیں سود لینے دینے کی اجازت دی جائے۔

۳۔ ہم لوگ پُشت ہا پُشت سے شراب کے عادی ہیں کہ یہ ہمارے علاقے کے انگوروں کا عرق ہے اس کے پینے کی اجازت دی جائے۔

۴۔ ہمارے بُت (معبود) لات کو توڑا نہ جائے۔

۵۔ ہمیں نماز سے معاف فرما دیا جائے۔

۶۔ ہم سے زکوٰۃ نہ لی جائے۔

۷۔ ہمیں جہاد میں حصہ لینے سے مستثنیٰ کیا جائے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے پہلی پانچ شرطیں یکسر مسترد کر دیں البتہ چھٹی اور ساتویں شرط منظور فرمالی...... حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے بعد میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جب یہ لوگ صدقِ دل سے اسلام قبول کر لیں گے تو خود بخود ہی زکوٰۃ بھی دیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔

بُت کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ بنو ثقیف خود اس کو نہ توڑیں بلکہ یہ کام ہم پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھوڑ دیں۔ اپنی تمام شرائط کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کا فیصلہ سننے کے بعد ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا اور اتفاق رائے سے طے کیا کہ اسلام قبول کر لیا جائے اور واپس جا کر اپنے قبیلے کو بھی دائرۂ اسلام میں لایا جائے۔ چنانچہ سارے ارکانِ وفد مشرّف بہ اسلام ہو گئے اور اس تحریری معاہدے پر دستخط کر دیے جو حضور ﷺ نے تجویز فرمایا۔ اس سے پہلے وہ اپنی تمام شرطیں ایک معاہدے کی صورت میں لکھ کر اپنے ساتھ لائے تھے اور چاہتے تھے کہ رسولِ اکرم ﷺ اس پر اپنی مہر ثبت کر دیں لیکن حضور ﷺ نے ان کو ایسی حکمت اور محبت سے سمجھایا کہ وہ اپنی تمام لغو شرطوں سے دست بردار ہو گئے۔

جب یہ وفد مدینہ منورہ سے چلنے لگا تو حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنا دیا۔ وہ وفد کے سب سے کم عمر رکن تھے لیکن مدینہ کے دورانِ قیام میں انہوں نے سب سے زیادہ علمِ دین حاصل کر لیا تھا وہ اس طرح کہ وفد کے دوسرے ارکان ہر روز صبح سویرے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو اپنے ڈیرے پر چھوڑ دیتے تھے۔ جب یہ ارکان واپس آ کر قیلولہ کرتے تو حضرت عثمان حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ سے قرآن پڑھتے اور احکامِ دین دریافت کرتے۔ ان کے علمِ دین حاصل کرنے کے شوق ہی کو دیکھ کر حضور ﷺ نے ان کو بنوثقیف کی امارت کے لیے منتخب فرمایا۔ [1]

یہ وفد واپس طائف گیا اور بنوثقیف کو اپنے قبولِ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے مطالبات (بدکاری، شراب خواری اور سود وغیرہ چھوڑنے) کو منظور کرنے کی روداد سنائی تو انہوں نے شدید ردِ عمل کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم تو مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے اور ایسی ذلیل شرطوں کو قبول نہیں کریں گے لیکن بہت جلد اللہ تعالیٰ نے ان پر رعبِ حق طاری کر دیا وہ سمجھ گئے کہ سارے عرب نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قبول کر لی ہے اور ان کے خلاف لڑنا اپنی تباہی کو دعوت دینا ہے چنانچہ سب نے اسلام قبول کر لیا۔

وفد کی مدینہ منورہ سے روانگی کے چند دن بعد حضور ﷺ نے حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما (اور ایک روایت کے مطابق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی) طائف بھیجا کہ لات اور اس کے معبد کو تباہ کر دیں۔ بنوثقیف نے اگرچہ اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان کے دل سے ابھی ''لات'' کی ہیبت نہیں گئی تھی۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے معبد

---

[1] حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ یہ حضرت عثمانؓ ہی تھے جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کے دورِ خلافت میں بنوثقیف کو فتنۂ ارتداد میں مبتلا ہونے سے روکا۔ عہدِ فاروقی میں انہوں نے مغربی ہند کے ساحلوں پر اولین بحری مہم بھیجی اور حضرت عثمانِ غنیؓ کے عہدِ خلافت میں اصطخر، توج، دراب جرد اور سابور وغیرہ پر پرچمِ اسلام بلند کیا۔ ان کے ولولہ انگیز سوانح حیات مؤلف کی تالیف ''رحمتِ دارینؐ کے سو شیدائی'' میں پڑھیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور لات کو توڑنے کا آغاز کیا تو بنو ثقیف کی عورتیں روتی پیٹتی گھروں سے نکل آئیں۔ ان کو اور ان کے مردوں کو ڈر تھا کہ لات کی بربادی کہیں ان کی بربادی کا سبب نہ بن جائے لیکن جب حضرت مغیرہؓ اور ان کے ساتھیوں نے معبد اور لات کو زمین بوس کر دیا اور بتکدے کی بنیادیں تک کھود ڈالیں اور پھر بھی کچھ نہ ہوا تو اہلِ طائف کے دلوں میں توحید کی بنیاد مستحکم ہوگئی اور وہ اسلام کے دست و بازو بن گئے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ اصح السیر ص ۴۰۸، ۴۰۷)

وفدِ بنی فزارہ:

۹ ہجری میں جب رسولِ اکرم ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو چودہ یا پندرہ آدمیوں پر مشتمل بنو فزارہ کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں خارجہؓ بن حصن اور حرؓ بن قیس بھی شامل تھے۔ مؤخر الذکر وفد کے سب سے کم عمر رکن تھے۔ یہ لوگ بڑی دبلی پتلی کمزور سواریوں پر سوار تھے۔ ان لوگوں نے اپنے اسلام کا اقرار کیا تو حضور ﷺ نے ان سے ان کے علاقے کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے عرض کیا:

> ''یارسول اللہ ﷺ! ہمارے علاقے میں قحط پڑ گیا ہے ہمارے کھیت خشک ہوگئے ہیں۔ مویشی ہلاک ہوگئے ہیں اور ہمارے عیال تباہی کی زد میں ہیں آپ اپنے ربّ سے ہمارے لیے دعا کریں۔''

رحمتِ عالم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور یوں دعا کی:

> ''اے اللہ! اپنے بندوں اور چوپایوں کو سیراب کر دے اپنی رحمت کو عام کر دے اور اپنے مردہ مُلک کو زندگی عطا فرما۔ اے اللہ! ہمیں سیراب کرنے وسیع، ہمہ گیر، خوشگوار اور تازگی بخشنے والی بارش جلد عطا فرما، وہ بارش جو نفع دینے والی ہو اور نقصان نہ پہنچانے والی ہو۔ اے اللہ! ہمیں بارانِ رحمت سے سیراب کر جو نہ باعثِ عذاب ہو اور نہ گرانے والی، تباہ کرنے والی اور غرق کرنے والی ہو۔ اے اللہ! ہمیں بارش سے سیراب کر اور دشمنوں پر فتح دے۔''

پس بارش ہوئی اور لوگوں نے اگلے چھ دن تک آسمان نہ دیکھا۔ بنو فزادہ کے علاقے میں بھی ایسی ہی بارش ہوئی اور وہاں قحط کا نام و نشان نہ رہا رسولِ اکرم ﷺ پھر منبر پر چڑھے اور دعا کی:

> ''اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش ہو ہم پر نہ ہو ٹیلوں، پتھروں، وادیوں کے نشیب اور درختوں کے اُگنے کی جگہوں (جنگلوں) میں ہو۔''

راوی کا بیان ہے کہ مدینہ طیبہ کے اوپر سے بادل اس طرح دور ہوگئے جیسے کپڑا پھٹ جاتا ہے۔ (طبقات ابنِ سعد جلد ۱ ص ۲۹۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفدِ ہمدان:

فتح مکہ کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو یمن کے قبیلہ ہمدان میں اشاعتِ اسلام کے لیے بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے کچھ مدت وہاں قیام کیا مگر بنو ہمدان نے دعوتِ حق کو قبول نہ کیا۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کو وہاں بھیجا۔ ان کی تبلیغی مساعی سے بنو ہمدان نے اسلام قبول کرلیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے بنو ہمدان کے سامنے رسول اکرم ﷺ کا دیا ہوا مکتوبِ گرامی پڑھا اس کا ان پر بہت اثر ہوا اور وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ حضرت علیؓ نے ایک خط لکھ کر حضور ﷺ کو بنو ہمدان کے حلقہ بگوشِ اسلام ہو جانے کی اطلاع دی تو آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور دو مرتبہ فرمایا:

اَلسَّلامُ عَلٰی هَمْدَان، اَلسَّلامُ عَلٰی هَمْدَان

"سلامتی ہو ہمدان کے لیے، سلامتی ہو ہمدان کے لیے۔"

۹ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو بنو ہمدان کا ایک وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں بنو ہمدان کے بہت سے عمائد شامل تھے ان میں ابوثور مالک بن نمط (جو ذوالمشعار کے لقب سے مشہور تھے)، عمیرہؓ بن مالک الخارفی، ضمامؓ بن مالک السلمانی اور مالکؓ بن ایفع کے اسماء خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں نے لکیر دار یمنی چادریں اور عدنی پگڑیاں باندھ رکھی تھیں اور مہری اور ارجبی اونٹنیوں پر سوار تھے۔ حضرت مالک بن نمط ذوالمشعار یہ رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے:

ترجمہ: "ہمدان کے باشندے بہترین رہنما اور فرمانروا ہیں دنیا میں ان کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ وہ بلند جگہ کے رہنے والے ہیں اور ان میں بڑے بڑے مردانِ دلاور ہیں جن کو تحفے اور نذرانے دیے جاتے ہیں۔ ہم آپ کی خدمت میں ایسے علاقے سے آئے ہیں جہاں سرسبز زمینیں بھی ہیں اور بنجر بھی۔ وہاں گرمیوں اور خزاں میں غبار آلود ہوائیں چلتی ہیں۔ ہم ایسی اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئے ہیں جن کی ناک میں کھجور کی چھال کی مہاریں ہیں۔"

حضور ﷺ نے حضرت مالک بن نمط رضی اللہ عنہُ کو بنو ہمدان کا امیر مقرر فرمایا اور ایک تحریری فرمان کے ذریعے ان کو وہ زمینیں عطا فرمائیں جن کی انہوں نے درخواست کی۔ اس موقع پر حضرت مالکؓ نے حضور ﷺ کی شان میں چند مدحیہ اشعار بھی پڑھے۔

(سیرت ابنِ ہشام ج ۴ ص ۲۷۵، زاد المعاد ج ۲ ص ۲۳، اسد الغابہ ج ۸ ص ۴۸-۵۰)

رئیس المنافقین کی موت:

رسولِ اکرم ﷺ کو تبوک سے واپس آئے ہوئے تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ مرض الموت میں مبتلا ہوگیا۔ یہ شوال ۹ ہجری کے آخری دن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ بیس دن بیمار رہنے کے بعد وہ ماہِ ذیقعدہ میں مر گیا۔ اس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ نہایت مخلص مسلمان تھے اور ان کو بارگاہِ نبویؐ میں تقرّب کا شرف حاصل تھا انہوں نے حضورﷺ سے درخواست کی کہ میرے باپ کے کفن کے لیے اپنا کُرتا عطا فرمائیے۔ آپؐ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور اپنا کرتا انہیں عطا فرمایا۔ ۱؎ پھر انہوں نے درخواست کی کہ آپ ہی اس کی نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ حضورﷺ نے ان کی اس درخواست کو بھی منظور فرمایا اور نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوگئے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہٗ نے عرض کیا، یارسول اللہﷺ! آپ اس شخص کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے جس نے فلاں دن یہ اور فلاں دن یہ کہا تھا": (حضرت عمرؓ نے ابنِ اُبیّ کی اسلام دشمنی کی مظہر کئی ناشائستہ باتیں گنائیں) حضورﷺ ان کی باتیں سن کر مسکراتے رہے اور پھر فرمایا، عمر ان باتوں کو رہنے دو، اللہ نے مجھے مغفرت کی دعا کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اگر میں جانتا کہ ستّر مرتبہ سے زیادہ دعائے مغفرت کروں تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا تو میں ستّر مرتبہ سے زیادہ اس کے لیے دعائے مغفرت کرتا۔ ۲؎

اس کے بعد آپؐ نے نمازِ جنازہ پڑھا دی اور اس کی قبر پر دیر تک کھڑے رہے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَاتُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَاتَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (توبہ: ۸۴)

ترجمہ: "اور آئندہ ان میں سے جو کوئی مرے اس کی نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھیے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں کیونکہ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ مرے ہیں اس حال میں کہ وہ فاسق تھے۔"

اس کے بعد حضورﷺ نے کبھی کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے۔

۱؎ بعض روایتوں میں ہے کہ عبداللہ بن اُبیّ نے بدر کے دن عمِ رسولؐ حضرت عباسؓ کو قمیص پہنائی تھی۔ آپؐ نے اپنا کرتا اس کے کفن کے لیے دے کر اس کے احسان کا بدلہ اتارا۔

۲؎ اس سے پہلے منافقین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:

اِسْتَغْفِرْلَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْلَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْلَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَاللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (توبہ: ۸۰)

ترجمہ: "(اے نبی) آپ ان کے لیے بخشش طلب کریں یا نہ کریں اگر آپ ستّر مرتبہ بھی ان کے لیے بخشش طلب کریں اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور اللہ فاسق لوگوں کو راہِ نجات نہیں دکھاتا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنہ ۹ ہجری کا حج

غزوۂ تبوک سے واپس آنے کے تقریباً تین ماہ بعد حج کا موسم آیا تو رسولِ اکرم ﷺ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ حج کے لیے مکہ معظمہ روانہ فرمایا۔ اس قافلے کا امیر آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کو مقرر فرمایا۔ چونکہ حضور ﷺ خود بعض ضروری دینی کاموں کی وجہ سے حج کے لیے نہ جا سکے، آپؐ نے قربانی کے جانور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کے ساتھ بھیج دیے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ اَبِیْ بَکْرٍ.

''آپؐ نے جانوروں کو ابوبکرؓ کے ہمراہ روانہ کیا۔''

ایک روایت کے مطابق ان جانوروں (اونٹوں) کی تعداد بیس تھی۔ حضور ﷺ نے ان کی گردنوں میں اپنے دستِ مبارک سے قلاوے ڈالے اور قربانی کے نشان لگائے۔ ان کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ نے اپنے قربانی کے پانچ جانور بھی ساتھ لے لیے۔ حضور ﷺ نے حج سے متعلق کچھ دوسرے ضروری کام حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سپرد کیے (ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ نے ان کو منادی اور معلّم مقرر فرمایا)۔ اس قافلے کے روانہ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ پر سورۂ براۃ نازل ہوئی۔ [1] صحابۂ کرامؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اسے ابوبکر کو بھیج دیجیے کہ وہ حج میں اس کو سنا دیں لیکن آپؐ نے فرمایا کہ اس اہم معاملہ کا اعلان میری طرف سے میرے ہی گھر کے کسی آدمی کو کرنا چاہیے۔ [2] چنانچہ آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو اس خدمت پر مامور کیا اور ساتھ ہی ہدایت فرمائی کہ قربانی کے روز جب سارے لوگ مِنیٰ میں جمع ہوں سورۂ براۃ (کی ابتدائی چالیس آیتیں) سنانے کے بعد ان چار باتوں کا اعلان بھی کر دیں۔

۱۔ جنّت میں کوئی کافر (دینِ اسلام کو قبول کرنے سے انکار کرنے والا) داخل نہ ہوگا۔

۲۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے۔

---

[1] نبیِ رحمت حصہ دوم ص ۱۱۸، ضیاء النبیؐ ج ۴ ص ۴۷۸۔ ایک روایت میں ہے کہ قافلے کے جانے کے بعد سورۃ براۃ کی آیتیں نقضِ عہد کے بارے میں نازل ہوئیں (اصح السیر بحوالہ ابنِ اسحاق ص ۴۰۰)۔ تفہیم القرآن میں ہے کہ اس وقت سورۂ براۃ کے پہلے پانچ رکوع نازل ہوئے۔ (ج ۲ ص ۱۷۴)

[2] یہ اہم معاملہ مشرکین اور اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں لاتے (حرام مہینے گزرنے کے بعد) قتال کرنے، مشرکین کو مسجدِ حرام میں داخل ہونے کی ممانعت اور کئی دوسرے امور سے متعلق تھا تفصیل سورۂ توبہ (براۃ) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ بیت اللہ کے گرد کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف نہیں کر سکتا۔

۴۔ جن لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا کوئی معاہدہ ہے تو طے شدہ مُدّتِ معاہدہ کی پابندی کی جائے گی۔

یہ احکام و ہدایات لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہُ حضور ﷺ کی اونٹنی پر سوار ہوئے اور عرج (بروایت دیگر ضَجْنان) کے مقام پر حضرت ابوبکرؓ سے جا ملے۔ حضرت ابوبکرؓ کو خیال گزرا کہ شاید حضور ﷺ نے اُنکی جگہ حضرت علیؓ کو امیر الحج بنا دیا ہے۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا، ''کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو امیر الحج مقرر فرمایا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا۔ ''نہیں مجھے حضور ﷺ نے سورۂ براۃ (کی ابتدائی چالیس آیتیں) سنانے اور فلاں فلاں باتوں کا حج کے اجتماع میں اعلان کرنے پر مامور فرمایا ہے۔''

مکّہ معظمہ پہنچ کر حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہُ نے لوگوں کو حج کرنے کے صحیح طریقے بتائے اور سکھائے اور سب مسلمانوں نے انہی طریقوں کے مطابق حج کیا۔ اس طرح صدیوں کے بعد حج ٹھیک اسی طرح کیا گیا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام کیا کرتے تھے۔

قربانی کے دن حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہُ نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہُ کھڑے ہوئے اور سورۂ براۃ (کی ابتدائی چالیس آیتوں) کی تلاوت حجاج کے مجمع عام کے سامنے کی اور آنحضور ﷺ کی بتائی ہوئی چار باتوں کا اعلانِ عام بھی کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہُ نے یوم ترویہ (۸ ذی الحجہ) یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) اور یوم نحر (۱۰ ذی الحجہ) تینوں دن امیر الحج کی حیثیت سے خطبہ پڑھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہُ نے سورۂ براۃ کی آیات پڑھیں۔ منادی کرنے والے ان آیتوں کی اس زور سے منادی کرتے تھے کہ اُن کے گلے بیٹھ بیٹھ جاتے تھے۔

حج سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صِدّیقؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہُ دونوں ایک ساتھ مدینہ منورہ واپس آئے۔ مدینہ منورہ واپسی تک حضرت علی رضی اللہ عنہُ حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہُ کے پیچھے ہی نماز پڑھتے رہے۔

اسلام میں امیر الحج کا یہ پہلا عہدہ تھا جس پر سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مامور ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

یہاں یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ فتح مکّہ کے بعد دورِ اسلامی کا پہلا حج ذی الحجہ ۸ ہجری میں زمانۂ جاہلیت کے طریقے پر ہوا۔ پھر ۹ ہجری کا حج مسلمانوں نے اپنے طریقے پر کیا اور مشرکین نے اپنے طریقے پر۔ رسولِ اکرم ﷺ نہ ۸ ہجری کے حج میں شریک تھے اور نہ ۹ ہجری کے حج میں۔ البتہ ۱۰ ہجری کے حج میں جو خالص اسلامی طریقے پر ہوا، آپؐ شریک تھے اُس وقت عرب میں شرک کا قلع قمع ہو چکا تھا یہی وہ مشہور حج ہے جسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل ۱۰ ہجری کے واقعات میں آرہی ہے۔

(سیرۃ ابنِ ہشام ج۲ص ۵۴۳، ۵۴۶، زاد المعاد ج۲ص ۱۲۴، اصح السیر ص ۴۰۰ تا ۴۰۵، تفہیم القرآن ج۲ص ۱۷۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت
کا
دسواں سال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت فروہ جذامیؓ کا واقعۂ شہادت

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

حضرت فروہ بن عمرو جذامیؓ (ایک عیسائی عرب) شاہِ روم کی طرف سے معان (جنوبی اُردن) اور اس کے نواحی علاقوں کے گورنر تھے۔ ایک روایت کے مطابق اس منصب پر فائز ہونے سے پہلے وہ رومی فوج میں افسر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ صالحہ سے نوازا تھا۔ فتح مکہ کے قریبی زمانے میں ان کو قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے قبولِ اسلام کی محرّک کیا چیز ہوئی؟ اس کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے معرکۂ مُوتہ (۸ ہجری) میں مسلمانوں کی شجاعت و بسالت دیکھ کر اسلام قبول کیا اور ایک قاصد بارگاہِ رسالت میں بھیج کر اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی۔ اس قاصد کے ہاتھ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک سفید خچر بھی بطور ہدیہ بھیجا جسے آپؐ نے قبول فرمالیا۔

اُدھر قیصرِ روم کو حضرت فروہؓ کے قبولِ اسلام کی خبر ملی تو وہ بہت برافروختہ ہوا اور انہیں گورنری سے معزول کر کے قید خانے میں ڈال دیا۔ پھر ترغیب و تحریص، جبر و تشدّد، مکر و حیلہ، ہر حربے سے کام لے کر انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس مردِ حق آگاہ کے دل میں اسلام کی جڑیں بہت مستحکم ہوچکی تھیں وہ عزم و استقامت کے کوہِ گراں ثابت ہوئے دینِ حق چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا اس پر قیصرِ روم نے انہیں سُولی پر چڑھانے کا حکم دیا............
چنانچہ ظالم رومیوں نے حضرت فروہؓ کو فلسطین میں عفراء نامی ایک چشمے پر سولی دے کر شہید کر دیا۔

یہ ابنِ قیم کا بیان ہے۔ ابنِ ہشام نے زہری بن شہاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ رومیوں نے اِن کا سر قلم کردیا اور ان کے جسدِ خاکی کو چشمے کے کنارے سولی پر لٹکا دیا۔ اپنی شہادت سے پہلے وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

بَلِّغْ سِرَاةَ الْمُسْلِمِيْنَ بِاَنَّنِيْ
سَلْمٌ لِرَبِّيْ اَعْظُمِيْ وَمَقَامِيْ

مسلمانوں کے سردار کو میرا یہ پیغام پہنچا دو
کہ میری ہڈیاں اور میرا وجود سب اپنے پروردگار کے حوالے ہے

وفدِ بنی عَبس:

بنو عَبس، قیس عیلان کی شاخ بنو غطفان کا ایک بطن تھے اور نجد میں آباد تھے۔ یہ قبیلہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرب کے بڑے جنگجو قبیلوں میں شمار ہوتا تھا۔ زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر عنترہ بن شداد اسی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ جاہلی عرب کی تاریخ میں اسکی بہادری کی بے شمار داستانیں مشہور ہیں۔

۱۰ھ ہجری میں بنو عبس کا ایک وفد نجد سے مدینہ منورہ آیا۔ یہ وفد نو آدمیوں پر مشتمل تھا جن میں میسرہؓ بن مسروق اور حارث الکامل بن ربیع جیسے ناموران عرب بھی شامل تھے۔ ان سب حضرات نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور حضور ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر کی۔ پھر آپؐ نے ان سے فرمایا، ایک اور آدمی تلاش کرو جو تمہیں دس کر دے اور میں تمہارے لیے ایک جھنڈا باندھ دوں۔ اتنے میں سیدنا حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ تیمی آ گئے۔ آپؐ نے انہیں جھنڈا عنایت فرمایا اور ان کا شعار (نشان) "یا عشرہ" (اے دس کی جماعت) مقرر فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (اس واقعہ کے بعد) بنو عبس کے تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ! ہمارے قاری ہمارے پاس آئے ہیں اور انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ جس نے ہجرت نہیں کی اس کے قبولِ اسلام کی کوئی حیثیت اور قدر و قیمت نہیں۔ ــــــ ــــــ ــــــ ــــــ

یا رسول اللہ! ہمارے پاس مال مویشی ہیں اور وہی ہماری معاش کا ذریعہ ہیں۔ پس اگر ہجرت کے بغیر ہمارا اسلام مقبول نہیں تو ہم اپنے مال مویشی فروخت کر دیتے ہیں اور ہجرت کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں آ جاتے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈرتے رہو (اللہ کا تقویٰ اختیار کرو) تمہارے اعمال میں ذرا کمی نہیں آئے گی (اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں ہرگز کوئی کمی نہیں کرے گا۔)" (طبقات ابن سعد ج۔ا ص ۲۹۶، عیون الاثر ج ۲ ص ۲۵۷)

وفدِ کندہ:

۱۰ھ ہجری بروایتِ دیگر ۹ھ ہجری میں بنو کندہ کا اسّی (۸۰) یا ساٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ [1] اس کے سردار اشعث بن قیس تھے۔ وہ اپنے علاقے کے حاکم تھے اور ان کے ساتھی بھی صاحبِ حیثیت لوگ تھے۔ یہ سب حضرات اگرچہ اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ابھی انہوں نے وہ سادگی اختیار نہیں کی تھی جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے چنانچہ

---

[1] یہ عظیم قحطانی حضرمی قبیلہ تھا۔ ان کی آبادیاں حضر موت میں الکسر میں واقع تھیں اور حضر موت کے شمال کی طرف وسیع علاقوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اسلام سے پہلے ان میں بہت سے بادشاہ ہوئے جن کی حکومت نجد، یمن اور حجاز کے بعض علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس حکومت کو ایرانی حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور اسے حیرہ (عراق) کی عرب حکومت کی ہمسری کا دعویٰ تھا۔ (معجم قبائل العرب جلد ۳ ص ۹۹۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ مدینہ منورہ میں اس شان سے وارد ہوئے کہ سب نے اپنے کندھوں پر حیرہ کی سنہری چادریں ڈال رکھی تھیں جن کے سنجاف حریر کے تھے ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے سونے سے کڑھے ہوئے دیباج پہن رکھے تھے اور یمنی چادریں اوڑھ رکھی تھیں جن کے کناروں پر ریشم لگا ہوا تھا۔

بارگاہِ نبویؐ میں حاضری سے پہلے انہوں نے اپنے بالوں میں کنگھی کی اور آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ جب وہ مسجد میں پہنچ کر رسولِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں باریاب ہوئے تو آپؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: ”کیا تم اسلام نہیں لا چکے ہو؟“ انہوں نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ ﷺ! ہم اللہ کے فضل سے نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو چکے ہیں۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا، پھر یہ حریر (اور سونا) کیسا؟ اہلِ وفد اپنی غلطی پر متنبّہ ہوئے اور سب نے فوراً چادریں پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈال دیں۔

کچھ دن مدینہ منورہ میں قیام کے بعد جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو حضور ﷺ نے رئیس وفد اشعث بن قیس کو بارہ اوقیہ اور دوسرے اراکینِ وفد کے ہر رکن کو دس دس اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی۔ (سیرۃ ابنِ کثیر ص ۳۳۔۳۱، غزوۂ تبوک محمد احمد باشمیل ص ۳۱۹، اصح السیر ص ۴۱۸)

وفدِ بنی حارث بن کعب:

ربیع الاوّل ۱۰ھ ہجری (بروایتِ دیگر ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ ۱۰ھ ہجری) میں رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو فوج کا ایک دستہ دے کر بنو حارث بن کعب کی طرف نجران بھیجا اور ان کو ہدایت فرمائی کہ ان لوگوں کو تین مرتبہ اسلام کی دعوت دینا اگر وہ قبول کرلیں تو بہتر ورنہ ان کو مطیع کرنے کے لیے طاقت سے کام لینا۔ حضرت خالدؓ کی تلقین و تبلیغ سے سارا قبیلہ مُشرّف بہ اسلام ہو گیا۔ حضرت خالدؓ نے ایک خط لکھ کر حضور ﷺ کو ان کے قبولِ اسلام کی اطلاع دی اس کے جواب میں آپؐ نے حضرت خالدؓ کو لکھا کہ تم لوٹ آؤ اور اپنے ساتھ بنو حارث کا ایک وفد بھی لیتے آؤ۔

حضور ﷺ کا مکتوبِ گرامی موصول ہونے پر حضرت خالدؓ بن ولید نے بنو حارث بن کعب کا ایک وفد تشکیل دیا اور اس کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ حاضر ہو گئے۔

بنو حارث بن کعب کے وفد میں قیس بن الحصین، شداد بن عبد اللہ یزیدؓ بن عبد المدان، عبد اللہ بن قراد الزیادی، یزید بن مُحجل، عمرو بن عبد اللہ ضبابی اور کچھ دوسرے معزّزینِ قبیلہ شامل تھے۔ جب یہ لوگ بارگاہِ رسالت میں پیش ہوئے تو حضور ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا یہ کون لوگ ہیں جو ہندی معلوم ہوتے ہیں؟ آپؐ کو بتایا گیا کہ ان سب کا تعلق بنو حارث بن کعب سے ہے۔

چونکہ اس قبیلے کی شجاعت اور کامرانیوں کی سارے عرب میں دھوم مچی ہوئی تھی اس لیے آپؐ نے ان سے استفسار فرمایا:

”زمانۂ جاہلیت میں جو تم سے لڑا وہ ہمیشہ مغلوب رہا اس کا کیا سبب تھا؟“

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ ! اس کے تین سبب تھے:۔

ا۔ ہم اپنی طرف سے کسی پر ظلم یا زیادتی نہیں کرتے تھے۔

۲۔ ہم خود کسی پر چڑھ کر نہیں جاتے تھے اور نہ لڑائی میں پہل کرتے تھے۔

۳۔ جب ہم پر کوئی لڑائی تھوپ دیتا تو میدانِ جنگ میں ہم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے تھے اور کبھی منتشر نہ ہوتے تھے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"تم سچ کہتے ہو جو فوج یا جماعت ان اصولوں کے مطابق لڑے گی وہ ہمیشہ غالب رہے گی۔"

کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں قیام کرنے کے بعد جب یہ لوگ رخصت ہونے لگے تو حضور ﷺ نے قیسؓ بن الحصین کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور ان کو ساڑھے بارہ اوقیہ اور دوسرے ارکانِ وفد کو دس دس اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی۔ حضرت عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہٗ کو آپ نے ان کے ساتھ محصّل، عامل اور مُعلّم بنا کر روانہ فرمایا۔ یہ اصحاب شوّال کے اواخر یا بروایتِ دیگر اوائل ذیقعدہ ۱۰ھ ہجری میں وطن واپس ہوئے۔

(البدایہ وَالنہایہ ج ۵ ص ۹۵، اصح السّیَر ص ۴۲۱، فرامینِ نبویؐ ص ۱۴۸ تا ۱۵۲)

وفدِ بنی غامد:

قبیلۂ غامد، عرب کے بہت بڑے یمانی قحطانی قبیلے ازد کی ایک شاخ تھا اس کی آبادیاں عمان سے لے کر حجاز تک پھیلی ہوئی تھیں اور مختلف پہاڑی سلسلوں اور وادیوں کے درمیان منتشر تھیں۔ آج کل یہ قبیلہ سعودی عرب کی حکومت میں حجاز کے اہم قبائل میں شمار ہوتا ہے۔

بنو غامد دو قسم کے افراد پر مشتمل ہیں، شہری اور بدوی (دیہاتی)۔ شہری تو بنو غامد ہی کہلاتے ہیں لیکن بدویوں کو آلِ صیاج کہا جاتا ہے۔

رمضان المبارک ۱۰ھ ہجری میں بنو غامد کا ایک وفد مدینہ مُنوّرہ پہنچا۔ اس میں دس آدمی شامل تھے۔ یہ لوگ بقیع الغرقد میں خیمے نصب کرکے ٹھہرے۔ پھر اپنے اچھے کپڑے زیب تن کرکے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔[1] رسولِ اکرم ﷺ

---

[1] ایک روایت کے مطابق یہ لوگ پہلے ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے۔ اس موقع پر انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل کیا۔ وہ اپنے ایک نوجوان ساتھی کو اپنے سامان کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ اتفاق سے وہ سو گیا اور ایک چور وفد کے ایک رکن کا کپڑوں والا چرمی تھیلا لے اڑا۔ نوجوان جاگا اور تھیلے کو موجود نہ پایا تو اس کی تلاش میں نکلا۔ اس نے جلد ہی چور کو جا پکڑا جو تھیلے کو ایک گڑھے میں دبا رہا تھا۔ حضور ﷺ نے ارکانِ وفد کو اس واقعہ سے آگاہ کیا تو وہ بہت

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ان کو ایک تحریر عطا فرمائی جس میں احکامِ شریعت درج تھے۔

ان اصحاب نے مدینہ منورہ میں چند روز قیام کیا اس دوران میں حضرت اُبیؓ بن کعب انصاری نے انہیں قرآنِ حکیم کی تعلیم دی۔ جب یہ وفد مدینہ سے چلنے لگا تو حضور ﷺ نے اس کے تمام ارکان کو معمول کے مطابق عطیّات سے نوازا۔

(زاد المعاد ج ۳ ص ۶۷۱۔ غزوۂ تبوک باشمیل ص ۳۴۰۔۳۳۹)

وفدِ بنی زبید:

۱۰ھ ہجری میں بنو زبید کا ایک وفد بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوا۔ اس وفد میں عرب کے نامور شہسوار عمروؓ بن معدی کرب زبیدی بھی شامل تھے۔ ایک روایت کے مطابق وہ اس وفد کے قائد تھے۔ بدقسمتی سے وہ وطن واپس جا کر فتنۂ ارتداد میں ملوث ہو گئے اسی اثناء میں رسولِ اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا۔ خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین کی سرکوبی کے لیے مختلف اطراف کو لشکر بھیجے تو عمرو بن معدی کرب اور ان کے ساتھیوں کو مجاہدینِ اسلام نے شکست دی۔ عمروؓ بن معدی کرب مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے اور مدینہ لائے گئے۔ جب وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے پیش کیے گئے تو انہوں نے ان کو بہت لعنت ملامت کی۔ عمروؓ بن معدی کرب نے اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کیا اور وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ ہوگی۔ خلیفۃ الرسولؐ نے ان کی معذرت قبول کر لی۔ اس کے بعد حضرت عمروؓ بن معدی کرب نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ میدانِ جہاد میں گزارا اور بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے۔ انہوں نے حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں جنگِ نہاوند میں شہادت پائی۔ [1] (سیرت الحلبیہ ج ۲ ص ۳۴۹، غزوۂ تبوک ص ۳۱۸ باشمیل)

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

حیران ہوئے۔ واپس گئے تو نوجوان ساتھی سے اس کی تصدیق ہو گئی اس پر وہ پکار اٹھے کہ بے شک آپؐ رسول برحق ہیں۔ اب ان کا نوجوان ساتھی بھی دوڑتا ہوا گیا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مشرّف بہ اسلام ہو گیا۔ حضور ﷺ کو اس واقعہ کا علم وحی کے ذریعے ہو گیا تھا۔

[1] حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہٗ کے تفصیلی حالات مؤلف کی تالیف ''فوز وسعادت کے ایک سو پچاس چراغ'' میں پڑھیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حَجَّةُ الْوَدَاع

اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو جس مقصد کے لیے مبعوث فرمایا تھا، ۲۳ سال کی شبانہ روز جدوجہد اور کٹھنائیوں کے بعد ۱۰ھ ہجری تک وہ پورا ہو گیا۔ مکّہ معظمہ پر پرچم اسلام بلند ہو چکا تھا، بیت اللہ شریف بتوں کی نجاست سے پاک ہو گیا تھا، پوری قوم کی تہذیب و معاشرت، سیاست و معیشت اس کے عقائد و اخلاق اور افکار و تمدن میں انقلابِ عظیم برپا ہو چکا تھا، حج خالص اسلامی (ابراہیمی) طریقے کے مطابق ادا کرنے کا حکم نافذ ہو چکا تھا اور لوگ جوق در جوق حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کے سینۂ پاک میں القا کر دیا کہ اب آپ کے دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔[1] چنانچہ آپؐ نے ضروری سمجھا کہ آمدہ حج کے ملک گیر اجتماع میں شریعت اور اخلاق کے تمام اصولِ اساسی کا اعلان کر دیا جائے لوگوں کے سامنے مناسکِ حج ادا کرنے کا عملی نمونہ پیش کیا جائے اور اُمت کو ''الوداع'' بھی کہہ دیا جائے۔ ذیقعدہ ۱۰ھ ہجری میں اعلان ہوا کہ رسول اللہ ﷺ حج کے ارادے سے مکّہ معظمہ تشریف لے جا رہے ہیں۔

یہ خبر آناً فاناً سارے عرب میں پھیل گئی۔ اہلِ مدینہ نے تو فی الفور حضور ﷺ کے ساتھ

---

[1] بعض اربابِ سیر کی رائے میں حضور ﷺ کو قُربِ وفات کی اطلاع سورۂ نصر میں دی گئی تھی لیکن سورۂ نصر کے زمانۂ نزول کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ سورۃ فتح مکّہ کے کچھ عرصہ بعد حضور ﷺ کی وفات سے دو سال پہلے نازل ہوئی دوسری روایت کے مطابق یہ سورۃ حَجَّةُ الْوَدَاع کے موقع پر ایامِ تشریق کے وسط میں بمقامِ مِنیٰ نازل ہوئی۔ (دیکھئے سیرۃ النبی حصہ دوم حاشیہ ص ۱۵۰، تفہیم القرآن جلد ششم ص ۵۱۲)

اگر دوسری روایت کو تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور ﷺ کو قربِ وفات کی خبر وفات سے صرف تین مہینے پہلے دی گئی لیکن کُتبِ حدیث میں بعض ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ فتح مکّہ کے جلد ہی بعد اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو کسی نہ کسی ذریعے سے بتا دیا تھا یا یہ احساس دلا دیا تھا کہ آپ سفرِ آخرت کے لیے تیار ہو جائیں' یہ ذریعہ کونسا تھا؟ اس پر بحث لاحاصل ہے۔ اس ذریعہ کو وحی کہیے یا آپؐ کے قلب وشعور میں قربِ وفات کا احساس پیدا ہونا، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا البتہ قربِ وفات کی اطلاع کو صرف سورۂ نصر تک محدود کرنا اُلجھن کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اس روایت کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ ۹ھ ہجری میں حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہٗ کو یمن بھیجتے وقت واضح طور پر بتا دیا کہ اب شاید میرے ساتھ تمہاری ملاقات نہ ہو اور جب تم مدینہ واپس آؤ گے تو تمہیں میرے بجائے میری قبر ملے گی۔

(سیر انصار حصہ دوم ص ۱۶۴ از مولانا سعید انصاری مرحوم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حج میں جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ہفتہ عشرہ کے اندر گردونواح کے لوگ بھی حضور ﷺ کے شرفِ ہم رکابی سے بہرہ ور ہونے کے لیے دھڑا دھڑ مدینہ مُنوَّرہ پہنچنے شروع ہو گئے۔ ذیقعدہ کے ختم ہونے میں پانچ دن باقی تھے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حج کے لیے مدینہ منورہ سے چلنے کی تیاری فرمائی۔ [1] غسل کے بعد آپؐ نے بالوں میں تیل لگایا، کنگھی کی، تہبند باندھا، چادر اوڑھی، قربانی کے جانوروں کو قلاوہ پہنایا اور نمازِ ظہر کے بعد سنیچر کے دن مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ تمام ازواجِ مُطہّرات ساتھ تھیں اور صحابۂ کرامؓ کی بہت بڑی تعداد بھی آپؐ کے ہم رکاب تھی۔ مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلے پر مقام ذوالحُلَیفہ میں قیام فرمایا جہاں آپؐ عصر سے پہلے پہنچ گئے۔ (یہ مقام مدینہ سے حج یا عمرہ کے لیے مکّہ جانے والوں کی میقات ہے) ذوالحُلَیفہ پہنچتے ہی آپؐ نے دو رکعت نمازِ عصر (قصر) ادا کی اور رات بھر کے لیے وہیں خیمہ زن ہو گئے۔ صبح ہوئی تو آپؐ نے صحابۂ کرامؓ سے فرمایا:

> ''آج رات کو میرے ربّ کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو میں حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھتا ہوں۔''

ذوالحلیفہ کے دورانِ قیام میں آپؐ نے پانچ وقت کی نمازیں پڑھیں۔ (پہنچنے کے دن عصر، مغرب اور عشاء کی نماز اور دوسرے دن فجر اور ظہر کی نماز) دوسرے دن آپؐ نے دو مرتبہ

---

[1] عَالَمِ اسلام کے نامور عَالِمِ دین، سیرت نگار اور مؤرّخ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف ''نبیِ رحمت'' میں ''حجۃ الوداع'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> ''صحابۂ کرامؓ جیسے ثقہ اور عادل راویوں نے اس (حجۃ الوداع کے) سفر کے نازک گوشوں اور پہلوؤں اور اس کے چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کا ایک ایسا ریکارڈ ہمارے لیے محفوظ کر دیا ہے جس کی مثال نہ سلاطین و امراء کے سفر ناموں میں ملتی ہے نہ علماء و مشائخ کی سرگذشتوں میں...... مثلاً ان روایات میں یہاں تک موجود ہے کہ آپؐ نے احرام کے وقت کس قسم کی خوشبو استعمال کی، ہدی کا شعار کیا (زخم لگایا) تو اس کا نشان کس جانب تھا؟ کس مقام پر پچھنا لگایا...... آپؐ نے جن لوگوں کو اس سفر میں اپنے ساتھ سواری پر سوار کیا (باوجودیکہ اُن کی تعداد اڑتیس تک پہنچتی ہے) ان سب کے نام، حتّٰی کہ اس حجام کا نام بھی مذکور ہے جس نے بال بنانے کی سعادت حاصل کی، موئے مبارک تقسیم کیے تو اس کی بھی تفصیل موجود ہے کہ دائیں طرف کے بال کن لوگوں کو عطا ہوئے اور بائیں طرف کے کن لوگوں کو۔''

(نبیِّ رحمت صفحہ ۱۲۹ مع حاشیہ ۱)

ہم نے حدیث اور سیرت کی مختلف کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے اس کتاب میں حجۃ الوداع کے مقدس سفر کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ حجۃ الوداع کو حجۃ التمام اور حجۃ البلاغ بھی کہا جاتا ہے۔ ہجرت کے بعد یہ رسولِ اکرم ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا۔ اس کے تین ماہ بعد آپ نے سفرِ آخرت اختیار فرمایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غسل فرمایا، پہلی مرتبہ نمازِ فجر سے پہلے اور دوسری مرتبہ نمازِ ظہر سے پہلے۔ دوسرے غسل کے بعد حضور ﷺ کے جسمِ اطہر اور سرِ مبارک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ہاتھ سے خوشبو لگائی پھر آپ ؐ نے ظہر کی دو رکعت نماز (قصر) پڑھی اور احرام باندھ کر اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر بلند آواز سے یہ الفاظ کہے (بروایتِ دیگر پہلے آپ ؐ نے احرام باندھتے ہوئے یہ الفاظ کہے اور اونٹنی پر سوار ہو کر انہی الفاظ کو بآوازِ بلند دہرایا۔ ان کو صدائے لبیک یا تلبیہ کہا جاتا ہے)

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَ الْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ ○

"ہم حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں۔ ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں۔
ہم حاضر ہیں بے شک حمد اور نعمت سب تیری ہی ہے اور بادشاہت تیری ہے
تیرا کوئی شریک نہیں۔"

ذُوالحلیفہ سے آپ ؐ تلبیہ کہتے ہوئے آگے روانہ ہوئے اس وقت لوگوں کے ہجوم کی یہ کیفیت تھی کہ آپ ؐ کے آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر جاتی تھی انسانوں کا دریا متلاطم نظر آتا تھا۔ آپ ؐ خود بھی بلند آواز سے تلبیہ کہتے جاتے تھے اور آپ ؐ کی ہدایت کے مطابق صحابۂ کرام ؓ بھی بآوازِ بلند تلبیہ کہتے جا رہے تھے۔ جب ایک لاکھ سے زیادہ آدمی یہ الفاظ جوش وخروش کے ساتھ دہراتے تھے تو دشت وجبل گونج اٹھتے تھے۔

یہ مقدس کاروان جوں جوں آگے بڑھتا تھا، راستے میں آباد قبائل کے لوگ فوج در فوج اس میں شامل ہوتے جاتے تھے۔ حضور ﷺ کا جب کسی ٹیلے پر سے گزر ہوتا تو آپ ؐ تین تین بار تکبیر بلند آواز سے فرماتے تھے۔

تلبیہ کے ساتھ کبھی کبھی حضور ﷺ یوں بھی فرماتے تھے۔

لَبَّيْكَ اِلٰهَ الْحَقِّ ○

"میں حاضر ہوں اے سچے معبود۔"

اس طرح آپ ؐ منزل بہ منزل مکّہ معظمہ کی طرف بڑھتے چلے گئے اور الرّوحا، الاثابہ، العرج، ابوآء، عُسفان اور سَرِف وغیرہ سے گزرتے ہوئے ذی طُوٰی میں منزل کی۔ ذی طُوٰی حرمِ مکّی کے شمال مشرق میں بمقام الزاہر ایک گھاٹی ہے اور اسی نام سے وہاں کنواں بھی ہے (اب یہ جگہ شہر مکّہ کے اندر آ گئی ہے) رات آپ ؐ نے وہیں گزاری اور فجر کی نماز بھی وہیں ادا کی، اُسی روز غسل بھی فرمایا۔ یہ ذی الحجہ کی چار تاریخ تھی اور اتوار کا دِن تھا۔ ذی طُوٰی سے روانہ ہو کر آپ ؐ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُسی دن مکّہ معظّمہ کے بلند حصہ مَعلاۃ (ثنیّۃ العلیا) کی طرف سے شہر میں داخل ہوئے۔ ل بنو ہاشم کے بچوں نے آپؐ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو وہ فرطِ مُسرّت سے بیخود ہو گئے

ل مدینہ منورہ سے ذی طوٰی یا مکّہ معظمہ تک کا سفر نو دن میں طے ہوا۔ کُتب حدیث و سیرۃ میں متعدد ایسے واقعات کا ذکر آیا ہے جو حضور ﷺ کو حجۃ الوداع کے سفر میں پیش آئے ان میں سے تین چار واقعات کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے:

رسولِ اکرم ﷺ الروحا کے مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک گورخر کسی کا ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ آپؐ نے اصحاب سے فرمایا کہ اس کو نہ چھیڑو شاید اس کا مالک آ جائے۔ اتنے میں واقعی اس کا مالک آ گیا اور اس نے عرض کیا، ''یارسولَ اللہ! یہ ذبح شدہ گورخر آپ کی نذر ہے آپ کو اس میں ہر طرح کا اختیار ہے۔'' چونکہ یہ گورخر ایک غیر مُحرم شخص کا (شکار اور) ذبح کیا ہوا تھا، اس کا ہدیہ آپؐ نے قبول فرمالیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حکم دیا کہ اس کا گوشت لوگوں میں تقسیم کر دیجیے۔ (اصح السیر ص ۴۶۸)

راستے میں ایک جگہ رسولِ اکرم ﷺ نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان ان کا سہارا لیے ہوئے پاپیادہ جا رہا تھا۔ (چونکہ بوڑھے آدمی کو پیدل چلنے میں بڑی تکلیف ہو رہی تھی اس لیے) حضور ﷺ نے (بوڑھے کے بیٹوں سے) پوچھا، یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا، اس بزرگ نے پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانی ہے۔ آپؐ نے بوڑھے سے مخاطب ہو کر فرمایا ''اے مردِ بزرگ! تم سوار ہو جاؤ کیونکہ اللہ تم سے اور تمہاری مشقت سے بے نیاز ہے۔'' (صحیح مسلم کتاب النذر عن انسؓ)

مشہور صحابی حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہٗ کی ہمشیرہ نے بھی منت مانی تھی کہ وہ برہنہ پا (پیدل) سفر کر کے حج کریں گی دورانِ سفر میں انہوں نے اپنے بھائی حضرت عقبہؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کریں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا، تمہاری بہن پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو جائے۔ (صحیح مسلم کتاب النذر عن عقبہؓ)

آنحضور ﷺ نے ذی طُوٰی سے چند میل دور وادیٔ ابطح میں ایک جگہ رات بھر کے لیے قیام فرمایا۔ آپؐ کے لیے چمڑے کا ایک سُرخ خیمہ لگایا گیا تھا اس خیمے کے اندر حضور ﷺ نے وضو کیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ وضو کا (بچا ہوا) پانی لیکر باہر نکلے تو لوگ اس پانی کو حاصل کرنے کے لیے بیتاب ہو گئے۔ کچھ لوگ حضرت بلالؓ سے پانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے انہوں نے (فرطِ عقیدت سے) اس پانی کو اپنے چہروں پر مَل لیا۔ جو لوگ پانی حاصل نہ کر سکے انہوں نے پانی پانے والوں کے ہاتھوں کی تری ہی کو چھو کر اپنے دل کو تسلی دے لی۔ پھر حضرت بلالؓ نے ایک نیزہ گاڑا۔ حضور ﷺ خیمے سے باہر تشریف لائے۔ اُس وقت آپؐ سرخ جوڑا زیب تن کیے ہوئے تھے اور اپنے تہبند کو اتنا اونچا باندھ رکھا تھا کہ آپؐ کی پنڈلیاں نظر آ رہی تھیں۔ پھر آپؐ نیزہ کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہو گئے۔ پہلے آپؐ نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں اس کے بعد عصر کی دو رکعتیں پڑھائیں۔ آدمی اور جانور نیزے کے اُس (پرلی) طرف سے گزر رہے تھے (یعنی نیزہ سترہ کا کام دے رہا تھا)

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی الثوب الاحمر عن ابوجحیفہ و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب سترۃ المُصلّی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور باہر نکل کر آپؐ کی سواری کے سامنے کھڑے ہو گئے آپؐ نے از رہِ شفقت کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھا لیا۔ شہر میں داخل ہو کر حضور ﷺ سیدھے حرم شریف کی طرف بڑھے۔ یہ چاشت کا وقت تھا بیت اللہ شریف پر نظر پڑتے ہی آپ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ زِدْبَیْتَكَ ھٰذَا تَشْرِیْفًا وَتَعْظِیْمًا وَ مَھَابَةً ۝

”اے اللہ! اپنے اس گھر کے شرف، تعظیم (عظمت) اور رُعب و ہیبت میں اور اضافہ فرما۔“

اس کے بعد آپؐ دستِ مبارک بلند کر کے تکبیر کہتے اور یہ دعا کرتے ہوئے حرم شریف میں داخل ہوئے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ ۝

”اے اللہ! تو ہی سلامتی ہے، تجھی میں سلامتی ہے اے ہمارے ربّ! ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔“

پھر آپؐ نے کعبہ کا رخ کیا، حجرِ اسود کا بوسہ لیا اور کعبہ شریف کا طواف کیا۔ پہلے تین چکروں میں رَمَل (یعنی آہستہ آہستہ دوڑنے کا عمل) کیا اور باقی چار چکروں میں عام رفتار سے چلے۔ طواف سے فارغ ہو کر آپ مقامِ ابراہیم کے پیچھے تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ط (البقرہ۔۱۲۵)

”اور مقامِ ابراہیمؑ کو اپنی سجدہ گاہ بناؤ۔“

اس کے بعد یہاں دو رکعتیں پڑھیں۔ نماز سے فارغ ہو کر دوبارہ حجرِ اسود کے پاس گئے اور اس کو بوسہ دیا۔ پھر آپؐ نے صفا کا رُخ فرمایا۔ جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ج (البقرہ۔۱۵۸)

”بے شک صفا اور مروہ (کی پہاڑیاں) اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔“

یہ آیت پڑھ کر حضور ﷺ نے فرمایا:

اَبْدَاُ بِمَا بَدَاَ اللّٰهُ ۝

”میں شروع کرتا ہوں اس سے جس سے اللہ نے (اپنا کلام) شروع کیا۔“

پھر آپؐ کوہِ صفا پر چڑھے اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ اس وقت زبانِ رسالت پر یہ الفاظ جاری ہو گئے:

لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ، اَنْجَزَ وَعْدَهٗ، وَنَصَرَعَبْدَهٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ۝

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اُسی کا سب ملک اور بادشاہی ہے۔ سب تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اس اکیلے نے تمام گروہوں کو شکست دی۔"

پھر آپؐ نے دعا کی اور اس طرح آپؐ نے تین مرتبہ کیا پھر آپؐ صفا سے نیچے اُترے اور مروہ کی طرف چلے بطنِ وادی (دونوں پہاڑیوں کے درمیان نشیب) میں تیزی سے چلے اور مروہ پر چڑھتے ہوئے آہستہ چلے۔ آپؐ نے مروہ کے اوپر پہنچ کر وہی کیا جو صفا پر کیا تھا۔ جب آپ سعی (صفا اور مروہ کے درمیان سات پھیروں) سے فارغ ہوگئے تو جو لوگ قربانی کے جانور اپنے ساتھ نہیں لائے تھے، آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ عمرہ تمام کر کے اپنے احرام کھول دیں۔ اپنے بارے میں حضور ﷺ نے وضاحت فرمائی، چونکہ میں قربانی کے جانور (اونٹ) اپنے ساتھ لایا ہوں اس لیے حلال نہیں ہوسکتا (احرام نہیں کھول سکتا)۔ (اسی طرح وہ لوگ بھی جو قربانی کے جانور ساتھ لائے ہیں۔ احرام نہیں اتار سکتے جب تک قربانی کے جانور اپنی جگہ پر پہنچ (کر ذبح نہ (ہو) جائیں۔

اسی دوران میں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ یمنی حاجیوں کا قافلہ لے کر مکہ معظمہ پہنچے۔ ان کو حضور ﷺ نے حجۃ الوداع سے پہلے یمن بھیجا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے احرام باندھ رکھا تھا اور قربانی کے جانور بھی ان کے ساتھ تھے چنانچہ حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق انہوں نے بھی احرام نہیں اتارا۔

مِنٰی کو روانگی:

رسولِ اکرم ﷺ نے اعمالِ حج شروع ہونے سے پہلے کے ایام اتوار، سوموار، منگل اور بدھ مکہ معظمہ میں گزارے۔ آٹھ ذوالحجہ (یوم الترویہ) جمعرات کی صبح کو تمام مسلمانوں کے ساتھ مِنٰی کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ صحابہٴ کرامؓ جو احرام اتار چکے تھے انہوں نے وادیٔ ابطح سے حج کے لیے احرام باندھ لیا۔ مِنٰی پہنچ کر حضور ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں اپنے اپنے وقت پر ادا فرمائیں۔ رات وہیں گزاری اور ۹ ذوالحجہ جمعہ کی نمازِ فجر بھی وہیں ادا کی۔ جب سورج طلوع ہوگیا تو آپؐ عرفہ (عرفات) کی طرف روانہ ہوئے۔

عرفات میں داخلہ اور خطبہ:

عرفات میں تشریف لانے سے پہلے ہی وادیٔ نمرہ میں آپؐ کے لئے خیمہ (قبہ) نصب کر دیا گیا تھا۔ حضور ﷺ عرفات پہنچ کر اپنے خیمے میں تشریف فرما ہوئے۔ جب سورج ڈھل گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری اونٹنی قصواء تیار کی جائے۔ چنانچہ قصواء پر پالان کس دیا گیا آپؐ اس پر سوار ہو کر میدانِ عرفات میں تشریف لائے اور اونٹنی ہی پر تشریف رکھتے ہوئے ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہتم بالشان خطبہ دیا۔ اس وقت مختلف روایات کے مطابق میدانِ عرفات میں ایک لاکھ چودہ ہزار سے ایک لاکھ چوالیس ہزار تک مسلمان موجود تھے۔ مکبّرین کے ذریعے ہر مسلمان تک حضور ﷺ کی آواز پہنچ رہی تھی (اس خطبے کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔) خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ انہوں نے اذان دی پھر آپؐ نے ظہر کی نماز دو رکعت (قصر) پڑھی اسی طرح عصر کی بھی دو رکعت پڑھی۔ ان کے درمیان کوئی سنت یا نفل نہیں پڑھے۔ اذان ایک اور اقامتیں دو کہی گئیں۔ یہ جمعتہ المبارک کا روز تھا۔

نماز سے فارغ ہو کر آپؐ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور مقامِ وقوف پر تشریف لے گئے۔ (یعنی اس جگہ جہاں آپؐ نے دیر تک دعا فرمائی یہ جگہ اب بھی عرفات میں معروف و معیّن ہے) آپؐ نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کر لیا اور غروبِ آفتاب تک نہایت عجز و الحاح سے بارگاہِ ربّ العزّت میں دعا و مناجات میں مشغول رہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق حضور ﷺ کی دعا اس طرح تھی:

حبیبِ کبریا ﷺ کی دعا:

ترجمہ: ”اے اللہ! تو میری بات سنتا ہے اور میری قیام گاہ کو دیکھ رہا ہے میرے پوشیدہ اور ظاہر کا تجھ کو علم ہے۔ تجھ سے میری کوئی شے مخفی نہیں۔ میں مصیبت زدہ ہوں، فقیر ہوں، فریادی ہوں، پناہ مانگنے والا ہوں، پریشان ہوں، خوفزدہ ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار اور اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے ایک مسکین کی طرح سوال کرتا ہوں، تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے ایک گنہگار اور ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے اور تیرے حضور اس طرح دعا کرتا ہوں جس طرح ایک ڈرنے والا آفت رسیدہ دعا کرتا ہے اور جس طرح وہ شخص دعا کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور جس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور جسم سراپا فروتنی بنا ہو اور جو اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے میرے اللہ! تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ۔ میرے ساتھ مہربانی اور رحم کا سلوک کرنے والا ہو جا۔ اے اُن سب سے بہتر جن سے مانگا جاتا ہے اور ان سب سے اچھے جو عطا کرتے ہیں۔“

(خاتم النبیین ج ۲ ص ۱۲۱۲، نبیِّ رحمت ص ۴-۳۳)

دعا کے بعد حضور ﷺ نے لوگوں کو بتایا کہ میں نے یہاں وقوف کیا ہے لیکن عرفات سارا وقوف کا مقام ہے (جو جہاں چاہے ٹھہر سکتا ہے) اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ (المآئدہ:۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کردیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کرلیاہے۔''

ایک شخص کی وفات:

اسی اثناء میں ایک آدمی میدانِ عرفات میں اپنے اونٹ سے گر پڑا۔ اونٹ نے اسے کچل ڈالا اور اس طرح وہ جاں بحق ہوگیا اس وقت وہ حالتِ احرام میں تھا حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ پانی میں بیری کے پتے ڈال کر اسے ابالو اور اس پانی سے جاں بحق ہونے والے کو غسل دو۔ اس کو ان ہی دو کپڑوں کا کفن دو (جو یہ بحالتِ احرام پہنے ہوئے تھا) اس کو خوشبو نہ لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانپو۔ بے شک اللہ اس کو قیامت کے دن لَبَّیْکَ پکارتا ہوا اٹھائے گا۔
(صحیح بخاری کتاب الجنائز ابواب الکفن عن ابنِ عباسؓ)

عرفات سے روانگی:

جب شفق کی زردی ختم ہوگئی تو حضور ﷺ نے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیا اور عرفات سے روانہ ہوئے۔ آپؐ نے اونٹنی کی مہار بڑی سختی سے کھینچ رکھی تھی۔ آپؐ کے چلتے ہی لوگوں کے مجمع عظیم میں اضطراب سا پیدا ہوگیا۔ آپؐ دائیں ہاتھ سے (بروایتِ دیگر کوڑے سے) اشارہ کرتے جاتے تھے کہ ''آہستہ آہستہ'' اور زبان مبارک سے فرما رہے تھے ''اے لوگو! سکون اور اطمینان کے ساتھ چلو اے لوگو! سکون اور اطمینان کے ساتھ چلو۔'' راستہ بھر آپ تلبیہ کرتے گئے یہاں تک کہ مزدلفہ پہنچ گئے۔

مُزْدَلِفہ میں قیامِ یک شب:

مُزْدَلِفہ پہنچ کر حضور ﷺ نے حضرت بِلالؓ کو اذان کا حکم دیا ساتھ ہی حضور ﷺ نے سواری سے اتر کر وضو کیا اور مغرب و عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھائیں۔ (ان کے درمیان صرف اتنا وقفہ تھا کہ مغرب کی نماز کا سلام پھیر کر لوگوں نے اپنے اپنے پڑاؤ پر جاکر سواریوں کو بٹھایا اس کے فوراً بعد نمازِ عشاء کی تکبیر ہوئی اور لوگوں نے نمازِ عشاء ادا کی)۔ نماز سے فارغ ہوکر حضور ﷺ لیٹ گئے اور فجر تک آرام فرمایا۔ بیدار ہوکر آپ نے اوّل وقت باجماعت فجر کی نماز پڑھی۔ یہ ہفتہ کا دن اور ذوالحجہ کی دسویں تاریخ تھی۔ یہی یوم النَّحر اور عید الاضحیٰ کا دن ہے۔

نمازِ فجر کے بعد حضور ﷺ قصواء پر سوار ہوکر مشعرِ حرام تشریف لائے اور قبلہ رُو ہوکر دعا، تکبیر و تہلیل اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوگئے جب فضا خوب سفید (روشن) ہوگئی تو حضور ﷺ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے سورج طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ سے کوچ کر دیا۔ اس وقت آپؐ نے اپنی سواری پر حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا۔

جمرۂ کُبریٰ کے پاس تشریف آوری:

مزدلفہ سے چلتے وقت آپ کا رُخ مِنیٰ کی طرف تھا۔ آپ تلبیہ بھی پکارتے جاتے تھے اور دائیں بائیں سے جو لوگ حج کے مسائل دریافت کرتے تھے ان کو جواب بھی دیتے جاتے تھے۔ جب آپ وادیِ مُحسّر میں پہنچے تو اپنی اونٹنی کو تیز تیز چلانا شروع کر دیا (اس لیے کہ اس وادی میں اصحابِ فیل پر عذاب نازل ہوا تھا) یہاں سے آپ نے درمیانی راہ اختیار فرمائی جو جمرۂ کبریٰ پر جا نکلتی ہے۔ (جمرۂ کبریٰ کو جمرۃ العقبہ اور جمرۂ اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔) جمرۂ کُبریٰ کے قریب پہنچ کر (یا اثنائے راہ میں) آپؐ نے حضرت ابنِ عباسؓ کو جو اس وقت کمسن تھے، حکم دیا کہ مجھے سات کنکریاں چُن کر دو۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔

حضور ﷺ نے جمرۂ کُبریٰ کو کنکریاں ماریں:

جس وقت حضور ﷺ جمرۂ کبریٰ کے قریب پہنچے سورج طلوع ہو چکا تھا اور یہ چاشت کا وقت تھا۔ آپؐ کی سواری وادی کے نشیب میں کھڑی تھی۔ کعبہ آپؐ کی بائیں جانب اور مِنیٰ دنی جانب تھا۔ آپؐ نے سواری پر بیٹھے بیٹھے ہی جمرۂ کبریٰ کو سات کنکریاں ماریں ہر کنکری مارتے وقت آپ ''اللہ اکبر'' کہتے تھے۔ کنکریاں مارنے کی ابتدا ہی میں آپ نے تلبیہ پکارنا موقوف کر دیا۔ اس موقع پر آپؐ نے لوگوں سے یہ بھی فرمایا کہ دین میں غلُو اور مبالغہ سے اجتناب کرو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے تباہ ہوئی ہیں۔ آپؐ نے لوگوں کو یہ تلقین بھی فرمائی ''مجھ سے حج کے مناسک اور مسائل سیکھ لو کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ اس حج کے بعد میں حج کر سکوں گا۔''

مِنیٰ میں رسولِ پاک ﷺ کا عظیم الشان خطبہ:

رمی جمار (شیطان کو کنکریاں مارنے کے علامتی عمل) کے بعد رحمتِ عالم ﷺ مِنیٰ کے میدان میں تشریف لائے۔ آپؐ کے دائیں بائیں آگے پیچھے ایک لاکھ سے اوپر مسلمانوں کا مجمع تھا۔ حضرت بلال اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہما آپؐ کے ساتھ تھے۔ حضرت بلالؓ نے آپ کی سواری کی لگام پکڑ رکھی تھی اور حضرت اُسامہؓ آپ کو دھوپ سے بچانے کے لیے کپڑا تانے ہوئے تھے حضور ﷺ نے اس عظیم الشان مجمع کے سامنے میدانِ عرفات کے خطبے کی طرح ایک بلیغ خطبہ دیا، ۱۰ ذوالحجہ کے اس خطبے میں بھی آپؐ نے کل (نو ذوالحجہ) کے خطبے کی بیشتر باتیں دہرائیں۔ (ان ارشادات کی تفصیل آگے آ رہی ہے)۔

قربانی اور حلق (سر مُنڈوانا):

خطبہ کے بعد حضور ﷺ مِنیٰ میں ''مَنحر'' (قربانی کے مقام یا قربان گاہ) کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا کہ قربانی مِنیٰ میں اس جگہ ہی کرنا ضروری نہیں بلکہ یہ سارے مِنیٰ میں ہر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جگہ اور مکّہ کی ایک ایک گلی میں ہوسکتی ہے۔ حضور ﷺ کے ساتھ قربانی کے سَو اونٹ تھے۔ ان میں سے تریسٹھ تو آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے نحر (ذبح) کیے اور باقی ۳۷ حضرت علی رضی اللہ عنہُ کے سپرد کردیے کہ وہ ذبح کریں۔ مزید دو چتکبرے مینڈھے بھی حضور ﷺ نے ذبح فرمائے۔ قربانی سے فارغ ہوکر حضور ﷺ نے حجام (حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ) کو بلوایا اور سرِ اقدس کے بال منڈوائے۔ اپنے موئے مبارک میں سے کچھ (یا آدھے) حضور ﷺ نے حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اُن کی اہلیہ حضرت اُمِ سُلَیم رضی اللہ عنہا اور بعض دوسرے اصحاب کو جو قریب بیٹھے تھے، عنایت فرمائے اور باقی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہُ نے ایک ایک دو دو کرکے دوسرے مسلمانوں میں تقسیم کردیے۔

طوافِ افاضہ:

بعد ازاں حضور ﷺ سوار ہوکر مکّہ معظمہ تشریف لے گئے اور بیت اللہ کا طواف فرمایا۔ اس کو طوافِ افاضہ یا طوافِ زیارت کہا جاتا ہے۔ طواف کے بعد آپ چاہِ زمزم کے پاس آئے اور کھڑے کھڑے قبلہ رخ ہوکر آبِ زم زم نوش فرمایا پھر اُسی روز مِنٰی واپس تشریف لائے اور ۱۳ ذوالحجہ زوال کے وقت تک آپؐ مِنٰی ہی میں مقیم رہے یہ تین دن ۱۱۔۱۲۔۱۳ ذوالحجہ ایامِ تشریق کہلاتے ہیں۔

ایامِ تشریق کی مصروفیات:

ایامِ تشریق میں حضور ﷺ ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کے لیے تشریف لے جاتے اور تینوں جمرات پر کنکریاں مار کر واپس اپنی قیام گاہ پر آتے۔ قریبی جمرہ (جو مِنٰی کی جانب ہے) سے آپ رمی جمار کی ابتدا کرتے۔ کنکریاں مارنے کے بعد دیر تک دعا میں مشغول رہتے پھر درمیانی جمرہ کے پاس آتے کنکریاں مارتے اور دیر تک دعا کرتے رہتے آخر میں جمرۂ کُبریٰ کو کنکریاں مار کر (بغیر وقوف اور دعا کے) چلے آتے۔ ہر کنکری مارتے وقت آپ ''اللہ اکبر'' کہتے۔

سُنَنِ ابی داوٗد میں ہے کہ حضور ﷺ نے ۱۲ ذوالحجہ کو بھی مِنٰی میں ایک خطبہ دیا جو یوم النَّحر (۱۰ ذوالحجہ) کے خطبے جیسا تھا یعنی اس کے الفاظ مختصراً وہی تھے جو یوم النحر کے خطبے کے تھے۔ (تفصیل آگے آرہی ہے)

۱۳ ذوالحجہ منگل کے روز حضور ﷺ نے زوال کے بعد مِنٰی سے کوچ فرمایا۔ یہ دن یوم النَّفر کہلاتا ہے۔

طوافِ وداع:

مِنٰی سے چل کر حضور ﷺ نے وادیٔ محصّب میں قیام فرمایا۔ وہیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں۔ رات کو اسی مقام پر آرام فرمایا۔ پچھلے پہر بیدار ہوکر مکّہ معظمہ تشریف لے گئے اور بیت اللہ کا طواف کرکے نمازِ فجر حرم شریف میں ادا کی۔ حضور ﷺ کے اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طواف کو ''طواف وداع'' کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ شہر کے زیریں جانب سے واپس تشریف لائے اور حجّاج کو اپنے اپنے مقامات کی طرف جانے کی ہدایت فرمائی۔ آپؐ خود مہاجرین اور انصار کے ساتھ عازمِ مدینہ ہو گئے۔ یہ ۱۴ ذوالحجہ بدھ کا دن تھا۔

محسنِ انسانیت ﷺ کے تین خطبے:

تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم میں رسولِ اکرم ﷺ کے خطبۂ حجۃ الوداع کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ فی الحقیقت یہ خطبہ مِلّتِ اسلامیہ اور عالمِ انسانیت کے لیے اَبَدُ الآباد تک منارۂ نور، عدل و مساوات اور امن و سلامتی کے لازوال اَبدی اصولوں پر مبنی ایک عظیم الشان دستورِ حیات ہے۔ محشر رسول نگریؒ نے حضور ﷺ کے اس آخری خطاب کے بارے میں کیا خوب کہا ہے: ؎

گونجا فضائے دہر میں وہ آخری خطاب
ہر دَور کے لیے ہے جو عنوانِ انقلاب
ایک ایک حرف جس کا ہے انسانیت کا باب
ملتی ہے جس سے گوہرِ ہستی کو آب و تاب
جو ظلمتِ حیات میں قندیلِ نور ہے
جو نغمۂ زبور ہے جو شمعِ طور ہے

حضور ﷺ نے ۹ ذوالحجہ ۱۰ ہجری (یومِ عرفہ) کو میدانِ عرفات میں جو خطبہ دیا اکثر اربابِ سِیَر نے اسے ہی ''خطبۂ حجۃ الوداع'' کا نام دیا ہے لیکن کتب حدیث و سِیَر میں حجۃ الوداع کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں تین خطبے دیے پہلا خطبہ ۹ ذوالحجہ یومِ عرفہ کو دوسرا خطبہ ۱۰ ذوالحجہ یوم النحر کو اور تیسرا خطبہ ۱۲ ذوالحجہ (وسطِ ایامِ تشریق) کو۔ ابنِ اسحاقؒ نے تینوں خطبوں میں حضور ﷺ کے ارشادات کو مسلسل خطبہ کے طور پر نقل کیا ہے لیکن مختلف کُتبِ سِیَر میں ''خطبۂ حجۃ الوداع'' کے عنوان کے تحت جو خطبہ نقل کیا گیا ہے اس میں یکسانی نہیں پائی جاتی۔ ایک کتاب میں نقل کیے گئے خطبے کی بعض شقیں دوسری کتاب میں نقل کی گئی بعض شقوں سے مطابقت نہیں رکھتیں اور بعض ایسی ہیں جو ایک کتاب میں موجود ہیں دوسری میں نہیں۔ صورتِ واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ خطبے کے تمام جملے یا ٹکڑے کسی ایک حدیث میں یکجا بیان نہیں ہوئے بلکہ ان کو مختلف ماخذوں سے جمع کر کے ایک خطبے کی شکل دے دی گئی ہے اس کو تینوں خطبوں کا مجموعہ یا خلاصہ سمجھنا چاہیے۔ بلاشبہ یومِ عرفہ کے خطبے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ حضور ﷺ نے اس خطبے میں اپنے ارشادات کو دوسرے اور تیسرے خطبے میں دہرانے کے علاوہ بعض دوسرے امور کے بارے میں دوسرے اور تیسرے خطبے میں کچھ جملوں کا اضافہ بھی فرمایا۔ نامور محقق اور سیرت نگار علامہ سیّد سلیمان ندویؒ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے خطبۂ حجۃ الوداع کا تجزیہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ (یومِ عرفہ کا) خطبہ حضرت ابنِ عباسؓ، حضرت ابنِ عمرؓ، حضرت ابو اُمامہؓ باہلی، حضرت جابرؓ، حضرت ابو بکرہؓ وغیرہ صحابہ کی روایتوں سے مذکور ہے ان روایتوں میں بعض باتیں مشترک ہیں اور بعض باتیں الگ ہیں۔ مغازی و سِیَر کی کتابوں میں کچھ اور باتیں بھی مذکور ہیں اصل یہ ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ تھا، ہر ایک شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا اُس کی اس نے روایت کر دی.......... روایتوں میں ایک اور اختلاف ہے، حضرت جابرؓ اپنی روایت میں اور ایک روایت میں حضرت ابنِ عباسؓ خطبہ کا دن یومِ عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ اور حضرت ابو بکرہؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ دوسری روایتوں میں یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ بتاتے ہیں۔ بعض روایتیں ایام التشریق کے خطبہ کی ہیں۔ ابنِ اسحاقؒ نے اس کو مسلسل خطبہ کے طور پر نقل کیا ہے۔ ابنِ ماجہ، ترمذی اور مُسندِ احمد میں خطبۂ حجۃ الوداع کے چند فقرے منقول ہیں جن میں یہ تصریح نہیں کہ کس تاریخ کے خطبے میں آپؐ نے یہ فرمایا۔ بہرحال صحاح ستہ اور مسانید کی تمام روایات کو یکجا کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس حج میں تین دفعہ خطبہ دیا ۹ ذی الحجہ یومِ عرفہ کو، ۱۰ ذی الحجہ یوم النحر کو اور تیسرا خطبہ ایام التشریق میں ۱۱ یا ۱۲ ذی الحجہ کو۔ ان خطبوں میں اصولی طور پر بعض باتیں مشترک ہیں اور بعض مختص المقام ہیں۔ یہ بہت ممکن ہے جیسا کہ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ چونکہ مجمع بہت بڑا تھا اور آپؐ جو پیغام اپنی اُمّت کو پہنچانا چاہتے تھے، وہ نہایت اہم تھا اس لیے آپؐ نے اپنی تقریر کے بعض بعض فقرے مکرّر اعادہ فرمائے۔

(سیرۃ النبی حصہ دوم حاشیہ صفحہ ۱۵۴۔۱۵۵)

ہم یہاں خطبۂ حجۃ الوداع کا جو متن دے رہے ہیں اسے مذکورہ بالا تینوں خطبوں کا خلاصہ یا عطر سمجھنا چاہیے۔ اس کی شِقوں (یا پیروں اور ٹکڑوں) کو مختلف روایتوں کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ قارئین اپنی تحقیق کے مطابق ان کو آگے پیچھے کر سکتے ہیں ہمارے نزدیک یہ ترتیب (بلکہ بیشتر دوسری کتابوں کی ترتیب بھی) حرفِ آخر کی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس خطبے کے مختلف اجزا کے مآخذ یہ ہیں۔

صحیح بخاری باب الخطبہ ایامِ منیٰ ج ۱ ص ۲۳۴ (طبع دِلّی بھارت) صحیح مسلم باب حجۃ النبیؐ ج ۱ ص ۳۹۴ طبع نور محمد کراچی۔ سُنَنِ ابی داؤد باب صفۃ حجۃ النبیؐ ج ۱ ص ۲۶۲ طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔ سیرت ابنِ ہشام ج ۴ ص ۲۵۳، طبقات ابنِ سعد ج ۲ ص ۱۷۲ (طبع بیروت) سیرۃ النبیؐ علامہ شبلیؒ و سیّد سلیمان ندویؒ ج ۲ ص ۱۵۴ تا ۱۵۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خطبہ حجۃ الوداع
(انسانیت کا منشورِ اعظم)

اس خطبے کو خطبۂ حجۃ الکمال، حجۃ الاسلام، حجۃ البلاغ اور حجۃ التمام کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

محسنِ انسانیت خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ نے خطبے کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے فرمایا (اس بات پر سب کا اتفاق ہے البتہ مختلف روایات میں حمد وثنا کے الفاظ مختلف ہیں) خطبہ دیتے وقت حضور ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے حمد وثنا کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا:

(۱) ''لوگو! میری بات سنو۔ کیونکہ میں نہیں جانتا شاید کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے بہت سے خاندان اور قبیلے اس لیے بنائے ہیں کہ ان سے ایک دوسرے کا تعارف ہو۔ بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم سب میں عزت دار وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ شعار و پرہیزگار ہو۔ اس لیے کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ اسی طرح کسی کالے کو گورے پر، اور گورے کو کالے پر، کوئی فضیلت نہیں، بجز تقویٰ کے۔ لوگو! بے شک تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ اے قبیلۂ قریش! ایسا نہ ہو کہ قیامت میں تم دنیا کا بوجھ سمیٹ کر اپنی گردنوں پر لادے ہوئے آؤ اور دوسرے لوگ آخرت کا سامان لائیں۔ اگر ایسا کیا تو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکوں گا۔

(۲) اے لوگو! تمہاری جانیں اور تمہارے مال ایک دوسرے کے لیے قیامت تک ایسے ہی قابلِ احترام ہیں۔ جیسے کہ اِس دن اور اِس مہینے (ذی الحجہ) کا احترام اِس شہر میں ہے۔

(۳) اور یقیناً تم سب عنقریب اپنے رب سے ملو گے۔ تو تمہارا رب تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا اور میں نے یہ بات تمہیں پہنچا دی ہے۔ تو جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہو اس پر لازم ہے کہ وہ امانت والے کو پہنچا دے۔

(۴) خبردار! مجرم اپنے جرم کا ذمے دار آپ ہے۔ خبردار! باپ کے جرم کا ذمے دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔

(۵) اگر کوئی نکٹا اور کن کٹا حبشی غلام بھی تمہارے اوپر امیر مقرر کر دیا جائے اور وہ تمہیں اللہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کتاب کے مطابق لے چلے، تو تم اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔

(۶) اے بنی آدم! اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے ہر حقدار کا حق رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کے لیے میراث کا حصہ مقرر فرما دیا ہے اب کسی وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں (یعنی اب کوئی شخص اپنے وارث کے لیے میراث کے معاملہ میں کوئی وصیت نہ کرے، ورثاء کو ان کے مقررہ حصۂ شرعی کے مطابق حصّہ ملے گا) اور (کسی شخص کے لیے کسی غیر وارث کے حق میں) اپنے تہائی مال کی مقدار سے زائد کی وصیت جائز نہیں۔

(۷) لوگو! آج کونسا دن ہے؟ تمام حاضرین نے جواب دیا، یومِ محترم، پھر آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسا شہر ہے؟ سب نے کہا بلدِ محترم، اس کے بعد آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسا مہینہ ہے؟ سب نے کہا کہ یہ ماہِ محترم ہے، آپؐ نے فرمایا: بلاشبہ تمہارے خون اور تمہارے مال، تمہاری عزتیں، تمہارے ابدان اور تمہاری اولاد باہم ایک دوسرے کے لیے محترم ہیں یہاں تک کہ تم اپنے رَبّ سے جا ملو اسی طرح جیسے تمہارا آج کا دن تمہارے اس مہینہ میں، تمہارے اس شہر میں واجب الاحترام ہے بلاشبہ تم عنقریب اپنے رَبّ سے جا ملو گے پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں باز پرس کرے گا سنو! میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا (راوی کہتے ہیں کہ) ہم نے جواباً عرض کیا، ہاں پہنچا دیا، آپؐ نے فرمایا: اے اللہ گواہ رہ۔

(۸) جس شخص کے پاس کسی کی کوئی امانت ہو اُسے چاہیے کہ اس کی امانت ادا کرے، قرض ادا کیا جائے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے، دُودھ کے لیے ہدیۃً لی ہوئی اُونٹنی دُودھ سے استفادہ کے بعد واپس لوٹائی جائے، اور ضامن ضمانت کا ذمہ دار ہے۔

(۹) لوگو! بے شک دَورِ جاہلیّت کے سارے امتیازات (فضیلت و برتری کے سارے دعوے) ختم کر دیے گئے ہیں بجز بیت اللہ کی تولیّت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کے۔ اُس زمانے کے خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام (قِصاص) اب کالعدم ہیں۔ پہلا خون (قِصاص) جسے میں معاف کرتا ہوں (کالعدم قرار دیتا ہوں) وہ میرے اپنے خاندان کا ہے، ربیعہ بن الحارث کے شیر خوار بیٹے کا خون [۱] .... بے شک زمانۂ جاہلیت کا سُود (ربوٰ) اب ختم کر دیا گیا ہے البتہ تمہیں قرض کے اصل سرمائے کی بازیابی کا حق ہے۔ سب سے پہلا سود جو میں چھوڑتا ہوں وہ میرے چچا عباس بن عبد المطلب کو سابقہ واجب الادا سود ہے۔ اب یہ ختم ہو گیا۔

---

[۱] ربیعہ بن حارث (بن عبد المطلب بن ہاشم) کے بیٹے آدم کو شرفائے مکّہ کے دستور کے مطابق دودھ پلانے کے لیے قبیلہ ہذیل کے سپرد کیا گیا تھا۔ ننھا آدم بن ربیعہ ایک دن گھر کے سامنے بیٹھا تھا کہ بنولیث کے ایک آدمی نے اس کو پتھر مارا جس سے وہ جاں بحق ہو گیا۔ یہی وہ پہلا خون تھا جس کا قصاص حضور ﷺ نے معاف فرما دیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۹ ص ۶۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۰) لوگو! امن کے مہینہ کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرنا ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں کہ ایک سال تو اُس (مہینے) کو حلال سمجھ لیتے ہیں، اور دوسرے سال حرام، تاکہ ادب کے مہینوں کی جو خدا نے مقرر کیے ہیں گنتی پوری کر لیں، پس اس طرح جسے خدا نے حرام کیا ہے اس کو حلال کرتے ہیں اور جسے اللہ نے حلال کیا ہے اُسے حرام کر لیتے ہیں (چنانچہ) وہ ایک سال ماہِ صفر کو حلال کر لیتے ہیں (اور دوسرے سال حرام) اور ماہِ مُحرّم کو ایک سال حرام سمجھتے ہیں (اور دوسرے سال حلال)۔

(۱۱) زمانہ چکر کاٹ کر اسی ہیئت پر آ گیا ہے جس ہیئت پر کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق کے دن بنایا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے (جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہے) آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت سے، ان میں سے چار مہینے محترم ہیں، تین یکے بعد دیگرے ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور مُحرّم ہیں، اور ایک الگ رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان میں ہے، یہی دینِ قیم ہے، پس آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو، سنو! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

(۱۲) دیکھو، کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ تم آپس ہی میں کُشت وخُون کرنے لگو۔ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔

(۱۳) شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقّع نہیں رہ گئی ہے کہ اَب اُس کی اِس شہر میں عبادت کی جائے گی۔ لیکن اِس کا اِمکان ہے کہ اَیسے مُعاملات میں جنہیں تُم کم اہمیت دیتے ہو، اُس کی بات مان لی جائے اور وہ اِسی پر راضی ہے۔ اس لیے تم اس سے اپنے دِین و ایمان کی حفاظت کرنا۔

(۱۴) اے لوگو! تمہاری بیویوں کا تمہارے ذِمّہ حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے، تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمہارا فرش تمہارے غیر سے نہ رندوائیں بالخصوص جن کو تم بُرا سمجھتے ہو (یہ قید اضافی ہے) اور کسی ایسے شخص کو تمہارے گھر میں داخل نہ ہونے دیں، جس کو تم ناگوار سمجھتے ہو، اِلّا یہ کہ تمہاری اجازت ہو، اور وہ کوئی کھلی بے حیائی کی بات نہ کریں، اور کسی امرِ خیر میں نافرمانی نہ کریں، پس اگر تمہیں ان کی طرف سے سرکشی کا خوف ہو تو اللہ رَبُّ العزّت کی طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ ان کو نصیحت کرو، اور مجبور کرو، اور ان کی خوابگاہوں سے علیحدگی اختیار کر لو، اور انہیں مارو، ایسی مار جو شدید نہ ہو، کہ جس سے نشان پڑ جائے، پھر اگر وہ (کسی مرحلہ میں) باز آ جائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں، تو وہ شرعی قاعدہ کے مطابق نان ونفقہ کی حقدار ہیں۔

(۱۵) بلاشبہ عورتیں تمہارے پاس مقید ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لیے کسی چیز پر قادر نہیں، (یعنی محکوم ہیں) اور بلاشبہ تم نے ان کو بامان اللہ حاصل کیا ہے (یعنی حق تعالیٰ کا ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے عہد امان ہے) اور ان کو اپنے اوپر خدا کے کلمات (احکام) کے ساتھ حلال کیا ہے، لہٰذا خواتین کے باب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو۔ (یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو)

(۱۶) اے لوگو! نہ میرے بعد کوئی نبی ہے نہ تمہارے بعد کوئی دوسری اُمّت۔

(۱۷) خبردار! تم اپنے رَبّ کی عبادت کرتے رہو۔ پانچ نمازوں کی پابندی کرو اور اپنے ماہِ رمضان کے روزے رکھو اور اپنے اموال کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ ادا کرو اور اپنے رَبّ کے ''بیت'' کا حج کرو اور اپنے اُمرا کی اطاعت کرو تو اپنے رَبّ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(۱۸) لوگو! میری بات سنو، بلاشبہ میں نے پیغام رسانی کا فرض ادا کر دیا، اسے سمجھو تا کہ تم جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں، کسی شخص کے لیے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں ہے اِلاّ یہ کہ وہ خوش دلی سے اس کو کچھ دے دے، خبردار! کسی عورت کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دیدے، سُنو! کیا میں نے پیغام پہنچا نہیں دیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

(۱۹) اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو خُود کھاتے ہو۔ ایسا ہی پہناؤ جیسا تم خود پہنتے ہو۔

(۲۰) سُنو! جس نے نفرت کے باعث اپنے باپ کے علاوہ کسی اور شخص کی جانب خود کو منسوب کیا (یعنی قومی نسبت تبدیل کی) یا کسی غلام نے اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کو اپنا آقا بنایا، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ اس سے کوئی فدیہ قبول نہیں فرمائے گا۔

(۲۱) اور مؤمن کی ذات (جان و مال) مومن پر حرام ہے جیسے اس دن کی حُرمت، اس پر اس کا گوشت حرام ہے کہ وہ جسے غیبت کے ذریعہ کھاتا ہے، اور مومن کی عزت اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو خراب کرے، اور مومن کا چہرہ اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو طمانچہ مارے، اور مومن کی ایذاء اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو ایذاء دے، اور حرام ہے اس پر کہ وہ مومن کو تکلیف رسانی کے لیے اس کو دھکا دے۔

(۲۲) میں تم کو آگاہ کرتا ہوں، مسلمان کون ہے؟ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ ہیں، میں تم کو خبر دیتا ہوں مؤمن کون ہے؟ مؤمن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کے باب میں مامون رہیں، اور میں تم کو بتاتا ہوں، مُہاجر کون ہے؟ مہاجر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ بُرائیوں کو ترک کر دے، اور مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی اطاعت کی راہ میں اپنے نفس سے جہاد کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴۳) اللہ تعالیٰ کے ذِمہ ڈال کر قسمیں نہ کھاؤ (مثلاً یہ کہ قسم ہے اللہ کی وہ ضرور فلاں کام کرے گا) اس لیے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ذِمہ قسم کھائی اللہ تعالیٰ اس کا جھوٹ ظاہر کر دے گا۔

(۴۴) میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہوسکو گے، اگر اس پر قائم رہے اور وہ اللہ کی کتاب ہے اور ہاں، دیکھو، دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انہی باتوں کے سبب ہلاک کر دیے گئے۔

آخر میں حضور ﷺ نے لوگوں کو ہدایت فرمائی:

> ''سنو! جولوگ یہاں موجود ہیں یہ احکام اور یہ باتیں اُن لوگوں کو بتائیں جو یہاں نہیں۔ ہوسکتا ہے کوئی موجود نہ ہونے والا تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔''

اس کے بعد آپؐ نے لوگوں سے پوچھا:

> ''اور (لوگو!) تم سے میرے بارے میں (اللہ کے ہاں) سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟''
>
> لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اِس بات کی شہادت دیں گے کہ آپؐ نے امانتِ دین پہنچادی اورآپؐ نے حقِ رسالت ادا کر دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔''

یہ سن کر حضور ﷺ نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی جانب اٹھائی اورلوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> ''اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا۔''

غدیرِخُم کا خطبہ:

حجۃ الوداع کے بعد مدینہ منوّرہ کے واپسی سفر میں ۱۸ ذی الحجہ (اتوار) کو رسولِ اکرم ﷺ غدیرِخم کے مقام پر پہنچے تو حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق وہاں آپ نے اپنے ہم رِکاب صحابہ کے سامنے ایک ''اہم'' خطبہ دیا۔ [۱] (المرتضیٰ ص ۸۸)

صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہُ سے روایت ہے کہ اس خطبہ میں

---

[۱] علامہ شبلی نعمانیؒ کا بیان ہے کہ مکّہ معظمہ سے مدینہ منورہ واپس جاتے ہوئے حضور ﷺ کے راستے میں ایک مقام خُم پڑا جو جُحفہ سے تین میل پر ہے۔ یہاں ایک تالاب ہے۔ عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور اس لیے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیرِخم آتا ہے۔ (سیرۃ النبیؐ حصہ دوم ص ۱۶۸۔۱۶۷)

یہاں یہ وضاحت کرنا بے محل نہ ہوگا کہ جُحفہ (الجُحفہ) مکّہ معظمہ سے ۱۷۳ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے وہاں سے خُم یا غدیرِخُم کا فاصلہ باختلافِ روایت تقریباً چار یا پانچ کلومیٹر تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی پھر وعظ و نصیحت کی اس کے بعد فرمایا:

"اے لوگو! میں بھی بشر ہوں شاید میرے پاس میرے رَبّ کا قاصد جلد آجائے (اجل کا پیغام لے کر) اور مجھے قبول کرنا پڑے میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے اس میں ہدایت اور نور ہے۔ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اسی سے دلیل لیا کرو۔ دوسری چیز میرے اہلِ بیت ہیں میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔"

آخری جملے کو حضور ﷺ نے تین دفعہ مکرّر فرمایا۔ صحیح مسلم کے اتنے ہی الفاظ ہیں لیکن مُسندِ احمد، نسائی، ترمذی اور بعض دوسری کُتب حدیث میں خطبے میں کچھ اور جملے بھی ہیں جن میں یہ جملہ مشترک ہے:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ۔[1]

"جس کو میں محبوب ہوں علی بھی اس کو محبوب ہونا چاہیے اے اللہ جو علی سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔"

اس خطبے میں حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے بارے میں بطورِ خاص جو کچھ ارشاد فرمایا، اربابِ سِیَر نے اسکا پس منظر یہ بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے کچھ عرصہ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو یمن بھیجا تھا جہاں سے انہوں نے اپنے بہت سے ساتھیوں کے ہمراہ مکّہ آ کر حضور ﷺ کی معیّت میں حج کیا بعض اصحاب جو اُن کے ساتھ یمن گئے تھے (اور پھر ان کے ساتھ حج کے لیے مکّہ آئے) انہوں نے ایک خاص واقعہ (یا بعض امور) کے بارے میں حضرت علیؓ کے طرزِ عمل کو پسند نہیں کیا اور ان سے کبیدہ خاطر ہوگئے۔ واپس آ کر انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف حضور ﷺ سے شکایت کی۔ چونکہ ان کی شکایت غلط فہمی پر مبنی تھی اس لیے یہ بے جا شکایت سن کر حضور ﷺ کا چہرۂ مبارک متغیر ہوگیا اور آپؐ نے حضرت علیؓ کے بارے میں مذکورہ

---

[1] اس جملے سے پہلے حضور ﷺ کے جو ارشادات مختلف کتابوں میں نقل ہوئے ہیں وہ عام طور پر اس نوع کے ہیں۔ "اے لوگو! بے شک اللہ میرا مولیٰ ہے اور میں مومنین کا مولیٰ ہوں اور ان کے لیے ان کی اپنی ذاتوں سے اولیٰ ہوں (تو جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کا مولیٰ ہے......) (اصح السیر بحوالہ طبرانی ص ۴۹۷) ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ میں مومنین کے لیے ان کی اپنی ذاتوں سے اولیٰ ہوں سب نے کہا، ہاں۔ پھر فرمایا، کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں ہر مومن کے لیے اس کے اپنے نفس سے اولیٰ ہوں سب نے کہا، ہاں تب آپؐ نے فرمایا (اے اللہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے......) (اَصَحُّ السِّیَر بحوالہ مُسندِ احمد ص ۴۹۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملے ارشاد فرمائے۔ (السیرۃ النبویہ ابنِ کثیر ج ۴ ص ۴۱۵۔۴۱۶)

جو اصحاب حضرت علی رضی اللہ عنہُ سے خفا ہو گئے تھے ان میں مشہور صحابی حضرت بُرَیدَہ بن حُصَیب اسلمیؓ بھی تھے انہوں نے ہی حضرت علیؓ کی شکایت حضور علیہ ﷺ سے کی تھی۔

نامور سیرت نگار قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ اس خطبے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"راہ میں بُریدہ اسلمیؓ نے علیؓ مرتضٰی کی نسبت کچھ شکایات نبی علیہ ﷺ کے سمعِ مبارک تک پہنچائیں۔ شکایات کا تعلق حضرت علیؓ مرتضٰی کے چند افعال سے تھا جو حکومت یمن میں جنابِ مرتضویؓ سے تقسیمِ غنیمت وغیرہ کے متعلق صادر ہوئے تھے۔ درحقیقت شکایت کی بنیاد بریدہؓ کا قصورِ فہم تھا اس لیے رسول اللہ علیہ ﷺ نے خم غدیر پر ایک فصیح خطبہ پڑھا.........اور علی مرتضٰی سلام اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے۔ (رحمۃ للعلمین جلد اوّل ص ۳۱۴)

مدینہ منورہ میں وُرُودِ مسعود:

غدیرِ خم سے چل کر حضور علیہ ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے اور رات وہیں بسر فرمائی۔ وہاں سے مدینہ منورہ کا فاصلہ نو کلومیٹر ہے دن چڑھے حضور علیہ ﷺ ذوالحلیفہ سے سوئے طیبہ روانہ ہوئے حوالی شہر پر نظر پڑی تو آپؐ نے تین بار "اللہ اکبر" کہا اور پھر یہ الفاظ فرمائے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ o اٰئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ o

ترجمہ "اللہ بزرگ و برتر ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں ساری بادشاہی اسی کی ہے۔ اسی کے لیے مدح و ستائش ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے ہم پلٹ کر آرہے ہیں توبہ کرتے ہوئے ہم عبادت کرنے والے ہیں، ہم سجدے کرنے والے ہیں ہم اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں اللہ نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندے کی مدد کی اور کفار کے تمام لشکروں کو اکیلے شکست دی۔"

پھر آپؐ آگے بڑھ کر شہر میں داخل ہو گئے۔ یہ ذی الحجہ ۱۰ھ ہجری کی پچیس تاریخ تھی۔ (زاد المعاد ج۔۱ ص ۲۴۹)

وفد بنی خثعم:

۱۰ھ ہجری میں انس بن مدرک اور عثعث بن زخر قبیلہ خثعم کے ایک وفد کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم اللہ اور اس کے رسول پر اور جو کچھ اللہ کی طرف سے ان پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں آپؐ ہمیں ایک تحریر لکھ دیں جس میں لکھے ہوئے احکام کی ہم پابندی کریں۔ آنحضور علیہ ﷺ نے ان کے لیے ایسی ہی ایک تحریر لکھوا دی جس پر حضرت جریرؓ بن عبد اللہ بجلی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جو لوگ وہاں موجود تھے انہوں نے گواہی ثبت کی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ تحریر حضرت جریر بن عبداللہ نے لکھی۔ (طبقات ابن سعد ج ا ص ۳۴۸)

اس وفد میں حضرت عُظیمؓ بن حارثؓ، ان کے بھائی سواء بن حارث اور سواءؓ کے بیٹے خزیمہؓ بھی شامل تھے۔ ان تینوں کو بعض واقعات کی بناء پر خاصی شہرت حاصل ہوئی۔ "الا صابہ" (لابنِ حجرؒ) کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عظیمؓ بن حارث نے بارگاہِ نبوی میں حاضری کے وقت، "مرتجز" نامی اپنی سواری کا گھوڑا حضور ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپؐ نے اسے قبول فرمالیا اور اس کے عوض "فرعاء" نامی اپنی اونٹنی ان کو عطا فرمائی۔ اس کے علاوہ آپؐ نے ایک تحریری فرمان کے ذریعے ان کو "فخ" نام [1] کی ایک جاگیر بھی مرحمت فرمائی۔ اس فرمان کا متن یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هٰذا كتاب من مُحَمَّد رسول اللّٰه(ﷺ) لعظيم بن الحارث المحاربي له فخًا لايحاقه فيها احد. (و كتب الارقم)

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ تحریر ہے محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے عُظیم بن الحارث المحاربی کے نام کہ فخ ان کا ہے اس میں کوئی دوسرا اپنا حق نہیں جتائے گا۔ (کاتب ارقم)

سواءؓ بن حارث وہی صاحب ہیں جو قبولِ اسلام سے پہلے ایک دفعہ مدینہ منورہ آئے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ سے ایک گھوڑے کا سودا کیا تھا اور بعد میں اس سودے سے پھر گئے تھے پھر حضرت خزیمہؓ بن ثابت نے (سودے کے موقع پر موجود نہ ہونے کے باوجود) حضور ﷺ کے حق میں گواہی دی تھی (اس بناء پر کہ رسول اللہ ﷺ جو فرماتے ہیں حق فرماتے ہیں) چنانچہ اس واقعہ کے بعد حضرت خزیمہؓ کی شہادت دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دی گئی۔

حضرت سواءؓ کے بیٹے حضرت خزیمہؓ حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو آپؐ نے از راہِ شفقت اپنا دستِ مبارک ان کے چہرے پر پھیرا اس کے ساتھ ہی ان کا چہرہ نور سے چمکنے لگا (سفید روشن ہوگیا)۔

یہ وفد مدینہ منورہ سے چلنے لگا تو رحمتِ عالم ﷺ نے معمول کے مطابق اس کے ارا کین کو بہت کچھ دے دلا کر رخصت کیا۔ (طبقات ابنِ سعد۔ الاصابہ۔ مکاتیب النبیؐ وغیرہ)

---

[1] "فخ" پانی کا ایک تالاب یا چشمہ تھا۔ بعض نے اس کا نام "فج" لکھا ہے صحیح یہی ہے کہ اس کا نام فخ تھا جیسا کہ علامہ ابنِ اثیرؒ، یاقوت الحموی، حافظ ابنِ کثیرؒ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفدِ بنی محارب:

۱۰ھ ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر دس آدمیوں پر مشتمل بنومحارب کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ آنحضور ﷺ نے انہیں رملہؓ بنتِ حارث کے مکان پر ٹھہرایا اور حضرت بلالؓ کو ان کی خاطر مدارات (مہمانداری) پر مامور فرمایا۔

ایک دن حضور ﷺ نے ظہر سے عصر تک کا وقت ان سے گفتگو کے لیے وقف کر دیا۔ اثنائے گفتگو میں حضور ﷺ نے ایک شخص کی طرف غور سے دیکھا اور فرمایا، میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ وہ بولے، آپ نے بالکل درست فرمایا، آج سے بہت عرصہ پہلے آپ بازارِ عُکاظ میں تشریف لائے تھے۔ آپ نے مجھے وہاں دیکھا تھا اور مجھ سے بات بھی کی تھی۔ میں نے آپ کو نہایت گستاخانہ جواب دیا تھا۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔ "ہاں ٹھیک ہے ٹھیک ہے مجھے یاد آ گیا۔"

ان صاحب نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! اس دن مجھ سے زیادہ بدبخت کوئی نہ تھا، میں نے سب سے بڑھ چڑھ کر آپ کی مخالفت کی تھی۔ میرے سب ساتھی تو اپنے آبائی مذہب پر مر گئے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اب تک زندہ رکھا اور اسلام قبول کرنے کی سعادت بخشی۔"

حضور ﷺ نے فرمایا۔ "سب کے دل اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔"

انہوں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! میری گزشتہ لغزشوں کی معافی کے لیے دعا فرمایئے۔"

آپؐ نے فرمایا: "اسلام لاتے ہی وہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو حالتِ کفر میں سرزد ہوئے ہوں۔"

ان صاحب کے علاوہ اس وفد کے دوسرے ارکان نے بھی نہایت خلوص اور ذوق وشوق سے اسلام قبول کیا اور بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کیا کہ ہم اپنے قبیلے کے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے بھی نمایندہ ہیں۔ (زادالمعاد ج ۳ ص ۶۶۳۔ اصح السیر ص ۴۴۵-۴۴۴)

وفدِ بنی غسّان:

۱۰ھ ہجری میں غسان کا ایک سہ رکنی وفد حاضرِ خدمت ہوا۔ حضور ﷺ نے انہیں عطیات وتحائف سے نوازا اور یہ لوگ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو کر واپس گئے۔ ان اصحاب نے شام واپس جا کر اپنی قوم سے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا کیونکہ وہ نشۂ حکومت میں مست تھی۔ یہ تینوں نیک بخت آخری دم تک اسلام پر قائم رہے۔ (طبقات ابنِ سعد، بذل القوۃ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفدِ بنی خولان:

شعبان ۱۰ھ ہجری میں بنی خولان کے دس (بروایتِ دیگر پندرہ) مسلمان بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم خدا اور رسول کے اطاعت گزار ہیں اور طویل سفر طے کر کے محض حضور ﷺ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ زَارَنِیْ بِالْمَدِیْنَةِ کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ O

ترجمہ: ''جس نے مدینہ آکر میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرا ہمسایہ ہوگا۔''

اس قبیلہ کے لوگ ''عم انس'' نامی ایک بت کی پرستش کیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے پوچھا ''تم نے عم انس کا کیا کیا۔'' انہوں نے عرض کیا، ''یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں اور اس کی پرستش ترک کر دی ہے۔ البتہ چند بوڑھے لوگ ابھی تک اس کی پوجا کیے جاتے ہیں۔'' پھر انہوں نے جاہلیت کے زمانے کے چند واقعات سنائے کہ وہ کس طرح ''عم انس'' پر چڑھاوے چڑھاتے تھے اور خود بھوکے ننگے رہ کر ہر چیز سے اس کا حصہ نکالتے تھے۔

حضور ﷺ نے ان لوگوں کو فرائضِ دین سکھائے اور بطور خاص یہ نصیحتیں فرمائیں:

(۱) عہد کو پورا کرو۔
(۲) امانت میں خیانت نہ کرو۔
(۳) پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرو۔
(۴) کسی شخص پر ظلم نہ کرو کیونکہ قیامت کا دن ظالم کے لیے اندھیری رات ثابت ہوگا۔

(تاج العروس۔ طبقات ابنِ سعد وغیرہ)

وفدِ سلاماں:

سلاماں کے سات (یا ایک دوسری روایت کے مطابق سترہ) آدمی شوال ۱۰ھ ہجری میں (بروایتِ دیگر ۱۱ھ ہجری) میں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضور ﷺ مسجد سے ایک جنازہ کی طرف جا رہے تھے۔ اہلِ وفد نے کہا ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ'' آپؐ نے فرمایا: ''وعلیکم تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا ''ہم بنو سلاماں کی طرف سے بیعتِ اسلام کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت ثوبانؓ کو ان کے قیام کے بارے میں ہدایت دی۔ نمازِ ظہر کے بعد حضور ﷺ نے مسجد میں وفدِ سلاماں کو شرفِ باریابی بخشا۔

انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا ''یارسول اللہ! افضل ترین عمل کون سا ہے؟''

حضور ﷺ نے فرمایا! ''پابندیٔ وقت سے نماز ادا کرنا۔'' پھر انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! ہمارے ہاں خشک سالی ہے۔ بارش کے لیے دُعا کیجئے۔''

حضور ﷺ نے اسی وقت زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ارشاد فرمائے **اللّٰھم اسقھم الغیث فی دارھم**۔ وفد کے ایک رکن حبیبؓ بن عمرو نے عرض کیا ''یارسول اللہ! اپنے مبارک ہاتھ اٹھا کر دعا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمائیں'' حضور ﷺ مسکرائے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ یہ وفد اپنے وطن واپس گیا تو معلوم ہوا کہ جس دن حضور ﷺ نے دعا کی تھی، اسی دن بارش ہوگئی تھی۔ (زاد المعاد ص ۵۱۱)

وفدِ بنی خُشَین:

صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ ہجری) سے کچھ پہلے بنوخشین میں سے حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہوئے۔ اس کے بعد بیعت رضوان کی سعادت حاصل کی۔ ان کے بعد باختلافِ روایت بنوخشین کا سات یا نو آدمیوں پر مشتمل ایک وفد مدینہ منورہ آیا اور حضرت ابوثعلبہؓ کے ہاں قیام کیا۔ پھر انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام و بیعت حاصل کیا اور اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے۔

(طبقات ابنِ سعد ج ا ص ۳۲۹)

وفدِ بنی بَجِیلہ:

رمضان المبارک ۱۰ھ ہجری میں بنوبجیلہ کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا یہ وفد ایک سو پچاس آدمیوں پر مشتمل تھا اور اس کے قائد حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی تھے۔ جب وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آنحضور ﷺ نے ان سے پوچھا، کیسے آنا ہوا؟

انہوں نے عرض کیا۔ ''اسلام قبول کرنے کے لیے۔

یہ سن کر حضور ﷺ کے روئے انور پر بشاشت پھیل گئی اور آپؐ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی ردائے مبارک بچھا دی۔ پھر صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کرو۔''[1]

اس کے بعد حضرت جریرؓ نے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا اور کہا کہ میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔

حضور ﷺ نے ان سے فرمایا:

''تم ان امور کی گواہی دو گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ نمازیں جو تم پر فرض کی گئی ہیں ان کی پابندی کرو گے، رمضان کے روزے رکھو گے، زکوٰۃ دو گے مسلمانوں کی خیر خواہی کرو گے کہ جو کسی پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا، اور اپنے والی (امیر) کی اطاعت کرو گے خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔''

حضرت جریرؓ نے بلا تامّل عرض کیا۔ ''یارسول اللہ ﷺ! میں ان سب باتوں کا اقرار کرتا ہوں۔'' اس پر حضور ﷺ نے ان سے بیعت لے لی اور اس کے ساتھ ہی وفد کے دوسرے

[1] حضرت جریرؓ اپنے علاقے میں آباد قبیلہ بجیلہ کے سردار تھے۔ ان کے اجداد کسی زمانے میں یمن کے فرمانروا تھے اس لیے ان کی رگوں میں شاہی خون تھا اور وہ اپنے وطن میں بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارکان بھی کلمۂ توحید پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ (طبقات ابنِ سعد، الاصابہ)

مُسندِ احمد بن حنبل میں حضرت جریرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ:

''جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو شہر کے باہر سواری بٹھا کر کپڑوں کے تھیلے سے اپنا حُلّہ نکالا اور اسے پہن کر مسجدِ نبویؐ کی طرف روانہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔

لوگ محبت بھری نظروں سے میری طرف دیکھنے لگے میں نے اپنے قریب کے آدمی سے پوچھا۔

عبداللہ! کیا رسول اللہ ﷺ میرا تذکرہ فرما رہے تھے؟''

انہوں نے کہا:

''ہاں ابھی ابھی نہایت اچھے الفاظ میں تمہارا تذکرہ فرمایا۔ آپ خطبہ دے رہے تھے، اس کے دوران میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس کھڑکی یا دروازے کے راستے تمہارے پاس یمن کا بہترین شخص آئے گا جس کے چہرے پر بادشاہی کی علامت ہوگی۔'' میں نے اپنی اس عزت افزائی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

اس روایت میں یہ تصریح نہیں کی گئی کہ یہ واقعہ کب پیش آیا بعض اربابِ سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت جریرؓ کے پہلی رتبہ بارگاہِ نبویؐ میں حاضری کے موقع پر پیش آیا لیکن یہ قرینہ بھی ہے کہ یہ واقعہ ان کے قبولِ اسلام کے بعد آ۔بندہ کسی موقع پر پیش آیا ہو۔

''طبقات ابنِ سعد'' میں ہے کہ مدینہ کے اثنائے قیام میں ایک دن حضرت جریرؓ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا، جریر! تمہاری قوم کا کیا حال ہے؟

انہوں نے عرض کیا:

''یارسولَ اللہ ﷺ ! اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا کیا مساجد اور صحراؤں میں صدائے توحید (اذان) بلند ہوتی ہے اور لوگوں نے اپنے بتوں کو توڑ ڈالا ہے۔''

حضور ﷺ نے پوچھا، ذُوالخَلَصہ کا کیا ہوا؟ [1]

حضرت جریرؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ ! ابھی تک وہ باقی ہے جب ہم واپس جائیں گے تو اس کا بھی خاتمہ کر دیں گے۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''کیا تم اسے ڈھا کر مجھے مطمئن نہ کرو گے۔''

انہوں نے عرض کیا۔ ''میں حاضر ہوں لیکن مشکل یہ ہے کہ میں گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔''

---

[1] ذوالخلصہ، بنو بجیلہ کے ایک بڑے بُت کا نام تھا۔ اس کے معبد کو وہاں کے لوگ کعبۂ یمانیہ کہا کرتے تھے۔ اسلام سے متاثر ہونے کے باوجود بعض قبائل میں ابھی توہم پرستی باقی تھی اور وہ ایسے بُتوں اور معبدوں کو ہاتھ لگانے سے ڈرتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ عذر سن کر آپؐ نے ان کے سینے پر اپنا دستِ مبارک پھیرا (بروایتِ دیگر آپؐ نے اپنا دستِ مبارک حضرت جریرؓ کے سینے پر اس زور سے مارا کہ اُس پر آپؐ کی انگشت ہائے مبارک کے نشان پڑ گئے۔) اور ساتھ ہی دعا کی، الٰہی اس (جریرؓ) کو گھوڑے کی پیٹھ پر قائم رکھ (جمادے) اور اس کو ہادی ومہدی بنا۔ [1]

پھر حضور ﷺ نے حضرت جریرؓ کو جھنڈا عطا فرمایا اور وہ ایک سَو پچاس سواروں کے ہمراہ عازمِ یمن ہوگئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے ذوالخلصہ اور اس کے معبد کو منہدم کر کے آگ لگا دی۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے چند دن کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں واپس آ کر عرض کیا۔

"یارسولَ اللہ ﷺ! ہم نے ذو الخلصہ کو توڑ کر آگ لگا دی اور اب وہ خاکستر کا ڈھیر ہے۔ کسی کو ہمارے کام میں مزاحم ہونے کی ہمت نہیں پڑی۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ ذوالخلصہ کو برباد کرنے کے بعد حضرت جریرؓ نے ابوارطاۃ کو اطلاع کے لیے مدینہ بھیجا۔ انہوں نے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر جب ذوالخلصہ کی بربادی کا حال بیان کیا اور کہا کہ میں اُس وقت تک وہاں سے نہیں چلا جب تک ذی الخلصہ جل کر خارشتی اونٹ جیسا نہیں بن گیا تو آپؐ بہت خوش ہوئے اور اس سریّہ میں شریک تمام اصحاب کے لیے برکت کی دعا کی۔ (ایک روایت کے مطابق آپؐ نے ان کے لیے پانچ مرتبہ دعا کی)

"طبقات ابنِ سعد" کی اس روایت سے بعض اہلِ علم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت جریرؓ کے قبولِ اسلام کے فوراً بعد پیش آیا۔ (حجۃ الوداع سے پہلے) لیکن صحیح بخاری (کتاب المغازی) میں جس طرح یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے بعد اور حضور ﷺ کی رحلت سے کچھ عرصہ پہلے پیش آیا۔ زرقانیؒ نے "شرح مواہب" میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ رسولِ اکرم ﷺ کے وصال سے تقریباً دو مہینے پہلے کا واقعہ ہے۔ حضرت جریرؓ ذی الخلصہ کو ڈھانے کی مہم پر مُحرّم ۱۱ھ ہجری میں روانہ ہوئے تھے انہوں نے اس کو ڈھانے کی اطلاع دینے کے لیے حضرت ابوارطاۃ کو بارگاہِ نبویؐ میں بھیجا۔ چند دن بعد وہ خود بھی مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے لیکن ابھی راستے ہی میں تھے کہ حضور ﷺ کے وصال کی خبر ملی۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ ذوالخلصہ، الاصابہ ج ۱ ص ۲۴۲، مُسندِ احمد ج ۴ ص ۳۵۸)

---

[1] اس دعا کے نتیجے میں حضرت جریرؓ گھوڑے پر جم کر بیٹھنے لگے اور انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر بڑے بڑے معرکے سر کیے۔ یہ لوگ واقعی اللہ کے بہادر بندے تھے۔ حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی سے مروی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اصحاب ذوالخلصہ کو منہدم کرنے کے لیے اُن (حضرت جریرؓ) کے ساتھ گئے وہ قبیلہ احمس کے ایک سَو پچاس سوار تھے۔ یہ لوگ گھڑ سواری کے بہت مشاق تھے۔ جب حضور ﷺ کو حضرت ابوارطاۃ کی زبانی ذوالخلصہ کے انہدام کی اطلاع ملی تو آپؐ نے احمس کے سواروں اور پیادوں کیلئے پانچ مرتبہ برکت کی دعا فرمائی۔ (بذل القوۃ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت
کا
گیارھواں سال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفدِ بنی نخع

یہ سب سے آخری وفد تھا جو محرّم ۱۱ھ ہجری میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ دو سَو ارکان پر مشتمل یہ وفد یمن سے آیا تھا۔ ان لوگوں کا تعلّق عرب کے مشہور قبیلے مذحج کی شاخ نخع سے تھا۔ یہ اصحاب مدینہ منورہ آنے سے پہلے ہی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہٗ کے ہاتھ پر اسلام لا چکے تھے۔ ان کو دارالاضیاف (مہمان خانہ) میں ٹھہرایا گیا۔ وہ حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ انہیں دیکھ کر خوش ہوئے ان کی تعریف فرمائی اور اُن کو دعاؤں سے نوازا۔ اس وفد میں ایک صاحب زرارہ بن عمرو تھے۔ انہوں نے عرض کیا۔ ''یارسولَ اللہ! میں نے راستے میں عجیب خواب دیکھے آپؐ نے فرمایا، بیان کرو۔

حضرت زرارہؓ نے عرض کیا، میں نے دیکھا کہ میری گدھی (بروایتِ دیگر ایک بکری) نے بچہ دیا ہے جو سفید اور سیاہ رنگ کا ابلق ہے (بروایتِ دیگر سیاہی مائل سُرخ یا سیاہ اور سرخ رنگ کا ہے)

حضور ﷺ نے پوچھا، کیا تمہاری عورت کے بچّہ ہونے والا تھا؟ حضرت زرارہؓ نے اثبات میں جواب دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا، اس کے بیٹا پیدا ہوا ہے جو تیرا ہی فرزند ہے حضرت زرارہؓ نے پوچھا، یارسولَ اللہ! اس کے ابلق ہونے کی کیا تعبیر ہے؟

حضور ﷺ نے انہیں اپنے قریب بلایا اور آہستہ سے فرمایا:

''تمہارے جسم پر برص کے داغ ہیں جنہیں تم نے لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہے۔''

زرارہؓ نے کہا: قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے میرے ان داغوں کا آج تک کسی کو علم نہ تھا۔

ارشاد ہوا، ''بچہ پر یہ اسی کا اثر ہے۔''

زرارہؓ نے دوسرا خواب سنایا کہ میں نے نعمان بن منذر (عرب کا ایک مشہور بادشاہ) کو دیکھا کہ گوشوارے، بازوبند اور خلخال پہنے ہوئے ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اس کی تاویل ملک عرب ہے جواب آسائش و آرائش حاصل کر رہا ہے۔''

زرارہؓ نے تیسرا خواب بیان کیا کہ ایک بڑھیا زمین سے باہر نکلی ہے جس کے کچھ بال سفید اور کچھ سیاہ ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''یہ دنیا ہے جس قدر باقی رہ گئی ہے۔''

زرارہؓ نے چوتھا خواب سنایا کہ میں نے ایک آگ زمین سے نمودار ہوتے دیکھی جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میرے اور میرے بیٹے عمر کے درمیان آ گئی اور وہ آگ کہہ رہی ہے جھلسو جھلسو، بینا ہوتا بینا ہو۔ لوگو اپنا کنبہ مال اور اپنی غذا مجھے کھانے کے لیے دو۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''یہ ایک فساد ہے جو آنے والے زمانہ میں ظاہر ہوگا۔'' [1]

زرارہؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ یہ کیسا فتنہ ہوگا۔''

حضور ﷺ نے فرمایا:

''لوگ اپنے امام کو قتل کر دیں گے۔ آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ ایک دوسرے سے اس طرح گتھ جائیں گے جیسے ہاتھوں کی انگلیاں پنجہ ڈالنے میں گتھ جاتی ہیں جو بدکار ہے وہ اپنے آپ کو صالح ترین سمجھنے لگے گا۔ مومن کا خون پانی سے زیادہ ارزاں سمجھا جائے گا۔ اگر تیرا بیٹا مرگیا تو یہ فتنہ تُو دیکھے گا اور اگر تُو مرگیا تو تیرا بیٹا اس فتنے میں مبتلا ہوگا۔''

حضرت زرارہؓ نے عرض کیا۔ ''یا رسولَ اللہ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہ فتنہ نہ دکھائے۔''

حضور ﷺ نے دعا مانگی اَللّٰھُمَّ لَا یُدْرِکْھَا اے اللہ اس فتنے سے اس (زراہ) کو بچانا۔

چنانچہ اس واقعہ کے چند سال بعد حضرت زرارہؓ کا انتقال ہوگیا اور ان کا بیٹا بچ رہا۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہُ کے عہدِ خلافت میں جب ان کے خلاف شورش برپا ہوئی تو عمر بن زرارہ حضرت عثمانؓ کی بیعت توڑ کر مفسدوں میں شامل ہوگیا۔ یہ فتنہ (فساد) امیر المؤمنینؓ کی شہادت پر منتج ہوا۔

(رحمۃٌ للعٰلمین ج ۱ ص ۲۵۰ بحوالہ زاد المعاد، ضیاء النبی ج ۴ ص ۶۹۷-۶۹۶)

ایک روایت کے مطابق یہ بنی نخع کا دوسرا وفد تھا اس سے پہلے رجب ۹ ہجری میں ان کا ایک دو رُکنی وفد بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر چکا تھا ان دو اصحاب کے نام ارطاۃ بن شراحیل اور ارقم (جہیش) تھے۔ انہوں نے اپنے قبیلے کی طرف سے بیعت بھی کی۔

(عہدِ نبوت کے ماہ و سال ص ۳۰۹ طبع ۱۹۷۶)

---

[1] روایت میں لفظ آخر آیا ہے لیکن روایت کا پورا متن دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی مراد مستقبل قریب سے تھی۔ ہم نے احتیاطاً ''آنے والا زمانہ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیش اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ

(آخری فوجی مہم)

حجۃ الوداع سے واپس تشریف لانے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ماہ صفر ۱۱ھ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ نے ایک لشکر تیار فرمایا۔ اس لشکر میں متعدد اکابر مہاجرین و انصار صحابہؓ شامل تھے علامہ شبلی نعمانیؒ نے ''سیرۃ النبی'' میں لکھا ہے کہ آنحضور ﷺ نے اپنی علالت کے آغاز سے ایک روز پہلے اس لشکر کا امیر اپنے محبوب صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ (شہید موتہ) کے انیس بیس سالہ فرزند حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کو مقرر فرمایا اور اُن کو حکم دیا کہ بلقاء اور داروم کے فلسطینی علاقے اپنے گھوڑوں سے روند آؤ۔ یہ علاقے اس زمانے میں قیصرِ روم کے زیرِ تسلط تھے۔ اس مہم کے مقصد کے بارے میں کچھ اور روایتیں بھی ہیں' ایک یہ کہ اس کے بھیجنے کا مقصد غزوۂ موتہ کا بدلہ لینا تھا جس میں حضرت اُسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ، حضور ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ انصاریؓ لشکرِ اسلامی کی قیادت کرتے ہوئے شہید ہوگئے تھے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ شمالی سرحد پر (شام میں) رومی، (مملکتِ اسلامیہ کے خلاف) مصروفِ شرارت تھے۔ آپؐ نے انکی سرکوبی کے لیے یہ لشکر مرتب فرمایا۔ تیسری روایت یہ ہے کہ اس مہم کا مقصد شام اور عرب کی سرحد کے قریب آباد عرب قبائل کا اعتماد بحال کرنا تھا کہ اسلامی حکومت اپنی پوری قوت کے ساتھ اُن کی پشت پر ہے اور ان کو شام کے رومی عیسائیوں سے ہرگز مرعوب نہ ہونا چاہیے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں ہی مقاصد اس مہم کے پیشِ نظر تھے۔

حضرت اُسامہؓ کی عمر کو دیکھتے ہوئے بعض اصحاب نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اُسامہ کم عمر اور ناتجربہ کار ہیں' اُن کی جگہ کسی جہاندیدہ آدمی کو امیرِ لشکر (سپہ سالار) مقرر فرمائیں۔ آنحضور ﷺ نے ان اصحاب کی اس بات پر ناگواری محسوس فرمائی۔ اس وقت آپؐ کی علالت کا آغاز ہوچکا تھا۔ اسی علالت کی حالت میں آپؐ سرِ اقدس پر پٹی باندھے ہوئے کاشانۂ مبارک سے باہر تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر آپؐ نے ایک مختصر خطبہ دیا جس میں فرمایا:۔

> ''اُسامہ کی اِمارت پر تمہارا اعتراض کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے تم اس کے باپ کی اِمارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو، اللہ کی قسم وہ بھی امارت کا اہل تھا اور اسکے بعد اس کا بیٹا بھی افسری کا اہل ہے۔ وہ بھی مجھ کو بہت محبوب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا اور یہ بھی ہر حُسنِ ظن کے لائق ہے۔"

اس خطبہ کے بعد حضور علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت اسامہؓ کو علم عنایت فرمایا اور جیش کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ پھر آپؐ کا شانۂ اقدس میں واپس تشریف لے گئے۔ اس لشکر نے مدینہ سے باہر نکل کر تین میل کے فاصلے پر مقامِ جُرف میں پڑاؤ ڈالا تاکہ باقی لوگ جو آنا چاہتے ہیں وہ سب وہاں جمع ہو جائیں۔ اس اثناء میں آنحضور علیہ السلام کی علالت شدت اختیار کر گئی۔ حضرت اُسامہؓ کی والدہ حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور علیہ السلام کے پاس تھیں۔ وہ ہاشمی خاندان کے بہت سے افراد کا وقتِ آخر دیکھ چکی تھیں۔ آنحضور علیہ السلام کی بیماری میں کچھ ایسی علامات پائیں جن سے انہیں یقین ہوگیا کہ اب آپؐ اس دارِ فانی سے رخصت ہو رہے ہیں انہوں نے حضرت اُسامہؓ کو پیغام بھیجا کہ رسول اللہ علیہ السلام ہمیں داغِ مفارقت دے رہے ہیں تم فوراً مدینہ واپس آ جاؤ۔ جونہی یہ دلدوز خبر حضرت اسامہؓ کو ملی وہ لشکر میں شریک تمام اکابر صحابہؓ کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔ ان کے واپس آنے کے جلد ہی بعد حضور علیہ السلام نے رحلت فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی ساری فوج جُرف سے مدینہ واپس آ گئی اور یہ مہم ملتوی ہوگئی۔ [1]

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ زید بن حارثہ۔ سیرت ابنِ ہشام ج ۲ ص ۶۴۲ و ص ۶۵۰ تفسیر ابنِ کثیر ج ۴ ص ۴۴۱)

دائمی جدائی کے اشارے:

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب خاتم الانبیاء و المرسلین علیہ السلام کو جس مقصدِ عظیم کے لیے مبعوث فرمایا تھا ۱۰ ہجری تک وہ مقصدِ عظیم ہر اعتبار سے پورا ہوگیا، دعوتِ دین بنی نوعِ انسان کو پہنچ گئی، دینِ حق منتہائے کمال کو پہنچ گیا، سارے عرب پر اسلام کا اقتدار قائم ہوگیا، اور حق تعالیٰ نے یہ فرما کر دین کے کامل ہونے پر مہرِ تصدیق ثبت کردی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۝ (المآئدہ: ۳)

"آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کا دین پسند کیا۔" (یا میں نے اس بات کو پسند کیا

[1] خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سریر آرائے خلافت ہوتے ہی یہ لشکر دوبارہ منظم کیا اور اسے حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کی قیادت میں منزلِ مقصود کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت اُسامہؓ ارضِ شام میں دور تک فاتحانہ یلغار کرتے ہوئے ابنی (خان الزّیت) تک پہنچ گئے اور چند دن دمشق کے قریب ایک مقام المزہ میں قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ کو مراجعت کی۔ اس مہم میں بااختلافِ روایت چالیس دن یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ صَرف ہوا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ مہم نہ صرف سریۂ مؤتہ کا جواب تھی بلکہ تسخیرِ شام کی تمہید بھی تھی۔
(طبقات ابنِ سعد۔ تلقیح۔ اُسدُ الغابہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ تمہارا دین اسلام ہو)

اس کے ساتھ ہی حضور ﷺ کو اِلقا ہوا کہ اب لِقائے حق تعالیٰ کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ آپؐ اس کے لیے سراپا اشتیاق تھے لیکن آپؐ کو اس صدمۂ عظیم کا بھی احساس تھا جو آپؐ کی دائمی جدائی کے نتیجے میں آپ کے جاں نثار صحابہؓ (بشمول صحابیات و اہلِ بیت) کو لازماً پہنچنا تھا۔ آپؐ چاہتے تھے کہ آپؐ کے یہ تمام جاں نثار آپؐ کی جدائی کا صدمۂ عظیم برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اور اسے ناگہانی افتاد نہ سمجھیں چنانچہ آپؐ نے اپنے بعض ارشادات اور بعض اعمال کے ذریعے اس جہانِ فانی کو مستقبل قریب میں الوداع کہنے کے اشارے دینے شروع کر دیے ان کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) حجۃ الوداع کے خطبے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا، لوگو! میں نہیں سمجھتا کہ اس سال کے بعد میں تم سے اس مقام پر مل سکوں۔ [1] (صحیحین عن جابرؓ)

(۲) آپؐ ہر سال رمضان المبارک میں دس دن کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے لیکن ۱۰ھ ہجری کے رمضان المبارک میں آپؐ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔
(صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوت)

(۳) حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال رمضان المبارک میں آپؐ کو قرآن مجید کا ایک دور کرایا کرتے تھے ۱۰ھ ہجری میں انہوں نے حضور ﷺ کو دو مرتبہ قرآنِ حکیم کا دور کرایا۔ اسی بناء پر آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے۔
(صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ)

(۴) شروع ماہ صفر ۱۱ھ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ ایک دن میدانِ اُحد میں تشریف لے گئے اور شہدائے اُحد پر آپؐ نے اس طرح نماز پڑھی گویا آپؐ زندوں اور مُردوں سے رخصت ہو رہے ہیں (بالفاظِ دیگر زندوں اور مُردوں کو رخصت کر رہے ہیں) وہاں سے واپس آ کر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

"میں تم سے آگے جانے والا ہوں اور تم پر گواہ ہوں واللہ میں اس وقت اپنا حوض (حوضِ کوثر) دیکھ رہا ہوں۔ مجھے (زمین اور) زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں (یعنی میری اُمت ان پر قابض ہوگی) اور اللہ کی

---

[1] حضرت جابرؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمرۂ عقبہ کے پاس فرمایا، مجھ سے مناسکِ حج سیکھ لو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس حج کے بعد میں حج کر سکوں گا۔ (صحیح مسلم باب ادلۃ الحاج التلبیۃ)
صحیح بخاری کتاب المناسک میں یہ حدیث حضرت ابنِ مسعود اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب (ایامِ تشریق کے وسط میں) سورۂ نصر نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے اس سورہ میں اپنی وفات کی خبر دی گئی ہے۔ (نبیِٔ رحمت حصہ دوم حاشیہ ۱۴۶ بحوالہ تفسیر ابنِ کثیرؒ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قسم مجھے یہ ڈر نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرو گے البتہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں تم دنیا طلبی میں ایک دوسرے سے مقابلہ نہ کرنے لگو۔" (بالفاظِ دیگر مجھے اندیشہ یہ ہے کہ میرے بعد تم دنیا کی طرف راغب ہو جاؤ گے اور اس کی وجہ سے آپس میں لڑنے لگو گے)

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ احد عن عقبہؓ بن عامر)

(۵) ایک روز آدھی رات کے وقت رسولِ اکرم ﷺ اپنے خادم ابو مویہبہ رضی اللہ عنہٗ کو ساتھ لے کر جنت البقیع تشریف لے گئے، آسودگانِ بقیع کے لیے دعائے مغفرت کی اور قبروں کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا:

"اے قبروں والو! تم پر سلامتی ہو، جس حال میں تم ہو وہ تمہیں مبارک ہو کیونکہ تمہارا یہ حال اُس حال سے بہتر ہے جس میں آج کل لوگ مبتلا ہیں۔ فتنے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے لپکے چلے آرہے ہیں۔ بعد میں آنے والا پہلے والے سے زیادہ شدید اور بُرا ہے۔"

اس کے بعد یہ فرما کر اہلِ قبور کو بشارت دی کہ ہم بھی تمہارے پاس آنے والے ہیں۔

(رحمۃٌ لّلعالمین ج ۱ ص ۳۱۶، الرّحیق المختوم اردو ص ۷۴۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علالت کا آغاز

۲۹ صفر ۱۱ھ ہجری بروز دوشنبہ رسولِ اکرم ﷺ ایک صحابی کے جنازے میں گورستانِ بقیع تشریف لے گئے۔ واپسی پر راستے ہی میں دردِ سر اور بخار ہو گیا۔ یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا۔ بخار اس قدر تیز تھا کہ سرِ اقدس پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ لگانے سے حرارت محسوس ہوتی تھی پانچ دن تک آپؐ اسی حالت میں باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ چھٹے دن آپؐ دوسری ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہ صدیقہؓ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں منتقل ہو گئے اور وفات تک وہیں مقیم رہے۔ ۱

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں منتقل ہوتے وقت حضور ﷺ کا ضعف اس قدر بڑھ چکا تھا کہ چلنا محال ہو گیا تھا۔ چنانچہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما (بروایتِ دیگر حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کو سہارا دے کر (آپؐ کے بازو

---

۱ یہاں یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ حدیث و سیَر کی کتابوں میں اس سلسلے کی روایات کے درمیان خاصا اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً حضور ﷺ کی علالت کا آغاز کس دن ہوا؟ ۱۸ یا ۱۹ صفر بروز چہار شنبہ یا ۲۹ صفر دوشنبہ کے دن......

یہ کون سی زوجہ محترمہ کی باری کا دن تھا؟ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا، حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کا یا کسی اور کا......

حضور ﷺ کتنے دن علیل رہے؟ دس دن، بارہ دن، تیرہ دن یا چودہ دن۔

آپ کی علالت کے دوران میں کونسے واقعات پیش آئے اور ان کی ترتیب کیا تھی، فلاں خطبہ آپؐ نے کس دن دیا اور فلاں وصیت آپؐ نے کس دن کی؟

حضور ﷺ نے سفرِ آخرت ربیع الاوّل ۱۱ھ ہجری کے کس دن اور کس وقت اختیار فرمایا؟

بارہ ربیع الاوّل کو، یکم ربیع الاوّل کو، ۲ ربیع الاوّل کو یا ربیع الاوّل کے کسی اور دن۔ یہ چاشت کا وقت تھا، دوپہر کا، سہ پہر کا یا دن کا آخر وقت۔

ہم نے اس کتاب میں جن روایات پر انحصار کیا ہے وہ یا تو صحاح ستہ میں وارد ہوئی ہیں یا جن کو جمہور اربابِ سیَر نے بیان کیا ہے۔ تاہم ہمیں اس بات پر اصرار نہیں ہے کہ جو روایت اس کتاب میں درج ہے وہی حرفِ آخر ہے اگر کسی قاری کے نزدیک کوئی دوسری روایت زیادہ معتبر ہو تو وہ اِس کتاب کی روایت کو نظر انداز کر سکتے ہیں کیونکہ یہ عقیدے کا نہیں بلکہ محض تحقیق، مآخذ تک رسائی اور ایک روایت پر دوسری روایت کو ترجیح دینے کا معاملہ ہے۔ ہمارے نزدیک یہ مناسب نہیں ہے کہ اس سلسلے میں (کم از کم اس کتاب کی حد تک) کسی بحث مباحثے میں الجھا جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھام کر) بمشکل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں میں لائے۔ [1] یہاں رونق افروز ہونے کے بعد بھی حضور ﷺ کا مرض روز بروز بڑھتا ہی گیا تاہم جب تک آمد ورفت اور اٹھنے بیٹھنے کی طاقت رہی آپؐ مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے تشریف لاتے رہے۔

رحلت سے پانچ دن پہلے:

رحلت سے پانچ دن پہلے چہار شنبہ (بدھ) کے دن حضور ﷺ کا بخار بے حد تیز ہوگیا یہاں تک کہ غشی طاری ہوگئی۔ غشی دور ہوئی تو آپؐ نے حکم دیا کہ مجھ پر پوری بھری ہوئی سات مشکوں کا پانی بہاؤ تا کہ میں باہر جا کر لوگوں کو وصیت کروں۔ (ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کے حکم کے مطابق ان مشکوں میں سات مختلف کنوؤں کا پانی بھرا گیا) ازواجِ مُطہّراتؓ نے آپؐ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مِخضَب (ٹب، لگن یا وہ بڑا برتن جس میں بیٹھ کر غسل کیا جاتا تھا) میں بٹھادیا اور آپؐ پر اتنا پانی ڈالا گیا کہ آپؐ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ اب بس کرو۔ غسل کے بعد حضور ﷺ نے تکلیف میں کچھ تخفیف محسوس کی تو حجرے سے باہر نکل کر مسجد میں تشریف لائے اس وقت آپؐ کے سرِ اقدس پر پٹی بندھی ہوئی تھی آپؐ نے منبر پر جلوہ افروز ہوکر خطبہ دیا جس میں فرمایا، اُن یہودیوں اور نصرانیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنایا۔ تم میرے بعد میری قبر کو بت نہ بنا دیجیو کہ اس کی پرستش کی جائے۔ [2]

(صحیح بخاری ۶۲/۱، مؤطا امام مالک عن عطاء بن یسار ص ۶۵)

---

[1] بعض کُتُبِ حدیث میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی علالت کے دوران میں ایک دن ان کے سر میں بھی شدید درد ہوا اور انہوں نے کہا وار اساہ (میں دردِ سر سے مر چلی ہوں) حضور ﷺ نے فرمایا، اے عائشہ! اگر میری زندگی میں تمہارا انتقال ہوجائے تو میں تمہارے لیے دعا واستغفار کروں گا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، واللہ میرا گمان ہے کہ آپ میرا مرنا پسند کرتے ہیں اگر یہ ہوجائے تو آپ اسی روز کسی دوسری زوجہ کے ہاں آرام فرمائیں گے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا، نہیں یہ بات نہیں ہے میں تو خود شدید دردِ سر میں بتلا ہوں (اور اب زندگی کی کوئی امید نہیں) میرا ارادہ تھا کہ ابوبکر اور ان کے بیٹے کو بلا کر وصیت کردوں کہ میرے بعد نزاع پیدا نہ ہو اور تمنا کرنے والے تمنا نہ کرنے لگیں پھر میں نے سوچا کہ (اس کی ضرورت نہیں) نہ اللہ کسی اور کو منظور کرے گا اور نہ مومنین۔

(صحیح بخاری کتاب المرضیٰ باب مارخص المریض، اصح السیر بحوالہ مُسنَد احمد ونسائی و بخاری)

[2] صحیحین کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کے ایامِ علالت میں ایک دن حضرت اُمِ سلمۃؓ اور حضرت اُمِ حبیبہؓ نے ایک گرجا کا ذکر کیا جس کو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ اس میں تصویریں تھیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا، ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا تو اس کی قبر پر عبادت گاہ بنا لیتے تھے اور اس میں تصویریں بناتے تھے، قیامت کے دن یہ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ صحیح مسلم باب النہی عن بناء المسجد علی القبور)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے حق مجھ سے مانگو:

خطبہ کے بعد حضور ﷺ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

''اے لوگو! اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کبھی کوڑا (دُرّہ) مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے وہ مجھ سے اپنا بدلہ لے سکتا ہے اور اگر میں نے کسی کی بے آبروئی کی ہو تو میری آبرو حاضر ہے وہ بدلہ لے لے، اگر میں نے کسی کا مال چھینا ہے تو میرا مال حاضر ہے وہ اس میں سے اپنا حق لے سکتا ہے۔ تم میں سے کسی کو یہ ڈر نہیں ہونا چاہئے کہ اگر اس نے مجھ سے بدلہ لیا تو میں اس سے ناراض ہو جاؤں گا، یہ میری شان نہیں۔''

ایک اور روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضور ﷺ نے مزید فرمایا:

''مجھے یہ بات بہت پسند ہے کہ اگر کسی کا کوئی حق میرے ذمہ ہے تو وہ مجھ سے مانگ لے یا مجھے معاف کر دے تاکہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ کسی کے حق کا بوجھ مجھ پر نہ ہو۔''

حضور ﷺ کے ارشادات سن کر ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ! میرے تین درہم آپ کے ذِمہ ہیں۔''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''میں کسی مدعی کو نہ جھٹلاؤں گا اور نہ اس سے حلف لوں گا صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ میں نے یہ درہم کس مقصد کے لیے تم سے لیے تھے۔

انہوں نے عرض کیا، یارسولَ اللہ! ایک سائل نے آپ سے سوال کیا تھا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اس کو تین درہم دے دو۔ میں نے تعمیلِ ارشاد کی تھی۔''

حضور ﷺ نے اپنے ابنِ عم حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا، اس شخص کو تین درہم ادا کردو۔ یہ حکم آپ نے کئی بار دہرایا۔ (تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۱۶۱)

انصار کے حق میں وصیّت:

اسی دوران میں آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر انصار کے بارے میں اس طرح وصیّت فرمائی:

لوگو! میں تم کو انصار کے حق میں وصیّت کرتا ہوں وہ میرے جسم و جان ہیں، میرے معتمد اور راز دار ہیں۔ دوسرے مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار کی تعداد گھٹتی جائے گی یہاں تک کہ وہ کھانے میں نمک کے برابر رہ جائیں گے۔ وہ اپنا فرض ادا کر چکے مگر ان کے حقوق دوسروں پر باقی ہیں اب تمہیں ان کے حقوق ادا کرنا ہیں۔ اس لیے ان کے نیکوکار لوگوں کی بات قبول کرنا اور جو لوگ قصوروار ہوں ان سے درگزر کرنا بروایتِ دیگر جو تمہارے نفع نقصان کا متوَلّی ہو (یعنی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو خلیفہ ہو) اس کو چاہیے کہ جو ان کے صالح ہوں ان کو قبول کرے اور ان کے خطا کاروں کو معاف کرے۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۵۳۶)

حق تعالیٰ کے بندۂ مختار نے کیا پسند کیا:

اُسی دن (یا بروایتِ دیگر رحلت سے چار دن پہلے) حضور ﷺ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

"اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کو اللہ نے اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ وہ دنیا (کی نعمتوں، لذّات، زیب وزینت اور چمک دمک) کو قبول کرے یا اللہ کے پاس (آخرت میں) جو کچھ ہے، اس کو قبول کرے تو اُس بندے نے جو کچھ اللہ کے پاس ہے اسے اختیار کیا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اپنی فراستِ ایمانی سے حضور ﷺ کے ان ارشادات کا مطلب سمجھ گئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے جس بندے کا ذکر کیا ہے یہ دراصل آپؐ نے اپنے لیے کہا ہے۔ حضور ﷺ کی جدائی کا خیال کر کے وہ بے تاب ہو کر رو پڑے اور عرض کیا:

"نہیں، یا رسولؐ اللہ! ہماری جانیں، ماں باپ اور زر و مال سب آپ پر قربان" (ایک روایت میں اولاد کا بھی اضافہ ہے)

حضور ﷺ نے فرمایا:

"اے ابوبکر ٹھیریے جلدی نہ کیجیے۔ سب سے زیادہ میں جس شخص کی رفاقت اور مال کا احسان مند ہوں وہ ابوبکر ہیں۔ اگر میں لوگوں میں کسی کو اپنا خلیل (خاص دوست اور محبوب) بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کا رشتہ سب سے بڑھ کر ہے۔ مسجد کے رُخ کوئی دریچہ (خوخہ یا چھوٹا دروازہ) ابوبکر کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے۔ (بروایتِ دیگر مسجد کا ہر دریچہ جس سے میرا سامنا ہوتا ہے بند کر دو صرف ابوبکر کے دریچے کو باقی چھوڑ دو) [1]

(صحیح بخاری کتاب الصلاۃ باب الخوخہ والمر فی الصلاۃ)

فتنۂ ارتداد کا ظہور:

الرِّدَّۃ کے لغوی معنی پھیرنا یا لوٹانا کے ہیں اور ارتداد کے لغوی معنی پھر جانا یا ہٹ جانا کے ہیں۔ شریعتِ اسلامی کی اصطلاح میں الرِدّۃ یا ارتداد سے مراد اسلام سے پھر جانا اور دوبارہ کفر اختیار کر لینا ہے۔ ارتداد کا فتنہ اتنا خوفناک تھا کہ اس نے عرب کے لاکھوں لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اسلامی حکومت کے لیے نہایت نازک صورتِ حال پیدا کر دی۔

---

[1] حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہٗ کا ایک مکان مسجدِ نبوی سے متّصل تھا اس کا خوخہ (دریچہ یا چھوٹا دروازہ) مسجد کے صحن میں تھا۔ یہ مکان انہیں رسول اکرم ﷺ نے عطا فرمایا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ ''فتنۂ ارتداد'' حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت کا واقعہ خیال کیا جاتا ہے کیونکہ اس فتنے نے اسی عہد میں زور باندھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس فتنے کا آغاز عہدِ رسالت میں اسی وقت ہوگیا تھا جب عرب کے مختلف علاقوں میں کچھ مکار آدمیوں نے نبوّت کا جھوٹا دعوٰی کیا۔ ان میں سے تین مکاروں الاسود عنسی، مسیلمہ کذّاب اور طلیحہ بن خویلد اسدی نے مسلمانوں کے لیے بڑی مشکلات پیدا کیں اور اسلامی حکومت کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ الاسود عنسی کا ظہور یمن میں ہوا اس نے نبوت کا جھوٹا دعوٰی کرکے ہزاروں لوگوں کو اپنے ساتھ ملالیا اور اسلامی حکومت کے عُمّال کو صنعا اور نجران وغیرہ سے نکال کر یمن کے وسیع علاقے پر قبضہ کرلیا۔ اس کو مجاہدینِ اسلام نے حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہُ کی قیادت میں شکست دی اور جہنم واصل کر دیا۔ یہ حضور ﷺ کی وفات سے پانچ دن پہلے کا واقعہ ہے۔ [1]

مسیلمہ کذاب کا ذکر بنو حنیفہ کے وفد کے سلسلے میں پیچھے آچکا ہے وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں یمامہ کی خونریز جنگ میں مارا گیا۔ طلیحہ بن خویلد اسدی کو عہدِ صدیقی میں حضرت خالدؓ بن ولید نے بزاخہ کی لڑائی میں شکست دی تو اس نے بھاگ کر بنوکلب کے پاس پناہ لی بعد میں وہ تائب ہوا اور سچے دل سے مسلمان ہوگیا اس نے عہدِ فاروقی میں مجوسی ایرانیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی اور بالآخر جنگِ نہاوند میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

رحلت سے چار دن پہلے:

اس عالمِ فانی کو الوداع کہنے سے چار دن پہلے حضور ﷺ کے مرض نے حد سے زیادہ شدت اختیار کرلی۔ اسی حالت میں آپؐ نے فرمایا، دوات کاغذ لاؤ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں (مطلب یہ کہ لکھوا دوں) جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے (یعنی راہِ راست سے نہیں بھٹکوگے۔) اس وقت حجرۂ اقدس میں آپؐ کے پاس کئی اصحاب موجود تھے۔ ان میں سے ایک صاحب نے (جن کا نام صحیح بخاری میں نہیں ہے البتہ صحیح مسلم میں ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہُ

---

[1] ابنِ اثیر اور بعض دوسرے مؤرخین کا بیان ہے کہ الاسود عنسی اسلام میں سب سے پہلا شخص ہے جو مرتد ہوا۔ اس کا اصل نام عبلہ (یا عیھلہ) بن کعب تھا۔ اس کا تعلق یمن کے قبیلہ مذحج کی شاخ عنس سے تھا۔ وہ ہر وقت اپنے عمامے کے اوپر چادر ڈالے رہتا تھا تاکہ اس کا چہرہ چھُپا رہے۔ چونکہ اوڑھنی یا دوپٹے کو عربی زبان میں خمار کہتے ہیں اس لیے وہ ذوالخمار کے لقب سے مشہور ہوگیا تھا۔ اپنے اصل نام کے بجائے وہ ''الاسود'' کے نام سے غالباً اس لیے مشہور ہوا کہ اس کا رنگ بہت سیاہ تھا اور خدوخال بھی کریہ تھے (ہوسکتا ہے چہرے کو ہر وقت ڈھانپ کر رکھنے کا سبب بھی یہی ہو)۔ اسود عنسی یمن میں ''کہف حضار'' کے مقام پر پیدا ہوا اور وہیں پلا بڑھا۔ وہ بڑا کاہن، شعبدہ باز اور لستان تھا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا خاص ملکہ رکھتا تھا اس لیے اپنے قبیلے کے سربرآوردہ لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے) دوسرے اصحاب سے مخاطب ہو کر کہا، رسول اللہ ﷺ کو درد کی شدت ہے تمہارے پاس قرآن موجود ہے۔ اللہ کی یہ کتاب تمہارے (ہمارے) لیے کافی ہے۔ اس پر لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا، بعض کی رائے تھی کہ حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی جائے اور بعض کہتے تھے کہ اس حالت میں حضور ﷺ کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔ بعض نے کہا کہ خود رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرلو (کہ کیا اسی وقت ایسا کرنا ضروری ہے) جب لوگ آپؐ سے پوچھنے لگے (یا مختلف اصحاب کے اظہار رائے کی وجہ سے شوروشغب بڑھ گیا) تو حضور ﷺ نے فرمایا، سب میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ (صحیح بخاری ۱،۲۲،۲۲۲،۲۔ ۲/۶۳۸)

یہ واقعہ پنجشنبہ (جمعرات) کا ہے۔ اسی روز حضور ﷺ نے تین وصیتیں فرمائیں ایک یہ کہ مشرکین کو عرب سے نکال دینا دوسری یہ کہ وفود کی اسی طرح مہمان نوازی اور احترام کیا جائے جس طرح آپؐ کا معمول تھا تیسری وصیت راوی کے ذہن سے اتر گئی۔ (صحیح مسلم کتاب الوصیۃ)

حضور ﷺ شدید علالت اور ضعف کے باوجود اس روز مغرب تک کی تمام نمازیں خود ہی پڑھاتے رہے اور یہ (جمعرات مغرب کی) آخری نماز تھی جو اس عالمِ فانی میں خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ نے خود پڑھائی اس میں آپؐ نے سورہ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا تلاوت فرمائی لیکن نمازِ عشاء کا وقت آنے تک مرض میں اتنی شدت آگئی کہ حجرے سے نکل کر مسجد میں تشریف لانے کی طاقت نہ رہی۔ آپؐ نے گھر والوں سے دریافت فرمایا، کیا لوگوں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا، نہیں یا رسولَ اللہ! وہ سب انتظار کر رہے ہیں کہ آپ تشریف لا کر ان کو نماز پڑھائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، میرے لیے لگن میں پانی رکھو۔ پانی رکھا گیا اور آپؐ نے غسل فرما کر مسجد جانے کا ارادہ فرمایا لیکن شدتِ نقاہت سے آپ کو غش آگیا جب افاقہ ہوا تو آپؐ نے اسی طرح دو مرتبہ پھر مسجد جانے کا عزم فرمایا لیکن پہلے کی طرح آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی بالآخر آپؐ نے حکم دیا کہ ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھائیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

> ''یا رسولَ اللہ! ابوبکر بہت ہی رقیق القلب آدمی ہیں جب قرآن پڑھتے ہیں تو بہت روتے ہیں۔ آپؐ کی جگہ پر کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھا سکیں گے۔''
> (یعنی اُن پر رِقّت طاری ہو جائے گی اور وہ رونے لگیں گے)

لیکن حضور ﷺ نے مکرر فرمایا کہ ابوبکر ہی نماز پڑھائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دو تین مرتبہ اپنی بات دہرائی اور ان کے ایماء پر اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی بات کو حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا لیکن حضور ﷺ نے اپنا حکم برقرار رکھا (بلکہ آخری مرتبہ تو حضور ﷺ نے یہ بات کہنے والوں کو جھڑک کر اپنے ارشاد کی تعمیل پر زور دیا) چنانچہ جمعرات کی عشاء کے وقت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں مسلمانوں کو نماز پڑھانی شروع کی۔ جمہور اربابِ سیر کے مطابق رحمتِ عالم ﷺ کی اس عالمِ فانی میں موجود ہوتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہُ نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوشنبہ کی فجر تک سترہ نمازیں مسلمانوں کو پڑھائیں۔

حضور ﷺ نے پہلوئے صدیقؓ میں نماز پڑھی:

ہفتہ یا اتوار کے دن رسولِ اکرم ﷺ نے قدرے افاقہ محسوس فرمایا چنانچہ آپؐ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سہارا لے کر ظہر کی نماز کے لیے حجرے سے باہر تشریف لائے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ صحابۂ کرامؓ کو نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ آہٹ پا کر پیچھے ہٹنے لگے لیکن حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں اور لانے والوں سے فرمایا کہ وہ آپ کو حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھا دیں۔ چنانچہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے آپ کو حضرت ابوبکرؓ کے بائیں پہلو میں بٹھا دیا۔ اب حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے رہے اور حضور ﷺ نے بیٹھ کر نماز ادا فرمائی۔ اس کی صورت یوں تھی کہ حضرت ابوبکرؓ تو رسولِ اکرم ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے اور باقی سب لوگ حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا کر رہے تھے (یعنی ان کی تکبیرات پر نماز ادا کر رہے تھے) (صحیح بخاری باب مرض النبیؐ ج ۲ ص ۶۴۰)

وفات سے ایک دن پہلے:

وفات سے ایک دن پہلے اتوار کو لوگوں نے دوا پلانی چاہی۔ اپنے مرض کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے اب آپؐ کسی دوا کے استعمال کو بے فائدہ سمجھتے تھے اس لیے آپؐ نے دوا پینے سے انکار کر دیا اس کے فوراً بعد آپ کو غش آ گیا لوگوں نے دہنِ مبارک کھول کر دوا پلا دی۔ غشی دور ہوئی تو آپ کو دوا پلائے جانے کا علم ہو گیا۔ فرمایا، جن لوگوں نے مجھے (بے خبری میں) دوا پلائی ہے ان سب کو دوا پلائی جائے۔ علامہ شبلیؒ کا بیان ہے کہ ”محدثین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ بشریت کا اقتضا تھا یعنی جس طرح بیماروں میں نازک مزاجی آ جاتی ہے آپؐ نے بھی اسی طرح یہ حکم دیا تھا لیکن ہمارے نزدیک تو یہ تنک مزاجی نہیں بلکہ لطفِ طبع تھا۔
(سیرۃ النبیؐ حصہ دوم ۱۸۱ بحوالہ طبقات ابنِ سعد و صحیحین)

اسی دن حضور ﷺ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد فرما دیا۔ چند دن پہلے آپؐ نے کچھ (بعض روایات کے مطابق سات یا آٹھ) اشرفیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوائی تھیں۔ آپ کو ان اشرفیوں کا خیال آیا تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ ”عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں، اگر میں یہ اشرفیاں گھر میں چھوڑ کر اپنے پروردگار سے ملاقات کروں تو میرا پروردگار مجھ سے پوچھ سکتا ہے کہ اے محمد! کیا اللہ پر اعتماد نہیں تھا، اے عائشہ! جاؤ اور ان اشرفیوں کو اللہ کی راہ میں خیرات کر دو۔ انہوں نے فوراً تعمیلِ ارشاد کی۔

حضور ﷺ نے اُس دن اپنے تمام ہتھیار بھی مسلمانوں کو ہبہ فرما دیے۔ لاکھوں مربع میل پر محیط سرزمینِ عرب کے فرمانروا بلکہ سرورِ کائنات ﷺ کے گھر کی یہ کیفیت تھی کہ اس دن کی شام کو (آخری شب کے لیے) چراغ جلانے کے لیے تیل ایک پڑوسن سے عاریۃً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منگوایا۔ آپؐ کی زِرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔
(رحمۃٌ لِلعالمین ج ا ص ۳۲۱ بحوالہ صحیح بخاری)

عالَمِ فانی میں آخری دن:

حضور ﷺ کے مرض میں کبھی شدت اور کبھی تخفیف ہو جاتی تھی۔ دوشنبہ (سوموار) کو صبح کے وقت طبیعت میں کچھ سکون تھا۔ اس وقت لوگ فجر کی نماز میں مشغول تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ امامت فرما رہے تھے کہ اچانک رسولِ اکرم ﷺ نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے) حجرے کا پردہ اٹھایا اور کھڑے ہو کر صحابۂ کرامؓ کی طرف دیکھنے لگے جو صفیں باندھے کھڑے تھے۔ یہ روح پرور منظر دیکھ کر حضور ﷺ کے رُخِ انور پر بشاشت پھیل گئی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کا چہرہ ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا وہ قرآن مجید کا ایک ورق ہے (یعنی سفید ہو گیا تھا) آپ مسکرا رہے تھے (ایک روایت کے مطابق آپ مَسَرَّت سے ہنس پڑے)۔ صحابۂ کرامؓ نے آہٹ پا کر خیال کیا کہ آپ مسجد میں تشریف لانا چاہتے ہیں۔ فرطِ مَسَرَّت سے وہ بے قابو ہو چلے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی پیچھے ہٹنا چاہا لیکن حضور ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ نماز پوری کر لو اس کے بعد آپؐ نے پردہ گرا دیا۔

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا، آپؐ پر بار بار غشی طاری ہو جاتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پدرِ گرامی ﷺ کی یہ حالت دیکھی تو ان کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے وَاکَرْبُ اَبَاہُ (ہائے میرے باپ کی بے چینی)۔ حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا، تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔ [1] (صحیح بخاری ۲ ص ۶۴۱)

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دورانِ علالت میں

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ ایامِ علالت میں حضور ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بلا بھیجا۔ وہ آئیں تو آپؐ نے ان کے کان میں آہستہ سے کوئی بات کہی جسے سن کر وہ رونے لگیں پھر حضور ﷺ نے کوئی اور بات ان کے کان میں کہی جسے سن کر وہ ہنسنے لگیں۔ اس وقت تو حضرت فاطمہؓ نے کسی کو کچھ نہ بتایا کہ حضور ﷺ نے ان سے کیا سرگوشی فرمائی جو ان کے رونے اور ہنسنے کا سبب بنی لیکن حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصرار پر بتایا کہ پہلی مرتبہ حضور ﷺ نے میرے کان میں فرمایا تھا کہ اس سال جبریلِ امین نے خلافِ معمول میرے ساتھ ایک کے بجائے دو بار قرآن مجید کا دور کیا ہے اس سے قیاس ہوتا ہے کہ میری وفات کا وقت قریب آ پہنچا ہے اور دوسری مرتبہ آپؐ نے یہ فرمایا تھا کہ تم میرے گھر والوں میں سب سے پہلے مجھے ملو گی۔ (صحیح بخاری ۲/ ۶۳۸) ایامِ علالت ہی میں حضور ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو یہ بشارت بھی دی کہ تم سَیِّدَۃُ نِسَآءِ الْعٰلَمِیْن ہو (یعنی تمام جہانوں کی خواتین یا تمام اہلِ ایمان خواتین کی سردار ہو)۔ اس سلسلے کی احادیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ گفتگو کس دن ہوئی تھی بعض اربابِ سِیَر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری دن پیش آیا بعض کہتے ہیں ہفتہ کے دن (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بتایا کہ اے عائشہ! میں نے خیبر میں جو طعام (مسموم) کھایا تھا، اس کی تکلیف برابر محسوس کر رہا ہوں اس وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ میری رگِ اَبْہَر اس زہر کے اثر سے کٹی جا رہی ہے۔
(رگِ ابہر قلب سے ملی ہوئی ایک رگ ہے اگر یہ کٹ جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے)
(صحیح بخاری ۲/ ۶۳۷)

حضور ﷺ کے اسی ارشاد کی بناء پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہُ اور بعض دوسرے صحابۂ کرامؓ کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ شہید فوت ہوئے تھے کیونکہ آپؐ کی وفات سَم (زہر) کی وجہ سے ہوئی۔ (اصح السیر ص ۵۱۵)

بعض روایات میں ہے کہ اُسی روز حضور ﷺ نے تمام ازواجِ مُطَہَّراتؓ کو بلا کر نصیحتیں فرمائیں پھر حضرت علیؓ کو بلایا انہوں نے حضور ﷺ کا سرِ اقدس اپنی گود میں رکھ لیا۔ آپؐ نے ان کو بھی کچھ نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں۔ اسی موقع پر آپؐ نے بار بار یہ وصیت بھی فرمائی اَلصَّلوٰۃُ الصَّلوٰۃُ وَمَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (نماز نماز اور تمہارے زیر دست) یعنی نماز کی پابندی کرنا اور اپنے غلاموں اور کنیزوں سے بہت اچھا سلوک کرنا۔
(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۳۲۔۴۳۰، صحیح بخاری ۲/ ۶۳۷، رحمۃٌ لِّلعالمین ج ۱ ص ۲۴۳۔۳۲۲)

حضور ﷺ پر نزع کی حالت طاری ہوئی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کو سہارا دیئے آپؐ کے پسِ پشت بیٹھی تھیں اور آپؐ کا سرِ اقدس اپنی گود میں لے رکھا تھا۔ حضور ﷺ کے قریب پانی کا ایک پیالہ پڑا تھا (باختلافِ روایت یہ لکڑی کا بڑا پیالہ ''عُلبہ'' یا چمڑے کا پیالہ ''رَکوہ'' تھا)۔ حضور ﷺ بار بار پیالے کے پانی میں ہاتھ ڈالتے اور چہرے پر بھیگا ہوا ہاتھ پھیرتے تھے چہرۂ اقدس کبھی سُرخ ہو جاتا اور کبھی زرد پڑ جاتا تھا۔ چادر مبارک کبھی چہرۂ مبارک پر ڈال لیتے تھے اور کبھی ہٹا دیتے تھے۔ اس وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ ہوتے تھے:

لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٍ.

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

(وفات سے دو دن پہلے) پیش آیا اور بعض کے خیال میں دورانِ علالت میں کسی اور دن پیش آیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ دورانِ علالت میں حضور ﷺ نے سیّدہ فاطمہؓ سے فرمایا کہ اپنے بچوں کو بلا لاؤ وہ بچوں کو حضور ﷺ کے پاس لے آئیں تو آپؐ نے ان کو چوما اور ان کے سر پر دستِ شفقت پھیرا۔ یہ واقعہ جس دن پیش آیا اس کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ کسی کے خیال میں یہ وفات کے دن کا واقعہ ہے اور کسی نے اسے کسی اور دن کا واقعہ بتایا ہے۔ (رحمۃٌ لّلعالمین ج ۱ ص ۳۲۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں موت میں سختی یا تلخی ہوا ہی کرتی ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں معوذتین پڑھ کر آپؐ پر دم کرنے لگی کہ آپؐ نے اوپر کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی (سب سے اعلیٰ رفیق کے پاس سب سے اعلیٰ رفیق کے پاس) اتنے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے۔ انکے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی۔ حضور ﷺ نے بنظرِ رغبت اس کی طرف دیکھا۔ حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں کہ آپؐ کو مسواک کی ضرورت ہے انہوں نے بھائی سے مسواک لے کر پہلے خود اس کو چبا کر نرم کیا اور پھر یہ حضور ﷺ کے دستِ مبارک میں تھما دی۔ ۱؎ آپؐ نے بہت اچھی طرح مسواک کی جیسے آپؐ تندرستی کی حالت میں کیا کرتے تھے مسواک سے فارغ ہو کر آپؐ اسے حضرت عائشہؓ کو واپس کرنے لگے لیکن وہ آپؐ کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اب وصال کا وقت لحظہ بہ لحظہ قریب آ رہا تھا اور سینۂ اقدس میں سانس کی گھرگھراہٹ محسوس ہوتی تھی۔ اتنے میں لب مبارک ہلے جو لوگ قریب موجود تھے انہوں نے یہ الفاظ سنے اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (نماز اور غلام) یعنی آپؐ اُمت کو وصیّت فرما رہے تھے کہ نماز کی ہر حالت میں پابندی کرنا اور زیردستوں کے ساتھ بہترین یا برابر کا سلوک کرنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہُ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی آخری وصیّت یہی تھی۔ اس وقت بے چینی انتہا کو پہنچ گئی اور جسمِ مبارک ڈھیلا پڑ گیا اسی حالت میں آپؐ نے بائیں انگلی اوپر اٹھائی (بروایتِ دیگر ہاتھ کو بلند فرمایا) اور زبانِ مبارک سے (تین بار) فرمایا:

بَلِ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی (اب اور کوئی نہیں وہی سب سے بڑا رفیق مطلوب ہے) بروایتِ دیگر آخری الفاظ یہ تھے اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی یا فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی ۲؎ اس کے ساتھ ہی آپؐ

۱؎ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بھائی کے ہاتھ سے مسواک لے کر حضور ﷺ کے دستِ مبارک میں پکڑا دی۔ مسواک سخت تھی آپؐ کمزوری کی وجہ سے اسے نرم نہ کر سکے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا، کیا میں اسے نرم کر دوں؟ آپؐ نے اشارہ سے فرمایا، ہاں......... چنانچہ حضرت عائشہؓ نے مسواک آپ سے لے کر اس کو چبایا۔ جب یہ نرم ہو گئی تو اسے (صاف کر کے) حضور ﷺ کو پیش کر دی۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ عن عائشہؓ)

۲؎ صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کے آخری الفاظ یہ تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔

''یعنی اے اللہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیقِ اعلیٰ سے ملا دے۔''

لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اصح ترین روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے سب سے آخری الفاظ یہی تھے:

فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ (اصح السیر ص ۵۳۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا دستِ مبارک ایک طرف جھک گیا، پُتلیاں اوپر کو اٹھ گئیں اور رُوحِ پاک جسمِ اطہر سے نکل کر عالمِ قُدس میں پہنچ گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ

(صحیح بخاری ۲/۶۳۷ تا ۶۴۱ باب مرض النبیؐ، وفاتہ نیز سیرۃ النبویہ ابنِ کثیر ج ۴ ص ۴۷۴)

جمہور اربابِ سِیَر کے نزدیک حضور ﷺ کی وفات دو شنبہ کے روز ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ھ ہجری کو ہوئی۔[۱] وفات کے وقت کے بارے میں اختلاف ہے۔ کسی نے چاشت کا وقت لکھا ہے کسی نے شدتِ چاشت کا، کسی نے زوال کے بعد کا اور کسی نے سہ پہر کا۔[۲] وصال کے دن عمر شریف قمری حساب سے تریسٹھ سال چار دن کی تھی۔

---

[۱] ربیع الاوّل ۱۱ ھ ہجری بروز سوموار پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ بیان کی ہے اور بعض نے دوسری لیکن ابنِ اسحاقؒ اور جمہور کا قول یہی ہے کہ اس دن ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ تھی۔ (اصح السیر ص ۵۳۵)

علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرۃ النبیؐ'' میں یکم ربیع الاوّل والی روایت کی ترجیح دی ہے اور امام سہیلیؒ صاحب ''روض الانف'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ بارہ ربیع الاوّل کی روایت قطعاً ناقابلِ تسلیم ہے۔

(سیرۃ النبیؐ جلد دوم حاشیہ صفحہ ۱۷۲-۱۷۳)

[۲] صاحب اصح السِیَر مولانا عبدالرؤف داناپوری نے اس سلسلے کی ساری روایتوں کا محاکمہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضور ﷺ نے دن کے نصفِ آخر میں یعنی زوال کے بعد وفات پائی۔ (اصح السِیَر ص ۵۳۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیامتِ صُغریٰ

رسولِ اکرم ﷺ کی وفات صحابۂ کرامؓ کے لیے قیامتِ صُغریٰ سے کم نہیں تھی۔ اُن کو اپنے ماں باپ اور اولاد سے بڑھ کر حضور ﷺ سے محبت تھی۔ اس سانحۂ جانگداز سے اکثر اکابر صحابہ پر سکتہ کی کیفیت طاری ہوگئی بیشتر صحابہ (بشمول صحابیات) وفورِ غم سے نڈھال ہوگئے اور بعض اپنے حواس کھو بیٹھے۔ حضور ﷺ کے رفیقِ خاص (یارِ غار) سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ ـــــ سوموار (یومِ وفات) کو فجر کی نماز کے بعد حضور ﷺ سے اجازت لے کر "سنح" گئے تھے جہاں ان کی اہلیہ حبیبہ بنتِ خارجہ رہتی تھیں (سُنح کا مقام مسجدِ نبوی سے ایک میل کے فاصلے پر مضافاتِ مدینہ میں تھا) انہوں نے یہ دلدوز خبر حضرت سالمؓ بن عبید کی زبانی سنی تو وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر سُنح سے مدینہ منورہ پہنچے اور مسجدِ نبویؐ کے دروازے پر ایک لحہ کے لیے رکے پھر سیدھے حجرۂ اقدس میں داخل ہوئے، رسولِ اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک سے حجرہ کی سبز چادر (نقشین بُردِ یمانی) ہٹائی، آپ کی جبینِ پاک پر بوسہ دیا اور رو کر کہا:

"آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ کی حیات اور وفات دونوں پاک ہیں جو موت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے حق میں لکھ دی تھی اس کا ذائقہ آپ نے چکھ لیا اب اس کے بعد آپ کبھی وفات نہیں پائیں گے۔"

یہ کہہ کر حضور ﷺ کا چہرۂ اقدس چادر سے ڈھک دیا اور باہر نکلے اسوقت مسجدِ نبویؐ میں لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا اور حضرت عمرِؓ فاروق وفورِ جذبات میں لوگوں سے کہہ رہے تھے:

"جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے ہیں میں اس کا سر قلم کردوں گا۔ واللہ آپؐ نے وفات نہیں پائی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنے ربّ کے پاس گئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام بھی چالیس دن کے بعد واپس آگئے تھے حالانکہ ان کی نسبت بھی کہا جاتا تھا کہ وفات پاگئے اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی واپس تشریف لائیں گے اور لوگوں (منافقوں) کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ اگرچہ فرطِ غم سے نڈھال تھے لیکن اُن کے عشقِ رسول ﷺ اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیر خواہی اُمّت کے جذبہ کو گوارا نہ ہوا کہ لوگ حضور پُر نور ﷺ کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ غم و اندوہ کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں وہ منارۂ نور بن کر کھڑے ہو گئے۔ پہلے تو حضرت عمرؓ فاروقؓ کو آواز دی:۔

''اے عمر! سنبھلو اور خاموش ہو جاؤ۔''

یا بروایتِ دیگر فرمایا ''اے قسمیں کھانے والے ٹھہر جا، جلدی نہ کر۔''

حضرت عمرؓ سخت جوش اور وارفتگی کے عالم میں تھے انہوں نے صِدّیق اکبرؓ کی بات سُنی اَن سُنی کر دی۔ اس پر صدّیقِ اکبرؓ کو جلال آ گیا وہ آگے بڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

''اے لوگو! جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کی پرستش کرتا تھا تو وہ جان لے کہ محمد ﷺ وفات پا گئے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا تھا تو وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا اور اللہ کا ارشاد ہے۔:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (سورۃ آل عمران آیۃ:۱۴۴)

ترجمہ ''اور نہیں ہیں محمدؐ مگر ایک رسول ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اگر محمدؐ وفات پا جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل (کفر کی جانب) پھر جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ شکر گزار بندوں کو عنقریب جزا دے گا۔''

حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ عنہٗ کی تقریر سن کر لوگ چونک پڑے اور انہیں یوں محسوس ہوا کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔ بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ اس آیت کو سن کر میرے پاؤں ٹوٹ گئے، کھڑے رہنے کی سکت نہ رہی، میں زمین پر گر گیا اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔

(صحیح بخاری باب مرض النبیؐ و وفاتہ، سیرت ابنِ ہشام ج ۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ خلیفہ چُن لیے گئے

رسولِ اکرم ﷺ دینی و دُنیوی ہر اعتبار سے اہلِ ایمان کے سردار...... آقا و مولا تھے۔ سارے اہلِ عرب پر آپ کو ہر نوع کی مکمل سیادت حاصل تھی۔ جہاں تک حضور ﷺ کے رسول اور نبی ہونے کا تعلق ہے تو آپؐ خَاتَمُ الْاَنبیَا وَالمُرسَلِین تھے آپؐ کے بعد کسی رسول یا نبی آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا البتہ سربراہِ مملکت (Head of The State) کی حیثیت سے آپ کی وفات کے بعد مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ کسی تاخیر کے بغیر اپنے سربراہِ مملکت کا خلیفہ (جانشین) منتخب کرلیں تاکہ مملکت کے انتظامی امور میں نہ کوئی خلا محسوس ہو اور نہ کوئی رخنہ پڑے۔ چنانچہ حضور ﷺ کے سفرِ آخرت پر روانہ ہونے کے فوراً بعد انصار اور مہاجرین سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے، آپس میں صلاح مشورہ کیا، بحث وتمحیص کی، ایک دوسرے کا موقف سنا، اس کی تائید یا مخالفت کی اور بالآخر سب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو خلیفہ منتخب کرلیا۔[1] اس سلسلے میں مولانا سیّدابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ''نبیِ رحمت'' میں لکھا ہے کہ'' اس (حضور ﷺ کی وفات) کے بعد تمام مسلمانوں نے سقیفۂ بنو ساعدہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ اس عجلت کا مقصد یہ تھا کہ شیطان کو اُن کے دلوں میں پھوٹ ڈالنے اور ان کے اندر رخنہ پیدا کرنے کا موقع نہ ملے اور نفسانی خواہشات سر نہ اٹھاسکیں اور حضور ﷺ اپنے آخری سفر پر اس حال میں روانہ ہوں کہ مسلمان ایک رشتہ میں منسلک اور پوری طرح متحد اور ہم رنگ وہم آہنگ ہوں۔ ان کا امیر موجود ہو اور ان کے سارے معاملات کی دیکھ بھال کررہا ہو۔ (نبیِ رحمت حصہ دوم ص ۱۶۰)

تجہیز و تکفین:

خلیفہ کے انتخاب کے بعد حالات قدرے پُرسکون ہوئے اور صحابۂ کرامؓ جس جانکاہ صدمے اور تحیّر سے دوچار ہوئے تھے وہ کسی قدر ہلکا ہوا تو وہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے اور سہ شنبہ (منگل) کے روز حضور ﷺ کے جسدِ اقدس کو غسل دینے کے لیے تیار ہوئے۔ حضور ﷺ کا جسدِ اقدس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں اسی بستر پر تھا جس پر آپؐ نے وفات پائی تھی۔ غسل دینے سے پہلے حجرے میں حضرت عباسؓ

[1] رسولِ پاک ﷺ کی رحلت کے بعد سقیفۂ بنی ساعدہ میں جو واقعات پیش آئے اور جو بحث وتمحیص ہوئی، اس کی تفصیل حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مؤلف کی تالیف ''خلیفۃ الرّسُول'' میں بھی یہ تفصیل موجود ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابنِ عبد المطلب، حضرت علیؓ، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت قثم بن عباسؓ، حِبُّ النّبیؐ حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت شقران صالحؓ موجود تھے انہوں نے دروازہ بند کرلیا تاکہ ہجوم اندر داخل نہ ہو (کیونکہ ہر شخص غسل دینے کی سعادت میں شریک ہونے کا متمنّی تھا)۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ انصار دروازے کے باہر جمع ہوگئے اور آواز دی کہ خدا کے لیے ہمیں رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے دو ہم آپؐ کے ننہالی اعزّہ ہیں اور اسلام میں ہمارا جو مقام اور مرتبہ ہے وہ سب پر روشن ہے۔

اُن سے کہا گیا کہ آپ لوگ اپنے میں سے کسی ایک کو اتفاق رائے سے منتخب کرلیں اور اسے اندر بھیج دیں۔ اس پر سب انصار نے حضرت ابولیلیٰ اوس بن خولی انصاری (خزرجی سالمی) رضی اللہ عنہُ کو اپنا نمایندہ منتخب کیا۔ وہ بدر، اُحد اور دوسرے تمام مشاہد میں رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ شریک رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہُ نے دروازہ کھول کر انہیں اندر بلا لیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہُ نے حضرت علی رضی اللہ عنہُ کو خدا کی قسم دے کر کہا کہ ہمیں بھی رسول اللہ ﷺ کی اس خدمت میں شریک کر لیجیے۔ اس پر حضرت علیؓ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی۔ حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہُ پہلے اندر جا کر بیٹھ گئے پھر اٹھے اور پانی لانے کی خدمت انجام دی۔ طاقتور آدمی تھے۔ پانی سے بھرا ہوا گھڑا ایک ہاتھ سے اٹھا کر لاتے تھے حضور ﷺ کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہُ نے آپؐ کے جسدِ اقدس کو اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہُ اور ان کے دونوں صاحبزادے حضرت فضلؓ اور حضرت قثمؓ جسمِ مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور حضرت اُسامہ بن زیدؓ اور حضرت شقران صالحؓ (حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام) اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت فضل بن عباس اور حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے پردہ کر رکھا تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہُ نے پردہ کیا تھا۔ [1]

(طبقات ابنِ سعد ج ۲، ق ۲، ص ۶۱ تا ۶۳، اسد الغابہ اردو ج ا ص ۲۰۳۔۲۰۲ سیرۃ النبیؐ حصہ دوم ص ۱۸۵۔۱۸۴)

غسل کے بعد آنحضور ﷺ کو تین سفید سُوتی کپڑوں میں کفنایا گیا۔ ان

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کے غسل کے لیے پانی غرس نامی کنوئیں سے لایا گیا جو قُبا میں تھا۔ حضور ﷺ اس کنوئیں کا پانی نوش فرمایا کرتے تھے اور بروایت حضرت علیؓ آپؐ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے بئر غرس کے سات مشک پانی سے غسل دیجیو...... بعض روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ کو تین مرتبہ غسل دیا گیا پہلے خالص پانی سے دوسری مرتبہ بیری کے پتے ملائے ہوئے پانی سے اور تیسری مرتبہ کافور ملے ہوئے پانی سے۔ غسل دیتے وقت حضرت علیؓ کے سوا سب اصحاب نے آنکھوں پر پٹیاں باندھ لی تھیں تاکہ کھلے ہوئے جسدِ اطہر پر کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔ غسل دیتے وقت حضرت علیؓ یہ کہتے جاتے تھے بِاَبِیْ وَ اُمِّیْ طَیِّبًا حَیًّا وَمَیِّتًا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ زندگی میں بھی پاک تھے اور وفات کے بعد بھی پاک ہیں۔

(السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۴۹۵، البدایہ والنہایہ ص ۲۴۵۔۲۴۴، اَصَحُّ السِّیَر بحوالہ شرح مواہب زرقانی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کُرتا اور عمامہ نہ تھا۔ ایک روایت کے مطابق یہ کپڑے یمن کے ایک گاؤں سحول کے بُنے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کے جسدِ اقدس کو اِن اَن سلے تین کپڑوں میں جو چادروں کی صورت میں تھے، لپیٹ دیا گیا تھا۔ (صحیح بخاری ا ص ۱۶۹، صحیح مسلم ا ص ۳۰۶)

نمازِ جنازہ:

غسل اور تکفین کے بعد حضور ﷺ کو ایک تخت پر حجرۂ مبارک ہی میں رکھا گیا۔ پھر لوگوں نے نمازِ جنازہ کے لیے جماعتوں کی صورت میں حاضر ہونا شروع کیا۔ پہلے اہلِ بیت نے پھر مہاجرین کے مَردوں نے پھر انصار کے مَردوں نے اُن کے بعد عورتوں نے اور پھر بچوں نے نمازِ جنازہ ادا کی۔ حجرۂ مبارک کے اندر زیادہ گنجائش نہیں تھی اس لیے دس دس افراد اندر جاتے تھے جب دس افراد کی ایک جماعت نمازِ جنازہ سے فارغ ہو کر باہر آتی تو دس افراد کی دوسری جماعت اندر جاتی۔ یہ سلسلہ رات تک جاری رہا۔ نمازِ جنازہ میں کسی نے امامت نہ کی۔ لوگ الگ الگ تکبیر کہہ کر درود اور دعا پڑھتے تھے۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ تمہارے امام تھے اور اب بھی وہی امام ہیں۔“

(سیرت ابنِ ہشام ج ۲ ص ۶۶۳، سیرۃ النبیؐ حصہ دوم ص ۱۸۶، اصح السیر ص ۵۴۳)

آخری آرام گاہ:

غسل اور تکفین کے بعد سوال پیدا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی آخری آرام گاہ (قبر مبارک) کہاں بنائی جائے۔ کسی نے بقیع میں بنانے کی رائے دی اور کسی نے منبر کے پاس لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہُ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نبی کا بھی انتقال ہوا اس کو اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں اس نے وفات پائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہُ نے فرمایا کہ میں نے بھی رسولِ اللہ ﷺ سے اسی طرح سنا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کا بستر مبارک جس پر آپؐ نے وفات پائی تھی، اٹھا دیا گیا اور (حجرۂ عائشہؓ میں) ٹھیک اس کے نیچے قبر کھودنا تجویز ہوا۔[1] (صحیحین و ابوداؤد کتاب الجنائز نبیٔ رحمت حصہ دوم ص ۱۶۱)

تدفین:

اب یہ سوال پیدا ہوا کہ قبر صندوقی (شقی) بنائی جائے یا لحد والی۔ مدینہ منورہ میں دو صاحب قبر کھودنے میں ماہر تھے ایک حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہُ وہ صندوقی قبر کھودتے تھے۔ دوسرے حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہُ وہ لحد والی قبر کھودا کرتے تھے۔ حضرت عُمرؓ فاروق رضی اللہ عنہُ کی تجویز پر عَمِّ رسول حضرت عباس رضی اللہ عنہُ نے دونوں کو

---

[1] اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کسی میدان میں اس لیے نہیں دفن کیا گیا کہ وقتِ آخر آپؐ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرطِ عقیدت سے میری قبر کو بھی عبادت گاہ نہ بنالیں۔ میدان میں اس کی دار و گیر مشکل تھی۔ (سیرۃ النبیؐ حصہ دوم ص ۱۸۵ بحوالہ صحیح بخاری)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلانے کے لیے آدمی بھیجے اور طے پایا کہ جو پہلے آجائے وہی قبر کھودے۔ اتفاق سے حضرت ابوعبیدہؓ گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت ابوطلحہؓ گھر پر موجود تھے وہ دوسرے آدمی کے ساتھ آگئے اور انہوں نے لحد والی قبر تیار کردی۔ پھر جس بستر پر حضور ﷺ نے وفات پائی تھی وہ قبر میں بچھا دیا گیا کیونکہ زمین نم تھی۔ (سیرۃ النبیؐ حصہ دوم ص ۱۸۶)

جسدِ اقدس کو ایک روایت کے مطابق حضرت علی، حضرت فضل بن عباس، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔ (ابوداؤد کتاب الجنائز۔)

دوسری روایت کے مطابق حضرت علیؓ، حضرت فضلؓ بن عباس، حضرت قثمؓ بن عباس اور حضرت شقران صالحؓ نے قبر میں اتارا۔

تیسری روایت کے مطابق حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ اور حضرت قثم بن عباسؓ نے جسدِ اقدس کو قبر میں رکھا۔ اور سب سے آخر میں حضرت قثمؓ قبر سے نکلے۔[1] مرقدِ مبارک پر حضرت بلالؓ نے مشک سے پانی کا چھڑکاؤ کیا۔

چھڑکاؤ کا آغاز اُنہوں نے سر کے دائیں جانب سے کیا اور قدموں تک سارے مرقدِ انور پر کیا۔ (السیرۃ النبویہ، ابنِ کثیرؒ ج۔۴ ص ۵۴۰)

اس طرح وہ مقام پُر انوار معرضِ وجود میں آیا جس کے بارے میں کہا گیا ہے۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جُنیدؒ و با یزیدؒ ایں جا
(عزّت بخاری)

تدفین کا دن:

رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کا دن سوموار ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے لیکن تدفین کے دن کے بارے میں جو روایتیں ہیں ان میں ابہام پایا جاتا ہے بعض روایتوں میں ہے کہ تدفین چہار شنبہ (بدھ) کی رات کو عمل میں آئی اور بعض میں ہے کہ سہ شنبہ (منگل) کو ہوئی مولانا عبدالرّؤف داناپوری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں قسم کی روایتوں کا جائزہ لے کر لکھا ہے کہ:

"بدھ والی روایتیں سنداً ضعیف ہیں تاہم علماء نے ان روایتوں میں تطبیق دی ہے کہ حضور ﷺ کو منگل اور بدھ کے درمیان والی رات میں دفن کیا گیا اس لیے کوئی اس کو منگل کا دن کہتا ہے اور کوئی بدھ کا دن۔" واللہ اعلم

(اَصحّ السیَر ص ۵۴۴)

تدفین کے دن کے بارے میں یہی معتدل اور معقول رائے ہے۔

---

[1] ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہٗ کی انگوٹھی قبر مبارک میں گر گئی تھی وہ اس کو لینے کے لیے قبر میں اترے تھے اس طرح وہ قبر مبارک سے سب سے آخر میں نکلے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے عمداً انگوٹھی قبر میں گرائی تھی بعد میں وہ ہمیشہ لوگوں سے فخریہ کہا کرتے تھے کہ میں تم سب میں رسول اللہ ﷺ سے آخری جدا ہونے والا ہوں۔ (طبقات ابنِ سعد ج ۲ ق ۲ ص ۷۷۔۷۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اولادِ امجاد

جمہور اہلِ سیر کے نزدیک رسولِ اکرم ﷺ کی کل سات اولادیں ہوئیں۔ تین بیٹے اور چار صاحبزادیاں۔ دو صاحبزادے اور چاروں صاحبزادیاں اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھے۔ ایک صاحبزادے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔

پہلے صاحبزادے قاسم تھے اُن ہی کے نام پر آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی یہ جگر گوشۂ رسولؐ بچپن ہی میں فوت ہوگئے ان کے بعد بالترتیب حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت اُمِ کلثومؓ، اور حضرت فاطمۃُ الزّہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں۔ یہ پانچوں اولادیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے قبل از بعثتِ نبوی پیدا ہوئیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آخری اولاد جو بعثتِ نبوی کے بعد پیدا ہوئی، ایک صاحبزادے عبداللہ تھے [1] بعض سیرت نگاروں نے ان کے علاوہ دو اور صاحبزادوں طیّب اور طاہر کا ذکر کیا ہے لیکن حافظ ابنِ قیمؒ کی تحقیق کے مطابق طیّب اور طاہر "عبداللہ" کے لقب تھے بعض اربابِ سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ عبداللہ چونکہ عہدِ نبوت میں پیدا ہوئے اس لیے ان کا لقب طیّب اور طاہر معروف ہوا۔ حضرت عبداللہ (طیّب و طاہر) بھی بچپن ہی میں فوت ہوگئے۔ ان کی وفات پر مشرکین نے کہنا شروع کر دیا کہ اب محمد (ﷺ) کی کوئی اولادِ نرینہ باقی نہیں رہی اب وہ ابتر ہیں یعنی ان کی جڑ کٹ گئی ایک اور روایت میں مشہور مشرک عاص بن وائل کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔ "محمدؐ ابتر ہیں، ان کا کوئی

---

[1] ابنِ سعد اور ابنِ عساکر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے صاحبزادے قاسمؓ تھے ان سے چھوٹی حضرت زینب تھیں ان سے چھوٹے حضرت عبداللہؓ تھے پھر علی الترتیب تین صاحبزادیاں اُمِ کلثومؓ، فاطمہؓ اور رقیہؓ تھیں۔" (تفہیم القرآن ج ۶ ص ۴۹۰)

اس روایت میں حضور ﷺ کی اولاد کی جو ترتیبِ ولادت بیان کی گئی ہے جمہور اربابِ سیَر نے اسے قبول نہیں کیا اور دوسری مستند روایات کی بناء پر وہی ترتیب بیان کی ہے جو ہم نے اوپر درج کی ہے۔ اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ حضرت عبداللہؓ بعثتِ نبوی کے بعد فوت ہوئے جب آپ سے کفار کی مخالفت پورے عروج پر تھی۔ اگر حضرت عبداللہؓ کی ولادت حضرت زینبؓ کے بعد ہوئی ہوتی تو بعثتِ نبوی کے وقت وہ کم از کم آٹھ نو برس کی عمر کو پہنچ گئے ہوتے اور وفات کے وقت ان کی عمر اس سے بھی زیادہ ہوتی لیکن کُتبِ حدیث وسیرت میں کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ حضور ﷺ کے کسی صاحبزادے نے اتنی عمر پائی ہو۔ سب بہت چھوٹی عمر میں وفات پاگئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیٹا نہیں ہے جو ان کا جانشین ہو جب وہ مر جائیں گے تو ان کا نام دنیا سے مٹ جائے گا اور ان سے تمہارا پیچھا چھوٹ جائے گا۔ ایسی ہی باتیں مشرکین کے بعض دوسرے سرداروں (ابوجہل، عُقبہ بن ابی مُعیط وغیرہ) نے بھی کہیں اور حضور ﷺ کے غم پر خوشی منائی۔ آپؐ کے چچا ابولہب کی کمینگی کا یہ عالم تھا کہ کمسن عبداللہؓ کے فوت ہوتے ہی وہ دوڑتا ہوا مشرکین کے پاس گیا اور اُن کو یہ "خوشخبری سنائی کہ آج رات محمد (ﷺ) لاولد ہو گئے یا اُن کی جڑ کٹ گئی۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ کوثر (پارہ ۳۰) نازل فرمائی جس میں اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ فرما کر بتایا کہ آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے یعنی آپ کی مخالفت کرنے والوں ہی کی جڑ کٹ جائے گی، ان کا نام لیوا کوئی نہیں رہے گا مگر آپ آخرت میں بھی سربلند ہوں گے اور دنیا میں بھی، آپ پر کروڑوں اربوں لوگ ایمان لائیں گے اور آپ کا ذکرِ خیر قیامت تک نسلاً بعد نسلٍ ان کی زبانوں پر جاری رہے گا۔

حضور ﷺ کے تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ۸ھ ہجری (بروایت دیگر ۹ھ ہجری) میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کو دودھ پلانے کے لیے اپنی ایک صحابیہ اُمِ سیف خولہؓ بنتِ زید انصاریہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا۔ وہ انہیں اپنے گھر لے گئیں جو مدینہ سے دو تین میل دور عوالی میں تھا۔ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ننھے) ابراہیمؓ کو دیکھنے کے لیے مدینہ سے پاپیادہ تشریف لے جاتے تھے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ جاتے تھے۔ گھر میں دھواں بھرا ہوتا تھا کیونکہ ابراہیم کی مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے شوہر (ابوسیف براءؓ بن اوس) لوہار تھے مگر آپؐ اندر چلے جاتے بچے کو مرضعہ کے ہاتھ سے لے لیتے ان کا منہ چومتے پھر مدینہ واپس تشریف لے آتے ۱۰ھ ہجری میں جب حضرت ابراہیمؓ کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال (۱۶۔۱۷ یا ۱۸ ماہ) کی تھی کہ وہ شدید بیمار ہو گئے۔ حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ چند اصحاب کو ساتھ لے کر ابوسیفؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ نے ننھے ابراہیمؓ کو اپنی گود میں لیا اور ان کے منہ پر منہ رکھ کر پیار کیا اس وقت ابراہیمؓ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور آپ فرما رہے تھے:

"آنکھیں اشک بار ہیں اور دل غم زدہ ہے لیکن ہم کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو ربّ کو ناراض کرنے والی ہو اے ابراہیم ہم تم پر غمزدہ ہیں۔"

(نبیِ رحمت ص ۱۷۲۔۱۷۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہٗ نے (جو آپؐ کے ساتھ آئے تھے) عرض کیا، یارسولؐ اللہ! آپ رو رہے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا، اے ابنِ عوف! یہ تو رحمت ہے بے شک آنکھیں اشک ریز ہیں دل غمگین ہے لیکن ہم وہی بات منہ سے کہیں گے جو ہمارے رَبّ کو پسند ہو اور اسے راضی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دے اے ابراہیم! ہم تیرے فراق میں غمزدہ ہیں۔
(صحیح بخاری مع الفتح ۳/۱۷۳۔۱۷۴ طبع دارالافتاء السعودیہ)

ننھے ابراہیمؓ کا جنازہ ایک چھوٹی چارپائی پر اٹھایا گیا۔ حضور علیہ السلام نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور گورستانِ بقیع میں حضرت اُسامہ بن زیدؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ نے قبر میں اتارا۔ حضور علیہ السلام قبر کے کنارے کھڑے تھے۔ تدفین کے بعد قبر پر پانی چھڑکا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی قبر تھی جس پر پانی چھڑکا گیا۔

اتفاق سے جس دن حضرت ابراہیمؓ فوت ہوئے اسی دن سورج گرہن ہوگیا۔[1] بعض صحابہؓ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے انتقال کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان اصحاب کے اس خیال کی سختی سے تردید فرمائی اور ان پر واضح کیا کہ سورج گرہن یا چاند گرہن کا کسی کی موت یا حیات سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ صحیحین میں حضرت مُغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> ”رسول اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں خاص اس دن جس دن آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا، سورج کو گہن لگا تو بعض لوگوں نے کہا کہ سورج کو گہن ابراہیم کے انتقال کر جانے کی وجہ سے لگا ہے تو رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ سورج اور چاند کو گہن کسی کی موت و حیات کی وجہ سے نہیں لگتا (بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کی نشانیوں میں سے ہے) پس جب تم ایسا دیکھو تو اللہ کے حضور میں نماز پڑھو اور اس سے خوب دعا کرو۔“

(معارف الحدیث جلد سوم ص ۴۲۲)

اس سلسلے کے دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر رسولِ اکرم علیہ السلام نے دو رکعت نماز طویل قیام اور طویل رکوع و سجود کے ساتھ پڑھائی یہاں تک کہ آفتاب معمول کے مطابق روشن ہوگیا اس کے بعد آپؐ نے صحابہؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ (سورج گرہن اور چاند گرہن) اللہ عزّ وجلّ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں یہ کسی کی موت و حیات کی وجہ سے واقع نہیں ہوتیں بلکہ بندوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرنے کے لیے ظاہر ہوتی ہیں ایسے موقع پر تم اللہ کو یاد کرو اور اس سے دعا و استغفار کرو حضور علیہ السلام کے ان ارشادات اور آپ کے عمل کی روشنی میں سورج یا چاند کے گرہن لگنے پر دو رکعت نماز ادا کرنا سُنت ہے اس کو صلوٰۃِ کسوف کہتے ہیں۔

---

[1] بعض ماہرینِ فلکیات کے حساب کے مطابق ۱۰ ہجری میں سورج گرہن ۲۹ شوّال کو ہوا۔ گویا حضرت ابراہیمؓ کا یومِ وفات ۲۹ شوّال ۱۰ھ ہجری ہے اور ان کی زیادہ سے زیادہ عمر ڈیڑھ سال تسلیم کی جائے تو پھر ان کا سالِ ولادت ۹ھ ہجری تسلیم کرنا پڑے گا۔ (رحمۃٌ لّلعالمین ج ۲ ص ۱۱۰، معارف الحدیث ج ۳ حاشیہ ص ۴۲۳۔۴۲۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بناتِ طاہرات:

جس طرح ازواجِ مطہراتؓ کے حالاتِ زندگی پر مستقل تصانیف موجود ہیں اسی طرح بناتِ طاہرات کے سوانحِ حیات پر مشتمل بکثرت کتابیں مل جاتی ہیں۔ [1] اس لیے ازواجِ مطہراتؓ کے حالات کی طرح بناتِ طاہراتؓ کے حالاتِ زندگی بھی یہاں اختصار کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

بعثتِ نبویؐ سے دس سال پہلے مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک تیس سال کی تھی۔ ان کی شادی ہجرت سے پہلے ابوالعاص بن ربیع سے ہوئی جو ان کی خالہ ہالہ بنتِ خویلد کے بیٹے تھے۔ حضور ﷺ کی بِعثت کے بعد حضرت زینبؓ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئیں لیکن ابوالعاص بوجوہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ غزوۂ بدر (۲ھ ہجری) میں مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہوگئے۔ ان دنوں حضرت زینب (مکہ میں) اپنے سسرال کے گھر میں تھیں انہوں نے مکہ سے اپنے دیور عمرو بن ربیع کے ہاتھ یمنی عقیق کا ایک ہار اپنے شوہر کی رہائی کے لیے بطور فدیہ بھیجا۔ یہ ہار حضرت زینبؓ کو ان کی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے تحفہ میں دیا تھا۔ حضور ﷺ کو یہ ہار دیکھ کر حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں اور آپ آبدیدہ ہوگئے۔ آپؐ نے اپنے صحابہ کی رضا مندی سے یہ ہار اپنی لختِ جگر کو واپس بھیج دیا اور ابوالعاص کو اس شرط پر بلا فدیہ رہا کر دیا کہ وہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو فوراً مدینہ بھیج دیں۔ ابوالعاص نے مکہ واپس جا کر وعدہ کے مطابق حضرت زینبؓ کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ بن ربیع کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا۔ کفارِ مکہ میں سے بعض نے ان کا تعاقب کیا اور ذی طویٰ کے مقام پر ان کو جا گھیرا۔ حضرت زینبؓ اونٹ پر سوار تھیں ایک کافر نے اپنے نیزے سے کچوکا دے کر ان کو اونٹ سے نیچے گرا دیا جس سے وہ سخت زخمی ہوگئیں اِس وقت تو کنانہ ان کو واپس مکہ لے آئے پھر چند دن کے بعد خفیہ طور پر حضرت زینبؓ کو ساتھ لے کر بطنِ یاجج پہنچے جہاں حضور ﷺ کی طرف سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہٗ حضرت زینبؓ کو لینے کے لیے آئے ہوئے تھے وہ انہیں لے کر مدینہ پہنچ گئے۔ ابوالعاص ۷ھ ہجری میں مشرف بہ اسلام ہوگئے اور کُفارِ مکہ کی امانتیں واپس کرنے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آگئے حضرت زینبؓ نے ۸ھ ہجری میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ خود حضور ﷺ نے پڑھائی۔ آپؐ اس دن بہت مغموم تھے آپؐ کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا اور آپؐ فرما رہے تھے:

"زینب میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔"

---

[1] ازواجِ مطہرات اور بناتِ طاہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مفصل حالاتِ زندگی طالب الہاشمی کی تالیف "تذکارِ صحابیات" میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اسی مؤلف کی ایک اور تالیف "سیرۃ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا" میں حضرت فاطمہؓ کے علاوہ ان کی تینوں بہنوں کے حالات بھی شامل ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت زینبؓ نے اپنے پیچھے دو بچے (ایک صاحبزادے) علیؓ اور (ایک صاحبزادی) اُمامہؓ چھوڑے۔

۲۔ حضرت رُقیہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

حضور علیہ السلام کی بعثت سے سات سال پہلے مکّہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ انکا پہلا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے ہوا لیکن ابولہب نے (رخصتی سے پہلے) ان کو عتبہ سے طلاق دلوا دی۔ اس کے بعد ان کا نکاح حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہٗ سے ہوا۔ ان کے ساتھ پہلے حبشہ کو ہجرت کی۔ کئی سال کے بعد وہاں سے واپس آ کر مدینہ کو ہجرت کی۔ ۲ ہجری میں بعارضہ چیچک وفات پائی حضور علیہ السلام اس وقت غزوۂ بدر کے لیے گئے ہوئے تھے۔ واپس تشریف لائے تو بادیدۂ گریاں انکی قبر پر تشریف لے گئے۔ حضرت رُقیہؓ نے اپنے پیچھے ایک صاحبزادے عبد اللہؓ چھوڑے جو ان کے قیامِ حبش کے دوران میں پیدا ہوئے تھے انہوں نے ۴ ہجری میں وفات پائی۔

۳۔ حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

رسولِ اکرم علیہ السلام کی بعثت سے چھ سال قبل پیدا ہوئیں۔ پہلا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا۔ اس نے بھی باپ کے کہنے پر (رخصتی سے پہلے) ان کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد ان کا نکاح حضرت عثمانِ غنیؓ سے اس وقت ہوا جب حضرت رقیہؓ وفات پا چکی تھیں۔ رسولِ اکرم علیہ السلام کی دو صاحبزادیوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کرنے کی بناء پر حضرت عثمانِ غنیؓ ذُوالنُّورَین کے لقب سے مشہور ہوئے، حضرت اُمِّ کلثُومؓ نے شعبان ۹ ہجری میں وفات پائی ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

۴۔ حضرت فاطمۃ الزَّہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا [۱]:

رسولِ اکرم علیہ السلام کی چوتھی اور سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ سیدۃ النساء العالمین، سیدۃ النساء اہل الجنۃ، زہرا، بتول، طاہرہ، مُطہّرہ، راضیہ، مرضیہ اور زاکیہ ان کے مشہور القاب ہیں۔ ان کے سنِ ولادت کے بارے میں بہت اختلاف ہے بعض نے بِعثتِ نبوی سے پانچ سال اور بعض نے ایک سال قبل لکھا ہے۔ ایک روایت میں بعثتِ نبوی کا پہلا سال بھی ان کا سنِ ولادت بیان کیا گیا ہے البتہ جمہور اربابِ سِیَر کے نزدیک وہ بعثتِ نبوی سے پہلے پیدا ہوئیں۔ وہ آنحضور علیہ السلام کی واحد اولاد ہیں جو آپؐ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد فوت

---

۱ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تفصیلی سوانح حیات طالب الہاشمی کی تالیف ''سیرت حضرت فاطمۃ الزّہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئیں باقی تمام اولاد آپؐ کے سامنے وفات پا گئی۔ ان کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہٗ سے ہوئی۔ وہ رفتار، گفتار اور عادات و خصائل میں رسولِ پاک ﷺ کا بہترین نمونہ تھیں۔ نہایت متقی، صابرہ، عابدہ، زاہدہ اور سخی خاتون تھیں گھر کا تمام کام کاج خود کرتی تھیں۔ چکّی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ کسی سائل کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جانے دیتی تھیں۔ رسولِ اکرم ﷺ ان کو بے حد محبوب رکھتے تھے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور ﷺ آگے بڑھ کر ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور مرحبا فرماتے۔ کسی سفر سے واپس مدینہ تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نفل پڑھتے پھر سیّدہ فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے اس کے بعد اپنے گھر رونق افروز ہوتے۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ان کے بارے میں ارشاد فرمایا، فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے، جس بات سے اس کو دُکھ پہنچے گا مجھے بھی اس سے اذیّت ہوگی۔ حضرت فاطمہؓ رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کے صرف چھ ماہ بعد اس عالمِ فانی سے عالمِ بقا کو سدھار گئیں۔ انہوں نے اپنے پیچھے چار اولادیں دو بیٹے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور دو بیٹیاں حضرت زینب اور حضرت اُمِ کلثوم چھوڑیں۔ ایک بیٹے محسن کا بچپن میں انتقال ہوگیا تھا۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۲۵۔۲۶، صحیح مسلم ۱۷۵۹۔۵۴، ابنِ ہشام ج ۱ ص ۷۵۔۱۷۴ و دیگر کُتُب سیرت)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَزْوَاجِ مُطَہَّرات/ اُمَّہاتُ الْمُؤمِنِینؓ

رسولِ اکرم ﷺ کی ازواجِ مُطَہَّراتؓ کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان (مؤمنین) کی مائیں قرار دیا ہے [۱] جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّہٰتُہُمْ ط (الاحزاب: ۶)

''بلاشبہ نبی تو اہلِ ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

ازواجِ مُطَہَّراتؓ کی تعداد میں اختلاف ہے مگر گیارہ اُمَّہاتُ المؤمنینؓ پر سب کا اتفاق ہے۔[۲] ان میں سے دو کا حضور ﷺ کے سامنے انتقال ہو گیا یعنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا۔ نو حضور ﷺ کی وفات کے وقت حیات تھیں۔ یعنی حضرت

---

[۱] مائیں اس معنی میں کہ اُن کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کسی مسلمان کا نکاح نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کی تعظیم و تکریم اسی طرح واجب قرار دی گئی جس طرح حقیقی ماں کی تعظیم و تکریم ہر مسلمان پر واجب ہے لیکن نظر اور گفتگو کے بارے میں ان کا حکم حقیقی ماں کی طرح نہیں تھا یعنی کسی مسلمان کو اُمّہات المؤمنین سے کوئی چیز مانگنی ہوتی تو وہ پردے کے پیچھے سے مانگ سکتا تھا (گھر میں داخل ہو کر براہِ راست نہیں مانگ سکتا تھا) جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْہُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْہُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط (الاحزاب۔۵۳)

''نبی کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔''

اسی طرح ازواجِ مطہراتؓ کے حقیقی رشتہ داروں باپ، دادا، نانا، بھائی، ماموں، چچا وغیرہ کے سوا باقی سب مسلمان ان کے لیے غیر محرم تھے جن سے پردہ واجب تھا۔ ان کی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں بھی حقیقی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے برابر نہ تھیں کہ ان سے بھی مسلمانوں کا نکاح ممنوع ہوتا۔

[۲] حضور ﷺ کی تعددِ ازواج کے بارے میں کسی سچے مسلمان کے دل میں تو کسی قسم کا وسوسہ پیدا نہیں ہو سکتا، اس کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ جس ذاتِ باری تعالیٰ نے تحدیدِ ازواج کا حکم دیا اسی نے حضور ﷺ کو اس حکم سے بطورِ خاص مستثنیٰ فرمایا البتہ دشمنانِ اسلام، مستشرقین اور دوسرے مذاہب کے بعض لوگوں نے اس پر طرح طرح کے اعتراض کیے ہیں۔ علماءِ اسلام نے ان کے ہر اعتراض کا تفصیل کے ساتھ مسکت جواب دیا ہے۔ یہ جوابات تفسیر اور سیرت کی مختلف کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان اعتراضات کے جواب میں بطورِ خاص بھی کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ فی الحقیقت یہ ایک ایسا موضوع ہے جو طویل بحث کا متقاضی ہے۔ ہماری اس کتاب کی ضخامت اس بحث کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ یہاں ہم اختصار کے ساتھ یہی عرض کریں گے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سَودہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت اُمِ سلمہؓ، حضرت زینبؓ بنتِ جحش، حضرت جویریہؓ، حضرت اُمِ حبیبہؓ، حضرت صفیہؓ اور حضرت میمونہؓ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کے حالاتِ زندگی اختصار کے ساتھ بیان کر دیے جائیں:

حضرت خدیجۃ الکُبرٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

ان کا خاندانی پس منظر اور حضور ﷺ سے اُن کے نکاح کے حالات پیچھے بیان کیے جا چکے ہیں۔ نکاح کے بعد انہوں نے اپنا سب کچھ حضور ﷺ پر نچھاور کر دیا۔ خواتین میں سب سے پہلے آپؐ پر ایمان لائیں اور دُکھ سُکھ، تنگی ترشی ہر حال میں آپ کا ساتھ دیا۔ شِعبِ ابی طالب میں بھی تین سال تک آپؐ کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلتی رہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے سوا حضور ﷺ کی ساری اولاد انہی کے بطن سے ہوئی۔ حضور ﷺ کو ان سے بے انتہا محبت تھی ۱۰ھ بعدِ بعثت میں انہوں نے وفات پائی تو آپ کو بے حد صدمہ ہوا اور زندگی بھر ان کی یاد کبھی آپ کے قلبِ اقدس سے محو نہ ہوئی۔ آپؐ ہمیشہ ان کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ اگر گھر میں کبھی کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپؐ حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گوشت بھجوایا کرتے تھے جب

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

کہ حضور ﷺ کی تعددِ ازواج میں دینی اغراض اور ملکی مصالح کا پہلو بھی تھا، مختلف قبیلوں کے درمیان اتفاق و اتحاد پیدا کرنا بھی مقصود تھا اور اس میں ہمدردی یا ترحّم کا جذبہ بھی کارفرما تھا۔ دینی اغراض میں ایک بڑی غرض خواتین کی ایک ایسی جماعت تیار کرنا تھا جو دوسری خواتین میں اسلام کی تبلیغ کے علاوہ ان کو اسلامی اخلاق و تہذیب کے اصول بھی سمجھا سکیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ازواجِ مُطہّرات کی براہِ راست اس طرح تربیت فرمائی کہ وہ اخلاقِ حَسَنہ کا بہترین نمونہ بن گئیں اور انہوں نے دین اور اشاعتِ تعلیم کے میدان میں عظیم الشان کارنامے سرانجام دیے۔ سیاسی مصلحت اور حکمت کا پہلو یہ تھا کہ مختلف قبیلوں سے تعلّق رکھنے والی خواتین سے نکاح کے بعد مسلمانوں سے ان قبیلوں کی دشمنی کا زور ٹوٹ گیا اور اگر ان سے پہلے ہی دوستانہ روابط تھے تو وہ اور مستحکم ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا تمام ازواجِ مُطہّرات حضور ﷺ سے نکاح کے وقت بیوہ تھیں اور بعض تو ان میں بچوں والی تھیں اور بے سہارا رہ گئی تھیں۔ آپؐ نے از راہِ ترحّم ان سے نکاح کرکے ان کی بھی اور اُن کے بچّوں کی بھی پرورش اور تربیت اپنے ذمہ لے لی۔ آپؐ نے سب سے پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں (جو بھرپور جوانی اور شباب کا زمانہ ہوتا ہے) ایک ایسی بیوہ خاتون سے کیا جو زندگی کی چالیس منزلیں طے کر چکی تھیں اور جن پر دو مرتبہ بیوہ ہونے کا سانحہ گزر چکا تھا۔ آپؐ نے ان کے ساتھ تقریباً پچیس سال بڑے سکون کے ساتھ گزار دیے اور اُن کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ دوسری تمام ازواجِ مُطہّراتؓ اُس وقت حرمِ نبویؐ میں داخل ہوئیں جب حضور ﷺ کی عمرِ مبارک پچاس سال سے ۵۹ سال تک تھی۔ زندگی کا یہ دور کُہولت کا دَور کہلاتا ہے۔ تعدّدِ ازواج سے متعلق تمام حقائق کا دیانتداری سے جائزہ لیا جائے تو دشمنانِ اسلام کا یہ کہنا بالکل لغو ثابت ہوگا کہ ان نکاحوں کی بناء نفسانی خواہشوں پر تھی۔ (نعوذ باللہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک وہ زندہ رہیں آپؐ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ حضور علیہ السلام کی ازدواجی زندگی پچیس سال پر محیط ہے۔ (طبقات ج ۸ ص ۸ تا ۱۱ الاستیعاب ج ۲ ص ۷۴۰)

حضرت سودہ بنتِ زَمعَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

قریش کی شاخ عامر بن لُؤیّ سے تھیں نسب نامہ یہ ہے۔ سَوْدَہ بنتِ زَمعَہ بن قیس بن عبدِ شمس بن عبدِ وُدّ بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لُؤیّ...... پہلا نکاح والد کے ابنِ عم حضرت سکرانؓ بن عمرو سے ہوا۔ دونوں میاں بیوی دعوتِ توحید کی ابتداء میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور یوں اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی مقدس جماعت میں شامل ہوگئے۔ ۶ ہجری بعدِ بعثت میں حضور علیہ السلام کے ایماء پر دونوں مکّہ سے ہجرت کرکے حبش چلے گئے۔ کئی سال وہاں غریب الوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد مکّہ واپس آئے جہاں کچھ دن کے بعد حضرت سکرانؓ نے وفات پائی۔ اسی زمانے میں حضرت خدیجہؓ نے بھی وفات پائی تھی اور حضور علیہ السلام بچوں اور گھربار کی نگہداشت کے بارے میں بہت پریشان اور غمگین تھے۔ حضرت سودہؓ کی عدت پوری ہونے کے بعد حضور علیہ السلام نے ان سے نکاح کرلیا۔ یہ رمضان یا شوّال ۱۰ نبوت کا واقعہ ہے۔ حضرت سودہؓ بڑی دریا دل اور نہایت پاکیزہ اخلاق کی حامل تھیں۔ چونکہ ان کا سن زیادہ ہوگیا تھا اس لیے اپنی "باری" سے دستبردار ہوگئی تھیں۔ حضرت عُمرِ فاروقؓ کے زمانۂ خلافت کے اخیر (۲۲ ہجری یا ۲۳ ہجری) میں وفات پائی۔ حضرت سکرانؓ سے ایک صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰنؓ تھے انہوں نے عہدِ فاروقی میں جنگِ جلولا میں شہادت پائی۔ (طبقات ج ۸ ص ۳۶ تا ۳۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

قریش کے خاندان بنی تیم سے تھیں نسب نامہ یہ ہے: عائشہؓ بنتِ ابی بکر صِدّیقؓ بن ابوقُحافہؓ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرہ بن کعب بن لُؤیّ۔

والدہ کا نام حضرت اُمّ رومانؓ تھا ان کا تعلق بنوکنانہ کی شاخ فراس سے تھا۔ حضرت عائشہؓ کا نکاح آنحضور علیہ السلام سے ۱۰ بعدِ بعثت میں ہوا اور رخصتی ہجرتِ مدینہ کے بعد ۱ یا ۲ ہجری میں ہوئی۔ وہ حضور علیہ السلام کی نہایت عزیز اور محبوب اہلیہ تھیں۔ وہ نہایت ذہین و فطین اور علم و فضل کے اعتبار سے نہایت بلند مقام پر فائز تھیں۔ اُمّت کی خواتین میں فقہ اور مختلف علومِ دین میں ان کو ایسا بے مثال درجۂ تبحر حاصل تھا کہ اکابر صحابہ بھی بعض دفعہ مہمات مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ ان سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) احادیث مروی ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ احکامِ شرعیہ کا ایک چوتھائی (بروایتِ دیگر ایک تہائی) حصہ ان سے منقول ہے۔ نہایت فیّاض، مہمان نواز اور غریب پرور تھیں، غیبت اور بدگوئی سے سخت اجتناب تھا۔ عبادتِ الٰہی سے بے حد شغف تھا فرض نمازوں کے علاوہ سُنتیں اور نوافل بھی بڑے اہتمام سے پڑھتی تھیں۔ تہجد اور چاشت کی نماز کا ساری عمر ناغہ نہیں کیا۔ رمضان المبارک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

——کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی کثرت سے رکھتی تھیں شاید ہی کوئی ایسا سال گزرتا جس میں حج نہ کرتی ہوں ان کے فیضانِ علمی سے ایک دنیا سالہا سال بہرہ یاب ہوتی رہی اور بے شمار لوگوں (ذکور واِناث) کو ان کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے باختلافِ روایت ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں وفات پائی۔ اولاد کوئی نہیں ہوئی بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے نام پر اُمِ عبداللہ کنیت رکھی تھی۔

(طبقات ج ۸ ص ۴۰ تا ۴۹ سیرۃ عائشہؓ، سیر الصحابیات ص ۱۹ تا ۳۲)

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

قریش کی شاخ ''بنو عدی'' سے تعلق تھا حضرت عُمرؓ فاروق رضی اللہ عنہُ کی صاحبزادی تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے: حفصہؓ بنتِ عمرؓ بن خطاب بن نُفَیل بن عبد العُزّیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لُؤی۔ پہلے ان کی شادی حضرت خُنیس بن حُذافہ سہمی رضی اللہ عنہُ سے ہوئی۔ حضرت خنیسؓ کو غزوۂ بدر میں شدید زخم آئے ان کے صدمہ سے جانبر نہ ہوسکے۔ ۳ھ ہجری میں حضور ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے عقد فرمایا۔ رسولِ اکرم ﷺ سے بڑی بے باکی سے ہر قسم کے مسائل پوچھا کرتی تھیں۔ مزاج میں قدرے تیزی تھی پھر بھی بڑی خدا ترس اور عبادت گزار تھیں۔ روزے بھی کثرت سے رکھتی تھیں۔ حضرت حفصہؓ نے ۴۵ھ ہجری میں وفات پائی۔ حضور ﷺ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان سے ۶۵ احادیث مروی ہیں۔

(طبقات ج ۸ ص ۵۶ تا ۵۹، سیر الصحابیات ص ۳۳۔ ۳۸)

حضرت زینب بنت خُزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

عرب کے مشہور قبیلے بنو ہوازن کی شاخ بنو ہلال (بن عامر بن صعصعہ) سے تھیں۔

نسب نامہ یہ ہے: زینبؓ بنتِ خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبدِ مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ ان کا پہلا نکاح حضرت طفیلؓ بن حارث (بن مُطّلب بن عبدِ مناف بن قصیؒ القرشی) سے ہوا۔ انہوں نے طلاق دے دی تو ان کے بھائی حضرت عبیدہؓ بن حارث سے ہوا۔ وہ غزوۂ بدر میں شدید زخمی ہوکر شہید ہوگئے۔ ان کے بعد حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت عبداللہ بن جَحْش رضی اللہ عنہُ سے ہوا۔ انہوں نے غزوۂ اُحد (شوال ۳ھ ہجری) میں شہادت پائی تو کچھ عرصہ بعد آنحضور ﷺ نے ان سے نکاح کرلیا۔

لیکن جمہور اربابِ سِیَر نے حضرت طفیلؓ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے ان کے نکاح کا ذکر نہیں کیا اور صرف اتنا لکھا ہے کہ حرمِ نبویؐ میں داخل ہونے سے پہلے وہ حضرت عبداللہؓ بن جحش (شہیدِ اُحد) کی زوجیت میں تھی۔

بیشتر اہلِ سِیَر بشمول علامہ شبلی نعمانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت زینبؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنتِ خزیمہ سے غزوۂ اُحد ہی کے سال یعنی ۳ھ ہجری میں نکاح کیا لیکن ان اہلِ سِیَر نے یہ وضاحت نہیں کی کہ حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہ جو شوال ۳ھ ہجری میں بیوہ ہوئیں ان کا نکاحِ ثانی ۳ھ ہجری میں حضور ﷺ سے کیسے ہوسکتا تھا جبکہ ان کی عدت صفر ۴ھ ہجری میں پوری ہوتی تھی۔ واقعہ کے اس پہلو پر مولانا عبدالرؤف دانا پوریؒ لکھتے ہیں:

"محلِ تامّل یہ ہے کہ عدّت وفات چار مہینہ دس روز ہے لیکن غزوۂ اُحد شوّال کے مہینہ میں ہوا۔ اس لیے ۳ھ ہجری میں غزوۂ اُحد کے بعد عدّت پوری نہیں ہوسکتی تو آپؐ نے ۳ھ ہجری میں عقد کیسے کیا۔ علامہ زُرقانی کہتے ہیں کہ شاید حمل ہو اور وضعِ حمل سے عدت پوری ہوگئی ہو۔" (أصحّ السِّیَر ص ۵۷۶)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نہایت فیّاض اور کشادہ دست تھیں۔ فقیروں اور مسکینوں کو بڑی فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں اس لیے "اُمّ المساکین" کے لقب سے مشہور ہوگئی تھیں۔

حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا کو رسولِ اکرم ﷺ کے عقدِ نکاح میں آئے ہوئے دو تین مہینے ہی گزرے تھے کہ ۴ھ ہجری میں پیغامِ اجل آگیا۔ اُسوقت ان کی عمر صرف تیس برس کی تھی۔ حضور ﷺ نے خود ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کے ہاتھوں میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔ باقی سب ازواجِ مُطہّرات نے حضور ﷺ کے بعد وفات پائی۔

(الاستیعاب ص ۷۵۲، طبقات ج ۸ ص ۸۲)

حضرت اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نام ہند تھا مگر اپنی کنیت اُمِّ سَلَمہ سے مشہور ہوئیں۔ ان کا تعلّق قریش کے خاندانِ مخزوم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

اُمِّ سَلَمہ ہند بنتِ ابی امیّہ (سہیل یا حذیفہ) بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم۔

ان کے والد قریش کے نہایت معزّز اور معروف شخص تھے جو اپنی سخاوت اور دریا دلی کی بناء پر "زادالرّاکب" کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ ان کے دسترخوان پر بیسیوں آدمی پلتے تھے اور سفر کے دوران میں اپنے تمام ساتھیوں کی خور ونوش اور دوسری ضروریات کی کفالت ہمیشہ اپنے ذمہ لے لیتے تھے۔ انہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔ حضرت اُمِّ سلمہؓ کا پہلا نکاح اپنے ابنِ عَم حضرت عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا جو اپنی کنیت "ابوسَلَمہ" سے مشہور ہیں۔ دونوں میاں بیوی نے دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کیا اور یوں اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی مغفور جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل کرلیا۔ رجب ۵ھ بعدِ بعثت میں حضور ﷺ کے ایماء پر دونوں مکّہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ شوال ۵ بعدِ بعثت میں قریش کے قبولِ اسلام کی غلط خبر سن کر واپس مکہ آ گئے۔ ۶ بعدِ بعثت میں دوبارہ ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ کچھ مدت حبش میں غریب الوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد ہجرتِ مدینہ سے پہلے مکہ واپس آ ئے۔ اور پھر ہجرتِ مدینہ کا اِذن ہونے پر پہلے حضرت ابوسلمہؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور کچھ مدت کے بعد حضرت اُمِ سلمہؓ بھی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئیں (ان کی داستانِ ہجرت پیچھے بیان کی جا چکی ہے)۔ حضرت ابوسلمہؓ نے غزوۂ اُحد میں چند شدید زخم کھائے جن کے صدمہ سے جمادی الآخر ۴ ہجری میں وفات پائی۔ ان کے بعد اسی سال حضور ﷺ نے حضرت اُمِ سلمہؓ سے نکاح کر لیا۔ حضرت ابوسلمہؓ سے ان کے چار بچے تھے۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔ بیٹوں کے نام سلمہؓ اور عمر تھے (سلمہؓ حبش میں پیدا ہوئے اور انہی کے نام کی نسبت سے حضرت عبداللہ نے اپنی کنیت ابوسلمہ اور حضرت ہندؓ نے اُمِ سلمہ رکھی تھی) بیٹیوں کے نام دُرّہؓ اور زینبؓ تھے۔[1] حضرت اُمِ سلمہؓ سے نکاح کے بعد حضور ﷺ نے ان کے بچوں کو بھی اپنی کفالت میں لے لیا اور نہایت لطف و محبت سے اُن کی پرورش کی۔ حضرت اُمِ سلمہؓ بہت فیاض تھیں اور حاجت مندوں کی دل کھول کر مدد کیا کرتی تھیں علم و فضل میں حضرت عائشہؓ کے بعد انہی کا درجہ تھا۔ انہوں نے مشہور روایات کے مطابق ۶۳ ہجری میں وفات پائی۔ حضور ﷺ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ان سے ۳۷۸ حدیثیں مروی ہیں۔

بعض اربابِ سیَر کا بیان ہے کہ وفات کے وقت حضرت اُمِ سلمہؓ کی عمر ۸۴ برس کی تھی اس روایت کے مطابق ۴ ہجری میں ان کی عمر ۲۵ سال کی ہونی چاہئے لیکن ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ ۴ ہجری میں انہوں نے حضور ﷺ کے عقدِ نکاح میں آنے سے پہلے یہ عذر پیش کیا تھا کہ میرا سن زیادہ ہے۔ ۴ ہجری میں اگر ان کی عمر ۲۵ سال کی تھی تو یہ کوئی زیادہ سن نہیں تھا اسی لیے بعض اہلِ سیَر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ۴ ہجری میں ان کی عمر ۲۵ سال سے زیادہ تھی اسی نسبت سے ۶۳ھ میں ان کی عمر ۸۴ سال سے زیادہ ہو گی۔ (طبقات ج ۸ ص ۶۲)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نام زینبؓ، کنیت ام الحکم، ان کا تعلق قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

زینبؓ بنتِ جَحش بن رباب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ ابوسلمہؓ سے انکے چھ بچے تھے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تیسرے بیٹے کا نام محمد تھا اور تیسری بیٹی کا نام اُمِ کلثوم تھا (اَصَحّ السیَر ص ۵۸۲) واللہ اعلم۔ جمہور اربابِ سیَر نے حضرت ابوسلمہؓ سے ان کی چار ہی اولادیں بیان کی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماں کا نام اُمیمہ بنت عبد المُطّلب تھا جو رسولِ کریم ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ اس لحاظ سے حضرت زینبؓ رسولِ کریم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

اُن کو دعوتِ توحید کے اوائل ہی میں قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوگیا ۱۳ھ بعدِ بعثت میں اپنے اہلِ خاندان کے ہمراہ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئیں۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ رسولِ کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے تھے۔ حضور ﷺ اُنہیں بیحد محبوب رکھتے تھے اسی لیے آپؐ نے ان کے لیے حضرت زینبؓ سے نکاح کا پیغام ان کے اہلِ خاندان کو بھیجا[1] علامہ ابنِ سعدؒ نے لکھا ہے کہ حضرت زینبؓ کو بعض وجوہ کی بناء پر یہ رشتہ پسند نہ تھا۔[2] اس لیے انہوں نے اس پیغام کے جواب میں رسولِ کریم ﷺ کو کہلا بھیجا:

"یا رسولؐ اللہ! میں زیدؓ کو اپنے لیے پسند نہیں کرتی۔ میں قریش کی شریف زادی ہوں۔"

حضرت زینبؓ کے اہلِ خاندان نے بھی اس رشتہ کو نامنظور کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ (الاحزاب: ۳۶)

ترجمہ: "کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔"

یہ آیت جب حضرت زینبؓ اور ان کے اہلِ خاندان نے سنی تو سب نے بلا تامّل حکمِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کا نکاح حضرت زینبؓ سے خود پڑھایا اور حضرت زیدؓ کی طرف سے دس (۱۰) دینار اور ساٹھ درہم مہر ادا کیا علاوہ

---

[1] علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ تعلیمِ مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک مقصد اور بھی تھا وہ یہ کہ حضور ﷺ نے حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زیدؓ سے اس لیے کیا تھا کہ ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیں۔

(اُسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۳)

[2] اربابِ سیَر نے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت زینبؓ اور ان کے اہلِ خاندان اپنے حسب و نسب کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہٗ کے حسب و نسب سے بہتر سمجھتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ نے یہ پیغام دیا تو حضرت زینبؓ نے کہا: "میں اُس سے نسب میں بہتر ہوں۔" (تفہیم القرآن ج ۴ تفسیر سورۂ احزاب حاشیہ ۶۶) حضرت زیدؓ اگرچہ محبوبِ رسولؐ (حِبُّ النبیؐ) تھے پھر بھی انہیں حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور ایک غیر قریش غریب الوطن آدمی ہی سمجھا جاتا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ازیں چڑھاوے کے کپڑے عنایت فرمائے اور کچھ اشیائے خوراک گھر میں استعمال کے لیے بھجوائیں۔ یہ نکاح ہونے کو تو ہو گیا لیکن دونوں میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکا۔ کوئی ایک برس بعد حضرت زیدؓ نے حضور علیہ السلام سے شکایت کی کہ یارسول اللہ! زینب مجھ سے تلخ کلامی کرتی ہے میں اسے طلاق دینا چاہتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ اللہ سے ڈرو اور طلاق نہ دو۔ سورۂ احزاب کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ. (آیۃ:۳۷)

ترجمہ: ''اے نبی وہ وقت یاد کریں جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور آپ نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر۔''

حضور علیہ السلام کی اس خواہش کے باوجود کہ دونوں میاں بیوی کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم رہے، حضرت زیدؓ سے حضرت زینبؓ کے تعلّقات کشیدہ سے کشیدہ تر ہوتے چلے گئے اور اُن کے نکاح کو ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدّت گزری تھی کہ حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ فی الحقیقت کلکِ قدرت نے حضرت زینبؓ کے مقدّر میں لکھ رکھا تھا کہ ایک دن اُن کو اُمّ المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوگا چنانچہ جب ان کی عدّت پوری ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اُن کی دلجوئی کے لیے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا لیکن حضرت زید حضور علیہ السلام کے منہ بولے بیٹے اور مُتبنّٰی تھے اور عرب میں مُتبنّٰی کو حقیقی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ تبنیت کے رشتہ کی بناء پر حضرت زیدؓ بن حارثہ لوگوں میں زیدؓ بن محمد علیہ السلام کے نام سے مشہور تھے۔ اس لیے لوگوں کے اعتراض کے خیال سے آپ کو حضرت زیدؓ کی مطلّقہ سے نکاح کرنے میں تامّل تھا یعنی آپ لوگوں کے اس طعن سے بچنا چاہتے تھے کہ محمد (علیہ السلام) نے بیٹے کی (مطلّقہ) بیوی سے شادی کر لی لیکن اللہ تعالیٰ کو جاہلیّت کے اس دستور اور رسم کو مٹانا منظور تھا چنانچہ اس سلسلے میں ایک تو یہ حکم نازل ہوا۔

اُدْعُوْھُمْ لِاٰبَآئِھِمْ ھُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ ج (الاحزاب: آیۃ۵)

ترجمہ: ''(منہ بولے بیٹوں کو) ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔

یہ تو عمومی حکم تھا جس کے نزول کے بعد لوگ حضرت زیدؓ کو زید بن حارثہ کہنے لگے۔ خاص اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو حضور علیہ السلام کو بتا دیا کہ آپ کو زیدؓ کی مطلّقہ خاتون سے نکاح کرنا ہوگا اور پھر حضرت زینبؓ کی عدّت پوری ہونے کے بعد ان کا نکاح خود حضور علیہ السلام سے کر دیا جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا ہے:

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْھَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَھَا لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِهِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا ۝ (الاحزاب: آیہ ۳۷)

ترجمہ: ''پھر جب زید اُس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اُس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔[1]

بیشتر اربابِ سیر نے حضور ﷺ سے حضرت زینبؓ کے نکاح کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے (حضرت زینبؓ کی عدت پوری ہونے کے بعد) حضرت زیدؓ ہی کو یہ خدمت تفویض کی کہ وہ آپ کا پیغامِ نکاح لے کر حضرت زینبؓ کے پاس جائیں۔ حضرت زیدؓ حضرت زینبؓ کے گھر گئے اور ان سے کہا:

''زینب! رسول اللہ ﷺ تم سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔''

انہوں نے جواب دیا۔ ''میں بغیر استخارہ کیے کوئی رائے قائم نہیں کرتی۔'' یہ کہہ کر مصلّے پر کھڑی ہوگئیں۔ اُدھر رسولِ اکرم ﷺ پر وحی آئی فَلَمَّا قَضٰى زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰكَهَا اور نکاح ہوگیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ حضرت زینبؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور بلا انتظار اجازت اندر داخل ہوگئے۔

صبح کو دعوتِ ولیمہ ہوئی جس میں روٹی اور سالن کا انتظام کیا گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت انسؓ کو لوگوں کے بلانے کے لیے بھیجا، تین سَو آدمی دعوت میں شریک ہوئے۔ دس دس کی ٹکڑیوں میں آتے اور کھانا کھا کر چلے جاتے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ چند لوگ کھانا کھا کر باتوں میں مشغول ہوگئے اور اُٹھنے کا خیال ہی نہ رہا۔ رسولِ کریم (ﷺ) از راہِ مرّوت انہیں اٹھنے کے لیے نہ فرماتے اور بار بار اندر آتے اور باہر جاتے۔ اسی مکان میں حضرت زینبؓ بھی دیوار کی طرف منہ کیے بیٹھی تھیں۔ جب بہت دیر ہوئی تو حضور ﷺ کو تکلیف ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡذَنَ لَکُمۡ اِلٰی طَعَامٍ غَیۡرَ نٰظِرِیۡنَ اِنٰىهُ ۙ وَ لٰکِنۡ اِذَا دُعِیۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا وَ لَا مُسۡتَاۡنِسِیۡنَ لِحَدِیۡثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِکُمۡ کَانَ یُؤۡذِی النَّبِیَّ فَیَسۡتَحۡیٖ مِنۡکُمۡ ۫ وَ اللّٰهُ لَا یَسۡتَحۡیٖ مِنَ الۡحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَسۡـَٔلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِکُمۡ اَطۡهَرُ لِقُلُوۡبِکُمۡ وَ قُلُوۡبِهِنَّ ؕ وَ مَا کَانَ لَکُمۡ

---

[1] ان الفاظ سے بعض مفسّرین اور اربابِ سیر نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت زینبؓ بنتِ جحش سے یہ نکاح خود اپنی خواہش کی بناء پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بناء پر کیا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ○ (الاحزاب آیة: ۵۳)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! نبیؐ کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ مگر جب کھانا کھالو تو اٹھ کر چلے جایا کرو، باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ اس بات سے نبی کو تکلیف ہوتی ہے مگر وہ شرم (لحاظ) کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے۔ اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے مناسب طریقہ ہے۔ تمہارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسول کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔''

اس آیت کے نزول کے بعد حضور علیہ السلام نے گھروں کے دروازوں پر پردے لٹکا دیے اور لوگوں کو آپؐ کے گھروں (بُیُوتُ النَّبیؐ) کے اندر داخل ہونے کی ممانعت ہوگئی۔

حضور علیہ السلام کا حضرت زینبؓ کا نکاح کئی خصوصیات کا مظہر تھا:

۱۔ جاہلیت کا دستور کہ متبنّٰی حقیقی بیٹے کا درجہ رکھتا ہے، ختم ہوگیا۔

۲۔ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ کسی کو حقیقی باپ کے علاوہ دوسرے (منہ بولے) باپ سے منسوب نہ کرو۔

۳۔ حضرت زینبؓ کو حضور علیہ السلام کے نکاح میں خود اللہ تعالیٰ نے دیا۔ [1]

۴۔ اس موقع پر آیتِ حجاب نازل ہوئی اور پردہ کا رواج ہوا۔

۵۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ کھانے کی دعوت ضرور قبول کرو لیکن کھانا کھانے کے بعد میزبان کے گھر سے جلد چلے جایا کرو۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار، خداترس، متقی، حق گو اور مخیر خاتون تھیں بیواؤں، یتیموں اور حاجت مندوں کی بے دریغ مدد کرتی رہتی تھیں۔ حضرت عمرؓ فاروق

---

[1] مولانا عبدالرؤف داناپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی گرانقدر تالیف ''اصح السیر'' میں لکھتے ہیں:

''ابنِ اسحٰق لکھتے ہیں کہ زینبؓ کا نکاح حضور علیہ السلام سے ابواحمدؓ بن جحش نے کیا تھا۔ ممکن ہے کہ پھر یہ بھی ہوا ہو لیکن صحیح مسلم کے الفاظ یہی ہیں کہ نزولِ آیت کے بعد حضور علیہ السلام بلا اذن زینبؓ کے پاس داخل ہوئے اور صحیحین کی روایت ہے کہ حضرت زینبؓ تمام ازواج کے مقابلے میں فخر کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے اولیاء نے کیا اور میرا نکاح خود خدا نے اپنے رسول کے ساتھ کیا۔''

(اَصَحُّ السِّیَر ص ۵۸۴-۵۸۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اپنے زمانۂ خلافت میں تمام اُمّہاتُ المؤمنین کا خطیر وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ حضرت زینبؓ یہ وظیفہ ملتے ہی یتیموں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا کرتی تھیں۔ وہ فنِ دباغت جانتی تھیں، کبھی کبھی اس سے اضافی آمدنی کی صورت پیدا ہو جاتی تھی۔ اس آمدنی کو وہ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔ اُنہوں نے ۲۰ھ ہجری میں ۵۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروقؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں سپردِ خاک کیا۔

(طبقات ج ۸ ص ۷۱ تا ۷۶، اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۲-۴۶۳)

حضرت جُویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

ان کا تعلق بنو خزاعہ کی شاخ بنو مصطلق سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے: جویریہؓ بنتِ حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ بن مُصطلِق (بعض روایتوں میں جذیمہ ہی کا لقب مصطلق بیان کیا گیا ہے)

ان کا پہلا نکاح اپنے ابنِ عم مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوا تھا۔ نکاحِ ثانی آنحضور ﷺ سے ۵ھ ہجری میں ہوا اس نکاح کا حال غزوۂ بنی مُصطلِق کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ان کو عبادتِ الٰہی سے بے حد شغف تھا۔ ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی اور گورستانِ بقیع میں دفن کی گئیں۔ حضور ﷺ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (طبقات ج ۸ ص ۸۳، اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۲۰)

حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

بنو امیہ کے سردار اور قریش کے سپہ سالار حضرت ابو سفیانؓ کی دخترِ نیک اختر تھیں نسب نامہ یہ ہے: اُمِّ حبیبہ رملہؓ بنتِ ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبدِ شمس بن عبدِ مناف بن قصی۔ ان کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جَحش سے ہوا۔ دونوں میاں بیوی دعوتِ توحید کے اوائل میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے ۶ھ بعدِ بعثت میں مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے بدقسمتی سے عبید اللہ نے وہاں عیسائیت اختیار کر لی اور اسی حالت میں انتقال کیا۔ آنحضور ﷺ کو حضرت اُمِّ حبیبہؓ کے بیوہ ہونے کی خبر ملی تو آپؐ نے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا جو انہوں نے قبول کر لیا۔ شاہِ حبشہ (نجاشی) نے ان کا غائبانہ نکاح حضور ﷺ سے کر دیا۔ (اس نکاح کی تفصیل نجاشی کے نام مکاتیب نبویؐ (۷ھ ہجری) کے ضمن میں بیان کر دی گئی ہے) انہوں نے ۷ھ ہجری میں حبش سے مدینہ منورہ کو مراجعت کی۔ نہایت نیک فطرت، دیندار اور غیرت مند خاتون تھیں ۴۴ھ ہجری میں ۷۳ یا ۷۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ عبید اللہ بن جَحش سے ان کی ایک بیٹی حبیبہ تھیں انہی کے نام پر ان کی کنیت تھی۔ حضرت اُمِّ حبیبہؓ کا پایۂ علم و فضل بھی بہت بلند تھا ان سے ۶۵ حدیثیں مروی ہیں جن کے رواۃ میں کئی جلیل القدر صحابہ اور تابعین شامل ہیں۔

(طبقات ج ۸ ص ۶۸-۶۹، الاصابہ ج ۲ ص ۵۸۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت صَفِیّہ بنتِ حُیَیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

ان کا تعلق یہودیوں کے مشہور قبیلے بنونضیر سے تھا جس کا دعویٰ تھا کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ حضرت صفیہؓ کا نسب نامہ یہ ہے:

صفیہؓ بنتِ حُیَیّ بن اخطب بن سعید بن عامر بن عبید بن خزرع بن ابی حبیب بن نضیر

غزوۂ خیبر (۷ ہجری) میں باپ اور شوہر کے مارے جانے کے بعد حرم نبویؐ میں داخل ہوئیں۔ اس کی تفصیل غزوۂ خیبر کے حالات میں آچکی ہے۔ نہایت حلیم الطبع، خلیق، سیر چشم اور دانشمند تھیں۔ حضور ﷺ ان کی دلجوئی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ انہوں نے رمضان المبارک ۵۰ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ان سے چند احادیث بھی مروی ہیں جن کو کئی جلیل القدر تابعین نے روایت کیا ہے۔ (طبقات ج ۸ ص ۸۶ تا ۹۲۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۰)

حضرت میمونہ بنتِ حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

اصل نام بَرّہ تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کے نکاح میں آنے کے بعد میمونہ نام رکھا گیا۔ قبیلہ قیس بن عیلان کی شاخ بنو ہلال سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

میمونہؓ بنتِ حارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن رُوبیۃ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصیفۃ بن قیس بن عیلان بن مضر۔

والدہ کا نام ہند بنتِ عوف (بن زہیر بن حارث بن حماطۃ بن جرش) تھا اور وہ قبیلۂ حمیر سے تعلق رکھتی تھیں۔

پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا۔ انہوں نے کسی وجہ سے طلاق دے دی۔ پھر ابورُہم بن عبدالعزّٰی کے نکاح میں آئیں ۷ھ ہجری میں انہوں نے وفات پائی اور حضرت میمونہؓ بیوہ ہوگئیں۔

اسی سال رسولِ کریم ﷺ عمرہ کے لیے مدینہ سے مکّہ روانہ ہوئے تو آپؐ کے عمِ محترم حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے میمونہؓ سے نکاح کر لینے کی تحریک کی۔ حضور ﷺ رضامند ہوگئے۔ چنانچہ احرام کی حالت میں ہی شوّال ۷ھ ہجری میں ۵۰۰ درہم حق مہر پر حضرت میمونہؓ سے نکاح ہوا۔ عمرہ سے فارغ ہو کر مکّہ سے دس میل کے فاصلہ پر بمقام سَرِف حضور ﷺ نے قیام فرمایا۔ حضور ﷺ کے خادم حضرت ابورافعؓ حضرت میمونہؓ کو ساتھ لے کر اسی جگہ آگئے اور یہیں رسمِ عروسی ادا ہوئی۔ حضرت میمونہؓ رسولِ کریم ﷺ کی آخری بیوی تھیں۔ یعنی ان سے نکاح کے بعد حضور ﷺ نے اپنی وفات تک کوئی اور نکاح نہیں کیا۔

نہایت خدا ترس، مخیّر، فیّاض اور متّقی تھیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''میمونہ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلۂ رحم کا خیال رکھنے والی تھیں۔'' (طبقات ج۸ص۹۹)

حضرت میمونہؓ نے ۵۱ھ ہجری میں سرف کے مقام پر (جہاں ان کی رسمِ عروسی ادا ہوئی تھی) وفات پائی۔ ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔[1] تدفین سرف ہی میں ہوئی۔

حضرت میمونہ سے ۴۶ (بقولِ بعض ۷۶) احادیث مروی ہیں۔ (سیر الصحابیات ص۴۷)

حَرِیمِ نبویؐ میں داخل دو اور خواتینؓ:

ازواجِ مُطَہَّرات/اُمّہاتُ المؤمنینؓ کا ذِکر کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ریحانہؓ بنتِ شمعون اور حضرت ماریہ قبطیہؓ کے حالات بھی اختصار کے ساتھ یہاں بیان کردیے جائیں۔ اِن دونوں خواتین کے شَرَفِ صحابیت اور حَرِیمِ نبویؐ میں داخل ہونے پر تمام اربابِ سِیَر کا اتفاق ہے البتہ ان میں سے بیشتر نے ان کو ازواجِ مُطَہَّراتؓ میں شامل نہیں کیا بلکہ مِلکِ یمین قرار دیا ہے۔ تاہم اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مسلمانوں پر ان کا احترام اسی طرح واجب ہے جس طرح ازواجِ مُطَہَّرات/اُمّہاتُ المؤمنین کا۔

حضرت ریحانہ بنتِ شمعون رضی اللہ عنہا:

ان کا تعلق یہودِ مدینہ کے قبیلے بنوقُرَیظہ سے تھا۔ غزوۂ بنی قُرَیظہ (جس کا ذکر پیچھے آچکا ہے) کے بعد جن یہودی عورتوں کو مسلمانوں نے اسیر کیا، ریحانہؓ بھی ان میں شامل تھیں ان کے شوہر حکم قرظی کو بنوقریظہ کے دوسرے اسیروں کے ساتھ غداری کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔ حضورﷺ نے ریحانہ کو مشہور صحابیہ حضرت اُمّ المنذر بنتِ قیس رضی اللہ عنہا کے گھر میں ٹھہرایا۔ جلد ہی ریحانہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئیں۔ قبولِ اسلام کے بعد انہیں حضورﷺ نے اپنی مِلک میں رکھا اور بعض روایتوں کے مطابق آپؐ نے انہیں آزاد کر کے اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا یوں وہ ازواجِ مُطَہَّراتؓ میں داخل ہوگئیں۔ ابنِ اسحٰق اور بیشتر دوسرے اہلِ سیر اور اہلِ رِجال نے ان کو مِلکِ یمین (سراری) میں شمار کیا ہے البتہ ابنِ سعدؒ نے ان کو ازواجِ مُطَہَّرات میں شامل کیا ہے۔ حضرت ریحانہؓ نے رسولِ اکرمﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے دس مہینے پہلے (۱۰ھ ہجری میں) وفات پائی۔ تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔

(طبقات ابنِ سعد۔ ج۸ص۹۳، الاِصابہ ج۴ص۳۰۹)

---

[1] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ حضرت اُمّ الفضل لبابۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن اور رسولِ اکرمﷺ کی چچی تھیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُن تحائف میں شامل تھیں جو مُقوقِس مصر نے ۶ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجے تھے۔ یہ تحائف (ہدایا) اس نے دعوتِ اسلام کے مکتوبِ نبویؐ کے جواب میں حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے ذریعے ارسال کیے تھے (تفصیل پیچھے آچکی ہے) مدینہ پہنچ کر ماریہ نے اسلام قبول کرلیا اور حضور ﷺ نے ان کو اپنے حرم میں داخل فرمالیا ۸ ہجری (بروایتِ دیگر ۹ ہجری) میں حضرت ماریہؓ کے بطن سے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے جو ۱۷۔۱۸ ماہ کے بعد فوت ہوگئے اہلِ سیَر کا بیان ہے کہ حضور ﷺ جیسا سلوک ازواجِ مُطہّراتؓ سے کرتے تھے ویسا ہی حضرت ماریہؓ سے کرتے تھے اور انہیں بھی پردہ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ حُسنِ صورت اور حُسنِ سیرت دونوں سے بہرہ ور تھیں۔ حافظ ابنِ کثیر نے البدایہ وَالنّہایہ میں لکھا ہے کہ حضرت ماریہؓ نہایت پاکباز اور نیک سیرت تھیں۔ حضور ﷺ کو ان سے بہت محبت تھی۔ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے بھی ان کا اعزاز واکرام برقرار رکھا۔ حضرت ماریہؓ نے مُحرّم ۱۶ ہجری میں وفات پائی۔ امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں سپردِ خاک کیا۔

(طبقات ابنِ سعد ج ۸ ص ۱۵۳ تا ۱۵۶، البدایہ وَالنّہایہ ج ۷ ص ۱۷۴، اہلِ کتاب صحابہ وتابعین ص ۱۴۲ تا ۱۵۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذاتِ رسالتمآب ﷺ سے متعلق متفرق معلومات

اَعمام النبی ﷺ:

آنحضور ﷺ کے باختلافِ روایت گیارہ یا بارہ چچا تھے ان کے نام یہ ہیں:

حارث، زبیر، ابو طالب (عبدِ مناف) عبد الکعبہ یا مقوم، ابولہب (عبدالعزّٰی)، حجل یا مغیرہ، ضرار، غیداق، قثم، مصعب، حمزہؓ، عباسؓ۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے بعض مؤرخین کے حوالے سے لکھا ہے کہ غیداق وہی ہے جس کا نام حجل (یا جحل) ہے اور عبدالکعبہ وہی ہے جس کا نام مقوّم ہے اور قثم کوئی بھی نہ تھا۔ (رحمۃ للعٰلمین جلد دوم ص ۷۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حجل کا نام مغیرہ تھا اور قثم بھی حضور ﷺ کا چچا تھا۔ (ذکرِ حبیبؐ ص ۲۵ الذکر المیمون ترجمہ سرور المحزون) مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ:

"حارث اور مقوم۔ بعض نے یہ دونوں نام ایک ہی کے بتلائے ہیں۔ مغیرہ، غیداق بعض نے ان دونوں کو ایک کہا ہے۔ عبدالکعبہ، قثم اور مغیرہ بھی حضور ﷺ کے چچا ہیں اور بعض نے اور بھی اعمام لکھے ہیں۔" (نشر الطّیب ص ۲۳۰)

واللہ اعلم بالصواب

ان اعمام میں سے حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے اسلام پر تمام اربابِ سِیَر کا اتفاق ہے اور ان دونوں کا شمار حضور ﷺ کے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے جناب ابو طالب کے دین کے بارے میں تفصیل کتاب کے آغاز میں مناسب مقام پر آ چکی ہے۔ قاضی سلمان منصور پوریؒ لکھتے ہیں کہ ان کو نبی ﷺ کے ساتھ کمال محبت تھی اور تادمِ زیست (۱۰ نبوت) یہ آنحضرت ﷺ کے ناصر و فدائی رہے۔ (رحمۃ للعٰلمین جلد دوم ص ۷۷)

عمّات النبی ﷺ:

آنحضرت ﷺ کی بالاتفاق چھ پھوپھیاں تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

اُمِ حکیم بیضا، اُمیمہ، عاتکہ، صفیہؓ، برّہ، اروی ان میں حضرت صفیہؓ کے اسلام پر سب کا اتفاق ہے۔ عاتکہ اور اروی دونوں کے اسلام میں اختلاف ہے۔ (نشر الطّیب ص ۲۳۰)

سفیرانِ نبوی ﷺ:

جن اصحاب کو رسولِ اکرم ﷺ نے مختلف اوقات میں بعض سلاطین (بادشاہوں) اور امراء (مقتدر حاکموں) کی طرف سفیر یا قاصد (ایلچی) بنا کر بھیجا تھا ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن حُذافہ سہمی رضی اللہ عنہ: حضور ﷺ نے ان کو کسریٰ (شاہِ فارس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

——— کی طرف اپنا نامہ مبارک دے کر بھیجا تھا۔

۲۔ حضرت دِحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ: حضور ﷺ نے ان کو قیصرِ روم کی طرف اپنا مکتوبِ گرامی دے کر بھیجا تھا۔

۳۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ: یہ مکتوبِ نبوی لے کر مقوقس والیٔ مصر کے پاس گئے تھے۔

۴۔ حضرت عمرو بن امیہؓ ضمری رضی اللہ عنہ: ان کو حضور ﷺ نے اپنا نامہ مبارک دے کر اصحمہ شاہِ حبشہ (نجاشی) کے پاس بھیجا تھا۔

۵۔ حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ: یہ حضور ﷺ کا مکتوبِ مبارک لے کر حارث بن ابی شمرؔ غسانی حاکمِ بلقا (غوطۂ دمشق) کے پاس گئے تھے۔

۶۔ حضرت سَلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ: ان کو حضور ﷺ نے اپنا نامہ مبارک دے کر ہوذہ بن علی حنفی رئیسِ یمامہ کے پاس بھیجا تھا۔

۷۔ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ: حضور ﷺ نے ان کو اپنا مکتوبِ گرامی دے کر منذر بن ساوٰی والیٔ بحرین کی طرف بھیجا تھا۔

۸۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: حضور ﷺ نے ان کو عمان کے حکمرانوں کے نام مکتوبِ مبارک دے کر بھیجا تھا۔

۹۔ حضرت مہاجر بن ابی امیہؓ رضی اللہ عنہ: حضور ﷺ نے ان کو یمن کے ایک علاقے کے حکمران حارث بن عبدِ کلال حمیری کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا۔

۱۰۔ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ: حضور ﷺ نے ان کو بعض ملوکِ حمیر کے پاس اپنا سفیر بنا کر یمن بھیجا تھا۔ یمن میں حمیر کی مستقل سلطنت نہیں رہی تھی۔ سلاطینِ حمیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں وہ برائے نام بادشاہ (ملوک) کہلاتے تھے عربی میں ان کا لقب قَیل تھا۔

رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے بطور خاص ایک خط حارث، مسروح اور نعیم بن عبد کلال ''شاہانِ حمیر'' کے نام ارسال فرمایا تھا۔ یہ لوگ خود تو بارگاہِ رسالت میں حاضر نہ ہو سکے لیکن اپنے قاصد مالک بن مرارہ رہاویؓ کے ذریعے ایک خط لکھ کر حضور ﷺ کو اطلاع دی کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ (فرامینِ نبوی ص ۱۴۲)

وحی، مکاتیب اور فرامین کے کاتبانِ نبویؐ:

خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کی صحابیت ایسا عظیم شرف تھا کہ جن خوش بخت لوگوں کو حاصل ہو گیا وہ دنیا کے بہترین انسان بن گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کے حقدار ٹھہرائے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک کثیر تعداد ایسی بھی تھی جن کو صحابیت کے علاوہ کئی اضافی سعادتیں بھی حاصل ہوئیں مثلاً غزوۂ بدر میں شرکت، غزوۂ اُحد اور دوسرے غزوات میں شرکت، بیعتِ رضوان، غیر معمولی اِنفاق فی سبیل اللہ وغیرہ۔ چند پڑھے لکھے صحابہ کو یہ عظیم شرف بھی حاصل ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام یعنی وحی اور رسولِ اکرم ﷺ کے مکاتیب، فرامین اور معاہدات کی کتابت کی۔ جن صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ مہتم بالشان شرف حاصل ہوا ان کے اسماءِ گرامی حسب ذیل ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عُمرؓ فاروق رضی اللہ عنہُ
حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہُ
حضرت عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ، حضرت اُبَیّ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہُ
حضرت حنظلہ بن رُبَیع اسدی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہُ
حضرت خالد بن سعید اُموی رضی اللہ عنہ، حضرت عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہُ
حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت شُرَحْبیلؓ بن حَسَنہ رضی اللہ عنہُ
حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہُ
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہُ

بعض روایتوں میں کچھ اور صحابہ کے نام بھی آئے ہیں لیکن مشہور کاتبانِ نبوی ﷺ یہی ہیں۔

عہدِ رسالت کے مؤذّنین:

رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے عہدِ مبارک میں جن اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مستقلاً اذان دینے کی خدمت تفویض فرمائی تھی ان کے نام حسب ذیل ہیں:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ ابنِ اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں اور حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ قُباء مین اذان دیا کرتے تھے۔ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ مکّہ مکرّمہ میں مؤذّن تھے۔

WWW.KitaboSunnat.com

خُدّامِ خاص:

یوں تو آنحضور ﷺ کے سبھی صحابۂ کرام آپؐ کے جاں نثار تھے اور آپؐ کے کسی بھی حکم اور کسی بھی خدمت کی بجا آوری کو اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتے تھے لیکن ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے دنیا کے سب کام کاج چھوڑ کر اپنے آپ کو ہمہ وقت حضور ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا وہ ہمیشہ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر رہتے اور کوئی نہ کوئی خاص کام (خدمت) انجام دیتے رہتے۔ ان کے اسماءِ گرامی حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ: بازار سے سودا سلف لانا، مہمانوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا، قرض وام لینا پھر اس کی واپسی کا انتظام کرنا اور بعض خانگی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امور کی انجام دہی ان سے متعلق تھی۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: آنحضور ﷺ کہیں تشریف لے جاتے تو وہ عصا اٹھائے ہوئے آپؐ کے آگے آگے چلتے۔ جب حضور ﷺ کسی مجلس میں جا کر تشریف فرما ہوتے تو وہ آپ کے نعلین مبارک اتار کر بغل میں رکھ لیتے پھر جب حضور ﷺ اٹھتے تو نعلین آپ کے سامنے رکھ دیتے۔ اثنائے سفر میں خوابگاہ، وضو اور مسواک کا اہتمام بھی انہی کے ذمہ ہوتا۔

۳۔ حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ: دس برس کی عمر میں آپؐ کی خدمت میں آئے اور دس برس تک آپ کی ہر طرح کی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپؐ کی طرف سے لوگوں کے پاس آنا جانا، وضو کا پانی لانا اور مختلف نوعیت کے چھوٹے چھوٹے کام کرنا ان کے فرائض میں شامل تھا۔ کم سنی کی وجہ سے کبھی کبھار کسی کام کی انجام دہی میں تاخیر ہو جاتی تھی لیکن ان کے بقول دس برسوں میں حضور ﷺ نے کبھی ایک بار بھی ان سے باز پرس نہیں فرمائی۔

۴۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ: ہر وقت حضور ﷺ کے درِاقدس پر موجود رہتے تھے اور ہر طرح کی خدمات انجام دیتے تھے۔

۵۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ: حضور ﷺ کی سواری (خچر یا ناقہ) کی باگ یا مہار کھینچنے کی ذمہ داری انہوں نے اٹھا رکھی تھی۔

۶۔ حضرت اسلع بن شریک (بن عوف) تمیمی رضی اللہ عنہ: حضور ﷺ کی سواری (ناقہ) کے منتظم تھے اور ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے۔

۷۔ حضرت ذومخمر رضی اللہ عنہ: بعض روایتوں میں ان کا نام ذومخبر بھی آیا ہے۔ نجاشی (شاہِ حبشہ) کے بھتیجے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد حبش سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے اور آنحضور ﷺ کے خُدّامِ خاص میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔

۸۔ حضرت ایمن بن عبید رضی اللہ عنہ: وقتاً فوقتاً وضو اور استنجا کرانے کی خدمت انجام دیتے تھے۔

۹۔ بکر بن شدّاخ لیثی رضی اللہ عنہ: بعض روایتوں میں ان کا نام بکیر اور ان کے والد کا نام کعب آیا ہے۔ ان کو لڑکپن میں حضور ﷺ کی خدمت گزاری کا شرف حاصل ہوا۔

۱۰۔ حضرت مُعَیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ: ان کے پاس حضور ﷺ کی انگشتری یا مہر رہتی تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسولِ اکرم ﷺ کے موالی:

کتبِ سیَر واحادیث میں ایسے بہت سے اصحاب کے نام ملتے ہیں جن کو وقتاً فوقتاً رسولِ اکرم ﷺ کی غلامی کا شرف حاصل ہوا اور پھر (کچھ مدت کے بعد) حضور ﷺ نے ان کو آزاد فرما دیا۔ ان میں سے بعض نے آزاد ہونے کے باوجود ہمیشہ کے لیے آپؐ کی خدمتِ اقدس میں رہنا پسند کیا کیونکہ ان کو اپنے شفیق آقا سے جدائی کسی صورت میں گوارا نہ تھی اور بعض نے مختلف غزوات وسرایا میں شہادت پائی۔ مختلف روایات میں جن موالی کا بطورِ خاص ذکر کیا گیا ہے ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

حضرت زیدؓ بن حارثہ: حضور ﷺ کے محبوب صحابی تھے آپؐ نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا قرار دیا تھا۔ ان کا نام قرآنِ حکیم میں بھی آیا ہے (سورۂ احزاب) انہوں نے معرکۂ مُؤتہ میں شہادت پائی۔

حضرت ثوبانؓ، حضرت ابوکبشہ سلیمؓ، حضرت شقرانؓ، حضرت رباحؓ حضرت یسار نوبیؓ (۶ھ میں قبیلہ عُکل اور عرینہ کے آٹھ نمک حرام مہمانوں نے انہیں شہید کیا)

حضرت آنسہؓ۔ حضرت ابورافع اسلمؓ، حضرت مِدعمؓ، حضرت افلحؓ، حضرت کرکرہ نوبیؓ (بعض نے ان کا نام کِرکِرہ لکھا ہے) حضرت ذکوانؓ، حضرت ابوموَیہبہ مزنیؓ، حضرت حنینؓ، حضرت مابور قبطیؓ (ان کو مقوقس والیٔ مصر نے ہدیۃً حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا) حضرت انجشہؓ بہت عمدہ حُدی خوانی کرتے تھے۔ حضرت سندرؓ حضرت ابوعسیب احمرؓ، حضرت سفینہ حضور ﷺ کا سامان سفر میں لے کر چلتے تھے اس لیے آپؐ نے ان کو سفینہ کا لقب دیا تھا۔ اصل نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ کیسان، مہران، مروان، طہمان سلیمان، شعنہ، عمیر، قیس، رومان وغیرہ تقریباً پچیس نام مختلف روایتوں میں آئے ہیں۔ ابنِ کثیرؒ کا بیان ہے کہ ''مہران'' اکثر کا قول ہے۔

حضرت ابوواقدؓ، حضرت ابوضمیرؓ، حضرت قامؓ، حضرت ابو ہندؓ، حضرت عبید یا عبیدہؓ۔ (اُسدُ الغابہ مختلف جلدیں۔ اَصَحُّ السِّیَر ص ۵۵۵ تا ۵۵۹، نشر الطِّیب ص ۲۳۱۔۲۳۰، ذکرِ حبیب ص ۲۶۔۲۷)

یہاں یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ رحمتِ عالم ﷺ اپنے غلاموں پر اس قدر شفقت فرماتے تھے کہ وہ آپؐ کے جاں نثار بن جاتے تھے۔ اپنے اصحاب کو بھی آپؐ تاکید فرماتے تھے کہ جو خود کھاتے ہو اپنے غلاموں کو کھلاؤ جو خود پہنتے ہو انہیں پہناؤ، ان کو اذیّت مت دو اور ان کی خطاؤں سے درگزر کیا کرو۔ نیز آپؐ نے اپنے اصحاب کو بشارت دی کہ غلاموں سے حسنِ سلوک اور ان کو آزاد کرنے کے بدلے میں تم جنّت کے حقدار بن سکتے ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اکرم ﷺ کا لباس:

حضور ﷺ کا لباس عام طور پر کُرتے، تہد اور چادر پر مشتمل ہوتا تھا ایک آدھ مرتبہ آپؐ نے پاجامہ بھی پہنا ہے۔ موزوں کی عادت نہ تھی لیکن بعض موقعوں پر سیاہ رنگ کے موزے آپ نے استعمال فرمائے۔ یہ موزے نجاشی (شاہِ حبشہ) نے ہدیۃً ارسالِ خدمت کیے تھے۔ کبھی کبھی جُبہ بھی پہنا ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپؐ نے شامی عبا اور نوشیروانی قبا بھی استعمال فرمائی ہے قباء کی جیب اور آستینوں پر دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی۔ دستار جسے صافہ یا عمامہ کہتے ہیں بالعموم سیاہ رنگ کی ہوتی تھی اس کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ضرور ہوتی تھی۔ عمامہ کا شملہ آپؐ دونوں مونڈھوں کے درمیان پیچھے کی طرف لٹکا لیتے اور کبھی دوشِ مبارک پر ڈال لیتے کبھی کبھار آپؐ صرف ٹوپی پر ہی اکتفا فرماتے۔

حضور ﷺ کا لباس سادہ مگر نہایت صاف ستھرا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی آپؐ نے قیمتی کپڑے کا لباس بھی زیبِ تن فرمایا تھا لیکن بالعموم آپ کا لباس سوتی کپڑے کا ہوتا تھا۔ کتان اور صوف بھی آپؐ نے پہنا ہے۔ امام غزالیؒ کا بیان ہے کہ آپؐ کے پاس زعفران سے رنگی ہوئی ایک بہت بڑی چادر تھی کبھی صرف اسی کو اوڑھ پہن کر لوگوں کو نماز پڑھا دیتے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ یمن کی دھاری دار چادریں حضور ﷺ کو بہت پسند تھیں ان کو عربی میں حِبَرہ کہا جاتا ہے۔ سفید رنگ کا لباس آپ کو بہت مرغوب تھا تاہم دوسرے رنگوں کے کپڑے بھی آپؐ نے پہنے ہیں (ایک روایت کے مطابق سرخ رنگ کی طرف رغبت نہیں تھی اس لیے سرخ لباس آپ نے کبھی نہیں پہنا۔ ہاں ایسی چادر استعمال فرمائی ہے جس میں سرخ دھاریاں تھیں) جب آپؐ نیا کپڑا پہنتے تو پرانا کسی مسکین کو عنایت فرما دیتے تھے۔

(صحیح بخاری۔ ابوداؤد۔ زادالمعاد، سیرتِ جامع، سرورالمحزون)

نعلین مبارک:

حضور ﷺ کے نعلین مبارک (جوتے) چپل کی قسم کے ہوتے تھے ان کا صرف ایک تلا ہوتا تھا جس میں تسمے لگے ہوتے تھے۔ (سیرۃ النبی ج ۲ ص ۲۰۳)

بستر مبارک:

حضور ﷺ کا بچھونا چمڑے کا ایک گدا تھا جس میں کھجور کی چھال یا پتے بھرے ہوئے تھے اس کا طول تقریباً دو گز اور عرض تقریباً ایک گز ایک بالشت تھا۔ کبھی بستر کمبل کا بھی ہوتا اور کبھی معمولی کپڑے کا بھی جسے دو تہہ کر دیا جاتا تھا۔ خالی زمین اور چٹائی یا بوریے پر بھی آپ آرام فرما لیتے۔ کبھی کبھی آپ نے چارپائی پر بھی آرام فرمایا ہے۔ یہ چارپائی بان کی بنی ہوئی تھی جس سے اکثر جسم مبارک پر بدھیاں پڑ جاتی تھیں۔

(سیرتِ جامع۔ سرورالمحزون۔ نشر الطیب، سیرۃ النبی ج ۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معمولاتِ روز وشب:

رسولِ اکرم ﷺ کا (عام حالات میں) ہر روز کا معمول یہ تھا کہ نماز فجر پڑھا کر آپؐ مسجد ہی میں تشریف رکھتے۔ صحابۂ کرامؓ آپؐ کے اردگرد بیٹھ جاتے۔ آپؐ ان کو وعظ ونصیحت فرماتے اور ان کی باتیں بھی سنتے اگر کوئی صاحب اپنا خواب بیان کرتے تو اس کی تعبیر بتاتے۔ اس کے بعد ہر قسم کی گفتگو ہوتی۔ بعض اصحاب زمانۂ جاہلیت کے واقعات بیان کرتے اور شعر پڑھتے پاکیزہ ہنسی مذاق کی باتیں بھی ہوتیں حضور ﷺ ان کو سنکر مسکرا دیتے۔ جب دن کچھ چڑھ جاتا (سورج نکل آتا) تو حضور ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے، کبھی چار اور کبھی آٹھ رکعتیں۔ پھر آپ گھر تشریف لے جاتے اور مختلف (ذاتی اور گھریلو) کاموں میں مشغول ہو جاتے۔ بکریوں کا دودھ دوہتے، جوتا ٹوٹ جاتا تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے، پھٹے کپڑوں کو سی لیتے، بازار سے سودا سلف خرید لاتے یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آ جاتا آپؐ لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھاتے۔ پھر عصر کی نماز پڑھا کر ازواجِ مطہراتؓ میں سے ایک ایک کے گھر جاتے اور تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہر کر ان کا حال دریافت فرماتے یہاں تک کہ مغرب کی نماز کا وقت ہو جاتا۔ آپؐ نمازِ مغرب ادا فرماتے پھر کھانا کھاتے اور جن زوجۂ مطہرہ کی باری ہوتی ان کے گھر ہی رات بسر فرماتے۔ دوسری ازواجِ مطہراتؓ بھی وہیں آ جاتیں۔ عشا تک یہ گھریلو مجلس جمی رہتی۔ نمازِ عشاء کے بعد آپؐ آرام فرماتے اس نماز کے بعد آپ کو بات چیت پسند نہیں تھی۔

آدھی رات یا پہر رات رہے آپؐ جاگ اُٹھتے، پہلے مسواک کرتے پھر وضو کر کے تہجد کی نماز میں مشغول ہو جاتے یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوتی اور آپ سنتیں پڑھ کر مسجد تشریف لے جاتے اور لوگوں کو نمازِ فجر پڑھاتے۔ حضور ﷺ کے یہ معمولات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے تھے۔ آپؐ کی سیرتِ طیبہ میں جہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ ملک کے داخلی اور خارجی معاملات سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں، فوجیں میدانِ جہاد میں بھیج رہے ہیں یا خود میدانِ جہاد میں فوجوں کی قیادت فرما رہے ہیں، مسندِ عدل پر بیٹھ کر لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کر رہے ہیں، مجرموں اور خطاکاروں پر حد جاری فرما رہے ہیں، بادشاہوں اور دوسرے حکمرانوں کو دعوتِ حق کے خطوط بھیج رہے ہیں وہاں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بایں ہمہ عظمت ومرتبہ آپ مساکین کی دستگیری، یتیموں اور بیواؤں کی غمخواری اور پریشان حالوں کی دلجوئی فرما رہے ہیں، بازاروں میں جا کر دیکھ رہے ہیں کہ کوئی ناپ تول میں کمی تو نہیں کر رہا یا ناقص مال تو گاہکوں کو نہیں دے رہا۔ بازار سے سودا سلف خرید کر لا رہے ہیں، قرآنِ پاک کی تفسیر بھی فرما رہے ہیں اور حسانؓ بن ثابت کے اشعار بھی سن رہے ہیں، مریضوں کی عیادت کے لیے ان کے گھر پیادہ پا تشریف لے جا رہے ہیں، کوئی فوت ہو جاتا ہے تو گھر سے لے کر قبر میں رکھنے تک جنازے میں شریک ہو رہے ہیں، مجالس میں اصحاب کے ساتھ خوش طبعی کی باتیں بھی ہو رہی ہیں، نماز بھی پورے ارکان کے ساتھ ادا فرما رہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں ماہِ رمضان میں سحری وافطار کے پورے التزام کے ساتھ روزے بھی رکھ رہے ہیں مالِ غنیمت، صدقات، وظائف اور خراج وغیرہ بھی لوگوں میں تقسیم فرما رہے ہیں گویا دین اور دنیا کے تمام معاملات ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ (صحیحین، جامع ترمذی، مُسندِ احمد و دیگر کتبِ حدیث)

معمولاتِ وضو:

عادتاً ہر نماز کے لیے حضور ﷺ نیا وضو کرتے عرصہ تک یہی معمول رہا لیکن بعد میں ایک وضو سے کئی کئی نمازیں پڑھ لیتے تھے۔ وضو میں بالعموم پہلے تین بار ہاتھ دھوتے، پھر کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے اس کے بعد تین تین بار منہ اور ہاتھ (کہنیوں تک) دھوتے، سر کا مسح کرتے اور تین بار پاؤں کو دھوتے۔ بعض اوقات کسی عضو کو تین بار، کسی عضو کو دو بار اور کسی عضو کو ایک بار دھوتے۔ (سیرۃ النبی ج ۲ ص ۲۱۵ بحوالہ صحیح مسلم)

معمولاتِ نماز:

حضور ﷺ سنن ونوافل بالعموم گھر ہی میں ادا فرماتے۔ فجر کی اذان کے ساتھ ہی اٹھتے اور فجر کی دو رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ پڑھتے پھر مسجد میں تشریف لے جاتے اور لوگوں کو فجر کے دو فرض پڑھاتے۔ فرض کی دو رکعتوں میں طویل سورتیں پڑھتے۔ ظہر کی فرض نماز کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں کے برابر اور دوسری رکعت میں پندرہ آیتوں یا اس کے نصف کے برابر پڑھا کرتے تھے۔ عصر کی دونوں پہلی رکعتوں میں ظہر کی آخری رکعتوں کے برابر قیام فرماتے تھے اور اخیر کی دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کی نصف مقدار رہ جاتی تھی۔ مغرب کی نماز میں وَالْمُرسَلاتِ اور سورۂ طور پڑھتے تھے، عشاء کی نماز میں وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ اور اسی کے برابر کی سورتیں پڑھتے تھے تہجد کی نماز میں طویل سورتیں پڑھتے تھے مثلاً سورۂ بقرۂ سورۂ آلِ عمران، سورۂ نساء۔ (سیرۃ النبی ج۲ ص ۲۱۶)

معمولاتِ خطبہ:

اللہ تعالیٰ نے رحمتِ عالمیان ﷺ کو خلقِ خدا کی ابدی ہدایت اور رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا تھا اس لیے جہاں آپؐ کے اسوۂ حَسَنہ کو مسلمانوں کے لیے بہترین نمونۂ زندگی قرار دیا تھا وہاں آپؐ کے حُسنِ خطابت کو بھی لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کا ذریعہ بنا دیا تھا چنانچہ آپؐ مسلمانوں کے سامنے اکثر خطبے دیتے رہتے تھے۔ دو خطبوں کے درمیان بسا اوقات ایک دن کا وقفہ ہوتا تھا اور کبھی کبھی بعض دوسرے امور کی انجام دہی میں مصروفیت کی وجہ سے یہ وقفہ زیادہ دنوں کا بھی ہو جاتا تھا۔ ہر خطبے کا موضوع یا اندازِ بیان موقع اور محل کی مناسبت سے ہوتا تھا۔ جمعہ اور عیدین کے خطبوں کا انداز اور ہوتا تھا اور میدانِ جہاد کے خطبوں کا اور۔ اسی طرح روزمرہ کے خطبوں میں شرعی مسائل کے علاوہ مختلف موضوعات پر پند ونصائح ہوتے تھے۔ دورانِ خطبہ میں جوش کے وقت آنکھیں سرخ اور آواز نہایت بلند ہو جاتی تھی۔ ہاتھوں اور جسم کو حرکت دیتے جاتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ کبھی مٹھی کھول لیتے اور کبھی بند کر لیتے تھے۔ خطبے فصاحت و بلاغت کے شاہکار ہوتے تھے۔

جمعہ کا خطبہ حضور ﷺ لازماً دیا کرتے تھے۔ جمعہ کے وقت لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تو آپؐ خانۂ اقدس سے مسجد میں تشریف لاتے۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت لوگوں کو سلام کرتے پھر منبر پر تشریف فرما ہو کر حاضرین کو سلام کرتے اور اذان کے بعد فوراً خطبہ شروع کر دیتے۔ خطبہ ہمیشہ بہت مختصر مگر جامع ہوتا تھا جسے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حمد سے شروع کرتے خطبہ ختم ہونے کے بعد جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے اس میں عموماً ''سورۂ قٓ'' کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ میدانِ جہاد میں خطبہ کمان پر ٹیک لگا کر دیا کرتے تھے۔ (سیرۃ النبی ج۲ص ۲۱۷۔۲۱۸، زادالمعاد ج اص ۱۲۱)

معمولاتِ سفر:

حضور ﷺ کو جمعرات کے دن عَلَی الصَّبَاح سفر کرنا پسند تھا۔ کسی لشکر یا فوجی دستے کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو صبح کے تڑکے ہی روانہ فرماتے۔ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ازواجِ مُطہّرات پر قرعہ ڈالتے جن زوجۂ محترمہ کے نام قرعہ پڑتا، سفر میں ان کو ساتھ لے جاتے۔ سواری سامنے آتی تو رکاب میں قدم رکھتے وقت آپ بسم اللہ کہتے اور سوار ہو کر تین مرتبہ اللہ اکبر فرماتے۔ راستے میں جگہ جگہ دعائیں مانگتے جاتے واپسی پر مدینہ منورہ پہنچ کر پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر گھر تشریف لے جاتے۔ (سیرۃ النبی ج۲ص ۲۱۸)

معمولاتِ عیادت:

رحمتِ عالم ﷺ کو بیماروں کی عیادت کا بہت التزام تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ اسے مسلمانوں کے لیے فرض قرار دیتے تھے۔ حضور ﷺ کسی بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو اس کو تسلّی دیتے۔ اس کی پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے اور اس کی صحت کے لیے دعا فرماتے۔ بیمار پُرسی کے وقت کسی کے منہ سے بدفالی کا کلمہ سننا آپؐ کو سخت ناپسند تھا۔

(صحیح بخاری باب وجوب عیادۃ المریض و باب وضع الید علی المریض)

معمولاتِ تعزیت:

حضور ﷺ کو اپنے کسی صحابی کی وفات کی اطلاع ملتی تو آپؐ ان کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ ان کے لیے استغفار فرماتے، جنازہ کی نماز پڑھاتے اس کے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے ورنہ واپس تشریف لے آتے۔ عرصہ تک یہی دستور رہا بعد میں حضور ﷺ کی سہولت کے لیے صحابۂ کرام خود جنازہ آپؐ کے خانۂ اقدس تک لانے لگے۔ (مُسندِ احمد ج۳ص ۶۶)

معمولاتِ جہاد:

اسلامی لشکر کو کسی مہم پر روانہ کرتے وقت حضور ﷺ پہلے امیرِ لشکر کو پرہیزگاری اور ساتھیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تلقین فرماتے پھر سارے لشکر سے مخاطب ہو کر فرماتے، اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں کافروں سے لڑو، خیانت بدعہدی اور لاشوں کا مُثلہ نہ کرنا اور نہ بچوں کو قتل کرنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ایک اور روایت کے مطابق آپ عورتوں کے قتل سے بھی منع فرماتے) اگر حضور علیہ السلام خود شریکِ جہاد ہوتے تو حملہ کے مقام پر رات کو پہنچتے اور صبح کو دشمن سے نبرد آزما ہوتے۔ اگر صبح کے وقت کسی وجہ سے ایسا نہ ہوسکتا تو دوپہر ڈھلے دشمن پر حملہ کرتے۔ شریکِ کارزار ہونے سے پہلے یہ دعا فرماتے:

(ترجمہ) ''اے اللہ! تو میرا دست و بازو ہے، تو میرا مددگار ہے تیرے سہارے پر اپنا دفاع کرتا ہوں، حملہ کرتا ہوں اور لڑتا ہوں۔''

کوئی مقام فتح ہو جاتا یا لڑائی میں دشمن کو شکست ہو جاتی تو آپ سجدۂ شکر ادا کرتے مفتوح مقام پر حضور علیہ السلام بالعموم تین دن تک قیام فرماتے۔ بعض روایات میں ہے کہ لشکر روانہ کرتے وقت آپؐ اس کو شرائطِ جہاد کی سختی سے پابندی کرنے کی تلقین فرماتے۔ ان شرائط میں بوڑھوں، بچوں، عورتوں، مذہبی پیشواؤں اور خادموں کے قتل سے ممانعت کے علاوہ یہ ہدایت بھی تھی کہ کسی علاقے سے گزرتے وقت کھیتوں اور باغوں کو نہ اجاڑا جائے اور نہ لوٹ مار کی جائے۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد، ابوداؤد کتاب الجہاد، صحیح بخاری کتاب المغازی)

معمولاتِ ملاقات:

حضور علیہ السلام کا معمول تھا کہ جب کسی سے ملاقات فرماتے تو پہلے خود سلام کرتے پھر مصافحہ کرتے۔ جب تک دوسرا آپؐ کا دستِ مبارک نہ چھوڑتا آپؐ بھی اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ جو بھی آپ سے ملاقات کے لیے آتا آپؐ اس سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے، اس کی عزت کرتے اور نہایت محبت سے اچھی جگہ بٹھاتے۔ ملاقات کے وقت اگر کوئی آپؐ کے کان میں کوئی بات کہتا تو آپؐ دھیان سے اس کی بات سنتے اور جب تک بات کہنے والا اپنی بات ختم نہ کرتا آپ کان اس کے منہ کی طرف رکھتے۔

جب کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو پہلے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر اہلِ خانہ کو سلام کرتے پھر اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے۔ دوسرے لوگوں کو بھی آپؐ ایسا ہی کرنے کی تلقین فرماتے تھے کوئی شخص اس طریقہ کے خلاف کرتا (یعنی سلام نہ کرتا یا بلا اجازت اندر داخل ہو جاتا) تو آپ اس کو واپس کر دیتے تھے۔ آپؐ لوگوں کو یہ بھی تاکید کرتے تھے کہ گھر والے پوچھیں، کون ہے؟ تو اپنا نام بتایا کرو یہ نہ کہو ''میں ہوں'' حضور علیہ السلام کسی کے گھر جا کر ممتاز مقام پر تشریف فرما ہونے سے احتراز فرماتے تھے۔

معمولاتِ طعام:

رسولِ اکرم علیہ السلام اگر چاہتے تو پُرتکلف سے پُرتکلف کھانا آپ کو میسر آ سکتا تھا لیکن زہد و قناعت کی بناء پر آپؐ نے اپنی غذا ہمیشہ بہت سادہ رکھی۔ تاہم حسنِ اتفاق سے یا کسی دعوت یا تقریب کے سلسلے میں دسترخوان پر کبھی کوئی پرتکلف کھانا آ جاتا تو آپ اس کو رغبت سے تناول

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمالیتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔ اگر دسترخوان پر رکھا گیا کوئی کھانا آپ کو ناپسند ہوتا تو اس میں ہاتھ نہ ڈالتے لیکن اس کو بُرا بھی نہ کہتے، کھانا کبھی مَسند یا تکیے سے ٹیک لگا کر نہ کھاتے اور نہ آپ یہ پسند فرماتے کہ کھانا آپ کے سامنے میز یا خوان پر رکھا جائے (خوان زمین سے کچھ اونچی میز ہوتی تھی ہمارے یہاں اسے چوکی کہا جاتا ہے۔ امرائے عجم اسی پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے چونکہ اس طریقے میں فخر و غرور پایا جاتا تھا آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا) حضور ﷺ کھانا صرف انگلیوں سے کھاتے البتہ پکے ہوئے گوشت کے ٹکڑے کرنے کے لیے کبھی کبھی چھری استعمال فرمالیتے تھے۔ دسترخوان پر جو سالن سامنے ہوتا اسی میں ہاتھ ڈالتے ادھر اُدھر ہاتھ نہ بڑھاتے۔

عام طور پر حضور ﷺ سرکہ، شہد، زیتون کا تیل، حلوا اور کدو کو بہت رغبت سے کھاتے تھے۔ عرب میں گھی پنیر اور کھجور کی آمیزش سے ایک کھانا پکایا جاتا تھا جس کو حیس کہتے تھے۔ حضور ﷺ کو یہ بہت مرغوب تھا۔ آپؐ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں اونٹ، دنبہ، بکری، بھیڑ، گورخر، خرگوش، مرغ، بیٹر اور مچھلی سبھی کا گوشت وقتاً فوقتاً کھایا ہے۔ شانے کا گوشت (جلد گل جانے کی بناء پر یا ویسے ہی) آپ کو بہت پسند تھا۔

گھر میں کبھی کبھی جَو کا آٹا ہانڈی میں ڈال کر آگ پر رکھ دیا جاتا اس میں زیتون کا تیل، زیرہ اور سیاہ مرچیں ڈال دی جاتیں، پک جاتا تو یہ کھانا آپؐ بڑے شوق سے کھاتے۔

حضور ﷺ اکثر موٹی روٹی جو بغیر چھنے ہوئے آٹے کی ہوتی تھی، کھاتے تھے یہ جَو کی بھی ہوتی تھی اور کبھی کبھی گندم کی بھی۔ بعض اوقات روٹی کے ساتھ کھجور تناول فرمائی ہے۔ کھیرا ہمیشہ نمک کے ساتھ کھاتے تھے پتلی ککڑیاں بہت پسند تھیں۔ کھانا کچھ بھوک رکھ کر چھوڑ دیا کرتے تھے۔ ٹھونس ٹھونس کر کھانا آپ کو بالکل پسند نہیں تھا۔ رات کو بھوکا سونے اور کھانا کھاتے ہی سو جانے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ کھانے سے پہلے ہمیشہ بسم اللہ پڑھتے اور آخر میں اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔ کھانے سے پہلے بھی ہاتھ دھوتے تھے اور بعد میں بھی۔ کھانا ہمیشہ داہنے ہاتھ سے کھاتے تھے۔

پانی دودھ اور شربت:

ٹھنڈا پانی پی کر آپؐ بہت خوش ہوتے، اکثر بیٹھ کر اور تین سانسوں میں پانی پیتے۔ دودھ کبھی خالص اور کبھی اس میں پانی ملا کر نوش فرماتے۔ کبھی کبھی کھجور انگور اور کشمش پانی میں بھگو دیتے۔ کچھ دیر کے بعد جب پانی میٹھا ہو جاتا تو نوش جان فرماتے۔ (سیرۃ النبیؐ ج ۲ ص ۲۰۴-۲۰۵)

معمولاتِ عامہ:

حضور ﷺ کے سرِ اقدس کے بال اکثر شانوں تک لٹکے رہتے تھے۔ آپ اکثر ان میں تیل ڈالتے تھے اور ایک دن کے وقفے سے ان میں کنگھی کیا کرتے تھے (یعنی ایک دن درمیان دے کر تیسرے دن)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ سونے کے لیے لیٹتے تو ہمیشہ دائیں کروٹ اور دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر سوتے۔ کبھی سفر میں ایسا ہوتا کہ رات کے پچھلے پہر منزل پر اتر کر آرام فرماتے اور دایاں ہاتھ اونچا کر کے چہرہ اس پر ٹیک کر سوتے۔ نیند میں بہت ہلکے خراٹے کی آواز آتی تھی۔

حضور ﷺ کی نشست کا انداز بالعموم یہ ہوتا تھا کہ آپؐ دونوں گھٹنے کھڑے کر کے اور دونوں ہاتھوں سے ان کو گھیر کر بیٹھتے تھے یا آلتی پالتی مار کر بیٹھتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ فجر کی نماز کے بعد آپؐ بالعموم مسجد میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے تھے۔

حضور ﷺ کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھتے۔

حضور ﷺ سب کاموں میں داہنی طرف سے ابتداء کرنا پسند فرماتے تھے، جوتا پہلے دائیں پاؤں میں پہنتے، مسجد میں پہلے دایاں پاؤں رکھتے، سرمہ پہلے دائیں آنکھ میں لگاتے۔ مجلس میں کوئی چیز تقسیم فرماتے تو داہنی طرف سے شروع کرتے۔

اگر آپ کو کبھی چھینک آتی تو آپؐ چہرے کو ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانک لیتے۔ جمائی لیتے وقت بھی آپؐ ایسا ہی کرتے تھے۔

رات کو ہمیشہ تین بار مسواک فرماتے، سونے سے پہلے، تہجد کے لیے بیدار ہو کر اور صبح کو جب نمازِ فجر کے لیے تشریف لے جاتے۔

سفر میں حضور ﷺ یہ چند چیزیں اپنے ساتھ رکھتے تیل کی شیشی، سرمہ دانی، آئینہ، کنگھی، قینچی، مسواک، سوئی، دھاگا۔ (مختلف کُتُب حدیث و سِیَر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اکرم ﷺ کا ترکہ

ترکہ کے لغوی معنی ہیں ورثہ، میراث یا وہ مال اسباب جائداد وغیرہ جو دنیا سے رخصت ہونے والا کوئی شخص اپنے پیچھے چھوڑ جائے۔ عام مسلمانوں کے ترکہ کی (فوت ہونے والوں کے وارثوں میں) تقسیم کے بارے میں قرآن و حدیث میں واضح احکام موجود ہیں۔ مگر جہاں تک انبیاء علیہم السلام کا تعلق ہے، صحیح بخاری کے کئی ابواب میں خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے:

نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ لَانُوْرَثُ مَاتَرَکْنَاہُ صَدَقَةٌ.

"یعنی ہم انبیاء کی جماعت (کے اموال) میں ورثہ نہیں ہوتا (یعنی ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا) انبیاء جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے (یعنی اس پر عام مسلمانوں کا حق ہے)۔"

(صحیح بخاری کتاب الوصایا، کتاب الفرائض، باب فرض الخمس)

صحیح مسلم اور سُنن ابی داؤد میں اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول نقل ہوا ہے:

مَاتَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دِرْھَمًا وَلَادِیْنَارًا وَلَاشَاةً وَلَا بَعِیْرًا وَلَااَوْصٰی بِشَیْءٍ.

"یعنی رسول اللہ ﷺ نے نہ درہم چھوڑا نہ دینار نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔" (اصح السیر ص ۵۴۵، سیرۃ النبیؐ ج ۲ ص ۱۸۸)

ایک اور حدیث میں جو صحیح بخاری میں اُمُّ المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عمرو بن حارثؓ سے مروی ہے، یہ الفاظ ملتے ہیں:

مَاتَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عِنْدَ دِیْنَارًا وَلَا دِرْھَمًا وَلَا عَبْدًا وَلَا اَمَةً وَلَا شَیْئًا اِلَّا بَغْلَةَ الْبَیْضَاءَ وَسِلَاحَهٗ وَاَرْضًا جَعَلَھَا صَدَقَةً.

"یعنی رسول اللہ ﷺ نے وفات کے وقت نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم نہ کوئی غلام نہ لونڈی اور نہ کوئی اور شے لیکن ایک سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جو عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔"

(اصح السیر ص ۵۴۵ و سیرۃ النبی ج ۲ ص ۱۸۷)

ترکہ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمروؓ بن حارث کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایتوں میں بظاہر کچھ اختلاف پایا جاتا ہے لیکن بعض اربابِ سیَر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جن چیزوں (اسلحہ اور ایک سفید خچر) کو حضرت عمروؓ بن حارث نے حضور ﷺ کا ترکہ بتایا ہے، ممکن ہے کہ یہ چیزیں آپؐ نے وفات سے پہلے ہبہ یا صدقہ کر دی ہوں۔ اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے ترکہ میں کسی چیز کا ذکر نہیں کیا۔

بعض مؤرخین (واقدیؒ، طبریؒ وغیرہ) نے حضور ﷺ کے ''متروکات'' کی ایک طویل فہرست دی ہے لیکن علامہ شبلی نعمانیؒ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت عمروؓ بن حارث کی صحیح روایات کے پیشِ نظر اس فہرست کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ''متروکات کی یہ فہرست جو ایک تاجدارِ سلطنت کے شایانِ حال ہے، کیوں کر تسلیم کی جا سکتی ہے۔'' (سیرۃ النبیؐ ج ۲ ص ۱۹۰)

حقیقت بھی یہی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ فقر و زہد اور صبر و قناعت کے پیکرِ جمیل تھے۔ اگرچہ آپؐ کو سارے عرب پر دینی اور دُنیوی ہر قسم کی مکمل سیادت حاصل ہو گئی تھی، مال و دولت اور دنیا کی تمام دوسری نعمتیں آپؐ کے ایک اشارے پر آپ کو مہیا ہو سکتی تھیں لیکن آپؐ نے سادگی، قناعت اور صبر و شکر کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ [1]

حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر ایک سرسری نظر بھی ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ آپؐ نے دنیا کے عیش و آرام اور دوسری لذّات پر ہمیشہ زہد و قناعت اور فقر و فاقہ کو ترجیح دی۔ بقول اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں نے جَو کی روٹی سے بھی متواتر دو دن اپنا پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے اٹھا لیے گئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ محمد اور اس کے متعلقین کی روزی بقدرِ کفاف ہو (یعنی نہ اتنی تنگی ہو کہ اپنے کام بھی نہ انجام دے سکیں اور نہ اتنی فراغت کہ کل کے لیے ذخیرہ رکھا جا سکے۔) (صحیحین)

چنانچہ حضور ﷺ نے عمر بھر نہ کوئی ذاتی جائداد بنائی اور نہ زر و مال جمع کیا۔ بس آمدنی میں سے بقدر نفقہ رکھ لیتے باقی فقرا اور حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیتے۔ بسا اوقات آپؐ اپنے لیے جو رکھتے وہ بھی حاجت مندوں کی نذر ہو جاتا تھا۔ مستند روایات کے مطابق مختلف اوقات میں جو جانور اور ہتھیار وغیرہ آپ کے استعمال یا دائرۂ ملک میں آئے ان کی تفصیل یہاں دی جا رہی ہے۔ ان چیزوں کو یقینی طور پر آپ کا ترکہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قیاس یہی ہے کہ یہ چیزیں آپؐ نے وفات سے پہلے ہبہ یا خیرات کر دی تھیں۔

جانور:

حضور ﷺ کے مملوکہ جانوروں کے بارے میں اربابِ سیَر و مؤرخین میں سخت

---

[1] آنحضور ﷺ کے زہد و قناعت کی تفصیل راقم الحروف کی تالیف ''حَسُنَتْ جَمِيعُ خِصَالِهِ'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (طالب الہاشمی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلاف ہے۔علامہ شبلی نعمانیؒ کا بیان ہے کہ از روئے روایاتِ صحیحہ مختلف اوقات میں حسب ذیل جانور آپؐ کے دائرۂ ملک میں آئے:

۱۔ لحیف نام کا ایک گھوڑا۔

۲۔ عُفیر نام کا ایک گدھا۔

۳۔ عضباء نہایت تیز رفتار اونٹنی تھی۔قصواء بھی اسی کا نام ہے۔ہجرت کے وقت آپؐ نے اس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا اور اسی پر سوار ہو کر آپؐ نے ہجرت فرمائی تھی۔

۴تا۶۔ تین خچر۔ایک کا نام تیہ یا دُلدل تھا۔یہ مُقوقِس والئ مصر نے آپ کو تحفہ میں بھیجا تھا۔
ایک سفید خچر جو ایلہ کے رئیس نے غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ کو ہدیۃً پیش کیا تھا۔
ایک سفید خچر جو فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیۃً بھیجا تھا۔(سیرۃ النبیؐ ج۲ صفحہ ۱۹۰۔۱۹۱)

مولانا عبدالرؤف داناپوریؒ نے حضور ﷺ کے مملوکہ جانوروں کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

۱۔ سات گھوڑے جن کے نام سکب،لحیف،شجار،ظرب،نزار،مرتجز اور الورد تھے۔

۲۔ پانچ خچر۔دُلدُل مُقوقِس نے بھیجا تھا،فضہ فروہ جذامی نے بھیجا تھا،ایک خچر رئیسِ ایلہ،ایک رئیسِ دومۃ الجندل اور ایک نجاشی شاہِ حبش نے بھیجا تھا۔

۳۔ تین گدھے۔ایک حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے ہدیۃً پیش کیا تھا ایک فروہ جذامیؒ نے بھیجا تھا اور ایک مقوقِس والئ مصر نے بھیجا تھا اس کا نام عفیر اتھا۔

۴۔ تین اونٹ۔(۱) القصوی۔(۲) العضباء۔(۳) الجدعاء بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی کا نام ہے۔

۵۔ ایک سَو بکریاں جن میں گابھن اور بچے بھی شامل تھے۔(اَصَحّ السِّیَر ص ۵۵۱۔۵۵۲)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا جانوروں میں یہ اضافہ کیا ہے۔

۱۔ ضریس،ملاوح اور سبحہ نام کے تین (مزید) گھوڑے بھی حضور ﷺ کی ملکیت میں تھے۔

۲۔ آپؐ کے پاس بیس شیر دار اونٹنیاں بھی تھیں جو آپ نے مدینہ کے قریب غابہ میں رکھی ہوئی تھیں۔ان کے علاوہ ایک شیر دار اونٹنی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ہدیۃً آپ کی خدمت میں پیش کی تھی۔(الذکر المیمون ترجمہ سرور المحزون ص ۳۱)

اسلحہ:

مختلف روایات کے مطابق حضور ﷺ کے مملوکہ ہتھیار حسب ذیل تھے:

۱۔ نو تلواریں۔ ان کے نام یہ تھے:

ماثور (یہ آپ کو اپنے والدِ ماجد سے میراث میں ملی تھی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ ذوالفقار غزوۂ بدر میں ہاتھ آئی تھی۔ عرصہ تک آپؐ کے پاس رہی پھر آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرما دی۔

۳۔ البتار، ۴۔ العضب، ۵۔ الخف، ۶۔ القضیب، ۷۔ المخذم، ۸۔ الرسوب، ۹۔ قلعی

۲۔ سات زرہیں۔ ان کے نام یہ تھے:

۱۔ ذات الفضول، ۲۔ ذات الحواشی، ۳۔ الوشاح، ۴۔ السعدیہ۔ ۵۔ الخرنق، ۶۔ فضہ، ۷۔ تبرا یا البتر۔ یہ تمام زرہیں لوہے کی تھیں۔

۳۔ چھ کمانیں۔ ان کے نام یہ تھے:

۱۔ الزوراء ۲۔ الروحاء ۳۔ البیضاء ۴۔ الشداد ۵۔ الصفراء ۶۔ الکتوم (یہ غزوۂ اُحد میں ٹوٹ گئی تھی اور آپؐ نے حضرت قتادہؓ کو دے دی تھی)

۴۔ ایک ترکش۔ اس کا نام الکافور تھا۔

۵۔ دو بڑے نیزے۔ ایک کا نام المثوی اور دوسرے کا المثنی تھا۔

۶۔ تین چھوٹے نیزے۔ ان کے نام النبعہ، الغزہ اور البیضاء تھے۔

۷۔ دو مغفر۔ خود (لوہے کی ٹوپی جو لڑائی کے وقت سر پر پہنتے ہیں) کی قسم کی چیز۔ ایک کا نام ذوالسبوغ اور دوسرے کا ذوالموشح تھا۔

۸۔ ڈھالیں۔ باختلاف روایت ایک دو یا تین۔ بعض روایتوں میں دو کے نام الزلوق اور الفتق آئے ہیں۔

جہاد سے متعلق کچھ اور اشیاء:

۱۔ تین جبّے۔ ان کو حضور علیہ السلام لڑائی کے وقت پہنتے تھے۔

۲۔ دو لاٹھیاں۔ ایک (چھوٹی) لاٹھی کا نام عرجون تھا اور ایک (پتلی) لاٹھی کا نام ممشوق تھا۔

۳۔ ایک چرمی پٹی۔ اس میں چاندی کے تین حلقے تھے۔ یہ کمر سے باندھنے کے لیے تھی لیکن بقول ابنِ تیمیہؒ کسی حدیث سے یہ پتا نہیں لگتا کہ آپؐ نے کبھی یہ پٹی باندھی تھی۔

۴۔ عَلَم۔ سیاہ رنگ کا ایک بڑا عَلَم تھا جس کا نام العقاب تھا۔ اس کے علاوہ کچھ زرد اور سفید عَلَم بھی تھے۔

(اَصَحُّ السّیَر ص ۵۵۳-۵۵۲، الذکر المعون ص ۲۳-۳۳، سیرۃ النبیؐ ج ۲ ص ۱۹۲-۱۹۱)

مکانات، باغات اور اراضی:

ہجرت کے بعد آنحضور علیہ السلام نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام فرمایا۔ اس زمانے میں آپؐ تنہا تھے۔ جب آپؐ نے مسجدِ نبویؐ کی تعمیر فرمائی تو اس کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے چند حجرے بھی بنوائے اور اپنے اہل وعیال کو مکہ سے بلوا کر ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حجروں میں اتارا۔ وفات کے وقت نو ازواجِ مطہّرات تھیں اور سب کے بُیوت (حُجرے) الگ الگ تھے۔ چھوٹے چھوٹے (زیادہ سے زیادہ پندرہ فٹ لمبے اور نو دس فٹ چوڑے) تقریباً سات فٹ بلند نیم پختہ اینٹوں کی دیواروں اور کھجوروں کی شاخوں اور پتوں کی چھت والے یہ حُجرے جن کا نہ کوئی صحن تھا اور نہ دالان، ازواجِ مطہّرات کے تصرف میں تھے [1] اور حضور ﷺ کی وفات کے بعد انہی (ازواجِ مطہّرات) کے قبضے میں رہے اور ان میں وراثت بھی جاری ہوئی۔ آنحضور ﷺ کے تصرّف میں صرف ایک بالاخانہ تھا۔ احادیث میں اسکا ذکر مشربہ کے نام سے آتا ہے۔ ایلا کے زمانے میں حضور ﷺ نے اسی مشربہ میں قیام فرمایا تھا۔ ایک روایت کے مطابق باہر سے آنے والے وفود کے لیے مختلف قسم کی اشیاء اسی مشربہ میں رکھی جاتی تھیں حضور ﷺ کی وفات کے بعد یہ مشربہ مسجدِ نبویؐ میں داخل کر دیا گیا۔

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے حضور ﷺ نے ایک گھر علیحدہ بنوا دیا تھا۔ یہ مسجدِ نبویؐ سے دُور تھا اور مشربہ اُمِ ابراہیم کے نام سے مشہور تھا۔ یہ مشربہ صدیوں تک حضرت ماریہ قبطیہؓ اور حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی یادگار کے طور پر موجود رہا۔

غزوۂ اُحد کے موقع پر حضرت مخریق نضری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سات باغ حضور ﷺ کو وصیتہً ہبہ کیے تھے۔ [2] آپؐ نے یہ سارے باغ مستحقین میں تقسیم کر دیے حضور ﷺ کے ایک جاں نثار حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ نے بیرحا کی بلند زمین آپؐ کی نذر کر دی تھی۔ آپؐ نے کچھ عرصہ بعد یہ زمین حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عنایت فرما دی۔

یہودی قبیلے بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد ان کی کچھ جائداد اور زمین حضور ﷺ کو فَے میں ملی۔

---

[1] ان حجروں کے دروازوں پر پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ ہوتا تھا۔ حجروں کی دیواریں اس قدر کمزور تھیں کہ ان میں سوراخ پڑ گئے تھے جن سے دھوپ اندر آتی تھی۔ کسی بھی حجرے میں کھڑا ہو کر کوئی آدمی چھت کو ہاتھ سے چھوسکتا تھا اس سے حجروں کی بلندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

[2] حضرت مخریق رضی اللہ عنہ کا تعلق مدینہ کے یہودی قبیلے بنونضیر سے تھا۔ ان کا شمار علمائے یہود میں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ غزوۂ اُحد کے دن سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے اور یہودِ مدینہ کو ترغیب دی کہ رسولِ اکرم ﷺ کی مدد کریں لیکن انہوں نے یومِ سبت (سنیچر) کی آڑ لے کر اس سے انکار کیا۔ حضرت مخریق اکیلے ہی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر کفارِ مکہ کے خلاف پامردی سے لڑے اور شہادت پائی۔ شہادت سے پہلے یہ باغات اور جائداد وغیرہ حضور ﷺ کو ہبہ کر گئے۔ (الاصابہ ج۳ص ۳۹۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ اس جائداد اور زمین سے عام مسلمانوں کی مدد اور صدقات کیا کرتے تھے۔
بروایتِ دیگر بنونضیر کی جائداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لیے مخصوص تھی۔

اس کے علاوہ فدک کی نصف زمین، وادی القُریٰ کے ایک ثُلث (تہائی) اور خیبر کے تین قلعوں کی زمین و باغات وغیرہ حضور ﷺ کے تصرّف میں تھے۔

ایک روایت کے مطابق ان اراضی و باغات وغیرہ کی آمدنی سے حضور ﷺ ازواجِ مُطہّرات کو، بعض اہلِ بیت کو اور بنو ہاشم کے بعض مستحقین کو نفقات دیتے تھے۔ پھر جو کچھ باقی بچتا تھا وہ غزوات کے اخراجات پورا کرنے میں، باہر سے آنے والے وفود کی مہمانداری وغیرہ پر حاجت مندوں کی امداد کرنے اور مختلف قسم کے کارہائے خیر پر خرچ کرتے تھے۔
(اَصَحُّ السِّیَر ص ۵۴۶)

دوسری روایت یہ ہے کہ فَدَک کی آمدنی حضور ﷺ نے مسافروں کی امداد کے لیے وقف کر دی تھی۔ خیبر کی آمدنی کو آپ تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ دو حصے عام مسلمانوں کے لیے ایک حصہ ازواجِ مُطہّرات کے لیے سالانہ اخراجات کے لیے ملتا تھا۔ اس میں سے بھی جو بچ جاتا اس سے آپ غریب مہاجرین کی اعانت فرماتے۔ (سیرۃ النبیؐ ج ۲ ص ۱۸۹، بحوالہ سنن ابی داؤد)

فَدَک اور خیبر کے اموال کے بارے میں حضرت عباسؓ (عمِ رسول ﷺ) حضرت علیؓ، حضرت فاطمۃ الزّہراؓ اور اکثر ازواجِ مُطہّراتؓ کا خیال (یا دعویٰ) تھا کہ یہ سب رسول اللہ ﷺ کی ذاتی ملکیت تھی اور اس کو حضور ﷺ کے ورثاء (اہلبیت) میں تقسیم ہونا چاہیے۔ لیکن حضرت ابوبکر صِدّیق، حضرت عُمرِ فاروق اور دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے تھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتی ملکیت نہیں تھی کیونکہ (خود حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق) انبیاء کی ذاتی ملکیت ہوتی ہی نہیں ہے جس میں وراثت جاری ہو سکے۔ یہ وقفِ عام ہے اور رسول اللہ ﷺ جس طرح اور جن مصارف میں ان کی آمدنی صرف فرماتے تھے۔ اب بھی اسی کے مطابق عمل ہوگا۔

چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے تک فَدَک اور خیبر خلفاء کے ہاتھ میں رہے سُنَنِ ابی داؤد میں ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے باغِ فَدَک سادات کو دے دیا تھا۔
مدینہ مُنوّرہ میں بنونضیر والی جائداد حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی تولیّت میں دے دی تھی لیکن اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے تصرّف میں لے لیا تھا۔ (اَصَحُّ السِّیَر ص ۵۴۷ سیرۃ النبیؐ ج ۲ ص ۱۸۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آثارِ مُتبرّکہ

ترکہ میں چھوڑی ہوئی چند اشیاء کے علاوہ حضور ﷺ کی چند یادگاریں بھی تھیں جو لوگوں نے اپنے پاس بطور تبرک محفوظ کر لی تھیں۔ ان میں سے کچھ آج بھی بعض مسلم ممالک کے عجائب گھروں یا دوسری جگہوں پر موجود ہیں اور مسلمان نہایت ذوق و شوق اور عقیدت سے ان کی زیارت کرتے ہیں۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں حسب ذیل آثارِ مقدس کا ذکر آتا ہے:

۱۔ چمڑے کا ایک پرانا ڈول جس کا نام الصادر تھا۔

۲۔ پتھر کا ایک بڑا کونڈا۔

۳۔ ایک پرانی مشک (پانی بھرنے کے لیے)

۴۔ ایک پیالہ جو تین جگہ چاندی کے پتروں سے مضبوط کیا گیا تھا۔

۵۔ ایک بہت بڑا پیالہ متفرق ضروریات کے لیے تھا اس کا نام الغرا تھا۔

۶۔ پیتل کا ایک برتن غسل کے لیے۔

۷۔ ایک پیالہ بلوری۔

۸۔ ایک پیالہ شیشے کا۔

۹۔ ایک چوکی جس کے پائے سیاہ لکڑی کے تھے۔ یہ چوکی حضرت اَسعد بن زُرارہ انصاری رضی اللہ عنہ نے ہدیۃً پیش کی تھی۔

۱۰۔۱۱ صاع اور مُد۔ غلہ ناپنے کے دو پیمانے یا برتن تھے۔

۱۲۔ چاندی کی ایک انگشتری جس کے نگین پر "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کندہ تھے اس سے حضور ﷺ اپنے مکاتیب اور فرامین وغیرہ پر مہر ثبت کرنے کا کام لیتے تھے۔ (یہ انگشتری حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ایک کنوئیں میں گر گئی اور گم ہو گئی)

۱۳۔ عصائے مبارک

۱۴۔ موئے مبارک جو آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بعض صحابہ کو عنایت فرمائے۔ (قیاس ہے کہ بعض دوسرے موقعوں پر بھی عقیدت مندوں نے آپ کے موئے مبارک اپنے پاس محفوظ کیے ہوں گے۔)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۵۔ نعلین مبارک

۱۶۔ ایک کنگھی جو ہاتھی دانت کی تھی۔

۱۷۔ چمڑے کی ایک تھیلی جس میں حضور ﷺ آئینہ، کنگھی، سرمہ دانی، دو قینچیاں اور مسواک رکھتے تھے۔

۱۸۔ ایک سرمہ دانی

۱۹۔ چمڑے کا بستر جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

۲۰۔ دو یمنی چادریں جن کو حبرہ کہا جاتا تھا۔ (آج کل ان کو مصنف کہا جاتا ہے)

۲۱۔ ایک تہبند یمانی

۲۲۔ دو جامے (چادر و تہبند کے مجموعے کو جامہ کہا گیا ہے)

۲۳۔ دو قمیصیں ایک صحاری اور ایک سحولی

۲۴۔ ایک چغہ یمنیہ (جبہ)

۲۵۔ ایک نقشین (نقوش والی) چادر

۲۶۔ دو کملیاں ایک سیاہ اور ایک سفید

۲۷۔ تین یا چار کلاہِ خُرد جو اونچی نہ تھیں (یعنی ٹوپیاں جن پر آپ عمامہ باندھتے تھے۔)

۲۸۔ ایک لحاف یعنی اوڑھنے کا کپڑا جو ورس میں رنگا ہوا تھا۔

۲۹۔ یک عمامہ اس کو سحاب کہتے تھے۔

۳۰۔ ایک رومال جس کو حضور ﷺ کبھی وضو کے بعد استعمال فرماتے اور روئے اقدس کا پانی پونچھتے تھے۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قسم کی کچھ اور اشیاء کو بھی حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن ان کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

(الذکر المیمون ترجمہ سرور المحزون ص ۳۳ تا ۳۵، سیرۃ النبیؐ ج ۲ ص ۳-۱۹۲ اَصَحُّ السِّیَر ص ۵۵۴-۵۵۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحبِ خُلقِ عظیم

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جب تک کوئی مُعلّمِ اَخلاق، ہادی یا ناصح خود اپنی تعلیمات ہدایات اور نصائح کا عملی نمونہ پیش نہ کرے، لوگ اس سے متاثر نہیں ہوتے۔ جب ہم تاریخِ عالم پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے خالقِ ارض وسمانے جن برگزیدہ ہستیوں (انبیاء ورُسل) کو مبعوث فرمایا وہ ہر اعتبار سے اپنی تعلیمات کا عملی نمونہ بھی تھے۔ حق تعالیٰ نے جب اشرف المخلوقات پر اپنی ہدایات کی تکمیل کرنا چاہی تو اس نے خاتم الانبیاء والمرسلین جناب مُحمّدٌ مُصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ ﷺ کو صاحبِ خُلقِ عظیم کا مرتبہ عطا فرمایا جیسا کہ قرآنِ حکیم میں آپ کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم۔۴)

یعنی ''اور بے شک (اے نبی) تم اَخلاق کے نہایت اعلیٰ (بڑے) مرتبے پر ہو'' اتنا ہی نہیں بلکہ اللہ جلّ شانہٗ نے حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی (یا حیاتِ طیبہ) کو مسلمانوں کے لیے بہترین نمونۂ زندگی قرار دیا جیسا کہ سورۂ احزاب میں ارشاد ہوا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (آیۃ ۲۱)

''(یعنی) تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک عُمدہ نمونہ (طریق زندگی) ہے۔''

فی الحقیقت رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی تمام کمالات وصفات کی جامع ہے اور آپؐ کا اُسوۂ حَسنہ ہی انسانیت کا آخری اور مکمّل ترین معیار ہے۔ ایک مرتبہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صِدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک صاحب نے حضور ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اُن صاحب سے فرمایا، کیا تم قرآن پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا، ہاں پڑھتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، كَانَ خُلُقُهُ الْقُرآن یعنی رسول اللہ ﷺ کا خُلق قرآن تھا گویا بالفاظِ دیگر حضور ﷺ کی مقدس زندگی قرآنِ حکیم کی عملی تفسیر تھی۔

قرآنِ حکیم کی عملی تفسیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جن باتوں کا قرآنِ پاک میں حکم دیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے حضورﷺ نے خود سب سے بڑھ کر ان پر عمل کیا اور جن باتوں سے قرآنِ مجید میں منع کیا گیا آپؐ کبھی ان کے نزدیک نہیں گئے۔ جن اخلاقی محاسن کو قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث قرار دیا گیا، حضورﷺ کی ذاتِ گرامی اُن سب سے بدرجۂ غایت (سب سے بڑھ کر) متّصف تھی مثلاً تعلّق مع اللہ، عبادت و ریاضت، زہد و قناعت، راست گوئی، اظہارِ حق، تقویٰ، ایفائے عہد، اشاعتِ علم، عدل و انصاف، سخاوت و ایثار، صبر و استقامت، عفو و درگزر، خوش کلامی، امانت و دیانت، تواضع و انکسار، صُلح پسندی، مہمان نوازی، زیر دستوں پر شفقت، شرم و حیا، صلۂ رَحمی، رحم و کرم، غربا کی اعانت مسافروں کی امداد، اکلِ حلال، اللہ پر توکّل، ہمسایوں سے نیک سلوک، بچوں سے پیار، بڑوں کا ادب، استغنا، سادگی، برائی کا بدلہ بھلائی، حلم و تحمّل، خدمتِ خَلق، خادموں سے حُسنِ سلوک، جانوروں پر شفقت، شگفتہ مزاجی، مساوات پسندی، خواتین سے حسنِ سلوک، اولاد سے محبت، اعتدال یا میانہ روی، لین دین میں خوش معاملگی، شجاعت و جوانمردی، بُردباری، باہمی اُخوّت و ہمدردی، عیادت و تعزیت، نظافت پسندی، عزم و استقلال، رقیق القلبی، ہدایا و تحائف کا لینا دینا بیواؤں اور یتیموں سے حسنِ سلوک، اہلِ خانہ سے حُسنِ سلوک وغیرہ [1]

اسی طرح قرآنِ پاک میں جن باتوں سے منع فرمایا گیا یا جن سے بچنے کا حکم دیا گیا حضورﷺ ہمیشہ ان سے دُور اور پاک رہے مثلاً قطعِ رحمی، قتلِ ناحق، ظلم، انتقام، بدعہدی، بدگمانی، کِذب، بُخل، اِسراف، غیبت، تکبّر، کتمانِ شہادت، رِیاکاری، رشوت، جوا، شراب، خیانت، تعصّب، فتنہ وفساد، تفرقہ اور نا اتفاقی، چُغلی، حَسَد اہانتِ نفسِ انسانی، سودخواری، تمسخر، تعریف میں مبالغہ، حُبِّ دنیا، عُریانی اور بے حیائی، لین دین میں بدمعاملگی اور دھوکا، تہمت طرازی وغیرہ۔

آنحضورﷺ کی نرم مزاجی اور خوش کلامی جس نے ایک دنیا کو مسخّر کر لیا، قرآنِ حکیم میں اس کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے۔

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ. (آل عمران آیة ۱۵۹)

(یعنی) (اے نبی!) یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تُندخُو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔

[1] اخلاقِ حَسَنہ کے مختلف عنوانات کے تحت حضورﷺ کی حیاتِ اطہر کے واقعات بیان کرنے کے لیے ایک بڑا دفتر درکار ہے۔ چونکہ اس کتاب کی محدود ضخامت ان کا احاطہ نہیں کر سکتی اس لیے ان کو ایک الگ کتاب "حَسُنَتْ جَمِيعُ خِصَالِهٖ" میں جمع کر دیا گیا ہے۔ (طالب الہاشمی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی خادم کو نہیں مارا، کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اُٹھایا، جہاد فی سبیل اللہ کے سوا آپؐ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، آپؐ نے کبھی کسی سے ایسی ایذا کا انتقام نہیں لیا جو آپ کو دی گئی ہو سوائے ایسی صورت میں جب اللہ کی حُرمتوں کو توڑا گیا ہو اور آپؐ نے اللہ کی خاطر اس کا بدلہ لیا ہو۔ (مُسندِ احمد)

عوام الناس کے لیے حُضور ﷺ کی خیر خواہی اور اہلِ ایمان پر آپؐ کی بے پناہ شفقت کی جو کیفیت تھی، قرآنِ حکیم میں اس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. (التوبہ آیۃ ۱۲۸)

ترجمہ: دیکھو! تم لوگوں کے پاس تُمہیں میں سے ایک رسول آیا، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے وہ تمہاری فلاح (مَنفَعت) کا بے حد خواہشمند ہے اہلِ ایمان پر وہ نہایت شفیق اور رحیم ہے۔

"رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" کا مہتم بالشان لقب حُضور ﷺ کو آپؐ کے خُلقِ عظیم ہی کی بنا پر بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو بھی مسلمان حُضور ﷺ کی سیرتِ طیبّہ کا بغور مطالعہ کرے گا، وہ لامحالہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اپنی ظاہری و باطنی وسعتوں اور پہنائیوں کے اعتبار سے یہ کوئی شخصی سیرت نہیں اور محض آپؐ کی ذاتِ خاص ہی کا دستورِ زندگی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ایک مکمل دستورِ حیات ہے۔ حضور ﷺ کی اطاعت یا آپؐ کے اسوۂ حَسنہ پر عَمل ہی سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرسکتا ہے۔ آپؐ سے بے نیاز ہوکر رضائے الٰہی کی امید رکھنا پرلے درجے کی جہالت اور غلط اندیشی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو حضور ﷺ کے اُسوۂ حَسَنہ کو مشعلِ راہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابیات

اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں قرآنِ حکیم کے علاوہ جن دوسری کتابوں سے براہِ راست یا بالواسطہ استفادہ کیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں:

۱۔	صحیح بخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ
۲۔	صحیح مسلم	امام مسلمؒ بن الحجاج القشیری
۳۔	سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد سلیمان الاشعث سجستانیؒ
۴۔	جامع الترمذی	امام محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ
۵۔	سنن ابنِ ماجہ	ابوعبداللہ محمدؒ بن یزید بن ماجہ قزوینیؒ
۶۔	موطا امام مالکؒ	امام مالک بن انس الاصبحیؒ
۷۔	سنن النسائی	امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائیؒ
۸۔	السیرۃ النبویہ	ابومحمد عبدالملک بن ہشامؒ
۹۔	السیرۃ النبی کامل ابنِ ہشام	ترجمہ اردو مولانا عبدالجلیل صدیقی نظرثانی وتہذیب مولانا غلام رسول مہر اعتقاد پبلی کیشنز، دِلّی طبع ۱۹۸۲
۱۰۔	زادالمعاد	حافظ ابنِ قیمؒ
۱۱۔	الطبقات الکبرٰی	علامہ محمد بن سعد کاتب الواقدیؒ اردو ترجمہ مولانا عبداللہ العمادیؒ
۱۲۔	مُسندِ احمد	امام احمد بن محمد بن حنبلؒ
۱۳۔	البدایہ وَالنّہایہ	حافظ اسماعیل بن کثیر الدمشقیؒ
۱۴۔	تلقیح فہوم اہل الاثر	ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزیؒ
۱۵۔	تاریخ الامم والملوک	ابنِ جریر طَبَریؒ
۱۶۔	الروض الانف	ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلیؒ
۱۷۔	تفسیر ابنِ کثیر	حافظ اسماعیل بن کثیر الدمشقیؒ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۸۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب — حافظ ابنِ عبد البرؒ

۱۹۔ الاِصابہ فی تمیز الصحابہ — حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ

۲۰۔ اُسدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ — علامہ ابی الحسن علی الجزری ابنِ اثیرؒ اردو ترجمہ مولانا محمد عبد الشکور فاروقیؒ جلد اوّل تا ہفتم و پروفیسر غلام ربانی عزیز جلد ہشتم تا یازدہم۔

۲۱۔ تاریخ ابنِ خلدون — اردو ترجمہ حکیم احمد حسین عثمانیؒ

۲۲۔ مشکوٰۃ المصابیح — ولی الدین محمد بن عبد اللہ التبریزیؒ

۲۳۔ مولدِ رسول اللہؐ لِابنِ کثیر — اردو ترجمہ از مولانا افتخار احمد قادری

۲۴۔ فتح الباری — حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ

۲۵۔ المستدرک — ابو عبد اللہ محمد الحاکم نیشاپوریؒ

۲۶۔ المواہب اللدنیۃ — علامہ قسطلانیؒ

۲۷۔ محمد رسول اللہ ﷺ — از شیخ محمد رضا مصری اردو ترجمہ مولوی محمد عادل قدوسی

۲۸۔ اَصَحُّ السِّیَر — مولانا ابو البرکات عبد الرؤف داناپوریؒ

۲۹۔ سیرۃ النبیؐ — مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی (طبع پنجم)

۳۰۔ تاریخ ارض القرآن — مولانا سید سلیمان ندویؒ

۳۱ رَحمۃٌ لِّلعالمین — مولانا قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور

۳۲۔ نبیِ رحمت — مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

۳۳۔ غزوۂ تبوک — علامہ محمد احمد باشمیلؒ

۳۴۔ قصص القرآن جلد چہارم — مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

۳۵۔ سیرتِ کبریٰ جلد اوّل و دوم — مولانا ابو القاسم رفیق دلاوریؒ

۳۶۔ سیرت سرورِ عالم جلد اوّل و دوم — مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ

۳۷۔ تفہیم القرآن جلد اوّل تا ششم — //

۳۸۔ ضیاء النبیؐ جلد چہارم — علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۹۔ الرَّحیق المختوم (اردو) — مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

۴۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۹ — پنجاب یونیورسٹی لاہور

۴۱۔ معارف الحدیث — مولانا محمد منظور نعمانیؒ

۴۲۔ رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی — ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

۴۳۔ جغرافیہ جزیرۃ العرب — مولانا محمد رابع ندوی

۴۴۔ تاریخِ اسلام جلد اوّل — شاہ معین الدین احمد ندویؒ

۴۵۔ اسلامی دنیا — جناب ذوالفقار حمید

۴۶۔ تاریخِ اسلام جلد اوّل — مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی

۴۷۔ عہدِ نبوّت کے ماہ وسال — علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ اردو ترجمہ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ (طبع ۱۹۷۶)

۴۸۔ تاریخِ اسلام — سیّد امیر علی مرحوم

۴۹۔ سیرۃِ نبویؐ قرآنی — مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم

۵۰۔ رسالہ نقوش لاہور رسول نمبر جلد چہارم — جناب محمد طفیل مرحوم

۵۱۔ رسالہ فاران کراچی رسول نمبر — مرتبہ مولانا ماہر القادریؒ

۵۲۔ رسالہ محدث لاہور رسول نمبر — مرتبہ مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی

۵۳۔ ذکرِ حبیب ﷺ الذکر المیمون ترجمہ سرور المحزون — شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ترجمہ اردو مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طالب الہاشمی کی دوسری تالیفات

سیرۃ طیبہ

حَسُنَتْ جَمِیعُ خِصَالِهٖ
اخلاقِ پیمبریؐ
معجزاتِ سرورِ کونین ﷺ
ارشاداتِ دانائے کونینؐ
وفودِ عرب بارگاہِ نبویؐ میں
ہمارے رسولِ پاک ﷺ (صدارتی ایوارڈ یافتہ)
جنّت کے پھول

سِیَرُ الصَّحَابہؓ

خلیفۃ الرسول سیّدنا ابوبکر صدّیق اکبرؓ
خیر البشرؐ کے چالیس جاں نثارؓ
آسمانِ ہدایت کے ستّر ستارےؓ
فوز وسعادت کے ایک سَو پچاس چراغؓ
تذکارِ صحابیاتؓ
سیرت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح عراقِ عرب
سیرت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ
تیس پروانے شمعِ رسالتؐ کے
سرورِ کائناتؐ کے پچاس صحابہؓ
رحمتِ دارینؐ کے سَو شیدائیؓ
حبیبِ کبریا کے تین سَو اصحابؓ
سیرۃ سیّدۃ النِّساء حضرت فاطمۃ الزّہراؓ
سیرت حضرت ابوایوب انصاریؓ
سیرت حضرت ابوہریرہؓ

تذکارِ اولیاء

تذکرہ شاہِ جیلانؒ
تذکرہ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ
تذکرہ خواجہ اجمیریؒ
تذکرہ بابا فریدالدین گنج شکرؒ
تذکرہ حضرت موج دریا بخاریؒ

تاریخ وسوانح

یہ تیرے پُراسرار بندے
ملک شاہ سلجوقی
یعقوب المنصور باللہ
الملک الظاہر بیبرس
سلطان نورالدین محمود زنگیؒ
تاریخِ اسلام کی چارسَو باکمال خواتین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متفرق موضوعات

سفر نامۂ آخرت
حکایاتِ رومی
حکایاتِ سعدی
حکایاتِ صوفیہ
آج کے بچے کل کے جوان
کیڑوں مکوڑوں کی حیرت انگیز کہانیاں

نونہالانِ قوم
کے لیے کردار ساز کتابیں
۴۲ کتابوں کا سیٹ

اللہ کی پکڑ، آگ میں باغ، خدائی امتحان، سونے چاندی کا بچھڑا، صبر کی تصویر، لقمان حکیم، شہید نبی، جنت کی خوشبو، آزمائش، یمامہ کا قیدی، شریف دشمن، گمنام محسن، اللہ کا شیر، اللہ کی تلوار، فرض کی پکار، غمگسار بیوی، ماں راضی اللہ راضی، شیر دل خاتون، بہادر بھائی بہن، شرافت کا پتلا، بادشاہی میں فقیری، حق کی تلاش، بدر کا شہسوار، درویش گورنر، بے وقت کی اذان، کتابوں کا خمیر، اللہ کا سپاہی، غرور کا سر نیچا، شیر دل سلطان، دریا دل عالم، نصیحت کا حق، دل کی بادشاہی، ڈاکو کا قہقہہ، خدا پر بھروسا، دلیر چرواہا، ظلم کا انجام، توبہ کی برکت، غریب بادشاہ، سہسرام کا سپاہی، سچائی کی جیت، کرخ کا درویش، دلوں پر حکومت۔

نوٹ:

کتابوں کی قیمت میں مختلف وجوہ کی بناء پر وقتاً فوقتاً ردوبدل ہوتا رہتا ہے ہر کتاب رائج الوقت قیمت کے مطابق مہیا کی جائے گی۔

القمر انٹرپرائزز
غزنی سٹریٹ
اردو بازار ○ لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com
المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
نمبر ....17027....

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

طالب الہاشمی کی چند دیگر کتب